محدثینِ اندلس
ایک تعارف
www.KitaboSunnat.com
ڈاکٹر جمیلہ شوکت

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظامِ حکومت کس طرح چلایا، خلافت، وزارت صنعت وحرفت، فقہی سرگرمیاں معمولاتِ عبادات، ماپ تول، تحریری وجنگی سرگرمیاں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمولات

تالیف

علامہ الشیخ عبدالحی الکتانی

المتوفی ۱۳۸۲ھ

مترجم

مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
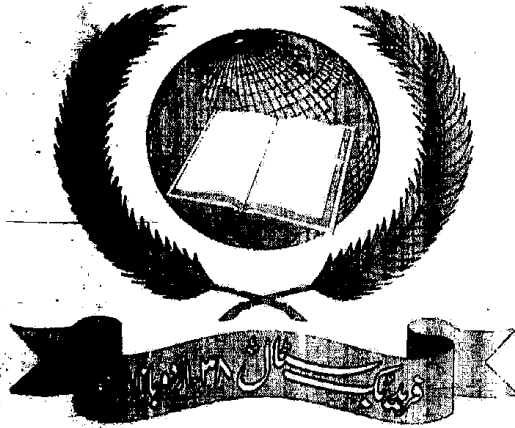
تصحیح ونظر ثانی: مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : رمضان المبارک 1426ھ / اکتوبر 2005ء
قیمت

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

فہرس

نظامِ حکومتِ نبویہ ﷺ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفتی منیب الرحمن

صدر تنظیم المدارس‘ اہل سنت‘ پاکستان۔ چیئرمین مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی‘
مہتمم دارالعلوم نعیمیہ‘ کراچی

مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی ماشاء اللہ صاحب علم و فضل ہیں‘ علوم دینیہ کی فضیلت کے حامل ہونے کے ساتھ عصری علوم پر بھی دسترس رکھتے ہیں‘ اس طرح ان کی شخصیت مجمع البحرین ہے۔ تقریباً ربع صدی سے وہ خطابت‘ تدریس‘ تصنیف‘ تراجم اور تصحیح کے علمی اشغال سے وابستہ ہیں۔ مولانا محترم الحمدللہ! خوددار اور قناعت پسند ہیں اور ہمیشہ محنت و کسب حلال ان کا شعار رہا ہے۔ روزگار تو ہر انسان کی ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی‘ لیکن اللہ تعالیٰ کسی کا رزق ایسے شعبے سے وابستہ فرمادے‘ جو صدقۂ جاریہ بھی ہو تو یہ اس بندے کی سعادت اور اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ انہوں نے علامہ سعیدی کی معرکۃ الآراء اور صدیوں بلکہ ہزاریوں تک باقی رہنے والی تصانیف شرح صحیح مسلم (مکمل) اور تبیان القرآن کی نو مجلدات کی تصحیح کی ہے‘ یہ کتب دینی علم اور تحقیق کا نادر خزینہ ہیں اور مصنف مدظلہ کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب ہو جس نے کم از کم تین بار بالاستیعاب ان کتب کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کیا ہو۔

عربی دینی کتب کا ترجمہ ایک مشکل فن ہے‘ ہر زبان کی گرامر‘ فصاحت و بلاغت‘ ادبی معیارات‘ محاورات‘ استعارات‘ تلمیحات و تشبیہات‘ علوم معانی‘ بیان و بدیع جدا جدا ہوتے ہیں اور عربی زبان تو اس اعتبار سے روئے زمین پر بولی جانے والی تمام زبانوں سے منفرد و ممتاز اور سب سے غنی (Rich) ہے اور کسی ماہر و کامل مترجم و مصنف کے لیے ان تمام اُمور پر عبور اور ملکۂ تامہ بنیادی ضرورت ہے۔ پھر لفظی ترجمہ میں نہ وہ تاثیر ہوتی ہے نہ اصل مصنف کی مکمل ترجمانی۔ اس لیے عربی کتاب کا ایسا اردو ترجمہ جو بامحاورہ ہو‘ جس میں سلاست و روانی ہو‘ اصل مصنف کے نقطۂ نظر کی مکمل ترجمانی ہو اور اس کی اصل عبارت کی کامل رعایت بھی ہو‘ اعلیٰ معیار کا حامل ہوتا ہے۔ کم لوگ اتنا کامل انصاف کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ مولانا فیضی صاحب کے ترجمہ میں ماشاء اللہ ان تمام رعایات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اِس لیے قاری کو یہ نہیں لگتا کہ وہ کسی کتاب کا ترجمہ پڑھ رہا ہے‘ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی مصنف کی اصل کتاب پڑھ رہا ہے۔ زیرِ نظر کتاب علامہ کتانی کی ”التراتیب الاداریہ“ ہے‘ جو علامہ محمد بن سعود الخزاعی کی کتاب ”تخریج الدلالات السمعیہ علی ما کان فی عھد رسول اللہ ﷺ من الحرف و الصنائع والعمالات الشرعیة“ کی تحقیق و تخریج بھی ہے اور اس کا تکملہ و تتمہ بھی ہے۔

اہل مغرب نے تو انسانیت (Humanism) کے نام پر ایک خود ساختہ مذہب انسانیت ایجاد کر لیا ہے' پھر انسان کے لیے خود ساختہ حقوق کے معیارات مقرر کر لیے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ انسان کو خود ہی اپنے خیر و شر' نفع و نقصان مالہٗ وما علیہ جملہ امور کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اس کے لیے اختیار کا منبع منتخب پارلیمنٹ یا قانون ساز ادارے ہیں' اس میں انسان کے خالق کی عطا کردہ ہدایت یا جواب دہی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ چنانچہ اسی تصور نے مکمل عریانی' ہم جنس پرستی اور دیگر مفاسد کو قانون کا تحفظ فراہم کیا ہے۔ ہمارے ہاں بھی فکری الحاد و انحراف اور اباحتِ کلی کا شکار مغرب زدہ لوگ معتد بہ تعداد میں موجود ہیں اور بد قسمتی سے ہماری اسٹیبلشمنٹ میں مؤثر رول انہیں لوگوں کا ہے' آج کل مذہب کی گرفت سے آزادی حاصل کرنے کی روش کو روشن خیالی (Enlightenness)' اعتدال پسندی (Moderation)' آزاد خیالی (Liberalism) اور ترقی پسندی (Progressiveness) کا نام دیا جا رہا ہے۔

امت مسلمہ کا یہ ادعاء رہا ہے کہ اسلام دیگر مذاہبِ عالم (خواہ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے سماوی ہوں یا انسان کے خود ساختہ) کی طرح محض ایک مذہب نہیں ہے' جو بندے اور رب کے درمیان نجی معاملہ ہے بلکہ یہ ایک دینِ کامل ہے' یہ دورِ جدید کی ریاست (State) کے ہم معنیٰ ہیں' جو انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی بشمول ریاست و مملکت و حکومت کے تمام امور کے لیے رہنمائی فرمائی کرتی ہے۔

لیکن ان ہدایات کو قرآن و سنت کی روشنی میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق منضبط و مدون شکل میں پیش کرنا' یہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ کام بلاشبہ مجتہدانہ بصیرت کا متقاضی ہے کہ کتاب و سنت کی نصوص اور سیرتِ طیبہ کے مستند حوالہ جات سے اصول اخذ کر کے نظام مملکت و حکومت کی ایک منضبط (Codified) اور اداراتی (Institutionalized) تصویر پیش کی جائے۔ ''التراتیب الاداریہ'' ایک ایسی ہی سعیِ جمیل ہے' جو بعد والوں کے لیے رہنمائی کا کام دے گی' یہی وجہ ہے کہ اَخلافِ امت نے امام بخاری کے ''تراجم ابواب'' کو ان کے اجتہاد سے تعبیر کیا ہے اور ''ترجمۃ الباب'' کی متنِ حدیث سے مناسبت ثابت کرنے کے لیے بڑی قابلِ قدر علمی کاوشیں کی گئی ہے۔ ''التراتیب الاداریہ'' میں نظامِ حکومت اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے عنوانات قائم کر کے سیرتِ طیبہ کے نور سے ان کے لیے رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ ایک وقیع علمی سرمایہ ہے اور اسے بنیاد بنا کر بعد کے اہلِ علم اسے مزید مصفّٰی' مجلّٰی اور مزیّن شکل میں پیش کر سکتے ہیں' ہر کام میں حک و اضافہ کی گنجائش رہتی ہے اور اس میں بھی رہے گی۔

ماضی میں یہ روش رہی ہے کہ کسی موضوع پر رطب و یابس کو جمع کر دیا جاتا ہے' قلتِ وسائل کے باوجود یہ بھی ایک بہت بڑا کارنامہ (Contribution) اور امت پر احسان ہے۔ اب یہ اَخلاف کا کام ہے کہ جرح و تعدیل کریں' نقد و نظر سے کام لیں اور رطب و یابس میں امتیاز کریں' علامہ کتانی نے اپنی بساط کے مطابق یہ کام بھی ساتھ ساتھ کیا ہے' روایات ضِعاف و موضوعات کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ علامہ فیضی صاحب کی سعیِ جمیل کو مشکور' مقبول و ماجور فرمائے اور دینی ذوق رکھنے والے اہلِ علم کو اس سے بہتر استفادہ کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

مفتی منیب الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ از محقق

بلاشبہ حمد اللہ ہی کے لیے ہے ہم اسی کی حمد کرتے ہیں' اسی سے مدد طلب کرتے ہیں' اسی سے ہدایت کے طالب ہیں اور اسی سے مغفرت کے سوالی ہیں' ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے' جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے کوئی کارساز اور رہنما نہیں پائیں گے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین

امابعد! رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات طیبہ کے مخفی گوشوں کی نقاب کشائی اور سیرت و تاریخ اسلام کی کتب سے اس مبارک دور کے قائم کردہ اداروں' ان کی انفرادی' اجتماعی' اقتصادی اور سیاسی زندگی کی چھان بین یقیناً اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عظیم ترین قرب کا باعث ہے' اہل اسلام کے پاس ایسی کتابیں کہاں تھیں جن میں ان امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہو تاکہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے نظام حکمرانی اور آپ کے قائم فرمودہ اداروں کے بارے میں معلومات فراہم ہوں' مسلمان ایسی کتب کے ضرورت مند تھے جن میں اس دور کے تہذیب و تمدن اور علمی' فنی اور معاشرتی زندگی کے پہلو اجاگر ہوں اور اس نظام کے نقوش واضح ہوں' جس کی مضبوط بنیادیں نبی ﷺ نے قائم فرمائیں اور پھر آپ کے منہاج پر صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے اس نظام کو نقطۂ عروج پر پہنچایا۔

یہ موضوع تشنۂ تکمیل رہا' سیرت و تاریخ کی قابل اعتماد اور بنیادی کتب میں اس موضوع سے متعلق روایات بکھری ہوئی تھیں' تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے مغربی عربی ممالک کے ایک عالم دین کو اس خدمت کے لیے مقرر فرما دیا اور انہوں نے اس موضوع پر نہایت مفید کتاب بنام "نظام الحکومة النبوية او التراتيب الادارية" مرتب و مدون فرمائی' اس شرف سے مشرف ہونے کی سعادت شیخ محمد عبدالحی الکتانی رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آئی۔

قبل ازیں علامہ الخزاعی نے اس کام کی بنیاد ڈال دی تھی اور ان کی کتاب "تخريج الدلالات السمعية علی ما كان في عهد رسول الله ﷺ من الحرف والصنائع والعمالات الشرعية" اس موضوع پر کوئے سبقت لے چکی تھی۔ علامہ کتانی نے علامہ خزاعی کی مذکور الصدر کتاب کو اپنی کتاب کی بنیاد بنایا' گویا اس کی حیثیت متن کی اور علامہ کتانی کی کتاب کی حیثیت شرح کی سی ہے۔ علامہ کتانی نے اس کتاب پر گراں قدر اضافے کیے اور یہ دو مجلدات میں ہے۔ مؤلف نے نبوی نظام حکمرانی کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے' نظام

حکومت چلانے والے ادارے' صنعت وحرفت' زراعت' ریکارڈ کی تدوین وتہذیب' سیاسی اور فوجی حکمت عملیاں وغیرہ جیسے اہم عنوانات پر بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں تاکہ دنیا قرنِ اوّل کے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی' اقتصادی اور سیاسی سرگرمیوں سے روشناس ہو اور ان کو قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ نظامِ حیات کو سمجھنے میں مدد ملے' اور یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ امت مسلمہ عملی' اختراعی' فکری امت تھی ان کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی' اور وہ اس معاملہ میں دوسروں کے دست نگر نہ تھے اور ان کی وہ حالت نہ تھی جس کا آج دیکھتی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

ان کی حکمرانی کی بنیاد ایسی ٹھوس انفرادی' اجتماعی' فنی' فوجی' اقتصادی اور سیاسی سرگرمیوں پر تھی جس نے ان کو دوسروں کی غلامی اور محتاجی کے چنگل سے نکال دیا تھا۔ اس بابرکت مملکت میں صنعت کار' زراعت پیشہ' اہل حرفت غرضیکہ ہر شعبہ کے منتخب افراد موجود تھے اور اپنے اپنے میدانِ عمل میں پوری تندہی سے مصروف کار تھے' کیونکہ اسلامی مملکت میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی جو اپنے عمل خیر سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے سودمند نہ ہو' انہی باعمل لوگوں کے شانوں پر پہلی عربی اسلامی مملکت استوار ہو رہی تھی۔

دورِ حاضر کی طرح اس مبارک دور میں مسلمان دوسروں کے دست نگر اور محتاج نہ تھے بلکہ صنعت وحرفت' تجارت وزراعت کے میدانوں میں وہ بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ فکری طور پر وہ دنیا کے قائد تھے یہاں تک کہ یورپ نے اپنی تیز رفتار ترقی کی بنیاد مسلمانوں کے علوم' اختراعات وایجادات' ان کے اسلوبِ معیشت اور ان کی فکری کاوشوں پر استوار کی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے علوم وفنون حاصل کیے اور ان پر گراں قدر اضافے کر کے موجودہ مقام پایا ہے۔

کتاب اور اس کے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر دار الکتب العلمیہ کے مالک الاستاذ الفاضل محمد علی بیضون نے مجھے اس کی تحقیق' اس پر تعلیقات اور احادیث کی تخریج کے لیے کہا' سو میں نے مندرجہ ذیل طریقہ سے اس خدمت کو سرانجام دیا ہے:

(۱) مقدمہ میں' میں نے طالب علم' قاری' مؤرخ اور محقق کے لیے اس کتاب کی اہمیت بیان کی ہے۔

(۲) میں نے کتاب کے مؤلف علامہ محمد عبد الحی الکتانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوانح حیات بیان کیے ہیں' لیکن علامہ الخزاعی مؤلف کتاب "تخریج الدلالات السمعیۃ" کا تذکرہ نہیں لکھا کیونکہ خود مؤلف علامہ کتانی نے اس موضوع پر خاطر خواہ معلومات فراہم کر دی ہیں۔

(۳) میں نے اصل کتب سے کتاب میں مندرج احادیث کی تخریج کی ہے اور حدیث کا نمبر لکھ دیا ہے' جہاں نمبر نہیں وہاں کتاب کی جلد اور صفحہ لکھ دیا ہے۔

(۴) علماء جرح وتعدیل کے اقوال کی روشنی میں' میں نے کتاب میں درج احادیث کو صحیح' حسن' ضعیف' موضوع اور ناقابل اعتبار کہہ کر ان کی فنی حیثیت واضح کر دی ہے' علامہ کتانی نے جن احادیث ضعیفہ' موضوعہ وغیرہ پر اعتماد کیا ہے ان کا بھی ذکر کر دیا ہے' کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ مؤلف نے اس موضوع پر موجود احادیث صحیحہ سے

صرفِ نظر کرتے ہوئے پورا عنوان کسی ایک یا متعدد احادیثِ ضعیفہ یا موضوعہ پر قائم کر دیا ہے ان کے پیش نظر صرف یہ بات رہی کہ ان کے ذکر کردہ عنوان کے لیے بطور مستدل روایت مل جائے خواہ وہ موضوع کیوں نہ ہوتا کہ ان کی کتاب کے صفحات میں خاطر خواہ اضافہ ہو' کتاب کا حجم بڑھے خواہ اس کا فائدہ کچھ بھی نہ ہو' اتنے بڑے محدث اور حدیث ورجال کے عالم سے ایسا سہو؟؟!!

میں نے احادیث ضعیفہ' موضوعہ اور واھیہ کی تخریج میں بہت مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ مصنف نے نہ صرف ان احادیث کو ذکر کیا ہے بلکہ ان کو سند قبولیت بھی عطا کی ہے بعض اوقات وہ موضوعات پر مشتمل کتب سے ان احادیث کو بطور استدلال نقل کرتے ہیں' مثال کے طور پر علامہ ابن الجوزی کی کتاب ''الموضوعات الکبریٰ'' کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ''مجمع الزوائد'' کے حوالہ سے ایسی احادیث نقل کر دیتے ہیں اور علامہ ہیثمی کے تبصرہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں' حالانکہ علامہ ہیثمی یہ بیان کر چکے ہوتے ہیں کہ اس حدیث میں فلاں راوی کذاب یا ضعیف یا سوء حفظ والا ہے۔

میں نے ایسے مقامات پر حدیث کا درجہ بیان کر دیا ہے اور ائمۂ جرح وتعدیل کے اقوال نقل کر دیئے ہیں۔

(۵) قرآنی آیات کے نمبر ڈال دیئے ہیں اور سورت کا نام بھی تحریر کر دیا ہے۔

(۶) اصل نسخہ میں کتابت اور طباعت کی اغلاط کو حتی الامکان درست کر دیا ہے۔ ناقلین کی تحریف اور تصحیف کی اصلاح کر دی ہے اور حدیث اور اسماء الرجال کی اصل کتب سے مدد حاصل کی ہے۔

(۷) احادیث شریفہ' اقوال علماء اور خود مصنف کے کلام میں موجود مفردات غریبہ کی تشریح کی ہے' اس سلسلہ میں' میں نے مستند لغات اور غریب الحدیث اور ان کی شروحات پر مبنی کتب سے استفادہ کیا ہے۔

(۸) بعض مقامات پر حواشی کی صورت میں بعض مسائل کی وضاحت کر دی ہے تاکہ کتاب کے فوائد میں اضافہ ہو اور ابہام کا خاتمہ ہو۔

(۹) مصنف کی ذکر کردہ کتابوں کے نام چھوٹے قوسین" " میں دے دیئے ہیں اس کے علاوہ بھی جہاں قوسین کی ضرورت تھی اس سلسلہ کو جاری رکھا ہے۔

(۱۰) کتاب میں جہاں کہیں ممکن تھا' میں نے ذکر کردہ علماء' فقہاء' محدثین میں سے بعض کے مختصر حالات لکھ دیئے ہیں' اگر تمام مذکورہ حضرات کے حالات لکھے جاتے تو پھر ایک الگ کتاب کی ضرورت پیش آتی جو نامناسب رہتی۔

(۱۱) احادیث کی تخریج' تحقیق اور تعلیقات میں' میں نے جن کتب سے مدد لی ہے ان مراجع اور مصادر کے نام میں نے کتاب کے آخر میں درج کر دیئے ہیں۔

(۱۲) میں نے اپنی اس عاجزانہ پیش کش کو ''المنح الالهية في تخريج احاديث نظام الحكومة النبوية المسمّى بالتراتيب الادارية'' کا نام دیا ہے۔

میں بارگاہِ رب العزت میں ملتجی ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنائے اور اسے میرے نامۂ اعمال میں درج فرمائے' اس کام کی تکمیل میں جن حضرات نے میری مدد کی ہے' اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے ۔ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میری یہ کوشش درجۂ کمال تک پہنچی ہے کہ کمال تو صرف ذات واحد و یکتا کے لیے ہے۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے۔ اگر میری یہ سعی اور کدو کاوش حسن ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے نواز دے' اور اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے' میں اللہ سے عفو و درگذر کا خواہاں ہوں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

علی محمد دندل (دمشق' شام)

مؤلف کتاب علامہ کتانی کے سوانح حیات

علامہ محدث محمد عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد الحسنی الادریسی المعروف عبدالحی الکتانی ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں فاس میں پیدا ہوئے' اسی شہر میں اپنے والد علامہ السید عبدالکبیر الکتانی' اپنے ماموں محدث جعفر الکتانی مؤلف ''الرسالة المستطرفة'' اور دیگر علماء فاس سے علم حاصل کیا اور نسل در نسل علم کے وارث ہوئے۔

بچپن ہی سے آپ میں علم وکمال کے آثار ہویدا تھے' علم حدیث اور اسماء رجال سے خاص شغف رہا' حج کو گئے اور مصر' حجاز' شام' تونس اور الجزائر کے فقہاء اور محدثین سے متعارف ہوئے' وہ آپ کے علم سے اور آپ ان کے علم سے افادہ اور استفادہ کرتے رہے اور وہ آپ کے علم وفضل کے معترف ہوئے۔

علامہ کتانی رحمہ اللہ نادر مخطوطات اور مفید کتب کی تلاش وجستجو میں رہتے تھے' جب بھی اسلامی ممالک کی سیاحت سے واپس آتے' مخطوطات اور نادر کتب کی معتدبہ تعداد ہمراہ لاتے تھے' اس طرح آپ بہت سی شاندار اور نفیس کتب کے مالک بن گئے اور آپ کا کتب خانہ دنیا کا بے مثال کتب خانہ بن گیا' بے شمار مفید کتب اور شروحات آپ کی یادگار ہیں' ہر سفر آپ کے علم میں اضافہ کرتا رہا اور آپ پر عطاء الٰہی کے نورانی آثار چھوڑتا رہا' آپ کی نفع بخش اور مفید یادگاروں میں سے بعض اہم تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) فهرس الفهارس (مطبوعہ)

(۲) اختصار الشمائل (مطبوعہ)

(۳) التراتيب الادارية (دو جلد) زیر مطالعہ کتاب' علامہ ابوالحسن علی بن محمد الخزاعی متوفی ۷۸۹ھ کی کتاب ''تخريج الدلالات السمعية'' کی تکمیل اور اس پر بے شمار فوائد کا اضافہ۔ علامہ کتانی اس کتاب کے ایک چوتھائی حصہ سے لاعلم رہے۔ جس کا ذکر زرکلی نے ''الاعلام'' ج ۶ ص ۱۸۷۔۱۸۸ میں کیا ہے۔

(۴) الكمال المتلالي والاستدلالات العوالي (مطبوعہ)

(۵) ثلاثيات البخاری (مخطوطہ)

(۶) مفاكهة ذوی النبل والاجادة (مطبوعہ)

(۷) وسيلة الملهوف (مطبوعہ)

(۸) البيان المعرب عن معانی بعض ماورد فی اهل اليمن والمغرب (مطبوعہ)

(۹) الرحمة المرسلة فی شان حديث البسملة (مطبوعہ)

(۱۰) لسان الحجة البرهانية فی الذب عن شعائر الطريقة الاحمدية الكتانية (مطبوعہ)

ان کتب کے علاوہ آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب اور رسائل کی تعداد ایک سو تیس (۱۳۰) سے زائد ہے۔

علمی سرگرمیوں کے ساتھ علامہ کتانی سیاسی طور پر بھی خاصے فعال رہے' حالانکہ ان کے عزیز واقارب اور معاصرین

کی کثیر تعداد اسے ناپسند کرتی تھی، اس سلسلہ میں ان کو ۱۳۲۷ھ، ۱۹۰۹ء میں ''دار المخزن'' میں قید و بند کی صعوبت بھی برداشت کرنا پڑی۔ ۱۹۱۲ء میں جب سلطان محمد الخامس تاج و تخت سے محروم کر دیئے گئے اور مغرب پر فرانسیسی تسلط قائم ہو گیا انہوں نے فرانس کے حمایت یافتہ ابن عرفہ کی بیعت کر لی۔ جب مراکش کو آزادی حاصل ہوئی علامہ کتانی پیرس میں قیام پذیر تھے اور اپنے انتقال (۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹۶۲ء) تک وہیں مقیم رہے۔ مراکش کی آزادی کے کئی سال بعد ان کا کتب خانہ رباط کی پبلک لائبریری میں شامل کر لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مصنف کتانی کو اپنے فضل و کرم سے نوازے اور ہمیں ان کے علوم سے نفع یاب فرمائے۔ والحمد لله رب العالمين.

مؤلف کے حالات کی ترتیب میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:

(۱) فهرس الفهارس. مقدمہ اور جزء ثانی ص۲۰ (از مصنف)

(۲) تذييل بحر الانساب ص۴

(۳) معجم المطبوعات ص۱۵۴۶

(۴) تحفة الاخوان ص۸۴

(۵) شجرة النور ص۴۳۷

(۶) الاعلام ج۶ ص۱۸۷۔۱۸۸ (خیر الدین الزرکلی)

مقدمہ از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم. الحمد للہ و کفی وسلم علی عبادہ الذین اصطفی.

اما بعد! جن لوگوں نے عربی تمدن اور اسلامی مملکت کا نظم ونسق قائم رکھنے والے اداروں کا تذکرہ کیا ہے اور اموی اور عباسی دورِ حکومت کے تنظیمی اداروں' مناصب' عہدوں' ذمہ داریوں اور کارندوں کا ذکر کیا ہے' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں موجود ان تمام اداروں اور مناصب کے ذکر سے پہلو تہی ہے' حالانکہ حضور ﷺ جس طرح دینی منصب نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول اور مصروف رہے اسی طرح آپ نے دین اور دنیا دونوں قوتوں کے امتزاج سے ایک حسین معاشرہ قائم فرمایا' دنیوی سیاست اور دنیاوی امور بھی دین ہی کے زیر سایہ نشو ونما پا کر دین ہی کی ایک شاخ بن گئے۔

آپ ﷺ کے عہد میں دین اور دنیا دونوں سے متعلق لازمی ادارے عصائے اقتدار کی حیثیت رکھتے تھے اور روز افزوں ترقی کر رہے تھے' تمام امور بطریق احسن سرانجام دیئے جا رہے تھے اور ذمہ دار حضرات پوری ذمہ داری سے ان کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ یہاں تک کہ آج کے دور میں بادشاہ سے مخصوص ذاتی اور شخصی امور کی انجام دہی کے ذمہ دار مثلاً وضو' بستر' جوتے' اصطبل کے منتظم اور حاجب وغیرہ تک موجود تھے' شاید اسلامی ممالک کے بادشاہوں نے آپ ہی کے عہد مبارک سے یہ مناصب اخذ کیے ہیں۔ دوسری طرف جب آپ انتظامی امور پر مشتمل اداروں پر نظر ڈالیں جیسے وزارت' کتابت' مراسلہ نگاری' دستاویز نویسی' صلح نامے' معاہدے' قاصد' ترجمان' فوج کے رجسٹر مرتب کرنے والے' قاضی' نگران' وظائف تقسیم کرنے والے' میراث تقسیم کرنے والے' شہر کی خفیہ پولیس' جیل خانے' جاسوس' خبر رساں افراد' ہسپتال' مدارس' زوایا' وصیوں کا تقرر' نرسیں' جراح' تجربہ کار منتظمین' بیت المال کے نگران' عشر کے محصل' زمین کے تقسیم کار' منجنیق ساز' منجنیق چلانے والے' دبابے بنانے والے' خندقیں کھودنے والے' سنار' رنگریز' مختلف اشیاء کے تاجر' صنعت وحرفت کے ماہرین وغیرہ سب موجود تھے' رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ کی مختصر زندگی میں یہ تمام کام انجام دیئے جا رہے تھے اور ان کے دفاتر اور ادارے قائم تھے اور اسلامی مملکت کی ضروریات بطریق احسن پوری ہو رہی تھیں۔

بسا اوقات سامع اور قاری اپنے محدود مطالعہ کے سبب ان بدیہی معلومات سے واقفیت پر متعجب ہوتا ہے کیونکہ اس کا مطالعہ متاخرین کی چند ایسی کتب سیرت تک محدود ہوتا ہے جو مذکور الصدر تفصیلات سے خالی ہیں۔ سو اس کی حیرت اور پریشانی بجا ہے' لیکن ''الھمزیۃ'' یا اس قبیل کی کتب تک رسائی کی وجہ سے اس کی یہ حیرت نقصان دہ نہیں ہے اور مذکورہ بالا اداروں' دفاتر اور ذمہ داریوں کے وجود اور ان کی تنظیم وتہذیب سے اس کا ناواقف ہونا تعجب کی بات نہیں ہے۔

کبھی یہ حیرت واستعجاب ان لوگوں میں بھی نظر آتا ہے جو ان مسلم اور غیر مسلم (عیسائی) مصنفین کی کتب کا مطالعہ کر چکے ہوتے ہیں' جنہوں نے اسلامی تہذیب وتمدن پر کتب تصنیف کی ہیں اور انہوں نے اسلامی عربی تمدن کو عباسی اور اموی دور حکومت کے حوالہ سے بیان کیا ہے' نیز مسلمانوں کے زیر اقتدار عجمی' دیلم' ترک' فارس اور بربر وغیرہ مشرقی' مغربی مسلم ممالک کے تمدن کو اس میں شامل کیا ہے' بلکہ وہ عہد بنو عباس سے اسلامی تمدن کو منسوب کرتے ہیں تاکہ ان کے لیے یہ کہنے میں آسانی ہو کہ مسلمانوں کا تمدن یونان اور فارس سے ماخوذ ہے قرآن اور سنت سے ماخوذ نہیں' مجھے ایک شامی مصنف کے رسالہ میں یہ تصریح بھی ملی ہے کہ اسلامی تمدن شریعت اسلامی سے الگ چیز ہے اس سے متعلق نہیں ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ اخذ کرنا اس مصنف کی سیرت وحدیث کی کتب سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا پھر وہ حکماء کی ان تصریحات اور حقائق سے لاعلم ہے جس کو انہوں نے کسی بھی تمدن کی بنیاد اور اساس قرار دیا ہے۔

وہ بنیادیں جو کسی معاشرے کی ترقی کی اساسی اینٹ ہوتی ہیں یا اس کی علمی' ادبی اور فلسفیانہ وراثت ہوتی ہیں وہی درحقیقت اس کے تمدن کا فیصلہ کرتی ہیں کیونکہ ان سے ان کے حقیقی مقام پر روشنی پڑتی ہے' اس ثروت کی نشاندہی ہوتی ہے جس سے وہ شادکام ہوتے رہے' یہ چیز اس معاشرے کی صنعت' زراعت اور تجارت پر کنٹرول کی دلیل ہوتی ہے اور اسی سے اس معاشرہ کی اختیار کردہ راہِ عمل واضح ہوتی ہے اس کے قوانین اور تمدن کی صحیح صورت گری ہوتی ہے' اسی سے اس امت کے اخلاقی عروج وزوال کی کہانی سامنے آتی ہے' ان کا عادل یا ظالم ہونا' اخلاق عالیہ سے متصف یا محروم ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔

جو شخص اسلام کی ترقی اور نبی ﷺ کی تعلیمات سے واقف ہوگا ان میں غور وفکر کرے گا اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ظہورِ اسلام کے وقت ایسے تمدن کا کوئی وجود نہ تھا' نبی ﷺ کی تعلیمات میں غور وفکر کرنے' آپ کے ارشاداتِ عالیہ کے انواع سے واقفیت' قرآن مجید کے بیان کردہ معاشرتی آداب' باہم تعارف ویکجائی کے طریقے' احکام طبیعہ' اسرارِ وجود اور کائنات کے بیش بہا اسرار کا بیان' حقوق کا تعین' نظامِ حیات کی روشن راہیں جن کے قرآن میں واضح احکام اور اشارے موجود ہیں۔ نیز تہذیب نفوس' اخلاقِ عالیہ کے حصول کے لیے سنت نبویہ اور آپ کا یہ ارشاد کہ خوب سے خوب تر کو اپنا لو' اس بات کی دلیل ہے کہ خوب تر کو اپنانا اور محکم تر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا ہی اخوت بشری اور معاشرتی ارتقاء کی سیڑھی ہے اور اسی سے حریت فکر وعمل کو راہ ملتی ہے' اسے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے نزول کے اولین روز اور نبی ﷺ کے اعلان نبوت کے پہلے دن ہی سے اسلامی تمدن کی بنیاد رکھ دی گئی تھی اور اہل ایمان قرآن وسنت کی متعین کردہ راہوں پر چل کر اس تمدن کی آبیاری کرنے لگے۔

ہاں! ہم اس کے منکر نہیں کہ اسلامی تمدن فطری انداز میں قدم بہ قدم ترقی کے مدارج طے کرتا رہا' بتدریج منازل عروج طے کرتے ہوئے اوجِ ثریا تک پہنچا' جو شخص اس موضوع پر کماحقہٗ تدبر وتفکر سے کام نہ لے گا وہ اسلامی تمدن کی صحیح صورت گری کو نہیں سمجھے گا۔ اس کی نگاہوں سے وہ تمام ادارے نیز صنعت وحرفت اور تجارت کی قدم بہ قدم عروج کی داستان مخفی رہے گی جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد دس سال کے مختصر عرصہ میں مدینہ

طیبہ میں رو بہ عمل آئے' حالانکہ اسی دور میں کسی بھی قوت حاکمہ اور انتظامیہ کے لیے مطلوب تمام ادارے مثلاً ریکارڈ کی تدوین و ترتیب' حساب' عدلیہ' جنگی امور اور صحت وغیرہ کے مسائل کے حل کا صحیح طریقہ ایجاد کیا گیا۔

لیکن جس کا مبلغ علم اتنا ہو کہ اس دور کے لوگ ننگے پیر رہتے تھے جب کھانا کھاتے تو اپنے ہاتھوں کو پیروں پر مل کر صاف کر لیتے تھے وہ اس تمدن کی شروعات کو کیا سمجھے گا۔ ایسی لغزشیں بعض نامور حضرات سے بھی ہوئی ہیں' حتیٰ کہ ابن خلدون' "مقدمة العبر" میں متعدد مقامات پر لکھتے ہیں:

''ملت ابتداء میں علم و صناعت سے عاری تھی ان کی سادگی اور بداوت اسی کی متقاضی تھی' احکامِ شریعت یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو لوگ اپنے سینوں میں منتقل کر لیتے تھے' نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے بیان سے کتاب و سنت سے ان اوامر و نواہی کے ماخذ کو جانتے تھے' عرب تعلیم' تالیف اور تدوین سے ناآشنا تھے' وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے نہ ان کو اس کی حاجت تھی' صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ تک ان کا یہی معاملہ رہا''۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۷۷' مطبوعہ مصر)

اسی تقریر کو نواب صدیق حسن خان قنوجی نے اپنی کتاب ''الحطة فی ذکر الصحاح الستة'' (ص ۱۱) میں ابن خلدون کے حوالہ کے بغیر نقل کیا ہے۔

لیکن گردش لیل و نہار سے واقف' دقتِ نظر اور مثبت سوچ سے متصف انسان یقیناً گواہی دے گا کہ تہذیب و تمدن نے نبی ﷺ کی مدنی زندگی کے دس سالوں میں جس قدر ترقی کی ہے وہاں تک دوسری اقوام کی رسائی صدیوں تک بھی نہیں ہو پائی' اس مبارک دور میں علم' آزادی' تربیت' استحکام اور اتحاد کے حصول میں ملت نے جس بے مثال مستعدی کا مظاہرہ کیا' اعمال صالح کی جو عظیم مثالیں قائم کیں اور شرق و غرب کے ممالک میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے' دعوت و تبلیغ کو حکمت و موعظت کے شانہ بشانہ جس طرح اوجِ کمال تک پہنچایا۔ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ دوسری کوئی امت اور ملک صدیوں میں بھی یہ عروج و کمال حاصل نہ کر پائے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اقصائے عالم میں تمدنی ترقی کا ہر پہلو اسی مبارک عہد کا مرہونِ منت ہے۔ اگر اس مبارک دور کے باعظمت افراد وہبی فہم و فراست سے کام نہ لیتے' علم و عمل کے چراغ نہ جلاتے' ہمیشہ باقی رہنے والے اصول و قواعد کی صورت گری نہ کرتے تو آج کا دور تہذیب و تمدن کے اس بلند مقام تک کبھی نہ پہنچتا۔

آنکھ کھول کر اور نگاہِ بصیرت سے اس دور کا جائزہ لیں جس میں رحمت عالم ﷺ کی اس عالم آب و گل میں تشریف آوری ہوئی' ہر طرف فساد' ظلم اور تباہی و بربادی کا دور دورہ تھا' مشرق سے مغرب تک ایک ہی سماں تھا' دولت رومہ اپنے بادشاہوں کی عیاشیوں سے جاں بلب تھی' ہر طرف عیش کوشی تھی' اندرونی خلفشار روز افزوں تھا' بیرونی خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے تھے' فارس رومیوں سے مسلسل جنگوں اور داخلی انتشار کے باعث اپنی قوت و شوکت کھو رہا تھا' اہل عرب جہالت اور پسماندگی کا شکار تھے' اسی دوران نور نبوت کی شعاعیں چمکیں اور دنیا جگمگانے لگی' ہر طرف یہ نور پھیلتا چلا گیا' پژمردہ اور مضمحل انسانیت نے انگڑائی لی' ترقی کی شاہراہیں بنتی چلی گئیں اور وہ مرد میدان نگاہوں کو حیرت و استعجاب کے بھنور کے حوالے کرنے لگے جنہوں نے انسانیت کو تباہی کے ہولناک گڑھوں

سے نکال کر صراطِ مستقیم کا راہی بنا دیا۔ یہ وہی لوگ تھے قبل از اسلام جن کی دنیا گذشتہ کل تک محدود تھی' ان کا کام مویشیوں کی دیکھ بھال تھا' کسمپرسی کی بدویانہ زندگی کے خوگر تھے' اسلام نے ان کی کایا ہی پلٹ دی' آج یہ بہترین قائد' تجربہ کار منتظم' صاحبِ بصیرت سالار' اور زیرک وہوشیار سیاستدان تھے' نظام حکمرانی اور مختلف اداروں کی ترتیب وتنظیم کے روحِ رواں تھے۔

علامہ القرافی ''الفروق'' (ج۴ص۱۶۷) میں رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے اصحاب شرعی' عقلی' حسابی' سیاسی' باطنی اور ظاہری علوم کے سمندر تھے' یہاں تک مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسم اللہ کی باء کے متعلق گفتگو شروع کی تو عشاء سے صبح ہوگئی' حالانکہ انہوں نے کسی کتاب کا ایک صفحہ پڑھا نہ سیکھا' ان کو جہاد اور دشمنوں کی سرکوبی سے فراغت ہی نہیں ملی' اس کے باوجود ان کے علم وفضل کا یہ عالم تھا۔ بعض اصولیوں نے یہاں تک لکھا ہے: اگر رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام کے سوا کوئی معجزہ نہ ہوتا تو آپ کے نبوت کے اثبات کے لیے یہی ایک معجزہ (صحابہ کرام) کافی تھا''۔

ائمۂ سلف کی ایک جماعت نے صحابہ کرام کے فضائل پر کتب تصنیف کی ہیں۔ مثلاً ابو محمد خیثمہ بن سلیمان طرابلسی' ابو محمد طراد بن محمد زینبی' ابو القاسم حمزہ بن یوسف جرجانی' احمد بن محمد بن المہندس اور ابوالحسن احمد بن حمزہ موازینی وغیرہ۔

صرف خلفاء اربعہ کے فضائل پر ابونعیم اصبہانی اور ابوالحسن احمد بن محمد بن زنجویہ کی تصانیف موجود ہیں۔

''**فضائل ابی بکر**'' ابوطاہر محمد بن علی العشاری' اور ''**فضل ابی بکر و عمر**'' اسد بن موسیٰ کی تالیفات ہیں۔ ابوالحسن محمد بن المظفر الحافظ ابو محمد حمزہ بن یوسف سہمی اور ابوالقاسم اسماعیل بن احمد سمرقندی نے فضائل عباس رضی اللہ عنہ پر' ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم نے فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ پر' محب طبری نے عشرۂ مبشرہ کے فضائل پر کتاب لکھی ہے۔ ابوالحسن مروان بن عثمان المکی نے صحابہ کے فضائل میں قصیدہ لکھا ہے۔ ابوعلی الحسن بن محمد الخلال الحافظ نے کراماتِ صحابہ پر کتاب لکھی ہے۔ ضیاء محمد بن عبدالواحد مقدسی نے ''**مناقب جعفر بن ابی طالب**'' اور علامہ موفق بن قدامہ المقدسی نے ''**الاستبصار فی انساب الانصار**'' تصنیف کی ہے۔

صحابہ کرام نے قرآن وسنت کی درس گاہ میں جو علم حاصل کیا اس نے صحابہ کو دنیا میں فقید المثال افراد بنا دیا' نہ صرف اپنے دور میں بلکہ صدیاں گذرتی چلی گئیں کوئی ان کا ثانی نہ آیا' خواہ وہ سیاسی میدان ہو یا میدانِ جنگ انہوں نے ہر طرف اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے' یہ اس صحیح علم کی برکت تھی جس نے مختصر ترین عرصہ میں ان کے چٹانوں سے سخت دلوں کو موم کر دیا اور وہ ابریشم کی طرح نرم ہوگئے' دشمنی کی جگہ محبت' عداوت کی جگہ اخوت' ظلم کے بدلے عفو واحسان ان کی پہچان بن گئی' چند ہی سالوں میں یہ نورانی شعلہ پوری آب وتاب کے ساتھ کرۂ ارض کو منور کرنے لگا۔ لامحالہ جب اس علم کے زیر سایہ آنے والوں اور اس کی آغوش میں پناہ لینے والوں کی کثرت ہوگئی' رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے نظم وضبط کے اصول مقرر فرمائے' ان کے لیے نظام کار تجویز فرمایا اور اس نظام کو جاری وساری رکھنے کے لیے افراد اور اداروں کا سلسلہ قائم فرمایا' کیونکہ کسی حکمران کی حکمرانی اور کسی قوم کا نظام اس

3 کے بغیر استوار نہیں ہوتا۔

ان امور کا علم حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ہے' تاکہ امت ان راہوں پر برابر آگے بڑھتی رہے اور کھوئی ہوئی میراث کو پانے کی جدوجہد جاری رکھے' اپنی عظمت اور وقار کو برقرار رکھے اور آنے والے مصائب سے اپنی حیات کو محفوظ و مصئون بنائے' یا کم از کم اپنے متبوع اعظم ﷺ کے دین کا شرف حاصل کرنے کے لیے اتنا علم حاصل کرلے کہ اس کی محبت اور تعظیم میں اضافہ ہو اور وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو مضبوط ہاتھوں سے تھام لے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ حق پر مبنی اعتقاد' معتقد کے دل و دماغ میں واضح دلائل' اخوت کی فراوانی' عام افراد کو حکمت کے مطابق شخصی آزادی کہ جس سے معاشرتی اور اجتماعی زندگی متاثر نہ ہو بلکہ بغیر کسی افراط و تفریط کے اس کو تحفظ ملے' نیز حفظ مراتب و مناصب پر نظر' استحقاق اور قابلیت کے اعتبار سے لوگوں کی رعایت' غیر مسلموں کے حقوق کی پاسداری اور اسلامی معاشرہ کے ثمرات میں ان کو شریک کرنا' یہ سب امور دین اسلام کی بنیادیں ہیں اور اسلامی معاشرہ ان ہی اصولوں پر قائم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دورِ اقدس میں زراعت پر توجہ فرمائی اس کا حکم دیا اس کی ترغیب دی' اسی طرح صنعت اور دستکاریاں ہیں' آپ نے ان کے سیکھنے کا حکم دیا' علم کی طرف توجہ دلائی اور علم حاصل کرنے کا حکم دیا' خواہ اسے کفار کے ممالک سے حاصل کیا جائے' ایسے امور اور افعال پسند فرمائے جو مسلمانوں کے لیے نفع بخش تھے جیسے فارس وغیرہ کے کفار سے خندق کی کھدائی' قندیلوں سے مسجد نبوی میں روشنی کا اہتمام' جس کا طریقہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ غیر مسلم ممالک کی سیاحت کے دوران دیکھ آئے تھے' حالانکہ اس سے پہلے مسجد نبوی میں آگ جلا کر روشنی کی جاتی تھی' آپ نے علوم و معارف کی نشر و اشاعت' ذمہ داریوں کی تقسیم' اخوت کے وجوب' دفاعی طور پر طاقت ور پالیسی' فوری حادثات سے بچنے کی تدابیر اور اس جیسے دیگر معاملات پر توجہ دینے کا حکم دیا۔

اسی طرح آپ نے علم الابدان' طب' تحقیق و تشریحِ اعضاء' فطری اور قدرتی سائنس سے متعلق علوم کو اپنانے کا حکم فرمایا' عمومی آداب' مکارم اخلاق' تاریخ' جغرافیہ' سیاحت' کائنات کے سربستہ رازوں کی عقدہ کشائی' اختراعات' نجوم' حساب' قصص و روایات' علمی ابحاث اور اندازِ بیان کے آداب غرضیکہ ہر شعبۂ حیات کے لیے نافع ہر علم کی طرف توجہ مبذول فرمائی' ساتھ ہی ساتھ حکومتی ادارے اور ان کے لیے وسائل کی فراہمی کا انتظام فرمایا اور اقوام متمدنہ کی ہر خوبی کو اسلامی معاشرہ میں سمو دیا۔

آپ ﷺ نے بذات خود تجارت کی' یہ تو داخلی حالت و کیفیت تھی' خارجی طور پر آپ نے بہترین طور طریقوں سے اسلام کا پیغام عام فرمایا' ملت و مملکت کے حقوق مقرر فرمائے' جنگ' امن' باہم مصالحت' معاہدات' باہمی مذاکرات' دستاویزات کی تیاری' خط و کتابت' سیاسی نقد و نظر' حلیفوں اور پڑوسیوں کے حقوق' اجنبی اور ذمی رعایا کے حقوق کے لیے اصول وضع فرمائے اور ہر گروہ کو حکمت کے مطابق ایسا محدود حق عطا فرمایا جو حق و صواب پر مبنی تھا۔

جو صاحب فکر ونظر اس دین متین کی حقیقت کے جویا ہوں میں وہ ہر زمانی' مکانی' علمی اور عملی نئے پیش آمدہ واقعہ میں اس دین متین کی نصوص سے رجوع کرے وہ یقیناً نصوص شرعیہ میں اس کا کافی و وافی حل پالے گا اور بلا تردد حقیقت حال اس کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

بعض دیگر علماء نے کہا ہے: نبی کریم ﷺ نے ایسے قوانین واصول مرتب و منظم فرمائے ہیں جو ہر حق دار کو اپنے حق کی طرف سے مطمئن و مامون کرتے ہیں۔ بدنہادوں اور شرپسندوں کے ظلم و زیادتی کو دور کرتے ہیں۔ مسلم ہو یا ذمی سب کو حریصوں کی حریصانہ نظروں سے بچاتے ہیں۔ زوجین کے درمیان پسندیدہ طریقہ کے احکام نافذ کرتے ہیں' فطری استحکام پیدا کرتے ہیں' یکجائی یا علیحدگی کی صورت میں فریقین کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے معاملات مثلاً خرید وفروخت' اجارہ' شرکت' لین دین کے احکام مقرر فرمائے ہیں' ترکہ کی حکمت پر مبنی تقسیم' بعض سزاؤں' قصاص تعزیرات وغیرہ کا تعین فرمایا ہے تاکہ لوگوں کی جان' مال اور عزتیں محفوظ رہیں' آداب سے متعلق تمام ادب مثلاً کھانے پینے' سونے جاگنے' بولنے سننے' ملنے ملانے' سفر حضر کے آداب تعلیم فرمائے' شادی بیاہ کے آداب' رشتہ داروں کے باہمی آداب' پڑوسیوں' دوستوں' مسلموں' غیر مسلموں وغیرہ کے متعلق آداب مسنون فرمائے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام اور آپ کے مقرر فرمودہ قوانین واصول کے مطالعہ کے بعد کہ جن کی پہلے مثال نہ تھی اور جن کی اثر پذیری ہر قسم کے شائبہ سے بالا ہے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا بحیثیت امی ان تمام امور کا احاطہ فرمالینا حالانکہ آپ کی نشوونما ایک ان پڑھ بدوی' جاہلیت کی رسوم کی دلدادہ قوم میں ہوئی' اور چند ماہ کے سوا جو حصول علم کے لیے قطعاً ناکافی تھے آپ کبھی اپنے وطن سے باہر نہیں گئے' نہ ہی اپنے شہر میں آپ نے کبھی اہل دانش سے میل ملاپ رکھا اور نہ کبھی آپ نے ملکی وملی قوانین کی تحصیل کا اہتمام کیا پھر آپ نے یہ تمام اصول و قوانین کہاں سے مستنبط کیے' کیا اس حالت میں ان نادر وعجیب اصول وقوانین تک آپ کی عقل کی رسائی ممکن تھی جن میں سے ہر ایک میں آنکھوں کو خیرہ کرنے والی دلفریب حکمت کی رعنائی ہے' جنہوں نے ہر بہترین اور نفیس خصلت اور خوبی کو اپنے دامن میں سمو لیا ہے' جن کے دامن میں بشریت کے ہر صالح نظام اور ان کی فلاح کا سامان موجود ہے' ان کے نفوس کی طہارت' ان کے شہروں کی آبادی' ان کے اشرار کی بندش اور خیر کا ہر پہلو اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے اور ضرر کا شائبہ تک نہیں' کیا یہ سب کچھ حضور ﷺ نے اپنی طرف سے پیش فرمایا؟ عقل اس سے انکاری ہے یقیناً یہ تمام بدیہیات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' یہ سب اسی کی عطا ہے' اسی نے آپ کو ان کا فہم عطا فرمایا' ان کے اسرار سے واقفیت بخشی اور ان کی تبلیغ کا حکم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ حافظ ابوالقاسم السہیلی کو جزائے خیر دے' آپ ''الروض الانف'' میں آپ کی سیرت کے متعدد پہلوؤں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: سیرت کے تمام پہلو ایسے ہیں کہ طالبان حق اس کی معرفت کے طلب گار رہتے ہیں' صاحبان ادب کے قلوب ان کے ذکر سے فرحت حاصل کرتے ہیں' اسی طرح آپ کی سیرت کے ہر باب کی معرفت کانوں میں رس گھولتی ہے اور قلوب کو محبت کی عطر بیز نسیم سے لبریز کرتی ہے۔ (الجزء الثانی ص ۹۳)

امام قاضی ابوعبداللہ محمد بن الاصبغ المعروف بہ ابن المناصف القرطبی الازدی ''الدرر السنیة فی المعالم السنیة'' میں سیرت نبویہ کے المعلم الرابع میں کہتے ہیں:

مسلمانوں کے لیے کتاب اللہ کے بعد باعث زینت اور مقدم چیز
رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا از ولادت تا وصال علم ہے'
آپ کے مفصل حالات سے ناواقف نہ رہنا اور ان کو محفوظ رکھنا ضروری ہے
اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم آپ کے مختصر اور برجستہ حالات بہرصورت معلوم ہوں
مجالس میں آپ ﷺ کی سیرت سے واقف ہی کا سب سے بلند مرتبہ ہوتا ہے
اس سے یقیناً دنیا اور دین میں انسان کا شرف و مرتبہ بلند ہوتا ہے۔

امام ابوالحسین احمد بن فارس الرازی اپنی مختصر سیرت میں رقم طراز ہیں: مسلمان پر جس ذکر کو حفظ کرنا لازم ہے اور دین دار پر جس کی معرفت واجب ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا نسب' آپ کی ولادت' نشو ونما' قبیلہ' جنگوں کے حالات' آپ کی اولاد' عزیز و اقارب اور ازواج مطہرات کے احوال ہیں' باخبر عارف شخص اس علم سے ناواقفوں سے بلند رتبہ پالیتا ہے ایسے علم سے سینوں میں حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ کتاب اللہ کے بعد کوئی مجلس رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے ذکر سے زیادہ حسین اور معتبر نہیں ہوتی۔

امام ابوالعباس العزفی السبتی ''الدر المنظم'' میں ابن فارس کا مذکورہ بالا کلام نقل کر کے لکھتے ہیں: ابن فارس مسلمانوں کے عظیم ائمہ میں سے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے ولادت کے علم کو اہل ایمان کے لیے واجب قرار دے رہے ہیں۔

علامہ ابوعیسیٰ المہدی بن احمد بن علی الفاسی ''الدلائل'' پر اپنی شرح میں ابن فارس کا کلام نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: وجوب سے مراد وجوب شرعی بھی ہوسکتا ہے اور وجوب عرفی بھی' یعنی مناسب ہے اولیٰ ہے بہتر ہے' علامہ العزفی نے اس کو وجوب شرعی پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم

اس توجیہ کے مطابق مذکور الصدر تمام احوال یا ان میں سے بعض کی معرفت واجب ہے' البتہ تمام کی معرفت عارف کے رتبہ میں اضافہ کا موجب ہے۔ واللہ اعلم' بظاہر اس کو وجوب شرعی پر محمول کرنا مناسب ہے اور اس میں مذکورہ الصدر تمام احوال شامل ہیں۔

علامہ القرافی کے حوالہ سے ''الذخیرہ'' میں اور ''شرح الاربعین'' میں بھی اس جانب اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے متعلق تمام احوال جن کا عقائد سے تعلق ہے اعمال سے نہیں ان کے بارے میں معلومات کی بہم رسانی ضروری ہے تاکہ معتقد کا اعتقاد درجۂ کمال تک پہنچے یعنی آپ ﷺ کا اسم گرامی' نسب' زمانہ' مقام اور آپ کے اوصاف کا تذکرہ۔

ابن القیم الجوزیہ ''زاد المعاد'' میں رسول اللہ ﷺ' آپ کے پیغام' آپ کے پیغام کی تصدیق اور آپ کے احکام کی تعمیل کی معرفت کو بندوں کے لیے ضروری قرار دینے کی بحث کے بعد لکھتے ہیں: چونکہ دارین کی

سعادت نبی ﷺ کی سیرت کی پیروی میں ہے اس لیے ہر اس شخص پر جو اپنی ذات کی خیر خواہی' نجات اور سعادت کا خواستگار ہے اس کے لیے واجب ہے کہ وہ آپ کی سیرت' طریقہ اور اسوہ سے واقف ہوتا کہ وہ جہلاء کے زمرہ سے نکل کر آپ کے متبعین کے زمرہ میں شامل ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب مسلمان ہمارے منتخب کردہ طریقہ کے مطابق سیرت کا مطالعہ کرے گا وہ یقیناً اس کو جان لے گا کہ نبی ﷺ دنیا کی تعمیر اور آخرت کے لیے عمل کے داعی بن کر تشریف لائے ہیں' آپ دنیا میں فساد برپا کرنے اور عمل کا سلسلہ منقطع کرنے کو تشریف نہیں لائے۔ اس کا تصور ہی محال ہے۔ البتہ آپ دلوں کی دنیا سے ایسی رغبت ختم کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں جو مسلمانوں کو اپنے رب اور توحید سے غافل کر دے' آپ نے ہمیں جدوجہد کرنے کا فرمایا تا کہ ہم خوش حال ہوں اور دل کو اللہ کی یاد کے لیے خالی کر دیں اور ہم دنیا سے نیک اعمال' خیرات وحسنات کے ذریعہ آخرت کی سرخ روئی حاصل کریں' یہ نہیں کہ ہم اپنے بناؤ سنگھار میں لگے رہیں' دین کی یہی تعلیم ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں چنانچہ شریعت اسلامیہ کی ایک تہائی عبادات ہیں اور ان عبادات کے اسرار ہمارے کے لیے سعادت اور ہمارے روح کی حیات ہیں اور اللہ کے لیے اعمال میں اخلاص کا ذریعہ ہیں۔

شریعت اسلامیہ کا بقیہ دو تہائی حصہ دنیوی معاملات' ان کے عادلانہ حصول اور رد پر مشتمل ہے۔

''المختصر'' پر علامہ زرقانی کے اجزاء ثمانیہ کو دیکھیں ان میں احکام عبادت دو جزء سے زائد نہیں' باقی چھ اجزاء دنیوی معاملات کے احکام پر مشتمل ہیں۔ بلکہ بعض مصنفین نے لکھا ہے: قرآن کریم میں علوم کائنات پر مشتمل آیات ساڑھے سات سو سے زائد نہیں اور علم فقہ کی صریح آیات ڈیڑھ سو سے زائد نہیں۔

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے (اس حدیث کو حافظ سیوطی نے ''الحاوی'' میں کئی وجوہ سے صحیح کہا ہے)۔

''تم میں سے وہ شخص بہتر نہیں جو اپنی دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑ دے اور اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے لیے چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ ان دونوں میں سے حصہ پائے کیونکہ دنیا آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور تم لوگوں پر بوجھ نہ بنو''[1]

---

[1] موضوع حدیث' الخطیب ''تلخیص المتشابہ فی الرسم'' (ج ۱۳ص ۱/۱۳۶) از طریق محمد بن ہاشم البعلبکی از ابی ہاشم بن سعید از یزید بن زیاد المصری (ساکن صور) از حمید طویل از انس بن مالک رضی اللہ عنہ مرفوعاً' اسی سند سے اس حدیث کو ابن عساکر نے ''تاریخ'' (ج ۱۸ص ۱/۱۴۳) میں روایت کیا ہے' ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ'' (حدیث: ۵۰۰) میں البانی نے کہا ہے کہ یہ سند نہایت ضعیف ہے اس کی آفت یزید دمشقی ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں ابن ابی زیاد ہے جو متہم ہے' بخاری نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے' ابن ابی حاتم نے ایک بار اس کو منکر الحدیث اور دوسری بار ضعیف الحدیث کہا گیا گویا کہ اس کی حدیث موضوع ہے۔ البانی نے مزید کہا: اس اسناد سے یہ حدیث نہایت ناقابل اعتبار ہے۔ شیخ عبدالحی الکتانی (مؤلف کتاب) کا یہ کہنا کہ سیوطی نے ابن عساکر کی اس حدیث کو ''الحاوی'' میں صحیح کہا ہے: فاحش غلطی ہے' سیوطی نے ''الحاوی'' میں اس کو صحیح نہیں کہا اور اگر حافظ سیوطی نے کسی اور مقام پر اس کی صحت کا قول کیا ہے تو یہ ان کا وہم ہے۔ حافظ سیوطی کے ہاں ایسی کثیر مثالیں موجود ہیں۔

ابن عساکر نے عمر بن قیس سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب آپ دنیوی کاموں میں مشغول دیکھتے تو کہتے: یہ شخص تو پلک جھپکنے کی دیر بھی اللہ کا ارادہ نہیں کرتا (اللہ کو یاد نہیں کرتا) اور جب آپ ان کو کار آخرت میں مشغول دیکھتے تو کہتے: یہ شخص تو ایک پل بھی دنیا کا خیال دل میں نہیں لاتا۔ (تاریخ الخلفاء' تذکرہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ وحدہ کے ساتھ اخلاص رکھتے ہوئے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے نماز قائم کرتے ہوئے اور زکوٰۃ دیتے ہوئے دنیا کو حاصل کیا وہ اس حال میں مرا کہ اللہ اس پر راضی تھا[۲] (ابن عبدالبر' جامع العلم'')

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو' مجھے اس کی تعداد معلوم ہو اور میں اس کی زکوٰۃ ادا کروں تو مجھے ناپسند نہیں نہ مجھے اس سے ضرر کا اندیشہ ہوگا۔

حضرت سعید بن المسیب نے کہا: اس شخص میں خیر نہیں جو اپنا قرض اتارنے' صلہ رحمی کرنے اور سوال کی ذلت سے بچنے کے لیے مال جمع نہیں کرتا۔

دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے: اللہ کے تقویٰ پر بہترین مددگار مال ہے[۳]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو مال کا سوال کرنا چاہے وہ ہمارے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خزانچی بنایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس خواہش پر کہ وہ اپنا اکثر مال صدقہ کرنا چاہتے ہیں' ارشاد فرمایا: تمہارا اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو خالی ہاتھ چھوڑ جاؤ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں[۴]

جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ سے اپنا تمام مال راہ خدا میں صدقہ کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنا کچھ مال اپنے پاس روک لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے[۵]

---

[۲] ضعیف الاسناد' ابن عبدالبر' جامع بیان العلم وفضلہ '' (رقم: ۱۳۱۹) از طریق ابواحمد الزبیدی از ابوجعفر الرازی' از ربیع بن انس از انس بن مالک رضی اللہ عنہ مرفوعا۔ اس کے اسناد میں ابوجعفر الرازی ضعیف ہے۔

[۳] ضعیف حدیث۔ دیلمی'' مسند الفردوس'' (تخریج الاحیاء ج ۳ ص ۱۰۴) از محمد بن المنکدر از جابر رضی اللہ عنہ مرفوعا۔ ابوالقاسم البغوی از روایت ابن المنکدر مرسلا۔ انہی کے طریق سے قضاعی'' مسند الشہاب'' (حدیث: ۱۳۱۷)۔ محقق حمدی السلفی کے بقول یہ حدیث مرسل ہے' جواز قسم ضعیف احادیث ہے۔ دیلمی نے'' مسند الفردوس'' میں معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے'' سال بھر کی روزی دین پر اچھی مددگار ہے'' اس میں محمد بن داؤد بن دینار ضعیف ہے' ابن عدی نے اسے کذب سے متہم کیا ہے۔

[۴] صحیح البخاری: ۵۶_۱۲۹۵_۲۷۴۲_۲۷۴۴_۳۹۳۶_۴۴۰۹_۵۳۵۴_۵۶۵۹_۵۶۶۸_۶۳۷۳_۶۷۳۳' مسلم: ۱۶۲۸' ترمذی: ۲۱۱۶' نسائی ج ۶ ص ۲۴۱ تا ۲۴۳' ابن ماجہ: ۲۷۰۸' احمد ج ۱ ص ۱۶۸_۱۷۱ تا ۱۷۴' حمیدی: ۶۶' عبدالرزاق: ۱۶۳۵۷' طیالسی: ۱۹۵' بغوی'' شرح السنۃ'': ۱۴۵۸' ابن حبان: ۴۲۴۹' بیہقی'' السنن'' ج ۶ ص ۲۶۸_۲۶۹' از سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

[۵] صحیح البخاری: ۴۴۱۸' مسلم: ۲۷۶۹' ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۵۴۰_۵۴۵' طبری'' جامع البیان'': ۱۷۴۴۷' بیہقی'' الدلائل'' ج ۵ ص ۲۷۳_۲۷۹' ابن حبان: ۳۳۷۰' از کعب بن مالک رضی اللہ عنہ مطولاً۔

ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۵۳۹' احمد ج ۶ ص ۳۹۰' بخاری: ۲۷۵۷_۲۹۴۷ تا ۲۹۵۰_۳۰۸۸' مسلم: ۷۱۶' ابوداؤد: ۲۶۲۷' نسائی ج ۲ ص ۵۳_۵۴' ج ۶ ص ۱۵۲_۱۵۴' بیہقی ج ۴ ص ۱۸۱' بغوی: ۱۶۷۶' از کعب رضی اللہ عنہ مختصرا۔

قیس بن عاصم المنقری التمیمی نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا: میرے بیٹو! مال جمع کرنا اور اس کے حصول کے ذرائع اختیار کرنا کیونکہ یہ سخی کی پہچان ہے اور بخیل سے بے پروا کرتا ہے۔

عظیم القدر صحابی حضرت نمر بن تولب العکلی رضی اللہ عنہ کمائی کے ذرائع اختیار کرنے' مال کی مدح اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے اور فقر کی مذمت میں فرماتے ہیں:

بڑے عطیہ اور مرغوب چیز کے بارے میں سوچو کیونکہ عورتوں کے ساتھ بیٹھنا بُرا ہے۔

مال میں عزت اور رعب ہے' فقر میں ذلت اور رسوائی ہے۔ (ابن عبدالبر "بهجة المجالس")

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب کسی نے اشرفیوں کو الٹ پلٹ کرتے دیکھ کر ملامت کی تو انہوں نے کہا: اگر میرے پاس یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو بنو عباس ہمیں اپنا رومال بنا لیتے (ہمیں ذلیل وخوار کرتے)' مزید کہا: اگر میں ہزار با درہم پیچھے چھوڑ جاؤں جن کا اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب لے وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں لوگوں کا محتاج اور دست نگر رہوں۔ نیز فرمایا: اس دور میں مال مؤمن کا ہتھیار ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا: جس کے پاس مال ہو وہ اس کی دیکھ بھال کرے' یہ تمام آثار حافظ سخاوی نے مال کے متعلق سوال کے جواب میں ذکر کیے ہیں اسی میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدمی کی عقل مندی میں اپنے ذرائع معاش کی اصلاح کرنا بھی ہے۔

علامہ زمخشری نے ''الکشاف'' میں آیت کریمہ:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا. (النساء: ۵)	اور نہ دو بے وقوفوں کو ان کے مال (جو تمہاری تحویل میں ہیں) جنہیں بنایا اللہ نے تمہاری بسر اوقات کا ذریعہ۔

مذکورہ بالا بعض آثار نقل کیے ہیں۔

حقیقت حال یہی ہے' ان آثار سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے' شریعت اسلامیہ اس معاملہ میں آپ پر قدغن نہیں لگاتی وہ آپ کو ثروت کے سرچشموں سے محروم نہیں کرتی' وہ آپ کے نظام حیات اور بابرکت اسباب معیشت کو محدود اور منقطع نہیں کرتی' بلکہ اسلام نے معیشت کی اصلاح کو مسنون قرار دیا ہے (رزق حلال کے حصول کے لیے جد وجہد کو عبادت کہا ہے) آج کی متمدن دنیا کی بنیاد اسی پر قائم ہے' سب نہیں تو اس کے بڑے حصے کی ترقی کا انحصار اسی پر ہے اور تو اے مسلم بھولا ہوا اور غافل ہے۔

''الروض الانف'' میں ہے حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ جب حاکم بحرین منذر بن ساویٰ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی لے کر گئے اور اسے اسلام اور اس کے شرائع کے بارے میں بتایا تو منذر نے جواباً کہا: میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا تو اسے صرف دنیا کے لیے پایا آخرت کے لیے نہیں پایا اور میں نے تمہارے دین میں غور کیا تو اسے دنیا اور آخرت دونوں کے لیے فائدہ بخش پایا مجھے ایسے دین کے قبول کرنے سے کیا چیز روک سکتی ہے جس میں دنیاوی آرزوئیں بھی ہیں اور آخرت کا راحت وسکون بھی' کل تک مجھے اس دین کے

قبول کرنے والوں پر حیرت ہوتی تھی اور اب مجھے ان پر تعجب ہو رہا ہے جو اس کو رد کر رہے ہیں' اس پیغام کو لانے والے پیغمبر باعظمت رسول ہیں۔ (الجزء الثانی ص ۳۵۶)

''الروض الانف'' ہی میں ہے جلندی کے پاس جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو اس سے فرمایا: آپ اس نبی امی (ﷺ) کے متعلق غور کریں جو دنیا اور آخرت کی بھلائی لائے ہیں۔

اس طرح کے حقائق کے پیش نظر ہمارے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہم ان اداروں' پیشوں' صنعتوں' تجارتوں' علوم وفنون کی اقسام اور دیگر سرگرمیوں کا ذکر کریں جن کا اسلامی نبوی تمدن کی تاسیس میں حصہ رہا ہے' تاکہ ہمارے مسلم نوجوان جو اپنی تاریخ بھول چکے ہیں اور غیروں کی تاریخ کے عاشق ہیں ان کو معلوم ہو کہ نبی ﷺ نے ہی معاشرتی تمدن عطا فرمایا ہے اور قوموں نے تمدن کی انہی اساسوں پر ترقی کے منازل طے کیے ہیں' آپ عموماً دیکھیں گے کہ نبی ﷺ نے اس ترقی اور تہذیب وتمدن کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ آیات اور ان کے اسلوب پر استوار کی ہے' لیکن اس دور کے لوگ اس نظام کی ترکیب وکیفیت سے غافل رہے اس کا تحفظ نہ کر پائے' حالانکہ ان آداب اور اسالیب پر عمل آسان تھا' صحابہ کرام نے ان پر عمل کر کے دکھایا اور اس تمدن کے ہر شعبہ کی طرف متوجہ ہے۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کے نظامِ حکمرانی کا اس طرح تذکرہ کر کے کہ گویا آپ ایک بادشاہ تھے اور آپ کے اصحاب سالار' قائدین اور مختلف امور کے والی اور نگران تھے' آپ نے ادب کی حدود کو پامال کیا ہے اور نامناسب بات کی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اپنا اپنا اندازِ فکر اور فہم وفراست ہے ورنہ بشر تو سب بشر ہیں لیکن ان میں صالح بھی ہیں' بدبخت بھی' کامل بھی ہیں اکمل بھی' ہوشیار بھی ہیں اور ہوشیار ترین بھی' رذیل بھی ہیں ارذل بھی ہیں' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب قائد ہیں لیکن دیگر قائدین کی طرح نہیں' امیر ہیں لیکن دوسرے امراء کی طرح نہیں ہیں کیونکہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل تھا' وہ وحی کو سماعت کرتے تھے اور علم صحیح سے اپنے دامن بھرتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ بشر ہیں لیکن آپ کی بشریت بے مثال ہے اسی طرح آپ بادشاہ ہیں لیکن آپ کی بادشاہی بھی بے نظیر ہے۔ فیلسوفِ اسلام امام غزالی نے ''الاحیاء'' میں کہا ہے: آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے لیے نبوت اور سلطنت دونوں کو جمع کیا گیا ہے حافظ السیوطی نے ''انموذج اللبیب'' میں اسی قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: آپ کے لیے نبوت اور سلطنت کو جمع کیا گیا اور آپ سے قبل کسی نبی کے لیے ان کو جمع نہیں کیا گیا۔[1]

امام سہیلی نے ''الروض الانف'' میں فتح مکہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وادی کے کنارے پر جناب ابوسفیان کو ٹھہرایا گیا تاکہ وہ اسلامی لشکر کی شان وشوکت اور تعداد دیکھیں انہوں نے یہ دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: تیرے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت بڑی ہوگئی ہے' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں یہ بادشاہت نہیں

[1] بلکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت اور سلطنت سے نوازا گیا جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام۔

نبوت ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! اچھی ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی سے مذکور ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبوت کے بغیر بادشاہت کے ذکر کا اس لیے انکار کیا کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ حال ہی میں اسلام میں داخل ہوئے تھے ورنہ اس قدر اقتدار کے مالک کو خواہ وہ پیغمبر علیہ السلام ہو بادشاہ کہنا جائز ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ. (ص:۲۰) اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کی حکومت کو۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی:

وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي. (ص:۳۵) اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما کہ لائق نہ ہو میرے بعد کسی کے لیے۔

البتہ نبی کریم ﷺ کو بادشاہ کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ حدیث مبارک میں ہے آپ کو اختیار دیا گیا کہ آپ عبد نبی ہوں یا بادشاہ نبی' آپ نے بطور تواضع عبد نبی کا انتخاب فرمایا[7]

ابن العربی کی یہ تقریر مجھے ''الاحکام'' (الجزء الاول ص۱۹۹) میں ملی ہے' لیکن ہمارے مطلوب کا کوئی منکر نہیں ہے۔ علامہ شہاب الدین الخفاجی حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ عنہ کی حدیث: ایک شخص آپ کے سامنے خوف سے کانپنے لگا تو آپ نے فرمایا: اپنے اوپر نرمی کرو' (مت گھبراؤ) میں بادشاہ نہیں ہوں[8] پر لکھتے ہیں: یعنی میں ظالم بادشاہوں میں سے نہیں ہوں کہ تم مجھ سے ڈرنے لگو کیونکہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاضر ہوئے اور آپ کو اس میں اختیار دیا کہ آپ عبد نبی ہوں یا بادشاہ نبی' تو آپ نے عبد نبی ہونا پسند فرمایا اور بادشاہ کے وصف پر راضی نہ ہوئے' اسی طرح خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم تھے' اسلام میں سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بادشاہ (ملک) تھے' سو یہاں کسی کا یہ کہنا درست نہیں کہ یہ قول اس کے منافی نہیں کہ آپ کی بادشاہت غالب ہوئی اگرچہ آپ کی بادشاہت نبوت تھی' کیونکہ یہاں نفی سے مخاطب کے ذہن میں دیگر بادشاہوں جیسے ہونے کے تصور کی نفی مراد ہے۔

نیز علامہ خفاجی نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اس

---

[7] حدیث حسن' احمد ج ۲ ص ۲۳۱' بزار' ابویعلی (مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۸۔۱۹)' علامہ ہیثمی کے بقول اس حدیث کو احمد' بزار اور ابویعلی نے روایت کیا ہے اور احمد اور بزار کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ طبرانی از عائشہ رضی اللہ عنہا (مجمع الزوائد ج۹ ص۱۹) بقول ہیثمی اس میں یحییٰ بن عبداللہ بابلتی ضعیف راوی ہے۔

[8] صواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ ابن ماجہ: ۳۳۱۲' خطیب ''تاریخ بغداد'' ج۶ ص ۲۷۷' موصولاً از ابومسعود البدری رضی اللہ عنہ۔ ابن ماجہ نے کہا: ابن ابی خالد نے اس حدیث کو قیس بن ابی حازم از ابومسعود رضی اللہ عنہ موصولاً روایت کیا ہے' خطیب نے ''تاریخ'' میں کہا ہے: دارقطنی سے قیس بن ابی حازم از ابومسعود رضی اللہ عنہ حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس کے اتصال میں اسماعیل بن ابی الحارث متفرد ہے۔ صواب یہ ہے کہ یہ حدیث اسماعیل بن قیس سے مرسلاً مروی ہے۔ (علی محمد دندل اس حدیث کے راویوں پہ جرح و تعدیل نقل کرنے کے بعد بطور حرف آخر لکھتے ہیں) یہ حدیث مرسل ہے جو علماء جرح و تعدیل کی اصطلاح کے مطابق حدیث ضعیف کی ایک قسم ہے۔

شخص کی حاجت مجھ تک پہنچاؤ جو اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا' کیونکہ جو شخص سلطان (حکمران' بادشاہ) تک اس شخص کی حاجت پہنچاتا ہے جو اپنی حاجت سلطان تک نہیں پہنچا سکتا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قدموں کو ثابت رکھے گا[9] رقم طراز ہیں: کہا گیا ہے اس کا مطلب ہے ایسے شخص کو اس کی جزا ملے گی' یہ تو عام حکمران کا معاملہ ہے' اندازہ لگائیے جو شخص رسول اللہ ﷺ تک کسی کی حاجت پہنچائے اس کی جزا کس قدر ہو گی کہ آپ تو بادشاہ اور سلطان سے عظیم تر مرتبہ کے مالک ہیں اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے: میں بادشاہ نہیں ہوں۔

میں کہتا ہوں: یہ اعتراض بھی محل نظر ہے کیونکہ یہاں سلطان سے خلیفۃ اللہ' امام اعظم مراد ہے' اور فقہاء نے نبی ﷺ پر اس لفظ کا اطلاق کیا ہے' اور آپ سے سلطنت' فتاویٰ اور قضاء تینوں امور واقع ہوئے ہیں جیسا کہ علامہ سبکی کے حوالہ سے عنقریب مذکور ہو گا۔

فخر مالکیہ امام ابوالعباس القرافی نے "الفروق" کے فرق چھتیس میں رسول اللہ ﷺ کے قضاء' فتویٰ (تبلیغ) اور امامت میں تصرفات کے بیان میں کہا ہے: جان لو! رسول اللہ ﷺ امام اعظم' منصف (قاضی) احکم اور مفتی اعلم ہیں' آپ امام الائمہ' قاضی القضاۃ اور عالم العلماء ہیں' تمام دینی مناصب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت میں سپرد فرما دیئے' سو آپ ان تمام لوگوں سے برتر اور عظیم تر ہیں جو قیامت تک ان مناصب میں سے کسی منصب کو حاصل کریں گے' کوئی دینی منصب ایسا نہیں ہے آپ جس کے اعلیٰ ترین رتبہ سے متصف نہ ہوں' تاہم اجماعی طور پر آپ کا غالب تصرف تبلیغ اور فتویٰ میں رہا ہے۔ بعض حضرات نے منصب قضاء کو اور بعض نے منصب امامت کو ترجیح دی ہے اور بعض حضرات ان دو رتبوں میں متردد رہے ہیں کہ ان میں سے کون سا رتبہ دوسرے سے بڑھ کر ہے' ان تمام اوصاف میں شریعت مطہرہ میں آپ ﷺ کے مختلف آثار موجود ہیں۔

(ج ا ص ۳۴۶)

قاضی عیاض نے "الشفاء" میں سلطان کو بھی آپ کے اسماء میں شمار کیا ہے' علامہ خفاجی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اس کے متعدد معانی ہیں: برھان' بادشاہی' نبوت' غلبہ وغیرہ یہاں ان میں سے ہر معنیٰ کا ارادہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض قدیم کتب اور کتاب شعیب میں بھی آپ ﷺ کا یہ اسم گرامی (سلطان) مذکور ہے۔

علامہ بوصیری قصیدہ ہمزیہ میں صحابہ کرام کے بارے میں کہتے ہیں:

---

[9] ضعیف حدیث۔ ابوعلی الصواف "حدیثہ" (ج ا ص ۸۵) از اسماعیل بن یزید الاصبہانی۔۔۔۔ از علی رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔ البانی نے "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ" میں کہا ہے: اس کا اسناد نہایت ضعیف ہے۔ اس کے ایک راوی متعب کے بارے میں ذہبی نے "الضعفاء والمتروکین" میں کہا ہے: ازدی نے اس کو کاذب کہا ہے' ایک اور راوی علی بن جعفر بن محمد مجہول الحال ہے۔ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی' ترمذی نے اس کی حدیث روایت کر کے اس کو غریب کہا ہے اور اسماعیل بن یزید کا تذکرہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ دوسرے طریق سے یہ طویل حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے اوصاف میں مروی ہے' جسے ترمذی نے "الشمائل" (حدیث: ۳۲۹) میں روایت کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے' ہیثمی نے اس حدیث کو' مجمع الزوائد' (ج ۵ ص ۲۱۰) میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے اور کہا ہے: اس حدیث کو بزار نے طویل حدیث میں روایت کیا ہے اور اس میں سعید البراد ہے' اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں' مجھے سعید کا تذکرہ نہیں ملا۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱۵۹۴)

اور آپ کے اصحاب کے صدقے جو آپ کے بعد ہم میں بطور ہادی اور جانشین رہے

جنہوں نے آپ کے بعد دین میں خلافت کو حسن بخشا اور ہر ذمہ داری کو ماہر نگران کے طور پر ادا کیا

پاک دامن، غنی، فقراء، علماء، امراء کے امام

جنہوں نے مقابل میں آنے والے بادشاہوں کی قیمت گرادی اور ان کے جوڑ شل کر دیئے۔

علامہ شمس الدین ابن عبدالرحمٰن اس کی شرح میں کہتے ہیں کہ ایسے امراء جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ کی وفات کے بعد امارت اور مسلمانوں کے امور کے متولی اور نگران رہے اور ان ذمہ داریوں کو حقوق اللہ کے مطابق بطریق احسن انجام دیا اور عدل و انصاف کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری '' میں حدیث صحیح ''دو شخصوں کے علاوہ کسی پر رشک جائز نہیں ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہے اور اسے حق کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی ہے وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے''[1] کی تشریح میں لکھا ہے: اس حدیث میں ایسے شخص کے لیے منصب قضاء حاصل کرنے کی ترغیب ہے جو قاضی بننے کی شرائط پر پورا اترتا ہو اور حق دلا سکتا ہو، حامی و مددگار رکھتا ہو، کیونکہ اس میں امر بالمعروف ہے، مظلوم کی امداد ہے، حق دار کو حق دلانا ہے، ظالم کو ظلم سے روکنا ہے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کا کام سرانجام دینا ہے۔ یہ سب کام قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے خلفاء راشدین نے اس ذمہ داری کو قبول کیا ہے، امت کا اس کے فرض کفایہ ہونے پر اتفاق ہے کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کے معاملات درست نہیں ہو سکتے۔

نیز حافظ ابن حجر نے ''باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ '' میں کہا ہے: یہ کراہت اس شخص کے بارے میں ہے جو اہلیت کے بغیر اسے اپناتا ہے اور عدل و انصاف سے کام نہیں لیتا، ایسا شخص قیامت کے دن اپنی اس زیادتی کی وجہ سے بطور جزا رسوائی پا کر نادم اور شرمندہ ہوگا۔ البتہ اس کا اہل شخص عدل و انصاف کر کے قیامت کے دن اجر عظیم کا مستحق ہوگا، احادیث اور آثار اس کے مؤید ہیں۔

---

[1] حدیث صحیح۔ بخاری: ۷۳۔ ۱۴۰۹۔ ۷۱۴۱۔ ۷۳۱۶، مسلم: ۸۱۶، ابن ماجہ: ۴۲۰۸، احمد ج ۱ص ۳۵۸۔ ۴۳۲، ابن المبارک ''الزھد'' ۱۲۰۵، وکیع ''الزھد'': ۲۴۰، مروزی ''زیادات'': ۹۹۴، طحاوی ''مشکل الآثار'' ج ۱ص ۱۹۰، ابن حبان: ۹۰، بغوی ''شرح السنۃ'': ۱۳۸، بیہقی ''السنن'' ج ۱۰ص ۸۸، از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

احمد ج ۲ص ۴۷۹، بخاری: ۵۰۲۶۔ ۷۲۳۲۔ ۷۵۲۸، نسائی ''فضائل القرآن'': ۹۸، بیہقی ''السنن'' ج ۴ص ۱۸۹، طحاوی ''مشکل الآثار'' ج ۱ص ۱۹۱، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۵۵۷، طحاوی ج ۱ص ۱۹۱، از ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ حمیدی: ۶۱۷، ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۵۵۷، بخاری ۷۵۲۹، مسلم: ۸۱۵، احمد ج ۲ص ۱۳۳، نسائی ''فضائل القرآن'': ۹۷، بیہقی ج ۴ص ۱۸۸، بغوی: ۳۵۴۷، ابن حبان: ۱۲۵، از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

حدیث میں حسد سے مراد رشک ہے اسے مجازاً حسد کہا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''فتح الباری'' (ج ۱ص ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ج ۹ص ۷۳)۔

''المواھب'' میں ہے: حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی خدمت میں (صاحب الشرطہ) پولیس افسر (کوتوال) کی طرح تھے۔ زرقانی نے ''شرح المواھب'' میں لکھا ہے: صاحب شرطہ پولیس افسر کو کہتے ہیں' یہ لوگ حکمرانوں کے معاون ومددگار ہوتے ہیں' لشکر کے قوی اور مضبوط ترین افراد ہوتے ہیں' کیونکہ یہ منتخب افراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر شے کا شرطہ اس کا بہترین فرد ہوتا ہے' بعض لوگوں کا کہنا ہے ان کو شرطہ کہنے کی وجہ ان کی شناختی علامت ہوتی ہے' اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ صحیح البخاری میں اس حدیث کا آخری حصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیس بن سعد کا نبی ﷺ کے حضور وہی مقام تھا جو ایک پولیس افسر کا حکمران کے سامنے ہوتا ہے[۱۱]۔

امام ابوالحسن سندھی مدنی ''مسند احمد'' پر اپنے حواشی میں کہتے ہیں: ''شُرط'' شرطہ اور شرطی کی جمع ہے' یہ لوگ پبلک کے احوال کی چھان بین' ان کی حفاظت' ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے اور حدود قائم کرنے کے لیے ہوتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ملٹری پولیس کے لوگ ہوتے ہیں جو حکمران کے آگے آگے رہتے ہیں اور اس کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ حکمران کے رعایا میں سے منتخب لوگ ہوتے ہیں انہیں دوسروں پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ امام ابوالحسن الخزاعی پر رحم فرمائے' وہ اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں: میں نے مختلف ذمہ داریوں پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ تمام صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے تا کہ آج جس کو ان میں سے کسی ذمہ داری پر مقرر کیا جائے وہ اس عمل شرعی کی ذمہ داری ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور یہ سوچے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کرام کو بھی یہ ذمہ داری تفویض فرمائی ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی نیابت سے سرفراز فرمایا ہے' سو وہ اقامت حق میں شریعت مطہرہ کے تقاضوں کے مطابق اپنی پوری کوشش بروئے کار لائے' اس طرح وہ احیائے سنت اور حصول اجر کا مستحق ہوگا۔

اس کی اصل وہ روایت ہے جس کو ابوموسیٰ المدینی اور ابوالربیع الکلاعی نے ''الاکتفاء'' میں' ابن الاثیر نے ''اسد الغابہ'' میں اور ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ امیمہ یا میمونہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو والی (گورنر) بنانے کے لیے بلایا' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اسے ناپسند کرتے ہو حالانکہ اس ذمہ داری کو اس شخصیت نے خود طلب فرمایا ہے جو تم سے بہتر تھے؟ انہوں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام نبی ابن نبی تھے اور میں امیمہ کا بیٹا ابوہریرہ ہوں[۱۲]۔

(الاصابہ۔ جزء النساء ص ۲۱)

---

[۱۱] حدیث حسن۔ بخاری: ۷۱۵۵' ترمذی: ۳۸۵۰' ابن حبان: ۴۵۰۸' بیہقی ج ۸ ص ۱۵۵' البغوی: ۲۴۸۵' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[۱۲] نہایت ضعیف روایت۔ اسے اسحاق بن ابراہیم بن شاذان نے اور ان کے حوالہ سے ابوموسیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۴۱' حدیث: ۱۰۲) حافظ ابن حجر نے کہا: اس کا اسناد نہایت ضعیف ہے۔

ادیب' کاتب ابومحمد الشرقی بن محمد الاسحاقی الحجازی اپنی کتاب میں ارشاد باری تعالیٰ:

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا۝ (الفرقان:۷۴) اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنادے۔

کے تحت لکھتے ہیں' بعض علماء نے کہا ہے: اس آیت کریمہ سے یہ دلیل مستنبط ہوتی ہے کہ انسان کے لیے دین میں اعلیٰ مراتب طلب کرنا جائز ہے جیسے ولایت (گورنری یا دوسرا کوئی عہدہ) اور علم وغیرہ۔ بلکہ حافظ جلال الدین السیوطی نے اپنی نادر کتاب ''الاکلیل علی استنباط التنزیل'' میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قول:

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ۝ (یوسف:۵۵) مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردے بے شک میں حفاظت کرنے والا اعلم والا ہوں۔

کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے قضاء (جج بننا) وغیرہ جیسی ذمہ داری کو طلب کرنے کا جواز کا استدلال کیا گیا ہے' جو شخص اس ذمہ داری کو نباہنے کا اہل ہو وہ ایسے عہدے طلب کرسکتا ہے بلکہ کافر اور ظالم حکمران سے بھی ایسی درخواست کی جاسکتی ہے۔ ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ذمہ داری اور عہدہ اس لیے طلب کیا کہ آپ عدل و انصاف کی حکمرانی سے رغبت رکھتے تھے' اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کا معاملہ ہے' انکار کے باوجود انصار کی طرف سے دو امیروں کی تجویز آنے پر فوری طور پر آپ نے اس منصب کو قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ دو آدمیوں کی ولایت بھی قبول نہ کرو۔[۱۳] فاضل شخص کے لیے اس وقت یہ جائز ہے کہ وہ ذمہ داری قبول کرے' ذمہ داری کو طلب کرے جب اسے اپنا متبادل نظر نہ آئے۔

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں متعدد مقامات پر لکھا ہے کہ خلفاء راشدین ذمہ دارانہ عہدوں پر صرف صحابہ کو ترجیح دیتے تھے' غیر صحابہ کو بہت کم ان عہدوں پر مامور کرتے تھے۔

''طبقات ابن سعد'' میں حنظل بن حصین البارقی الازدی کے تذکرہ میں ہے' وہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: رب کعبہ کی قسم! مجھے معلوم ہے عرب کب ہلاک ہوں گے جب ان کے امور ان کے سپرد ہوں گے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت نہیں پائی اور جاہلیت کے کاموں پر غالب نہ آئے۔ (ج ۶ ص ۸۸)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے خلفاء راشدین فتوحات میں غیر صحابہ کو سالار لشکر نہیں بناتے تھے۔

✿✿✿✿✿

[۱۳] حدیث حسن۔ احمد ج ۵ ص ۱۸۰' میں مروی حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''التقریب'' میں کہا ہے: اس کے اسناد میں سالم بن ابوسالم الجیشانی مقبول ہے اور بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

مآخذ و مراجع

ہر شے کا مواد اور اجزاء ترکیبی ہوتے ہیں' میری اس کتاب کے اجزاء ترکیبی احادیث اور شروحات احادیث میں سے درج ذیل کتب ہیں۔ صحاح ستہ: (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن ترمذی (۴) سنن ابوداؤد (۵) سنن نسائی (۶) سنن ابن ماجہ کے علاوہ:

(۷) فتح الباری' حافظ ابن حجر

(۸) التنقیح' بدرالدین زرکشی

(۹) المصابیح' بدرالدین الدمامینی

(۱۰) ارشاد الشاری' شہاب الدین قسطلانی

(۱۱) تشنیف المسامع' عارف فاسی

(۱۲) حواشی' ابوعبداللہ زکری

(۱۳) شرح علی مختصر ابن ابی حمزہ' ابن زید الجاجی

(۱۴) الفجر الساطع علی الصحیح الجامع' ابوعبداللہ محمد الفضیل الادریسی

(۱۵) حواشی علی الصحاح الستۃ' حافظ سیوطی

(۱۶) عون الودود علی سنن ابی داؤد' ابوالحسنات لکھنوی

(۱۷) انجاح الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ' شیخ عبدالغنی دہلوی' مدنی

(۱۸) مؤطا' امام دارالہجرہ امام مالک

(۱۹) القبس علی مؤطا مالک بن انس' امام ابوبکر ابن العربی

(۲۰) مؤطا' امام محمد بن الحسن

(۲۱) مسند' امام احمد بن حنبل

(۲۲) مسند' ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن داری

(۲۳) الادب المفرد' امام محمد بن اسماعیل البخاری

(۲۴) مجمع الزوائد' حافظ نورالدین ہیثمی

(۲۵) عمدۃ القاری' بدرالدین عینی

(۲۶) التوشیح' حافظ سیوطی

(۲۷) بہجۃ النفوس' ابن ابی حمزہ

(۲۸) حواشی ارشاد' ابن غازی' ابوالعباس احمد زروق

(۲۹) تعلیق علی التشنیف' ابوزید الفاسی

(۳۰)حواشی 'ابوعبداللہ محمد التاودی
(۳۱) نفحۃ المسک و الدراری شرح نظم مقدمۃ فتح الباری''ابوالفیض حمدون
(۳۲)شروحات مسلم 'نووی' عیاض' ابی' ابن المشاط' سنوسی' سیوطی
(۳۳)قوت المغتذی علی جامع الترمذی' حافظ سیوطی
(۳۴)التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد' شیخ فخر الحسن گنگوہی
(۳۵)الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ' صدیق حسن خان بھوپالی
(۳۶)شرح مؤطا ''المنتقی''ابوالولید الباجی
(۳۷)حواشی علی المؤطا' حافظ سیوطی
(۳۸)حواشی بر مؤطا امام محمد' علامہ ابوالحسنات لکھنوی
(۳۹)حاشیہ بر مسند امام احمد' محدث مدینہ ابوالحسن سندھی
(۴۰)مسند عمر بن عبد العزیز' جامع نامعلوم۔ تخریج ابوبکر محمد باغندی
(۴۱)العلل' امام ابن ابی حاتم الحنظلی
(۴۲)الجامع الکبیر' حافظ سیوطی
(۴۳)الجامع الصغیر' حافظ سیوطی
(۴۴)التیسیر 'العزیزی
(۴۵)کنز العمال' علامہ علی متقی ہندی
(۴۶)نصب الرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ' حافظ جمال الدین الزیلعی
(۴۷)تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر' حافظ ابن حجر
(۴۸)مرقات شرح مشکوۃ (المفاتیح علی المصابیح)' ملا علی القاری
(۴۹)نیل الاوطار' قاضی محمد بن علی شوکانی
(۵۰)المقاصد الحسنۃ' حافظ سخاوی
(۵۱)شرح الاربعین النوویۃ' ابن حجر ہیتمی
(۵۲)مشکل الحدیث' ابومحمد بن قتیبہ
(۵۳)کشف الغمۃ' عبد الوہاب شعرانی
(۵۴)المعتصر من المختصر' قاضی یوسف بن موسیٰ حنفی
(۵۵)شرح مسند ابی حنیفۃ' ابوالحسن علی القاری
(۵۶)فتح القدیر (شرح الجامع الصغیر)' المناوی
(۵۷)حواشی الجامع الصغیر' شمس الدین علقمی۔ شمس الدین حنفی

(۵۸) منتخب کنز العمال' علامہ علی متقی ہندی
(۵۹) اختصار نصب الرایہ' حافظ ابن حجر
(۶۰) مشکوۃ المصابیح' ولی الدین تبریزی
(۶۱) منتقی الاخبار' شیخ ابن تیمیہ
(۶۲) شرح حدیث ام زرعہ' قاضی ابوالفضل عیاض
(۶۳) عروس الافراح فی معنی حدیث الارواح' شمس الدین محمد بن احمد مکی
(۶۴) البرہان' الشمر خیتی
(۶۵) توجیہ النظر' شیخ طاہر الجزائری الدمشقی
(۶۶) کتاب اقضیۃ الرسول ﷺ' ابن الطلاع القرطبی
(۶۷) بلوغ السؤل فی اقضیۃ الرسول' صدیق حسن خان بھوپالی
(۶۸) الفتاوی الحدیثیہ' ابن حجر ہیثمی
(۶۹) الدرر اللوامع فی الکلام علی احادیث جمع الجوامع' حافظ ابوالعلاء عراقی
(۷۰) اختصار الباجی من مشکل الآثار للطحاوی
(۷۱) نبراس العقول الذکیۃ فی شرح الاربعین حدیثا النبویۃ' شمس الدین کرمانی
(۷۲) الذہب الابریز علی المعجم الوجیز' ابوالمحاسن محمد بن خلیل الحنفی

کتب سیرت

(۱) شمائل' امام ترمذی
(۲) سیرت' ابن اسحاق
(۳) شرح غریب سیرت ابن اسحاق' ابوذر الخشنی
(۴-۶) شروح شمائل' ابن حجر' مناوی' حاشیہ حافظ سیوطی
(۷) سیرت' ابن ہشام
(۸) شرح سیرت ابن اسحاق' ابوالقاسم السہیلی
(۹) الدرر فی المغازی والسیر' ابی عمر ابن عبدالبر
(۱۰) الشفاء' قاضی عیاض
(۱۱) نسیم الریاض' شہاب الدین خفاجی
(۱۲) المنہل الاصفا علی الشفاء' ابن التلمسانی
(۱۳) بہجۃ المحافل' العامری

(۱۴) سیرت، ابن سید الناس
(۱۵) سیرۃ، الطبری
(۱۶) المقالات السنیۃ فی مدح خیر البریۃ، علامہ عثمان بن علی (انیس ہزار اشعار پر مشتمل نادر منظوم سیرت)
(۱۷) منحۃ واھب الھبات البھیۃ والصلات الفاخرۃ فی مدح صاحب الایات السنیۃ والمعجزات الباھرۃ، (تقریباً پانچ ہزار بلیغ ونادر اشعار پر مشتمل سیرت)
(۱۸) شرح انموذج اللبیب، محمد بن عمر الروضی
(۱۹) سمط الجوھر الفاخر فی مفاخر سید الاوائل والاواخر، ابوعیسیٰ مہدی الفاسی
(۲۰) وفاء الوفاء، سید سمہودی
(۲۱) تاریخ المسجد النبوی، سید جعفر برزنجی
(۲۲) الاکتفاء، ابوالربیع الکلاعی
(۲۳) شرح الشفاء، ملا علی القاری
(۲۴) شرح الفیہ، عبدالروف المناوی
(۲۵) المواھب اللدنیہ، علامہ شہاب الدین قسطلانی
(۲۶) السیرۃ الحلبیۃ، نورالدین علی الحلبی
(۲۷) سیرت المحافل، ابن فارس لغوی
(۲۸) نور النبراس، حافظ برہان الدین الحلبی
(۲۹) الفیہ، حافظ زین الدین العراقی
(۳۰) شرح الفیہ، شیخ طیب بن کیران
(۳۱) شرح المواھب، محمد بن عبدالباقی الزرقانی
(۳۲) الھدی النبوی، ابن القیم
(۳۳) سیرت الشامیہ، محمد بن یوسف الشامی
(۳۴) فوائد الدرر وفرائد الفکر فی شرح مختصر السیر، ابوالقاسم بن بادلیس
(۳۵) الدرۃ السنیۃ فی العالم السنیۃ، ابن اصبغ المعروف ابن المناصف الازدی القرطبی (سات ہزار ابیات پر مشتمل منظوم سیرت)
(۳۶) اختصار شفاء، ابن عبدالسلام بنانی، الحریشی
(۳۷) الدرر المنظم فی مولد النبی المعظم، حافظ ابوالقاسم العزفی
(۳۸) حاشیہ بھجۃ، ابن الاشخر الیمنی
(۳۹) فتح المتعال فی مدح النعال، ابوالعباس المقری

(۴۰)اختصار فتح المتعال' ابوالعباس المقری

(۴۱)انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب' حافظ سیوطی

(۴۲)خصائص القطب الخیری

(۴۳)المولد الکبیر' شہاب الدین الحلوانی

(۴۴)خلاصہ الوفاء' سید سمہودی

(۴۴)تحفۃ المحبین والاحباب فیما للمدنیین من الانساب' ابوزید انصاری المدنی

(۴۵)نجوم المھتدین فی دلائل نبوۃ سید المرسلین' شیخ یوسف نبہانی شامی

(۴۶)حاشیہ علی المواحب' نورعلی الشمر ملسی

(۴۷)الھمزیہ' شرف الدین البوصیری

(۴۸۔۵۷)شروحات همزیہ از شمس الدین الجوجری' ابن حجر ہیثمی' شمس الدین الحنفی' ابوعبداللہ محمد زنبیر السلوی' ابوعبد اللہ محمد بن احمد السوسی' ابومحمد عبدالقادر قاضی مکناس' ابوعبداللہ محمد نبیس القاسی' ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن الصومعی' شیخ سلیمان الجمل مصری' ابوالعباس الصاوی مصری وغیرہ۔

(۵۸)شرح البردہ ابوالعباس الجادری

کتب تراجم صحابہ

(۱) الطبقات الکبریٰ' امام ابن سعد

(۲) الاستیعاب' حافظ ابن عبدالبر

(۳) انوار اولی الالباب فی اختصار الاستیعاب' حافظ ابن عبدالبر

(۴) اسد الغابہ' ابن الاثیر

(۵) الاصابہ' سید الحفاظ ابن حجر

(۶) اختصار الاصابہ' ابوزید عبدالرحمن فاسی

(۷) التجرید' حافظ ذہبی

(۸) در السحابۃ فیمن دخل مصر من الصحابۃ' حافظ سیوطی

(۹) الریاض المستطابۃ فی جملۃ من روی فی الصحیحین من الصحابۃ' ابوزکریا یحییٰ عامری

(۱۰) سیرۃ عمر بن الخطاب' حافظ ابن الجوزی

(۱۰) ظل الغمامۃ وطوق الحمامہ فی مناقب من خصہ رسول اللہ ﷺ بالکرامۃ' ابوعبداللہ محمد الغافقی الاندلسی

(۱۱) اسنی المطالب فی مناقب سیدنا علی بن ابی طالب' حافظ ابن الجزری

(۱۲) الاستبصار فی انساب الانصار' علامہ ابن قدامہ المقدسی
(۱۳) ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی' شیخ الحرم' حافظ الحجاز محب الدین الطبری
(۱۴) جواھر العقدین فی فضل الشرفین شرف العلم والنسب للامام' مورخ مدینہ نور الدین علی سمہودی المدنی

کتب تاریخ' ادب' انساب

(۱) تاریخ الاسلام' حافظ ابن عساکر
(۲) جمھرۃ الانساب' ابو محمد ابن حزم اندلسی
(۳) صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء' شہاب احمد القلقشندی
(۴) وفیات الاعیان' قاضی ابن خلکان
(۵) لب الالباب فی الانساب' حافظ سیوطی
(۶) آکام العقیان فی الخصیان' حافظ سیوطی
(۷) تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی' حافظ سیوطی
(۸) المسارعۃ الی المصارعۃ' حافظ سیوطی
(۹) الجزل فی العزل' حافظ سیوطی
(۱۰) العقد الفرید' ابن عبد ربہ اندلسی
(۱۱) مرآۃ الزمان' سبط ابن الجوزی
(۱۲) خطط مصر' المقریزی علی مبارک پاشا
(۱۳) شرح بدیعیۃ البیان' محمد بن ناصر الدین دمشقی
(۱۴) الانساب' ابن السمعانی
(۱۵) نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب' علامہ القلقشندی
(۱۶) النیل' ابو العباس
(۱۷) طبقات' امام ابو عبداللہ محمد السوسی
(۱۸) روض القرطاس' ابن ابی زرع
(۱۹) مسالک الابصار فی ممالک الامصار' ابن فضل اللہ العمری
(۲۰) تکملہ صلۃ ابن بشکوال' ابن الابار اندلسی وغیرہ
(۲۱) العبر' مقدمہ' ولی الدین ابن خلدون
(۲۲) الفھرست' ابو الفرج محمد بن ابی یعقوب الندیم

(۲۳)المعارف'ابن قتیبہ
(۲۴)تاریخ الخلفاء'حافظ سیوطی
(۲۵)طبقات اللغویین و النحاۃ'حافظ سیوطی
(۲۶)حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و القاہرۃ'حافظ سیوطی
(۲۷)الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ'حافظ سیوطی
(۲۸)سمط اللآلی فی بیان ما اشتمل علیہ کتاب الشفا من الرجال'شیخ تویسم التونسی
(۲۹)عیون الانباء فی طبقات الاطباء'ابوالعباس احمد ابن ابی اصیبعہ
(۳۰)کتاب اخبار الدول و آثار الاول'ابوالعباس احمد القرمانی
(۳۱) اشھر مشاھیر الاسلام فی الحروب و السیاسۃ'رفیق بک دمشقی
(۳۲)طبقات الشافعیۃ الکبری'قاضی تاج الدین السبکی
(۳۳)نکت الھمیان فی اخبار العمیان'صلاح صفدی
(۳۴)الدیباج المذھب'ابن فرحون
(۳۵)الکفایۃ'ابوالعباس
(۳۶)طبقات الحنفیہ'علامہ ابن قطلو بغا حنفی
(۳۷)التعریف بالمصطلح الشریف'ابن فضل اللہ العمری
(۳۸)الانس الجلیل فی تاریخ القدس و الخلیل'مجیرالدین حنبلی
(۳۹)روضۃ النسرین فی دولۃ بنی مرین'ابن الاحمر
(۴۰)مستودع العلامۃ'ابن الاحمر
(۴۱)تاریخ الاسلام'حافظ ذہبی
(۴۲)تاریخ الدولتین الموحدیۃ و الحفصیۃ'ابوعبداللہ محمد الزرکشی
(۴۳)ذیل بشائر الایمان فی فتوحات آل عثمان'مؤرخ حسین خوجہ حنفی
(۴۴)ازھار الریاض فی اخبار عیاض'المقری
(۴۵)درۃ الحجال'ابوالعباس ابن القاضی
(۴۶)الخبر المعرب'شیخ ابی راس المعسکری
(۴۷)التلقیح'حافظ ابن الجوزی
(۴۸)سلک الدرر فی اھل القرن الثانی عشر'شمس الدین محمد خلیل المرادی
(۴۹)ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد'شمس الدین محمد بن ابراہیم انصاری
(۵۰)ازھار الطیبۃ النشر فی بعض مبادی العلوم العشر'قاضی ابوالفتح محمد الطالب الفاسی

(۵۱) التحفة القادرية' ابومحمد عبد السلام القادری الفاسی
(۵۲) تحفة الاكابر فی مناقب شيخ عبد القادر' ابوزید عبد الرحمٰن الفاسی
(۵۳) الدر النفیس فیمن بفاس من ابناء محمد بن ادریس' ابومحمد الولید بن العربی الفاسی
(۵۴) کشف الظنون' کاتب حلبی
(۵۵) رحلة' ابومحمد عبداللہ التجانی
(۵۶) رحلة الحجازية' الاسحاقی
(۵۷) رحلة' شیخ ابوراس المعسکری
(۵۸) الترجمانة الكبرى' ابوالقاسم الزیانی الفاسی
(۵۹) تذكرة الحفاظ' حافظ ذہبی
(۶۰) التعريف بالرجال المذكورين فی مختصر ابن حاجب الفرعی' محمد بن عبدالسلام المالکی
(۶۱) الاعلاق النفيسة' ابوعلی احمد بن عمر بن رستہ
(۶۲) نفح الطيب' المقری
(۶۳) جذوة الاقتباس' ابوالعباس ابن القاضی
(۶۴) لقط الفرائد' ابوالعباس ابن القاضی
(۶۵) ورى الظما فيمن قال الشعر من الاماء' حافظ ابن الجوزی
(۶۶) تلبيس ابليس' حافظ ابن الجوزی
(۶۷) ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب' ابومنصور الثعالبی
(۶۸) مفتاح السعادة ومصباح السيادة' احمد بن مصطفیٰ طاشکبری زادہ
(۶۹) الاستقصاء' ابوالعباس ناصری السلاوی
(۷۰) خلاصة تاريخ العرب' فرانسیسی مؤرخ سیدیو
(۷۱) الاشراف على من بفاس من مشاهير الاشراف' قاضی ابوالفتح ابن الحاج
(۷۲) سلوة الانفاس فيمن اقبر من العلماء والصالحين بمدينة فاس' ابوعبداللہ محمد بن جعفر الکتانی الفاسی
(۷۳) رحلة' امام حافظ ابوالقاسم التجیبی
(۷۴) ماء الموائد' شیخ ابومحمد عبداللہ اعیاش
(۷۵) رحلة' ابوعبداللہ محمد بن عبدالسلام الناصری
(۷۶) فواتح الانس فی الرحلة الى القدس' مصطفیٰ اسعد لقیمی
(۷۷) روضة البسام فی الرحلة الى بلاد الشام' محمد بن عبدالجواد القایاتی المصری
(۷۸) رحلة الحبشة' صادق پاشا

(۷۹)الرد الوافر علی من زعم ان من سمی ابن تیمیة شیخ الاسلام کافر، شمس الدین محمد الدمشقی الشافعی
(۸۰)نبش الھذیان من تاریخ جرجی زیدان و جوابه، احمد بن عبدالحی الحلبی
(۸۱)الدرر المرصعة فی صلحاء درعه، ابوعبداللہ محمد المکی
(۸۲)الرد المتین علی منتقص الشیخ محی الدین، شیخ عبدالغنی النابلسی
(۸۳)تاریخ بیوتات فاس، ابوزید الفاسی
(۸۴)الجیش العرمرم الخماسی، ابوعبداللہ السوسی مراکشی
(۸۵)البحر الزاخر فی تاریخ العالم و اخبار الاوائل الاواخر، محمود فہمی المصری
(۸۶)تلخیص الابریز، شیخ رفاعہ الطہطاوی
(۸۷)النجوم الزاهرة فی ملوک مصر و القاهرة، ابوالمحاسن
(۸۸)تاریخ مصر الحدیث، جرجی زیدان
(۸۹)اوائل السیوطی، احمد بن عبدالحی الحلبی
(۹۰)الدر النفیس، احمد بن عبدالحی الحلبی
(۹۱) الانیس المطرب فیمن لقیته من ادباء المغرب، ابوعبداللہ محمد بن الطیب العلمی
(۹۲)تاریخ الدولة الحسنیة العلویة، ابوالعباس بن الحاج
(۹۳)ریاض الورد فیما انتمی الی هذا الجوهر الفرد، قاضی ابن الحاج
(۹۴)رسالة النقود الاسلامیة، تقی المقریزی

کتب تفسیر، فقہ، اصول، تصوف، لغت، سیاست، طب، حکمت

(۱) احکام القرآن، امام ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفی
(۲) تفسیر، ابن عطیہ
(۳) تفسیر الکشاف، علامہ زمخشری
(۴) تفسیر، ابومسعود حنفی
(۵) الاتقان فی علوم القرآن، حافظ سیوطی
(۶) تفسیر مراح لبید، شیخ محمد نووی الجاوی
(۷)احکام القرآن، قاضی ابوبکر بن العربی مالکی
(۸) تفسیر، علامہ قرطبی

(۹) تفسیر' ابن عرفہ تونسی

(۱۰) الدر المنثور' حافظ سیوطی

(۱۱) الاکلیل فی استنباط التنزیل' حافظ سیوطی

(۱۲) المحاذی' ابوعبداللہ محمد بن عبدالسلام الفاسی

کتب فقہ مالکی' حنفی' شافعی' حنبلی اور متفرقات

(۱) المدونۃ' ابن ابی زید

(۲_۵) شروحات المدونۃ' ابویحییٰ التازی' ابن ناجی' زروق الاجھوری' جسوس وغیرہ

(۶) الکافی' ابی عمر ابن عبدالبر

(۷) القوانین' ابوالقاسم بن جزی

(۸) المعیار المعرب' حافظ ونشریسی

(۹) شرح علی المختصر' زرقانی

(۱۰) شرح علی المختصر' ابی علی بن رحال المعدانی

(۱۱) حاشیہ علی الشرح الدردیر علی المختصر' شمس الدین الدسوقی

(۱۲) الغاز' ابن فرحون

(۱۳) التبصرہ' ابن فرحون

(۱۴) تحفۃ الناظر وغنیۃ الذاکر فی حفظ الشعائر وتغیر المناکر' امام ابوعبداللہ محمد بن احمد العقبانی

(۱۵) فتح الوھاب علی ھدایۃ الطلاب' شیخ مختار بن احمد الکنتی

(۱۶) فتاوی' علامہ صالح ابوعبداللہ علیش مالکی

(۱۷) شرح جامع خلیل' شیخ تاودی بن سودہ فاسی

(۱۸) ردالمحتار علی الدر المختار' محمد بن عابدین شامی

(۱۹) شرح ابی عبد اللہ المواق الغرناطی

(۲۰) والحطاب المکی علی المختصر

(۲۱) شرح علی المختصر' الشبرخیتی

(۲۲) حاشیۃ الرھونی والشیخ الامیر المالکی المصری علی المختصر

(۲۳) تنبیہ الغافل' فجروتی

(۲۴) شرح المنظومۃ التلمسانیۃ فی الفرائض' امام ابویوسف الستانی

(۲۵) شرح علیٰ المرشد المعین' ابوعبداللہ محمد بن الطیب القادری
(۲۶) سراج الملوک' ابوالولید الطرطوشی
(۲۷) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع' امام علاؤالدین الکاسانی
(۲۸) الوسیلة الاحمدیة والوزیعة السرمدیة فی شرح طریقة المحمدیة' الحاج رجب بن احمد الترکی
(۲۹) نهایة الاحکام فیما للنیة من الاحکام' سید احمد الحسینی الشافعی المصری
(۳۰) الرسالة' ابن ابی زید
(۳۱) البیان والتحصیل' ابوالولید بن رشد
(۳۲) شرح ابی العباس القباب علی قواعد عیاض
(۳۳) البریقة المحمودیة فی شرح الطریقة المحمدیة' شیخ ابوسعید الخادمی الحنفی
(۳۴) کشاف القناع علی متن الاقناع' شیخ منصور بن ادریس الحنبلی
(۳۵) فتاوی' ابن حجر ہیتمی
(۳۶) المواقف مع شرح' سید شریف الجرجانی
(۳۷) الاحیاء' امام غزالی
(۳۸) شرح الاحیاء' سید مرتضیٰ زبیدی
(۳۹) القواصم والعواصم' امام ابوبکر ابن العربی
(۴۰) الکوکب الساطع' حافظ سیوطی
(۴۱) فواتح الرحموت علی مسلّم الثبوت' علامہ عبدالعلی الانصاری
(۴۲) المصباح الوهاج المغنی عن سراج الداج' ابوعبداللہ محمد التهامی المعروف شہبون یالصوتی
(۴۳) التیسیر فی احکام التسعیر' قاضی ابوالعباس احمد بن سعید مجلیدی
(۴۴) شرح علی نظم الذریعه' ابوالعباس احمد الهشتوکی
(۴۵) الدر المختار شرح تنویر الابصار'
(۴۶) الحدیقة الندیة فی شرح الطریقة المحمدیه' علامہ عبدالغنی النابلسی
(۴۶) الشرح الجلی علی بیتی الموصلی' شہاب احمد بربیر البیروتی
(۴۷) المواهب الفتحیة فی علوم اللغة العربیة' شیخ حمزہ فتح اللہ مصری
(۴۸) شرح خطبة المختصر' ابوالعباس الهلالی
(۴۹) الیواقیت والدرر فی شرح نخبة ابن حجر' شیخ عبدالرؤف مناوی
(۵۰) فتاویٰ' شہاب الدین احمد الرملی الشافعی
(۵۱) قوت القلوب' ابوطالب المکی

(۵۲) تخریج احادیث احیاء، حافظ عراقی
(۵۳) مختصر کتاب المومل فی الرد علی الامر الاول، حافظ ابوشامہ المقدسی
(۵۴) شرح جمع الجوامع المسمّٰی "بالضیاء اللامع" ابو العباس احمد حلولو القیر وانی
(۵۵) المدخل، ابوعبداللہ بن الحاج العبدری
(۵۶) سنن المہتدین، المواق
(۵۷) بدائع السلک فی ترتیب الملک، قاضی ابوعبداللہ بن الازرق الغرناطی
(۵۸) الانالۃ العلمیۃ فی طریقۃ الفقراء المتجردین من الصوفیۃ، ابوعثمان سعید بن ابی جعفر التجیبی
(۵۹) منظومۃ الآداب، امام محمد بن عبدالقوی المرداوی
(۶۰) بلوغ اقصی السرام فی شرف العلم وما یتعلق بہ من الاحکام، علامہ ابوعبداللہ محمد بن مسعود الفاسی
(۶۱) الاجوبۃ المہمۃ لمن لہ بامر دینہ ھمۃ، شیخ مختار بن ابی بکر الکلتی
(۶۲) الآداب الشریعۃ الکبری، امام ابومحمد بن مفلح المقدسی الحنبلی
(۶۳) غذاء الالباب لشرح منظومۃ الآداب، ابوعبداللہ محمد بن احمد السفارینی
(۶۴) سعود المطالع والفواکہ الجنویۃ، شیخ عبدالہادی الابیاری المصری
(۶۵) القصر المبنی علی حواشی المغنی، شیخ عبدالہادی الابیاری المصری
(۶۶) ھدایۃ الضال من القیل والقال، ابومحمد المامون بن عمر الکتانی
(۶۷) الابتہاج فی شرح المنہاج، امام تقی الدین السبکی
(۶۸) نسمات الاسحار علی شرح افاضۃ الانوار علی متن اصول المنار، علامہ محمد بن احمد بن عابدین شامی
(۶۹) متن و شرح جمع الجوامع، جلال الدین المحلی
(۷۰) حاشیہ جمع الجوامع، ابوعلی العطار المصری
(۷۱) الفروق، امام ابوالعباس القرافی
(۷۲) العلم الشامخ فی ایثار الحق علی الآباء والمشائخ، شیخ صالح المقبلی الیمنی
(۷۳) ادب الدنیا والدین، الماوردی
(۷۴) تاج العروس، ابوالفیض الزبیدی
(۷۵) الصحاح، ابوعبداللہ محمد بن احمد الخوارزمی
(۷۶) اتحاف ذوی الاستحقاق ببعض مراد المرادی
(۷۷) النوافح العالیہ فی المدائح السلیمانیۃ، ابوالفیض حمدون
(۷۸) الصارم المسلول علی شاتم الرسول، حافظ ابن تیمیہ

(۷۹) البرکة فی فضل السعی والحرکة' ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن یمنی
(۸۰) الوافی فی المسالة الشرقیة' امین ابراہیم شمیل
(۸۱) کناشة (یادداشتیں) ابی العباس احمد بن عامر الحافی السلاوی
(۸۲) شرح الحافظ السخاوی علی الفیة العراقی فی الاصطلاح۔
(۸۳) وفیات الاسلاف وتحیة الاخلاف' شہاب الدین المرجانی الغازانی
(۸۴) مقدمة تاریخ الوزیر' جودت پاشاترکی
(۸۵) مشارق الانوار' قاضی عیاض
(۸۶) مجمع بحار الانوار' شیخ محمد طاہر پٹنی
(۸۷) شرح الشواهد الکبری' محمود عینی المصری
(۸۸) روضة الاعلام بمنزلة العربیة من علوم الاسلام فارس' ابوعبداللہ محمد بن علی بن الارزق
(۸۹) النهایه' ابن الاثیر
(۹۰) تهذیب الاسماء واللغات' امام نووی
(۹۱) المطالع النصریة فی اصول الخطیة' ابوالوفاء نصر الهورینی
(۹۲) القاموس' حاشیة علی القاموس' امام محمد بن الطیب الفاسی
(۹۳) فهرس' ابوالعباس احمد بن قاسم البونی
(۹۴) فهرسة' حافظ ابوبکر بن خیر الاموی
(۹۵) صلة الخلف بموصول السلف' ابن سلیمان الردانی
(۹۶) المنح البادیة فی الاسانید العالیة' ابوعبداللہ محمد الصغیر الفاسی
(۹۷) افراد ذوی الاستعداد الی معالی الروایة والاسناد' شیخ ابومحمد عبدالقادر بن احمد الفاسی
(۹۸) تسریح الابصار فیما یحتوی لبنان من الاثار۔ ہنری لامنس مسیحی
(۹۹) کناشة' ابوالفضل عباس بن ابی عبداللہ الفاسی
(۱۰۰) آکام النفائس فی آداب الاذکار بلسان فارس' علامہ ابوالحسنات لکھنوی
(۱۰۱) شرح نهج البلاغة' ابن ابی الحدید المدائنی
(۱۰۲) تثقیف اللسان و تلقیح الجنان' ابوحفص عمر بن خلف بن مکی
(۱۰۳) کناشة' ابوعبداللہ محمد بن الخیاط بن ابراہیم الفاسی
(۱۰۴) الامتاع باحکام السماع' کمال الدین ابوالفضل جعفر بن ثعلب شافعی
(۱۰۵) فتح القدوس' امام ابوالعباس احمد بن عبدالعزیز الهلالی
(۱۰۶) المصباح' ابوعبداللہ محمد بن احمد الخوارزمی

(۱۰۷) مفاتیح العلوم' ابو عبداللہ محمد بن احمد الخوارزمی
(۱۰۸) زوائد ابی اسحاق' حاشیہ ابن غازی علی الفیۃ ابن مالک
(۱۰۹) الرد علی ابن المطہر الحنبلی' حافظ ابن تیمیہ
(۱۱۰) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ' ابن القیم
(۱۱۱) ارشاد المتسبب علی معونۃ المکتسب وبغیۃ التاجر والمحتسب' شیخ ابو سالم العیاشی
(۱۱۲) معجم' حافظ مرتضی الزبیدی
(۱۱۳) الفوائد الجمۃ فی اسناد علوم الامۃ' امام ابو زید عبدالرحمن تمنارتی
(۱۱۴) ریاض اھل الجنۃ فی آثار اھل السنۃ' شیخ عبدالباقی الحنبلی
(۱۱۵) حصر الشارد فی اسانید محمد عابد' شیخ محمد عابد سندھی المدنی
(۱۱۶) البیان والتبیین' امام ابو عثمان الجاحظ
(۱۱۷) حسن الصناعۃ فی علم الزراعۃ' امام ابو عثمان الجاحظ
(۱۱۸) فتح المنۃ فی التلبیس بالسنۃ' امام شعرانی
(۱۱۹) الطبقات الکبری' امام شعرانی
(۱۲۰) المنن' امام شعرانی
(۱۲۱) النفس الیمانی والروح الروحانی فی اجازۃ القضاۃ الثلاثۃ بنی الشوکانی' عبدالرحمن بن سلیمان الاھدل
(۱۲۲) تنبیہ المغترین' امام شعرانی
(۱۲۳) تحدید الاسنۃ فی الذب عن السنۃ' شیخ عبدالکبیر بن محمد الکتانی
(۱۲۴) منھاج الاخلاق السنیۃ فی مباھج الاخلاق السنیۃ' علامہ شیخ عبدالقادر الفاکہی المکی
(۱۲۵) شرح عین العلم' ملا علی القاری الحنفی
(۱۲۶) تشیید المکانۃ لمن حفظ الامانۃ' ابو المعارف مصطفی بن کمال الدین
(۱۲۷) بدائع الفوائد' حافظ ابن القیم الدمشقی
(۱۲۸) المحاضرات' ابو علی حسن بن مسعود الیوسی
(۱۲۹) مناھج الالباب المصریۃ فی مناھج الآداب العصریۃ' شیخ رفاعۃ الطھطاوی المصری
(۱۳۰) الدوحۃ المشتبکۃ فی ضوابط دار السکۃ' ابو الحسن علی بن یوسف الفاسی
(۱۳۱) ضیاء النھار المجلی لقاتح الابصار' ابو القاسم بن نحو الحسانی فاسی
(۱۳۲) الوابل الصیب فی الکلم الطیب' حافظ ابن القیم الدمشقی
(۱۳۳) حجۃ الکرام فی محجۃ اھل الاسلام' ابو علی حسن بن مسعود الیوسی

(۱۳۴) القانون' ابو علی حسن بن مسعود الیوسی

(۱۳۵) بذل الكرامة لقراء المقامة' شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن الجزائری

(۱۳۶) التوفيق من الرب القريب فی عدد شيبه وفی خضاب النبی الحبيب' شیخ عبدالکبیر بن محمد الکتانی (والد مؤلف)

(۱۳۷) عين العلم اختصار الاحياء' شمس الدین محمد بن عثمان البلخی

(۱۳۸) مقدمة اقوم المسالك فی معرفة احوال الممالك' وزیر خیر الدین پاشا تونسی

(۱۳۹) التاج' امام ابو عثمان الجاحظ

(۱۴۰) رسالة فی مدح التجار و ذم عمل السلطان' امام ابو عثمان الجاحظ

(۱۴۱) حسن الصناعة فی علم الزراعة. وغیرہ دیگر کتب اور رسائل۔

تاہم میرا اس تالیف میں سب سے زیادہ اعتماد اور میرا عظیم ترین ماخذ علامہ ابوالحسن علی بن ذی الوزارتین محمد بن احمد بن موسیٰ بن مسعود بن موسیٰ بن ابی غفرۃ الخزاعی کی کتاب:

"تخريج الدلالات السمعية علی ما كان فی عهد رسول الله ﷺ من الحرف والصنائع والعمالات الشرعية" ہے۔ اگرچہ مجھے یہ کتاب مکمل صورت میں نہیں ملی ہے۔ تاہم میں نے اس کے حاصل شدہ اجزاء پر معتدبہ اضافے کر کے کثیر تعداد میں فصول' اصول اور نقول بڑھا کر اس کو مرتب کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے مصنف کا دوسرا مقدمہ ملاحظہ کریں۔ مترجم)

میں نے اس کتاب میں عصری تقاضوں کے مطابق زبان و بیان کو اپنایا ہے' اختصار کو ترجیح دی ہے اور راجح ترین قول کو قلم بند کیا ہے' موضوع کی مناسبت کا خیال رکھتے مفید ترین باتوں سے گریز نہیں کیا۔

میں اس عظیم الشان کتاب "تخريج الدلالات السمعية" کی تلاش و جستجو میں ایک عرصہ تک سرگرداں رہا' کیونکہ میری معلومات کے مطابق اس موضوع پر علامہ خزاعی سے پہلے اور بعد میں کسی نے بھی قلم نہیں اٹھایا' یہ کتاب اسلامی تہذیب و تمدن کے اولین تاسیسی دور کی دل پذیر کہانی سناتی ہے اور مؤلف کے الہامی فکر و تدبر کا پتہ دیتی ہے۔ اس کتاب نے اہل علم کو اپنی طرف متوجہ کیا مصنف کو شکریے کا مستحق ٹھہرایا اور عظیم و گراں قدر یادگار کے طور پر اس کتاب نے مصنف کا تذکرہ باقی رکھا۔ اس کے باوجود طویل عرصہ تک کتاب اور مؤلف گمنامی میں رہے اور ہم نے دونوں کو طاقِ نسیاں کی زینت بنا دیا' کتاب اور مصنف کی یاد دلوں سے محو ہو گئی' تاہم میں بصد شوق و رغبت اس کتاب کی تلاش میں سرگرداں رہا' وادی نون سے بلادِ عریش کے آخر تک میں کتب خانوں میں اس کتاب کو ڈھونڈتا پھرا۔ یہاں تک کہ ۱۳۳۹ھ میں دورانِ سفر مکتبہ تونس الزہراء میں مجھے یہ کتاب دستیاب ہوئی' اس دوران وہاں کے قاضی جناب شیخ محمد طاہر عاشور نے اس نادر و نایاب کتاب کے حصول اور عاریتاً لینے میں میری مدد کی۔

میری حیرت اس وقت دوچند ہو گئی جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے شہر اور دوسرے علاقوں کے اکثر اہل علم اس چمنستان (کتب خانہ) کا دورہ کرتے رہے ہیں اور کسی نے اس نادر گوہر کو لکھنے اور لینے کی کوشش نہیں کی' اس کی نشر

واشاعت تو دور کی بات ہے' لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے تونسی نسخہ میں اور لائبریری کی کتابوں کی فہرست میں مؤلف کا نام مذکور نہیں۔ اِدھر اُدھر کی بھاگ دوڑ' اس کتاب کے نام اور مؤلف کی پہچان کے باوجود مجھے کوئی ایسی چیز نہ ملی جو کتاب اور مصنف کے نام کی طرف اشارہ کرتی اور میری مشکل کو آسان کرتی۔

بہر حال میں اس تالیف کے جنون اور عشق کا شکار رہا' راتوں کو جاگ کر میں اس کی باتیں کرتا اور پوری کوشش صرف کرتا رہا تاکہ اسلام کے اس خادم مؤلف کتاب کا حق ادا کر دوں اور اس موضوع پر سیر حاصل بحث کروں جو ہماری آج کے دور میں اہم ضرورت ہے اور امت مسلمہ کے مسائل و مصائب کا حل ہے۔ میں نے کئی دن اور راتیں فاس میں کتاب ملنے کے بعد اس کتاب کے بارے میں غور و خوض میں بسر کیے' اس کے ابواب کو فصول سے الگ کیا' اس کے اصول متعین کیے' مسودہ لکھنے والوں کی اغلاط درست کیں اگر اس میں آپ کو کوئی کمی کوتاہی نظر آئے تو یہ میرے فہم کا قصور ہوگا اور اسلامی آثار پر مبنی گراں قدر کتب کے عاشق کی لغزش ہوگی۔

میں نے سفر و حضر میں اس کا مطالعہ جاری رکھا اور میں نے محسوس کیا اگر مؤلف کی طرز اور انداز پر اس میں اضافے کیے جائیں تو موضوع اس کا متقاضی ہے' اس سے کتاب مفید سے مفید تر ہو جائے گی۔ خصوصاً طباعت اور نشر و اشاعت کے اس دور میں جبکہ مشرق و مغرب میں کتب کی فراوانی ہے حالانکہ قبل ازیں اس کا تصور بھی محال تھا' خصوصاً امت مسلمہ کے عروج کے آخری دور میں جب مطابع نہ تھے' نشر و اشاعت کی یہ سہولتیں عنقا تھیں اور سفر نمونہ سقر تھا اور آج کے دور میں جو سفر گھنٹوں میں اختتام پذیر ہوتا ہے تب اس کے لیے ہفتے اور مہینے درکار ہوتے تھے' سو میں نے اسے فرصت شمار کیا اور اس رسالہ کو چار ماہ یا اس سے کچھ زائد عرصہ میں جمع کر لیا' اس سلسلہ میں میری عظیم الشان لائبریری نے بحمدہٖ تعالیٰ میرے مطالعہ کو آسان کر دیا' اور میں ایسی مفید معلومات فراہم کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور شہر و دیہات کے صاحبانِ علم اور طالبانِ حقیقت کے لیے ایک نفع بخش کتاب کو مزید نفع بخشی کے ساتھ پیش کرنے میں سرخرو ہوا' میں نے اس کو خوب سے خوب تر اور نافع سے انفع بنانے کی سعی کی ہے اور اس میں دو مقدمات تحریر کیے ہیں۔

پہلے مقدمہ میں کتاب ''التخریج'' اور اس کے مؤلف کا تعارف' اس کی اصطلاحات' مقاصد' غرض و غایت اور اجزاءِ ترکیبی کا ذکر ہے' کیونکہ اکثر کتب ان کے ذکر سے خالی ہیں اور اہل زمان ان کے حالات سے ناواقف ہیں' البتہ چند وہ لوگ جنہوں نے مجھ سے ان کا تذکرہ سنا ہے اور پھر اپنی جمع کردہ معلومات کی صورت میں اس کو پیش کیا ہے' بہر حال اپنی جدوجہد اور سعی سے حاصل کردہ معلومات اور بطور سرقہ حاصل شدہ معلومات میں بُعد المشرقین ہے' جدی پشتی غلام اور خادم دو مختلف حیثیات رکھتے ہیں' یقیناً جو نا اہل شخص شرفاء کے طور طریقے اپناتا ہے وہ اپنی اصلیت کا خسیس پن ظاہر کرتا ہے' جو غیر مستحق دوسروں کا زیور پہنتا ہے وہ اپنی جگ ہنسائی کرواتا ہے۔

دوسرے مقدمہ میں میں نے دونوں کتابوں کے عنوانات کی فہرست دی ہے تاکہ خزاعی اور کتانی کی خدمت کا نقشہ واضح ہو۔ فاقول واللہ المستعان

کتاب التخریج کے مؤلف کا نام ونسب اور مولد ومسکن

ابن القاضی نے تاریخ ابن خلکان کے حواشی پر ''درۃ الحجال '' اور اپنی دوسری کتاب ''جذوۃ الاقتباس فی ذکر من حل من الاعلام بمدینۃ فاس ''میں مؤلف کا نام ابوالحسن علی بن ذی الوزارتین محمد بن احمد بن موسیٰ بن مسعود بن موسیٰ بن ابی غفرۃ الخزاعی تحریر کیا ہے۔''درۃ الحجال ''میں صرف علی بن مسعود الخزاعی التلمسانی ہی لکھا ہے آگے نسب نہیں لکھا۔''الجذوہ ''میں لکھا ہے: علی بن ذی الوزارتین محمد بن مسعود الخزاعی' جائے ولادت تلمسان' جائے وفات فاس' آباؤاجداد کا تعلق اندلس سے تھا۔

میں نے ان کے والد ذی الوزارتین محمد بن مسعود الخزاعی کے نام ونسب اور تذکرہ کی تلاش میں کثیر کتب کا مطالعہ کیا لیکن تاحال مجھے ان کا تذکرہ کہیں نہیں ملا' پھر مجھے ان کے بیٹے ابوالحسن کے تذکرہ میں ابن الاحمر کی کتاب ''مستودع العلامۃ ''میں ان کا تذکرہ بایں الفاظ دستیاب ہوا: ذی الوزارتین قائد' فقیہ' انشاء پرداز' سرکاری اہل کار محمد بن فقیہ القاضی موسیٰ بن مسعود الخزاعی' ان کے والد تلوار اور قلم کے دھنی تھے' مشہور شہ سوار اور باکمال عالم تھے۔ان کے آباؤاجداد اندلس (اسپین) کے علماء اور قاضیوں میں سے تھے۔وہاں سے یہ حضرات سمندر کے اس پار تلمسان میں آکر آباد ہوئے یہاں وزارت' قیادت اور بلند اختری کے باعث تالیف وتصنیف کے کاموں میں سرفراز ہوئے۔

حافظ سیوطی کی کتاب ''لب اللباب فی تحریر الانساب ''میں ہے: خزاعی قبیلہ خزاعہ سے منسوب ہے یہ قبیلہ ازد سے ہے۔''القاموس ''میں ہے' خزاعہ قبیلۂ ازد کی ایک شاخ ہے ان کو خزاعہ کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ نہیں گئے اور ان کے پیچھے مکہ میں رہ گئے تھے۔''الصحاح ''میں ہے' قبیلۂ ازد کے لوگ جب مکہ مکرمہ سے نکل کر مختلف علاقوں میں آباد کاری کے لیے گئے خزاعہ ان کے پیچھے رہ گئے اور مکہ ہی میں اقامت پذیر رہے۔''العبر ''میں ہے' ان کی آبادیاں مکہ' مرالظہران اور ان کے درمیانی علاقوں میں تھیں۔

ولادت اور شیوخ

ابوزکریا السراج کی ''فہرسۃ ''میں ہے: علامہ خزاعی ۷۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور خطیب ابوعبداللہ بن احمد بن مرزوق التلمسانی اور محدث ابوالبرکات محمد بن ابی بکر محمد بن ابراہیم البلفیقی سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی۔

میں (علامہ کتانی) کہتا ہوں: جبھی آپ قلیل الروایت ہیں یا پھر آپ نے بڑی عمر میں روایت کی اجازت حاصل کی ہے کیونکہ علامہ خزاعی کی وفات اپنے مذکورہ بالا مشائخ کے قریب قریب ہوئی ہے۔''الدیباج ''میں ابن فرحون کے بقول خطیب بن مرزوق ۷۸۰ھ میں یا ''العبر ''کے مطابق ۷۸۱ھ میں فوت ہوئے اور ابوالبرکات ابن الحاج ''فہرسۃ ابی عبد اللہ الحضرمی ''کے مطابق ۷۷۱ھ میں فوت ہوئے۔حیرت کی بات ہے' خزاعی ایسے حافظ ہیں جن کے مشائخ ان کی وفات سے تقریباً دس سال قبل فوت ہوئے یا وہ ان کے ہم سن ہیں' جب آپ

علامہ خزاعی اور ان کے مشائخ کی سن ولادت پر غور کریں گے آپ پر ان کا ہم عصر اور تقریباً ہم سن ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

علامہ خزاعی کے تذکرہ نگار

آپ کے شاگرد امام صوفی محدث فاس اور آپ سے روایت کرنے والے ابوزکریا یحییٰ بن احمد بن محمد بن سراج الحمیری الفاسی المتوفی ۸۰۵ھ نے اپنی فہرست میں علامہ کا ذکر شیخ جلیل' لغت و تاریخ کے حافظ' مصنف' شاعر اور نثر نگار کی حیثیت سے کیا ہے اور کہا ہے: آپ جلیل القدر شیخ' فاضل' لغوی' شاعر' صاحب عظمت' مؤرخ' بڑے سخی اور صاحب ایثار تھے' آپ کے زمانہ میں کوئی آپ کا ہم پایہ نہ تھا' آپ اپنے میدان عمل میں یکتا اور منفرد تھے۔

ابن الاحمر نے اپنی کتاب "مستودع العلامة" میں آپ کو فقیہ' انشاء پرداز اور اعلیٰ درجہ کا قلمکار کہا ہے' پھر لکھا: آپ اپنے داہنے ہاتھ میں فخر کا علم تھامنے والے' قابل فخر اور گراں قدر عہد کا مرکز' اندلس اور مغرب اقصیٰ (کے افریقی ممالک) کے عظیم القدر مصنف تھے' حساب دانی میں محیر العقول صلاحیت کے مالک' لغت میں ابن السکیت سے بازی لے جانے والے' لاجواب فہم و حفظ سے متصف' عربی لغت کے ماہر اور علمی انداز میں اس کے مُظہر' فقہ کی معرفت و مہارت میں سراپا بصیرت' اعلیٰ درجہ کے سخی اور فیاض جن کی داد و دہش میں کبھی کمی نہ آئی۔

ابوالعباس ابن القاضی نے "جذوة الاقتباس" میں صرف فقیہ اور رائٹر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح "درة الحجال" میں مذکور ہے' البتہ وہاں ان کے بارے میں ادیب کا کلمہ بھی مذکور ہے۔

علامہ خزاعی کے بعض اشعار

ابن القاضی نے "جذوة الاقتباس" میں کہا ہے: جب موسیٰ ابوعنان المرینی شاعین میں اپنے گھوڑے سے گرا' تو علامہ خزاعی نے یہ اشعار کہے:

☆ میرے سردار! اگر شقراء (سفید مائل بہ سرخی گھوڑا) نے ٹھوکر کھائی ہے تو کوئی بات نہیں اس پر ملامت کرنے والا ظالم ہے۔

☆ آپ کی ہیبت کی وجہ سے اس قدر مضبوط گھوڑے کے قدم نہ ٹھہر سکے۔

☆ شہ سواروں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جب وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں گھوڑے ڈگمگا جاتے ہیں اور ان کے عزائم کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔

☆ رسول اللہ ﷺ جو خاتم الانبیاء اور سب سے اعلیٰ مرتبہ رکھنے والے ہیں ان کی زندگی میں ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے۔

☆ آپ کو گھوڑے نے گرادیا آپ کے پہلو میں اس چوٹ کے نشان باقی رہے۔

☆ یہاں تک کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور ہمارے لیے روشن تعلیم والی سنت یادگار چھوڑی۔

☆ ابد الآباد تک آپ پر اللہ کی صلوٰۃ اور سلام ہوں۔

ان اشعار پر ابوالولید بن الاحمر اور ابو سرحان مسعود بن محمد بن ابی الطلاق نے بھی تضمین کی ہے۔

دراصل واقعہ یہ ہے کہ سلطان امیر المؤمنین موسیٰ بن امیر المؤمنین ابوعنان المرینی نماز جمعہ کے بعد اپنے گھوڑے سے گر گئے' اس پر کاتب ابن الحسن علی بن محمد المسعودی نے مذکورہ بالا اشعار کہے۔ یہ "شرح البردہ" میں امام الجادری کی روایت ہے۔ (اس موقع پر علامہ کتانی نے کتاب کے تقریباً تین صفحات پر ان اشعار کے قائل اور گھوڑے سے گرنے والے سلطان کے تعین میں طویل بحث ذکر کی ہے' دلچسپی رکھنے والے حضرات اصل کتاب کے ص ۴۲ تا ۴۴ پر اس غیر ضروری بحث کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ مترجم)

علامہ الخزاعی کے رواۃ اور ہماری متصل سند

مجھے نہیں معلوم کہ علامہ خزاعی سے اب تک ابوزکریا السراج کے علاوہ کسی نے روایت کی ہے' ابوزکریا السراج کہتے ہیں: میں نے علامہ خزاعی سے ان کی تالیف "تخریج الدلالات السمعیۃ علی ما کان فی عہد رسول اللہ ﷺ من الحرف والصنائع والعمالات الشرعیۃ" کے بعض حصوں کی بلفظہٖ سماعت کی ہے' انہوں نے مجھے اس کو جمع کر کے اس کی روایت کی عام اجازت مرحمت فرمائی۔

ابوزکریا السراج سے ہماری متصل سند روایت درج ذیل صورتوں میں ہے:

ہم نے محدث مدینہ ابوالیسر فالح بن محمد الظاہری المدنی متوفی ۱۳۲۸ھ سے بذریعہ خط وکتابت اور پھر ۱۳۲۴ھ میں بالمشافہ اجازت لی' انہوں نے خاتمۃ المحدثین ابو عبداللہ محمد بن علی السنوسی سے انہوں نے قاضی مکہ عبدالحفیظ بن درویش العجیمی المکی سے اجازت لی۔

(ح) ایک درجہ اعلیٰ روایت از نور الحسنین بن محمد حیدر الایوبی الانصاری از حیدر آباد دکن اجازت عامہ از والد خود قاضی عبدالحفیظ از خاتمۃ الحفاظ ابوالفیض مرتضیٰ الزبیدی الحسینی۔

(ح) از ابو محمد عبداللہ بن درویش الرکابی السکری اور محمد سعید الحبال بالمشافہ در دمشق از مسند دیار شامیہ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن الکوبری الدمشقی۔

(ح) اس کے مساوی ایک اور سند از ابوالعباس احمد بن سالم المصری الشافعی از مسند دیار مصریہ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن یوسف الیمنی الطندتائی۔

(ح) اس سے ایک درجہ اعلیٰ روایت از علامہ احمد بن صالح السویدی البغدادی' مکتوبہ از مکہ مکرمہ دوران حج ۱۳۲۱ھ۔ العجیمی' الیمنی' الکوبری اور السویدی از خاتمۃ الحفاظ ابوالفیض محمد مرتضیٰ الزبیدی الحسینی المصری مقدم الذکر تین حضرات کے لیے اجازت خاصہ اور مؤخر الذکر کے لیے اجازت عامہ' از ابو عبداللہ محمد بن الطیب الشرکی الفاسی' از شیخ ابوالعباس احمد بن محمد بن ناصر الدرعی از والد خود' از ابو عبداللہ محمد المصودی از مفتی فاس ابوزکریا یحییٰ السراج از ابوالحسن علی بن محمد بن ہارون الفاسی۔

(ح) از مسند اسکندریہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن صالح البنا الحنفی بالمشافہ ۱۳۲۳ھ' از والد خود از مسند مدینہ سید زین

العابدین جمل اللیل المدنی۔

(ح) از شیخ خضر بن عثمان الرضوی حیدرآباد بذریعہ مکتوب از حیدرآباد از شہاب الدین العمری القندھاری از رفیع الدین قندھاری از محمد بن محمد بن عبداللہ المغربی المدنی از مسند حجاز عبداللہ بن سالم البصری المکی از ابومہدی عیسیٰ بن محمد الثعالبی المکی از سعید بن محمد قدورۃ الجزائری از سعید بن محمد المقری از سفیان ابن ہارون العاصمی السفیانی از ابوعبداللہ بن غازی از شیخ المبارک ابوعبداللہ محمد بن ابی القاسم محمد بن یحییٰ الغفوری الحمیری المعروف السراج القاسی از والدِ خود ابوالقاسم محمد از جدِ خود حافظ صوفی اکمل ابوزکریا السراج از ابوالحسن الخزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

رہائش، وفات اور مدفن

ابن القاضی کی ''درۃ الحجال'' اور ''لقط الفرائد'' میں ہے: آپ کا انتقال ۷۸۹ھ میں ہوا' آپ کے شاگرد رشید ابوزکریا السراج نے کہا: آپ کا انتقال اتوار کے دن بعد از نمازِ عصر ۵ ذی القعدہ ۷۸۹ھ کو ہوا اور پیر کے دن آپ کی تدفین ہوئی۔ اس روایت کے مطابق آپ کا مدفن فاس میں ہے۔ مؤلف ''جذوۃ الاقتباس'' کا قول گزر چکا ہے کہ آپ کا مولد تلمسان ہے' وفات فاس میں ہوئی اور آپ کے آباؤاجداد اندلس (اسپین) کے تھے۔ ''الدرۃ'' میں صرف ان کا تلمسانی ہونا مذکور ہے' لیکن ''الجذوۃ'' کی روایت اور سراج کے قول سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ کا مدفن فاس ہے۔

ان کی اس کتاب ''تخریج الدلالات السمعیۃ علی ما کان فی عہد رسول اللہ ﷺ من الحرف والصنائع والعمالات الشرعیۃ'' کا نام ان کے تلمسانی ہونے پر دلالت کرتا ہے' اس سے ان کے علم کلام کے ماہر ہونے کا پتہ چلتا ہے کیونکہ ''الدلالات'' کے جملہ کو ''السمعیۃ'' سے موصوف کرنا اور اسے اپنی کتاب کا عنوان بنانا یہ تلمسانی علماء ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔ ابوالعباس المقری نے ''ازھار الریاض'' میں بعض متاخرین کا یہ کلام نقل کیا ہے کہ تالیف و تصنیف میں ہم تلمسان کے علماء کے ہاں علوم نظریہ کا اثر دیکھتے ہیں۔

جب یہ طے ہو گیا کہ علامہ خزاعی کا مدفن فاس میں ہے تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی ابدی آرام گاہ کا کسی کو علم نہیں ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قبر فاس کے باب الفتوح کے باہر مطرح الجلہ میں ہو گی۔ امام المقری نے ''ازھار الریاض'' میں امام ابن رشید الفہری کے تذکرہ میں کہا ہے کہ آپ کو باب الفتوح کے باہر روضہ مبارکہ المعروف مطرح الجلہ میں دفن کیا گیا' کیونکہ فاس میں باہر سے تشریف لانے والے تمام علماء اور صلحاء کا مدفن یہیں ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ علامہ الخزاعی کے شاگرد ابوزکریا السراج نے اول' آخران کے وطن کا ذکر کیا نہ ہی ان کے مدفن کا تذکرہ کیا ہے' سو اب اگر درج ذیل حضرات نے علامہ خزاعی کی اس مہتم بالشان کتاب اور خود علامہ خزاعی کا تذکرہ نہیں کیا تو حیرت کی بات نہیں ہے:

5

(۱) البستان فی علماء تلمسان' ابن ابی مریم
(۲) سلوة الانفاس' محمد بن ادریس الکتانی
(۳) الدیباج' ابن فرحون
(۴) التوشیح' البدر القرافی
(۵) الانباء الغمر بحوادث العمر' حافظ ابن حجر تذکرہ متوفیان ۷۸۹ھ
(۶) کشف الظنون فی اسماء الکتاب والفنون' کاتب چلپی
(۷) صلة الخلف بموصول السلف' ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الروانی
(۸) بدیعة البیان وشرحها التبیان' حافظ محمد ناصر الدین الدمشقی
(۹) ازهار الریاض فی اخبار عیاض' ابوالعباس المقری
(۱۰) نیل الابتهاج وکفایة المحتاج' ابوالعباس سوڈانی
(۱۱) طبقات المالکیه' ابوالعباس ابن عجیبہ
(۱۲) الوفیات' ابوالعباس بن قنفذ
(۱۳) حصر الشارد من اسانید محمد عابد' شیخ محمد عابد الانصاری السندی
(۱۴) اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر' قاضی محمد بن علی الشوکانی
(۱۵) طبقات الحفاظ' حافظ سیوطی

اسی طرح ''نفح الطیب'' اور ''فتح المتعال'' وغیرہ میں اگرچہ علماء تلمسان کا ذکر موجود ہے لیکن امام خزاعی کا ذکر مفقود ہے۔ یقیناً عظمت وکمال اللہ وحدہٗ کے شایانِ شان ہے۔

موجودہ کتب خانوں میں ''کتاب التخریج'' کے نسخے اور اس کے ناقلین

میں نے اپنے شیخ قاضی مکناس ابوالعباس احمد بن الطالب بن سودہ کی یادداشتوں پر مشتمل نوٹ بک میں ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ''کتاب التخریج'' کا ایک نسخہ الزیتون لائبریری میں عطیات کردہ کتب کے شعبے میں موجود ہے' لیکن چند برس کی متعدد بار کوشش اور چھان پھٹک کے باوجود مجھے یہ نسخہ دستیاب نہیں ہوا' اسی طرح فاس جدید کی الخزنیہ لائبریری کی فہرست کتب میں جو دولت حفیظیہ کے ایام میں مرتب کی گئی مجھے اس کتاب کا نام ملا' لیکن یہ معلوم نہ ہو چکا کہ یہ نسخہ اب کہاں ہے؟ میرے ایک ہم عصر نے مجھے بتایا کہ پیرس کی لائبریری میں اس نے کتابوں کی فہرست میں ''کتاب التخریج'' کا نام دیکھا ہے۔ لیکن مجھے جو نسخہ ملا ہے وہ تونسیہ نسخہ ہے' یہ نسخہ جامع الزیتونہ کی لائبریری میں نمبر ۲۷۵۷ پر مرقوم ہے' یہ نسخہ مشیر احمد پاشا نے ۱۲۵۶ھ میں برائے افادۂ طالبانِ علم تحفتہً پیش کیا تھا۔ یہ نسخہ ناقص ہے القسم العاشر اس میں موجود نہیں ہے' میں نے زیر استعمال نسخہ اس نسخہ سے اپنے ہاتھوں سے نقل کیا ہے۔

یہ کل پانچ نسخے ہوئے' میں نے حجاز' مصر' شام' تونس' الجزائر اور مغرب اقصیٰ (مراکش وغیرہ) میں یہاں وہاں لائبریریوں میں دیکھا' وہاں کی کتب کی فہرستیں کھنگالیں تاہم مجھے اس کتاب کے چھٹے نسخے کے سراغ نہیں ملا اس نسخے کے ناقلین کون کون تھے؟ مجھے مستحضر نہیں ائمۂ حدیث میں سے اسماء رجال کے جامعین اور مدونین میں سے کس کس نے اپنی کتب میں اس کا ذکر کیا ہے مجھے یاد نہیں۔ البتہ آخر میں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ رفاعہ الطهطاوی المصری

نے اپنی کتاب ''نہایۃ الایجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز'' میں اس پر مفید بحث کی ہے۔ یہ کتاب مصر کے المطبعۃ الحجریۃ سے بہت پہلے شائع ہوئی ہے اس کتاب کے ص ۳۰۵ تا ص ۵۳۱ میں یہ بحث موجود ہے۔ یہ کتاب ہمارے شہروں میں دستیاب نہیں اور مجھے ایسا کوئی عالم نہیں ملا جس نے یہ کتاب دیکھی ہو سب سے پہلے کاتب سید محمد ابن الخوجۃ الجزائری نے اسے الجزائری قانون کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ ہمارے دور میں عموماً لوگ طھطاوی کے حوالہ سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

''کتاب التخریج'' کا اوّلین خطبہ

امام ابوالحسن الخزاعی اپنی کتاب کی ابتداء میں کہتے ہیں:

ہر قسم کی حمد اللہ کے لیے ہے جس نے بغیر کسی مجبوری کے خلق کو پیدا فرمایا' اور اپنے فضل وعطا سے ان کو فراواں رزق عطا فرمایا' ان میں اپنے رسول بھیجے جنہوں نے واضح دلائل سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو ثابت کیا' لوگوں کے لیے اللہ پر ایمان لانے' اس کے اوامر پر کاربند رہنے اور اس کے نواہی سے باز رہنے کو براہین سے واضح کیا' اللہ تعالیٰ نے ہمیں سب انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام میں سے عظیم القدر' رفیع الذکر' مرتبہ میں اول رسالت میں آخر' خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولینا محمد ﷺ نبی کریم اور اہل ایمان کے لیے رؤف ورحیم کے ساتھ مختص فرمایا۔ آپ نے امانت کی ادائیگی کا حق کما حقہ پورا فرمایا۔ پیغامِ الٰہی پہنچایا' رشد وہدایت سے نوازا' خیر خواہی فرمائی اور حق کو واضح فرمایا۔ الخ

''کتاب التخریج'' کی تدوین کا مقصد

علامہ خزاعی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: اما بعد! میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جو علوم ومعارف میں صاحب رسوخ نہیں تھے اور طلب علم میں ان کی رسائی صرف قلم اور دوات تک محدود تھی' وہ دورِ حاضر میں ان حکومتی ذمہ داریوں کے قبول کرنے کو بدعت گمان کرتے ہیں اتباع سنت نہیں سمجھتے' دین میں ہمہ تن مشغول ہونے کے باوجود مسنون اعمال اور ذمہ داریاں نبھانے پر عمل پیرا نہیں ہوتے' میں اللہ تعالیٰ سے اس معاملہ میں خیر کا طالب ہوا کہ میں ان معلومات کو ایک کتاب میں جمع کر دوں جس میں ان ذمہ داریوں کو نبھانے والوں تک میری علمی رسائی ہے جس سے ناواقف کے علم میں اضافہ ہو اور خواہ مخواہ کنارہ کشی اختیار کر کے مشقت میں پڑنے والا انصاف کو پالے۔ اس مقصد کے پیش نظر میں نے یہ کتاب تالیف کی اور میں نے ان ذمہ داریوں پر مقرر کردہ رسول اللہ ﷺ کے تمام عمال صحابہ کرام کا ان کے نام ونسب اور ذمہ داری سمیت ذکر کیا ہے۔ تاکہ آج کے دور میں جس کسی کو یہ ذمہ داری سونپی جائے وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ایسی شرعی ذمہ داری کی انجام دہی کا اعزاز بخشا ہے' جسے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے سرانجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صحابہ کرام کی نیابت عطا کی ہے' سو وہ اسے بطریق احسن پورا کرے' اقامتِ حق میں اپنی پوری کوشش صرف کرے' شریعت کے تقاضوں کی پاسداری کرے' اس طرح وہ سنت کا زندہ کرنے والا اور اعمال حسنہ کا جمع کرنے والا ہوگا۔

میں نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں جس قدر مشقت جھیلی ہے اور اس کے نتیجہ میں ان تمام پیشوں' صنعتوں اور دیگر ذمہ داریوں کو ذکر کیا ہے' نبی ﷺ کے عمال' ان کے سپرد کاموں کی شرعی عزت و حرمت اور ان کے بدگمانی کے داعیہ سے منزہ ہونے پر جو محنت کی ہے اس کے صلہ میں' میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر جلیل کا امیدوار ہوں' آخرت میں اس کے فضل و کرم کا طلب گار ہوں اور دنیا میں اربابِ علم سے شکرِ جمیل کا خواستگار ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

"کتاب التخریج" کی تاریخ تدوین

علامہ خزاعی فرماتے ہیں: میں اپنے فرصت کے ایام میں تمام مشاغل سے دست بردار ہو کر کمین گاہوں سے اس موضوع پر مشتمل منتشر اقوال جمع کرتا رہا اور متعلقہ ہر مقام سے اس کے فوائد چنتا رہا' میں برابر اس کتاب کی تالیف و تصنیف' اس کے ابواب کی تدوین و ترتیب میں منہمک رہا۔ اس کی تصحیح میں مشغول رہا اور اس کی عبارت کو مہذب و منقح کرتا رہا یہاں تک کہ میری کاوشیں رنگ لائیں' علم کے باغ میں اس کے پھول کھلے اور فوائد کے افق پر اس کا بدر کامل روشنی بکھیرنے لگا' یہ ۷۸۶ھ کے اوائل کا واقعہ ہے کہ میں نے اس کے ناسفتہ موتی کو بدنظروں کی بدنگاہی اور بخیلوں کی دست برد سے محفوظ کر دیا۔ الخ

علامہ خزاعی کی تصریح کے مطابق اس کتاب کی تکمیل ۷۸۶ھ میں ہوئی ہے اور خزاعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تکمیل کے تقریباً تین سال بعد تک بقید حیات رہے۔

جس صاحب علم نے علامہ خزاعی جیسا نادر کام کیا ہو اور میری طرح اسے تالیف و تصنیف میں مشقتیں برداشت کرنی پڑی ہوں وہ جان سکتا ہے کہ یقیناً علامہ خزاعی رحمہ اللہ نے دشواریوں کا سامنا کیا ہوگا' طویل عرصہ تک غور و خوض میں منہمک رہے ہوں گے' اس قدر ابواب اور عنوانات یونہی سرسری غور و فکر سے قائم نہیں ہو سکتے تھے انہوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد مختلف روایات کو تلاش کر کے مختلف اور کثیر التعداد عنوانات کے تحت نقل کیا ہوگا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں عظیم القدر اور قوی العزم حضرات کا یہی دستور العمل ہوتا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن صفی الدین ابوالفرج کاتب اصفہانی کہتا ہے: جو شخص کتاب تصنیف کرتا ہے وہ بعد ازاں یہ ضرور کہتا ہے: اگر میں اس عبارت کو مقدم کرتا یا اس کو مؤخر کرتا تو۔۔۔۔ یہ درحقیقت بشر کے عجز و درماندگی کی دلیل ہے' ہر طرح کا کمال یقیناً قوی و قدیر خالق ہی کے لیے ہے۔ حماد الراویہ اپنے قصیدہ میں کہتا ہے: کمال کا جویا کبھی مطمئن نہیں ہوتا' یہاں تک کہ وہ موت کو گلے لگا لیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے باوجود علامہ خزاعی رحمہ اللہ کے کثیر عنوانات ایسے ہیں جن کو دوسرا عنوان دیا جانا زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح تھا' انسان کا معاملہ یہی ہے کثرت غور و فکر سے وہ تردد کا شکار ہو جاتا ہے کہ کیا لائے اور کیا چھوڑے اور کبھی اس کا عزم و ارادہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء:۸۲)

اور اگر وہ اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جیسے موضوعات میں متعدد ترجیحات ہوتی ہیں' سوچ کی کئی راہیں نمایاں ہوتی ہیں اور تصنیف وتالیف مشکل ترین کام بن جاتا ہے' اسی لیے کہا گیا ہے: جس نے تصنیف کی وہ نشانہ بنا' اور یہ بھی کہا گیا ہے: جس نے کتاب لکھی اس نے اپنی عقل پلیٹ میں رکھ کر لوگوں کے سامنے پیش کر دی۔

میں کہتا ہوں: گہری سوچ بچار کے متقاضی موضوع پر تصنیف گویا داغنے کے چھوٹے آلہ کو ہاتھ میں لینا ہے' جس سے مصنف اپنے خیالات کو پالش کرتا ہے' اپنے صبر واستقامت کو آزماتا ہے' اپنی سعی وکاوش کو انتہاء تک پہنچاتا ہے اور اپنی فکری قوتوں کو استقلال عطا کرتا ہے۔

سلطان ابوفارس موسیٰ کے نام

علامہ الخزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اس مغربی خطہ پر ہمارے سردار اور آقا امیر المؤمنین المتوکل علی اللہ ابوفارس موسیٰ بن امیر المؤمنین المتوکل علی اللہ ابوعنان فارس ابن خلفاءِ راشدین' شیرانِ بیشہ ملوک بنو مرین (اللہ ان کا معاون ومددگار ہو اور ان سے راضی رہے) حکمران بنے تو میں نے اپنی یہ تالیف ان کے نام کر دی کہ شروع سے خدام کا یہی طریق کار رہا ہے کہ وہ آنے والے مخدوم کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں۔ الخ

سلطان ابو فارس موسیٰ بن ابی عنان مذکور کا لقب متوکل علی اللہ تھا' سلطان ابوعنان اس کے والد تھے' ۲ ربیع الاوّل ۷۸۶ھ کو جمعرات کے دن اس کی بیعت ہوئی' قاضی ابن السکاک کی تصریح کے مطابق فاس الجدید میں اس کی بیعت ہوئی' پھر یہ مکناس منتقل ہو گیا اور وہاں ۷۸۸ھ میں زہر خورانی کا شکار ہو کر مرا۔

ابن خلدون نے ''العبر'' میں کہا ہے: جمادی الآخر میں اس کو بیماری نے گھیرا اور تین سال حکمرانی کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا' لوگوں کا خیال تھا اسے اس کے وزیر نے زہر دیا ہے۔ (جزء السابع ص ۳۵۲)

''الاستقصاء'' میں ابوفارس موسیٰ کے تذکرہ میں ہے' اس کا رمضان میں انتقال ہوا اور اس کی مدت حکمرانی تقریباً دو سال اور چار ماہ ہے۔

ابوالولید بن الاحمر نے ''روضة النسرين في دولة بني مرين'' میں لکھا ہے: ابوفارس موسیٰ کی جمعرات ۲۰ ربیع الاوّل کو بیعت ہوئی اور جمعہ کے روز رجب ۷۸۸ھ میں زہر خورانی کی وجہ سے اکتیس سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا' اس کا دور حکمرانی دو سال اور چار ماہ پر مشتمل تھا۔

جب سلطان ابوفارس موسیٰ فاس کے عاقہ شماعین میں جامع القرویین میں نماز کے ادارہ سے جاتے ہوئے گھوڑے سے گر گیا تو علامہ ابوالحسن الخزاعی اور عباد وغیرہ نے اپنی منظومات میں اس کو تسلی دی (علامہ خزاعی کے اشعار کا ترجمہ گذشتہ صفحات میں دیکھئے) اس سلسلہ میں ہماری کتاب ''تاریخ القرویین'' ملاحظہ فرمائیں' مشہور شاعر ابوعبداللہ بن زمرک نے سلطان ابوفارس موسیٰ کی شان میں قصیدہ لکھا ہے' جسے ابو العباس المقری نے ''ازھار الریاض'' میں نقل کیا ہے۔

دولتِ مرینیہ میں عہدہ اور ذمہ داری

ابن القاضی نے علامہ خزاعی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھا ہے: آپ شاہانِ مرینیہ میں سے اپنے ہم زماں ایک بادشاہ کے کاتب رہے' مجھے ابوفارس موسیٰ کے کاتبوں اور قاضیوں میں علامہ کا تذکرہ نہیں ملا' ابن الاحمر نے ''روضة النسرین'' میں اس کے وزیر کا نام مسعود بن رحون بن فاسی اور اس کے کاتبوں کا نام محمد بن محمد بن ابی عمر تمیمی اور ابوالقاسم محمد بن سودۃ المری اور اس کے قاضی کا نام محمد المغیلی تحریر کیا ہے۔ پھر میں نے ابوفارس موسیٰ سے پہلے بنو مرین کے حکمرانوں کے تذکرے پڑھے تو مجھے علامہ کا نام المستعین باللہ ابراہیم بن ابی الحسن المرینی کے کاتبوں میں ملا' المستعین باللہ بروز جمعہ ۱۵ شعبان ۷۶۰ھ کو تخت نشین ہوا اور اسے جمعرات ۲۱ ذی قعدہ ۷۶۳ھ کو قتل کر دیا گیا۔ ''روضة النسرین'' میں ابوالقاسم بن یوسف بن رضوان اور علی بن محمد بن مسعود الخزاعی کو اس کے کاتب لکھا گیا ہے۔

بعدازاں مجھے ابن الاحمر کی کتاب میں یہ تحریر ملی کہ علامہ الخزاعی امیر المسلمین ابوسالم ابراہیم بن امیر المؤمنین ابوالحسن علی بن امیر المسلمین ابی سعید عثمان بن امیر المؤمنین یعقوب بن عبدالحق المرینی بادشاہ مغرب کے کاتب رہے۔ آپ اس مجلس کے صدر نشین تھے (میر منشی' ڈائریکٹر تھے)۔ پہلے بنو عبدالواد کے لیے اور بعد میں بنو مرین کے لیے یہ خدمت انجام دی۔ دونوں طرف کے صاحبانِ علم وفضل نے آپ کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

''کتاب التخریج'' میں علامہ خزاعی کی اصطلاحات اور طریقِ کار

علامہ خزاعی نے کتاب کو دس اقسام میں تقسیم کیا ہے اور ہر قسم کے تحت متعدد ابواب اور زیادہ تر ابواب کے تحت متعدد فصول اور زیادہ تر فصول کے تحت متعدد مسائل ذکر کیے ہیں اور اپنی کتاب کے متعلق کہا ہے:

میں نے اپنی کتاب کا مطالعہ کیا اور اس میں لائے گئے مشکل الفاظ کی تشریح وتوضیح کی' جن مقامات سے یہ فوائد نقل کیے گئے ان تمام علماء کی کتب کے حوالہ جات فراہم کر دیئے تاکہ اس کتاب کا قاری اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے اور اطمینان قلب پائے۔

علامہ خزاعی نے لغوی تحقیق میں توسع سے کام لیا ہے اور نظیر بہ نظیر ذکر کرتے گئے' ایسا محسوس ہوتا ہے ان کے دور میں کتب لغت کی قلت تھی اور وہ دانستہ بات سے بات نکالتے چلے گئے۔ عموماً جب کسی صحابی کا ذکر آیا تو صاحب ''الاستیعاب'' کی پیروی میں صحابی کا نام ونسب اور مکمل حالات زندگی بیان کر دیئے' پھر اس صحابی کے نسب اور تذکرہ میں جو مشکل الفاظ آئے' ان کی تشریح اور تفسیر کی' اگرچہ کتاب کے موضوع کا تعلق نبی ﷺ کے دورِ اقدس کی صنعت وحرفت اور کاروبارِ زندگی سے تھا' اس میں خلفاء راشدین کے دور کو بھی شامل کر لیا اور اس دور کی ایجادات و اختراعات کو بھی موضوع گفتگو بنایا۔

علامہ خزاعی کی اس تصنیف میں جو صاحب علم غور وخوض کرے گا اس پر یہ عقدہ کھل جائے گا کہ علامہ احادیث

کی تخریج میں اکثر ضعیف روایات پر انحصار کرتے ہیں یا بہ تکلف احادیث سے حسب منشاء استخراج مسائل کر لیتے ہیں اور یہ کہ مؤلف مرحوم فن حدیث کی اصطلاحات کے ماہر نہ تھے اور اس فن کی باریکیوں پر ان کو کامل دسترس نہ تھی' چنانچہ آپ دیکھیں گے وہ ''رُوِی'' کا لفظ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں حتی کہ صحیحین کی احادیث کے ساتھ ان کا یہی معاملہ ہوتا ہے جبکہ ابن الصلاح' نووی' العراقی اور المنذری وغیرہ کی تصریح کے مطابق لفظ ''رُوِی'' کا استعمال احادیث ضعیفہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ الخزاعی بطور حوالہ بکثرت صحیح مسلم کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ وہ حدیث صحیح البخاری میں موجود ہوتی ہے اور علماء حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ صحیح البخاری کو ہر کتاب پر ترجیح دیتے ہیں اور صحیحین کی حدیث میں پہلے صحیح البخاری کا حوالہ دیتے ہیں' البتہ الفاظ نبویہ پر امام مسلم کی شدت محافظت کے سبب الفاظ صحیح مسلم کے ذکر کرتے ہیں۔

اس حقیقت کی تلاش ہو تو علامہ الخزاعی کی ذکر کردہ پہلی حدیث ملاحظہ کریں' وہ اپنی کتاب کو امیر وقت موسیٰ المرینی کے نام پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: حسب عادت خدام میں اپنی یہ تالیف اپنے مخدوم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور نبی ﷺ کی حدیث پر عمل پیرا ہونے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ آپ کی خبر حق اور آپ کا وعدہ سچا ہے' آپ ﷺ نے محبت کے حصول کے لیے تحفہ پیش کرنے کا حکم فرمایا ہے' ارشادِ نبوی ہے: ایک دوسرے کو تحائف دو' باہم محبت بڑھے گی[14] اور آپ نے ارشاد فرمایا: ایک دوسرے کو تحائف دو' محبت میں اضافہ کرو[15] اس حدیث کو قاضی محمد بن سلامہ نے اپنی کتاب ''الشہاب'' میں ذکر کیا ہے۔الخ

ایک مالکی اور محدث سے کتاب الشہاب کا حوالہ عجیب سی بات ہے' حالانکہ یہ حدیث ان کے امام ابن انس کے مؤطا میں موجود ہے' ''باب ما جاء فی المهاجرة'' میں عطاء بن عبداللہ الخراسانی سے روایت ہے کہ رسول

---

[14] حاکم ''معرفۃ علوم الحدیث'' ص ۸۰' قضاعی ''مسند الشہاب'': ۶۵۷' از طریق یحییٰ بن بکیر از ضمام بن اسماعیل از ابو قبیل المعافری از عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔ یحییٰ بن بکیر کی یہ روایت اس روایت سے مختلف ہے' جس کو درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے: بخاری ''الادب المفرد'': ۵۹۴' دولابی ''الکنی'' ج ۱ ص ۱۵۰۔ ج ۲ ص ۷' تمام ''الفوائد'' ج ۲ ص ۲۴۶' ابن عدی ج ۲ ص ۲۰۴' ابن عساکر ج ۱۷ ص ۲۰۷/۲' بیہقی ج ۶ ص ۱۶۹' یہ حدیث از ضمام بن اسماعیل از موسیٰ بن وردان از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ مروی ہے' الالبانی نے ''الارواء'' ج ۶ ص ۴۴ میں کہا ہے: جیسا کہ حافظ نے ''تلخیص'' ج ۳ ص ۷۰ میں کہا ہے: یہ اسناد حسن ہے۔

[15] اس کا اسناد نہایت ضعیف ہے' طبرانی ''الاوسط'' (حدیث: ۱۷۹' مجمع البحرین)'' ''مجمع الزوائد'' ج ۴ ص ۱۴۶' ابو الشیخ ''الامثال'': ۱۲۵' الدولابی ''الکنی'' ج ۱ ص ۱۴۳' القضاعی ''مسند الشہاب'': ۶۵۵۔ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔
علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج ۴ ص ۱۴۶ میں کہا ہے: مجھے اس حدیث کے راوی المثنی ابو حاتم اور عبید اللہ بن العیزار کے حالات نہیں ملے' حافظ ابن حجر نے ''تلخیص'' ج ۳ ص ۷۰ میں اس کے اسناد کو محل نظر کہا ہے۔
میں (علی محمد دندل) کہتا ہوں: المثنی ابن ابوبکر ہے' عقیلی نے ''الضعفاء'': ۲۰۹ میں' ذہبی نے ''المیزان'' میں اور حافظ ابن حجر نے ''اللسان'' میں اس کو ضعیف کہا ہے اور دارقطنی نے اس کو متروک کہا ہے' مکمل حدیث یہ ہے: اور ہجرت کرو' اپنی اولاد کو شرف و مجد کا وارث بناؤ اور باعزت لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرو۔

اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے سے مصافحہ کرو اس سے بغض اور کینہ ختم ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو تحائف دو' باہم محبت بڑھتی ہے' بغض و عداوت ختم ہوتے ہیں[۱۶] بہ حیثیت محدث وہ اس سے ناواقف رہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں' ابو یعلیٰ نے' النسائی نے ''الکنیٰ'' میں اور ابن عبدالبر نے ''التمهيد'' میں بہ اسناد حسن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بایں الفاظ روایت کیا ہے: باہم یکدگر تحائف دو محبت بڑھاؤ' ایک دوسرے کو تحفے دو بغض و کینہ دور ہو گا۔ یہ حدیث کثیر معاجم اور سنن میں مروی ہے لیکن علامہ نے اسے قضاعی کی کتاب الشہاب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے: اس حدیث کو حافظ سیوطی نے ''الجامع الصغير'' میں ''تهادوا تحابوا'' کے الفاظ سے ابو یعلیٰ کے حوالہ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ مناوی نے شرح الکبیر میں کہا ہے: حافظ سیوطی کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو کتب ستہ میں اس حدیث کا مخرج معلوم نہ تھا ورنہ وہ ایسا نہ کرتے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے ''الكنىٰ'' میں اور امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں روایت کیا ہے' زین الدین العراقی نے اس کی سند کو جید اور ابن حجر نے حسن کہا ہے۔

حافظ سیوطی نے ''جمع الجوامع'' میں یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کی ہے' ان میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ایک دوسرے کو تحفے دو محبت بڑھے گی' ہجرت کرو اپنی اولاد کو شرف و مجد کا وارث بناؤ' باعزت لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرو۔ اس حدیث کو طبرانی کی ''المعجم الكبير'' اور العسکری کی ''الامثال'' کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

''جمع الجوامع'' میں یہ حدیث مسند امام احمد اور ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ایک دوسرے کو ہدیے دو کیونکہ ہدیہ (تحفہ) دل کا کینہ لے جاتا ہے[۱۷]

اس حدیث کو امام ترمذی نے ''كتاب الولاء والهبة'' میں از طریق ابو معشر نقل کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے' ابو معشر ضعیف راوی ہے' امام بخاری نے کہا: منکر الحدیث ہے۔ پھر یہ روایت نقل کی۔ ابن حجر نے کہا: اس کے اسناد میں ابو معشر المدنی متفرد ہے اور وہ نہایت ضعیف ہے۔

حافظ سیوطی نے یہ حدیث قضاعی کی ''مسند الشهاب'' کے حوالہ سے ان الفاظ سے بھی روایت کی ہے: باہم تحائف کا تبادلہ کرو کیونکہ تحفہ دلوں کے بغض و کینہ کو نکال دیتا ہے[۱۸] اس حدیث کو خطیب نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

حافظ سیوطی نے طبرانی کی ''الكبير'' اور ابن الضریس کے حوالہ سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ

---

[۱۶] ضعیف مرسل حدیث۔ مؤطا ج۲ ص ۲۱۴' از عطاء الخراسانی مرفوعاً' عطاء کم سن تابعی' صدوق' کثیر الوہم' بوجہ مرسل ضعیف ہے۔

[۱۷] ضعیف حدیث۔ احمد ج۲ ص ۴۰۵' ترمذی: ۲۲۱۳' قضاعی ''مسند الشہاب'': ۶۵۶' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث اس طریق سے ضعیف ہے' ابو معشر کا نام نجیح ہے' یہ بنو ہاشم کے غلام تھے' بعض اہل علم نے اس کے حافظہ میں کلام کیا ہے' سو یہ ضعیف ہے۔

[۱۸] ضعیف حدیث۔ القضاعی ''مسند الشہاب'': ۶۶۰' از عائشہ رضی اللہ عنہا' اس حدیث کی آفت ابو یوسف الاعشی ہے' اس کا نام یعقوب بن محمد بن حبید الکوفی ہے' ابو الفتح الازدی نے کہا: کذاب' بُرا شخص ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں روایت کی ہے: ایک دوسرے کو تحائف دو کیونکہ تحفہ محبت میں اضافہ کرتا ہے اور سینہ کے بغض وحسد کو ختم کرتا ہے۔ الجامع کے ایک اور نسخہ میں اس حدیث کو ابونعیم کی "الحلیة" کے حوالہ سے ام حکیم بنت وداع الخزاعیہ سے نقل کیا گیا ہے۔[19]

دیلمی از ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے حافظ سیوطی نے "جمع الجوامع" اور "الجامع الصغیر" میں یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے: ایک دوسرے کو بطور تحفہ کھانا دو اس سے تمہاری روزی میں وسعت ہوگی' رزق میں تیزی آئے گی اور قیامت کے دن عظیم ثواب پاؤ گے۔[20]

علامہ مناوی نے اس میں دیلمی کی "مسند الفردوس" کے حوالہ کا اضافہ کیا ہے۔ "الجامع الصغیر" کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ایک دوسرے کو تحائف دو محبت بڑھے گی۔ الخ

مؤلف نے صرف ابن عساکر از عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے' علامہ مناوی نے شرح الکبیر میں کہا ہے: ابن حجر نے کہا: اس حدیث کا اسناد محل نظر ہے۔ مؤلف نے مذکورہ بالا کسی مخرج کا ذکر نہیں کیا' حالانکہ مخارج کے رموز موجود تھے' اس روایت کو طبرانی نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' علامہ ہیثمی نے کہا ہے: مجھے اس کے ایک راوی المثنی ابوحاتم کا تذکرہ نہیں ملا' اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

حافظ سیوطی نے اسے طبرانی کی "المعجم الکبیر" کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اختصار کے پیش نظر اسے "المعجم الصغیر" میں ذکر نہیں کیا۔ "المعجم الکبیر" میں حدیث کے الفاظ ہیں: ایک دوسرے کو ہدیہ دو' کیونکہ ہدیہ دل کے کینہ کو ختم کر دیتا ہے۔[21] اور اگر مجھے پائے کی طرف دعوت دی جائے میں قبول کروں گا اور اگر مجھے بطور ہدیہ جانور کا پایہ دیا جائے میں اس کو قبول کرلوں گا۔ اس حدیث کو بیہقی کی "شعب الایمان" کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔ مناوی نے کہا: یہ حدیث محمد بن مندہ از بکر بن بکار از عابد بن شریح از انس رضی اللہ عنہ مروی

(بقیہ حاشیہ: ۱۸) خطیب "تاریخ بغداد" ج ۴ ص ۸۸' از طریق احمد بن الحسن بن علی بن الحسین المقری دبیس از محمد بن عبدالنور از ابو یوسف الاعشی از ہشام بن عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ دارقطنی نے کہا: دبیس ثقہ نہیں' خطیب نے کہا: منکر الحدیث ہے' ابن طاہر نے کہا: اس کی ہشام سے حدیث بے اصل ہے۔

19. طبرانی "الکبیر" ج ۲۵ ص ۱۶۳' دیلمی "مسند الفردوس" "القضاعی" "مسند الشہاب": ۶۵۹' از ام حکیم بنت وداع الخزاعیہ۔ حافظ ابن حجر نے "التلخیص" ج ۳ ص ۷۰ میں کہا ہے: ابن طاہر نے کہا ہے: اس کا اسناد بھی غریب ہے حجت نہیں۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" ج ۴ ص ۱۴۷ میں کہا ہے۔ اس کے اسناد میں مجہول راوی ہے۔ الالبانی نے "ضعیف الجامع" (حدیث: ۲۴۹۳) میں اسے ضعیف کہا ہے۔

20. موضوع حدیث۔ ابن عدی ج ۲ ص ۲۶۱' از طریق ہاشم بن محمد ابی الدرداء المؤدب از عمرو بن بکر از میسرہ بن عبدربہ از غالب القطان از سعید بن جبیر از ابن عباس مرفوعاً۔ اور کہا: غالب بن خطاف القطان کی احادیث کا ضعف واضح ہے۔ الالبانی نے "سلسلة الاحادیث الضعیفة" (حدیث: ۱۳۷۹) میں کہا ہے: یہ حدیث میسرہ بن عبدربہ پر محمول ہے اور وہ بہ اعتراف خود وضاع ہے۔

21. ضعیف حدیث۔ محمد بن مندہ الاصبہانی ج ۹ ص ۱۷۸/۲' ابو عبداللہ الجمال "الفوائد" ج ۱ ص ۲' ابونعیم "اخبار اصبہان" ج ۱ ص ۹۱۔ ج ۲ ص ۱۸۷' از متعدد طرق' از بکر بن بکار از عائذ بن شریح از انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔ بکر اور عائذ دونوں ضعیف راوی ہیں' طبرانی "الاوسط" (مجمع البحرین: ۱۷۹) ابونعیم "اخبار اصبہان" ج ۲ ص ۹۱' ابن حبان "المجروحین والضعفاء" ج ۲ ص ۱۹۴' از حدیث عائذ۔ القضاعی "مسند الشہاب": ۶۵۸' از مرسل مکحول الدمشقی' اس کے اسناد میں کوثر بن حکیم ہے' جسے ابوزرعہ وغیرہ نے ضعیف اور دارقطنی نے متروک کہا ہے۔ امام احمد نے کہا: اس کی احادیث باطل ہیں' اس حدیث کا آخری جملہ: اگر مجھے پائے کی طرف دعوت دی جائے ۔۔۔۔۔ روایات حدیث میں نہیں ہے۔

ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ یہ حدیث صحابہ کرام کی ایک جماعت ابو ہریرہ' عائشہ' سمرہ' ام حکیم الخزاعیہ' ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم سے مرفوعا اور عطاء سے مرسلاً مروی ہے۔ اپنے اپنے طرق سے اس حدیث کو محدثین کی جماعت امام مالک' امام احمد' امام بخاری' امام ترمذی' امام نسائی' ابو یعلیٰ' طبرانی (معجم الکبیر)' ابن عساکر (الامثال)' قضاعی (مسند الشهاب)' خطیب' ابن الضریس' دیلمی (مسند الفردوس) اور بیہقی (شعب الایمان) وغیرہ نے نقل کیا ہے' علامہ خزاعی سب سے غافل رہے اور قضاعی فی الشہاب کا حوالہ دے کر آگے بڑھ گئے' حالانکہ حوالہ شہاب کا نہیں "مسند الشهاب" کا دیا جاتا ہے' کیونکہ پہلی کتاب بلا اسناد ہے۔ بہر حال ہر کمال کا مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔

"کتاب التخریج" کے معاون اصول اور مآخذ و مراجع

علامہ خزاعی نے القسم العاشر کے باب رابع میں اپنے مآخذ و مراجع کو بیان کیا ہے' لیکن افسوس کی بات ہے مجھے تونس میں "کتاب التخریج" کا جو واحد نسخہ دستیاب ہوا ہے اس میں القسم العاشر موجود نہیں ہے۔ تاہم کتاب کے بار بار مطالعہ اور مسلسل غور وفکر اور چھان بین کے بعد یہ واضح ہو گیا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کا سب سے بڑا ماخذ ابو عمر ابن عبد البر کی کتاب "الاستیعاب" ہے' بلکہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں آدھی کتاب "الاستیعاب" سے ماخوذ ہے اور دو تہائی سے زائد ابواب' عنوانات اور تراجم ابن فتحون کے حواشی اور شرح سے ماخوذ ہیں' یہی دو کتب "کتاب التخریج" کا اصل ماخذ' مرجع اور منبع ہیں۔ باقی کتب کے حوالہ جات متفرق ابواب اور تراجم میں بکھرے ہوئے ہیں' تفصیل حسب ذیل ہے:

کتب تفاسیر

(۱) احکام القرآن' ابن العربی
(۲) التحبیر' القشیری
(۳) تفسیر' ثعلبی
(۴) الکشاف علامہ زمخشری
(۵) تفسیر' الرازی
(۶) تفسیر' ابن عطیہ
(۷) غریب القرآن' احکام' معانی' حلال وحرام میں اختلاف علماء' قاضی منذر بن سعید

کتب حدیث اور متعلقات

(۱) مؤطا' امام مالک بن انس
(۲) صحیح مسلم' امام مسلم
(۳) جامع الترمذی' امام ترمذی
(۴) کتاب اخلاق النبی ﷺ' ابن حیان اصبہانی
(۵) کشف المشاکل' ابن الجوزی
(۶) معالم السنن' الخطابی

(۷) تفسیر المبهمات' ابن بشکوال
(۸) الاکتفاء' ابوجعفر احمد داودی
(۹) صحیح البخاری' امام بخاری
(۱۰) سنن ابی داؤد' امام ابوداؤد
(۱۱) شمائل ترمذی' امام ترمذی
(۱۲) مشکل الصحیحین' ابن الجوزی
(۱۳) اقتباس الانوار' الرشاطی
(۱۴) الاکمال' قاضی عیاض
(۱۵) منتقی' الباجی
(۱۶) شرح العمدة' ابن دقیق العید' وغیرہ

تاریخ' لغت' ادب' تصوف وغیرہ

(۱) سیرت' ابن ہشام
(۲) شرح سیرت ابن اسحاق' سہیلی

(۳) نفحة الحدائق والخمائل فی الابتداء والاختراع للاوائل. مؤلف نامعلوم۔ علامہ خزاعی نے اس کتاب پر بہت اعتماد کیا ہے' لیکن اس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ مجھے "کشف الظنون" اور حافظ سیوطی کی "الاوائل" وغیرہ میں بھی اس کا ذکر نہیں ملا۔

(۴) مختصر السیر' ابن جماعہ
(۵) جمهرة الانساب' ابن حزم
(۶) جوامع السیرة' ابن حزم
(۷) مولد العز' الہستی
(۸) خلاصة الطبری' ابن حزم
(۹) العمدة' ابوعبداللہ التلمسانی

(علامہ خزاعی نے العمدۃ کے بکثرت حوالے دیئے ہیں' لیکن مجھے "کشف الظنون" اور "البستان" وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ملا۔ البتہ ابن بادیس نے "شرح سیرة ابن فارس" میں کہیں کہیں اس کا حوالہ دیا ہے اور اس پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار بھی کیا ہے)

(۱) صفوة' ابن الجوزی
(۲) المدهش' ابن الجوزی
(۳) عیون الاخبار' ابن قتیبہ
(۴) المشروع الروی' الخاتمی
(۵) انباء الانبیاء' قضاعی
(۶) بهجة النفس' ابن ہشام
(۷) الکامل' ابن الاثیر
(۸) اشعار الخلفاء' ابوبکر محمد الصولی
(۹) بهجة المجالس' ابن عبدالبر
(۱۰) رحلة' ابن جبیر
(۱۱) العائد' ابوالفتح کشاجم
(۱۲) کتاب الخیل' الاصمعی
(۱۳) بغية الادیب' ابوالحسن الحرانی
(۱۴) مسامرة الامراء' الصالونی
(۱۵) رسالة' القشیری
(۱۶) کتاب السماع' الاصبهانی
(۱۷) غریب' ابوعبید
(۱۸) غریب السیرة' ابن دراکتی
(۱۹) دیوان الادب'
(۲۰) تفسیر الالفاظ الطبية' ابن الخشاب
(۲۱) الیواقیت' المطرزی
(۲۲) التلقیح' ابن الجوزی
(۲۳) تاریخ' خطیب
(۲۴) المعارف' ابن قتیبہ

(۲۵) حلیۃ المحاضرۃ' الحاتمی
(۲۶) کتاب الموالی' الجاحظ
(۲۷) بلغۃ الظرفاء' ابوالسرور الروحی
(۲۸) طبقات الفقہاء' الشیرازی
(۲۹) طبقات' صاعد
(۳۰) المراتب والاخطار' الجاحظ
(۳۱) کتاب الخیل' ابن الدراج
(۳۲) صلۃ' ابن عبدالملک
(۳۳) الاستنصارات' عبدالمہیمن الحضرمی
(۳۴) الفرائد فی التشبیہات' کاتب الاٰمی
(۳۵) صفوۃ التصوف' محمد بن طاہر المقدسی
(۳۶) الصحاح والمشارق'
(۳۷) افعال' ابن القوطیۃ' ابن ظریف
(۳۸) المحکم
(۳۹) مثلث' ابن السید
(۴۰) صناعۃ الکتابۃ' ابن النحاس
(۴۱) التسہیل مع الشرح' ابن ہانی
(۴۲) البسیط' ابن ابی الربیع
(۴۳) دیوان الادب
(۴۴) جامع' القزاز

فقہیات اوراحکام پر مشتمل کتب

(۱) التنبیہات — ابن رشد
(۲) التحصیل — ابن رشد
(۳) کتاب الاموال — ابوعبید قاسم
(۴) الاحکام السلطانیۃ — الماوردی
(۵) الجواہر — ابن شاس
(۶) الغناء فی احکام الغناء — ابن الدراج
(۷) التبصرۃ — التلمسانی
(۸) مقالۃ — ابن عطیہ
(۹) مقالۃ — ابوبکر بن خلف الانصاری
(۱۰) البیان — ابن رشد
(۱۱) شرح الرسالۃ — زناتی
(۱۲) تہذیب — البرادعی
(۱۳) الکافی — ابن عبدالبر
(۱۴) الکفایۃ — ابن الدراج
(۱۵) الاثبات — ابوالعباس العزفی
(۱۶) مقالۃ — ابن القطان
(۱۷) مقالۃ — ابوالعباس ابن البناء وغیرہ

✿✿✿✿✿

دوسرا مقدمہ از مؤلف علامہ کتانی

اس مقدمہ میں دونوں کتابوں کی فہرست پیش کی جا رہی ہے تاکہ سابق (علامہ خزاعی) اور لاحق (علامہ کتانی) کی خدمات اور کاوشوں کا اندازہ ہو سکے' اس مقدمہ میں دو وجوہ سے ان کا ذکر ضروری ہے:

(۱) تاکہ مطالعہ کرنے والے کو مراجعت اور تلاش میں آسانی ہو۔

(۲) اور ان دو ادوار (دور اوّل علامہ خزاعی اور ثانی علامہ کتانی) کا فرق واضح ہو۔ فاقول واللہ المستعان۔

علامہ ابوالحسن الخزاعی نے اپنی کتاب کو دس اجزاء پر تقسیم کیا ہے' ان میں ایک سو اٹھہتر (۱۷۸) ابواب ہیں جو کہ ایک سو چھپن (۱۵۶) پیشوں' صنعتوں' ذمہ داریوں وغیرہ کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ ہم نے بھی ان کو دس اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

فہرست قسم اوّل از "کتاب التخریج" علامہ خزاعی

علامہ خزاعی نے خلافت' وزارت اور ان سے متعلقہ امور کے لیے درج ذیل سات ابواب ذکر کیے ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کا ذکر

(۲) رسول اللہ ﷺ کے وزیر

(۳) رسول اللہ ﷺ کے راز دار

(۴) رسول اللہ ﷺ کے حاجب اور دربان

(۵) رسول اللہ ﷺ کے خادم

(۶) رسول اللہ ﷺ کا تکیہ اٹھانے والے

(۷) رسول اللہ ﷺ کے نعلین بردار

میں نے ان ابواب کو مہذب و مدون کیا' سیاق و سباق سے مربوط کیا اور اس قسم میں مندرجہ ذیل ابواب کا حسب ضرورت اضافہ کیا ہے۔

(۱) شرعی اور اصطلاحی طور پر خلیفہ' بادشاہ اور سلطان میں فرق

(۲) بعض وفود کو حاضری کی اجازت نہ دینے کا بیان

(۳) رسول اللہ ﷺ کے آزاد خدام

(۴) رسول اللہ ﷺ کے خدمت گار موالی

(۵) رسول اللہ ﷺ کو خواب استراحت سے جگانے والے اور غسل کے وقت پردہ کا اہتمام کرنے والے

(۶) رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر رات گزارنے والے مرد

(۷) مرض وصال میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام

(۸) گھر کے اندر آپ کی ضروریات پوری کرنے والے خدام

(۹) رسول اللہ ﷺ کا ایک خاتون سے خدمت لینا
(۱۰) رسول اللہ ﷺ کا ایک یہودی لڑکے سے خدمت لینا
(۱۱) ان کاموں کا بیان جن کو حضور ﷺ کسی خادم کے سپرد نہ فرماتے
(۱۲) ان حضرات کا بیان جن کی مصطفیٰ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس خدمت فرمائی
(۱۳) لوگوں کے ہجوم کے وقت رسول اللہ ﷺ سے اژدھام کو دور کرنے والے مہاجرین
(۱۴) پیٹھ کھجانے میں آپ کی سیرت طیبہ
(۱۵) وفود کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے آداب سکھانے والے افراد
(۱۶) رسول اللہ ﷺ کو ہنسانے والے
(۱۷) رسول اللہ ﷺ کی اپنے اقرباء سے دل لگی
(۱۸) نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اذان کس چیز پر دی جاتی تھی

فہرست قسم دوم از "کتاب التخریج" علامہ خزاعی

اس قسم میں فقہی سرگرمیاں، معمولاتِ عبادات اور ان سے متعلقہ امور جیسے مسجد اور طہارت وغیرہ نیز امارت حج اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں کا بیان ہے، علامہ خزاعی نے اس قسم میں مندرجہ ذیل ابواب قائم کیے ہیں:

(۱) معلمین قرآن
(۲) لکھنا سکھانے والے
(۳) تفقہ فی الدین
(۴) قراء کی رہائش گاہ (اس سے مدارس کا قیام ثابت ہوتا ہے)
(۵) رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں کے مفتی
(۶) خوابوں کی تعبیر بتانے والے
(۷) فرض نماز کے امام
(۸) رمضان میں تراویح کے امام
(۹) رسول اللہ ﷺ کے مؤذن
(۱۰) وقت کی نگہداشت پر مامور افراد
(۱۱) حضور ﷺ کے لیے چٹائی اٹھانے والے
(۱۲) رسول اللہ ﷺ کے سامنے عنزہ لے کر چلنے والے
(۱۳) مسجد نبوی میں روشنی کرنے والے
(۱۴) مسجد نبوی میں عود کی دھونی دینے والے
(۱۵) مسجد نبوی سے کوڑا کرکٹ صاف کرنے والے اور جھاڑو دینے والے
(۱۶) لوگوں کو نماز کے لیے لے جانا اور ترک جماعت پر وعید
(۱۷) لوگوں کو مسجد میں جھگڑا فساد اور شور و غل سے منع کرنے والے
(۱۸) وضو کرانے والے صحابہ
(۱۹) مسواک سنبھالنے والے صحابہ
(۲۰) رسول اللہ ﷺ کے لیے کرسی
(۲۱) رسول اللہ ﷺ کے ساقی (پانی پلانے والے)
(۲۲) امارتِ حج
(۲۳) قربانی کے جانوروں کے نگران

(۲۴) عہد نبوی میں بیت اللہ کی نگہبانی اور خدمت پر (۲۵) السقایہ۔ زمزم پلانے کی ذمہ داری مامور حضرات

میں نے ان تمام ابواب کو سیاق وسباق کی روشنی میں مرتب ومہذب کیا ہے اور قسم دوم میں مندرجہ ذیل مزید ابواب کا اضافہ کیا ہے:

(۱) رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو حکم کہ اپنے پڑوسیوں سے فقہ اور قرآن کی تعلیم حاصل کرو
(۲) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن حفظ کرنے والے
(۳) ان صحابہ کرام کا بیان جن سے قرأت کے طرق منقول ہیں
(۴) عہدِ رسالت مآب میں خواتین معلمات
(۵) رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے درمیان مسائل کی دریافت میں واسطہ بننے والے صحابہ
(۶) رسول اللہ ﷺ کے مرضِ وصال میں لوگوں کو نماز پڑھانے والے اور خطبہ دینے والے
(۷) رسول اللہ ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور ترجمان مقرر کرنا
(۸) رسول اللہ ﷺ کا دراز قامت اور بلند آواز شخص کو حکم دینا کہ وہ لوگوں کو خاموش کرائے
(۹) حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کا سواریوں پر خطبہ
(۱۰) امام کا اپنے عظیم القدر ساتھیوں میں سے کسی کو لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دینا
(۱۱) نبی ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات سنانے کے لیے روانہ کرنا
(۱۲) حضور ﷺ کے گھر کی طرف تشریف لے جاتے وقت آپ کے آگے عصا اٹھا کر چلنے والے
(۱۳) حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ میں شمعیں جلانا
(۱۴) نمازیوں کی صفوں کو دُرست کرنے اور عدم ترتیب پر مارنے والے
(۱۵) کیا حضور ﷺ نے گرم پانی استعمال فرمایا یا حمام میں داخل ہوئے؟
(۱۶) شیشے کے برتن سے نبی ﷺ کا وضو فرمانا
(۱۷) پیتل وغیرہ کے طشت سے رسول اللہ ﷺ کا وضو فرمانا
(۱۸) حضور ﷺ کے لیے مدینہ طیبہ کے کنوؤں سے پانی کی فراہمی
(۱۹) حضور ﷺ کی طرف سے مکہ سے زمزم کی طلب
(۲۰) دورانِ سفر نبی ﷺ کے سقے اور مشکیزے بھرنے والے
(۲۱) نبی ﷺ کے یہودی ساقی
(۲۲) پانی پلانے والے کے لیے دعا
(۲۳) سبز برتنوں میں نبیذ سازی
(۲۴) مشروب سے بال نکالنے والے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا

(۲۵) کھانا تناول فرماتے وقت حضور ﷺ کے خادم

(۲۶) رسول اللہ ﷺ کے برتن

(۲۷) حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کا اپنے دست مبارک سے اونٹ نحر فرمانا اور باقی ماندہ کو نحر کرنے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمانا۔

فہرست ابواب قسم سوم از ''کتاب التخریج'' علامہ خزاعی

یہ قسم عہد نبوی کی تحریری سرگرمیوں اور ان کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ ''کتاب التخریج'' میں علامہ خزاعی نے مندرجہ ذیل ابواب رقم کیے ہیں:

(۱) کاتبینِ وحی

(۲) خطوط اور دستاویزات لکھنے والے حضرات

(۳) معاہدے اور صلح نامے لکھنے والے حضرات

(۴) مالِ غنیمت پر نگران

(۵) رسول اللہ ﷺ کے سفیر

(۶) دعوت اسلام کے پیغام لے جانے والے حضرات

(۷) اہل کتاب کی کتب کے ترجمان اور اہل کتاب کو ان کی زبان میں خطوط لکھنے والے

(۸) رسول اللہ ﷺ کے شعراء

(۹) رسول اللہ ﷺ کے خطیب

(۱۰) مجاہدوں کے ناموں کا اندراج کرنے والے

(۱۱) لشکر کے سرداروں اور کمانڈروں کا بیان

(۱۲) ضرورت کے وقت لوگوں کو بلانے کے لیے منادی کرنے والے

(۱۳) محاسب (اکاؤنٹنٹ) کا بیان

ان ابواب کے درمیان میں نے حسب ضرورت درج ذیل ابواب کا اضافہ کیا ہے:

(۱) نبی ﷺ کی طرف سے بدویوں کو خطوط لکھنے والے حضرات

(۲) چمڑے پر آپ کے خطوط اور اس کی مقدار

(۳) رسول اللہ ﷺ کے خصوصی امور لکھنے والے صحابہ کرام

(۴) لوگوں کے قبائل اور ان کے پانی لکھنے والے حضرات

(۵) نبی ﷺ کے نائب کاتب

(۶) مہر اور انگوٹھی سے متعلق مسائل

(۷) نبی ﷺ کی طرف سے کاتبوں کو قلم رکھنے کے آداب اور حروف کی صورت گری کی تعلیم

(۸) رسول اللہ ﷺ کا کاتبوں کو کتابت میں سلیقہ مندی کا حکم دینا

(۹) مسلمانوں کے لیے نبی ﷺ کا آخری مکتوب جو تاریخ میں بعینہٖ محفوظ ہے

(۱۰) تاریخ میں محفوظ رسول اللہ ﷺ کا صحیح ترین مکتوب

فہرست ابواب قسم چہارم از ''کتاب التخریج'' علامہ خزاعی

یہ قسم احکامات وفرامین اور ان سے متعلقہ امور پر مشتمل ہے۔ علامہ خزاعی کے ذکر کردہ ابواب مندرجہ ذیل

تبصرہ:

(۱) نواحی علاقوں پر امارت عامہ
(۲) قاضی (جج) کا بیان
(۳) عدالتی زیادتیوں پر نظر
(۴) شہادت اور شرائط نویسی
(۵) رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں علم میراث کے ماہرین
(۶) اخراجات مقرر کرنے والے
(۷) امور مالیہ کے علاوہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ وکیل
(۸) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ماہرین تعمیرات
(۹) جھنڈے بنانے والوں کا بیان
(۱۰) محتسب کا بیان
(۱۱) بہ آواز بلند اعلان کرنے والے (منادی)
(۱۲) مدینہ طیبہ کی خفیہ پولیس
(۱۳) فتنہ و فساد کے وقت مدینہ طیبہ کے دروازوں کی نگرانی پر متعین حضرات
(۱۴) فتنہ وفساد کے دوران قوم کے نگران

مندرجہ ذیل ابواب علامہ خزاعی نے ذکر نہیں کیے ان کا ہم نے اضافہ کیا ہے:

(۱) جیل خانے' مردانہ جیل خانہ' زنانہ جیل خانہ
(۲) سزاؤں پر عمل درآمد کرنے والے
(۳) رسول اللہ ﷺ کی اپنے عمال کو مراسلات لانے والوں کے لیے ہدایت
(۴) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے عمال میں حسن صورت اور اچھے نام کی شرط
(۵) رسول اللہ ﷺ کی اپنے امراء سے عہد کی کیفیت
(۶) رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر مشتمل کتب کی تدوین
(۷) رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور فتاویٰ کے ذکر پر مشتمل عنوانات اور ابواب
(۸) کیا رسول اللہ ﷺ قاضی کے لیے سن رسیدہ ہونے کی شرط لگاتے تھے؟
(۹) مقدمات کی سماعت کے دوران قاضی کی نشست گاہ کہاں ہوتی تھی؟
(۱۰) گورنروں اور قاضیوں (ججوں) کا مشاہرہ
(۱۱) بچوں کی گواہی اور رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات اور معاہدوں میں بچوں کے نام
(۱۲) قیدیوں کے نگران
(۱۳) قیدیوں کو خوراک کی بہم رسانی
(۱۴) حالت جنگ میں دشمن کے درخت کاٹنے پر عامل کا تقرر
(۱۵) رسول اللہ ﷺ کا کسی سے چیں بہ جبیں ہونا اور تیوری چڑھانا
(۱۶) تادیب بہ ذریعہ مار پیٹ
(۱۷) تادیب بذریعہ ترک تعلق

(۱۸) رسول اللہ ﷺ کا بذاتِ خود قتل کرنا
(۱۹) نبی ﷺ کی طرف سے جلانے اور منہدم کرنے کی سزا
(۲۰) آنکھیں پھوڑنے' دھوپ میں ڈالے جانے اور ہاتھ پیر کاٹنے کی سزا
(۲۱) دادرسی کے عامل
(۲۲) رسول اللہ ﷺ کا تعمیرات وغیرہ سے متعلق علم

فہرست عنوانات قسم پنجم ''کتاب التخریج'' علامہ خزاعی

اس قسم میں علامہ خزاعی نے جنگی کارروائیاں اور ان سے متعلقہ امور بیان کیے ہیں اور درج ذیل عنوانات ذکر کیے ہیں:

(۱) سالارانِ لشکر
(۲) غزوات میں تشریف لے جاتے وقت رسول اللہ ﷺ کے نائبین
(۳) سفر میں جاتے وقت رسول اللہ ﷺ کے اہل وعیال پر آپ کے نائب
(۴) بطور مددگار کوچ کی دعوت
(۵) پرچم بردار صحابہ
(۶) لشکر کی تقسیم اور سالارِ لشکر کا مقام
(۷) دورانِ جنگ قلب لشکر میں اپنی جگہ دوسرے کا تقرر اور دوسرے کی زرہ زیب تن فرمانا
(۸) لشکر کے مختلف حصوں مقدمہ' میمنہ' میسرہ اور ساقہ پر متعین سالار
(۹) تیراندازوں کے امیر کا تقرر
(۱۰) پیدل دستے کے سالار
(۱۱) لشکر کی صف بندی کرنا اور مجاہدوں کی صفوں میں ردوبدل
(۱۲) نبی ﷺ کے گھوڑوں کے نگران
(۱۳) رسول اللہ ﷺ کی سواری کی زین کسنے والے
(۱۴) سواری کے وقت رکاب تھامنے والے اور سوار کے کپڑوں کو زین کے پاس سمیٹنے والے
(۱۵) رسول اللہ ﷺ کے گھوڑوں کو گھڑ دوڑ میں دوڑانے والے حضرات
(۱۶) اونٹنی کے کجاوہ پر مامور خدام
(۱۷) رسول اللہ ﷺ کے خچر پر مامور خدام
(۱۸) سواری کی لگام پکڑ کر چلنے والے خدام

(۱۹) رسول اللہ ﷺ کی سواری کو ہانکنے والے خدام
(۲۰) رسول اللہ ﷺ کے اسلحہ کے نگران
(۲۱) رسول اللہ ﷺ کے نیزہ بردار خدام
(۲۲) رسول اللہ ﷺ کے تلوار بردار
(۲۳) رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو صیقل کرنے والے
(۲۴) رسول اللہ ﷺ کے گائیڈ
(۲۵) رسول اللہ ﷺ کے لیے راستہ آسان بنانے والے (خطرات پر نگاہ رکھنے والے)
(۲۶) رسول اللہ ﷺ پر سایہ کرنے والے
(۲۷) دورانِ سفر رسول اللہ ﷺ کا سامان اٹھانے والے
(۲۸) حرمِ رسالت کے امین
(۲۹) رسول اللہ ﷺ کے پہرے دار
(۳۰) رسول اللہ ﷺ کے جاسوس
(۳۱) دارالحرب سے رسول اللہ ﷺ کے لیے خبروں کی ترسیل کے ذمہ دار
(۳۲) پسپائی پر آمادہ کرنے والے اور دشمن کی فوج میں انتشار پھیلانے والے
(۳۳) بحری کشتیاں بنانے والے
(۳۴) بحری جہازوں کا استعمال
(۳۵) منجنیق سازی
(۳۶) منجنیق چلانے والے
(۳۷) دبابہ سازی
(۳۸) دشمن کے درخت کاٹنے والے
(۳۹) خندق کی کھدائی
(۴۰) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مالِ غنیمت کے نگران
(۴۱) خُمس کے نگران
(۴۲) فتح کی خوش خبری لانے والے اور لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کو مبارک باد دینے کے لیے شہر سے باہر آنا

میں نے ان ابواب کو اپنے طور سے ترتیب دی ہے' اور اپنی طرف سے مندرجہ ذیل ابواب کا اضافہ کیا ہے:

(۱) دشمن کے دھوکہ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا راستہ میں نائب مقرر فرمانا
(۲) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بچوں کی دستار بندی
(۳) انصار کے جھنڈے

(۴) تیر اندازوں کے امیر

(۵) دورانِ جنگ مجاہدین کا شِعار

(۶) رسول اللہ ﷺ کی سواری کو ہانکنے والے

(۷) رسول اللہ ﷺ کے ہدی کے جانوروں کے ہنکانے والے

(۸) رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیوں کے چرواہے

(۹) نبی ﷺ کی دودھیل اونٹنیوں کے چرواہے

(۱۰) نبی ﷺ کے گھوڑوں کے نگران

(۱۱) نبی ﷺ کے شتر بان

(۱۲) اونٹنی پر سواری کے وقت نبی ﷺ کی رکاب تھامنے والے

(۱۳) رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑنے والے

(۱۴) حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ہدی کے جانوروں کے نگران

(۱۵) رسول اللہ ﷺ کے اسلحہ کے نگران

(۱۶) رسول اللہ ﷺ کی تلوار کہاں رہتی تھی؟

(۱۷) رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مجرموں کے سر قلم کرنے والے حضرات

(۱۸) بے آب و گیاہ میدانوں اور جنگلات میں رسول اللہ ﷺ کے منازل سفر کے نشانات اور عمارات

(۱۹) رسول اللہ ﷺ کو چڑھنے میں مدد دینے کے لیے اپنی گردنیں بطور زینہ پیش کرنے والے

(۲۰) رسول اللہ ﷺ کا خیمہ

(۲۱) خیمہ نصب کرنے پر مامور خدام

(۲۲) رسول اللہ ﷺ کے تخلیہ کے وقت پردہ لگانے والے

(۲۳) مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہرہ دار

(۲۴) لشکر کے پڑاؤ کے لیے پانی اور گھاس والی جگہ کی تلاش اور انتخاب

(۲۵) سفر حج کے دوران ازواج مطہرات کی سواریوں کو ہانکنے والے

(۲۶) رسول اللہ ﷺ کی غزوات پر روانگی اور مدینہ طیبہ پر پہرہ داروں کا تقرر

(۲۷) دورانِ سفر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چلنے والے خدام

(۲۸) فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے آگے شعر پڑھتے ہوئے چلنے والے صاحب

(۲۹) لشکر کے ہراول دستے

(۳۰) رسول اللہ ﷺ کے جاسوس

(۳۱) چغل خور

(۳۲) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسی مجاہد کے لیے ایک جنس کے تمام جانوروں کا ہبہ
(۳۳) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مال غنیمت لکھنے والے
(۳۴) سفر سے واپسی پر ضیافت کا اہتمام
(۳۵) سفر سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی دعا
(۳۶) کسی بستی میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ کی دعا
(۳۷) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جزیرۃ العرب کے کفار کا طرز عمل
(۳۸) اپنے عہد کے کفار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ

فہرست قسم ششم از ''کتاب التخریج'' علامہ خزاعی

یہ قسم عاملین زکوٰۃ' عشر اور جزیہ پر مشتمل ہے' اور اس کے مندرجہ ذیل ابواب ہیں:

(۱) جزیہ کے محصلین
(۲) عشر وصول کرنے والے
(۳) حصول جزیہ میں نبی ﷺ کا طریقہ مبارکہ اور جزیہ دینے والے
(۴) خراجی زمینوں کے ٹیکس وصول کرنے والے
(۵) زمینوں کی پیمائش
(۶) عاملین زکوٰۃ
(۷) رسول اللہ ﷺ کے صدقات نگار
(۸) کھجور کے درخت پر پھل کا تخمینہ لگانے والے
(۹) اوقاف
(۱۰) عمال سے جمع کردہ مال وصول کر کے بیت المال میں لانے والے

میں نے ان ابواب کی ترتیب وتہذیب کی ہے اور ان پر مندرجہ ذیل ابواب کا اضافہ کیا ہے:

(۱) رسول اللہ ﷺ کا بہ نفس نفیس جنگل میں صدقہ کے اونٹوں کو ملاحظہ فرمانا
(۲) فطرہ رمضان پر نگہبان کا تقرر
(۳) غنائم کو قبضہ میں لینے پر رسول اللہ ﷺ کے عامل
(۴) رسول اللہ ﷺ کے خمس کے نگران

فہرست عنوانات قسم ہفتم از ''کتاب التخریج'' علامہ خزاعی

اس قسم میں علامہ خزاعی نے ناپ تول کرنے والے عاملین اور ان سے متعلقہ امور کو درج ذیل عنوانات کے تحت ذکر کیا ہے:

(۱) امانت دار خازن کی فضیلت
(۲) بیت المال کے نگران
(۳) وزن کرنے والے عامل
(۴) اشیائے خوردنی کے خازن

(۵) ناپنے والے
(۶) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں زیر استعمال اوزانِ شرعیہ کے نام
(۷) درہم اور اس کا استعمال
(۸) اونٹ اور بکریاں لینا
(۹) چوپایوں پر نشان لگانے والے
(۱۰) امام کی مختص سرکاری چراگاہ

میں نے ان تمام عنوانات پر مختصر مفید اضافے کیے ہیں: سکوں کی ڈھلائی' دراہم و دنانیر کی تیاری' صاع خصوصاً نبی ﷺ کے مد کے بارے میں' میں نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

فہرست قسم ہشتم از "کتاب التخریج" علامہ خزاعی

یہ قسم ہر قسم کے دیگر عمال کے ذکر پر مشتمل ہے اور علامہ خزاعی نے اس میں مندرجہ ذیل ابواب ذکر کیے ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کے اخراجات کے نگران
(۲) امورِ مالیہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ وکیل
(۳) رسول اللہ ﷺ کی غیر موجودگی میں آپ کی ہدایت کے مطابق مال خرچ کرنے والے
(۴) وفود کی رہائش گاہیں
(۵) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہسپتال اور خواتین نرسیں
(۶) طب اور معالج
(۷) دَم کرنے والے
(۸) شریانوں کی جراحی کرنے والے
(۹) زخم پر داغ لگانے والے
(۱۰) مفلوک الحال غیر متاہل فقراء کے لیے رہائش گاہیں اور موجودہ دور کی خانقاہیں

ان ابواب کی ترتیب وتدوین اور فوائد کے مختصر اضافوں کے ساتھ میں نے مندرجہ ذیل ابواب کا اضافہ کیا ہے:

(۱) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قیدیوں اور مال غنیمت کو روکے رکھنے کا حکم
(۲) وفود کے لیے رسول اللہ ﷺ کے عطایا
(۳) وفود سے ملاقات کے وقت رسول اللہ ﷺ کا عمدہ لباس زیب تن فرمانا
(۴) زخم پر اللہ کا نام لینا اور لعاب دہن لگانا
(۵) طب سے ناواقف شخص کے لیے لوگوں کا علاج کرنا مباح نہیں
(۶) دورِ حاضر میں محکمۂ صحت کی طرف سے احتیاطی تدابیر
(۷) نجومیوں کا بیان

(۸) قیافہ شناس

(۹) قرآن مجید سے مسافر خانوں کی تعمیر پر استدلال

فہرست قسم نہم از "کتاب التخریج" علامہ خزاعی

اس قسم میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صنعت وحرفت اور ان سے منسلک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہے' علامہ خزاعی نے گذشتہ اقسام میں ذکر کردہ ابواب کے علاوہ یہاں مزید ابواب ذکر کیے ہیں' جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) تجارت کا بیان

(۲) پارچہ فروش (کلاتھ مرچنٹ)

(۳) عطر فروش

(۴) طبیب' کاہن

(۵) نیزے فروش

(۶) طعام فروش

(۷) پھل فروش

(۸) چمڑے کی دباغت کے لیے خام مال کے تاجر

(۹) دلّال

(۱۰) پارچہ باف

(۱۱) درزی

(۱۲) بڑھئی

(۱۳) سنار

(۱۴) معمار

(۱۵) لوہار

(۱۶) کھالیں رنگنے والے

(۱۷) پھلوں کا اندازہ لگانے والے

(۱۸) خشکی کے شکاری

(۱۹) سمندر کے شکاری

(۲۰) باغات میں کام کرنے والے

(۲۱) اجرت پر پانی لانے والے

(۲۲) پیٹھ پر وزن اٹھانے والے

(۲۳) حجام اور سینگی لگانے والے

(۲۴) گوشت فروش (قصاب)

(۲۵) باورچی

(۲۶) گوشت بھوننے والے

(۲۷) کنگھی چوٹی کرنے والی خاتون

(۲۸) دایہ خاتون

(۲۹) لڑکیوں کی ختنہ کرنے والی

(۳۰) دودھ پلانے والی

(۳۱) گانے والی

(۳۲) قبریں کھودنے والے

(۳۳) موتی کا غسل

میں نے علامہ خزاعی کے مذکورہ بالا ابواب کی از سر نو ترتیب' تدوین اور تہذیب کی ہے اور درج ذیل ابواب کا اضافہ کیا ہے:

(۱) خرید وفروخت کو تجارت کا نام دینے کی اصل

(۳۰) تعمیرات میں صحیح قواعد کا خیال رکھا جائے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد
(۳۱) مسجد ضرار کو منہدم کروانا
(۳۲) رنگائی کرنے والے
(۳۳) تیراکی
(۳۴) دودھ فروش
(۳۵) چراغ جلانے اور کشتیوں وغیرہ پر پالش کے لیے چربی کا استعمال
(۳۶) پانی کی نشاندہی کرنے اور اسے نکالنے والے
(۳۷) خزیرہ کی تیاری
(۳۸) روٹی بنانے والے
(۳۹) نبی ﷺ کی روٹی کی ٹکیاں بڑی ہوتی تھیں یا چھوٹی؟
(۴۰) رسول اللہ ﷺ اور ایک بدوی کے درمیان تحائف کا تبادلہ
(۴۱) شکار کے لیے ممنوعہ علاقے اور ممنوعہ اوقات
(۴۲) رسول اللہ ﷺ نے خود شکار کیا نہ شکار خریدا
(۴۳) سوت کاتنے والی خواتین
(۴۴) ہنسانے والی خواتین
(۴۵) نبی ﷺ کے عہد میں مدینہ منورہ کی مغنیات کے نام
(۴۶) کیا عہد نبوی میں گھنگرو والے دف تھے؟
(۴۷) بعض سلف کا علم موسیقی سے شغف
(۴۸) گانوں کے مضامین
(۴۹) نبی ﷺ کے سامنے مسجد نبوی میں حبشیوں کا رقص
(۵۰) نبی ﷺ کی آمد کی خوشی میں حبشیوں کا نیزوں سے کھیل
(۵۱) حضور ﷺ کے سامنے بعض عظیم القدر صحابہ کا رقص
(۵۲) گانا اور بہ آواز بلند شعر خوانی
(۵۳) قبر کی ہم نشین بوڑھی خاتون
(۵۴) دوڑ کے مقابلے
(۵۵) کشتی کے مقابلے
(۵۶) تیراندازی
(۵۷) بچیوں کی گڑیاؤں کا تذکرہ

(۵۸) گھر میں وحشی جانور رکھنا
(۵۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول: اندازہ کرو کہ ایک نوعمر لڑکی نے کتنی دیر تک حبشیوں کا کھیل دیکھا ہوگا؟
(۶۰) بچوں کے کھیلنے کے لیے پرندے رکھنا
(۶۱) شادی بیاہ کے موقع پر بادام' چھوہارے وغیرہ لوٹنا
(۶۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کھیل تماشہ میں مشغول حبشیوں پر گذر اوران کو انعام دینا
(۶۳) غزوات میں خواتین نرسوں کی شرکت اور جنگ میں شریک دلیر خواتین
(۶۴) تاجر خواتین
(۶۵) مجلس نبوی میں عورتوں کی نمائندہ خاتون
(۶۶) دولہن کی رخصتی کے وقت کا گیت
(۶۷) سات دن تک شادی کا ولیمہ
(۶۸) تلواریں بنانے والے
(۶۹) مخصوص محفل یا تجہیز و تکفین کے لیے نمائندہ کا انتخاب
(۷۰) تیر بنانے والے
(۷۱) خاتون کی میت کا ستر اور اس کی تحسین

آپ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ علامہ خزاعی نے نبی ﷺ کے عہد مبارک کے تقریباً تیس (۳۰) پیشوں اور صنعتوں کا ذکر کیا ہے اور میں نے بھی تقریباً اتنے ہی پیشوں اور صنعتوں کا مزید اضافہ کیا ہے' اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ بعد میں آنے والے پہلے آنے والوں سے ایک قدم آگے بڑھتے ہیں۔ یہ شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ہیں آپ نے اپنی کتاب "صحیح البخاری" کی کتاب البیوع میں صرف دس پیشے اور صنعتیں ذکر کی ہیں' اور وہ سنار' لوہار' درزی' پارچہ باف' بڑھئی' ہتھیار فروش' عطر فروش اور حجام ہیں' انہوں نے اپنی شرط کے معیار پر پوری اترنے والی احادیث روایت کی ہیں۔ بہر حال ان کی کوشش قابل داد اور شکریہ کی مستحق ہے' اسی طرح بعد میں آنے والوں کی جدوجہد اور کاوش بھی لائق تحسین اور ہدیہ تبریک کی حق دار ہے کہ انہوں نے سلف کے وا کردہ دروازوں سے داخل ہو کر ان عنوانات کو مزید قوت اور وسعت عطا کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ (القصص: ۶۸)　　اور آپ کا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند فرمالیتا ہے (جسے چاہتا ہے)۔

قسم دہم از "کتاب التخریج" علامہ خزاعی

اس قسم میں امور متفرقہ کے ذکر پر یہ کتاب مکمل ہوئی ہے' اس کے مندرجہ ذیل ابواب ہیں:

(۱) صنعت وحرفت کا مفہوم

(۲) غیر مسلم کفار' اہل کتاب وغیرہ کے عامل بنانے کی ممانعت

(۳) عمال کے وظائف اور تنخواہیں

(۴) ''کتاب التخریج'' کے مآخذ ومراجع

مجھے یہ قسم دستیاب نہیں ہوئی اور تونسی نسخہ میں یہ موجود نہیں ہے' البتہ صنعت وحرفت کے مفہوم پر نویں قسم کے شروع میں ہمارے خیال میں کافی گفتگو ہو چکی ہے' کفار کے عامل بنانے اور عمال کی تنخواہوں اور وظائف پر بحث کا صحیح مقام کتب فقہ ہیں' رہا چوتھا باب جس میں مؤلف نے اپنی کتاب کے مآخذ ومراجع کا ذکر کیا ہے وہ نہایت مفید باب تھا اگرچہ میں علامہ الخزاعی کے تحریر کردہ اس باب سے واقف نہ ہو پایا تاہم میں نے کتاب میں مندرج روایات اور حوالہ جات کے تتبع سے اس پر خاصہ کام کیا ہے' اور ان تمام کتب کے نام درج کر دیئے ہیں جن پر مؤلف نے اعتماد کیا ہے' علامہ الخزاعی نے اکثر صنعتوں' پیشوں' عمال اور والیوں کے ذیل میں ''الاستیعاب'' اور اس پر'' ابن فتحون '' کے حواشی پر اعتماد کیا ہے۔

چونکہ علامہ خزاعی نے اپنی کتاب دس اقسام پر مشتمل تالیف کی تھی سو میں نے چاہا کہ میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اس آخری قسم سے محروم نہ رکھوں۔ سو اب میں اس دسویں قسم پر قلم اٹھاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق کا طلب گار ہوں۔

اس تمہید کے بعد علامہ کتانی نے القسم العاشر کے عنوان سے دو مقاصد تحریر کیے ہیں جن میں' المقصد الاوّل '' کے تحت ایک سو پانچ ابواب اور'' المقصد الثانی '' کے تحت اکہتر مزید ابواب ذکر کیے ہیں' یہ قسم ایک الگ جلد میں تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا ترجمہ التراتیب الادار یہ جلد دوم کے نام سے الگ شائع کیا جائے گا اس لیے یہاں ان ابواب کو ذکر نہیں کیا جا رہا۔ (مترجم)

✿✿✿✿✿

القسم الاوّل

خلافت' وزارت

اور

اس سے متعلق صحابہ کرام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلافت

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: خلیفہ کسی کے جانشین اور قائم مقام کو کہتے ہیں۔ ابن النحاس کی ''صناعة الکتابة'' میں ہے اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ کہا گیا۔ اسلام میں سب سے پہلے آپ ہی خلافت سے سرفراز ہوئے۔ (خزاعی)

خلافت ریاست عظمیٰ اور ایسی مکمل عمومی حکمرانی کا نام ہے جو دین و دنیا کے امور کی نگرانی اور نگہبانی پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور ایسے حکمران کو ہی خلیفہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا نائب اور جانشین ہوتا ہے۔ اور وہی امام ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور خلفاء راشدین کے دور میں امامت اور خطبہ والیٔ ریاست ہی کی ذمہ داری تھی۔ عدالت اور حکومت کی طرح کوئی دوسرا بطور نیابت یہ امور سرانجام دیتا تھا۔ خلیفۂ وقت کو امیر المؤمنین بھی کہا جاتا تھا۔ خلیفہ ہی سب سے بڑا حکمران ہوتا ہے اس پر کوئی والی نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کے منصب میں شراکت دار ہوتا ہے۔ روئے زمین پر سب سے پہلی اور حقیقی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے۔

امام ابن عدی' ابوبکر بن عیاش سے نقل کرتے ہیں کہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے مجھے کہا: ابوبکر! یہ بتاؤ حضرت ابوبکر صدیق لوگوں کے خلیفہ کیسے بنے؟ میں نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ' اس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان سب نے ان کی خلافت پر سکوت اختیار کیا' ہارون بولا: بخدا! تم نے تو میری الجھن میں اضافہ کر دیا ہے' میں نے کہا: امیر المؤمنین! نبی ﷺ آٹھ روز بیمار رہے' بلال رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' عرض کی: یا رسول اللہ! لوگوں کو نماز کون پڑھائے؟ فرمایا: ابوبکر کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائے[1] حضرت ابوبکر نے آٹھ روز نماز پڑھائی حالانکہ وحی نازل ہوتی رہی' رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سکوت فرمانے پر سکوت فرمایا (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت اور نیابت کو برقرار رکھا) اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کے سکوت کی وجہ سے خاموش رہے' ہارون کو یہ بات پسند آئی اور اس نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے برکتوں سے نوازے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۶۶۴۔ ۶۷۹۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۶۔ ۳۳۸۴۔ ۷۳۰۳' سنن دارمی ج ۱ ص ۳۹' مسند احمد ج ۶ ص ۹۶۔ ۱۵۹۔ ۲۰۲۔ ۲۱۰۔ ۲۲۴' احمد' فضائل الصحابہ: ۸۸۔ ۵۸۹' موطا مالک ج ۱ ص ۱۷۰۔ ۱۷۱' ترمذی: ۳۶۷۲' نسائی ج ۲ ص ۹۹۔ ۱۰۰' ابن ماجہ: ۱۲۳۲' تفسیر بغوی: ۸۵۳' السنۃ ابن ابی عاصم: ۱۱۶۷' طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۷۹۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰' بیہقی ج ۳ ص ۸۱۔ ۱۰ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ صحیح البخاری: ۶۷۸۔ ۳۳۸۰' مسلم: ۴۲۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۲۔ ۴۱۳' ابن ابی عاصم: ۱۱۶۴' طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۷۸' فضائل الصحابہ: ۱۴۰۔ ۵۸۲' از موسیٰ رضی اللہ عنہ' صحیح البخاری: ۶۸۲ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۹ از ابن عباس رضی اللہ عنہما' نیز یہ حدیث ''الفضائل'': ۷۹۔ ۸۰ پر موجود ہے۔ ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قرآن سے ثبوت

علماء کی ایک جماعت نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے ثابت کیا ہے:

(۱) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۔ (المائدہ:۵۴)

اے ایمان والو! تم میں سے جو مرتد ہو جائے اپنے دین سے تو عنقریب لائے گا اللہ ایسی قوم کو کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔

امام بیہقی اس آیت کے تحت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا: بخدا اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں' رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب بعض عرب قبائل مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکر اور آپ کے ساتھیوں نے ان سے جہاد کیا اور انہیں اسلام کی طرف واپس لائے۔

(۲) قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۔ (الفتح:۱۶)

ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے فرما دیجئے عنقریب تم ایک ایسی قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلائے جاؤ گے جو نہایت سخت لڑنے والی ہوگی' تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

امام ابن ابی حاتم' حضرت جبیر سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: اس سے بنو حنیفہ مراد ہیں۔ امام ابن حاتم اور ابن قتیبہ کہتے ہیں: یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلیل اور حجت ہے۔ کیونکہ آپ نے بنو حنیفہ کے خلاف جنگ کے لیے لوگوں کو دعوت دی۔

امام ابوالحسن اشعری[۱] کہتے ہیں: میں نے ابو العباس بن شریح کو یہ فرماتے سنا: قرآن مجید کی اس آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلیل ہے۔ کیونکہ اہل علم حضرات کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد صرف وہی جنگ ہوئی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین اور زکوٰۃ کے منکرین کے خلاف لڑی۔ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے وجوب اور آپ کی اطاعت کی فرضیت پر دلیل ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اس جنگ سے روگردانی کرنے والے کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: جس مفسر نے آیت مذکور میں ''قوم'' کی تفسیر فارس اور روم سے کی ہے' اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ فارس اور روم کے خلاف لشکر کشی کی ابتداء حضرت صدیق اکبر نے کی' اور اس کی تکمیل حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں ہوئی' اور حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا جزء' حصہ اور فرع ہے۔

(۳) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

اللہ نے وعدہ فرمایا ان لوگوں سے جو تم میں سے

[۱] امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری صاحب تصانیف ہیں' متکلمین اشاعرہ انہی سے منسوب ہیں' بقول ابن کثیر وغیرہ آپ تین مراحل سے گزرے۔ (۱) اعتزال (۲) تاویل اور (۳) تفویض' اس پر آپ کی کتاب ''الابانۃ'' واضح دلیل ہے ۳۲۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ . (النور:۵۵) ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ انہیں زمین میں ضرور ضرور خلافت دے گا جس طرح ان لوگوں کو خلافت دی جوان سے پہلے تھے۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر منطبق ہوتی ہے۔

امام بیہقی' ابن زعفرانی سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا: میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر لوگوں کا اجماع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام پریشان ہوئے تو انہوں نے آسمان کی چھت کے نیچے کسی کو حضرت ابوبکر سے بہتر نہ پایا سو انہوں نے آپ کو اپنی گردنوں کا والی بنا لیا (اپنا حکمران منتخب کرلیا)۔

(۴) وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الزخرف:۴۴) اور یقیناً وہ ضرور شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا ۝

ابوالعباس القرافی ''الفروق'' جزءدوم ص۱۸۲ میں رقمطراز ہیں' علماء کا کہنا ہے اس سے خلافت مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ شروع شروع میں مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے اور ان سے مدد طلب فرماتے' قبائل کا مطالبہ ہوتا کہ آپ کے بعد حکمرانی اور خلافت ان کو ملے' آپ ارشاد فرماتے: مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے' اور آپ پر مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہو چکی تھی سو تبلیغ دین میں معاونت کرنے والوں کے لیے اس میں کچھ حصہ نہ تھا۔

قیروان کے ایک عالم دین سے کسی نے سوال کیا: رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کا مستحق کون تھا؟ انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ہم قیروان میں رہتے ہوئے اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم میں سے فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے کی سب سے زیادہ صلاحیت کس کے پاس ہے' امامت کے لیے ہم میں سے کون زیادہ باصلاحیت ہے' کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر یہ بات مخفی تھی' اور ان مسائل کے بارے میں اہل عراق سے پوچھنا پڑے گا۔ بلاشبہ ان کا جواب صداقت پر مبنی ہے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا' سب سے پہلے قرآن جمع کیا' سب سے پہلے قرآن کا نام مصحف رکھا' سب سے پہلے آپ کو خلیفہ کہا گیا' امام احمد' ابوبکر ابن ملیکہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: حضرت ابوبکر کو خلیفۃ اللہ کہا گیا تو آپ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں اور میں اس پر راضی ہوں۔ آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے والد کی حیات میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی' اور آپ پہلے خلیفہ ہیں جن کا وظیفہ ان کی رعایا نے مقرر کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا: میری قوم جانتی ہے میرا کاروبار' میرے اہل عیال کی کفالت کے لیے ناکافی نہیں' اب میں مسلمانوں کے معاملات میں مشغول ہو گیا ہوں تو ابوبکر کے گھر والے اس بیت المال سے کھائیں گے اور میں

مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال کروں گا۔

طبقات ابن سعد میں حضرت عطاء بن السائب سے مروی ہے: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی' آپ اس روز کندھے پر چادریں اٹھائے بازار جانے لگے' حضرت عمر نے پوچھا: آپ کہاں کو چلے؟ فرمایا: بازار' حضرت عمر نے کہا: آپ کو مسلمانوں کے امور کا والی اور نگران بنایا گیا ہے اور آپ بازار میں کاروبار کرنے جا رہے ہیں؟ فرمایا: پھر میرے اہل و عیال کہاں سے کھائیں گے؟ حضرت عمر نے کہا: آپ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں وہ آپ کے لیے وظیفہ مقرر کریں گے' دونوں حضرات حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' انہوں نے فرمایا: میں آپ کے لیے مہاجرین میں سے ایک متوسط الحال فرد کے اخراجات کے مطابق خوراک مقرر کرتا ہوں' نیز گرمی اور سردی کے موسم میں ایک ایک جوڑا کپڑے' جب پہلا جوڑا پرانا ہو جائے تو اسے واپس کر دیں اور اس کے بدلہ میں کپڑوں کا نیا جوڑا لیں اور ہر روز کی آدھی بکری اعضاء رئیسہ سمیت۔

ابن سعد' میمون رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے' ان کا وظیفہ دو ہزار مقرر کیا گیا' آپ نے فرمایا: میرے وظیفہ میں اضافہ کرو کیونکہ میرے اہل و عیال ہیں اور آپ لوگوں نے مجھے تجارت سے روک کر اس کام میں لگا دیا ہے تو انہوں نے آپ کے وظیفہ میں پانچ سو کا اضافہ کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیت المال قائم کیا' امام حاکم کہتے ہیں: اسلام میں سب سے پہلا لقب حضرت ابوبکر کو ملا' آپ کو عتیق کا لقب ملا۔ حافظ سخاوی کہتے ہیں: سب سے پہلے آپ ہی کو شیخ الاسلام کا لقب ملا۔

شہاب احمد حلولو نے ''جمع الجوامع'' پر اپنی شرح میں کہا ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہونے پر علی الاطلاق تمام صحابہ کا اتفاق ہے۔ متعدد دلائل آپ کی خلافت کے متقاضی ہیں۔ کثیر تعداد میں ایسے دلائل شرح و بسط کے ساتھ بڑی بڑی کتب میں مذکور ہیں جو اس مفہوم کے مؤید ہیں' البتہ اس بارے میں صریح نص نہیں ہے اگر آپ کی خلافت پر صریح نص موجود ہوتی تو سقیفہ بنو ساعدہ میں بعض صحابہ تردد میں نہ پڑتے۔ باقی خلفاء راشدین کے لیے امیر المومنین کا نام صحابہ کرام کا مرہون ہے۔

حافظ ابن حزم نے ''نقط العروس'' میں کہا ہے کہ لوگوں کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں اختلاف ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں آپ کو اقتدار عطا فرمایا تھا' اہل اسلام کا اجتماعی طور پر آپ کو خلیفہ رسول ﷺ کا نام دینا اس پر نص ہے' حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو کسی نے بھی یہ نام نہیں دیا' جو حضرات حضور ﷺ کی عدم موجودگی میں مدینہ طیبہ میں آپ کے نائب مقرر ہوئے اور جن حضرات کو آپ ﷺ نے غزوات اور حج میں تشریف لے جانے پر اپنا قائم مقام بنایا ان میں سے کسی کو خلیفہ رسول نہیں کہا گیا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ہم نے طرق ثابتہ سے روایت کیا ہے کہ ایک خاتون نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں واپس آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ اس کا مطلب آپ کے

وصال سے تھا' آپ نے فرمایا: تو ابوبکر کے پاس آنا۔[۳] یہ حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے کتاب "الفیصل" میں مزید احادیث ذکر کی ہیں۔ وللہ الحمد

علامہ ابن جزی "القوانین" میں کہتے ہیں: خلفاء راشدین (خلفائے اربعہ) کی امامت تین وجوہ سے ثابت ہے:

(۱) ہر ایک میں امامت کی شرائط علی وجہ الکمال موجود تھیں۔

(۲) ہر ایک کی بیعت اور اطاعت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہوا اور اجماع حجت ہے۔

(۳) ان میں سے ہر خلیفہ راشد رسول اللہ ﷺ کی صحبت، ہجرت اور عظیم مناقب کا جامع تھا۔

قرآن مجید میں ان کی ثناء جمیل ہے اور مخبر صادق ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا اشارہ فرمایا تھا اور آپ نے ان کی اقتداء کا حکم فرما دیا تھا۔ حضرت ابوبکر کو حج میں مقدم فرمایا' اپنے مرض وصال میں انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ یہ چیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی دلیل ہے۔ پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ چھ رکنی مجلس شوریٰ کے سپرد کیا' انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مظلومانہ قتل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے عظیم فضائل اور اعلیٰ مرتبہ کے سبب اس منصب کے سب سے زائد حق دار تھے۔

خلفاء راشدین میں سے بالاتفاق سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہا گیا' اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بیعت کے بعد "خلیفہ رسول اللہ" کہا گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی' لوگ آپ کو خلیفہ خلیفہ رسول اللہ (رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کے خلیفہ) کہنے لگے' لیکن نام کی یہ طوالت ان پر گراں گزرتی تھی اور جملے کی طوالت سے اصل مقصود اور ضروری امتیاز باقی نہ رہا۔ چنانچہ بعض صحابہ آپ کو امیر المؤمنین کہنے پر متفق ہوئے' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے مکتوب میں آپ کو امیر المؤمنین لکھا' بالمشافہ گفتگو کے دوران حضرت عدی بن حاتم طائی' حضرت مغیرہ بن شعبہ یا حضرت عمرو بن العاص وغیرہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو امیر المؤمنین کہا' لوگوں کو یہ بات پسند آئی' اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایک سریہ میں یہ نام حضرت عبداللہ بن جحش کو عطا فرما چکے تھے اور انہیں اس لفظ سے مخاطب فرمایا تھا۔

حافظ سیوطی نے "المصباح الوھاج" میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سالار لشکر بنا کر شام کی طرف روانہ کیا گیا تو اس سفر میں صحابہ کرام حضرت اسامہ کو امیر المؤمنین کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ جب بھی حضرت اسامہ کو دیکھتے تو السلام علیک یا امیر المؤمنین کہتے تھے۔ حضرت اسامہ کہتے: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے' آپ مجھے امیر المؤمنین کہتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: میں تاحیات آپ کو امیر ہی کہوں گا کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال

---

۳ صحیح البخاری: ۳۶۵۹' ۷۲۲۰' ۷۳۶۰' صحیح مسلم: ۲۳۸۶' مسند احمد ج ۴ ص ۸۲' ۸۳' الطیالسی: ۹۴۴' "السنۃ" ابن ابی عاصم: ۱۱۵۱' شرح السنۃ بغوی: ۳۸۶۸ از جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ

ہوا تو آپ میرے امیر تھے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لشکر میں شامل تھے رسول اللہ ﷺ نے جس کا امیر حضرت اسامہ کو بنایا تھا)۔

علامہ تاج الدین سبکی نے صلاح صفدی کو اشعار کی صورت میں چند سوال بھیجے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا:

''وہ کون تھے جنہیں شہر اور دیہات پر حکمرانی کے بغیر امیر المؤمنین شمار کیا گیا' حالانکہ وہ غیر قریشی تھے اور ان کے لیے امیر المؤمنین بننا جائز نہ تھا''۔

حافظ سیوطی نے بھی ان سوالات کے جواب میں کہا:

''وہ صاحب جنہیں شہر اور دیہات پر حکمرانی کے بغیر امیر المؤمنین کہا گیا وہ اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں' جب نبی ﷺ نے انہیں ایک سریہ کا امیر مقرر فرمایا تھا اور صحابہ کرام نے دوران سفر ان کو یہ لقب دیا تھا''۔

خلفاء راشدین کے عہد مبارک کے بعد حکمرانوں نے اس لقب (امیر المؤمنین) کو اپنی علامت بنالیا اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے' اس سلسلہ میں خصوصاً بنوامیہ اور بغداد میں بنوعباس کے بادشاہوں کی مثالیں موجود ہیں۔

البتہ وہ حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں جو دیگر علاقوں میں خود کو اس لقب کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے اور خلافت کے مدعی تھے جیسے اپنے بھائی نفس زکیہ کی وصیت کے مطابق مغرب (شمالی افریقہ کے ممالک مراکش' الجزائر وغیرہ) کے امام ابو العلاء ادریس بن عبداللہ الکامل قدس اللہ روحہ الزکیہ ہیں' ابوجعفر المنصور عباسی کی بیعت سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت نفس زکیہ کی بیعت ہوئی تھی اور وہی شرعی طور پر خلیفہ تھے۔

ابن زکری کی ''ھمزیہ'' کی شرح میں ہے کہ نفس زکیہ کی امامت بنوعباس سے پہلے منعقد ہوئی تھی اسی لیے امام مالک اور امام ابوحنیفہ ان کی طرف مائل تھے' ان کی امامت کو بنوعباس کی امامت پر ترجیح دیتے تھے اور ان کی امامت کو ابوجعفر منصور عباسی کی امامت سے زیادہ صحیح سمجھتے تھے' اس کی وجہ یہی تھی کہ نفس زکیہ کی بیعت منصور سے پہلے کی گئی تھی۔ اس کی اصل حافظ التنسی کی ''الدر و العقیان'' میں ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے علاوہ دیگر حضرات نے کہا: بنوعباس کی بیعت منعقد نہیں ہوئی' کیونکہ وہ خارج تھے اور ابو العلاء ادریس کی بیعت ثابت ہے' یہی وجہ ہے کہ جناب ادریس اکبر نے اپنی بیعت کے وقت کے خطبہ میں فرمایا: لوگ جو چیز ہمارے پاس پاتے ہیں وہ ہمارے غیر کے پاس نہیں پاتے۔

المقری کی ''کنز الاسرار'' میں ہے بلادِ مغرب میں امام مالک کے مذہب کی اشاعت اور ادریس کا اپنی رعایا کو اس کی اتباع کے حکم دینے کا سبب یہ ہے کہ امام مالک نے ''المؤطا'' میں ان کے دادا عبداللہ الکامل کی روایت نقل کی ہے اور انہوں نے ابوجعفر المنصور کی بیعت منعقد نہ ہونے کے متعلق فتویٰ دیا' انہوں نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کی اور ان کے بعد ان کے بھائی ادریس اکبر کی خلافت کا عہد کیا۔ (ابن خلدون)[ـه]

گویا امام مالک ہی بلادِ مغرب میں ان کی حکمرانی کا سبب بنے' چنانچہ ادریس نے کہا: ہم امام مالک کے مذہب

ـه مشہور فلسفی' مؤرخ اور ماہر سماجیات علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمی الاشبیلی ''العبر و دیوان المبتدا والخبر فی تاریخ العرب والعجم والبربر'' ان کی مشہور کتاب ہے' جس کی ابتداء ''المقدمہ'' سے ہے۔ سن وفات ۸۰۸ھ (الاعلام زرکلی ج ۳ ص ۳۳۰)

کی اتباع اور ان کی کتاب "الموطا" کی قرأت کے زیادہ حق دار ہیں اور اس نے اپنی تمام عمل داری میں یہ حکم جاری کر دیا۔ (الدرالنفیس)

اسی طرح عبد الرحمٰن بن محمد الناصر اموی متوفی ۳۵۰ھ نے (اندلس میں) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ ابن جزی[ف] نے "قوانین" میں کہا ہے: اندلس میں سب سے پہلے "امیر المؤمنین" عبد الرحمٰن بن محمد الناصر کو کہا گیا۔

حافظ سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں لکھتے ہیں: مقتدر کے دورِ حکومت میں جب دولت عباسیہ روبزوال ہوئی تو اندلس میں عبد الرحمٰن بن محمد نے خلیفہ اور امیر المؤمنین کہلوایا، اس سے پہلے اندلس کے اموی حکمران صرف امیر کہلاتے تھے۔ "ازهار الرياض" میں ہے: عبد الرحمٰن ناصر اموی پہلا حکمران ہے جس کو اندلس میں امیر المؤمنین کہا گیا۔ الناصر کے دور میں مملکت اندلس عظمت کی بلندیوں پر تھی جب کہ مشرق میں عباسیوں کا نظام حکومت تنزلی اور بگاڑ کا شکار تھا اور عجمی سلطنت پر غالب آ چکے تھے۔

الناصر نے بغداد میں عباسی خلفاء کی کمزوری کے پیش نظر اپنے لیے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا پھر اس کے بعد آنے والے حکمرانوں نے اسی روش کو جاری رکھا، ۳۱۶ھ میں جامع مسجد قرطبہ میں الناصر کے خطیب نے جمعہ کے خطبہ میں الناصر کو امیر المؤمنین کہا، الناصر نے اپنے تمام عمال کو گشتی حکم جاری کیا کہ آئندہ اسے امیر المؤمنین لکھا اور کہا جائے، اس نے اپنے فرمان میں لکھا: ہم نے طے کیا ہے کہ ہمیں امیر المؤمنین کہا جائے، تمام فرامین اور آنے والے خطوط میں ہمارے لیے یہی لقب اختیار کیا جائے، کیونکہ نام نہاد امیر المؤمنین اس لقب کے مستحق نہیں رہے ہم کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہماری طرف سے تاخیر ضروری حق کو ضائع کرنے والی چیز اور صحیح نام اور لقب سے روگردانی ہے، سوتم اپنے علاقہ کے خطیب کو حکم دو وہ خطبہ میں ہمیں امیر المؤمنین کہے اور ہمارے نام اپنے مراسلوں میں ہمارے لیے یہی لقب استعمال کرو۔

افریقہ میں عبیدیوں کے پہلے حکمران عبید اللہ المہدی کو بھی امیر المؤمنین کہا گیا، اس کا خیال تھا کہ وہ مشرق میں اپنے ہم عصر عباسی حکمرانوں سے خلافت کا زیادہ حق دار ہے۔ "تاريخ دول اسلام" کا مصنف لکھتا ہے: سب سے پہلے عبید اللہ المہدی نے ہی عباسی خلفاء کے مقابلہ میں امیر المؤمنین کہلوایا، بعد میں اندلس کے حکمران عبد الرحمٰن الناصر اموی نے المہدی کی پیروی میں یہ لقب اپنایا۔ عبد الرحمٰن الناصر مشرق میں برسر اقتدار رہنے والے اپنے اموی اسلاف کی وجہ سے خود کو خلافت کا حق دار سمجھتا تھا۔

اس کے بعد مشرق میں عجمی بادشاہوں اور مغرب میں بربر حکمرانوں میں سے کسی نے بھی امیر المؤمنین کہلوانے کی جرأت نہیں کی، یہ قریشی خلیفۂ اعظم کا لقب رہا۔ تا آنکہ مرابطین اقتدار کے مالک ہوئے۔ یوسف بن تاشفین کا تعلق بھی مرابطین سے تھا، یوسف کی سلطنت بلادِ مغرب، مغرب اقصیٰ اور اندلس کے وسیع و عریض علاقے

[ف] ابو القاسم محمد بن احمد بن محمد بن عبد اللہ ابن جزی الکلبی، غرناطی اصول اور لغت کے عظیم عالم اور فقیہ۔ "القوانين الفقهية في تلخيص مذهب المالكية" اور "التسهيل لعلوم التنزيل" وغیرہ مشہور کتب کے مؤلف ۷۴۱ھ میں فوت ہوئے۔

(الاعلام، زرکلی ج ۵ ص ۳۲۵)

پر مشتمل تھی، مشرق سے عباسی خلیفہ نے یوسف بن تاشفین کو امیر المسلمین کا خطاب دیا اور اسے مذکورالصدر علاقوں کا والی اور حکمران قرار دیا، مرابطین خلیفۃ المسلمین کے احترام میں امیر المؤمنین کی بجائے امیر المسلمین کہلاتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یوسف بن تاشفین کو سب سے پہلے یہ لقب اندلس کے معتمد بن عباد نے دیا، یوسف نے اس کی تحسین کی، پھر بغداد کے حکمران نے اسے یہ لقب دیا، بعد میں آنے والے مرابطین حکمران اسی لقب سے ملقب ہوتے رہے۔

ابن ابی زرع نے جنگ زلاقہ (۴۷۹ھ) میں یوسف بن تاشفین کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے کہا: یوسف بن تاشفین نے اسی روز سے خود کو امیر المسلمین کہلوایا، قبل ازیں انہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: ابن ابی زرع کی طرح کئی لوگوں سے یہ بات منقول ہے، علامہ القرمانی کی کتاب ''اخبار الدول و آثار الاول'' میں ہے کہ مملکت مؤحدین کے بانی عبداللہ بن یاسین نے بیعت کے وقت قبیلہ لمتون کے سردار ابوبکر بن عمر کو امیر المسلمین کا نام دیا، اور یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یہ بیعت جنگ زلاقہ سے بہت پہلے ہوئی، سو یہ احتمال ہے کہ امیر المسلمین کے لقب سے سب سے پہلے ابوبکر بن عمر ملقب ہوا۔ بعد میں یوسف بن تاشفین کی جنگ زلاقہ میں فتح یابی کے بعد اندلس کے حکمران المعتمد بن عباد نے اسے امیر المسلمین کا لقب دیا اور عباسی خلیفہ نے اسے برقرار رکھا۔ اسی وجہ سے یہ مشہور ہوا کہ سب سے پہلے یوسف بن تاشفین نے یہ لقب اختیار کیا۔ واللہ اعلم

امیر المسلمین کا لقب مرابطین کا شعار رہا، ہماری لائبریری میں علی بن یوسف بن تاشفین متوفی ۵۳۰ھ کے لیے لکھے ہوئے ''الموطا'' کے بعض اجزاء موجود ہیں، یہ اجزاء باریک چمڑے پر لکھے گئے ہیں، اس کے بعض اجزاء کے شروع میں ہے: یہ کتاب امیر المؤمنین ناصر الدین علی بن یوسف بن تاشفین ادام اللہ تائیدہ ونصرہ کی لائبریری کے لیے یحییٰ بن محمد بن عباد اللخمی نے تحریر کی ہے۔

ہماری لائبریری میں یوسف بن تاشفین کے دور کے درہم کے سکے بھی موجود ہیں جن پر اسے امیر المؤمنین لکھا گیا ہے، اس سے احمد بن یوسف القرانی الدمشقی کی کتاب ''اخبار الدول و آثار الاول'' کے یوسف بن تاشفین کے تعارف کے تحت درج اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ یوسف نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا تھا۔

(ص ۲۵۴، مطبوعہ بغداد)

میں نے عیاض کی ''الغنیہ'' میں دیکھا انہوں نے یوسف بن تاشفین کے بیٹے علی کو بارہا امیر المؤمنین کے لقب سے ذکر کیا ہے، مرابطین کے بعد جب مؤحدین کی حکومت قائم ہوئی انہوں نے بھی اسی کی خواہش کی ابن جزی نے ''قوانین'' میں عبدالمؤمن بن علی المؤحدی کے متعلق کہا: اسے امیر المؤمنین کہا گیا۔

''تاریخ دول الاسلام'' کے مصنف کہتے ہیں: عبدالمؤمن کو ۵۲۸ھ میں امیر المؤمنین کا نام دیا گیا اور اس نے خلیفہ کی علامت اپنائی، پھر اس کی اولاد اس کے نقش قدم پر چلی، ہماری لائبریری میں مہدی بن تومرت کے حواشی سے مزین ''اختصار الموطا'' کا ایک نسخہ ہے اسے ۵۸۸ھ میں فاس میں لکھا گیا اس میں ابو یعقوب یوسف بن عبدالمؤمن

کو امیر المؤمنین کہا گیا ہے۔ مؤحدین سے یہ چیز بعید نہیں کیونکہ وہ تو اپنے امام ابن تومرت تک کے لیے مہدویت اور عصمت تک کے داعی تھے۔

فتح الباری میں "باب الائمة من قريش" کے تحت یہ عجیب بات مذکور ہے کہ خارجیوں کے ایک امام قطری کو امیر المؤمنین کہا گیا' خوارج کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی امیر المؤمنین کہلوایا' چنانچہ حجاج کے خلاف ہونے والوں میں سے ابن الاشعث کو امیر المؤمنین کہا گیا۔ پھر تو یہ حالت ہوگئی کہ دنیا کے کسی کونے میں جب بھی کسی کو اقتدار ملا اس نے خلیفہ کہلوایا حالانکہ ان میں سے کوئی بھی قریش کا نہ تھا جیسے اندلس میں بنوعباد اور بلادِ مغرب میں عبد المؤمن اور اس کی تمام اولاد۔

لیکن جب سلطنت مرینیہ قائم ہوئی یہ رسم ختم ہوئی اور اس کے حکمرانوں نے امیر المسلمین کہلوایا۔ چنانچہ ان کی عمارتوں اور آثار پر ہمیں امیر المؤمنین کی جگہ امیر المسلمین ملتا ہے۔ اس سے بنوعباس کے خلیفہ اور ان کے حکمران میں امتیاز نظر آتا ہے۔ ہماری لائبریری میں صدقۂ فطر کے لیے مقرر کردہ ان کے دور کا ایک مد (ماپنے کا ایک پیمانہ) موجود ہے جس پر امیر المسلمین نقش ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: الحمد للہ اس مبارک مد کی اصلاح کا مولانا امیر المسلمین ابوالحسن ابن مولانا امیر المسلمین ابی سعید ابن مولانا امیر المسلمین ابی یوسف بن عبدالحق ایدہ اللہ ونصرہ نے حکم دیا۔

ہماری لائبریری میں قرآن مجید کے ایک چوتھائی کے بقدر اوراق موجود ہیں' یہ اوراق باریک چمڑے کے ہیں ان کے آخر میں آبِ زر سے مرقوم ہے: سولھواں جزء تکمیل کو پہنچا' اسے مولانا ملک العادل التقی الاطہر امیر المسلمین' خلیفۂ رب العالمین ابوسعید ابن مولانا المقدس یوسف بن عبدالحق کے لیے لکھا گیا۔

اس معاملے میں تلمسان کے بنوزیان سے تعلق رکھنے والے بادشاہوں نے بھی ان کی پیروی کی' ہمارے کتب خانہ میں سلطان ابوزیان محمد بن ابی حم کے ہاتھ کا تحریر کردہ چوتھائی مصحف شریف موجود ہے اسے ۸۰۱ھ میں لکھا گیا' اس کے آخر میں ابوزیان کو امیر المسلمین لکھا گیا ہے۔

جب بغداد میں خلافت کا خاتمہ ہوا اور ہر طرف امراء کا طوطی بولنے لگا تو ابن الخطیب کے بقول یہ حالت ہو گئی۔

> جب خلافت کی لڑی ٹوٹ گئی اس کی اصل اور نشان مٹ گئے
> ہر خطہ زمین میں ایک بادشاہ کھڑا ہوا اور ہر ٹہنی پر ایک مرغا چیخنے لگا

ہر علاقہ کے حکمران امیر المؤمنین کہلوانے لگے اور اس لقب پر ٹوٹ پڑے' خصوصاً سلطنت سعدیہ کے فرمانروا اس معاملے میں سب سے آگے رہے' چنانچہ القرویین کے کتب خانہ میں موجود ان کی دستاویزات میں اس وصف کا بڑا فراخ دلانہ استعمال نظر آتا ہے' خصوصاً ان کے مثالی حکمران ابوالعباس المنصور کے دور کی دستاویزات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں حالانکہ وہ عثمانی ترکوں کا احترام کرتا تھا' اور عثمانی ترک خلفاء اس کے ولیٔ نعمت اور قابل احترام افراد تھے' بے شمار معاہدات اور اوقاف کی دستاویزات میں اس نے اپنے نام کے ساتھ بڑی دیدہ دلیری سے امیر المؤمنین

لکھا ہے‘ تا حال حکمرانوں کے امیر المؤمنین کہلانے کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔ اور ان (گرم سرد) دنوں کو ہم پھیرتے رہتے ہیں

(آل عمران: ۱۴۰) لوگوں کے درمیان۔

’’العبر‘‘ کے مقدمہ میں ’’امیر المؤمنین کا لقب خلافت کے شعار میں سے ہے اور خلفاء راشدین کے دور سے مروج ہے‘‘ کے زیر عنوان لکھا ہے جب خلافت کمزور ہوگئی اور بلادِ مغرب میں بربر قبائل کی معاونت سے یوسف بن تاشفین دو بادشاہوں کی سلطنت کے برابر وسیع و عریض‘ مضبوط و مستحکم مملکت پر حاوی ہو گئے‘ تو انہوں نے اپنی فطری خیر کے زیر اثر عباسی خلیفہ کی اطاعت میں شامل ہونے کا ارادہ کیا تا کہ اس کا دینی تقاضہ تکمیل کو پہنچے‘ اس نے خلیفہ المستظہر عباسی کو عریضہ بھیجا اور علم و فضل میں ممتاز اشبیلیہ کی دو شخصیات عبد اللہ ابن العربی اور ان کے صاحبزادے قاضی ابوبکر کو بغداد روانہ کیا تا کہ وہ ان کی طرف سے خلیفۂ بغداد کی بیعت کریں اور بلادِ مغرب پر اس کو حکمرانی کی سند عطا کریں‘ خلیفہ نے ان کی درخواست قبول کی‘ یہ لوگ مغرب اقصیٰ پر اس کی حکمرانی کے دور میں واپس آئے‘ خلیفہ نے انہیں خلعتوں سے نوازا اور یوسف بن تاشفین کو امیر المؤمنین کے لقب سے عزت بخشی‘ اور یوسف بن تاشفین نے یہ لقب اختیار کر لیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یوسف بن تاشفین اگرچہ رتبہ میں خلیفہ سے کم نہ تھا تاہم اس نے بطور ادب امیر المسلمین کہلوایا۔ یوسف بن تاشفین اور ان کی قوم (مرابطین) دین اور اتباعِ سنت کے دعوے دار تھے۔

بعد میں عبد المؤمن الموحدی نے امیر المؤمنین کا لقب اپنا لیا‘ اس کے بعد عبد المؤمن کی اولاد میں سے تمام حکمرانوں نے اور پھر آل ابن حفص کے حکمرانوں نے یہ لقب اختیار کیا بلکہ اس لقب کو اپنے لیے خاص کر لیا۔

جب بلادِ مغرب میں ان کی حکومت اختتام کو پہنچی اور زناتہ (ایک بربر قبیلہ) نے تسلط حاصل کر لیا تو پھر معاملہ اسی پہلی بدویت اور معمول کے انداز فکر پر جا پہنچا‘ ان کے حکمرانوں نے احتراماً خود کو امیر المؤمنین کہلوانا پسند نہ کیا‘ کیونکہ یہ لوگ پہلے بنو عبد المؤمن اور پھر بنو حفص کی اطاعت میں رہ چکے تھے۔ تاہم بعد میں آنے والے حکمرانوں نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر لیا اور عہد کی پاسداری نہ کی۔

لیکن یوسف بن تاشفین اور بنو مرین کے تذکرہ کے بعد ’’العبر‘‘ کے مؤلف کا انہیں امیر المؤمنین لکھنا (جیسا کہ مصر سے شائع شدہ اس کتاب کی دونوں اشاعتوں میں ہے) غلط ہے صحیح امیر المسلمین ہے اور یہی معروف ہے۔

اسی طرح مؤلف کا یہ لکھنا بھی درست نہیں ہے کہ یوسف بن تاشفین نے عبد اللہ بن العربی اور اس کے صاحبزادے قاضی ابوبکر کو عباسی خلیفہ المستظہر کے پاس بیعت کی طلب میں بھیجا‘ کیونکہ ابن العربی اور اس کے والد اندلس میں المعتمد بن عباد کی حکومت کے سقوط کے بعد یوسف بن تاشفین کے خوف سے مشرق کی طرف فرار ہو گئے تھے۔ عبد اللہ بن العربی کا اسی سرگردانی میں مشرق میں انتقال متفقہ ہے‘ اس کا بیٹا ابوبکر عرصہ تک وہیں رہا وہ مراکش واپس نہیں آیا بلکہ اپنے شہر کو واپس گیا‘ ان کے مشرق کی طرف فرار پر ان کی جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی تھی۔ جب ابوبکر واپس آ گیا تو حافظ ابو علی الصدفی کی سفارش پر اس کی جائیداد واگزار ہوئی۔

مزید تفصیلات کے لیے ابن العربی کی کتاب "العواصم" پر ہماری کتاب ملاحظہ کریں۔

شرعی اور اصطلاحی حیثیت سے خلیفہ' بادشاہ اور سلطان میں فرق

امام جلال الدین سیوطی نے "حسن المحاضرہ" جزء ثانی ص ۱۰۸ پر یہ عنوان قائم کیا ہے اور "طبقات ابن سعد" کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر آپ نے مسلمانوں کی سرزمین سے ایک درہم یا اس سے کم یا زیادہ لیا پھر اسے ناحق میں استعمال کیا تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو نکل آئے۔

امام سیوطی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: بخدا مجھے نہیں معلوم میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟ اگر میں بادشاہ ہوں تو یہ بڑی بات ہے' ایک صاحب نے کہا: امیر المؤمنین! ان میں فرق ہے' آپ نے کہا: وہ کیا ہے؟ کہا: خلیفہ حق ہی لیتا ہے اور حق ہی میں استعمال کرتا ہے اور بحمدہ تعالیٰ آپ ایسے ہی ہیں' اور بادشاہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے' وہ اس سے لیتا ہے اور اُس کو دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

اصطلاح میں سلطان کسے کہتے ہیں؟ "المسالک" میں ابن فضل اللہ نے کہا: علی بن سعید نے ذکر کیا ہے: اصطلاح میں سلطان ایسے حکمران کو کہتے ہیں جس کی سلطنت میں متعدد ممالک ہوں اور وہ ان سب کا مالک ہو' مثلاً مصر اور اہل شام یا افریقہ اور اندلس اس کے تابع فرمان ہوں' اس کا لشکر دس ہزار یا اس سے لگ بھگ گھڑسواروں پر مشتمل ہو' اگر اس کے قبضہ اور سلطنت میں اس سے زائد ممالک ہوں یا اس کا لشکر دس ہزار سے زائد ہو تو اسے سلطان اعظم کہنا جائز ہے' اور اگر اس کے نام کا خطبہ مثال کے طور پر مصر' شام' الجزائر یا خراسان' عراق اور ایران یا افریقہ' مغرب اوسط اور اندلس کے شہروں میں پڑھا جائے تو اسے سلطان السلاطین کہا جاتا ہے جیسے سلجوقی سلاطین۔

(حسن المحاضرہ' تاریخ القرمانی ص ۲۲۱)

لطیفہ

"مناهج الالباب المصرية في مناهج الآداب العصرية" میں ہے: ایک رات عبداللہ بن علی اور صالح بن علی چند ہمراہیوں سمیت ابوجعفر المنصور کے پاس حاضر ہوئے' عبداللہ بن علی نے کہا: امیر المؤمنین! عبد اللہ بن مروان جب بلادِ نوبہ کی طرف بھاگ نکلا' اس کے اور نوبہ کے بادشاہ کے درمیان عجیب وغریب حیرت انگیز گفتگو ہوئی تھی جو اس وقت میرے حافظہ میں نہیں' اگر امیر المؤمنین مناسب سمجھیں تو اسے ہماری موجودگی میں بلائیں اور اس سے وہ بات پوچھیں۔ عبداللہ بن مروان لشکر میں تھا' ابوجعفر نے اسے بلوا بھیجا' جب عبداللہ حاضر ہوا تو ابوجعفر نے اسے اپنے اور نوبہ کے حکمران کے مابین ہونے والی گفتگو بتانے کو کہا' اس نے کہا: امیر المؤمنین! میں اپنے پیروکاروں کے ساتھ فوری فروخت ہونے والا کچھ سامان لے کر بلادِ نوبہ کی طرف بھاگ گیا۔ جب میں ان کے علاقوں میں داخل ہوا تو میں نے یہ سامان فروخت کے لیے پیش کر دیا' نوبہ والے پسندیدگی کی نظر سے میرا

سامان تجارت دیکھنے لگے، یہاں تک کہ بادشاہ کو بھی یہ خبر ملی، بادشاہ میرے پاس آیا اور زمین پر بیٹھ گیا، کہنے لگا: تم لوگ شراب پیتے ہو حالانکہ وہ تم پر حرام کی گئی ہے، میں نے کہا: ہمارے غلام اور پیروکار جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، کہنے لگا: تم ریشمی کپڑے کیوں پہنتے ہو اور سونے کے زیورات کیوں استعمال کرتے ہو، حالانکہ یہ دونوں تم پر حرام ہیں؟ میں نے کہا: ہمارے ملک پر زوال آ گیا ہماری قوت منتشر ہو گئی ہم نے عجمی لوگوں سے مدد طلب کی، ریشم اور زیورات کا استعمال ان کے فیشن اور وضع قطع کا حصہ تھا تو ہم نے ان کی مخالفت نامناسب سمجھی، وہ کچھ دیر سر جھکائے خاموشی سے اپنا ہاتھ ہلاتا رہا پھر خود کلامی کے انداز میں بار بار کہنے لگا: ہمارے غلام، پیروکار اور عجمی ہمارے دین میں داخل ہو گئے، پھر مجھے دیکھ کر کہا: معاملہ اس طرح نہیں جیسے تو نے کہا: بلکہ تم ایسی قوم ہو تمہیں ملک ملا تم نے ظلم کیا، جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا گیا تھا تم نے انہیں چھوڑ دیا اور جن چیزوں سے تمہیں منع کیا گیا تھا تم ان کی طرف مائل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری عزت چھین لی اور تمہارے گناہوں کے بدلہ میں تمہیں ذلیل کر دیا، بخدا تمہاری سزا ابھی پوری نہیں ہوئی، مجھے اندیشہ ہے کہیں میرے ملک میں تم پر سزا کا کوڑا نہ برسے اور ہم بھی اس کی زد میں آ جائیں، تم میرے ملک سے نکل جاؤ۔ ابوجعفر یہ سنتے ہی کھڑا ہو گیا۔

یہی مفہوم اس آیت کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے:

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۶)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں پھر وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں تو ان پر (عذاب کا) قول ثابت ہو جاتا ہے اس لیے ہم اسے ہلاک کر کے برباد کر دیتے ہیں۔

اس جیسا واقعہ المسعودی نے ''مروج الذهب'' میں ابن خلدون نے ''مقدمة العبر'' میں ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھیے خطیب ابن مرزوق کی کتاب ''المسند الصحيح الحسن فی مآثر امير المؤمنين ابی الحسن'' اور ''ايضاح المراشد فی اجوبة ابی راشد'' الماوردی المالکی کی کتاب ''القضاء من شرح التقليد'' کا مقدمہ ماوردی نے خلافت کے مواضع تحریر کیے ہیں اور اس کے طرق اور اس کی ضروریات کی تلخیص وتہذیب کی ہے۔ امام الحرمین الجوینی نے خلافت کے موضوع پر ''غياث الامم فی التياث الظلم'' لکھی ہے یہ کتاب تین ارکان پر مشتمل ہے: رکن اول: امامت اور اس سے متعلق ابواب، رکن ثانی: کسی دور کا ائمہ اور والیانِ امت سے خالی ہونا، رکن ثالث: تمام حاملین شریعت کے معدوم ہو جانے کا بے سروپا عذر پیش کرنا۔ امام الحرمین نے یہ کتاب غیاث الدولہ کے لیے تحریر کی، مصر کی الخدیویہ لائبریری میں یہ کتاب موجود ہے۔ اسی طرح ابو العباس احمد بن محمد بن یعقوب کی کتاب ''نصيحة الصفافی قواعد الخلفاء'' ہے، یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے: (۱) خلافت کا معنی (۲) اس کی حفاظت (۳) اس کا استحکام (۴) اس کا کمال اور زوال (۵) اسے خلافتِ اخروی تک کامیاب رسائی کا وسیلہ بنانا۔

لطیفہ

الثعالبی کی "ثمار القلوب" میں ہے: ابوالفتح البستی "کتاب المبہج" میں درج میرے اس قول کو پسند کرتے تھے کہ: بادشاہی اللہ کی طرف سے اس کے بندوں اور شہروں پر جانشینی ہے' سو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی صورت میں اس کی جانشینی اور خلافت قطعاً درست نہیں ہو سکتی۔

"تکملة الدیباج" میں ابوعبداللہ المقری التلمسانی کا یہ قول مذکور ہے کہ مجھ سے بعض فقراء نے سوال کیا: مسلمان اپنے بادشاہوں کے متعلق بدبختی کا شکار کیوں ہیں' ان کا کوئی حکمران ایسا نہیں ہوتا جو انہیں راہِ راست پر چلائے بلکہ سب آخرت سے غافل اور دنیا میں مگن رہتے ہیں' وہ کسی مومن سے محبت کرتے ہیں نہ ان کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: ہماری شریعت میں بادشاہ نہیں ہوتے بلکہ بادشاہ ہم سے پہلوں کی شریعت میں ہوتے تھے' اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل پر اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے: "وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا" (المائدہ:۲۰) اور تمہیں بادشاہ کیا" البقرہ:۲۴۷ میں ارشاد فرمایا: "قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا". تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے" حضرت سلیمان نے دعا کی "وَهَبْ لِي مُلْكًا". (ص:۳۵) مجھے بادشاہی عطا فرما"۔

ہمارے لیے خلافت کو مشروع کیا گیا ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے خلیفہ تھے' صحابہ کا ان کی خلافت پر اجماع ہوا' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے' باپ کے بعد بیٹے کے حکمران بننے کا سلسلہ نہ تھا بلکہ رائے اور اختیار سے خلافت منعقد ہوئی' پھر اہل شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے بیٹوں کے حوالے نہیں کیا کیونکہ یہ بادشاہی نہ تھی' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا کہ فضائل وعظمت میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا' سو جس نے حق کو خواہش پر اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اس نے آپ کی بیعت کر لی' اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔ حضرت معاویہ نے خلافت کو ملوکیت اور سختی کو نرمی سے بدل دیا' سخت کوشی کی جگہ نرمی ونزاکت آ گئی۔

إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ یقیناً آپ کا رب اس کے بعد ضرور بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (النحل:۱۱۰)

خلافت میراث بن گئی' جب خلافت کی روح ختم ہو گئی' مملکت کا استحکام برقرار نہ رہا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تھے' کیونکہ سلیمان نے مسلمانوں کے حق کو ترجیح دی' اپنے بھائیوں کو حکمران نہ بنایا' عمر بن عبدالعزیز کی طرف لوگوں کی اجتماعی رائے کا احترام کیا۔ استقامت کا راستہ صرف خلیفہ ہی پسند کرتا اور اپناتا ہے' رہے بادشاہ تو وہ عمومی طور پر اوران کی غالب اکثریت ناپسندیدہ راہوں کی راہی ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی[1] نے "فتح الباری" کی کتاب الاحکام کے شروع میں بنو امیہ کے ایک حکمران کو کسی تابعی کا نفیس جواب نقل کیا ہے' جب اس حکمران نے اس تابعی سے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا کہ تم میری

[1] امام حافظ کبیر' احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری فی شرح البخاری اور تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر' وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

اطاعت کرو، ارشاد ربانی ہے: "وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ" (النساء:۵۹) اور ان کی جو تم میں سے امر والے ہوں" انہوں نے جواباً کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے حق کی مخالفت کی صورت میں یہ حق چھین نہیں لیا، ارشاد فرمایا:

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ. (النساء:۵۹) پھر اگر تم جھگڑا کرو کسی چیز میں تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور قیامت کے دن پر۔

علامہ الطیبی فرماتے ہیں: قرآن مجید میں "اطیعوا الرسول" میں فعل کی تکرار رسول اللہ ﷺ کی مستقل اطاعت کی طرف اشارہ ہے، اولی الامر کے ساتھ فعل "اطیعوا" کا اعادہ نہیں ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ بعض حکمران ایسے بھی ہوں گے جن کی اطاعت ضروری نہیں ہوگی، پھر ارشاد فرمایا: "فان تنازعتم في شيء. پھر اگر تم جھگڑا کرو کسی چیز میں" گویا یہ فرما دیا اگر حکمران حق پر عمل نہ کریں تو ان کی اطاعت نہ کرو اور اپنے باہمی اختلافات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف لوٹا دو (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی روشنی میں ان امور کو فیصلہ کرو)۔

وزیر

قاضی ابوبکر ابن العربی نے "احکام القرآن" میں کہا ہے: وزیر وہ شخص ہوتا ہے جس کے دین اور عقل پر وثوق ہو، خلیفہ پیش آمدہ امور میں اس سے مشورہ کرے۔ ابن العربی نے "سراج المریدین" اور "الاحکام" میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے جس میں منقول ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما زمین والوں میں نبی ﷺ کے وزیر ہیں۔

میں کہتا ہوں ابن جزی کی "القوانین" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کے وزیر تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں انہیں یہی مرتبہ اور مقام حاصل تھا، اسی مرتبہ اور مقام کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں نے انہیں خلیفہ منتخب کیا۔

امام حاکم نے حضرت سعید بن المسیب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ہاں وزیر کا مقام رکھتے تھے، آپ ﷺ تمام امور میں ان سے مشورہ فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام میں ثانی، غار میں ثانی، غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے لیے تیار کردہ عریش (سائبان، چھپر) میں ثانی اور قبر میں ثانی تھے، رسول اللہ ﷺ ان کو سب پر مقدم رکھتے تھے[1]

(تاریخ الخلفاء ص ۴۳)

بہت سی احادیث میں وزیر کا ذکر آیا ہے، امام نسائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کرتے ہیں کہ نبی

[1] ضعیف حدیث، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۳، ذہبی نے "تلخیص" میں کہا ہے: اس کے اسناد میں مجہول راوی ہے۔

ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تمہارے کسی حکمران (والی) کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے صالح وزیر عطا فرماتا ہے، اگر والی بھول جائے وہ اسے یاد دلاتا ہے اور اگر اسے یاد ہو تو وہ اس کی مدد اور اعانت کرتا ہے[8]

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی امیر (حکمران، والی) کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے سچا وزیر عطا فرماتا ہے جو بھول چوک میں اسے یاد دلاتا ہے اور یاد ہو تو اس کی اعانت کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کے لیے خیر کا ارادہ نہیں فرماتا اسے بُرا وزیر عطا کرتا ہے اگر امیر بھول جائے وہ اسے یاد نہیں دلاتا اور اگر یاد ہو وہ اس کی اعانت نہیں کرتا[9] اس حدیث کی اصل صحیح میں موجود ہے۔

امام ابوداؤد نے سنن میں اس حدیث پر "باب اتخاذ الوزیر" کا عنوان قائم کیا ہے۔ امام طبرانی نے "الجامع الصغیر" میں اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ علامہ مناوی نے "التیسیر" میں کہا ہے کہ مؤلف نے اس حدیث کے حسن ہونے کا اشارہ کیا ہے، شاید انہوں نے اس حدیث کے شواہد کی وجہ سے یہ اشارہ کیا ہے، ورنہ حافظ العراقی نے اس کے ضعف پر جزم کیا ہے۔

علامہ شمس العلقمی نے "الکوکب المنیر" میں اس کے لیے حسن کی علامت لگائی ہے۔ اور کہا: وزیر وہ ہے جو امیر (حکمران) کو مدد بہم پہنچائے، اس کی ذمہ داریوں کو بوجھ اٹھائے، امیر اہم امور میں اس سے مشورہ لے وہ امیر کی پناہ گاہ اور مصیبت کے وقت معاون و مددگار ہو۔

"عون الودود علی سنن ابی داؤد" میں ہے یہ حدیث ضرورت کے وقت سیاسی امور میں وزیر منتخب کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔

(علامہ کتانی مؤلف کتاب لکھتے ہیں:) علامہ الخزاعی کو یہاں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر کرنا چاہیے تھا جسے امام احمد، البزار اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں روایت کیا ہے اور علامہ ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب میں نظر کی تو قلب محمد ﷺ کو سب قلوب سے بہتر پایا سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پسند فرما لیا اور اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور بندوں کے قلوب میں نظر فرمائی تو اصحاب محمد ﷺ کے قلوب کو بندوں کے قلوب سے بہتر پایا سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کے وزیر بنا دیا جو چیز مسلمانوں کی نظر میں حُسن ہے وہ اللہ کے نزدیک حُسن ہے اور جو چیز مسلمانوں کی نگاہ میں بُری ہے وہ اللہ کے ہاں بُری ہے[10]

اور علامہ آجری کی "الاربعین" میں حضرت عبد الرحمٰن بن عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کردہ

8۔ صحیح حدیث، نسائی ج ۷ص ۱۵۹، بیہقی ج ۱۰ص ۱۱۱ از عائشہ رضی اللہ عنہا، اس کا اسناد صحیح ہے۔

9۔ صحیح حدیث، ابوداؤد: ۲۹۳۲، کامل ابن عدی ج ۳ص ۱۰۷۶، بیہقی ج ۱۰ص ۱۱۱۔۱۱۲، از ولید بن مسلم ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے: ۱۴۹۱۔

10۔ بلا اصل، مرفوع حدیث۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے، مسند احمد: ۳۶۰۰، مسند الطیالسی ص ۲۳، معجم ابوسعید بن الاعرابی ج ۲ص ۸۴، از عاصم از زر بن حبیش باسناد حسن۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۵۳۳

یہ حدیث ذکر کرتے: اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لیے میرے اصحاب کو منتخب فرمایا' ان میں سے وزراء انصار (مددگار) اور سسرال بنائے' جس شخص نے انہیں برا بھلا کہا اس پر اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نیک عمل اور فدیہ قبول نہیں فرمائے گا۔

امام سیوطی کی "انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب" میں ہے رسول اللہ ﷺ کی چار وزراء سے مدد کی گئی' جبرائیل' میکائیل' ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما' ہر نبی کو سات نجباء (اپنی ذات میں ممتاز افراد) دیئے گئے اور رسول اللہ ﷺ کو چودہ نجباء عطا فرمائے گئے۔

البدر الرومی اس پر اپنی شرح میں لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں متعدد طرق سے مروی حدیث میں اختلاف کے ساتھ ان چودہ حضرات کے نام مذکور ہیں' ایک روایت میں ہے: کوئی نبی ایسا نہیں آیا جسے سات نجباء' وزراء اور رفقاء نہ دیئے گئے ہوں اور مجھے چودہ عطا فرمائے گئے: حمزہ' جعفر' ابوبکر' عمر' علی' حسن' حسین' عبداللہ بن مسعود' سلمان' عمار بن یاسر' حذیفہ' ابوذر' بلال اور مصعب (رضی اللہ عنہم)۔

"سیرۃ ابن فارس" میں ہے: آپ کے رفقاء نجباء حضرت علی' حسن' حسین' حمزہ' جعفر' ابوبکر' عمر' ابوذر' مقداد' سلمان' حذیفہ' ابن مسعود' عمار بن یاسر اور بلال رضی اللہ عنہم ہیں۔

"الاستیعاب" میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو سات نجباء' وزراء اور رفقاء عطا کیے گئے اور مجھے چودہ عطا فرمائے گئے' پھر ان کے نام ذکر کیے' کسی روایت بعض کے نام پہلے ہیں اور کہیں بعد میں ہیں' مقصود تعداد اور ناموں کا بیان ہے۔

اس پوری بحث سے آپ کو "الجیش" میں مذکور ابوعبداللہ اکنسوس کے اس قول کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ جب اسلام آیا' ملوکیت خلافت میں بدل گئی' ملوکیت کے رسوم اور اس کے ضروری تقاضے بدل گئے' اب صرف مشوروں' فوائد کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ کے لیے معاونت کی ضرورت باقی رہی اور یہ ضرورت فطری اور طبعی ہے جس سے صرف نظر ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے مشورہ لیتے' ہر عام خاص مہم میں ان سے گفتگو فرماتے اور ان کی رائے دریافت فرماتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں دیگر خصوصیات سے بھی نوازے جاتے چنانچہ عرب کے جن لوگوں نے قبل از اسلام کسریٰ' قیصر' نجاشی اور عجمی درباروں تک رسائی حاصل کر لی تھی اور ان کے طور طریقوں سے واقف تھے ان میں سے بعض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کا وزیر کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں یہی حیثیت تھی تاہم اہل عرب اس مرتبہ کے لیے وزیر کا لفظ نہیں جانتے تھے۔ البتہ جن لوگوں کا اہل عجم سے ربط و تعلق تھا ان کے ہاں یہ لفظ معروف تھا۔

(تلخیص از ابن خلدون)

القلقشندی نے "صبح الاعشی" میں قضاعی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جسے وزارت کا لقب دیا گیا وہ بنو عباس کے پہلے خلیفہ ابوالعباس السفاح کا وزیر ابوسلمہ حفص بن سلیمان الخلال ہے۔ اس سے

پہلے یہ لقب کسی کو نہیں ملا۔ پھر تمام خلفاء اور بادشاہوں نے اپنے اپنے دور میں وزراء کا تقرر کیا۔

قرآن مجید میں بعض گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرہ میں وزیروں کا ذکر آیا ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ (طٰہٰ:۲۹) اور میرے اہل میں سے میرا ایک وزیر بنا دے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو

(الفرقان:۳۵) وزیر بنایا ۝

حضور ﷺ کے راز دار

خطیب نے "تاریخ بغداد"[11] میں تصریح کی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے راز دار تھے۔ "سنن نسائی" میں بھی ان کو یہی نام دیا گیا ہے، روایت یہ ہے مشہور تابعی علقمہ شام میں گئے، دمشق میں ان کی حضرت ابوالدرداء سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم میں نبی ﷺ کے راز دار موجود نہیں، جن رازوں کو ان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا (تمہیں ان سے رجوع کرنا چاہیے تھا)۔[12]

"اسد الغابہ" میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ منافقوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے راز دار تھے، منافقوں کو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو منافقوں کے متعلق آگاہ فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا: کیا میرے عمال (حکام، کارندوں) میں کوئی منافق ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں ایک ہے، پوچھا: کون؟ انہوں نے بتانے سے معذرت کر لی، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: پھر حضرت عمر نے اسے الگ کر دیا۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اشارہ سمجھ گئے اور اس منافق کو منصب سے معزول کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے حاجب (اجازت لینے والے)

علامہ الشبر املسی "حواشی المواھب" میں کہتے ہیں: حاجب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کرنے والوں کے لیے اجازت طلب کرتا۔ حضور ﷺ کی رضا مندی معلوم ہونے پر آنے والے کو اندر جانے دیتا۔ رسول اللہ ﷺ کے حاجب کون تھے؟

امام مسلم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضرت جابر نے کہا: حضرت ابوبکر نے

---

[11] تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۶۱۔۱۶۲

[12] صحیح البخاری: ۳۷۴۲، ۳۷۴۳، ۳۷۴۴، سنن کبریٰ نسائی: ۱۰۹۵۶، مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۹۔۴۵۰، تاریخ خطیب ج ۱ ص ۱۶۲ از ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی' لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے تھے ان کو اجازت نہیں ملی تھی' آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو اجازت مرحمت فرمائی وہ اندر داخل ہوئے' پھر حضرت عمر آئے انہوں نے اجازت طلب کی[۱۳]

قضاعی کی کتاب ''انباء الانبیاء'' میں ہے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے حاجب تھے۔ ابن العربی ''الاحکام'' میں کہتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے اور آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اس میں کم سن کو حاجب بنانے کی دلیل ہے' صحیح بخاری کی کتاب النکاح میں مروی ایک طویل حدیث میں حضرت ابن عباس کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا' میں نے حضور ﷺ کے غلام اسود سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو[۱۴] ابن جماعہ کی ''مختصر السیر'' میں ہے حضور ﷺ کے حاجب آپ کے غلام رباح اسود اور انسہ تھے۔

رباح اسود مذکور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس وقت اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی جب حضور ﷺ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق بالا خانہ میں تشریف فرما تھے[۱۵] ''الاصابہ'' ص ۳۲ میں ہے آپ کے غلام اسد بھی آپ کے حاجب تھے' صاحب اصابہ نے اسے معتصم بن صمادح کے لیے عباد بن محمد اندلسی کی جمع کردہ تاریخ سے نقل کیا ہے' اس میں ہے حضرت انس اور حضور ﷺ کے غلام اسد رضی اللہ عنہ آپ سے اجازت طلب کرتے تھے۔ حضرت انسہ کی کنیت ابو یسرح یا ابو یسروح تھی۔ مصعب زبیری کی نقل کے مطابق جب حضور ﷺ بیٹھ جاتے انسہ حاضری کے طلب گاروں کے لیے اجازت طلب کرتے' ان کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال ہوا۔

''الاصابہ'' میں حضرت انسہ کے حالات میں یہی مذکور ہے۔ لیکن اس میں یہ بحث بھی ہے کہ صحیح نام انیس ہے یا انسہ؟ یا یہ دو مختلف حضرات ہیں۔ ''الاستیعاب'' میں رسول اللہ ﷺ کے غلام رباح کے بارے میں ہے وہ حبشی نژاد (سیاہ فام) تھے' بعض اوقات جب رسول اللہ ﷺ تنہا ہوتے تو عموماً رباح رضی اللہ عنہ ہی اجازت لیتے تھے۔ ''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن زغب الایادی کے تذکرہ میں ہے ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نبی ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے۔

بعض وفود کو حاضری کی اجازت نہ دینے کا بیان

''الاصابہ'' میں مالک بن ابی العیزار کے تذکرہ میں ہے جو بقول صاحب اصابہ کے ابراہیم الحربی کی ''غریب الحدیث'' میں بھی مذکور ہے' عائذ بن سعید الجسری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

۱۳ صحیح حدیث' مسلم: ۱۴۷۸/۸ از جابر رضی اللہ عنہ

۱۴ صحیح حدیث' البخاری: ۲۴۶۸/۸ ـ ۵۱۹۱' صحیح مسلم: ۱۴۷۹/۹' جامع ترمذی: ۳۳۱۸/۸' مسند احمد ج ۱ ص ۳۳ ـ ۳۴' ابن حبان: ۴۲۶۸/۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷ ـ ۳۸' از ابن عباس از عمر رضی اللہ عنہما

۱۵ صحیح حدیث' مسلم: ۱۴۷۹/۹

ہمارا وفد نبی ﷺ کے ہاں پہنچا‘ وہاں ہماری ملاقات ضحاک بن سفیان اور ابن ذی اللحیہ الکلابی سے ہوئی‘ انہیں ملاقات کی اجازت نہیں ملی تھی‘ انہوں نے وفد کے رکن مالک سے کہا: جسریوں کا وفد آیا ہے جب تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دو تو اس اس طرح کہنا: مالک نے کہا: میں تمہاری تلقین سے زیادہ حاضری کی اجازت کا محتاج ہوں۔ پھر مالک نے بآواز بلند کہا: یا رسول اللہ! جسریوں کے وفد کو اجازت مرحمت فرمائیں تو ہمیں حاضری کی اجازت مل گئی۔[16]

ابن عبدربہ کی ’’العقد الفرید‘‘ (ج ۴ ص ۱۷۴) میں ہے رسول اللہ ﷺ کے حاجب آپ کے غلام ابوانسہ تھے۔

’’صبح الاعشی‘‘ میں حجابت کی بحث میں مؤلف نے کہا: خلفاء راشدین کے ہاں حاجب کی ذمہ داری خلیفہ کے دروازے کی حفاظت اور آنے والوں کے لیے حاضر ہونے کی اجازت طلب کرنا تھا۔ اس کا کام شکایات کا ازالہ یا احکام کا نفاذ نہ تھا۔ علامہ قضاعی نے ’’تاریخ الخلائف‘‘ میں ذکر کیا ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے تمام خلفاء حاجب مقرر کرتے رہے ہیں‘ حاجب کو شدید کہا جاتا تھا‘ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام شریف آپ کا حاجب تھا‘ یرفا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حاجب تھا‘ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران اور نائل ان کے حاجب تھے‘ قنبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حاجب تھا‘ اس سے پہلے آپ کا غلام بشر حاجب رہا۔ ’’فتح الباری‘‘ میں ’’کتاب الاحکام‘‘ سے منقول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے باہمی جھگڑے والے واقعہ میں حاجب مقرر کرنے کا ثبوت ہے‘ اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حاجب کا نام یرفا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے دربان

’’صحیح البخاری‘‘ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ ایک خاتون کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی‘ آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈر اور صبر کر‘ اس خاتون نے کہا: آپ مجھ سے ہٹ جائیں آپ کو میری مصیبت جیسی مصیبت نہیں پہنچی‘ وہ آپ کو نہ پہچانی‘ اسے نبی ﷺ کے متعلق بتایا گیا تو وہ نبی ﷺ کے دروازے پر آئی وہاں کوئی دربان نہ پایا۔ عرض گزار ہوئی: میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا‘ نبی ﷺ نے فرمایا: صبر تو صدمہ کی ابتداء میں ہوتا ہے۔[17]

(مؤلف کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح البخاری میں احکام اور جنائز کے ابواب میں موجود ہے‘ اس میں دربانوں کا نہ پانا مذکور ہے‘ اس جملے کا مفاد یہ ہے جب اس خاتون کو رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا گیا اس پر

---

[16] ے ابن مندہ اور ابراہیم الحربی نے ’’غریب الحدیث‘‘ میں روایت کیا ہے۔ الاصابہ: ۶۷۶۲‘ از عائذ بن سعید الجسری‘ بقول حافظ ابن حجر ابراہیم الحربی نے کہا ہے کہ اس میں نامعلوم راوی ہے‘ کمزور‘ ناقابل اعتماد روایت۔

[17] صحیح حدیث‘ البخاری: ۱۳۰۲۔۱۲۵۲‘ ابوداؤد: ۳۱۲۴‘ ترمذی: ۹۸۸‘ نسائی ج ۴ ص ۲۲‘ ابن ماجہ: ۱۵۹۶‘ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۳۔۲۱۷‘ ابو یعلیٰ: ۳۴۵۸۔۳۵۰۴‘ بیہقی ’’السنن الکبریٰ‘‘ ج ۴ ص ۶۵‘ البغوی ’’شرح السنہ‘‘: ۱۵۳۹‘ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ

خوف اور ہیبت طاری ہوگئی اس نے سوچا حضور ﷺ بھی بادشاہوں کی طرح ہوں گے آپ کے حاجب اور دربان ہوں گے جو لوگوں کو آپ تک نہیں پہنچنے دیں گے لیکن اس نے معاملہ اس کے برعکس پایا۔(طیبی)

یہاں دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس خاتون کی مراد یہ تھی کہ وہ اس وقت وہاں کوئی دربان نہ پائے‘ کیونکہ گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ حضور ﷺ کے حاجب اور دربان تھے جو لوگوں کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کرتے تھے۔

''**المواهب اللدنيه**''میں ہے‘ حضور ﷺ کی تواضع میں سے ہے کہ آپ کے مقررہ کردہ دربان نہ تھے۔ پھر مذکور الصدر خاتون والی حدیث ذکر کی۔

الزرقانی نے کہا: یہ بات کسی ضرورت کے تحت کبھی کبھی دربان کے وجود کے منافی نہیں‘ پھر متن میں کہتے ہیں: لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جب رسول اللہ ﷺ بیر اریس کی منڈیر پر تشریف فرما تھے میں آپ کا دربان تھا۔ صحیحین کی اس روایت میں ہے میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا‘ میں نے کہا: میں آج رسول اللہ ﷺ کا دربان بنوں گا‘ امام بخاری کی''**الادب المفرد**'' کی روایت میں ہے حضور ﷺ نے مجھے اس کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ الحدیث۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان کے آنے کا اور حضرت ابوموسیٰ کے ان کے لیے اندر آنے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ مذکور ہے کہ آپ نے سب کے لیے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھولو اور اسے جنت کی بشارت دو۔[۱۸]

ابوعوانہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: دروازے پر رہو اور میرے پاس کسی کو داخل نہ ہونے دو۔

علامہ قسطلانی نے دونوں واقعات کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے: جب رسول اللہ ﷺ اپنے اہل میں مشغول اور اپنے کسی ذاتی کام میں مصروف نہ ہوتے تو درمیان سے پردہ ہٹا دیتے اور ضرورت مندوں کے سامنے ہوتے اور جب کسی کام میں مصروف ہوتے دربان مقرر فرما دیتے۔(زرقانی)

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات سے ایک مہینہ ایلاء فرمایا تھا‘ عظیم دلیل ہے‘ اس میں حضرت عمر کے رباح اسود کے ذریعہ اندر آنے کی اجازت طلب کرنے کے ذکر ہے۔ ''فتح الباری'' کے ''**باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها**'' میں مذکور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کے حبشی غلام سے کہا: میرے لیے حضور ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کرو‘ غلام اندر گیا‘ آپ سے اجازت مانگی‘ واپس آ کر کہا: میں نے نبی ﷺ سے آپ کا ذکر کیا حضور ﷺ خاموش رہے۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں: میں واپس آ گیا اور لوگوں کے ساتھ منبر کے پاس بیٹھ گیا‘ پھر مجھ پر دکھ کا غلبہ ہوا تو میں نے غلام سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو‘ وہ اندر گیا‘ پھر واپس آ کر کہا: میں نے آپ کا ذکر کیا حضور ﷺ خاموش رہے‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں ان لوگوں کے پاس آ بیٹھا جو منبر کے پاس تھے‘ پھر مجھ پر دکھ

---

۱۸ صحیح حدیث‘ بخاری ۳۶۹۳ ‘ ۳۶۹۵ ‘ ۶۲۱۶ ‘ الادب المفرد: ۹۶۵‘ صحیح مسلم: ۲۴۰۳‘ ترمذی: ۳۷۱۰‘ نسائی ''فضائل الصحابہ'': ۳۱‘ مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۳‘ احمد ''فضائل الصحابہ'': ۲۰۸‘ عبدالرزاق: ۲۰۴۰۲‘ عبداللہ بن احمد زوائد ''فضائل الصحابہ'': ۲۸۹‘ عبد بن حمید: ۵۵۴‘ ابن حبان ''الاحسان'': ۶۹۱۱ ‘ ۶۹۱۲‘ بیہقی ''الدلائل'' ج ۶ ص ۳۸۸ ‘ ۳۸۹‘ از ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔

غائب آیا، میں نے غلام سے آکر کہا: عمر کے لیے اندر آنے کی اجازت طلب کرو، غلام اندر گیا، واپس آکر مجھے کہا: میں نے تمہارا ذکر کیا لیکن نبی ﷺ خاموش رہے، جب میں واپس جانے کے لیے مڑا، اچانک غلام نے مجھے بلایا اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اندر آنے کی اجازت دی ہے، سو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حافظ ابن حجر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول پر: میں نے آپ کے حبشی غلام سے کہا۔ اور عبید بن حنین کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ بالا خانہ میں تھے جس پر چڑھنے کے لیے قدمچے تھے رسول اللہ ﷺ کا حبشی غلام ان قدمچوں کے سرے پر تھا، اس غلام کا نام رباح تھا، ضحاک نے اپنی روایت میں یہی نام ذکر کیا ہے، باقی روایت یہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں اندر داخل ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے غلام رباح کو بالا خانہ کی چوکھٹ پر لکڑی کی سیڑھی کے قدمچے پر دونوں پیر لٹکائے ہوئے دیکھا، اس سیڑھی سے رسول اللہ ﷺ چڑھتے اترتے تھے۔

حافظ ابن حجر آخر میں بحث سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں: اس میں حاکم کے لیے خلوت کے وقت دربان مقرر کرنے کا جواز ہے تاکہ دربان کسی کو بغیر اجازت اندر نہ آنے دے، اور کتاب الجنائز کی گذشتہ روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اس خاتون کے بارے میں یہ کہنا، جسے آپ نے نصیحت فرمائی اور اس نے آپ کو نہ پہچانا پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپ کے دربان نہ پائے، ان اوقات پر محمول ہے جس میں آپ لوگوں کے لیے عام ملاقات کی خاطر تشریف فرما ہوتے تھے۔ مہلب نے کہا: اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام (حکمران) اپنے اہل خانہ کی کسی بات پر ناراضی کے وقت اپنے ہم راز اور مصاحب سے بھی پردے میں جاسکتا ہے، تاکہ غصہ کی حالت میں کوئی اس کے پاس نہ آئے، اور وہ لوگوں کے پاس ہشاش بشاش حالت میں آئے۔ اور یہ کہ جب کوئی غمزدہ اور رنجیدہ شخص پردے کے پیچھے چلا جائے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کی خلوت گاہ میں داخل ہونا جائز نہیں۔ خواہ اندر آنے والا اس کے نزدیک جلیل القدر اور باعظمت کیوں نہ ہو۔

حافظ ابن حجر اس کے بعد کہتے ہیں: اس میں یہ دلیل ہے کہ حاجب کو جب محجوب کی خاموشی کا مطلب معلوم ہو کہ وہ اجازت نہیں دے رہا تو وہ اجازت نہ دے، اس سے تنہا انسان کے پاس بھی بغیر اجازت لیے اندر داخل نہ ہونے کی مشروعیت ثابت ہوئی، ممکن ہے وہ ایسی حالت میں ہو جس کا انکشاف اسے ناپسند ہو، اس روایت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ داخلے کی اجازت کے طلب گار کو اگر اجازت کی امید ہو تو اس کے لیے بار بار اجازت طلب کرنا جائز ہے۔ البتہ تین بار سے زائد اجازت طلب نہ کرے۔ اس کی مزید وضاحت کتاب الاستیذان میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کرنے کے واقعہ میں مذکور ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیسری مرتبہ اتفاقاً اندر آنے کی اجازت مل گئی، اگر انہیں تیسری مرتبہ بھی اجازت نہ ملتی تو وہ پھر اجازت طلب کرتے، خود انہوں نے اس کی تصریح کی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اس حکم کا علم نہ تھا (کہ تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر اگر داخل ہونے کی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ، چوتھی مرتبہ اجازت نہ طلب کرو) سو حضرت عمر اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کے قصہ میں حضرت عمر پر کوئی اعتراض نہیں

ہو سکتا۔

فتح الباری کی کتاب الاحکام میں صحیح البخاری کے "**باب ما ذکر ان النبی ﷺ لم یکن له بواب**" کے تحت مذکور ہے مہلب نے کہا: نبی ﷺ کا مقرر کردہ دربان نہ تھا۔ اسی طرح "**المناقب**" میں مروی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے دربان بننے والی حدیث سے اعتراض نہیں ہوگا۔ (کیونکہ حضرت ابوموسیٰ خود سے دربان بنے ہوئے تھے) علامہ ابن حجر دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں: جب نبی ﷺ اہل وعیال میں مشغول نہ ہوتے اور اپنے کسی ذاتی کام میں مصروف نہ ہوتے تو درمیانی پردہ اٹھا دیتے اور حاجت مندوں کی نظروں کے سامنے رہتے۔ الطبری کا کہنا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اسود کی نبی ﷺ سے اجازت طلب کرنے والی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضور ﷺ تخلیہ کے وقت دربان مقرر فرماتے تھے، ورنہ حضرت عمر خود اندر داخل ہونے کی اجازت مانگ لیتے۔

انتباہ

علامہ القرافی کے بدعات کی پانچ اقسام قرار دی ہیں، تیسری قسم میں مذکور ہے یہ بدعت کی ایسی قسم ہے جو قواعد ودلائل کے اعتبار سے مندوب ہے جیسے ائمہ، قاضیوں اور مختلف سرکاری عہدیداروں کی مخصوص وضع قطع ہوتی ہے۔ حالانکہ دورِ صحابہ میں ایسا نہ تھا۔ اس کی مندوبیت کا سبب یہ ہے کہ اب مقاصد شرعیہ اور مصالح شرعیہ کا حصول لوگوں کے قلوب واذہان میں حکمرانوں اور سرکاری عہدیداروں کی شخصی عظمت اور رعب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ صحابہ کرام کے عہد مبارک میں کسی کی تعظیم اس کے دین اور ہجرت میں سبقت کی بناء پر کی جاتی تھی۔ وہ دور گزر گیا، اس دور میں ظاہری شان وشوکت عظمت کا سبب بن گئی ہے۔ اس لیے ظاہری وضع قطع اور شان وشوکت متعین ہوگئی تاکہ مصالح کا حصول ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود جَو کی روٹی اور نمک کھاتے تھے لیکن ہر عامل (سرکاری کارندے) کے لیے ہر روز کی آدھی بکری مقرر فرما دی تھی۔ آپ جانتے تھے اگر آپ نے تمام عمال کو اپنی حالت پر رکھا تو لوگوں کے دلوں سے ان کا احترام ختم ہو جائے گا۔ اور وہ ان کی مخالفت پر دلیر ہو جائیں گے۔ سو آپ نے نظام حکومت کے تحفظ کی خاطر عمال کے لیے دوسری صورت کی ضرورت سمجھی۔

اس کا سبب یہ ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے انہوں نے دیکھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربان رکھا ہوا ہے، عمدہ سواریاں ہیں اور نفیس قیمتی لباس زیب تن کرتے ہیں اور شاہانہ شان وشوکت سے رہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب طلب کیا تو انہوں نے جواب دیا: امیر المؤمنین! ہم ایسی سرزمین میں ہیں جہاں ہمیں ان سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں نہ تمہیں منع کرتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تم بہتر جانتے ہو اگر تمہیں اس اہتمام اور تکلف کی ضرورت ہے تو صحیح ہے ورنہ ایسا اہتمام اور تکلف درست نہیں ہے۔ حضرت عمر اور دیگر حضرات کے عمل سے یہ دلیل ملی کہ مختلف علاقوں کے لحاظ سے حکمرانوں اور عمال کے احوال مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح اوقات، احوال اور ادوار کے ساتھ رہن سہن نشست وبرخاست اور لباس کی وضع قطع میں تبدیلی ناگزیر ہے۔ وقت کے ساتھ سیاسی اور تمدنی وثقافتی تبدیلی ضروری ہو جاتی ہے۔ "**المنھج**" کے

مؤلف نے بھی یہ تقریر نقل کی ہے اور یہ اضافہ کیا کہ اس میں تمام سرکاری عمال' اہل کار (وزراء' گورنر وغیرہ) اور خلیفہ (صدر' وزیر اعظم) سب شامل ہیں۔ ائمہ نے سب کے لیے وقت کے تقاضوں کے مطابق بود و باش اور رکھ رکھاؤ میں ضروری تبدیلی کی اجازت دی ہے۔ (بشرطیکہ کوئی تبدیلی خلاف شرع نہ ہو)

رسول اللہ ﷺ کے آزاد اور غلام خدام

''**شرح المواھب**'' میں ہے خدام میں غلام اور باندیاں سب شامل ہیں' العامری نے ''**بھجة المحافل**'' میں ان کی تعداد سترہ بیان کی ہے۔

ابن جماعہ نے ''**مختصر السیر**'' میں رسول اللہ ﷺ کے خدام میں ابوحمزہ حضرت انس بن مالک' ہند اسلمی' اسماء بنت حارثہ اسلمی اور ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہم کو ذکر کیا ہے۔

علامہ ابوالفرج ابن جوزی نے ''**مختصر الحلیة**'' میں کہا ہے: ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتے تھے اور آپ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے حجرۂ انور کے دروازے پر رات بسر کرتے تھے۔ ''**الاستیعاب**'' میں ہے وہ سفر اور حضر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔

مؤلف فرماتے ہیں: صحیح مسلم میں حضرت ربیعہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر رات گزارتا تھا اور آپ کو وضو کا پانی فراہم کرتا تھا۔ ''**شرح المواھب**'' میں ہے واقدی نے کہا: حضرت ربیعہ رسول اللہ ﷺ کے وصال تک آپ کے ساتھ رہے۔ پھر مدینہ سے چلے گئے۔ ''**در السحابة**'' میں حضرت ام سلمہ کے غلام ابوحذیفہ مہاجر کے تذکرہ میں ہے انہوں نے کہا: میں نے پانچ سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی اگر میں نے کوئی کام کر لیا تو آپ نے کبھی نہ فرمایا: تو نے یہ کام کیوں کیا؟ نہ کبھی یہ فرمایا: یہ کام کیوں نہیں کیا؟

رسول اللہ ﷺ کے خدمت گار موالی

موالی' مولیٰ کی جمع ہے' مولیٰ آقا اور غلام دونوں کو کہا جاتا ہے' یہاں غلام مراد ہیں' بہجہ میں ہے یہ تمام موالی ایک ہی عرصہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں نہیں رہے بلکہ وقتاً فوقتاً یہ لوگ آپ کی خدمت میں رہے' ''**بھجة المحافل**'' میں نبی ﷺ کے موالی کے ذکر میں ان کی تعداد اکتیس (۳۱) بیان کی ہے۔ حضرت زید بن حارثہ' اسامہ بن زید' ابو انجشہ' پھر انیسہ' پھر شقران اور رباح' یسار' ابورافع قبطی' ابومویہبہ کرکرہ' زید' ہلال بن یساف' طہمان' مابور قبطی' واقد ابو واقد' ہشام' ابوضمیرہ' عبیدہ' انجشہ' ابولبابہ' رویفع' اور آپ کی سات باندیاں تھیں ایک کا نام سلمیٰ تھا۔ محب طبری نے بھی خلاصہ میں یہی تعداد بیان کی ہے۔ ''**المواھب**'' میں ابن الجوزی سے آپ کے موالی کی تعداد تینتالیس (۴۳) اور باندیوں کی تعداد گیارہ (۱۱) منقول ہے۔ زرقانی کہتے ہیں: اوروں نے اس میں دس (۱۰) غلام اور باندیوں کا اضافہ کیا ہے' اور آپ کے موالی کے تذکرے پر کتب لکھی ہیں۔

(ملاحظہ کریں الفیہ اور اس کی شروح' نیز **سمط الجوھر الفاخر**)

امام نووی "تهذيب الاسماء و اللغات" میں کہتے ہیں: یہ تمام موالی بیک وقت نبی ﷺ کے پاس موجود نہ تھے بلکہ مختلف اوقات میں ان کی موجودگی رہی۔ واللہ اعلم

مرضِ وصال میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام

"نور النبراس" میں ابو طاہر المخلص سے منقول ہے وہ اپنی سند سے سہل بن یوسف عن ابیہ عن جدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وصال میں چالیس غلام آزاد فرمائے۔

"سمط الجوهر الفاخر" میں حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلاموں کے ذکر پر عنوان قائم کیا ہے ان آزاد کردہ غلاموں کا ذکر چار صفحات پر مشتمل ہے۔

محدث نورالحسن خان[19] بن امیر صدیق حسن خان[20] نے "بلوغ المرام" پر اپنی شرح میں "نجم الوهاج" سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی عمر مبارک کے سالوں کے مطابق تریسٹھ (۶۳) غلام آزاد فرمائے اور ان کے نام بیان کیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عمر کے سالوں کے مطابق انہتر (۶۹) غلام آزاد کیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت سے غلام آزاد کیے۔ حاکم کی روایت کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ستر (۷۰) غلام آزاد کیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دورانِ محاصرہ بیس (۲۰) غلام آزاد کیے' حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ایک سو (۱۰۰) غلام آزاد کیے جن کی گردنوں میں چاندی کے طوق تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار (۱۰۰۰) اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) غلام آزاد کیے۔

خوابِ استراحت سے جگانے والے اور غسل کے وقت پردہ کا اہتمام کرنے والے

"سمط الجوهر الفاخر" میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا ہے وہ نبی ﷺ کو نیند سے جگاتے تھے' جب آپ غسل کرتے وہ پردہ کا اہتمام کرتے' سفر کے وقت آپ کے کجاوے کو تیار کرتے اور خود پا پیادہ ساتھ ساتھ چلتے تھے۔

فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا تو آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے لیے پردے کا اہتمام کیا۔[21]

[19] نورالحسن بن محمد بن صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی۔ مؤلف "الجوائز و الصلاة من جمع الاسامي و الصفات" وغیرہ' متوفی ۱۳۳۶ھ (الاعلام' زرکلی ج ۸ ص ۵۱)

[20] امیر' محمد صدیق خان بن حسن بن علی بن لطف اللہ الحسینی البخاری القنوجی' متوفی ۱۳۰۷ھ عربی' فارسی اور اردو میں کثیر کتب کے مؤلف مشہور تصانیف "ابجد العلوم" اور "فتح البيان في مقاصد القرآن" وغیرہ۔ (الاعلام ج ۶ ص ۱۶۷)

[21] صحیح حدیث' البخاری: ۲۸۰۔ ۳۵۷۔ ۳۱۷۱۔ ۶۱۵۸' صحیح مسلم: ۳۳۶۔ موطا مالک ج ۱ ص ۱۵۲' ترمذی: ۲۷۳۵' نسائی ج ۱ ص ۱۲۶' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۲' دارمی ج ۱ ص ۳۳۹' ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۹' ابن حبان: ۱۱۸۸' از ام ہانی رضی اللہ عنہا۔

گھر کے اندر آپ کی ضروریات پوری کرنے والے خدام

گھر کے اندر آپ کی ضروریات کی تکمیل آپ کے اہل خانہ کرتے تھے' حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے درون خانہ آپ کے گھر والے آپ کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے "باب حمل العنزۃ") علامہ قسطلانی نے بھی یہی کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر رات گزارنے والے مرد

"طبقات ابن سعد" میں حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے دروازے کے پاس رات گزارتا تھا' آپ کو وضو کا پانی فراہم کرتا تھا' میں رات کو سمع اللہ لمن حمدہ اور الحمد للہ رب العلمین کی ہلکی ہلکی آوازیں سنتا تھا۔ (ج ۴ ص ۴۴)[۲۲]

حضرت ربیعہ بن کعب کی اس حدیث کو امام ابوداؤد نے "باب قیام النبی ﷺ" میں روایت کیا ہے' حضرت ربیعہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس رات گزارتا تھا' آپ کو وضو کا پانی فراہم کرتا اور آپ کی ضرورت پوری کر دیتا' آپ نے فرمایا: مجھ سے مانگو' میں نے کہا: جنت میں آپ کی رفاقت' فرمایا: یا اس کے علاوہ کچھ؟ فرمایا: تم سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو[۲۳]

المنذری نے اختصار میں کہا ہے اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے' ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کا کچھ حصہ روایت کیا ہے' کتب حدیث میں حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے۔

"الاصابہ" میں ہیثم بن نصر اسلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں: میں نبی ﷺ کا خدمت گزار رہا۔ میں ان لوگوں میں سے تھا جو غریب اور ضرورت مند تھے' میں آپ کے لیے بیر ابی الہیثم سے پانی لاتا تھا اس کنوئیں کا پانی میٹھا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک خاتون سے خدمت لینا

حسن بن سفیان اپنی "مسند" میں اور حاکم' دارقطنی اور ابونعیم نے ابو مالک نخعی از اسود بن قیس از نبیح العنزی از ام ایمن رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت گھر کے کونے میں موجود مٹی کے برتن کی طرف گئے اس میں پیشاب کیا' میں رات کو کسی وقت اٹھی میں پیاسی تھی میں نے اسے پی لیا مجھے

---

۲۲ صحیح حدیث' مسند احمد ج ۴ ص ۵۷۔۵۸٬۵۷ ترمذی: ۳۴۱۶' ابن ماجہ: ۳۸۷۹' طبرانی الکبیر: ۴۵۷۱ تا ۴۵۷۵' ابن حبان: ۲۵۹۴۔ ۲۵۹۵' از ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ

۲۳ صحیح حدیث' مسلم: ۴۸۹' ابوداؤد: ۱۳۲۰' نسائی ج ۲ ص ۲۲۷۔۲۲۸' معجم الکبیر: ۴۵۷۰' از ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ' مسند احمد ج ۴ ص ۵۷' الطبرانی: ۴۵۶۹' از طریق عبدالرزاق از معمر۔

معلوم نہ تھا' صبح کو نبی ﷺ نے فرمایا: اے ام ایمن! اٹھو اس مٹی کے برتن میں جو کچھ ہے اسے گرا دو' میں نے کہا: بخدا وہ تو میں پی گئی' رسول اللہ ﷺ ہنسے' حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں پھر فرمایا: اللہ کی قسم تمہارے پیٹ میں کبھی تکلیف نہ ہوگی[۲۴]

رسول اللہ ﷺ کا ایک یہودی لڑکے سے خدمت لینا

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے' اس پر اسلام پیش کیا وہ لڑکا مسلمان ہوگیا' پھر اس کا انتقال ہوگیا[۲۵]

(کتاب الجنائز ج ۲ ص ۹۷)

مذہب مالکی کی معتبر کتاب ''العتبیہ'' میں امام مالک کے ایک ساتھی زیاد بن شبطون سے منقول ہے اس لڑکے کا نام عبدالقدوس تھا۔

(تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں ''الاصابہ'' ترجمہ عبدالقدوس اور علامہ ابن زکری کی کتاب ''الفوائد المتبعه فی العوائد المبتدعة'')

تنبیہ

حافظ شامی ایسی کئی احادیث ذکر کرتے ہیں جن میں ہے کہ بسا اوقات آپ ﷺ بکری کا دودھ خود دوھ لیا کرتے تھے' اپنے کپڑے سی لیا کرتے تھے' ذبیحہ بکری کی کھال اتار لیا کرتے اور اپنے کئی کام خود کر لیا کرتے تھے۔ حافظ شامی یہ احادیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا تھا آپ یہ کام خود کرتے تھے اور کبھی یہ کام خادم انجام دیتے تھے اور کبھی آپ اور آپ کے خادم مل کر کوئی کام کرتے تھے۔ کیونکہ احادیث میں آپ کے لیے خدام کا ثبوت ہے۔

ان کاموں کا بیان جن کو حضور ﷺ کسی خادم کے سپرد نہ فرماتے

ابن سبع نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے صدقہ کسی کے سپرد فرمایا ہو آپ خود ہی اسے سائل کے ہاتھ میں رکھتے تھے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے۔

---

[۲۴] ضعیف حدیث' مستدرک حاکم ج ۴ ص ۶۳۔۶۴' مسند حسن بن سفیان' دارقطنی بحوالہ ''تلخیص الحبیر'' ج ۱ ص ۳۱' ابونعیم ''الحلیۃ'' ج ۲ ص ۶۷ ''طبرانی الکبیر'' ج ۲۵ ص ۲۳۰' از ابی مالک النخعی از اسود بن قیس از نبیح العنزی از ام ایمن رضی اللہ عنہا۔ ابو مالک ضعیف ہے اور نبیح کی ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ملاقات نہیں۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۳۱' حافظ ابن حجر)
اس میں ابو مالک النخعی ضعیف ہے۔ (المجمع ج ۸ ص ۲۷۱' ہیثمی)

[۲۵] صحیح حدیث' البخاری: ۱۳۵۶۔۵۶۵۷' الادب المفرد: ۵۲۴' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۰' ابوداؤد: ۳۰۹۵' ابن حبان: ۲۹۶۰' الحاکم ج ۱ ص ۳۶۳۔ ج ۴ ص ۲۹۱' بیہقی ج ۳ ص ۳۸۳' از انس رضی اللہ عنہ۔ ابن حبان کی روایت میں زیادہ تفصیل ہے۔

عیاش بن ابی ربیعہ کے آزاد کردہ غلام ابن سعد بن زیاد بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ دو کام کسی کے سپرد نہیں فرماتے تھے' ایک رات کا وضوء دوسرا سائل کو خود عطا فرماتے تھے۔

ان حضرات کا بیان جن کی مصطفیٰ ﷺ نے بہ نفس نفیس خدمت فرمائی

''المقالات السنیہ''میں ہے:

''مصطفیٰ ﷺ کے کرم کی بارش ہر وجود پر ہے' اسی سے کون و مکان خالص اور مخلوق نعمتوں سے شاد کام ہے''۔

''وفود کے لیے ہشاش بشاش' آپ کی رحمت امیدوار کے لیے موسلا دھار بارش برسانے والے بادل سے بڑھ کر ہے''۔

''نجاشی کا وفد جب آپ کے کرم کے صحن میں اترا آپ بہ نفس نفیس ان کی خدمت میں کھڑے ہوئے''۔

''صحابہ عرض گزار ہوئے' ہم ان کی خدمت کو کافی ہیں' فرمایا: میں اپنے صحابہ کی تکریم کرنے والوں کی خدمت کا زیادہ حق دار ہوں''۔

''انہوں نے میرے صحابہ کی عزت و تکریم کی' جب وہ ان کے ملک میں ہجرت کر کے گئے تھے''۔

ابن لیون التجیبی نے ''الانالہ''میں کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بلند مرتبہ اپنے سے کم درجہ والوں کی خدمت کر سکتے ہیں' کیونکہ حضور ﷺ نے وفد نجاشی کی بہ نفس نفیس خدمت فرمائی۔

مؤلف فرماتے ہیں: لوگوں کے اژدھام کے وقت مہاجرین صحابہ آپ سے ہجوم کو دور کرتے تھے۔ مسند امام احمد میں عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے' آپ فرماتی ہیں: کثیر التعداد عربوں نے آپ کو گھیر لیا یہاں تک کہ آپ پریشان ہو گئے اور ان کے ہجوم میں چھپ گئے' مہاجرین یہ منظر دیکھ کر اٹھے اور حضور ﷺ سے ان کو ہٹایا' آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ کے پاس آ گئے' لوگ پھر بہت قریب آ گئے آپ نے اپنی چادر ان کے ہاتھ میں تھمائی اور جلدی سے گھر میں داخل ہو گئے اور فرمایا: اے اللہ! ان پر لعنت فرما۔ حضرت عائشہ عرض گزار ہوئیں: یا رسول اللہ! قوم تو ہلاک ہو گئی' آپ نے فرمایا: بخدا! ہرگز نہیں' اے ابوبکر کی بیٹی! میں نے اللہ تعالیٰ سے شرط باندھی ہے جس کے خلاف نہیں ہو گا' میں نے اپنے رب سے گزارش کی ہے: میں بشر ہوں میں بھی تنگ ہوتا ہوں جیسے دوسرے بشر تنگ آ جاتے ہیں سو جس مؤمن کو غصہ کی حالت میں' میں کوئی بات کہہ دوں تو اسے اس کے لیے کفارہ بنا دینا۔ (جز ۶' ص ۱۰۷)[۲۶]

---

[۲۶] ضعیف الاسناد محمد بن جعفر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا' منقطع روایت ہے۔ مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۷' از سریج از ابن ابی الزناد از عبدالرحمن بن حارث بن عبداللہ بن عیاش المخزومی از محمد بن جعفر بن زبیر از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ابویعلی: ۴۵۰۷' اس میں سوید بن سعید ضعیف راوی ہے۔ امام احمد نے اس حدیث کا آخری حصہ بروایت حماد از اسرائیل اور ابوعوانہ از عکرمہ از عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کیا ہے' یہ اسناد بھی ضعیف ہے' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۳۔۱۶۰۔۲۵۸' صحیح مسلم: ۲۶۰۰' بروایت جریر' ابی معاویہ اور عیسیٰ بن یونس از اعمش از ابی الضحیٰ از مسروق از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حضور ﷺ کا تکیہ اٹھانے والے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں آپ کے تکیہ کے نگران تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت علقمہ کے شام جانے اور ان کے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات والی حدیث میں یہ بات مذکور ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: صحیح البخاری کی ''کتاب الوضوء'' میں اہل عراق کے سامنے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے خطاب میں یہ جملہ موجود ہے' تمہارے درمیان نبی ﷺ کے لیے وضو کا پانی اور تکیہ مہیا کرنے والا موجود ہے۔ عربی میں وِساد اور مخدہ تکیے کو کہتے ہیں۔ (قسطلانی)

علامہ خفاجی نے ''شرح الشفاء'' میں کہا ہے: وِسادہ تکیے کو کہتے ہیں اسے مخدہ بھی کہا جاتا ہے۔

اندر آنے والوں کے لیے نبی ﷺ کا اپنا تکیہ قریب کرنا

ابن حیان اصبہانی کی کتاب ''اخلاق النبی ﷺ'' میں ہے' جب سلمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے نبی ﷺ نے تکیہ ان کے قریب کر دیا[۲۷]

مؤلف کا کہنا ہے: ''السیرۃ الشامیہ'' میں ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایت منقول ہے کہ حضرت عدی بن حاتم نبی ﷺ کی خدمت میں آئے' آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے' عدی نے آپ کو سلام کیا' آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ عرض کیا: عدی بن حاتم' آپ عدی کو اپنے گھر لے گئے' اس کے لیے وسادہ ڈال دیا اور فرمایا: اس پر بیٹھو[۲۸] علامہ خفاجی ''الشفاء'' پر رقم طراز ہیں اس سے معلوم ہوا وسادہ بستر کو کہتے ہیں تکیے کو نہیں' جوہری کا اسے تکیہ قرار دینا قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اسے وسادہ پیش فرمایا اور خود زمین پر تشریف فرما ہوئے' عدی رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: میں گواہی دیتا ہوں آپ زمین میں اپنی بڑائی نہیں جتلانا چاہتے نہ فساد پھیلانا چاہتے ہیں' پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا' ایک اور روایت میں ہے حضور ﷺ سے کہا گیا: اے اللہ کے نبی! آج جیسا منظر ہم نے پہلے کبھی کسی کے لیے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: یہ اچھا باعزت

---

[۲۷] ابوالشیخ ''اخلاق النبی ﷺ''۔

[۲۸] حسن حدیث' ترمذی نے اسے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ۲۹۵۴' اور حسن غریب کہا ہے' نیز یہ کہا ہے: ہم اس حدیث کو بروایت شعبہ از سماک بن حرب از عباد بن حُبیش از عدی بن حاتم از نبی ﷺ پہچانتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس وسادہ پر نبی ﷺ بیٹھے تھے اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے بیٹھے۔ مؤلف کا یہ کہنا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ وسادہ پر بیٹھے وہم ہے۔ (علی محمد دندل)

شخص ہے جب تمہارے پاس قوم کا باعزت شخص آئے اس کی عزت کرو[29]

الدولابی نے "کتاب الکنی و الالقاب" میں حضرت عدی بن حاتم کے طریق سے مذکور الصدر حدیث روایت کی ہے۔ علامہ ذہبی نے "المیزان" نے اسے منکر کہا ہے۔ "الجامع الصغیر" میں یہ حدیث متعدد صحابہ کے طرق سے مذکور ہے لیکن علامہ ذہبی نے "مختصر المدخل" میں ان تمام طرق کو ضعیف کہا ہے۔

---

[29] اسے ابن عساکر نے نقل کیا ہے جیسا کہ صحیح الجامع الصغیر: ۲۶۹ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور الالبانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ عقیلی نے الضعفاء: ۳۵۱، ابوالشیخ: ۱۴۷ اور قضاعی نے اسے مسند الشہاب میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے اسناد میں ہیثم بن عدی ہے جسے ابن معین نے غیر ثقہ اور جھوٹ بولنے والا کہا ہے۔ امام بخاری کے بقول اصحاب جرح و تعدیل اس کے متعلق خاموش ہیں۔

ابن عساکر کی دوسری روایت ج ۱۱ص ۲/۲۳۷، ۲ از سوار بن مصعب از مجالد از شعبی از عدی بن حاتم ہے، اس میں راوی مجالد بن سعید قوی نہیں اور سوار نہایت ضعیف اور متروک راوی ہے۔

ابن ماجہ: ۳۷۱۲، ابن عدی ج ۱ص ۱۷۸، "الامثال" ابوالشیخ: ۱۴۴، بیہقی ج ۸ص ۱۶۸، مسند الشہاب القضاعی: ۶۱، ۲ از طریق سعید بن مسلمہ از ابن عجلان از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۳ص ۲۰۴ میں الالبانی کہتے ہیں: اس اسناد میں سعید بن مسلمہ کے علاوہ تمام راوی ثقہ ہیں، سعید ضعیف راوی ہے، لیکن ابن عدی نے کہا: میں اس کی حدیث ترک نہ کرنے کا امیدوار ہوں، پھر ابن عدی نے ج ۱ص ۲۹۵ میں از طریق محمد بن الفضل از والد خود از نافع یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ محمد بن الفضل کی عام حدیث کی ثقات متابعت نہیں کرتے۔

الطبرانی کی "الکبیر": ۲۲۶۶، ابوالشیخ: ۱۴۲، ابن عدی ج ۲ص ۱۰۲، بیہقی ج ۸ص ۱۶۸، الخطیب کی تاریخ ج ۱ص ۱۸۸، القضاعی: ۶۳، ۲ اور محمد بن محمد البزار نے ابن السماک ج ۱ص ۱/۱۷۸ متعدد طرق سے، از حصین بن عمر از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم از جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ ابن عدی نے کہا: ابن ابی خالد سے اسے حصین بن عمر کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور اس کی عام احادیث معاضیل ہیں ان کا ہر راوی دوسرے سے روایت کرنے میں تنہا ہے، حافظ ابن حجر نے "التقریب" میں اسے متروک کہا ہے۔

سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۳ص ۲۰۵ میں الالبانی نے کہا ہے: میں کہتا ہوں: ایسا نہیں ہے بلکہ اس روایت کو الخطیب نے تاریخ ج ۷ص ۹۴ میں از طریق ابی امیہ بن فرقد روایت کیا ہے، ہم سے یحییٰ بن سعید القطان نے حدیث بیان کی، کہا ہم سے اسماعیل نے حدیث بیان کی اور دارقطنی کے حوالہ سے کہا ہے اس حدیث کو یحییٰ القطان سے ابی امیہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور یہ قوی نہیں، یہ روایت از حصین بن عمر الاحمسی از اسماعیل معروف ہے اور اسے کادح نے اسماعیل سے روایت کیا ہے، میں کہتا ہوں: کادح کذاب ہے، ابوالقاسم الجامع نے "المنتقی من حدیثہ" ج ۲ص ۱۰، طبرانی نے "الصغیر" ج ۱ص ۱۲، ابونعیم نے "الحلیۃ" ج ۵ص ۲۰۵۔۲۰۶ میں اسے روایت کیا ہے، مؤخر الذکر حضرات نے کہا ہے: اس روایت میں عوین بن عمرو منفرد ہے۔ الالبانی کہتے ہیں: یہ ضعیف ہے جیسا کہ ہیثمی نے "المجمع" ج ۸ص ۱۵ میں کہا ہے، حافظ عراقی کا "تخریج الاحیاء" ج ۳ص ۳۱۹ میں یہ کہنا کہ اس کا اسناد جید ہے، اس کا اسناد جید نہیں ہے البتہ اگر اس سے کثرت طرق مراد ہو تو یہ مقبول ہے۔

طبرانی نے الکبیر: ۲۳۵۸، ابونعیم نے مسانید ابی یحییٰ فراس ج ۲ص ۸۸ میں اسے روایت کیا ہے، الالبانی نے کہا ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے حسن بن عمارہ کے وہ متروک ہے۔

حاکم نے اسے مستدرک ج ۴ص ۲۹۱۔۲۹۲ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے صحیح الاسناد کہا ہے۔

ذہبی نے سکوت اختیار کیا ہے اور البانی نے کہا ہے: معبد اور اس کے باپ کا ذکر کس نے کیا ہے مجھے نہیں ملا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حدیث کا ایک مرسل شاہد بھی ہے' اسے ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ عراقی اور ان کے شاگرد علامہ ابن حجر نے ابن الجوزی کا تعاقب کیا اور کہا ہے: یہ روایت ضعیف ہے موضوع نہیں۔

امام حاکم نے ''المستدرک'' اس کی تخریج کی اور اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔

تکیہ ان چیزوں میں سے ہے جن کے رد کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے' ترمذی کی حدیث میں ہے: تین چیزیں واپس نہ کی جائیں دودھ' تکیہ اور تیل[۳۱]

کسی صاحب علم کے اشعار ہیں:

یہ چیز خیر الوریٰ ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہے آپ پر تا ابد اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ہو
خوشبو' دودھ' تیل' تکیہ' کھجور اور گوشت کو واپس نہ کیا جائے۔

علامہ سیوطی نے ساتویں چیز کا اضافہ کرتے ہوئے یہ اشعار کہے ہیں:

سات چیزوں کا قبول کرنا مصطفیٰ ﷺ کی سنت ہے' جب دوست کسی کو تحفہ میں دیں'
میٹھا' دودھ' تیل' تکیہ' ضرورت مند کو کھانا' خوشبو اور پھول

طبقات شعرانی میں سفیان بن عیینہ سے منقول ہے کہ زمزم کا پانی بھی خوشبو کی طرح ہے اسے واپس نہ کیا جائے۔ ابن لیون التجیبی کے ''الرسالۃ العلمیہ'' میں ہے ٹیک لگانے کے متعلق سنن ابوداؤد میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے گھر میں حاضر ہوا میں نے آپ کو ٹیک لگائے ہوئے دیکھا' تکیہ آپ کی بائیں جانب تھا[۳۲]

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بستر پر بیٹھتے اور تکیے پر ٹیک لگاتے تھے۔ عارف باللہ علامہ نابلسی[۳۳] کی ''شرح الطریقۃ المحمدیہ'' میں احناف کی مشہور کتاب ''الھدایہ''[۳۴] سے منقول ہے کہ نبی ﷺ

(بقیہ حاشیہ: ۳۰) بعد ازاں الالبانی نے اس حدیث کے دیگر شواہد ذکر کر کے کہا: بہرحال ان تمام طرق روایت کے باوصف اس پر حسن کا حکم لگانا ممکن نہیں چہ جائیکہ اسے صحیح کہا جائے' چونکہ اس کے بعض طرق میں شدت ضعف نہیں' سو اس روایت کی تقویت ممکن ہے جو اسے شدید ضعف سے نکالتی ہے اور اس روایت کے بعض طرق کو حاکم اور عراقی کا صحیح کہنا بھی اس کی تقویت کا باعث ہے۔

۳۱۔ حسن حدیث' ترمذی: ۲۷۹۱' از عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' جامع الاصول: ۲۹۱۷' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۶۱۹۔

۳۲۔ حسن حدیث' ابوداؤد: ۴۱۴۳' مسند احمد ج۵ ص۸۶۔۸۷' ترمذی: ۲۷۷۱' دارمی ج۲ ص۱۷۶' زوائد المسند ج۵ ص۹۷' ابن حبان: ۵۸۹' از سماک از جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ۔ سماک بن حرب الذہلی البکری الکوفی صدوق ہیں' البتہ اس کی عکرمہ سے روایت میں اضطراب ہے۔

۳۳۔ عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی النابلسی مشہور ادیب اور صوفی ہیں' وحدۃ الوجود کے قائلین میں سے ہیں' ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' کی شرح ''جواہر النصوص'' اور ''ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الاحادیث'' وغیرہ ان کی تصانیف ہیں' ۱۱۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ (الاعلام' زرکلی ج۴ ص۳۲۔۳۳)

۳۴۔ ہدایہ احناف کی مشہور کتاب ہے۔ بدایۃ المبتدی کی شرح ہے' دونوں کتب امام ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ کی تالیف ہیں' ہدایہ کی بہت سی شروح ہیں' اہم ترین شرح کمال الدین ابن ہمام کی فتح القدیر ہے۔ ہمارے جلیل القدر شیخ استاذ عبد الرزاق المصدی نے ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی ہے جو دار الکتب العلمیہ سے دس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

ریشمی تکیے پر تشریف فرما ہوئے۔طبقات ابن سعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں بنو عامر کے آزاد کردہ غلام راشد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بستر پر ریشمین تکیہ دیکھا‘ اسی طرح بنو وداعہ کے مؤذن کی روایت میں ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ریشمین تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے‘ سعید بن جبیر آپ کے پیروں کے پاس تھے آپ فرما رہے تھے: تم نے مجھ سے بہت کچھ یاد کرلیا ہے‘ مجھ سے روایت کرتے وقت احتیاط سے کام لینا۔

علامہ ابو بکر الکاسانی کی ”اصول البدائع فی اصول الشرائع“[۳۵] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ نقل کرنے کے بعد مذکور ہے‘ مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ولیمہ میں تشریف لے گئے آپ ایسے ریشمین تکیہ پر تشریف فرما تھے جس پر پرندوں کی تصویریں تھیں۔حضرت انس رضی اللہ کا یہ عمل ریشمی بستر اور تصویروں والے چھوٹے تکیے پر بیٹھنے کے جواز کی دلیل ہے۔(ملاحظہ فرمائیں باب الاستحسان)

حضور ﷺ کے نعلین بردار

ابن جماعہ کی ”مختصر السیر“ اور ”المواهب اللدنیہ“ وغیرہ میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین والے تھے‘ جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے‘ ابن مسعود آپ کو جوتے پہناتے اور جب آپ تشریف فرما ہوتے ابن مسعود آپ کے نعلین اپنے پہلو میں رکھ لیتے تھے۔

مؤلف کتاب علامہ کتانی کہتے ہیں: یہ روایت حارث ابن ابی اسامہ اور ابن ابی عمر نے قاسم بن عبدالرحمن کی مراسیل سے نقل کی ہے اور یہ زیادہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کو جوتے پہناتے اور حضور ﷺ سے پہلے آپ کے حجرہ میں داخل ہوتے۔[۳۶] علامہ زرقانی ”المواهب“ کی شرح میں فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود حضور ﷺ کے نعلین بغل میں اس لیے رکھتے تھے کہ بوقت ضرورت حضور ﷺ کی خدمت کے لیے ان کے ہاتھ خالی رہیں۔اور حسبِ منشاء ہاتھوں کو نیک کاموں میں لگالیں۔

(ماخوذ از الشمر املسی)

امام ابوالعباس المقری کی ”فتح المتعال“ میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے نعلین‘ مسواک‘ تکیہ اور وضو کے پانی کا نگران ہونا صحیح البخاری کی روایت کے مطابق ثابت ہے۔رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کو یہ ذمہ داری ملی ہوئی تھی‘ جب حضور ﷺ کھڑے ہوتے ابن مسعود آپ کو نعلین پہناتے جب آپ بیٹھتے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے کھڑے ہونے تک نعلین اپنے بغل میں رکھتے۔

محمد بن یحییٰ روایت کرتے ہیں قاسم نے بیان کیا جب نبی ﷺ بیٹھتے‘ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے نعلین اتارتے اور انہیں اپنے پہلو میں رکھ لیتے‘ پھر جب آپ کھڑے ہوتے وہ آپ کو نعلین پہناتے اور عصا لے کر

۳۵۔ اس کتاب کا پورا نام ”بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع“ ہے۔یہ ملک العلماء امام علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ کی تصنیف ہے‘ دار الکتب العلمیہ بیروت سے سات جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

۳۶۔ مرسل ضعیف کی ایک قسم‘ اس کی تخریج قبل ازیں گزر چکی ہے اور یہ حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

آپ کے آگے آگے چلتے یہاں تک کہ آپ حجرہ میں داخل ہوتے۔

ابن سعد اور سیرت نگاروں کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین اور وضو کے برتن کا خیال رکھتے تھے۔ گویا یہ خدمت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

حافظ ابن حجر حدیث کے اس جملہ "الیس فیکم صاحب النعلین "[۲۷] کے تحت لکھتے ہیں: صاحب نعلین سے مراد حضرت عبد اللہ بن مسعود ہیں کیونکہ یہ خدمت ان کے سپرد تھی۔ درحقیقت صاحب نعلین نبی ﷺ ہی تھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مجازاً صاحب نعلین کہا گیا' کیونکہ وہ نعلین سنبھالا کرتے تھے۔

علامہ بیضاوی نے کہا: جیسا کہ "قوت المغتذی علی جامع الترمذی "میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمام اوقات اور حالات میں نبی ﷺ کی خدمت میں لگے رہتے تھے' آپ وضو کے لیے اٹھتے تو پانی کا لوٹا اٹھاتے اور آپ کے نعلین لے کر اپنے پاس رکھتے تا کہ بوقت ضرورت پیش کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحب نعلین ہونے پر بوصیریٔ زماں ابوالمحاسن یوسف بن اسماعیل نبہانی بیروتی اپنے بارے میں کہتے ہیں:

"میں نے مصطفیٰ ﷺ کے نعل مبارک کی مثال کی خدمت کی' تاکہ میں دارین میں اس کے زیر سایہ زندگی بسر کروں"۔

"ابن مسعود آپ کے نعلین کی خدمت سے سعادت یاب ہوئے اور میں آپ کے نعلین کی مثال کے خدمت سے"۔

"المقالات السنیة فی مدح خیر البریه" کے اکیسویں مقالہ میں المقری سے منقول ہے:

وہ صاحب وسیلہ ﷺ کے پاؤں سے نعلین اتارتے' اور صاحب نعمت' سخی سرداران کو اپنے بازوؤں میں رکھ لیتے' جب آپ کھڑے ہوتے تو آپ کو پہناتے اور احمد مجتبیٰ ﷺ کے آگے عصا لے کر چلتے اور آپ کو حجرہ تک پہنچاتے تھے۔

انتباہ

"ابن غازی علی الصحیح "میں ہے صاحب ثروت لوگوں کے علاوہ عرب جاہلیت میں بغیر رنگی ہوئی کھال کے جوتے پہنتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بغیر بالوں والی کھال سے تیار کردہ سبتی جوتے لوگوں کو غیر مانوس اور اجنبی لگے' حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو ایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

علماء اعلام کی ایک جماعت نے نبی ﷺ کے نعلین مبارکہ سے متعلق کوائف پر الگ الگ کتابیں تالیف کی ہیں۔ جیسے ابوالیمن بن عساکر' السراج البلقینی' البستی' شمس الدین محمد بن عیسیٰ المقری مؤلف کتاب "قرة العینین فی تحقیق امر النعلین " وغیرہ۔ سب سے مشہور کتاب مدفون مصر امام ابوالعباس المقری التلمسانی کی "النفحات العنبریه فی نعل خیر البریه" ہے۔ امام موصوف کی ایک اور تالیف رسول اللہ ﷺ کے عمامہ شریف کے بارے

[۲۷] حدیث صحیح' تخریج گزر چکی ہے۔

میں ہے، انہوں نے یہ کتاب مسجد نبوی شریف میں حضور ﷺ کے سرہانے بیٹھ کر لکھی ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: ''السیرۃ الشامیہ'' میں ایک عنوان ہے: ''گر جانے کی حالت میں قدموں اور پیٹھ کو دبانے میں آپ کی سیرت طیبہ'' ابونعیم نے طب کے زیر عنوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حبشی آپ کی پیٹھ دبا رہا تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: گذشتہ رات اونٹنی نے مجھے گرا دیا ایک روایت میں ہے حضرت عمر کے سوال پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اونٹنی نے تھکا دیا۔[۳۸]

امام طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' میں ابراہیم نام کے حضرات کے تذکرہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

''المعجم الاوسط'' میں اسی طرح ہے۔ القاری نے ''شرح عین العلم'' میں کہا: اس کا اسناد ضعیف ہے۔

''المقاصد الحسنہ'' میں قدم وغیرہ سہلانے کی حدیث ہے جسے دارقطنی نے ''الافراد'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا انہوں نے سہلایا[۳۹] پھر ایک آیت کی قرأت میں حدیث ذکر کی اور ابوزید کی یہ روایت بیان کی کہ انہوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''قریب آؤ میری پیٹھ سہلا دو''[۴۰] میں قریب ہوا اور میں نے آپ کی پیٹھ سہلائی۔

رسول اللہ ﷺ کو ہنسانے والے

''الاصابہ'' میں حضرت حمار کے تذکرہ میں ہے صحیح یہ ہے کہ ان کا نام عبداللہ تھا، حماران کا لقب تھا وہ رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتے تھے[۴۱] ابویعلیٰ کے ہاں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حمار گھی یا شہد کی کپی (چھوٹا سا مشکیزہ) حضور ﷺ کی نذر کرتے، پھر اس کے مالک کو لے آتے اور حضور ﷺ سے کہتے: اس کو قیمت عطا فرما دیں۔[۴۲]

---

۳۸ ضعیف ہے، اسے طبرانی نے الاوسط میں اور بزار نے بحوالہ المجمع ج ۵ ص ۹۶، سے روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے کہا: عبداللہ بن زید بن اسلم کے سوا اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، عبداللہ کو ابوحاتم وغیرہ نے ثقہ اور ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔
(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۲۵، رقم: ۴۳۳۱)

۳۹ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے، مصنف نے اس کی سند ذکر نہیں کی سو اس پر حکم لگانا ممکن نہیں۔

۴۰ صحیح، ابویعلیٰ: ۶۸۴۶، مسند احمد ج ۵ ص ۷۷۔ ۳۴۱، طبرانی ''الکبیر'' ج ۷ ص ۳۴، از ابوزید رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے المجمع ج ۸ ص ۲۸۰۔ ۲۸۱ میں اسے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اسے امام احمد، ابویعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی اسانید میں سے ایک سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۴۱ حافظ ابن حجر نے الاصابہ: ۱۸۱۳ میں اسے بخاری کے حوالہ سے از طریق زید بن اسلم از اسلم از عمر رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے۔ واقدی نے کہا ہے: یہ غزوۂ خیبر کا واقعہ ہے۔

۴۲ اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے، الاصابہ: ۱۸۱۳ از زید بن اسلم از اسلم از عمر رضی اللہ عنہ۔

حافظ ابن حجر نے کہا: زبیر بن بکار کی کتاب ''الفکاهة والمزاح'' میں حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہی مذکور ہے۔ (الاصابہ: ۱۸۱۳)

''الاصابہ'' میں حضرت سویبط بن حرملہ العبدری کے تذکرہ میں بھی ان کے ایسے افعال مذکور ہیں' یہ بھی مذکور ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب ان کی ہوشیاری سے ہنس دیئے[۴۳]

فقیہ' محدث قاضی ابو علی حسن بن بلقاسم بن بادیس القسطنطی کی کتاب ''فوائد الدرر وفوائد الفکر فی شرح مختصر السیر'' میں ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے آپ نبی ﷺ کو ہنساتی تھیں' ایک مرتبہ کہا: یا رسول اللہ! میں نے گذشتہ رات آپ کے پیچھے نماز پڑھی' رکوع میں میں نے اس ڈر سے اپنی ناک پکڑ لی کہ کہیں اس سے خون نہ ٹپکنے لگے[۴۴] حضور ﷺ ہنس پڑے۔

امام (حکمران) کی اپنے کم سن اقارب سے دل لگی

''الاصابہ'' میں کثیر بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں ہے ابو علی بن السکن اور ابن مندہ کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں' انہوں نے کہا: نبی ﷺ ہمیں جمع کرتے' میں' عبد اللہ' قثم اور دوسرے' پھر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے: جو دوڑ میں آگے نکل گیا اس کے لیے یہ (انعام)۔

کثیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں نے اس کے برعکس کہا کہ آپ عبد اللہ' عبید اللہ اور حضرت عباس کے دیگر بچوں کی لائن بناتے اور فرماتے: جو دوڑ میں آگے نکلے گا اسے یہ انعام ملے گا[۴۵] یہ روایت زیادہ قوی ہے۔

وفود کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کے آداب سکھانے والے افراد

ابن اسحاق نے ۹ھ میں وفد ثقیف کی آمد کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: یہ وفد اپنے سردار عبد یا لیل کی

---

[۴۳] اسے ابن عبد البر نے الاستیعاب ج ۲ ص ۱۲۶ میں الاصابہ کے حاشیہ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

[۴۴] مرسل ہے' جیسا کہ الاصابہ: ۷۰۶ میں ہے' اسے ابن سعد نے روایت کیا ہے' ج ۴ ص ۳۸۳-۳۸۴۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ابو معاویہ از اعمش از ابراہیم الخ یہ روایت مرسل ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

[۴۵] الاصابہ: ۷۴۸۰ بحوالہ ابو علی بن السکن' ابن مندہ از طریق صباح بن یحییٰ از یزید بن ابی زیاد از عباس بن کثیر بن عباس از والد خود الخ۔ جریر بن عبد الحمید نے اس کے خلاف روایت کرتے ہوئے کہا ہے: از یزید بن عبد اللہ بن حرث: نبی ﷺ' عبد اللہ' عبید اللہ اور عباس رضی اللہ عنہما کے بہت سے بچوں کی قطار بنوا کر فرماتے: جو دوڑ میں آگے نکلا اس کے لیے یہ انعام ہے۔ یہ روایت صباح کی روایت سے قوی ترین ہے۔

کثیر بن عباس کے نبی ﷺ سے سماع میں اختلاف ہے' حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں علی بن السکن کا یہ قول نقل کیا ہے: اس نے صغرسنی میں نبی ﷺ کا دور پایا' اس کا نبی ﷺ سے سماع ثابت نہیں' ابن سعد نے کثیر کو صحابہ کے چوتھے طبقہ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ہمیں خبر نہیں ملی کہ اس نے نبی ﷺ سے کوئی حدیث روایت کی ہے۔ دار قطنی نے ''الاخوۃ'' میں کہا ہے: اس نے نبی ﷺ سے مراسیل روایت کی ہیں۔

سربراہی میں آیا' جب یہ لوگ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور وادیٔ قناۃ میں اترے وہاں حضرت مغیرہ بن شعبہ ملے' حضرت مغیرہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کی خوش خبری سنانے کے لیے تیزی سے روانہ ہوئے' راستے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے' انہوں نے فرمایا: تجھے خدا کی قسم! تم مجھ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جاؤ تاکہ میں خود حضور ﷺ کو یہ خبر سناؤں۔ حضرت مغیرہ رک گئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر آپ کو بنو ثقیف کی آمد کی خبر سنائی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظہران کے ہاں گزاری اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے آداب تعلیم فرمائے' اور انہیں سلام کرنے کا طریقہ بتایا' لیکن انہوں نے دورِ جاہلیت والا سلام کیا۔ (الھدی ابن قیم ج۱ص ۴۵۸' المواہب ج۴ص ۶) علامہ ابوسعود حنفی کی تفسیر میں ہے جب وفود آتے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی کو بھیجتے تاکہ وہ اہل وفد کو سلام کرنے کا طریقہ سکھائے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں اطمینان اور وقار کے ساتھ حاضری کی تلقین کرتے۔[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک حیثیت آج کل کے پروٹوکول افسر جیسی تھی۔

۱ے ابن ہشام نے سیرت نبویہ ج۴ص ۵۳۹۔۵۴۰ میں بغیر سند کے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔

القسم الثانی

فقہی سرگرمیاں' معمولاتِ عبادات'

امارتِ حج اور متعلقہ امور

فقہی سرگرمیاں اور عبادات کے معمولات

دینی اور شرعی امور کی انجام دہی کے لیے مقرر کیے جانے والے کارکنوں کے لیے ایک ضابطہ اور طریق کار ہے۔"الفوائد" میں ہے' مناصب دینیہ کے لیے کسی بھی دین دار اور صاحب علم فرد کا تقرر درست ہے خواہ اس کا تعلق اعلیٰ نسب اور خاندان سے ہو یا کم تر سے۔ البتہ فاسق اگرچہ قریش سے تعلق رکھتا ہو وہ اس ذمہ داری کا اہل نہ ہو گا۔ اگر کوئی اعلیٰ خاندان کا فرد دین داری اور علم دونوں صفات سے متصف ہو تو اسے صرف اعلیٰ خاندان رکھنے والے یا دین داری اور علم میں سے کسی ایک صفت کے حامل شخص پر ترجیح ہو گی۔

جن حضرات نے امامت (حکمرانی) کے لیے قریشی ہونے کی شرط نہیں لگائی انہوں نے جنگوں میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ' زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم کے امیر مقرر کیے جانے سے استدلال کیا ہے۔ جمہور علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے یہ انتخاب امامت کبریٰ (خلافت) کے لیے نہ تھا' بلکہ خلیفہ کا غیر قریشی کو نائب بنانا جائز ہے۔

علامہ تاج الدین السبکی [۴۶] نے بطور معمہ دو اشعار کہے ہیں:

وہ کون ہیں جن کو کسی بدوی اور شہری پر حکمرانی کے بغیر امیر المؤمنین شمار کیا گیا

وہ قریشی بھی نہ تھے حالانکہ غیر قریشی کو حکمران بنانا جائز نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی [۴۷] نے جواب دیا: وہ نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں جن کو حضور ﷺ نے اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا تھا جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے آپ کے وصال تک یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو حضور ﷺ کے وصال کے بعد شام کی طرف روانہ کیا۔ (المصباح الوھاج)

قرآن مجید کے معلّمین

فصل اوّل: مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں قرآن کے معلّم

امام ابن الجوزی [۴۸] نے "مشکل الصحیحین" میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ کے ذکر میں

---

[۴۶] علامہ ابو النصر تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی المصری الشافعی متوفی ۷۷۱ھ' مشہور ادیب' مشہور تصانیف "طبقات الشافعیہ" اور "شرح منهاج الاصول الی علم الاصول" وغیرہ۔

[۴۷] امام حافظ عبد الرحمٰن بن الکمال بن ابی محمد بن سابق الاسیوطی المصری الشافعی لقب جلال الدین' ولادت ۸۴۹ھ وفات ۹۱۱ھ صاحب تصانیف کثیرہ' مشہور ترین تصانیف "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" وغیرہ۔

[۴۸] امام حافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی البغدادی' متوفی ۵۹۷ھ' مشہور تصانیف المنتظم' مشکل الصحیحین' الموضوعات' الواھیات اور زاد المسیر وغیرہ۔

کہا ہے: آپ مسجد نبوی سے متصل چبوترے پر اہل صفہ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ اس چبوترے پر مسکین صحابہ رہتے تھے جن کو اہل صفہ کہا جاتا ہے۔

علامہ کتانی (مؤلف کتاب) کہتے ہیں: "الاصابہ" (رقم: ۹۱۲۷) میں فرات بن یزید بن وردان کے دادا حضرت وردان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے واقدی نے ذکر کیا ہے نبی ﷺ نے ان کو حضرت ابان بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا تاکہ وہ انہیں اپنے ساتھ رکھیں اور ان کو قرآن سکھائیں۔

امام ابن عساکر نے حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اچھی طرح تعلیم دینے والے کے حوالے فرمائیں' تو آپ نے مجھے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا' پھر ارشاد فرمایا: میں نے تجھے ایسے مرد کے حوالے کیا ہے جو تجھے بہترین تعلیم دے گا اور ادب سکھائے گا۔ (کنز العمال' فضائل ابو ثعلبہ الخشنی)[49]

فصل دوم: رسول اللہ ﷺ لوگوں کو حکم دیتے

کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو فقہ اور قرآن کی تعلیم دیں

"الاصابہ" میں حضرت ابزی الخزاعی کے تذکرہ میں ہے انہوں نے بیان کیا نبی ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا' مسلمانوں کے گروہوں کو خیر سے یاد فرمایا' پھر ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے پڑوسیوں کو تعلیم نہیں دیتے اور انہیں دین کی سمجھ بوجھ سے آشنا نہیں کرتے۔[50] علامہ ابن حجر نے یہ روایت ابن السکن اور اسحاق بن راھویہ سے منسوب کی ہے۔

حافظ نورالدین ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں "باب تعلیم من لا یعلم" کے تحت طویل حدیث نقل کی ہے' اس میں ہے: علقمہ بن سعد بن عبدالرحمٰن بن ابزی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں' ان کے والد کے دادا نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے ایک روز خطبہ دیا' مسلمانوں کے گروہوں کی تعریف فرمائی'

---

[49] اس روایت کو ابن عساکر نے "تاریخ مدینہ دمشق" میں روایت کیا ہے۔

[50] حافظ ابن حجر نے الاصابہ: ۱/۷ میں کہا ہے: ابن السکن نے کہا: اس کو بخاری نے "الوحدان" میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے کہا: اس سے ایک حدیث مروی ہے اس کا اسناد صالح ہے' اس کی حدیث اہل خراسان کے پاس ہے' اسناد یہ ہے: احمد بن محمد بن بسطام' احمد بن بکیر' ابو وھب' بن محمد بن حزام' بکیر بن معروف' مقاتل بن حیان از علقمہ بن عبدالرحمٰن بن ابزی از والد خود از جد خود از نبی ﷺ۔ ۔۔۔۔۔ یہ حدیث صرف اسی اسناد سے مروی ہے۔ ابن مندہ نے کہا: ابزی کی صحابیت اور رویت ثابت نہیں ہے پھر انہوں نے ابن السکن والی روایت نقل کر کے اس کو غریب کہا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو اسحاق بن راھویہ نے مسند میں از محمد بن ابی سہل اسی اسناد سے روایت کیا ہے۔۔۔۔۔ طبرانی نے عبدالرحمٰن بن ابزی کے تذکرہ میں از علقمہ بن سعید بن عبدالرحمٰن از والد خود از جد خود یہ روایت نقل کی ہے۔ ابو نعیم نے اس روایت کو راجح قرار دے کر کہا ہے؟ ابزی کی روایت اور رویت صحیح نہیں ہے' ابن الاثیر نے بھی اسے صواب پر مبنی کہا ہے۔ تاہم یہ روایت محل نظر ہے' کیونکہ علقمہ' سعید کا بھائی ہے بیٹا نہیں۔ واللہ اعلم

پھر ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے ہمسایوں کو دین میں سمجھ بوجھ سے آشنا نہیں کرتے' ان کو تعلیم نہیں دیتے' وعظ و نصیحت نہیں کرتے' ان کو نیکی کا حکم نہیں دیتے اور ان کو برائیوں سے نہیں روکتے' اور ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے ہمسایوں سے نہیں سیکھتے' ان سے سمجھ بوجھ نہیں حاصل کرتے' ان سے نصیحت نہیں حاصل کرتے' اللہ کی قسم! وہ اپنے ہمسایوں کو تعلیم دیں' انہیں سمجھ بوجھ دیں' نصیحت کریں' نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔ اور لوگ اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کریں اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں یا پھر میں ان کو جلد سزا دوں گا۔ پھر آپ منبر سے نیچے اترے۔ لوگوں نے کہا: ان سے کون مراد ہیں؟ فرمایا: اشعری' وہ سمجھ دار لوگ ہیں اور ان کے پڑوسی ان کے پانی کے شریک بدوی الگ تھلگ رہنے والے لوگ ہیں۔ اشعریوں کو یہ خبر ملی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' گزارش کی: یا رسول اللہ! آپ نے مختلف گروہوں کا ذکر خیر سے فرمایا اور ہماری مذمت فرمائی' ہمارا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کو چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں' ان کو دین کی سمجھ بوجھ سے آشنا کریں' انہیں سمجھائیں' ان کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں' اور دوسرے لوگوں کو چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں' سمجھیں' دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں' ورنہ میں ان کو دنیا میں جلد سزا دوں گا۔ اشعریوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے غیر کو سمجھائیں؟ آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا اور انہوں نے اپنا سوال دہرایا' آپ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا' انہوں نے کہا: آپ ہمیں ایک سال کی مہلت دیں' حضور ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت عطا کی تا کہ وہ اپنے ان پڑوسیوں کو دین میں سمجھ بوجھ سے آشنا کریں' ان کو تعلیم دیں اور سمجھائیں' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ (المائدہ:۷۸)

بنی اسرائیل سے جنہوں نے کفر کیا' وہ داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کیے گئے یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ۝

امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں یہ روایت نقل کی ہے' اس میں بکر بن معروف ہے' امام بخاری نے کہا: اسے پھینک دو' امام احمد نے ایک روایت میں اسے ثقہ اور دوسری میں ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا: مجھے امید ہے اس میں حرج نہیں ہے[۵۱]

فصل سوم: ان صحابہ کا ذکر جن کو نبی ﷺ نے مختلف اطراف میں قرآن کی تعلیم اور دین سکھانے کو بھیجا

مؤلف کہتے ہیں: علامہ الخزاعی نے "الفقه في الدين" کا چار فصول میں ذکر کیا ہے۔

[۵۱] "المجمع" ج۱ص۱۶۴' یہ ضعیف حدیث ہے۔

فصل اول: تفقہ فی الدین پر آمادہ کرنا

اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث درج کی ہے: اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقہ (سمجھ بوجھ) عطا فرماتا ہے[۵۲] علامہ الخزاعی نے یہ روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کی ہے' حالانکہ یہ حدیث صحیح البخاری میں بھی موجود ہے۔ علامہ میں یہ خامی ہے جب ان کو صحیح مسلم میں کوئی حدیث دستیاب ہوتی ہے وہ دوسری کتب کا حوالہ نہیں دیتے۔

فصل دوم: لوگ امور دین میں نبی ﷺ سے کس طرح سوال کرتے تھے؟

فصل سوم: امور دین کے متعلق خواتین کے سوال

میرے خیال میں یہ فصول سلسلۂ کلام کو دراز کرنے کے لیے قائم کی گئی ہیں۔ اس کے بعد علامہ خزاعی نے ان صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جن کو نبی ﷺ نے دین سکھانے کے لیے روانہ فرمایا۔ ان میں حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہ ہیں۔ "سیرۃ ابن اسحاق" میں ہے نبی ﷺ جب بیعتِ عقبۂ اولیٰ سے فارغ ہوئے یہ بارہ انصاری تھے جن کو اس بیعت کا شرف ملا' آپ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو قرآن سکھائیں' اسلام کی تعلیم دیں اور دین میں سمجھ بوجھ سے آشنا کریں' حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں مُقری کہا جاتا تھا[۵۳]

مؤلف رقم طراز ہیں: علامہ ابن قدامہ المقدسی کی "الاستبصار" میں ہے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اترے۔ وہ دونوں انصار کے مختلف گھرانوں میں جاتے ان کو قرآن پڑھاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے تھے۔ ان کے ہاتھ پر انصار کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا جن میں حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما وغیرہ شامل ہیں[۵۴]

امام نووی کی "التہذیب"[۵۵] میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ نے عقبۂ اولیٰ کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تاکہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور انہیں نماز پڑھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عقبۂ ثانیہ کے بارہ افراد کے ساتھ آپ کو روانہ فرمایا تاکہ آپ اہل مدینہ کو قرآن اور دین سکھائیں' آپ حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔

ابو ربیع الکلاعی کی "الاکتفاء" میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں

---

۵۲ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۷۱۔ ۳۱۱۶۔ ۳۱۱۲۔ ۷۳۱۲' صحیح مسلم: ۱۰۳۷' موطا مالک ج ۲ ص ۹۰۰۔ ۹۰۱' مسند احمد ج ۴ ص ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۵۔ ۹۶' دارمی ج ۱ ص ۷۳۔ ۷۴' ابن ماجہ: ۲۲۱' ابن حبان: ۸۹' الطحاوی "المشکل" ج ۲ ص ۲۷۸' الطبرانی "الکبیر" ج ۱۹ ص ۷۲۹' القضاعی "مسند الشہاب": ۳۴۶' ابن عبد البر" جامع بیان العلم وفضلہ" ج ۱ ص ۱۹' البغوی: ۱۳۱ متعدد طرق از حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ۔

۵۳ اسے ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۴۳۴ میں بغیر سند کے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔

۵۴ السیرۃ النبویہ' ابن ہشام ج ۲ ص ۴۳۴۔ ۴۳۵

۵۵ پورا نام "تہذیب الاسماء و اللغات" تالیف امام نووی متوفی ۶۷۶ھ

اپنا نائب (گورنر) مقرر فرمایا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ چھوڑا تا کہ وہ اہل مکہ کو قرآن اور دین کی تعلیم دیں۔[56]

''الاستیعاب'' میں ہے نبی ﷺ نے فتح مکہ کے سال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقہ الجند کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور ان کے مقدمات کا فیصلہ کریں' اور یمن میں نبی ﷺ کی طرف سے صدقات کی وصولیابی پر مقرر عاملوں سے صدقات حاصل کریں۔[57]

حضرت عمرو بن حزم الخزرجی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں''الاستیعاب''میں ہے: نبی ﷺ نے آپ کو نجران کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا۔قبل ازیں حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اہل نجران کی طرف روانہ کیا تھا ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو ۱۰ھ میں حضرت عمرو بن حزم کو روانہ فرمایا تا کہ وہ ان کو دین سکھائیں' قرآن مجید کی تعلیم دیں اور ان سے صدقات وصول کریں' حضور ﷺ نے فرائض' سنن' صدقات اور خون بہا کے احکام سے متعلق انہیں ایک مکتوب بھی مرحمت فرمایا تھا۔[58]

یہاں معلمین قرآن کی ایک اور جماعت کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے ان میں سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہیں۔مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب اہل یمن کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے کہا: آپ ہمارے ساتھ ایسا آدمی روانہ فرمائیں جو ہمیں سنت اور اسلام کی تعلیم دے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ اس امت کا امین ہے[59] اور آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو شام کی طرف امیر بنا کر بھیجا' شام کے اکثر علاقے ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔

معلمین قرآن میں حضرت رافع بن مالک انصاری ہیں''الاصابہ''میں ابن اسحاق کے حوالے سے مذکور ہے آپ ہی سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں سورۃ یوسف لائے۔زبیر بن بکار نے''اخبار المدینہ''میں روایت کیا ہے کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ جب بیعت عقبہ میں رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے شادکام ہوئے۔حضور ﷺ نے دس برس کے عرصہ میں نازل شدہ قرآن ان کو عطا فرمایا' حضرت رافع اس قرآن کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے' انہوں نے اپنی قوم کو اپنے ہاں جمع کیا اور ان کو قرآن سنایا۔حضور ﷺ کو ان کا اعتدال قبلہ بھی پسند آیا۔[60]

---

۵۶ مرسل حدیث' طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۸' از مجاہد۔

۵۷ الاستیعاب میں ابن عبدالبر نے اسے بلاسند ابن اسحاق سے منسوب کیا ہے۔''الاستیعاب علی هامش الاصابه'' ج ۳ ص ۳۵۶۔۳۵۷۔

۵۸ الاستیعاب' علی حاشی الاصابہ ج ۲ ص ۵۱۷

۵۹ صحیح حدیث' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳۔۱۸۹۔۲۴۵۔۲۸۱' صحیح البخاری: ۳۷۴۴۔۴۳۸۲۔۷۲۵۵' صحیح مسلم: ۲۴۱۹' ترمذی: ۳۷۹۳۔۳۷۹۴' ابویعلیٰ: ۲۸۰۸' ابن سعد ۳/۱/۲۹۹' ابونعیم''الحلیۃ'' ج ۷ ص ۱۷۵' الحاکم ج ۳ ص ۲۶۷' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔از حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔اس باب میں متعدد صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں' ان کی تخریج کے لیے مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۹۱' تحقیق استاذ حسین سلیم اسد مطبوعہ دار المامون للتراث ملاحظہ کریں۔

۶۰ الاصابہ: ۲۵۴۴' حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں اسے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بھی معلمین قرآن میں شامل ہیں "الاصابہ" (رقم: ۴۰) میں ابراہیم بن جابر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے انہوں نے بیان کیا وہ بھی ان غلاموں میں سے تھے جو طائف کے محاصرہ کے دوران حضور ﷺ کی پناہ میں آ گئے تھے، آپ نے ان کو حضرت اسید بن حضیر کے حوالے کیا اور فرمایا: اسے اپنے ساتھ رکھو اور تعلیم دو۔ (ابن فتحون عن الواقدی)

"الاصابہ" میں حارث بن کلدہ ثقفی کے غلام حضرت ازرق بن عقبہ الثقفی کے تذکرہ میں ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جو طائف کے محاصرہ کے دوران رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں آ گئے تھے، انہوں نے اسلام قبول کر لیا، حضور نے ان کو آزاد فرما کر حضرت خالد بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا تا کہ وہ ان کے کفیل ہوں اور ان کو تعلیم دیں[1]

ان میں سے حضرت عمرو بن حزم بن زید انصاری رضی اللہ عنہ ہیں "الاستبصار فی انساب الانصار" میں ہے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو نجران پر عامل مقرر فرمایا تا کہ وہ اہل نجران کو دین سکھائیں۔ قرآن کی تعلیم دیں، اور صدقات وصول کریں، یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

علامہ کتانی کہتے ہیں یہاں ان صحابہ کرام کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو عہد رسالت مآب میں قرآن حفظ کرتے تھے، امام بیہقی کی گنتی کے مطابق وہ چھ انصاری صحابی ہیں حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوزید، معاذ بن جبل، ابو الدرداء اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم۔ امام طبرانی اور بیہقی نے اگرچہ حفاظ کو انصار سے مقید کیا ہے تاہم ان کا یہ قول اس کے منافی نہیں کہ اس عہد ہمایوں میں کثیر التعداد حفاظِ قرآن تھے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مکمل قرآن چار صحابہ کو حفظ تھا اور وہ چاروں انصار تھے، ابی بن کعب، معاذ، ابوزید اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ راوی بیان کرتے ہیں: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ابوزید کون تھے؟ انہوں نے فرمایا: میرے ایک چچا تھے۔

علامہ الموفق بن قدامہ نے "الاستبصار فی انساب الانصار" میں لکھا ہے، حضرت ابوزید کا نام قیس بن السکن ہے، ان کی کنیت ان کے نام پر غالب آ گئی، انہوں نے اولاد نہیں چھوڑی۔

"الاستبصار" میں حضرت زید بن ثابت بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: یحییٰ بن معین سے یہ بھی مروی ہے کہ ابوزید ہی نے قرآن جمع کیا تھا، لیکن دوسری روایات اولیٰ ہیں۔

"الاستبصار" ہی میں حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (انصار کے قبیلہ) اوس کے لوگوں نے اس پر اظہار فخر کیا کہ ان میں غسیل الملائکہ (جن کو شہادت کے بعد فرشتوں نے غسل دیا) حنظلہ بن الراہب (ابو عامر) ہیں، اور ان میں عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جن کی لاش کی شہد کی مکھیوں (یا بھڑوں) نے حفاظت کی تھی اور ہم میں وہ شخص ہیں جن کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور ہم میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں جن کی موت پر عرشِ الٰہی کانپ اٹھا۔ تو (انصار کے قبیلہ) خزرج والوں نے کہا: ہم میں چار ایسے حضرات ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد

[1] الاصابہ: ۸۰ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: اسے واقدی نے المغازی میں اور اختصار کے ساتھ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔

مبارک میں قرآن مجید پڑھا اوروں نے نہ پڑھا (حفظ نہ کیا): حضرت ابی بن کعب' معاذ بن جبل' زید بن ثابت اور ابوزید اور ابوحنظلہ رضی اللہ عنہم۔

میں کہتا ہوں: چار صحابہ کا حصر راوی کی معلومات کی بناء پر ہے اس سے دوسرے حفاظ قرآن کی نفی نہیں ہوتی جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ "الفجر الساطع" میں رسول اللہ ﷺ کے قراء صحابہ کے زیر عنوان حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مذکور الصدر قول پر لکھا ہے: اس قول پر اشکال ہے کیونکہ ان چار حضرات کے علاوہ دیگر صحابہ کرام بھی قرآن مجید کے حافظ تھے' ابوعبید نے ان میں خلفاء اربعہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت ابوہریرہ' حضرت عبداللہ بن السائب' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو ذکر کیا ہے۔

اس اشکال کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے قرآن کو نازل شدہ تمام قراءات کے ساتھ یہی چار حضرات پڑھتے تھے۔ اور یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی معلومات کے مطابق ان چار حضرات کو مخصوص کیا حقیقتاً ان کے علاوہ بھی حفاظِ قرآن تھے۔

فتح الباری میں ہے: کثیر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں قرآن کے حافظ تھے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں ہے: قوم کی امامت ان میں سے کتاب اللہ کا سب سے زیادہ قاری کرائے[۶۲] خود نبی ﷺ نے اپنے مرض وصال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور انصار کا امام بنایا۔ اس میں حضرت ابوبکر کے سب صحابہ سے بڑے قاری ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کے وصال کے بعد ترتیب نزولی کے مطابق قرآن مجید جمع کیا۔
(فتح الباری)

امام سیوطی کی "تاریخ الخلفاء" میں ہے الخطیب نے "التاریخ" میں اپنی سند سے محمد بن عباد سے نقل کیا ہے کہ خلفاء میں سے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور مامون عباسی قرآن کے حافظ ہیں[۶۳] لیکن یہ غلط ہے بلکہ صحیح قول کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حافظِ قرآن تھے۔ "التھذیب" میں نووی نے اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی نبی ﷺ کے وصال کے بعد قرآن حفظ کرنا مروی ہے۔

---

۶۲ صحیح حدیث' صحیح مسلم: ۶۷۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۲' الحمیدی: ۴۵۷' عبدالرزاق: ۳۸۰۸۔۳۸۰۹' ابوداؤد: ۵۸۴' ترمذی: ۲۳۵' نسائی ج ۲ ص ۷۶' دار قطنی ج ۱ ص ۲۸۰' صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۰۷' ابن حبان: ۲۱۲۷' حاکم ج ۱ ص ۲۴۳' از ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ۔ مکمل حدیث یہ ہے: اگر قرأت میں برابر ہوں تو سنت کا زیادہ عالم' اگر سنت میں برابر ہوں تو ہجرت میں مقدم' اگر ہجرت میں برابر ہوں تو عمر میں بڑا امامت کرائے' کوئی شخص دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ امامت کرائے نہ اس کے گھر میں اس کی مخصوص نشست گاہ پر بیٹھے۔

۶۳ یہ خبر صحیح نہیں ہے اور صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' مامون اور دیگر خلفاء پر اس کا حصر ممکن نہیں ہے۔

"الریاض المستطابہ" میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دس صحابہ نے پورا قرآن حفظ کیا حضرت علی' حضرت عثمان' حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابوالدرداء' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابو زید انصاری' حضرت تمیم الداری' حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہم۔

میں نے "طبقات ابن سعد" (ج۱ص۳۴) میں حضرت مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں دیکھا ہے اہل کوفہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک یا دو سورتوں کے علاوہ پورا قرآن جمع کیا۔ "الاستبصار" میں آپ کے حالات میں ابن اسحاق کی یہ روایت مذکور ہے کہ حضرت مجمع نوعمر لڑکے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کیا۔

حمص میں رہائش پذیر حضرت شہاب القرشی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں "الاصابہ" کے حوالہ سے ابن مندہ کی عبداللہ بن زغب سے یہ روایت مذکور ہے کہ حضرت شہاب القرشی کو نبی ﷺ نے پورا قرآن پڑھایا تھا۔ حمص کے عام لوگ آپ ہی سے قرآن پڑھتے تھے[۶۴] (حوالہ جات کے لیے دیکھئے فتح الباری' ارشاد ابن غازی' الاتقان' شرح المواھب ج۳ص۲۶۶' الجمبری کی شرح الرایہ اور المواھب پر الشبراملسی کا حاشیہ)

قابلِ توجہ اور حیرت انگیز انکشاف

علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں اس مسئلہ میں طویل بحث کے بعد فائدہ کے عنوان میں کہا ہے: میں ایک ایسی صحابیہ کو تلاش کرنے میں کامیاب رہا جس نے قرآن جمع کیا اس موضوع پر نام جمع کرنے والوں میں سے کسی نے بھی ان کا نام نہیں لیا۔ ابن سعد نے "الطبقات" میں حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث الانصاری رضی اللہ عنہا کے متعلق نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے اور آپ نے ان کا نام شہیدہ رکھا تھا' ام ورقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن جمع کیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کو تشریف لے جانے لگے' انہوں نے حضور سے عرض کیا: کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں میں آپ کے ساتھ نکلوں' میں اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی تیمارداری کروں گی' شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت عطا فرما دے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے شہادت مقدر فرما دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے گھر والوں کی امامت کرنے کا حکم دیا تھا' ان کا مؤذن ان کا غلام تھا اور ایک باندی تھی جسے انہوں نے مدبّر کر دیا تھا۔ ان دونوں نے مل کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سچ فرماتے تھے: چلو ہم شہیدہ سے ملاقات کو چلیں[۶۵]

---

۶۴ ضعیف روایت' اسے ابن مندہ نے از طریق محفوظ بن علقمہ از ابن عائذ روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۳۹۳۵) حافظ ابن حجر کے بقول ابن مندہ نے اسے غریب کہا ہے' اس کی روایت میں نصر بن خزیمہ متفرد ہے۔

۶۵ ضعیف حدیث' مسند احمد ج۶ص۴۰۵' دارقطنی ج۱ص۴۰۳' بیہقی ج۳ص۱۳۰' طبرانی "الکبیر" ج۲۵ص۳۲۶' ابونعیم نے الحلیۃ میں اسے ولید بن عبداللہ بن جمیع الزھری کے طریق سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ بقول حافظ ابن حجر ولید بن عبداللہ کی دادی لیلیٰ بنت مالک (اس حدیث کی راویہ) غیر معروف ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امام سیوطی نے "الجمع" میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور اسے ابن راھویہ اور ابونعیم کی الحلیہ سے منسوب کیا ہے' امام بیہقی نے کہا: ابوداؤد نے اس حدیث کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: اس بحث کا مطالعہ کرنے والا اور اس میں غور وفکر سے کام لینے والا یقیناً جان لے گا کہ تمام صحابہ پورے قرآن کے عالم نہ تھے۔ زیادہ تر صحابہ قرآن مجید کے بعض حصوں کے جاننے والے تھے۔ اس کی مزید تفصیل اور تصریح کے لیے استاذ النابلسی کی کتاب "شرح الطریقۃ المحمدیہ" (ج ا ص ۲۵۳) دیکھیں۔

ان صحابہ کا ذکر جن سے قرأت کے طرق منقول ہیں

فاس میں ائمہ قراء کے خاتم شمس بن عبدالسلام الفاسی نے "شرح الجعبری علی الشاطبیہ" کے مقابل ذکر کیا ہے کہ وہ ائمہ جن سے قرأت کے طرق منقول ہیں ہر دور میں اتنی بڑی تعداد میں رہے کہ ان کی گنتی مشکل ہے' مہاجرین صحابہ میں سے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت عمرو بن العاص' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت معاویہ' حضرت ابن زبیر' حضرت عبداللہ بن السائب' حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت ابوسلمہ اور انصار میں حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوالدرداء' حضرت ابوزید' حضرت مجمع بن حارثہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے قرأت کے طرق منقول ہیں۔ (مخطوطہ علامہ الفاسی)

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں کو لکھنا سکھانے والے مسلم مرد

علامہ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" ص ۳۹۳ (مطبوعہ ہند) میں حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص[۶۶] رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو لکھنا سکھائیں وہ بہترین کاتب تھے[۶۷] سنن ابوداؤد میں ہے: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اہل صفہ کے بعض افراد کو قرآن کریم اور لکھنا سکھایا۔

مؤلف کہتے ہیں: "الاصابہ" میں "الاستیعاب" کے حوالہ سے حکم بن سعید بن العاص بن امیہ کے تذکرہ میں "نسب قریش" میں زبیر سے یہی قول منقول ہے۔

(بقیہ حاشیہ: ۶۵) ابوداؤد: ۵۷۷-۵۷۸' حاکم' بیہقی' طبرانی ج ۲۵ ص ۳۲۷' از طریق ولید بن عبداللہ بن جمیع از جدۂ خود اور عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری از ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا۔ ولید کی جدہ (دادی) غیر معروف ہیں اور عبدالرحمٰن بن خلاد مجہول ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے الاصابہ: ۱۵۴۲' تذکرہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا۔

۶۶ الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۳۷۴

۶۷ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب' علی حاشیۃ الاصابہ ج ۲ ص ۳۷۴

لکھنا سکھانے والے کافر اشخاص

علامہ سہیلی نے ''الروض الانف'' کے جزء ثانی ص ۹۲ پر غزوۂ بدر کے متعلق سلسلۂ کلام میں کہا: بدر کے قیدیوں میں لکھنا جاننے والے بھی تھے' انصار کے لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے' لکھنا جاننے والے جس قیدی کے پاس فدیہ دینے کے لیے مال نہ تھا' حضور ﷺ نے اس کی طرف سے دس لڑکوں کے لکھنا سکھانے کو بطور فدیہ قبول فرمایا' اسی دوران حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انصار کے لڑکوں کے ساتھ لکھنا سیکھا تھا۔

علامہ ابوالوفا نصر الھورینی المصری کی کتاب ''المطالع النصریہ'' میں ''الاصول الخطیہ'' کے تحت مذکور ہے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں صرف چھ افراد لکھنا جانتے تھے۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر میں جب انصار نے قریش وغیرہ کے ستر (۷۰) سرغنوں کو گرفتار کرلیا تو ہر قیدی کی رہائی کا فدیہ مال مقرر کیا' اور مالی فدیہ ادا نہ کر سکنے والوں کا فدیہ مدینہ طیبہ کے بچوں کو لکھنا سکھانا قرار دیا' مقررہ تعداد میں بچوں کو لکھنا سکھانے کے بعد ان کو رہائی ملی' اس سے لکھنے کے فن کو فروغ ملا' اور حضور ﷺ کے عہد مبارک میں اور آپ کے وصال کے بعد اسلام نے جتنے علاقے فتح کیے سب میں فن کتابت کو عروج ملا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور ﷺ کے کاتبوں کی تعداد بیالیس (۴۲) تھی۔

علامہ الماوردی نے اپنی کتاب ''ادب الدنیا والدین'' میں ابن قتیبہ سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب کتابت (لکھنے) کی بڑی قدر کرتے تھے اور اسے سب سے زائد فائدہ مند چیز سمجھتے تھے یہاں تک کہ عکرمہ نے بیان کیا بدر کے قیدیوں کا فدیہ چار ہزار مقرر ہوا لیکن لکھنا جاننے والے کے لیے صرف لکھنا سکھا دینا فدیہ قرار دیا گیا' اس سے ان کے دلوں میں کتابت کی عظمت' رفعتِ شان اور عظیم منفعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا ہے:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ (العلق: ۳-۴)

آپ پڑھیں اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے ○ جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا ○

اللہ تعالیٰ نے جس طرح کرم سے اپنی ذات کو متصف فرمایا ہے اسی طرح اپنی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ اس نے قلم کے ذریعہ سکھایا' اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بڑی نعمت اور عظیم القدر نشانی قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی مقدس کتاب میں قلم کی قسم کھائی ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ (القلم: ۱)

نٓ قسم قلم کی اور اس کی جو (فرشتے) لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قلم اور قلم سے لکھے گئے کی قسم کھائی ہے۔

ارشاد الٰہی:

اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ . (الاحقاف: ۴)

لاؤ میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب یا (پہلے) علم کا کچھ بچا ہوا (حصہ)۔

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس سے خط مراد ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ. (البقرہ:۲۶۹) حکمت عطا فرماتا ہے جسے چاہے۔

مجاہد سے اس آیت کے تحت مروی ہے اس سے خط یعنی لکھنا مراد ہے۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ. اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے بہت

(البقرہ:۲۶۹) بھلائی عطا کی گئی۔

سے بھی خط یعنی لکھنا مراد ہے۔

اس تفسیر سے ابن خلدون کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ اہل عرب لکھنے سے ناواقف تھے' کیونکہ عکرمہ مشاہدے کی بات کرتے ہیں اور ابن خلدون نے ظن وتخمین سے کہا ہے۔

عہد رسالت مآب میں خواتین معلّمات

''الاستیعاب'' اور ''الاصابہ'' میں ہے: الشفاء ام سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: تم نے جس طرح حفصہ کو لکھنا سکھایا ہے اسے پھوڑے پھنسی کا دم سکھا دو۔ امام ابوداؤد حضرت شفاء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں شفاء نے کہا: نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے' میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھی' آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پھوڑے کا دم نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے اسے کتابت (لکھنا) سکھائی ہے[۶۸]

علامہ خطابی نے ''معالم السنن'' میں کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا مکروہ نہیں ہے۔

علامہ خطابی کے مذکورہ بالا کلام کو علماء کی ایک جماعت نے نقل کر کے برقرار رکھا ہے' چنانچہ ''الاحکام النبویہ'' میں ابن طرخان نے ''الازھار شرح المصابیح'' میں علامہ اردبیلی نے اور ''الھدی'' میں علامہ ابن القیم وغیرہ نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔

''نور النبراس'' میں ہے ان کے دور میں دمشق کے ایک فقیہ سے سوال کیا گیا: کیا عورتوں کے لیے لکھنا سیکھنا ناجائز ہے' اس نے جواب دیا: عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز نہیں ہے۔ حافظ برھان الدین الحلبی نے کہا: یہ مفتی سنن ابی داؤد کی کتاب الطب میں مروی حدیث سے غافل ہیں' امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے سو یہ حدیث عمل کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھر انہوں نے حضرت شفاء کی حدیث ذکر کی۔

امام مجد الدین ابن تیمیہ نے ''المنتقی'' میں حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث درج کرنے کے بعد کہا: یہ حدیث عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز کی دلیل ہے۔

---

۶۸ صحیح حدیث' ابوداؤد: ۳۸۸۷' مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۲' از شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا۔
امام ابن قیم الجوزیہ نے زاد المعاد ج ۵ ص ۱۸۴ میں کہا ہے: حدیث میں النملۃ کا لفظ آیا ہے' یہ پھوڑا بازوؤں کی طرف نمودار ہوتا ہے اسے نملہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پھوڑے میں چیونٹی چل رہی ہو اور کاٹ رہی ہو۔

قاضی شوکانی ''نیل الاوطار ''میں اس کی شرح میں کہتے ہیں: رہی یہ حدیث کہ عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ' ان کو بالا خانوں میں نہ ٹھہراؤ اور ان کو سورۃ النور کی تعلیم دو[۶۹] اس میں لکھنا سکھانے کی ممانعت ان عورتوں پر محمول ہے جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو[۷۰]

علامہ ابن حجر الہیثمی الشافعی المصری کے ''الفتاویٰ الحدیثیہ ''میں ہے ان سے پوچھا گیا: عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینے کا کیا حکم ہے؟ ''وسیط الواحدی ''میں ہے: سورۃ النور کا ابتدائی حصہ اس کے عدم استحباب پر دلالت کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے یا ضعیف ہے؟ انہوں نے جواب دیا: صحیح ہے[۷۱] امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور بیہقی نے مرفوعاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: عورتوں کو بالا خانوں میں نہ بٹھاؤ اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ' ان کو چرخہ کاتنا سکھاؤ اور سورۃ النور کی تعلیم دو[۷۱]

سورۃ النور میں خواتین کے تحفظ اور علم کے متعلق بہت سے احکام مذکور ہیں' ان کی روشنی میں عورتیں ہر فتنہ' شک اور بدگمانی سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً[۷۲] روایت کیا ہے کہ حکیم لقمان نے لکھنے والوں میں ایک لڑکی کو دیکھا تو کہا: یہ تلوار کس کے لیے صیقل (تیز) کی جارہی ہے تاکہ اسے اس سے ذبح کیا جائے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ لکھنا سکھانے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ جب عورت لکھنا سیکھ لے گی تو لکھ کر اپنے اغراض فاسدہ تک رسائی حاصل کرلے گی۔

---

[۶۹] موضوع حدیث ہے' اسے ابن حبان نے الضعفاء ج ۲ص ۳۰۲ میں' الخطیب نے تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۲۲۴ میں' بیہقی نے شعب الایمان ج ۲ص ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۲۴۵۳ میں اور ابن الجوزی نے الموضوعات ج ۲ص ۲۶۷ میں' از طریق محمد بن ابراہیم ابی عبداللہ الشامی' شعیب بن اسحاق الدمشقی' ہشام بن عروہ' عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے' بیہقی نے کہا: اس اسناد کے ساتھ یہ حدیث منکر ہے۔ میں کہتا ہوں: موضوع ہے' محمد بن ابراہیم کو دارقطنی نے کذاب کہا ہے' ابن عدی نے کہا: اس کی عمومی احادیث غیر محفوظ ہیں' ابن حبان نے کہا: بغیر اعتبار کے اس سے روایت کرنا حلال نہیں' یہ احادیث گھڑتا تھا۔ اسی جیسا راوی عبدالوہاب الضحاک اس کا متابع ہے' شاید ایک نے دوسرے سے سرقہ کیا ہے' اس کی روایت کو حاکم نے ج ۲ص ۳۹۶ میں' بیہقی نے شعب الایمان: ۲۴۵۳ میں شعیب بن اسحاق کے طریق سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا' ذھبی نے اس کا رد کیا ہے اور اسے موضوع کہا ہے اور اس کی آفت عبدالوہاب کو قرار دیا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یہ کذاب ہے پھر میں نے ''المیزان ''میں اس کے تذکرہ میں دیکھا' ابن حبان نے اس کے متعلق کہا: محمد بن ابراہیم حدیث چراتا تھا' اس سے ثابت ہوا کہ اس نے پہلے کذاب سے چوری کی ہوگی۔

تعجب ہے شوکانی نے ''نیل الاوطار'' ج ۸ص ۱۷۷' اس حدیث کو صحیح کہا ہے پھر اپنی کتاب ''الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة'' (ص ۱۲۶) میں اسے موضوع قرار دیا ہے' مصنف پر بھی تعجب ہے کہ اتنے بڑے محدث ہونے کے باوجود ان پر اس حدیث کا موضوع ہونا مخفی رہا' ملاحظہ کیجئے: سلسلة الاحادیث الضعیفة: ۲۰۱۷۔

[۷۰] بلکہ موضوع ہے جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا ہے۔

[۷۱] یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو استدلال کے لائق ہوتی' یہ تو موضوع ہے' اس میں جاہل رہنے کی تلقین ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے عموم کی مخالفت ہے کہ اقرا باسم ربک الذی خلق. اس کے علاوہ کئی آیات ہیں جس میں مردوں اور عورتوں کو حصول علم اور پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ان آیات میں مردوں کی تخصیص نہیں بلکہ حصول علم کے لیے مردوں' عورتوں کو برابر رکھا گیا ہے۔

[۷۲] یقینی موضوع ہے' اس کا تعلق اسرائیلیات سے ہے' اور اہل کتاب سے مروی روایات ناقابل اعتماد ہیں۔

واضح رہے عورتوں کو لکھنا سکھانے کی ممانعت ان کو قرآن مجید' علوم اور آداب کی تعلیم کے منافی نہیں کیونکہ اس تعلیم کا تعلق مصلحت عامہ سے ہے' اس سے برائیوں کے پہنچنے کا کوئی خطرہ نہیں جیسا کہ کتابت میں ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ ابوداؤد نے حضرت شفاء کی یہ حدیث روایت کی ہے جس میں آپ کا ارشاد گرامی ہے: اسے دم کرنا سکھاؤ جس طرح تم نے اسے لکھنا سکھایا ہے' یہ حدیث عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینے پر دلالت کرتی ہے[۳]

میرا جواب ہے اس حدیث میں یہ دلالت نہیں ہے کہ عورتوں کو لکھنا سیکھنے کا حکم دو' اس حدیث میں عورتوں کے لکھنا سیکھنے کے جواز کی دلیل ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں' مناسب بات یہ ہے کہ لکھنا سیکھنے پر مرتب ہونے والے مفاسد کے پیش نظر یہ نہی تنزیہی ہے۔

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی حدیث کو حافظ سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے: حفصہ کو پھوڑے کا دم سکھاؤ۔ اور اسے ابوعبیدہ کی ''الغریب'' میں ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے منسوب کیا ہے۔ علامہ المناوی نے ''فتح القدیر'' میں کہا: ''الفائق'' کی روایت کے مطابق دم کے الفاظ یہ تھے: قروح تخرج بالجنب فترقی فتذهب۔ بعض علماء مغاربہ نے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ الفاظ ان خرافات سے ہیں جن سے آپ ﷺ منع فرماتے تھے سو آپ اس کا حکم کیونکر دیں گے[۴] آپ کا ارادہ ممانعت ہی کا تھا اور حضرت حفصہ کی تادیب مطلوب تھی کہ انہوں نے حضور ﷺ کا راز افشا کر دیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا . (التحریم:۳) اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات فرمائی۔

''التیسیر'' میں ہے: دم کے الفاظ یہ تھے: ''العروس تحتفل' وتختضب وتكتحل' وكل شيء تفتعل' غير ان لا تعصى الرجل'' النہایہ میں ہے: حضور ﷺ نے بطور مزاح یہ ارشاد فرمایا تھا' جس طرح آپ نے فرمایا تھا: بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی[۵] کیونکہ پھوڑے کا یہ دم عورتیں کیا کرتی تھیں' اور سننے والے جانتے تھے کہ اس کلام سے کسی قسم کا نفع اور نقصان وابستہ نہیں ہے۔

صحیح البخاری کی حدیث ہے: تین شخصوں کے لیے دہرا اجر ہے' اہل کتاب کا وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد ﷺ پر ایمان لایا' مملوک غلام جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اپنے مالکوں کا حق ادا کیا اور وہ شخص جس کے

---

[۳] مؤلف کا اس حدیث اور حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تطبیق دینے کی کوشش کرنا لاحاصل سعی ہے کیونکہ یہ حدیث موضوع ہے اور اس سے عورتوں کو تعلیم نہ دینے کا نتیجہ نکالنا سراسر غفلت ہے' علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج۵ ص۳۳ میں علامہ کتانی اور ہر اس شخص کا رد کیا ہے جس نے حدیث موضوع کو صحیح کہا ہے۔

[۴] بلکہ صحیح قول وہ ہے جسے علامہ مناوی نے فتح القدیر میں بیان کیا ہے اور یہ خرافات میں سے نہیں ہے جیسا کہ نامعلوم الاسم مغربی دانشور کے حوالہ سے مصنف نے نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے امام ابن القیم کی زاد المعاد سے حدیث شفاء رضی اللہ عنہ کی تخریج ملاحظہ کریں۔

[۵] حسن حدیث جیسی ہے' اسے ترمذی نے الشمائل: ۲۴۰ میں اپنی سند سے حسن سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ عراقی نے ''الاحیاء'' ج۳ ص۱۲۹ میں کہا ہے: اسے ابن الجوزی نے ''الوفاء'' میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' میں کہتا ہوں: مسند حدیث جب مرسل سے مؤید ہو تو وہ حسن یا حسن جیسی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

پاس باندی تھی وہ اس سے ہم بستری کیا کرتا تھا اس نے اسے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا اور تعلیم دی تو اچھی تعلیم دی[6] علامہ بدر الدمامینی اس حدیث پر حواشی میں لکھتے ہیں: یہ حدیث باندیوں کی تعلیم کی ترغیب دیتی ہے اس سے اندازہ لگائیں کہ آزاد عورتوں اور عزیز و اقارب کی تعلیم کا کتنا اجر اور مفاد ہوگا[7]۔ (ابن منیر)

امام بخاری نے یہ حدیث صحیح البخاری کے "باب تعلیم الرجل امته واهله شرائع الدين" میں نقل کی ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: "عظة الامام النساء وتعليمهن" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ عورتوں کی طرف تشریف لے گئے آپ کے ساتھ بلال تھے، آپ کا خیال تھا عورتوں نے نہیں سنا تو آپ نے ان کو وعظ و نصیحت فرمائی[8]۔

علامہ الدمامینی نے کہا: یہ حدیث عورتوں کے عیدین اور مجالس خیر میں حاضر ہونے کی اصل ہے، شرط یہ ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

"الفجر الساطع" میں اس عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اس سے عورتوں کی تعلیم مطلوب ہے اور اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح کسی آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اہل کو تعلیم دے اسی طرح امام سے مطلوب ہے کہ وہ یا اس کا نائب عورتوں کو تعلیم دے۔

دو ترجموں کے بعد امام بخاری نے "باب هل يجعل للنساء يوما على حدة في العلم" کا عنوان ذکر کیا ہے[9] "الفجر الساطع" میں ہے، یعنی کیا عورتوں کی تعلیم کے لیے الگ دن مقرر کیا جائے؟ جواب محذوف ہے اور وہ یہ ہے: ہاں ان کے لیے الگ دن مقرر کیا جائے۔

علامہ نابلسی کی کتاب "شرح الطريقة المحمدية" میں ہے: عورت کا طلب علم، تعلیم اور مریدین کی تربیت کے حلقوں میں شامل ہونا مذموم تشبہ میں شامل نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علوم بیان فرماتیں اور بڑے بڑے اہل علم پر اشکال وارد کرتی تھیں، احادیث کے مطابق آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کی غلطیوں کی اصلاح کی جن میں حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، ابن عباس، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن الزبیر، ابوزید، ابوالدرداء، ابوسعید، البراء بن عازب، اور فاطمہ بنت قیس وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے اس موضوع پر کتب تالیف کی ہیں، اس سلسلہ کی آخری کڑی حافظ سیوطی کی کتاب "الاصابة فيما استدركته عائشة على الصحابة" ہے۔

حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: میں نے حلال وحرام، علم، طب اور شعر کا حضرت عائشہ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (حاکم)

---

[6] صحیح البخاری: ۹۷۔۲۵۴۴۔۲۵۴۷۔۳۰۱۱۔۳۴۴۶۔۵۰۸۳، صحیح مسلم: ۱۵۴، ابوداود: ۲۰۵۳، ترمذی: ۱۱۱۶، نسائی ج۶ ص۱۱۵، ابن ماجہ: ۱۹۵۶، احمد ج۴ ص۳۹۵۔۴۰۵، از ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

[7] اس میں مصنف اور ان تمام لوگوں کی تردید ہے جو خواتین کی تعلیم کے مخالف ہیں۔

[8] صحیح البخاری: ۹۸۔۸۶۳۔۹۶۲۔۹۷۵۔۹۷۷۔۹۷۹۔۹۸۹۔۱۴۳۱۔۱۴۴۹۔۴۸۹۵۔۵۲۴۹۔۵۸۸۱۔۵۸۸۳۔۷۳۲۵ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[9] صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ۳۶، ج۱ ص۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔

مسروق نے کہا: میں نے صحابہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میراث کے مسائل دریافت کرتے دیکھا۔ (حاکم)

اسی طرح باقی ازواج مطہرات کا معاملہ تھا' صحابیات میں سے جیسے ام سلیم' ام الدرداء اور فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہن ہیں۔ باقی صالح' عارف باللہ خواتین جیسے رابعہ عدویہ' رابعہ شامیہ' اور شعوانہ ہیں' لوگ جس طرح مردوں سے علم وادب حاصل کرتے تھے ان محترم خواتین سے بھی علم' ادب اور زہد کی تعلیم پاتے تھے۔ کتب حدیث اور تاریخ میں ایسی کثیر روایات موجود ہیں۔ بعض خواتین عبادت اور تقویٰ کے اس درجہ پر فائز ہوئیں کہ مرد بھی وہاں تک رسائی سے عاجز رہے۔

افریقہ کے صحرانشینوں خصوصاً موریطانیہ کے شنقیط اور ٹمبکٹو کے علاقوں کی کثیر التعداد خواتین علم وادب میں نمایاں مقام رکھتی ہیں' یہاں تک کہ مشہور صاحب طریقت شیخ مختار الکنتی نے جس روز مردوں کی مجلس میں ''المختصر الخليلي'' ختم کی' اسی روز ان کی اہلیہ نے بھی عورتوں کی مجلس میں اسے ختم کیا۔ شیخ کے فرزند ارجمند علامہ ابوعبداللہ محمد بن شیخ مختار نے اپنے والدین کے تذکرہ میں ایک ضخیم کتاب بنام ''الطريقة و التالدة في مناقب الشيخ الوالد والشيخة الوالده'' تالیف کی ہے۔

عورتوں کی تعلیم کے حکم پر مندرجہ ذیل کتب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے:''شرح المجاجي علی مختصر ابن جمرة للصحيح'' ابن مفلح حنبلی کی ''الآداب الكبرى'' عصر حاضر کے محدث ہند شیخ محمد شمس الحق الہ آبادی کی کتاب ''عقود الجمان في جواز الكتابة للنسوان'' زروق کی ''شرح الوغليسيه'' نیز ''شرح ابي علي بن رحال على المختصر'' اور متاخرین میں سے محترمہ زینب بنت فواز مصری کی ضخیم کتاب ''الدر المنثور في طبقات ربات الخدور'' اس موضوع پر عمدہ کتاب ہے۔

یہاں اپنے ہم عصر مشہور مصری شاعر شیخ مصطفیٰ صادق الرافعی [80] کے چند اشعار نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

لوگو! بیٹیاں درس تدریس' لکھنے مٹانے اور بحث مباحثہ کے لیے نہیں پیدا کی گئیں۔
ہمارے لیے علوم اور ان کے لیے اس کے علاوہ ہے' انہیں دھلائی کے لیے کپڑے پھیلانا سکھائیں
اور اس کے ہاتھ میں سوئی دیں وہ اس خوبصورت تحریر کو لکھتی مٹاتی رہیں (سلائی کڑھائی میں ماہر ہوں [81]

فائدہ

تونس میں مجھے حافظ ابوالفرج ابن الجوزی کا ایک جزء بنام ''ری الظما في من قال الشعر من الاماء''

[80] ادیب کبیر اور شاعر مصطفیٰ صادق بن عبدالرزاق بن سعید بن احمد بن عبدالقادر الرافعی متوفی ۱۳۵۶ھ؍۱۹۳۷ء طرابلس شام کے رہنے والے تھے۔ وحی القلم' تاریخ آداب العرب اور اعجاز القرآن و البلاغة النبوية ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ (الاعلام زرکلی ج ۷ ص ۲۳۵)

[81] حیرت ہے مؤلف چند سطور قبل عورتوں کی تعلیم کے مؤید ہیں اور یہاں رافعی کے اشعار نقل کر رہے ہیں جو ان کے موقف کی نفی کرتے ہیں۔

دستیاب ہوا اس کے شروع میں ابن الجوزی نے کہا ہے: وزیر سلطنت خاصے دنوں سے مجھ سے ایسی مملوکہ باندیوں کے متعلق گفتگو کرتے رہتے تھے جو شاعرہ تھیں، پھر مجھے ان کے حالات اور اشعار جمع کرنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ بنو امیہ اور بنو عباس دونوں ادوار کی مملوکہ شاعرات کا تذکرہ لکھوں۔

مجھے دولت بنو امیہ میں مشہور یا گمنام شاعرہ نہ ملی۔ کیونکہ اس عہد کے لوگ شعر میں نرمی کو ناروا جانتے تھے وہ فصیح و بلیغ اور سلیس شاعری کے دلدادہ تھے اس سے کم پر راضی نہ ہوتے تھے۔

دولت بنو عباس میں شاعری میں لچک، نرم خوئی اور خوش مزاجی در آئی، مجھے ان شاعرات کے بارے میں جو اچھی خبر ملی یا ان کا اچھا شعر ملا اسے ترتیب دیا اور ان شاعرات کے مراتب اور دور کے لحاظ سے ان کا تذکرہ لکھا، جستجو اور چھان بین سے مجھے تیس کے قریب باندیوں کے حالات اور اشعار دستیاب ہوئے۔ میں نے متصل اسناد سے ان کا ذکر کیا ہے۔ اس سے علامہ ابن الجوزی کی معلومات اور حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

''الاصابہ'' میں حضرت شفاء[۸۲] رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے آپ عقل مند صاحب علم و فضل خواتین میں سے تھیں، نبی ﷺ ان کے ہاں تشریف لاتے اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے، حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے آرام فرمانے کے لیے بستر تیار کیا تھا، وہ ان کے بیٹے کے پاس موجود تھا یہاں تک کہ ان کی اولاد سے وہ بستر مروان نے لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے درزیوں کے بازار کے پاس ان کو گھر عطیہ فرمایا تھا، حضور ﷺ ان کی حویلی میں تشریف لاتے، ان کو راضی رکھتے اور شرف عطا فرماتے۔ بسا اوقات ان کو بازار کی بعض اشیاء کا نگران مقرر فرماتے تھے۔

''اختصار سنن ابی داؤد'' میں علامہ المنذری نے بھی یہی لکھا ہے۔

دار القراء کا قیام

علامہ ابو عمر بن عبد البر ''الاستیعاب'' میں عبادلہ کے باب میں ص ۳۴۷ پر حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: آپ قرشی، عامری ہیں، پھر واقدی سے نقل کرتے ہیں کہ آپ غزوۂ بدر کے مختصر عرصہ بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے اور دار القراء میں ٹھہرے۔

طبقات ابن سعد میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ غزوۂ بدر کے کچھ ہی عرصہ بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے اور دار القراء میں ٹھہرے۔ یہ حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ (ج ۴ ص ۱۵۰) اسی سے علماء نے مدارس کے قیام کی دلیل حاصل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں کے مفتیوں کا بیان

''الموطا'' میں حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دو آدمیوں نے رسول اللہ

۸۲۔ الاصابہ: ۶۲۲، ج ۴ ص ۳۴۱۔۳۴۲

ﷺ کی خدمت میں جھگڑا کیا' ان میں سے ایک نے کہا: میں نے اہل علم سے سوال کیا انہوں نے مجھے خبر دی[۸۳]

یہ حدیث اس پر صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایسے اصحاب تھے جن کے پاس لوگ اپنی شکایات کے ازالے کے لیے جایا کرتے تھے۔ پھر اگر وہ ان کے فیصلہ پر راضی نہ ہوتے تو اپنی شکایت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

علامہ ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب "المدهش" میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں فتویٰ دینے والے صحابہ کے مندرجہ ذیل اسماء گرامی درج کیے ہیں: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت معاذ بن جبل' حضرت حذیفہ' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوالدرداء' حضرت ابوموسیٰ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین۔

علامہ کتانی کہتے ہیں علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "التلقیح" میں بھی ان اصحاب کے نام لکھے ہیں۔ التلقیح ابن الجوزی کی انوکھی اور نادر ترین کتاب ہے' میرے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

"الاصابه" میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت مشکلات میں ان سے دریافت کرتے اور سنگین معاملات میں ان کو فیصلہ کرنے کا کہتے تھے۔ (ص ۱۶)

"الاحیاء" (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۳) میں ہے دس سے کچھ زائد صحابہ کرام فتویٰ دیا کرتے تھے' مثلاً حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت ابوالدرداء' حضرت علی' حضرت حذیفہ' حضرت معاذ' حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس' حضرت زید بن ثابت' حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

"الاحیاء" کی اصل عبارت قوت القلوب میں ہے اس میں ہے: صحابہ کرام نے خود کو فتویٰ دینے کے لیے پیش نہیں کیا نہ وہ آپ کی طرف سے فیصلوں اور احکام کے ضامن اور کفیل بنے (جس کو حضور ﷺ نے خود مقرر فرما دیا وہی اس منصب پر فائز ہوا)۔

۸۳۔ صحیح حدیث' الموطا ج ۲ ص ۸۲۲' مسند الشافعی ج ۳ ص ۷۸۔۷۹' صحیح البخاری: ۲۳۱۴۔۲۶۴۳۔۶۸۴۲' ابوداؤد: ۴۴۴۵' ترمذی: ۱۴۳۳' نسائی ج ۸ ص ۲۴۰۔۲۴۱' طبرانی: ۵۱۹۰' طحاوی ج ۳ ص ۱۳۵' بغوی: ۲۵۷۹' از مالک از ابو ہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما۔

صحیح البخاری: ۲۶۹۵' صحیح مسلم: ۱۶۹۷' عبدالرزاق: ۱۳۳۰۹' احمد ج ۴ ص ۱۵۵' از ابو ہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما۔

مؤطا کی حدیث یہ ہے: دو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا کیا' ایک نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے' دوسرے نے جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا' کہا: ہاں یارسول اللہ! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے؟ آپ نے فرمایا: بات کرو' اس نے کہا: میرا بیٹا اس کے ہاں نوکر تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا' اس نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم (سنگسار کرنا) ہے' تو میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک باندی دی' پھر میں نے اہل علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے بتایا: میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہے اور یہ کہ رجم کی سزا اس کی بیوی پر ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم بخدا! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا' تیری بکریاں اور باندی تجھے واپس ہوں گی' اور آپ نے اس کے بیٹے کو سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا دی اور حضرت انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' اس دوسرے کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کرو' اس نے اعتراف کر لیا تو اسے رجم کیا گیا۔

"الطبقات" میں ابن سعد نے حضرت سہل بن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں تین مہاجر صحابہ' حضرت عمر' حضرت علی اور حضرت عثمان اور تین انصاری صحابہ حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے' حضرت خراش الاسلمی کی روایت میں ہے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی ﷺ کے عہد مبارک میں فتویٰ دیتے تھے۔

"مجمع بحار الانوار" کے آخر میں الفتنی نے کہا ہے: حضور ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں دوسروں کے فتویٰ کا انکار نہیں فرمایا کیونکہ صحابہ کا فتویٰ آپ ہی کی تعلیم کا حاصل ہوتا تھا' یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں چودہ صحابہ کرام اہل فتویٰ تھے' لیکن آپ کے حضور میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا صحابی فتویٰ نہیں دیتا تھا۔

حافظ سیوطی نے اپنی کتاب 'قلائد الفرائد و آداب الفتویٰ' اور 'الحاوی' میں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں فتویٰ دینے والے صحابہ کا دو اشعار میں ذکر کیا ہے:

نبی ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ کی ایک جماعت فرمانبرداروں کی طرح فتویٰ دیتی تھی'

چار خلفاء راشدین' حضرت معاذ' ابی' ابن عوف اور زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم)۔

شیخ نجم الدین ابن قاضی عجلون صاحب 'تصحیح المنهاج' نے بھی اس موضوع پر نظم کہی ہے' چنانچہ النجم الغزی نے 'الکواکب السائرة فی اهل المائة العاشرة' میں کہا ہے:

مجھ سے شیخ الاسلام والد ماجد نے بیان کیا کہ ان سے شیخ الاسلام تقی الدین ابن قاضی عجلون نے اپنے بھائی شیخ الاسلام نجم الدین ابن قاضی عجلون کے یہ اشعار بیان کیے:

(۱) ہمارے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں خلفاء راشدین کے ساتھ یہ صحابہ فتویٰ دیتے تھے:

(۲) معاذ' عمار' زید بن ثابت' ابی' ابن مسعود' ابن عوف' حذیفہ۔

(۳) ان میں ابو موسیٰ ہیں اور سلمان جیسا عالم' اسی طرح آخری ابو الدرداء ہیں۔

اور حضور ﷺ کی میراث کا فتویٰ حضرت ابو بکر نے دیا' سب صحابہ نے ان کی تصدیق کی' یہ اس کے علاوہ ہے۔

"شرح الاحیاء" کی کتاب العلم میں ہے' اور امام سیوطی نے 'تدریب الراوی' میں اسے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ مطلقاً چھ صحابہ کرام اکثر فتویٰ دیتے تھے حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم' صحابیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' ان میں سے ہر صحابی کے فتاویٰ پر ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ ان کے بعد یہ بیس صحابہ کرام ہیں: حضرت ابو بکر' حضرت عثمان' حضرت ابو موسیٰ' حضرت معاذ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس' حضرت عبد اللہ بن عمرو بن

العاص' حضرت سلمان' حضرت جابر' حضرت ابوسعید' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عمران بن حصین' حضرت ابوبکرہ' حضرت عبادہ بن الصامت' حضرت معاویہ' حضرت ابن الزبیر اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ مؤخر الذکر صحابہ کرام کے فتاویٰ کتاب کے ایک چھوٹے جزء کے برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک سو بیس ایسے صحابہ کرام ہیں جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے درمیان مسائل کی دریافت میں واسطہ بننے والے صحابہ

''الاصابہ''[84] میں حضرت ثابت بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ کا ذکر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ضعیف السند حدیث میں ہے' جسے خطیب نے ''المؤتلف'' میں اس سند سے روایت کیا ہے: قاسم بن خلیفہ از ابو یحییٰ' تمیمی از اسماعیل بن ابراہیم از مطین بن خالد از انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت انس نے فرمایا: جب ہم رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال کرنا چاہتے تو حضرت علی یا حضرت سلمان یا حضرت ثابت بن معاذ رضی اللہ عنہم کو کہتے۔ کیونکہ یہ حضرات حضور ﷺ سے سوال کرنے میں سب سے جرأت مند تھے' پھر جب سورۃ النصر نازل ہوئی' اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں حدیث مذکور ہے۔
حافظ ابن حجر نے خطیب سے نقل کر کے کہا: راوی مطیب مجہول ہے اور ابو یحییٰ التیمی نہایت ضعیف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں خواب کی تعبیر بیان کرنے والے

علی بن سعد الخولانی القیروانی نے اپنی کتاب ''التعبیر'' میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں خوابوں کی تعبیر کے سب سے ماہر ابوبکر اور اسماء بنت عمیس ہیں[85] صحیحین میں حضرت ابوبکر کے خواب کی تعبیر بتانے کا ذکر ہے' پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس تعبیر کی تصویب چاہی تو حضور نے فرمایا: تعبیر میں تم نے کچھ درست کہا اور کچھ میں خطا کی۔[86]
رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنا خواب بیان فرمایا: میں نے حیس (کھجور' پنیر اور گھی کا حلوہ) کا ایک لقمہ لیا مجھے اس کا ذائقہ لذیذ محسوس ہوا' جب میں نے اسے نگلا تو اس میں کچھ میرے حلق میں اٹک گیا تو علی نے اپنا ہاتھ

---

[84] الاصابہ: ۲۹۲' ج ۱ ص ۲۰۸' مصنف کی ذکر کردہ حدیث کو حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے۔

[85] مجھے اس کا اسناد دستیاب نہیں ہوا۔

[86] صحیح حدیث' اس کا بعض حصہ صحیح البخاری ۷۰۴۶ میں ہے' مسلم: ۲۲۶۹' ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۹۔۶۰' الحمیدی: ۵۳۹' احمد ج ۱ ص ۲۳۶' ابوداؤد: ۳۲۶۷۔۳۲۶۹' ترمذی: ۲۲۹۴' ابن ماجہ: ۳۹۱۸' ابن حبان: ۱۱۱' بغوی: ۳۲۸۳' بیہقی ج ۱۰ ص ۳۸۔۳۹' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

داخل کر کے اسے نکال لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعبیر عرض کی: یا رسول اللہ! یہ آپ کے سرایا میں سے ایک سریہ ہے اس میں آپ کو بعض پسندیدہ خبریں ملیں گی، بعض امور میں الجھن پیدا ہوگی، آپ علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمائیں گے وہ اس الجھن کو سلجھائیں گے۔ چنانچہ بعد میں تہامہ کی جانب حضرت خالد کا سریہ واقع ہوا اس میں بعض امور آپ کو ناپسند آئے تو آپ نے حضرت علی کو روانہ فرمایا[87]

ابن بادیس نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خواب کی تعبیر بتانے کا حکم فرمایا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے انہوں نے خود تعبیر پیش کر دی حضور ﷺ نے تعبیر نہیں دریافت فرمائی تھی۔

اس روایت میں یہ دلیل ملتی ہے کہ عالم کا اپنے سے کم تر سے اس طرح کے معاملات میں رجوع جائز ہے۔ کیونکہ شاگرد اور متعلقین کا علم و فضل اور مہارت دراصل اس عالم کی تعلیم ہی کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ یہاں حضرت ابوبکر کی تعبیر رؤیا تک رسائی حضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات کا پرتو اور عکس تھی۔

امام سیوطی کی "تاریخ الخلفاء" میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خوابوں کی تعبیر کے علم کے انتہائی ماہر تھے، نبی ﷺ کے عہد مبارک میں آپ خوابوں کی تعبیر بیان کرتے تھے۔ امام محمد بن سیرین نے کہا ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بالاتفاق اس علم میں سب سے مقدم ہیں، نبی ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے بڑے معبر (خوابوں کی تعبیر بیان کرنے والے) تھے۔ (ابن سعد)

الدیلمی نے "مسند الفردوس" میں اور ابن عساکر نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے خوابوں کی تعبیر ابوبکر کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[88]

"الاصابہ" (ج ۴ ص ۲۳۲) میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ حضرت اسماء سے خوابوں کی تعبیر دریافت کرتے تھے۔ علامہ قسطلانی نے صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خوابوں کی تعبیر جانتی تھیں، یہاں تک کہا گیا ہے کہ ابن سیرین نے خوابوں کی تعبیر کا علم ابن المسیب سے لیا اور ابن المسیب نے حضرت اسماء سے اور حضرت اسماء نے اپنے والد (؟ شوہر) سے۔ (طبقات ابن سعد عن الواقدی)

حافظ حسین خلال نے اپنی کتاب "طبقات المعبرین" میں پانچ سو پچاس (۵۵۰) ایسے مشاہیر معبرین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس علم میں مہارت حاصل کی۔ حافظ حسین خلال نے تعبیر کے علماء کی پندرہ قسمیں بیان کی ہیں:

اوّل: انبیاء کرام سے، دوم: صحابہ کرام سے، سوم: تابعین میں سے، چہارم: فقہاء میں سے، پنجم: واعظین میں سے، ششم: مؤلفین میں سے، تفصیل کے لیے کشف الظنون کا مطالعہ فرمائیں۔

"الرسالہ" میں ہے علم کے بغیر خواب کی تعبیر بتانا مناسب نہیں ہے، علامہ التادلی نے فرمایا: ہاں وہ شخص تعبیر بتا سکتا ہے جو اصول تفسیر یعنی کتاب و سنت، کلام عرب، اشعار عرب اور اہل عرب کی مثالوں کا عالم ہو اور صاحب فضل،

---

[87] کافی ریسرچ کے باوجود مجھے یہ روایت نہیں ملی یقیناً یہ ضعیف حدیث ہے۔

[88] اسے ابن عساکر اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ تاریخ الخلفاء ص ۶۵ اور یہ روایت ضعیف ہے۔

باصلاحیت اور صاحب فراست ہو۔ کتابوں سے دیکھ کر تعبیر بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اشخاص' ادوار اور احوال کے اختلاف سے خواب مختلف ہوتے ہیں۔

الفاکہانی نے فرمایا: بغیر علم کے تعبیر بیان کرنا حرام ہے' کیونکہ معبر تعبیر بیان کرنے میں جھوٹا ہوگا یا پھر اندازے سے بتائے گا' ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ اور (اے مخاطب!) اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ (بنی اسرائیل:۳۶)

علامہ دردیری کی شرح "اقرب المسالک" میں ہے تعبیر رؤیا کا علم کتابوں میں نہیں جیسے بعض لوگ ابن سیرین سے منسوب کتابوں سے اسے کشید کرتے ہیں' ایسی کتب سے تعبیر بیان کرنا حرام ہے۔ بلکہ تعبیر کا تعلق احوال اور اوقات کے فہم اور علمی فراست سے ہے۔

"الرسالة" پر شیخ زروق کی شرح میں ہے امام مالک سے کہا گیا: کیا ایسا شخص خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے جسے تعبیر کا علم نہ ہو؟ امام نے کہا: کیا وہ نبوت کے ساتھ کھیلتا ہے؟ علامہ جسوس اس کی تشریح میں کہتے ہیں: کیونکہ نبی ﷺ نے خواب کو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء قرار دیا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کے خوابوں سے احکام حاصل کیے جیسے اذان کا خواب اور لیلۃ القدر کا خواب۔ علامہ قرطبی نے ایسے خوابوں کو الہام قرار دیا ہے۔ آبی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

شیخ ابو یحیٰی التازی اس پر کہتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ جو شخص خوابوں کی تعبیر پر مشتمل فروعی کتب کا مطالعہ کرے گا جیسے علی بن ابی طالب قیروانی وغیرہ کی کتاب ہے تو اس کو خواب اور اس کی تعبیر پر نص ملے گی۔ (یعنی اگر یہ خواب دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے) اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ایسا شخص فروعات کے مقلد کی طرح ہے وہ خواب اور اس کی تعبیر بیان کرتا ہے حالانکہ کسی شخص کے خواب کو دوسرے شخص کے خواب کی نظیر قرار دینا کبھی غلط بھی ہوتا ہے۔

انتباہ

خوابوں کی تعبیر کے علم کے متعلق ابن سیرین سے منسوب کتب گزشتہ بزرگوں پر جھوٹ باندھنے کی نہایت گھٹیا اور بھونڈی مثال ہے' تابعین کے متعلق یہ تصور کرنا کہ انہوں نے اس قسم کی کتب تالیف کیں' دور کی کوڑی لانا ہے' اس طرح کی کتب ان کے بعد کے ادوار میں شائع ہوئیں۔ واللہ اعلم

علامہ الشہاب المرجانی نے "وفیۃ الاسلاف ص ۲۹۸" میں کہا ہے: سب سے پہلے اس موضوع پر ابراہیم بن عبداللہ الکرمانی کی تالیف منظر عام پر آئی' پھر علماء اسلام نے اس پر بکثرت کتب لکھیں' ہمارے دور میں ان میں سے اکثر تعبیروں کو ابن سیرین کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس تعبیر کا قائل کتاب کا مؤلف ہوتا ہے امام ابن سیرین نہیں ہوتے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی کہے: امام محمد نے نوادر ہشام میں ذکر کیا' یا امام شافعی نے البویطی میں ذکر کیا' حالانکہ ذکر کرنے والے ہشام اور بویطی ہیں' صرف قول امام محمد یا امام شافعی کا ہے۔ اسی طرح

تعبیر رؤیا کی کتابوں میں مذکور ہوتا ہے اس خواب کی تعبیر میں یہ کہا گیا ہے۔ کتاب کا قاری سمجھتا ہے، شاید یہ ابن سیرین کا قول ہے۔ حالانکہ یہ مؤلف کا قول ہوتا ہے۔

''الطرق الحکمیة'' کے ص ۲۵۶ پر علامہ ابن القیم، ابن سیرین کی طرف منسوب تعبیر رؤیا کی تدوین پر علماء سلف کے انکار پر بحث کے بعد لکھتے ہیں: ابن سیرین اور آپ کے اصحاب، حدیث رسول ﷺ نہیں لکھتے تھے وہ خوابوں کی تعبیر کیوں کر لکھتے ہوں گے۔

طبقات ابن سعد میں ابن سیرین کے تذکرہ میں ہے آپ احادیث کی کتابت کو درست نہیں سمجھتے تھے وہ تعبیر رؤیا کی تدوین کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا خواب ہے جو تعبیر کا محتاج ہے اور ہم خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں ہیں۔

بعد ازاں میں نے شمس ابن سلیمان الردانی کی مسند میں حرف عین میں ''کتاب عبارة الرؤیا لابی بکر محمد بن سیرین المعبر '' کے زیر عنوان دو اجزاء پائے جن میں انہوں نے خلف کی سلف سے بہ سند روایات ذکر کی ہیں، اس میں ذکر کیا ہے کہ انہیں یہ روایت اس سند سے ملی ہے فخر بن البخاری از ابو الفتح محمد المیذانی از ھبۃ اللہ بن محمد بن الحصین از علی بن الحسن التنوخی از ابراہیم بن احمد الطبری از محمد بن موسیٰ الانصاری از احمد بن حمدیہ الزاھد از محمود بن محمد الحلبی از مخلد بن عبد الواحد المعبر از ہشام از ابو بکر المعبر۔ ہر حالت میں یہ امر ہشام راوی کی ابن سیرین سے معرفت پر موقوف ہے۔ اور یہ کہ کیا ابو بکر المعبر سے حضرت ابن سیرین ہی مراد ہیں یا اس سے کوئی اور مراد ہے، غور فرمائیں۔

اس بحث کو فتویٰ دینے والوں کے ذکر کے آخر میں درج کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تعبیر کا تعلق بھی فتویٰ سے ہے، اللہ تعالیٰ نے شاہِ مصر کے قصہ میں اسے یہی نام عطا فرمایا ہے، ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝ (یوسف:۴۳)

اے درباریو! میرے خواب کا مطلب مجھے بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دیا کرتے ہو ۝

علامہ راغب اصبہانی ''الـذريـعة'' میں فرماتے ہیں: تعبیر کے علم کا تعلق فہم و فراست کے علوم سے ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام نازل کردہ کتب میں اسے عظمت عطا فرمائی ہے، خواب نفس ناطقہ کا فعل ہے اگر اس کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو انسان میں اس قوی چیز کی ایجاد بے فائدہ ہوتی، اللہ تعالیٰ باطل کی تخلیق و ایجاد سے بلند تر ہے۔

خواب کی دو اقسام ہیں:

(۱) پریشان خواب اور بے ہودہ خیالات کی نقشہ کشی، کیونکہ اس حالت میں نفس پانی کی لہروں کی طرح ہوتا ہے جس کی صورت گری نہیں ہوتی، عموماً خواب اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم صحیح خواب ہیں یہ بہت کم ہوتے ہیں، پھر ان کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تعبیر کی محتاج نہیں ہوتی۔

اسی لیے معبر کے لیے ضروری ہے کہ اسے خوابِ پریشان اور سچے خوابوں میں فرق کرنے کی مہارت ہو، تاکہ وہ روحانی اور جسمانی کلمات میں تمیز کر سکے، لوگوں کے طبقات میں امتیاز برت سکے، اس لیے کہ خواب جھوٹے ہوتے ہیں اور سچے بھی۔ سچے خوابوں میں بعض لائق اور اہل انسانوں کو عظیم القدر، مہتم بالشان اشیاء دکھائی جاتی ہیں اور

بعض کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اہل یونان نے کہا ہے کہ معبر نچلے درجہ کے بے وقوف لوگوں میں مشغول نہ ہو بلکہ بادشاہوں اور حکماء کے خوابوں کے تذکرے کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ کیونکہ سچا خواب نبوت کا ایک جزء ہے۔ مزید تفصیل کے لیے علامہ اصبہانی کی "الذریعہ" اور مقدمہ ابن خلدون میں "العبر" ملاحظہ کریں۔

فرض نماز کی امامت

نماز کی امامت کا سب سے زیادہ حق دار حکمران ہے' اگر وہ کسی کو امامت کی اجازت دے دے تو جائز ہے ابن العربی نے الاحکام میں کہا ہے: فی نفسہا نماز کی ولایت اصل ہے کیونکہ نبی ﷺ جس صحابی کو امیر بنا کر روانہ فرماتے اسے نماز پڑھانے کی ذمہ داری سونپتے۔ لیکن بعد میں جب حکمرانوں میں فساد در آیا اور ان کی حالت امامت کے قابل نہ رہی تو غلبہ اور قوت کی وجہ سے حکمرانی تو ان کے پاس رہی اور وہ بطور سیاست امامت کے لیے ایسے افراد کو مقرر کرنے لگے جن پر لوگ راضی ہوتے۔ تاکہ ان کی حکمرانی باقی رہے' بنو امیہ کے دور حکومت میں نوبت یہاں تک آ گئی کہ جب وہ خود امامت کراتے اہل علم و فضل ان کے پیچھے نماز نہ پڑھتے اور دروازوں سے باہر چلے جاتے جہاں نگرانوں کے کوڑے ان کا استقبال کرتے سو وہ صبر کرتے تھے۔

متاخرین علماء کی کتابوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ائمہ کے قیام کے لیے مساجد میں محراب بنانا بدعت ہے' حافظ السیوطی نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ "عون المعبود علی سنن ابی داؤد" میں ملا علی القاری کے اس قول کو محل نظر کہا گیا ہے کہ محراب نبی ﷺ کے بعد کی بدعات میں سے ہے۔ کیونکہ بعض روایات سے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں محراب کا وجود ثابت ہوتا ہے۔[89]

بیہقی نے "السنن الکبریٰ" میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے پھر محراب میں داخل ہوئے اور تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھائے۔[90]

امام ابن الہمام نے کہا: یہ چیز عیاں ہے کہ شریعت میں امام کا امتیاز مطلوب ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دور اقدس سے مسجدوں میں محرابوں کا ثبوت ملتا ہے۔

---

۸۹ درست بات علامہ علی القاری ہی کی ہے کہ محراب نبی ﷺ کے بعد کی بدعات میں سے ہیں' امام ابوبکر الطرطوشی نے اپنی کتاب "الحوادث والبدع" ص ۷۴ میں فصل فیما احدث من الحوادث والبدع فی المساجد میں کہا ہے: محراب بھی اس میں داخل ہیں' مصنف عبدالرزاق: ۳۹۰۱ میں مروی ہے' حسن بصری' ثابت البنانی سے ملاقات کو آئے' نماز کا وقت ہو گیا تو ثابت البنانی سے نماز پڑھانے کو کہا' ثابت نے کہا: بخدا! میں تمہارے آگے کبھی نہیں بڑھوں گا' حسن بصری آگے بڑھ گئے اور محراب کو چھوڑ کر نماز پڑھائی۔ امام نخعی' سفیان ثوری اور ابراہیم تیمی نے محراب میں نماز کو مکروہ کہا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۳۸۹۹-۳۹۱۰)

۹۰ ضعیف حدیث' اسے بیہقی نے "سنن" ج ۲ ص ۳۰ میں از سند محمد بن حجر الحضرمی از سعید بن عبدالجبار بن وائل' از عبدالجبار از والدہ خود از وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ "الجوھر النقی" میں ابن الترکمانی نے کہا ہے: محمد بن حجر بن عبدالجبار بن وائل کی اپنے چچا سے روایت میں بقول ذہبی مناکیر ہیں اور ام عبدالجبار ام یحییٰ ہے جس کا نام اور حالات مجھے معلوم نہیں۔

فائدہ

''الفوائد الفکر''میں فتح مکہ کے قصہ میں ہے: جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابوسفیان کو سواری پر اپنے خیمہ میں لے گئے' صبح کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کی تیاری کرتے دیکھا تو کہا: لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ کیا ان کو میرے بارے میں کوئی حکم دیا گیا ہے' حضرت عباس نے فرمایا: نہیں! لیکن یہ نماز کے لیے اٹھے ہیں اور ان کو وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے' پھر جب جناب ابوسفیان نے لوگوں کو نبی ﷺ کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے اور آپ کے رکوع کے ساتھ رکوع کرتے دیکھا تو کہا: میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا' یہاں سے وہاں تک سب لوگ اقتداء میں ہیں' میں نے فارس اور روم کے لوگوں کو بھی اپنے حکمران کی اطاعت میں ان کے ہم پلہ نہیں پایا۔

رسول اللہ ﷺ کا نمازوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نائب بنانا اور ان نمازوں کی تعداد

نبی ﷺ نے اپنے مرض وصال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں[91] اور صحیحین وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔

علامہ احمد بن محمد بن احمد اللخمی العزفی کی ''الدر المنظم''میں ہے ابن الہاشمی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے ایام علالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں۔ اور کہا: الدولابی نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

الدارقطنی نے حضرت حسن البصری کی مراسیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے مرض وصال میں نو دن نمازیں پڑھائیں[92] دسویں روز نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ علامہ زرقانی ''شرح المواھب''میں کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ایام علالت کی تعداد بارہ ہے' ان دنوں میں نمازوں کی تعداد ساٹھ یا اس کے لگ بھگ بنتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے علی بن مطہر الحلی کے رد میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مرض وصال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ایک یا دو نمازیں یا ایک یا دو دن کی نمازیں نہیں پڑھائیں۔

اس سلسلہ میں کم سے کم کا قول بھی سترہ نمازیں پڑھانے کا ہے' انہوں نے جمعہ کے دن مسلمانوں کو عشاء کی

---

91 صحیح حدیث' بخاری: ۶۶۴۔۶۷۹۔۷۱۲۔۷۱۳۔۷۱۶' مسند احمد ج۶ص ۹۶۔۱۵۹' موطا مالک ج۱ص ۱۷۰۔۱۷۱' ترمذی: ۳۶۷۲' نسائی ج۲ص ۹۹۔۲۰۰' ابن ماجہ: ۱۲۳۲' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

92 ضعیف حدیث' محدثین کے نزدیک حسن بصری کی مراسیل ناقابل اعتماد ہیں' کیونکہ یہ ہر ایک سے روایت لیتے ہیں۔ دارقطنی نے سنن ج۱ص ۱۷۱ میں ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حسن بصری اور ابوالعالیہ کی مراسیل نہ لیں کیونکہ ان کو اس کی پرواہ نہ تھی کہ کس سے حدیث لے رہے ہیں۔

نماز پڑھائی اور جمعہ کے دن خطبہ دیا' یہ احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے۔

حافظ برہان الدین الحلبی نے "نور النبراس" میں یہ قول نقل کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے' اس سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے مرض وصال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمعہ کا خطبہ دیا۔

حالانکہ میں نے "اختصار الشمائل" میں اپنے شیخ الشنبہی کی اتباع میں اس پر توقف کا اشارہ کیا ہے' شیخ نے "الفجر الساطع" کے باب "انما جعل الامام لیؤتم به" میں کہا ہے: مجھے نبی ﷺ کے مرض وصال میں آنے والے جمعہ کے متعلق معلوم نہیں کہ اس کا خطبہ کس نے دیا اور نماز کس نے پڑھائی تھی۔

حافظ ابن تیمیہ کے مذکورہ الصدر قول سے اب صرف خطبہ کے موضوع پر بحث باقی رہتی ہے۔

انتباہ

مرض وصال کے دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نمازوں کا امام مقرر فرمایا' اس پر امت کا اجماع ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں علی ابن المطہر کے اس قول کا رد کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر کو اس لشکر میں روانہ فرمایا تھا جس کے امیر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے' حافظ ابن تیمیہ نے کہا: اہل علم میں سے کسی نے بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کے اس لشکر میں بھیجنے کا ذکر نہیں کیا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے تو حضرت ابوبکر کو اپنے وصال تک نمازیں پڑھانے پر مامور فرمایا تھا' آپ ان کو لشکر میں روانہ فرمادیں اور پھر نمازوں کی امامت کا حکم دیں یہ یک وقت دونوں چیزیں کیسے متصور ہو سکتی ہیں۔

حافظ شامی نے اپنی سیرت کی کتاب میں ابن تیمیہ کے اس قول پر دو اعتراض کیے ہیں:

(۱) حافظ ابن تیمیہ کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ اہل علم میں سے کسی نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لشکر اسامہ میں بھیجنا نقل نہیں کیا' کیونکہ ائمہ مغازی میں سے محمد بن عمر الاسلمی اور ابن سعد نے آپ کے بھیجنے کی روایت ذکر کی ہے۔ بعد کے مؤلفین میں سے "العیون" کے مؤلف نے اس پر جزم کیا ہے۔ "فتح الباری" میں حافظ ابن حجر نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں اسے ذکر کیا ہے۔

(۲) جیشِ اسامہ میں روانگی اور نمازوں کی امامت کے حکم میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے مرضِ وصال سے قبل اس لشکر کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا' پھر جب آپ کی علالت شدید ہو گئی آپ نے حضرت ابوبکر کو روک لیا اور ان کو نمازیں پڑھانے کا حکم دیا۔

فائدہ

"انموذج اللبیب" میں ہے: باجماعت نماز اس امت کے خصائص میں سے ہے' علامہ الروضی اس کی شرح میں کہتے ہیں علماء نے کہا: رسول اللہ ﷺ بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں مقیم رہے' آپ جماعت کے بغیر نماز پڑھتے تھے کیونکہ اس دور میں صحابہ ظلم و ستم کا شکار اور مغلوب تھے وہ اپنے گھروں میں نمازیں پڑھتے تھے' جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو جماعت کا نظام قائم فرمایا۔

مناسکِ حج کی ادائیگی میں رسول اللہ ﷺ کے نائب

''نور النبراس'' میں ہے: سب سے پہلے ۸ھ میں فتح مکہ کے سال حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا' یہ حج دورِ جاہلیت کے معمولات کے مطابق ہوا۔ علامہ ازرقی نے کہا: ہمیں ایسی روایت نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ اس سال حضور ﷺ نے ان کو حج کی ذمہ داری نبھانے پر مقرر فرمایا تھا۔ اس حج میں مسلمانوں اور مشرکوں نے حج کیا' مسلمان حضرت عتاب کی امارت میں مشرکوں سے الگ رہے اور مواقف میں وقوف کیا' فتح مکہ کے سال حضرت عتاب امیرِ مکہ تھے۔

علامہ ماوردی نے ''حاویہ'' کی کتاب السیر میں ذکر کیا ہے: فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو نماز اور حج پر عامل مقرر فرمایا تھا۔ یہی قول انہوں نے کتاب الحج میں بھی بیان کیا ہے۔ اس میں علامہ ازرقی کے ایسی روایت نہ ملنے کا جواب بھی ہے۔

پھر ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کرایا' ابن العربی کی ''الاحکام'' میں ہے: حج کی ولایت ان شہروں سے مخصوص ہے جہاں مناسکِ حج ادا کیے جاتے ہیں' سب سے پہلے امیرِ حج جن کو نبی ﷺ نے خود روانہ فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں' آپ نے حجۃ الوداع سے پہلے ۹ھ میں حضرت ابوبکر کو روانہ فرمایا' پھر ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۃ البراءت کی آیات سنانے کو روانہ فرمایا۔

منبر کی تیاری

امام بخاری نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انصار کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایسی چیز نہ بنوا دوں جس پر آپ بیٹھیں؟ میرا غلام بڑھئی ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو' اس انصاری خاتون نے منبر بنوایا' جب جمعہ کا دن آیا نبی ﷺ اپنے لیے تیار کردہ منبر پر تشریف فرما ہوئے[۹۳] ابن بشکوال نے اپنی کتاب میں اس غلام کا نام مینا بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے منبر عاصی بن امیہ کے غلام باقوم نے تیار کیا تھا۔ یہ منبر جھاؤ کے درخت کی لکڑی سے بنایا گیا اور اس کے تین درجے تھے۔ ایک قول کے مطابق منبر میمون بڑھئی نے تیار کیا تھا۔ ایک قول حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے غلام صباح کا ہے۔ ابن فتحون نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ قبیصہ المخزومی کے غلام نے منبر بنایا تھا۔

ابن رشد کی کتاب ''المقدمات'' میں ہے: ۷ھ میں نبی ﷺ کا منبر تیار ہوا' یہ بھی کہا گیا کہ منبر ۸ھ میں تیار کیا گیا اور اسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے تیار کیا تھا۔ ایک قول انصاری خاتون کے غلام کے تیار کرنے کا ہے[۹۴] یہ بھی قول ہے کہ اسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام نے تیار کیا' ابن رشد کہتے ہیں: شاید

۹۳ صحیح البخاری: ۴۴۹_۹۱۸_۲۰۹۵_۳۵۸۴_۳۵۸۵' از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما۔

۹۴ یہی صحیح ہے' سابقہ حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے ایک خاتون کو پیغام بھیجا' اپنے بڑھئی غلام سے کہو میرے لیے لکڑی کا منبر بنا دے' جس پر میں بیٹھوں۔ (صحیح البخاری: ۴۴۸)

ان سب نے مل کر منبر شریف تیار کیا۔

''الاصابہ'' میں طبرانی کی ''الاوسط'' کے حوالہ سے ابراہیم نجار (بڑھئی) کے تذکرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ خطبہ کے دوران کھجور کے خشک تنے کا سہارا لیتے تھے۔ اس حدیث میں منبر کی تیاری کا ذکر ہے اور یہ مذکور ہے کہ آپ نے ایک شخص کو بلایا اور پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: ابراہیم' فرمایا: منبر بناؤ[95] یہ ابوموسیٰ کی روایت ہے' دوسری روایت میں ہے اس بڑھئی کا نام باقوم تھا۔ ممکن ہے ابراہیم اس کا نام اور باقوم اس کا لقب ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا: یہ تاویل بر تقدیرِ صحتِ روایت ہے ورنہ اس روایت کی سند میں العلاء بن الرواس ہے جسے جھوٹا کہا گیا ہے۔

''الاصابہ'' ہی میں باقوم کے تذکرہ میں ہے اسے باقوم اور باقول کہا گیا ہے یہ نجار (بڑھئی) تھا۔ پھر یہ روایت نقل کی کہ باقوم نجار رومی تھا' اسی نے قریش کے لیے کعبہ تعمیر کیا تھا۔ (ص ۱۴۱)

''الاصابہ'' میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے غلام کلاب کے تذکرہ میں ہے کہ ابن سعد نے ایسی سند سے جس میں واقدی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن مسجد میں موجود کھجور کے خشک تنے کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے' پھر آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر خطبہ دینا مجھ پر دشوار ہو گیا ہے' حضرت تمیم الداری نے عرض کیا: کیا میں آپ کے لیے ایسا منبر نہ بنا دوں جیسا میں نے شام میں دیکھا ہے' رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں مسلمانوں سے مشورہ فرمایا' انہوں نے منبر بنانے کی رائے دی' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا غلام کلاب سب سے اچھا کاری گر ہے' آپ نے فرمایا: اسے منبر بنانے کا کہو[96]

''صبح الاعشٰی'' میں ہے سب سے پہلے حضرت تمیم الداری نے نبی ﷺ کے لیے منبر تیار کیا انہوں نے شام کے گرجا گھروں میں منبر دیکھے تھے۔

حافظ سیوطی نے ''التوشیح'' میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: اپنے بڑھئی غلام کو حکم دو میرے لیے لکڑی کا منبر بنائے[97] کے تحت لکھا ہے: یہ منبر میمون نے بنایا یا باقول' باقوم' صُباح' قبیصہ' یا حضرت عباس کے غلام کلاب یا تمیم الداری یا مِیناء نے بنایا۔ اس میں دس اقوال ہیں اور یہ کہ منبر ۷ھ میں تیار کیا گیا یا ۸ھ میں۔ حافظ سیوطی نے میمون والے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

محدثِ شام شیخ عبدالباقی الاثری نے ''ریاض الجنۃ'' میں اپنے شیخ محدثِ شام نجم الدین الغزی الشافعی کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

---

۹۵ نہایت ضعیف روایت' بقول حافظ ابن حجر (الاصابہ: ۱۱۱) اسے طبرانی نے الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اس کے اسناد میں العلاء بن سلمہ بن الرواس ہے۔ اصحاب جرح وتعدیل نے اسے کاذب کہا ہے۔

۹۶ نہایت ضعیف روایت' الاصابہ: ۳۴۰/۷ میں اسے ابن سعد کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اس میں واقدی کذاب ہے۔

۹۷ صحیح البخاری: ۴۴۸' از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔

مدینہ طیبہ کا منبر بنانے والا جس پر نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔
آپ پر ہمیشہ ہمارے برتر' مہیمن معبود کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو۔
اس کا نام میمون یا باقول یا باقون یا تمیم الداری ہے۔
یہ بھی کہا گیا وہ ابراہیم یا قبیصہ ہے اور پہلا قول قوی ہے۔
شیخ عبدالباقی نے کہا: میں نے شیخ کی اتباع میں یہ اضافہ بیان کیا:
مینا' صباح' باقوم اور میناء کا قول قوی ہے۔

حافظ سیوطی ''التوشیح'' میں مزید فرماتے ہیں: اس منبر کے تین درجے تھے یہاں تک کہ مروان نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس میں چھ زینوں کا اضافہ کر دیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت معاویہ نے مروان کو لکھا منبر شریف ان کے پاس (شام میں) روانہ کر دیا جائے' مروان نے منبر کو اکھڑوایا تو مدینہ طیبہ پر اندھیرا چھا گیا' سورج کو گرہن لگ گیا اور ستارے نظر آنے لگے' مروان نے باہر آ کر خطبہ دیتے ہوئے کہا: مجھے امیر المؤمنین نے اسے اٹھانے کا حکم دیا تھا پھر اس نے بڑھئی کو بلایا اور منبر شریف میں چھ زینوں کا اضافہ کیا اور کہا: میں نے یہ اضافہ اس واقعہ کی یاد دہانی کے طور پر کیا ہے۔ یہ روایت زبیر بن بکار نے اخبار طیبہ میں متعدد طرق سے نقل کی ہے۔

ابن النجار نے کہا: منبر شریف اسی حالت پر رہا یہاں تک کہ ۶۵۴ھ میں مسجد نبوی میں آتش زدگی کے حادثہ میں منبر شریف جل گیا۔ یہ دولت بنو عباس کے زوال کا اشارہ تھا چنانچہ چند سالوں میں سلطنت عباسیہ تاتاریوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔

''المنهل الاصفى'' میں ہے: منبر شریف ۶۵۴ھ میں رمضان کی پہلی رات میں جلا' لوگوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ اور مصیبت نہ تھی۔

حافظ محمد بن ناصر الدین الدمشقی نے اس موضوع پر ''عرف العنبر فی وصف المنبر'' کے نام سے کتاب تالیف کی ہے۔

فائدہ

''التوشیح'' میں ہے یہودی ہفتہ کے سات دنوں کو ہفتہ کہتے تھے جیسا کہ کتاب الاستسقاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' اسلام میں افضل اور اشرف دن کے نام پر اس کو جمعہ کا نام دیا گیا۔

حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کا سواریوں پر خطبہ

سنن ابی داؤد میں ہے: حضرت رافع بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ شہباء خچر پر سوار منیٰ میں خطبہ دے رہے تھے' سورج چاشت کے وقت پر تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی ترجمانی کر رہے تھے (لوگوں تک آپ کا پیغام پہنچا رہے تھے) بعض لوگ کھڑے تھے اور بعض بیٹھے ہوئے تھے۔[98]

[98] صحیح حدیث' ابوداؤد: ۱۹۵۶' از رافع بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ بقول شیخ عبدالقادر الارناؤوط اس کا اسناد قوی ہے۔ (جامع الاصول: ۱۷۵۹)

سنن ابی داؤد کی ایک اور روایت میں راوی کہتے ہیں: میں نے حضور ﷺ کو عرفہ میں منبر پر دیکھا[99]
حافظ عبدالحق الاشبیلی نے کہا: مؤخر الذکر حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ یہاں راوی نامعلوم ہے۔
سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ میں ہے:[100] حضور ﷺ نے میدان عرفات میں اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یہی صحیح اور مشہور ہے۔ شامی نے اپنی سیرت کی کتاب "سبل الھدیٰ والرشاد" میں اس پر الگ عنوان قائم کیا ہے۔

حضور ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور ترجمان مقرر کرنا

مسدد نے ثقہ راویوں سے از ہلال بن غامر المزنی از والد خود یہ روایت نقل کی ہے ان کے والد نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منیٰ میں اپنے خچر پر سوار دیکھا آپ پر سرخ چادر تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے آگے تھے جو کچھ آپ ارشاد فرماتے وہ اسے لوگوں تک پہنچاتے، میں قریب ہوا حتیٰ کہ میں نے آپ کے جوتے کے تسمے اور آپ کے قدم مبارک کے درمیان عجیب خنکی محسوس کی۔ (احمد، ابوداؤد)[101]
امام طبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عرفہ میں وقوف فرمایا ربیع بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا وہ آپ کی اونٹنی کے اگلے پیروں کے پاس کھڑے ہوئے وہ بلند آواز والے تھے، آپ نے فرمایا: بہ آواز بلند کہو: اے لوگو! جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ انہوں نے بہ آواز بلند یہ جملہ دہرایا، لوگوں نے کہا: حرمت والا مہینہ، آپ نے فرمایا: بہ آواز بلند کہو یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: البلد الحرام (مکہ مکرمہ)، فرمایا: بہ آواز بلند کہو آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: حج اکبر کا، فرمایا: بہ آواز بلند کہو: بے شک رسول اللہ ﷺ نے تم پر تمہارے خونوں اور مالوں کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینہ کی تمہارے اس شہر میں حرمت ہے[102]
اس عنوان کی احادیث سے محدثین نے احادیث املا کرانے کی اصل اور دلیل حاصل کی ہے اور یہ کہ اگر مجمع کثیر ہو تو محدث حدیث املا کرانے والا مقرر کر دے۔ جو لوگوں تک محدث کے الفاظ پہنچائے۔

---

99 ضعیف حدیث، ابوداؤد: ۱۹۱۵، از طریق زید بن اسلم از یکے از بنو ضمرہ از والدِ خود یا عمِ خود۔ اس میں مجہول راوی ہے جیسا کہ مصنف نے حافظ عبدالحق الاشبیلی سے نقل کیا ہے۔ "ضعیف سنن ابوداؤد": ۴۱۶ میں الالبانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

100 ابوداؤد: ۱۹۱۶، نسائی ج ۵ ص ۲۳۵، از سلمہ بن نبیط از نبیط رضی اللہ عنہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز سے پہلے عرفہ میں سرخ اونٹ پر خطبہ ارشاد فرماتے دیکھا۔ یہ روایت صحیح ہے، بعد والی یہ روایت اس کی شاہد ہے جسے ابوداؤد: ۱۹۱۷ نے خالد بن العداء بن ھوذہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو عرفہ کے دن دیکھا آپ اونٹ کی رکابوں پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، یہ روایت صحیح ہے۔

101 حسن حدیث، ابوداؤد: ۴۰۷۳، مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷، از ہلال بن عامر مزنی از والد خود رضی اللہ عنہ، شیخ عبد القادر الارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔ (جامع الاصول: ۳۸۰۷)

102 صحیح حدیث، طبرانی "الکبیر" ج ۱۱ ص ۱۱۳۹۹، از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ المجمع میں ہیثمی نے کہا ہے: اس کے راوی ثقہ ہیں۔

الصحیح میں ابن ابی جمرہ سے مروی ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کرتا تھا۔ اگر ایک شخص سے کام نہ چلے تو حسب ضرورت زیادہ املا کرانے والے مقرر کیے جائیں۔

ابو مسلم الکجی نے غسان کے کھلے میدان میں مجلس منعقد کی جس میں سات افراد املا کرانے پر مامور تھے۔ ان میں ہر ایک دوسرے تک روایت پہنچا رہا تھا، دیکھنے والوں کے علاوہ چالیس ہزار سے زائد دواتیں استعمال ہو رہی ہوتی تھیں۔ عاصم بن علی کی مجلس میں ایک لاکھ سے زائد لوگ ہوتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا دراز قامت اور بلند آواز شخص کو حکم دینا کہ وہ لوگوں کو خاموش کرائے

صحیح البخاری کے متعدد ابواب میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع میں فرمایا: لوگوں کو میرے لیے خاموش کراؤ[۱۰۳]۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ طویل القامت اور بلند آواز والے تھے۔

امام (حکمران) کا اپنے عظیم القدر ساتھیوں میں سے کسی کو لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دینا

''الاصابہ'' میں حکم بن منہال رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابوالحویرث سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت حکم بن منہال رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لیے قریش کو جمع کرو[۱۰۴]۔

''الاصابہ'' میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں ہے امام بغوی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے، حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرا ہاتھ پکڑ لو آپ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی، میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا، آپ چلے یہاں تک کہ آپ منبر پر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: لوگوں کو بلاؤ، میں نے بہ آواز بلند لوگوں کو بلایا تو سب لوگ جمع ہو گئے[۱۰۵]۔

۱۰۳۔ صحیح حدیث، صحیح البخاری: ۱۲۱۔۴۴۰۵۔۶۸۶۹۔۷۰۸۰، صحیح مسلم: ۶۵(۱۱۸)، ابن ماجہ: ۳۹۴۲، نسائی: ج ۷ ص ۱۲۷۔۱۲۸، دارمی ج ۲ ص ۶۹، مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۸۔۳۶۳۔۳۶۶، ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۳۰، بغوی: ۲۵۵۵، طحاوی ''مشکل الآثار'' ج ۳ ص ۱۹۴، طبرانی ''الکبیر'' ۲۲۷۷۔۲۴۰۳، ابن مندہ ''الایمان'': ۶۵۷، از جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔ پوری حدیث یہ ہے: میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

۱۰۴۔ مرسل ہونے کے باعث ضعیف ہے، اس میں ابوالحویرث عبد الرحمٰن بن معاویہ سچا لیکن خراب حافظہ والا راوی ہے، ابویعلیٰ: ۱۵۷۹، ہیثمی ''المجمع'' ج ۱۰ ص ۲۷، علامہ ہیثمی نے کہا: اسے ابویعلیٰ نے مرسل روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی ابوالحویرث ہے، جسے ابن حبان وغیرہ نے ثقہ اور دیگر نے ضعیف کہا ہے اور اس کے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۱۰۵۔ الاصابہ: ۷۰۰۳، بحوالہ بغوی بلا تبصرہ۔

انتباہ

حافظ ابن القیم نے "زاد المعاد" میں کہا ہے: نبی ﷺ دورانِ خطبہ اپنے ہاتھ میں تلوار نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ عصا یا کمان کا سہارا لیتے تھے' منبر کی تیاری سے قبل اہل عرب کی عادت کے مطابق آپ کا یہی طریقہ رہا۔ تلوار کا سہارا لینے کی کوئی روایت نہیں ہے' بعض جہلاء کا یہ خیال کہ آپ تلوار کا سہارا لیتے تھے جس میں دین اسلام کے تلوار کے زور سے پھیلنے کا اشارہ ہے ان کی جہالت کی انتہا ہے' ایسی کوئی روایت قطعاً منقول نہیں ہے۔

علامہ زرکشی نے اس کی تائید کی ہے' علامہ سخاوی نے "القول التام" میں یہ قول نقل کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔ نیز علامہ الابیاری نے "الفوائد الجنویة" میں اسے نقل کیا ہے۔

نبی ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات کے ساتھ روانہ کرنا تاکہ وہ حج کے دوران انہیں لوگوں کے سامنے پڑھیں

رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر روانہ فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو حج کرائیں' حضرت ابوبکر روانہ ہوئے بعد میں سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں' جن میں نبی ﷺ اور مشرکوں کے درمیان' نیز نبی ﷺ اور دیگر قبائلِ عرب کے مابین امور مخصوصہ میں موجود تمام عہد و پیمان ختم کر دیے گئے۔

جب سورۃ التوبہ نازل ہوئی قوم کے تمام مخفی راز ظاہر ہو گئے اس لیے اس سورۃ کو "المبعثرة" کا نام دیا گیا (یعنی مخفی چیز کو ظاہر کرنے والی)۔ حضور ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اس سورت کا کچھ حصہ دے کر روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ فیصلہ لے کر جاؤ اور قربانی کے دن جب منٰی میں لوگ جمع ہوں اس کا اعلان کرو کہ کافر جنت میں نہیں جائے گا' اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور بیت اللہ کا برہنہ طواف نہیں کرے گا۔ اور جس کا رسول اللہ ﷺ سے عہد ہے وہ مقررہ مدت تک برقرار رہے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی عضباء اونٹنی پر روانہ ہوئے جب راستے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے پوچھا: امیر ہو کر آئے ہو یا مامور؟ فرمایا: مامور' دونوں حضرات روانہ ہوئے[۱۰۶] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مناسکِ حج ادا کرائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قربانی کے دن رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق سورۃ التوبہ کی آیات پڑھ کر سنائیں اور لوگوں کو حضور ﷺ کے دیگر احکامات سے آگاہ کیا' لوگوں کو چار ماہ تک کی مہلت دی تاکہ ہر قوم اپنے علاقہ اور وطن تک واپس پہنچ جائے۔ اس کے بعد مشرکوں کے لیے عہد اور ذمہ داری نہ رہے گی' البتہ جن لوگوں کا خصوصی عہد و پیمان ہے وہ اپنی مقررہ مدت تک برقرار ہوگا' اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا نہ ہی کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا اور یہ کہ بیت اللہ کے کسی زائر کو نہیں روکا جائے گا اور حرمت والے مہینوں (رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم) میں کسی کو خوف زدہ نہیں کیا جائے گا۔

---

۱۰۶ صحیح حدیث' الحمیدی: ۴۸' احمد ج ۱ ص ۷۹' ترمذی: ۸۷۱ ـ ۸۷۲ ـ ۸۷۳' ابویعلی: ۴۵۲' الدارمی ج ۲ ص ۶۸' از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ البرأت کی آیات سنانے کے لیے حضرت علی کو اس لیے روانہ فرمایا کہ اس میں عہد و پیمان ختم کرنے کا بیان ہے' اہل عرب کے طریقہ کے مطابق آپ نے اپنے گھر کے ایک فرد چچازاد بھائی کو اس کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تاکہ کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے۔ یہ نفیس توجیہ ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں جاحظ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی: ''اسے میرے اہل بیت کا ایک فرد ہی مجھ سے پہنچائے گا''[۱۰۷] سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی' آپ نے اہل عرب کے دستور کے مطابق عمل فرمایا کیونکہ ان میں جب کسی قوم کا سردار کسی سے عہد و پیمان باندھتا یا ختم کرتا تو وہ خود یا اس کے گھر کا کوئی فرد بھائی یا چچا وغیرہ اس کا اعلان کرتا تھا' اس حج میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام اور خطیب تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ذمہ داری نبھانے والے امانت دار تھے۔ مزید تفصیل منادی کے عنوان کے تحت آرہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تراویح کے امام

''الموطا'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی کچھ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی' پھر دوسری رات اس سے زیادہ لوگ آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے' تیسری یا چوتھی رات لوگوں کا مجمع ہو گیا آپ مسجد میں تشریف نہ لائے' صبح کو آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے تمہاری طرف اس اندیشہ نے نکلنے سے روکا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔[۱۰۸] یہ رمضان کا مہینہ تھا۔

''الموطا'' ہی کی روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف آئے لوگوں کو دیکھا الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں کہیں ایک آدمی الگ نماز پڑھ رہا ہے' دوسری طرف کسی کے پیچھے لوگوں کی ایک جماعت نماز میں مصروف ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے اگر میں ان کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو یہ زیادہ بہتر ہے' پھر آپ نے حضرت ابی بن کعب کو ان کا امام بنا دیا' لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔[۱۰۹]

---

۱۰۷ حسن حدیث' احمد ج ۳ ص ۲۱۲-۲۸۳' ترمذی: ۳۰۸۹' ابویعلی: ۳۰۹۵' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ السیوطی' ''الدر المنثور'' ج ۳ ص ۲۰۹۔ حافظ سیوطی نے ابن ابی شیبہ' ابوالشیخ اور ابن مردویہ سے اسے منسوب کیا ہے۔

۱۰۸ صحیح حدیث' الموطا ج ۱ ص ۱۱۳' البخاری: ۱۱۲۹' مسلم: ۷۶۱ (۱۷۷)' ابوداود: ۱۳۷۳' نسائی ج ۳ ص ۲۰۲' ابن حبان: ۲۵۴۲' بیہقی ''سنن'' ج ۲ ص ۴۹۲-۴۹۳' بغوی: ۹۸۹' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۱۰۹ مالک: ج ۱ ص ۱۱۴' البخاری: ۲۰۱۰' از عبدالرحمٰن بن عبد القاری' علامہ ابن الاثیر نے جامع الاصول ج ۶ ص ۱۲۲-۱۲۳ میں کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: یہ اچھی بدعت ہے' اس سے نماز تراویح کی تعریف و توصیف مراد ہے' کیونکہ یہ افعال خیر سے ہے اور اس کی جماعت مندوب ہے۔ اگرچہ با جماعت تراویح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہ تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے پڑھا ہے اور امت پر شفقت کرتے ہوئے اسے ترک کر دیا تھا کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ کے لیے اس کو معمول اور سنت بنا دیا۔

علامہ کتانی فرماتے ہیں: "الاصابہ" میں زید بن قنفذ بن زید بن جدعان التیمی کے تذکرہ میں حافظ ابن حجر کا یہ قول مذکور ہے کہ مجھے ان کے متعلق ایسی خبر ملی ہے جو ان کے صحابی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ابن جریج سے مروی ہے انہوں نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں زید بن قنفذ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تراویح کی جماعت کرائی، ورنہ کوئی تنہا نماز پڑھتا اور کوئی طواف کرتا تھا۔[۱۱۱] ابوعمر نے "التمہید" میں ذکر کیا ہے سب سے پہلے ۱۴ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رمضان المبارک میں ایک امام کے پیچھے جمع کیا۔[۱۱۱]

طبقات ابن سعد میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رمضان میں لوگوں کو نماز کے لیے جمع فرمایا، آپ نے ایک امام مردوں کے لیے اور ایک امام عورتوں کے لیے مقرر فرمایا جو ان کو مردوں سے الگ نماز پڑھاتا تھا۔

نبی ﷺ کے مؤذن

صحیح مسلم میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے دو مؤذن تھے، حضرت بلال اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما۔[۱۱۲]

قاضی عیاض نے کہا: اس کا مطلب ہے ایک وقت میں دو مؤذن تھے ورنہ حضور ﷺ کے ان کے علاوہ بھی مؤذن تھے۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کے مقرر کردہ مؤذن تھے۔ حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ مسجد قبا میں اذان کہی۔ البتہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما مسجد نبوی کے مؤذن تھے۔

"**مختصر ابن یونس الفقهی**" میں "**المدونه**" پر ابوالحسن کے حوالے سے ابن حبیب کا یہ قول مذکور ہے کہ چار حضرات نے نبی ﷺ کے لیے اذان کہی ہے، حضرت بلال، حضرت ابومحذورہ، حضرت ابن ام مکتوم اور حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہم۔

"**السیرة الحلبیه**" میں ہے حضرت زیاد بن حارث الصدائی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے اذان کہی اور ایک مرتبہ عبدالعزیز بن الاصم رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے سامنے اذان کہی ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: عبدالعزیز بن الاصم کو اگرچہ متاخرین کی ایک جماعت نے حضور ﷺ کے مؤذنوں میں شمار کیا ہے لیکن یہ روایت محل نظر ہے۔[۱۱۳] اس کی اصل "**مسند الحارث بن ابی اسامه**" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کے دو مؤذن تھے حضرت بلال اور عبدالعزیز بن الاصم رضی اللہ عنہما۔

---

۱۱۰ الاصابہ: ۲۹۲۷

۱۱۱ الاصابہ: ۲۹۲۷، تذکرہ زید بن قنفذ بن جدعان التیمی رضی اللہ عنہ

۱۱۲ صحیح مسلم: ۳۸۰، از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

۱۱۳ ضعیف حدیث، مسند حارث بن ابی اسامہ، از ابن عمر رضی اللہ عنہما، اس میں موسیٰ بن عبید ضعیف راوی ہے۔ الاصابہ میں حافظ ابن حجر نے اس روایت کو نہایت غریب کہا ہے۔

''الاصابہ'' میں اس روایت کو' غریب جدا'' کہا ہے' اس میں موسیٰ بن عبید ضعیف راوی ہے' بعد میں مجھے اس کی علت معلوم ہوئی کہ بعینہ ایسی روایت ابوقرہ موسیٰ بن طارق سے منقول ہے اور اس میں یہ زیادہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان کہتے تھے وہ سوتے کو جگاتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صبح صادق کا انتظار کرتے تھے اور اس میں خطا نہیں کرتے تھے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالعزیز حضرت ابن ام مکتوم کا نام ہے' ان کا مشہور نام عمرو ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا پورا نام اس طرح ہے: عبداللہ بن قیس بن زائدہ بن الاصم۔ اصم آپ کے والد کے دادا ہیں' اس روایت میں آپ کو ان کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

''شـرح انـموذج اللبیب ''میں علامہ شمس محمد الروضی المصری المالکی نے لکھا ہے کہ اصحاب سنن نے حضور ﷺ کے مؤذنوں کی تعداد چار روایت کی ہے۔ ''نـور النبراس ''میں بھی چار بتایا ہے۔ پھر ان میں دو کا اضافہ کر کے مؤذنوں کی تعداد چھ بیان کی۔ چار حضرت بلال' حضرت عبداللہ بن ام مکتوم' سعد القرظ اور ابومحذورہ اوس رضی اللہ عنہم ہیں۔ دو میں حضرت زیاد بن حارث الصدائی رضی اللہ عنہ ہیں' انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں ایک مرتبہ فجر کی اذان کہی' پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: صدائی بھائی نے اذان کہی ہے اور جس نے اذان کہی ہے وہی اقامت کہے[۱۱۴] اور چھٹے مؤذن حضرت عبد العزیز بن الاصم ہیں انہوں نے ایک بار اذان کہی۔

بعض علماء نے کہا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں دو مؤذن تھے حضرت بلال اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں چار مؤذن مقرر کیے۔ بعد میں ان میں اضافہ ہوا۔

مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا حضرت بلال نے اذان کہنا چھوڑ دی اور شام کی طرف چلے گئے اور آپ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ کہی۔

ایک اور روایت میں ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہر سال حضور ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ آتے تھے' کیونکہ ایک مرتبہ خواب میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: اے بلال! تو نے ہم پر جفا کی تو ہماری زیارت کو کیوں نہیں آتا؟

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے گئے' مسجد قبا کے مؤذن حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا وہ مسجد نبوی میں اذان کہا کرتے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے شرح انموذج اللبیب دیکھیں۔

فائدہ

امام ابن سعد اور ابن ابی شیبہ نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہی' ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ زیادہ

[۱۱۴] ضعیف حدیث' احمد ج ۴ص ۱۶۹' ابوداؤد: ۵۱۰' ترمذی: ۱۹۹' ابونعیم' اخبار اصبہان' ج اص ۲۶۵۔۲۶۶' ابن عساکر ج ۹ص ۲۶۶۔ ۲۶۷' طبرانی ''الکبیر'' ج ۵ص ۵۲۸۵' بیہقی ج ۱۰ص ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۹۹' از زیاد بن حارث الصدائی رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے ''المجمع'' ج ۵ص ۲۰۴ میں کہا ہے: اس میں عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم ضعیف راوی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۳۵)

اس حدیث کو اختصار کے ساتھ عبدالرزاق نے ۱۸۳۳ پر اور طبرانی نے ۵۲۷۶ پر زیاد بن حارث الصدائی سے روایت کیا ہے' اس کی سند میں بھی عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ضعیف راوی ہے۔

ہے کہ سب سے پہلے اقامت حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہی۔ (خبر البشر باذان خیر البشر)

''خطط المقریزی'' میں الواقدی کا قول ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہتے: السلام علیک یا رسول اللہ' بسا اوقات یہ کہتے: السلام علیک بابی انت وامی یارسول اللہ حی علی الصلوٰۃ' حی علی الفلاح السلام علیک یا رسول اللہ۔

علامہ البلاذری نے کہا: واقدی کے غیر نے کہا ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے تھے: السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' حی علی الصلوٰۃ' حی علی الفلاح' الصلوٰۃ یارسول اللہ۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ آپ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے: السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح' الصلوٰۃ یا خلیفۃ رسول اللہ۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: میں حضور ﷺ کا ساتواں مؤذن تلاش کرنے میں کامیاب ہوا اور وہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہیں' مصنف عبدالرزاق میں نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان سے مروی ہے میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اذان کہہ چکا ہوں' آپ نے فرمایا: اس وقت تک اذان نہ کہو جب تک کہ صبح ہو' پھر میں نے آپ کے پاس آکر اذان کہنے کا کہا۔ آپ نے فرمایا: جب تک فجر کو نہ دیکھو اذان نہ کہو' میں تیسری بار آپ کی خدمت میں آیا' عرض کی: میں نے اذان کہی ہے' آپ نے فرمایا: اس وقت تک اذان نہ کہو جب فجر کو اس طرح نہ دیکھ لو آپ نے اپنے ہاتھوں کو جمع فرما کر پھیلایا[115] (کنز العمال) اس طرح حضرت ثوبان' حضور ﷺ کے ساتویں مؤذن ہوئے۔

''خطط المقریزی'' میں مجھے آٹھویں مؤذن کا تذکرہ ملا ہے' اس کے جزء رابع ص ۴۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ میں ہے: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے منبر کے پاس اذان دیتے تھے۔ میں نے کسی سیرت نگار اور مؤرخ کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے حضرت عثمان اور ثوبان رضی اللہ عنہما کا مؤذنوں میں ذکر کیا ہو۔ زیادہ تر ائمہ نے صرف چار مؤذنوں کا ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے بعض نے پانچ کا ذکر کیا ہے' متاخرین میں یہی مشہور ہے۔ لیکن سات یا آٹھ مؤذنوں کا ذکر صرف ہم نے کیا ہے۔ والحمدللہ

البرماوی نے حضرت عبدالعزیز بن الاصم کے علاوہ پانچ مؤذنوں کا ذکر اپنے ان اشعار میں کیا ہے:

خیر الوریٰ ﷺ کے لیے پانچ روشن چہرے والوں نے اذان دی ہے' بلند آواز بلال ابتدائی معاون۔

ام مکتوم کا بیٹا عمرو' اور قرظ کے ساتھ سعد کو یاد کرو جب ان کا ذکر کرو۔

مکہ مکرمہ میں ابومحذورہ اوس اور صداء کا فرزند زیاد بن الحارث۔ (حاشیۃ الرھونی علی الزرقانی)

شیخ التاودی ابن سودہ نے بھی ان اسماء کو نظم کیا ہے:

عمرو' بلال' ابومحذورہ' سعد' زیاد پانچ مذکور سب افراد نے

---

[115] اس روایت کا اسناد شداد۔ مولیٰ عیاض کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ المیزان ج ۲ ص ۲۶۶' مصنف عبدالرزاق: ۱۸۸۷' از ثوبان رضی اللہ عنہ۔

نبی مصطفیٰ ﷺ کے لیے اذان دی اور شرف و رتبہ حاصل کیا۔

انتباہ

غزوۂ حنین سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اذان کہنے کا حکم فرمایا، ہمیشہ وہی اذان کہتے رہے۔ ''تہذیب النووی'' میں ان کے تذکرہ میں ہے: مکہ مکرمہ میں اذان کا سلسلہ امام شافعی کے دور تک نسل در نسل حضرت ابومحذورہ کے خاندان میں ہی رہا۔

وقت کی نگہداشت پر مامور افراد

''المؤطا'' میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وقت کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ امام ابن شہاب حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب خیبر سے واپس روانہ ہوئے، سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ ہوا آپ نے پڑاؤ کیا اور بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہمارے لیے صبح کا خیال رکھنا (صبح کے وقت ہمیں جگا دینا)، رسول اللہ ﷺ سو گئے، جتنا مقدر میں تھا بلال رضی اللہ عنہ بیدار رہے پھر وہ سو گئے[۱۱۶]

ابوداؤد اور طبرانی کے ہاں حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دوسرا واقعہ مذکور ہے[۱۱۷] اس حدیث میں ہے: فجر کے وقت کی نگرانی کرنے والے ذو مخبر تھے، ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے فجر کے وقت کی نگہداشت کی تھی[۱۱۸] ان روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ متعدد مرتبہ ہوا[۱۱۹]

جامع مسجد کے مؤذن کی اقتداء میں دوسری مساجد میں نماز

''الروض الانف'' میں ہے: رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے علاوہ مدینہ طیبہ میں نو مساجد تھیں، ان مساجد کے نمازی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر نماز ادا کرتے تھے۔ امام ابوداؤد نے ''مراسیل'' میں اور دارقطنی

---

۱۱۶ مؤطا مالک ج ۱ص ۱۳-۱۴، مسند الشافعی ج ۱ص ۵۳-۵۴، الرسالۃ للشافعی: ۸۸۶، الام ج ۱ص ۱۳۰-۱۳۱، البغوی ''شرح السنۃ'': ۴۳۷، از زہری از سعید بن المسیب، مرسل روایت۔ مسلم: ۶۸۰، ابوداؤد: ۴۳۵-۴۳۶، ترمذی: ۳۱۶۳، نسائی ج ۲ص ۲۹۵-۲۹۶، ابن ماجہ: ۶۹۷، ابوعوانہ ج ۲ص ۲۵۳، ابن حبان: ۲۰۶۹، بیہقی ''سنن'' ج ۲ص ۲۱۷، ''الدلائل'' ج ۴ص ۲۷۲-۲۷۳، از زہری از ابن المسیب از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موصول روایت۔

۱۱۷ صحیح حدیث، ابوداؤد: ۴۴۴، از عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ، اس روایت میں ذو مخبر کے نگرانی کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ ابوداؤد: ۴۴۵، از ذو مخبر حبشی رضی اللہ عنہ، اس روایت میں بھی ان کے رات کے وقت کی نگرانی کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

۱۱۸ مجھے ابن حبان کی ''الاحسان'' میں یہ روایت نہیں ملی، اسے ابوداؤد: ۴۴۷ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حدیبیہ کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے، اس روایت میں ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نگرانی کے لیے خود کو پیش کیا تھا۔ الخ

۱۱۹ یہ مصنف کا وہم ہے، کیونکہ یہ متعدد واقعات نہیں ایک واقعہ ہے جیسا کہ احادیث کی تخریج سے ظاہر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم

نے ''سنن'' میں حضرت بکیر بن عبداللہ بن الاشج سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[۱۲۰]

''نور النبراس'' میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا: میں نے المزی کی ''اطراف'' میں دیکھا انہوں نے ''المراسیل'' میں از محمد بن سلمہ المرادی از ابن وہب از ابن لہیعہ روایت کیا ہے کہ بکیر بن الاشج نے انہیں یہ حدیث بیان کی۔

مسجد نبوی شریف سے قریب ترین مسجد بنو عمرو بن النجار کی مسجد تھی۔ دیگر مساجد کے نام یہ ہیں: مسجد بنو ساعدہ، مسجد بنو سلمہ، مسجد بنو رانج از بنو عبد الاشہل، مسجد بنو زریق، مسجد غفار، مسجد اسلم اور مسجد جہینہ۔ نویں مسجد میں صاحب نور النبراس نے شک کا اظہار کیا ہے حالانکہ نور النبراس کی عبارت کے مطابق دسویں مسجد کو مشکوک ہونا چاہیے تھا۔

فائدہ

حافظ سیوطی نے ''التوشیح'' میں کہا: ''تاریخ ابن عساکر'' میں سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے رات دن کی بارہ ساعتیں مقرر فرمائی تھیں جب کہ وہ کشتی میں تھے[۱۲۱] ''الاکلیل'' میں ہے: آیت کریمہ:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۲)

اور ہم نے رات اور دن (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنائیں پھر ہم نے رات کی نشانی مٹادی اور دن کی نشانی کو روشن بنا دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور جان لو برسوں کی گنتی اور (دوسرا) حساب اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔

یہ آیت کریمہ علم الاوقات، علم ہیئت اور علم تاریخ کی اصل ہے۔

''الاکلیل'' ہی میں ہے کہ آیت کریمہ:

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ (یونس:۵)

اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔

علم توقیت، حساب، چاند کی منازل اور تاریخ کی اصل ہے۔

ابو الشیخ نے ایسی سند کے ساتھ جس میں ایک مجہول راوی ہے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے یہ قول روایت کیا ہے کہ اذان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اذان سے لی گئی، ارشاد ربانی ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ . (الحج:۲۷)

اور (اے ابراہیم!) لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کر دیجئے۔

سو رسول اللہ ﷺ نے اذان کہی[۱۲۲] الشیخ زروق نے ''حواشی الصحیح'' میں کہا: یہ آیت کریمہ

---

[۱۲۰] مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اسے ابوداؤد نے مراسیل میں اور دارقطنی نے سنن میں بکیر بن الاشج سے روایت کیا ہے۔

[۱۲۱] ناقابل اعتماد ضعیف روایت۔

[۱۲۲] تعجب ہے مصنف محدث ہونے کے باوجود ایسی موضوع، ضعیف اور ناقابل اعتماد احادیث ذکر کرتے ہیں، اس حدیث کو ابو الشیخ نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مجہول راوی ہے۔

بھی اذان کے متعلق صحابہ کرام کے خوابوں کی تقویت کا باعث ہو سکتی ہے' اس طرح ان کی آراء کا اس مسئلہ پر یکساں ہونا بعید از قیاس نہیں ہے' اس میں کوئی منافات نہیں اور ہمارا یہ کہنا بھی درست ہے کہ اس معاملے میں وحی نازل ہوئی یا نہیں ہوئی' ممکن ہے وحی خوابوں کے بعد نازل ہوئی ہو' وحی نے ان کے خوابوں اور رائے کو مؤکد کر دیا ہو۔

تقی المقریزی کی "خطط مصر" میں ہے ابوعمرو الکندی نے مصر کی جامع عمرو بن العاص کے مؤذنوں کے نگرانوں کے ذکر میں کہا: سب سے پہلے صحابیٔ رسول ﷺ اور حضرت عمر کے مؤذن حضرت ابومسلم سالم بن عامر بن عبدالمرادی رضی اللہ عنہ مؤذنوں کے نگران مقرر ہوئے' پھر ان کے بھائی صحابیٔ رسول شرحبیل بن عامر رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مؤذنوں کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

مؤذن کس چیز پر کھڑے ہو کر اذان کہتے تھے

"تشنیف السامع" کی کتاب الجمعۃ میں صحیح البخاری میں مروی راوی کے اس قول پر: پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور لوگوں کی کثرت ہو گئی انہوں نے زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کیا' کہا کہ زوراء مینار کی طرح اونچی جگہ تھی۔

ابن النحاس کی "النزھۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ" میں ہے: ابن اسحاق نے روایت کیا ہے بنونجار کی ایک خاتون نے کہا: مسجد نبوی کے مقابل گھروں میں میرا گھر سب گھروں سے بلند تھا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہر صبح فجر کی اذان اسی پر دیتے تھے۔ وہ صبح سویرے آتے گھر پر بیٹھ کر فجر کا انتظار کرتے' جب دیکھتے فجر کی روشنی پھیل گئی ہے' یہ کہتے: اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں اور قریش کے خلاف تیری مدد چاہتا ہوں کہ وہ تیرے دین کو قائم کریں' پھر اذان کہتے تھے۔

سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے قبلہ کی جانب ستون پر اذان کہتے تھے۔ اس میں رسیوں کی سیڑھی تھی (یا کجاوے تھے) جس کی مدد سے وہ اوپر چڑھتے' یہ جگہ مسجد سے باہر تھی۔ یہ جگہ اب تک حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی مسجد میں موجود ہے۔

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد سے متصل حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے گھر میں منارے پر اذان کہتے تھے۔ بلال اس میں موجود کجاووں (یا رسی کی سیڑھی) کی مدد سے اس پر چڑھتے تھے۔ یہ جگہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے باہر تھی اور آج تک باہر ہے۔

"النزھۃ" کے علاوہ دوسری کتب میں ہے: نبی ﷺ کے زمانہ میں مینار نہیں تھے' مینار صحابہ کرام کی سنت ہے۔ آپ کے عہد مبارک میں مؤذن امام کے سامنے نہیں مسجد کے دروازے کے پاس اذان کہتے تھے۔ یہ طریقہ ہشام نے شروع کیا' امام کے سامنے اذان کہنا مکروہ ہے یہ ہشام کی بدعتوں میں سے ہے۔ کیونکہ نقل کے مطابق مؤذن مسجد کے باہر بلند جگہ پر ہوتا تھا۔

سید السمہودی کی ''الوفاء'' میں اسی طرح مذکور ہے' پھر فرماتے ہیں: روایات کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ولید نے مسجد میں اذان کے لیے مینار بنوایا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود مینار پر اذان کہنے کی روایت ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے راوی نے ستون کو مینار کہنے میں توسع سے کام لیا ہے (ستون کو مینار کہہ دیا ہے) جب کہ راوی کی کتب جل گئی تھیں اور وہ اپنے حافظے سے احادیث روایت کرتے تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اذان کے لیے مینار نہیں بنوایا ورنہ روایات میں منقول ہوتا۔

احناف کی مشہور کتاب ''البحر الرائق'' (شرح کنز الدقائق) میں ہے: حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مئذنہ (اذان کہنے کا مینار) نہیں تھا۔ علامہ ابن عابدین نے ''ردالمحتار'' میں یہ قول نقل کرنے کے بعد کہا: سیوطی کی ''الاوائل'' کے حوالہ سے اسماعیل کی شرح میں ہے: اذان کے مینار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے بنائے گئے اس سے پہلے نہیں تھے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اس کے ساتھ ''المواھب'' پر زرقانی کی عبارت بھی ملاحظہ کریں' انہوں نے ''التوضیح'' سے شیخ خلیل کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ: اس بارے میں روایات میں اختلاف ہے کہ اذان نبی ﷺ کے سامنے کہی جاتی تھی یا مینار پر؟ ہمارے اصحاب نے کہا: مینار پر۔ اسے عبدالرحمٰن بن قاسم نے ''المجموعہ'' میں نقل کیا ہے۔

''المرقاۃ'' میں از ابن القاسم از امام مالک مروی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اذان منارہ پر ہوتی تھی۔

علامہ ابوعبداللہ بن الحاج کی ''المدخل'' میں ہے: جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے مؤذن منارے پر ہو' رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اسی طرح تھا۔

''المدخل'' ہی میں ہے: منارہ سلف کے نزدیک مسجد کی چھت پر بنایا جاتا تھا۔

''الدرر المرصعة فی صلحاء درعة'' میں ''انارة البصائر فی مناسب الشیخ ابن ناصر' وحزبه الهداة الاکابر'' سے منقول ہے کہ شیخ سیدی محمد بن ناصر جمعہ کے دن ایک مؤذن اور اقامت کے علاوہ ایک اذان پر اقتصار کرتے تھے تاکہ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا شرف حاصل ہو' کیونکہ مشہور روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت کے ابتدائی سالوں تک یہی معمول تھا۔ صحیح اور معتمد قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے دورِ اقدس میں ایک مؤذن ہوتا تھا۔
(فتح الباری' الآبی)

''المدخل'' میں ابن الحاج کا یہ قول قابل توجہ نہیں کہ تین مؤذن ہوتے تھے جو یکے بعد دیگرے اذان کہتے تھے۔

''عون المعبود علی سنن ابی داؤد'' میں اس قول کے بعد مذکور ہے: مجھے اس پر صریح نقل نہیں ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں تین مؤذن تھے جو سب جمعہ کے دن یکے بعد دیگرے اذان کہتے تھے۔ بلکہ عنقریب مذکور ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے صرف ایک مؤذن حضرت بلال تھے۔

حضور ﷺ کے لیے چٹائی اٹھانے والوں کا بیان

''خُمرہ'' چھوٹی چٹائی ہوتی ہے اسے کھجور کے پتوں سے تیار کیا جاتا ہے' یہ جائے نماز سے چھوٹی ہوتی ہے' دونوں ہاتھ اور چہرہ رکھنے کی جگہ کے برابر ہوتی ہے' علامہ خطابی کی ''المعالم'' میں ہے: خمرہ چٹائی ہے جس پر نمازی سجدہ کرتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: نبی ﷺ خُمرہ پر نماز پڑھتے تھے۔[۱۲۳]

امام مسلم کی روایت ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: مجھے مسجد سے خُمرہ لا دو۔[۱۲۴]

نسائی نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ایک کی گود میں سر رکھے تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوتے حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں۔ اور ہم میں سے ایک آپ کے لیے مسجد میں خُمرہ (جائے نماز) بچھاتی حالانکہ وہ حائضہ ہوتی۔[۱۲۵]

علامہ کتانی کہتے ہیں: میرے شیخ' میرے والد ماجد نے خُمرہ اور چٹائی پر نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کے موضوع پر کتاب لکھی ہے' اسے ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے عنزہ لے کر چلنے والے

صحیح البخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ صبح عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے' آپ کے سامنے عنزہ اٹھایا جاتا اور آپ (اسے سُترہ بنا کر) اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔[۱۲۶]

عنزہ لاٹھی ہوتی ہے' اس کی لمبائی نیزے کی آدھی یا اس سے قدرے زائد ہوتی ہے اور نیزے کی طرح اس کا پھل ہوتا ہے۔

صحیح البخاری کی کتاب الوضوء کے ''باب من حمل العنزة مع الماء الاستنجاء'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ بیت الخلاء میں جاتے تو میں اور ایک لڑکا وضو کے پانی کا برتن اور عنزہ اٹھا کر چلتے تھے۔[۱۲۷]

''الفوائد'' میں ابن بادیس نے کہا: عنزہ ڈنڈے سے بڑا اور نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس میں نیزے کی

---

۱۲۳ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۳۷۹۔۳۸۱' از میمونہ رضی اللہ عنہا۔

۱۲۴ صحیح حدیث' مسلم: ۲۹۸' ابوداؤد: ۲۶۱' ترمذی: ۱۳۴' نسائی ج ۱ ص ۱۹۲' عبدالرزاق: ۱۲۵۸' احمد ج ۶ ص ۱۷۳' ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۱۳' ابن حبان: ۱۳۵۷' بیہقی ''سنن'' ج ۲ ص ۴۰۹' بغوی ''شرح السنۃ'': ۳۲۰' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۱۲۵ صحیح حدیث' نسائی ج ۱ ص ۱۴۷۔۱۹۲' از میمونہ رضی اللہ عنہا۔

۱۲۶ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۳۷۳' ۹' نسائی ج ۳ ص ۱۸۳' ابن ماجہ: ۱۳۰۴' عمر بن شبہ ''تاریخ المدینۃ'': ۴۰۳۔

۱۲۷ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۱۵۲' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

طرح لوہے کا پھل لگا ہوتا ہے۔ "المشکاۃ" میں ہے: عنزہ ایک ذراع کے برابر خم دار عصا ہوتا تھا، نبی ﷺ اسے ہاتھ میں لے کر چلتے تھے۔ عیدین میں خادم اسے آپ کے آگے آگے لے کر چلتا اور اسے بہ طور سترہ آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ مروی ہے کہ آپ کا یہ عنزہ مامون الرشید کے عہد تک مدینہ طیبہ میں موجود تھا۔

"عیون المعارف" میں ہے: آپ کے پاس ایک اور عنزہ بھی تھا جسے آپ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے لیا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ عنزہ نجاشی شاہِ حبشہ سے ملا تھا۔

"التوشیح" میں حافظ سیوطی فائدہ کے زیر عنوان کہتے ہیں: عمر بن شبہ نے "اخبار المدینہ" میں سعد القرظی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نجاشی نے حضور ﷺ کو حربہ (چھوٹا نیزہ، برچھی) بطور ہدیہ بھیجا تھا، آپ نے اسے اپنے پاس رکھا یہی حربہ امام کے ساتھ عید کے دن عید گاہ تک جاتا تھا۔[۱۲۸]

حافظ سیوطی نے بطریق لیث نقل کیا ہے کہ انہیں یہ خبر ملی ہے: وہ عنزہ جو آپ کے سامنے رہتا تھا ایک مشرک کا تھا جسے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے احد کے دن قتل کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے یہ عنزہ لے لیا، عید گاہ میں یہی عنزہ نماز میں آپ کے سامنے گاڑا جاتا تھا۔[۱۲۹]

ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہا گیا ہے: پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا عنزہ بعد ازاں نجاشی کا حربہ استعمال ہوتا تھا۔

"سیرۃ ابن فارس" میں ہے: حضور ﷺ کے پاس مجن (خم دار ڈنڈا) اور مخصرہ (کوڑا) تھا جسے عرجون کہا جاتا تھا، ایک اور ڈنڈی ممشوق نامی تھی۔

شارح کہتے ہیں: مجن خم دار ڈنڈا ہوتا ہے۔ ایک قول کے مطابق مجن عنزہ سے چھوٹا، ایک ہاتھ کے برابر یا اس سے بڑا ہوتا ہے، اس کا ایک کنارہ مڑا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ اسے ہاتھ میں لے کر چلتے تھے اور سواری کے وقت اسے اپنے سامنے اونٹ کے پالان پر لٹکا دیتے تھے۔

مخصرہ کوڑے جیسا ہوتا ہے، انسان اپنے ہاتھ میں از قسم عصا، ڈنڈی وغیرہ جو چیز رکھتا ہے اسے مخصرہ کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخصرہ لکڑی کی لاٹھی ہے جسے عرب اور معزز لوگ اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں، اس سے چلنے میں مدد لیتے ہیں اور پیٹھ پر جہاں ہاتھ نہیں پہنچتا اس سے کھجاتے ہیں۔

عرجون (کھجور کے خوشوں والی ٹہنی) خوشے کا پھل کاٹ کر اسے تیار کیا گیا تھا، یہ بغداد میں خلفاءِ بنو عباس کے پاس رہی۔ (الفوائد)[۱۳۰]

طبقات ابن سعد میں ہے: عید اور نماز استسقاء کے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ عنزہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے آگے چلتے تھے۔

---

۱۲۸ ضعیف حدیث، اسے عمر بن شبہ (۳۰۴) نے حضرت سعد القرظی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس کی اسناد میں عبد العزیز بن عمران ضعیف راوی ہے۔

۱۲۹ ضعیف حدیث، اسے عمر بن شبہ نے "تاریخ المدینۃ": ۶:۳۰۶ میں روایت کیا ہے۔

۱۳۰ تاریخ المدینۃ المنورۃ ج ۱ ص ۸۹۔۹۲، تالیف امام عمر بن شبہ۔

حضور ﷺ کے گھر تشریف لے جاتے وقت

آپ کے آگے عصا اٹھا کر چلنے والے

قبل ازیں المقری کی "فتح المتعال" کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ جب کھڑے ہوتے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کو جوتے پہناتے، پھر عصا اٹھا کر آپ کے آگے آگے چلتے، یہاں تک کہ آپ اپنے حجرۂ مبارک میں داخل ہوتے۔ دیکھئے "جواهر البحار" ص ۳۶ بحوالہ "بلوغ الآمال فی مدح النعال" اور حافظ سیوطی کا رسالہ "الانباء بان العصا من سنن الانبیاء"۔

"البیان والتبیین"[۱۳۱] میں ہے: حضور ﷺ کے پاس مخصرہ، قضیب اور عنزہ تھے، جو عرب سرداروں کی عادت اور رواج کے مطابق آپ کے خدام آپ کے آگے اٹھا کر چلتے تھے۔

"الرسالة العلمية" مؤلفہ ابوعثمان التجیبی میں ہے: آپ کے آگے آگے اشارہ اور قضیب اٹھائے جاتے تھے، اشارہ عصا سے پتلی کوڑے جیسی لاٹھی ہوتی۔ البتہ یہ قضیب سے موٹی ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی چار بالشت یا اس کے لگ بھگ ہوتی ہے، فقراء صوفیہ اسے اٹھا کر چلتے ہیں، کبھی ان کے ہاتھ میں تیر ہوتا ہے، اس میں اصل نماز میں سترہ کا کام لینا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس مخصرہ، قضیب، عصیہ اور عنزہ تھے۔ اہل عرب اس طرح کی لاٹھیاں اپنے ہاتھوں میں رکھتے، خطیب بوقت خطبہ اسے ہاتھ میں رکھتا اور اپنی مجالس میں انہیں ساتھ رکھتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ قضیب وہ لاٹھی ہے جو خطیب یا بادشاہ بوقت خطاب اپنے پاس رکھتا ہے۔

فائدہ

"جمع الجوامع" میں بیہقی اور ابن عساکر کے حوالہ سے از محمد بن سیرین از انس بن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک عصا تھا، آپ کا وصال ہوا تو میں (انس) نے اسے آپ کے پہلو اور قمیص کے درمیان دفن کر دیا۔ (کنز العمال جزء ۷ ص ۱۰)

مسجد نبوی میں روشنی کرنے والے

"الاستیعاب" میں ہے: حضرت تمیم الداری کے آزاد کردہ غلام سراج تمیم کے پانچ لڑکوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے لیے زیتون کے تیل کی قندیل جلائی، اس سے پہلے مسجد میں کھجور کی شاخیں جلا کر روشنی کرتے تھے۔ زیتون کے تیل کی قندیل روشن دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے؟ حضرت تمیم نے عرض کیا: میرے اس غلام نے، فرمایا: اس کا کیا نام ہے؟ عرض کیا: فتح، نبی ﷺ نے

---

۱۳۱ جاحظ کی عمدہ تصنیف۔ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔

فرمایا: بلکہ اس کا نام "سراج" (چراغ) ہے۔ سراج نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے میرا نام سراج رکھا۔[132]

"الاصابہ" میں سراج کے تذکرہ میں ہے: رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کھجور کی شاخوں سے روشنی کی جاتی تھی' ہم قندیلیں' تیل اور رسیاں لے کر آئے اور مسجد میں روشنی کی۔[133]

"الاصابہ" ہی میں حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کے غلام ابوالبراد کے تذکرہ میں یہی مذکور ہے اور یہ کہ علامہ مستغفری نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ (الاصابہ:۱۱۴)

"الاصابہ" میں از محمد بن حسن بن قتیبہ از سعید بن فائد از والد خود از جد خود از ابو ہند مروی ہے' ابو ہند نے کہا: حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ شام سے مدینہ طیبہ آئے تو اپنے ساتھ قندیلیں' تیل اور رسیاں لیتے آئے۔ ان کی آمد جمعہ کے دن ہوئی' انہوں نے اپنے غلام ابوالبراد کو حکم دیا کہ رسیاں باندھیں' قندیلیں لٹکائیں' ان میں تیل ڈالیں' فلیتے (بتیاں) ڈالیں' جونہی سورج غروب ہو' قندیلیں روشن کر دیں' رسول اللہ ﷺ مسجد کی طرف تشریف لائے تو اسے روشن جگمگاتے دیکھا' دریافت فرمایا: یہ کس نے کیا: صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! تمیم نے' آپ نے دعا دی: تو نے اسلام کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت میں منور و تاباں رکھے' اگر میری (نا کتخدا) بیٹی ہوتی تو میں اسے تیرے نکاح میں دیتا۔ نوفل بن الحرث بن عبدالمطلب نے عرض کی: یارسول اللہ! میری بیٹی ام المغیرہ بنت نوفل ہے' آپ اس میں اپنا ارادہ پورا فرمائیں' سو حضور ﷺ نے اس کا وہیں تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا (اس کی سند ضعیف ہے)۔[134]

ذہبی کی "التجرید" میں ہے: ابوالبراد حضرت تمیم الداری کا غلام' ایک منکر حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔

"سنن ابن ماجه" میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سب سے پہلے مساجد میں تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے روشنی کی۔[135]

علامہ عیسیٰ بن اسماعیل الرعینی نے بھی اپنی کتاب "الجامع لما فی المصنفات الجوامع" میں گزشتہ حدیث روایت کی ہے۔

"تحفة الاكابر" میں ہے: اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا جاتا ہے کہ جب کفار کے ملک سے ایسی قنادیل اور چراغ آئیں جو ان کے گرجا گھروں (عبادت گاہوں) میں معلق رہی ہوں یا ان کی صلیبوں پر آویزاں رہی ہوں ان کو مسلمانوں کی مساجد میں لٹکانا جائز ہے۔ وجہ جواز یہ ہے کہ شریعت میں اہل کتاب کے برتنوں سے نفع حاصل کرنا مباح ہے۔ (مزید بحث تحفة الاکابر میں ملاحظہ فرمائیں)

---

۱۳۲ الاستیعاب علی هامش الاصابہ ج۲ ص ۱۳۲-۱۳۳

۱۳۳ خطیب "المؤتلف" اور ابن مندہ (الاصابہ:۳۱۰۳)

۱۳۴ اسے المستغفری نے روایت کیا ہے۔ (الاصابہ:۱۱۴) حافظ ابن حجر نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے۔

۱۳۵ ضعیف حدیث' ابن ماجہ:۷۶۰ از ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ الزوائد میں اسے موقوف کہا ہے' اس کے اسناد میں خالد بن ایاس ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ الالبانی نے اسے "ضعیف سنن ابن ماجه": ۱۶۷ میں ذکر کر کے کہا ہے: یہ نہایت ضعیف روایت ہے۔

حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ میں شمعیں جلانا

سنن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے غزوۂ تبوک کے دوران لشکر کے ایک جانب آگ کا شعلہ دیکھا' میں اسے دیکھنے کو گیا' میں نے دیکھا وہاں رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے۔

عبداللہ ذوالبجادین المزنی فوت ہو گئے تھے' صحابہ نے اس کی قبر کھودی تھی اور رسول اللہ ﷺ اس کی قبر میں اترے تھے۔[۱۳۶]

''جامع الترمذی'' میں ''باب الدفن باللیل'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی ﷺ رات کے وقت ایک قبر میں داخل ہوئے تو آپ کے لیے روشنی کی گئی۔ (الحدیث)[۱۳۷]

حافظ سیوطی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ''آگ کا شعلہ'' سے شمع کی روشنی مراد ہے۔

گویا امام سیوطی نے اس کے سوال کا جواب دیا ہے جس نے کہا: کیا نبی ﷺ کے پاس شمع جلائی گئی؟ امام سیوطی نے اس موضوع پر ''مسامرة السموع فی ضوء الشموع'' کے نام سے رسالہ تحریر کیا ہے۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۱۲۱' السیرۃ الحلبیہ)

صحیح البخاری میں ''باب الصلاة علی الفراش'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نبی ﷺ کے سامنے سو رہی ہوتی اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ کی طرف ہوتے جب آپ سجدہ کرتے مجھے چھوتے' میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی' پھر جب آپ کھڑے ہوتے میں پیر پھیلا لیتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔[۱۳۸]

حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں: ام المومنین کا یہ قول کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے' گویا اس طرح سونے سے معذرت کا اظہار کرنا ہے۔ ابن بطال نے کہا: اس میں یہ خبر ہے کہ بعد ازاں چراغ جلائے جاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۱۴)

''السیرۃ الشامیہ'' میں ہے: روایت میں آیا ہے جب تک کسی گھر میں روشنی نہ کی جاتی نبی ﷺ اندھیرے

---

۱۳۶ جیسا کہ الاصابہ: ۴۸۰۴ میں ہے' اسے بغوی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' حافظ ابن حجر نے کہا ہے: اسے بغوی نے اسی طرح روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس روایت میں انقطاع ہے۔ السیرۃ النبویہ میں بھی یہ روایت اسی طرح ہے۔ ابن مندہ نے اسے از طریق سعد بن الصلت از اعمش از ابی وائل از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ سومصنف کا اسے سنن کے حوالہ سے ذکر کرنا وہم پر مبنی ہے۔

۱۳۷ حسن حدیث' ترمذی: ۱۰۵۷' از ابن عباس رضی اللہ عنہما' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

۱۳۸ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۳۸۲۔۵۱۳۔۱۲۰۹' مسلم: ۲۷۲ (۵۱۲)' موطا مالک ج ۱ ص ۱۱۷' احمد ج ۶ ص ۱۴۸۔۲۲۵' ابوداؤد: ۷۱۳' نسائی ج ۱ ص ۱۰۲' عبدالرزاق: ۲۳۷۶' شافعی' ''السنن الماثورہ'': ۱۲۶' ابن حبان: ۲۳۴۲' بیہقی ج ۲ ص ۲۶۴' بغوی: ۵۴۵' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

گھر میں تشریف فرما ہوتے۔

البزار اور ابوالحسن بن الضحاک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کسی تاریک گھر میں نہ بیٹھتے، جب تک کہ اس میں آپ کے لیے چراغ نہ جلایا جاتا۔[۱۳۹] ابن سعد نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

جاحظ کی "البیان والتبیین" میں ہے: سب سے پہلے حیرہ میں بنو قضاعہ کے آخری بادشاہ جذیمۃ الابرش[۱۴۰] کے لیے شمع اٹھائی گئی۔

علامہ منجور کی "شرح المنھج" میں ہے: البرزلی سے مسجد میں جھاڑ فانوس اور قندیلیں آویزاں کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، انہوں نے جواب دیا: مسجد میں چٹائیاں بچھانا اور چراغ جلانا مساجد کی رفعت شان کے قبیل سے ہے، اور مساجد کو روشن کرنے میں اجر عظیم ہے۔

علامہ زمخشری نے سورۃ التوبہ کی آیت "إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ" (التوبہ:۱۸) کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے مسجد میں چراغ جلایا جب تک مسجد میں روشنی رہتی ہے، فرشتے اور حاملین عرش اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

علامہ زمخشری نے مزید کہا: آیت کریمہ میں عمارۃ کا لفظ مسجد کی پرانی اشیاء کی تجدید، اس کی صفائی اور چراغوں سے مساجد کو روشن کرنا سب کو شامل ہے، مساجد کی تعظیم و تکریم اور اسے عبادت اور ذکر سے آباد رکھنا بھی اس میں داخل ہے۔

رمضان المبارک میں قمقموں اور روشنی کی فراوانی کو بعض مغربی علماء نے بدعت کہا ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ چیز مسجد کی رفعت شان سے تعلق رکھتی ہے۔ باقی بحث علامہ البرزلی کی "النوازل" اور "شرح المنھج" میں ضرور ملاحظہ کریں۔

مسجد نبوی میں عود کی دھونی دینے والے

"سنن ابی داؤد" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے گھروں میں مساجد بنانے، انہیں صاف ستھرا رکھنے اور خوشبو لگانے کا حکم فرمایا۔[۱۴۱]

علامہ کتانی کہتے ہیں: یہ روایت مسند احمد، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

۱۳۹۔ ضعیف حدیث، اسے بزار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، ہیثمی نے المجمع میں کہا ہے: اس میں جابر بن یزید جعفری متروک راوی ہے۔ (المجمع ج ۸ ص ۶۰۔۶۱)

۱۴۰۔ جذیمہ بن مالک بن فہم بن غنم التنوخی القضاعی، دور جاہلیت میں عراق میں دولت تنوخیہ کا تیسرا بادشاہ جو طویل العمر تھا، اسے برص کی وجہ سے الوضاح اور الابرش کہا گیا ہے۔ تقریباً ۲۶۸ء میں فوت ہوا۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۴۴، جمہرۃ انساب العرب: ۳۷۹)

۱۴۱۔ صحیح حدیث، ابوداود: ۴۵۵، ترمذی: ۵۹۴، ابن ماجہ: ۷۵۸۔۷۵۹، احمد ج ۶ ص ۲۷۹، ابن خزیمہ: ۱۲۹۴، ابن حبان: ۱۶۳۴، بغوی: ۴۹۹، بیہقی ج ۲ ص ۴۴۰ از عائشہ رضی اللہ عنہا باسناد صحیح۔

علامہ ابن رشد کی کتاب ''الجامع من البیان والتحصیل'' میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی مساجد کو خوشبو کی دھونی دو۔[۱۴۲]

''التمھید'' میں ہے: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھتے' آپ کا غلام عبداللہ المجمر مسجد میں خوشبو کی دھونی دیتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبداللہ مذکور ان افراد میں سے تھا جو کعبہ کو دھونی دیتے تھے' لیکن پہلا قول اصح ہے۔

''فتح الباری'' میں ''باب فضل الوضوء'' پر مذکور ہے: نُعیم المجمر عبداللہ المزنی کا بیٹا ہے' باپ اور بیٹا دونوں کو المجمر (دھونی دینے والے) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دونوں مسجد نبوی شریف میں خوشبو کی دھونی دیتے تھے۔ بعض علماء کا خیال ہے: درحقیقت عبداللہ ہی خوشبو کی دھونی دینے والے تھے' بیٹے کو مجازاً المجمر کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ ابراہیم الحربی نے اس پر جزم کیا ہے کہ نعیم یہ کام کرتے تھے۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے والے اور کوڑا کرکٹ صاف کرنے والے

امام بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ایک حبشی خاتون مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ پایا تو اس کے متعلق دریافت فرمایا' صحابہ کرام نے بتایا: وہ خاتون فوت ہوگئی' آپ نے فرمایا: تم نے مجھے خبر کیوں نہ کی؟ راوی کہتے ہیں: گویا کہ انہوں نے اسے معمولی سمجھا اس کی موت کی خبر دینے کو ضروری نہ سمجھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ صحابہ نے اس خاتون کی قبر دکھائی تو آپ نے اس پر نماز پڑھی۔[۱۴۳]

صحیح ابن خزیمہ میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک خاتون مسجد سے کوڑا کرکٹ اور تنکے وغیرہ اٹھایا کرتی تھی۔[۱۴۴]

ابن خزیمہ اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک حبشی خاتون مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی رات میں اس کا انتقال ہوگیا' صبح کو رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر بتائی گئی تو آپ نے فرمایا: تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی پھر آپ اپنے صحابہ کے ساتھ اس کی قبر پر تشریف لے گئے' آپ نے تکبیر کہی' لوگ آپ کے پیچھے تھے' اور آپ نے اس کے لیے دعا کی پھر واپس تشریف لائے۔[۱۴۵]

---

۱۴۲ مجھے یہ الفاظ نہیں ملے' مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ملی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ہر جمعہ کو عود کی دھونی دیتے تھے۔ ''المجمع'' ج۲ص۱۱ بروایت ابویعلیٰ' ہیثمی نے کہا: اس میں عبداللہ بن عمر العمری ہے' اسے احمد وغیرہ نے ثقہ بتایا ہے اور اس کی روایت سے استدلال میں اختلاف ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ ضعیف ہے۔

۱۴۳ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۴۵۸۔۳۲۰۳۔۱۳۳۷' مسلم: ۹۵۶' ابوداؤد: ۳۲۰۳' ابن ماجہ: ۱۵۲۷' طیالسی: ۲:۷۷' احمد ج۲ص۳۵۳۔ ۳۸۸' ابویعلیٰ: ۶۴۲۹' ابن خزیمہ: ۱۲۹۹' ابن حبان: ۳۰۸۲' بیہقی ج۴ص۴۷' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ بعض روایات میں حبشی مرد' بعض روایات میں حبشی مرد یا عورت مروی ہے۔

۱۴۴ ابن خزیمہ: ۱۳۰۰' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ باسناد صحیح۔

۱۴۵ ابن ماجہ: ۱۵۳۳' از ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ' الزوائد میں کہا ہے: اس کے اسناد میں ابن لہیعہ ضعیف راوی ہے۔ اس کی شاہد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ صحیح حدیث ہے۔

امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ایک خاتون مسجد سے کوڑا اٹھاتی تھی وہ فوت ہوگئی، رسول اللہ ﷺ کو اس کی تدفین کی اطلاع نہ دی گئی، نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہارا کوئی فوت ہو تو مجھے اطلاع کرو اور آپ نے اس پر نماز پڑھی، اور فرمایا: میں نے اسے جنت میں دیکھا مسجد سے کوڑا اٹھا رہی ہے۔[146]

ابو الشیخ نے عبید بن مرزوق سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ایک خاتون مدینہ طیبہ میں مسجد میں جھاڑو دیتی تھی اس کا انتقال ہوگیا، نبی ﷺ کو خبر نہ ہوئی، آپ اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو دریافت فرمایا: یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ نے کہا: ام محجن کی، آپ نے فرمایا: وہی جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی؟ عرض کیا: جی ہاں، پھر لوگوں نے صف باندھی، آپ نے اس پر نماز پڑھی۔ پھر ارشاد فرمایا: تو نے کس عمل کو افضل پایا ہے؟ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ سنتی ہے؟ فرمایا: تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے جواب دیا ہے۔[147] یہ روایت مرسل ہے۔

ابن السکن نے صحابہ اور تابعین کے تذکرہ میں الخرقاء کا ذکر کیا ہے، پھر از ابی السفر از الخرقاء یہ روایت ذکر کی: الخرقاء نے کہا: ایک حبشی خاتون رسول اللہ ﷺ کی مسجد سے کوڑا سمیٹتی تھی اور تکلیف دہ چیزیں دور کرتی تھی، نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے اجر کے دو حصے ہیں۔[148]

"الاصابہ" (حدیث: ۹۸۹) میں محجنہ کے تذکرہ میں ہے: اسے ام محجن بھی کہا گیا، یہ حبشی خاتون تھی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ صحیح البخاری میں نام کے بغیر ان کا ذکر ہے۔ اس خاتون کے نام کا ذکر یحییٰ بن ابی انیسہ (متروک راوی) نے از علقمہ بن مرثد مدینہ منورہ کے کسی صاحب سے روایت کرتے ہوئے کیا ہے، روایت یہ ہے: مدینہ طیبہ میں ایک خاتون تھی جسے محجنہ کہا جاتا تھا وہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی، حضور ﷺ نے اسے نہ پایا۔ الحدیث[149] امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں اسے روایت کیا ہے اور "المنذری" نے اس کے ضعف کا اشارہ کیا ہے۔

ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑا کرکٹ نکالو جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کا جنت میں گھر بنائے گا، ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! جو مسجدیں راستوں میں بنائی جاتی ہیں (ان پر بھی یہی اجر ہے) آپ نے فرمایا: ہاں اور مساجد سے کوڑا کرکٹ نکالنا، بڑی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔

ابن مفلح کی "الآداب الکبری" میں ہے: مناسب یہ ہے کہ مسجد سے کوڑا کرکٹ جمعرات کے دن نکالا

---

۱۴۶ اس کا اسناد ضعیف ہے، طبرانی "الکبیر" (بحوالہ المجمع ج ۲ ص ۱۰) ہیثمی نے کہا: اس میں عبدالعزیز بن فائد مجہول ہے اور کہا گیا ہے کہ فائد بن عمر بھی مجہول ہے۔

۱۴۷ مرسل ضعیف حدیث، اسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے۔

۱۴۸ مجھے یہ روایت نہیں ملی۔

۱۴۹ ضعیف حدیث، طبرانی "الکبیر" (المجمع ج ۲ ص ۹) ہیثمی نے کہا: اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں، المنذری نے "الترغیب" میں "روی" سے اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جائے کیونکہ یہ سنت ہے۔

انتباہ

علامہ شمس الدین السفارینی نے حافظ ابن تیمیہ[150] کے ''فتاویٰ'' سے اس بحث کے بعد کہ ''مساجد میں کس کے لیے اقامت پذیر ہونا مشروع ہے'' نقل کیا ہے جیسے مسجد نبوی میں مسجد میں جھاڑو دینے والی خاتون کے لیے مسجد کے کونے میں کوٹھڑی بنائی گئی تھی۔

روایت میں اس کوٹھڑی کے لیے ''حفش'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' ایک حدیث میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: وہ اپنی ماں کے حفش (گھر) میں کیوں نہ بیٹھا[151] یہاں اسے چھوٹے سے گھر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: حفش کم بلندی والے گھر کو کہتے ہیں۔ امام مالک نے کہا: چھوٹا' خراب گھر' یہ بھی کہا گیا ہے کہ حفش قُبہ کی طرح ہوتا ہے جس میں خاتونِ خانہ سوت اور بیکار چیزیں ڈال دیتی ہے۔ جیسے کھجور کے پتوں سے بنائی گئی ٹوکری کو حقیر سے گھر سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے کہا: ضرورت کے وقت مسجد میں خیمہ اور کوٹھڑی بنائی جا سکتی ہے جیسے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں خیمہ لگایا گیا یا مسجد میں جھاڑو دینے والی خاتون کے لیے کوٹھڑی سی بنا دی گئی تھی۔ لیکن مسجد میں با قاعدہ سکونت اختیار کرنے کے لیے کمرہ بنا لینا اور اسے رات گزارنے اور قیلولہ کرنے کا مسکن بنا لینا اور اس سے گھر والے کام لینا اور اس کو گھر کے کمرے کی طرح استعمال کرنا درست نہیں ہے' مسجد میں موجود ایسا کوئی کمرہ مسجد کے حکم نہیں ہوگا اور اس پر مسجد کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔

لوگوں کو نماز کے لیے لے جانا اور ترکِ جماعت پر وعید

رسول اللہ ﷺ باجماعت نماز کا اہتمام فرماتے۔ صحیحین وغیرہ میں روایت ہے حضور ﷺ نے ان لوگوں پر ان کے گھروں کو جلانے کا ارادہ فرمایا جو آپ کے ساتھ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے[152]

علامہ الزمخشری نے ''الکشاف'' میں ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ پر عامل مقرر کیا اور ارشاد فرمایا: میں نے تجھے اہل اللہ پر عامل مقرر کیا ہے[153] حضرت عتاب رضی اللہ عنہ منافقوں پر

۱۵۰ امام' حافظ' شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ الحرانی' متوفی ۷۲۸ھ' ان کی مشہور تصانیف میں الفتاوی' منهاج السنة النبويه اور کئی کتب شامل ہیں۔

۱۵۱ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۹۲۵-۱۵۰۰-۲۵۹۷-۶۶۳۶-۶۹۷۹-۷۱۷۴-۷۱۹۷' مسلم: ۱۸۳۲' (۲۶) ۲۷-۲۸' ابو داؤد: ۲۹۴۶' حمیدی: ۸۴۰۔

۱۵۲ صحیح حدیث' مسلم: ۶۵۱' ابو داؤد: ۵۴۹' ابن ماجہ: ۷۹۱' ترمذی: ۲۱۷' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا ارادہ ہوا کہ اپنے نوجوانوں کو ایندھن کی لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں' پھر ان لوگوں کے پاس آؤں جو گھروں میں نماز پڑھتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی بیماری نہیں تو ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں۔

۱۵۳ الاصابہ: ۵۳۹۱' تذکرہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ۔ عمر بن شبہ' ''تاریخ مکہ''۔

بہت سخت اور اہل ایمان پر نرم تھے۔ انہوں نے اعلان کیا' بخدا مجھے جس کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ نماز کی جماعت میں شریک نہیں ہوتا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ کیونکہ منافق ہی نماز سے پیچھے رہتا ہے۔

ابوزید الجاجی نے ''مختصر ابن ابی جمرہ'' پر اپنی شرح میں کہا ہے: ایک سے زائد سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی عادت تھی جب فجر طلوع ہوتی' لوگوں کو نماز فجر کے لیے جگاتے تھے۔ یہی چیز ان کے قتل (شہادت) کا سبب بنی' اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ نماز کے لیے لوگوں کو جگانا مکروہ یا حرام نہیں بلکہ نیکی پر تعاون میں سے ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے: میں اونگھنے والے کو ڈنڈا تا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: مذکور الصدر روایت سلطان ابوعنان المرینی کا مستدل ہے' ابوزید الفاسی کی ''تاریخ بیوتات فاس'' میں بیت بنی زُنْبُق کے ذکر میں ہے' ان میں سے ایک مندیل بن زنبق ہیں' وہ نمازوں کے اوقات کے نگران تھے اور امیر المؤمنین ابوعنان کے حکم سے لوگوں کو نماز کے لیے کوڑوں اور چھڑیوں سے مارا کرتے تھے۔

نمازیوں کی صفوں کو درست کرنے اور عدمِ ترتیب پر مارنے والے

امام احمد نے ''کتاب الصلوٰۃ'' کے ص ۱۴ پر کہا ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ صفیں درست کراتے تھے اور ان کی ایڑیوں پر درہ مارتے تھے تاکہ وہ برابر رہیں۔ بعض علماء نے کہا: اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں نماز میں داخل ہونے سے قبل بوقت اقامت ایسا کرتے ہوں گے' کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد صرف ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شام سے واپس آ کر اذان کہی ہے۔

لوگوں کو مسجد میں جھگڑے فساد اور شور وغل سے منع کرنے والے

صحیح البخاری رقم: ۴۷۰ میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا' مجھے کسی نے کنکری ماری میں نے پلٹ کر دیکھا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے' آپ نے فرمایا: جاؤ' ان دو شخصوں کو میرے پاس لاؤ' میں ان کو لے آیا' حضرت عمر نے کہا: تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا۔ تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے ہو۔

''الموطا'' (ج ۱ ص ۷۶) میں ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک چبوترا بنوا دیا تھا' جسے بطحاء کہتے تھے اور فرمایا: جسے شور کرنا ہو' شعر کہنا ہو یا اونچی آواز سے گفتگو کرنی ہو وہ چبوترے کی طرف چلا جائے۔

''الاستیعاب'' (ص ۲۹۷) میں ہے: نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں قریش کے

سردار تھے' مسجد الحرام کی تعمیر اور دیکھ بھال ان کی ذمہ داری تھی' مسجد حرام (کعبہ) میں فحش گوئی نہ ہوتی بلکہ اس میں خیر کے کام ہوتے تھے' کسی کو مسجد میں بے ہودہ گوئی کی اجازت نہ تھی کیونکہ قریش کے تمام افراد نے اس کا عہد و پیمان کیا تھا اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس کا نگران بنادیا تھا' وہ خود اس سلسلہ میں ان کے معاون اور مددگار رہتے۔ (منقول از زبیر وغیرہ علماء خبر و نسب)

وضو کرانے والے صحابہ

علامہ شبراملسی کہتے ہیں: ان سے وہ صحابہ مراد ہیں جو بوقت وضو آپ کی معاونت کرتے تھے' ضرورت ہوتی تو حضور ﷺ کے اعضاء پر پانی ڈالتے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: بلکہ اس میں عموم ہے' طہارت اور وضو وغیرہ شامل ہے۔ صاحب طہور سے مراد ایسا شخص ہے جو آپ کے وضو اور استنجاء کے لیے پانی مہیا کرتا اور بوقت ضرورت پانی لے کر آپ کے ساتھ چلتا اور آپ (کے اعضاء) پر پانی ڈالتا۔

ان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے وضو اور نعلین کے نگران کی حیثیت سے مشہور تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے' میں آپ کے لیے پانی لاتا آپ اس سے دھوتے تھے۔[۱۵۴]

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے باہر جاتے' میں اور ایک لڑکا پانی کا برتن ساتھ لے کر جاتے' یعنی آپ اس سے طہارت کرتے۔[۱۵۵] ابن الجوزی نے ''کشف المشاکل'' میں کہا ہے: یہ برتن چمڑے کا چھوٹا ڈول ہوتا تھا۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: صحیح البخاری میں ایک روایت میں یہ اضافہ ہے حضرت انس نے کہا: میں اور ہمارا ایک لڑکا یا انصار کا ایک لڑکا پانی لے کر جاتے تھے۔ اسماعیلی نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام مسلم کے روایت میں ہے کہ میرا ہم سن لڑکا۔ روایت میں غلام کا لفظ ہے' ابوعبید نے کہا: غلام دس سال کے قریب لڑکے کو کہتے ہیں۔ ''المحکم'' میں ہے: غلام شیر خوارگی کے بعد سات سال تک کی عمر کا لڑکا۔ ''الاساس''[۱۵۶] میں ہے: غلام ڈاڑھی آنے تک ہوتا ہے۔ اس عمر کے بعد مجازاً کسی کو غلام کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ غلام سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہیں' کیونکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ بن قیس سے فرمایا تھا: کیا تم میں صاحب طہور یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ

۱۵۴ صحیح البخاری: ۲۱۷' مسلم: ۲۷۱' از انس رضی اللہ عنہ۔

۱۵۵ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۱۲۵۔۱۵۰۔۱۵۱۔۱۹۵۔۵۰۰' مسلم: ۲۷۰۔۲۷۱' ابوعوانہ ج ۱ص ۱۹۵۔۱۹۶' ابوداؤد: ۴۳' نسائی: ۴۵' باب الاستنجاء بالماء' احمد ج ۳ص ۱۷۱۔۲۰۳' دارمی ج ۱ص ۱۷۳' طیالسی: ۲۱۳۶' ابن خزیمہ: ۸۴تا ۸۷' ابن حبان: ۱۴۲۹' ابویعلی: ۳۶۵۹' بیہقی ج ۱ص ۱۰۵' بغوی: ۱۹۵۔ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۱۵۶ ''اساس البلاغۃ'' علامہ زمخشری کی اس موضوع پر منفرد کتاب۔

نہیں ہیں، اس صورت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجازاً غلام کہا، مطلب یہ ہوگا کہ میں اور صحابہ میں سے یا آپ ﷺ کے خدام میں سے ایک صاحب ہمراہ ہوتے، اسماعیلی کی روایت میں "انصار میں سے" کا لفظ راوی کا تصرف ہے یا اس نے "منا" کے لفظ سے یہ مطلب سمجھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنا قبیلہ مراد لیا ہے اور اس کی روایت بالمعنی کی، یا اس لیے کہ انصار (مددگار) کا اطلاق تمام صحابہ پر ہوتا ہے اگرچہ عرف میں یہ اوس وخزرج کے لیے بولا جاتا ہے۔ لیکن مسلم کی روایت میں ہے: "میرے جیسا لڑکا" اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہم عمر نہ تھے۔ جس سے گزشتہ تاویلات درست ثابت نہیں ہوتیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مراد ہوں، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء میں جاتے، میں چمڑے کے چھوٹے ڈول (رکوہ) میں آپ کے استنجاء کے لیے پانی لاتا تھا[157] اس کی تائید جنات والے قصہ میں صحیح البخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے لیے وضو اور ضرورت کا پانی اٹھاتا تھا۔[158] اس صورت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول "مجھ جیسا" کا مطلب ہوگا: یعنی میری طرح قریب الاسلام۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ مراد ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے: حضور ﷺ قضائے حاجت کے لیے گئے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے پانی کا برتن لے گئے[159] خصوصاً حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بات درست نظر آتی ہے۔

اسماعیلی کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: میں آپ کے پیچھے پانی لے کر گیا درانحالیکہ میں لڑکا تھا (**فاتبعته وانا غلام**)۔ جملے میں واؤ حالیہ ہے۔ لیکن اسماعیلی نے اس روایت کے تعاقب میں کہا: صحیح جملہ واؤ عطف کے ساتھ "**انا وغلام**" ہے۔ (فتح الباری ج ۱ص ۳۰۲)

"**الاصابہ**" میں رسول اللہ ﷺ کی باندی حضرت اُمیمہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے: محمد بن نصر، ابن السکن اور حسن بن سفیان وغیرہ نے حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ نبی ﷺ کو وضو کراتی تھیں۔ حضرت امیمہ کی روایت میں ہے: میں حضور ﷺ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتا ہوں[160] الحدیث (الاصابہ جزء النساء ص ۲۱)

---

[157] صحیح حدیث، ابوداؤد: ۴۵، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[158] صحیح حدیث، صحیح البخاری: ۱۵۵، ۳۸۶۰، بیہقی ج ۱ص ۱۰۷۔ ۱۰۸، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[159] مجھے صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں ملی۔ مسند احمد ج ۳ص ۴۲۱ میں یہ حدیث جابر بن صخر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کا اسناد صحیح ہے۔

[160] محمد بن نصر "**تعظیم قدر الصلاۃ**" ابویعلیٰ بن السکن اور حسن بن سفیان نے مسند میں اسے ابی فروہ یزید بن یسار الرھاوی سے روایت کیا ہے۔ الاصابہ: ۱۱۶، مکمل حدیث یہ ہے: اس نے کہا: یارسول اللہ! میں اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتا ہوں آپ مجھے وصیت فرمائیں، آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ ابن السکن نے بھی اسے سعید بن عبدالعزیز از مکحول از ام ایمن رضی اللہ عنہا اسی طرح روایت کیا ہے۔ نیز کہا: یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مکحول نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا۔ حافظ ابن حجر نے کہا: یہ حدیث علوسند کے ساتھ "مسند عبد بن حمید" میں موجود ہے۔

"المواهب اللدنیه" میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام عبداللہ بن خیر کے والد خیر رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکور ہے کہ آپ نبی ﷺ کی خدمت کرتے تھے پھر حضور ﷺ نے ان کو اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا۔ مواہب کے شارح نے کہا: سمویہ نے "فوائد" میں اور امام بخاری نے "التاریخ" میں روایت کیا ہے کہ حنین رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے غلام تھے' آپ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو آزاد کر دیا' وہ نبی ﷺ کی خدمت کرتے تھے' جب حضور ﷺ وضو کرتے اپنے وضو کا باقی پانی اپنے اصحاب کے لیے لاتے' حنین نے پانی اپنے لیے رکھ لیا' لوگوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی تو حنین نے کہا: میں نے اسے اپنے پینے کے لیے رکھا ہے۔[۱۶۱]

سنن ابن ماجہ میں نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی باندی ام عیاش سے مروی ہے' وہ کہتی ہیں: میں نبی ﷺ کو وضو کرا رہی تھی' میں کھڑی تھی اور آپ بیٹھے ہوئے تھے۔[۱۶۲]

"الاستیعاب" میں آپ کی باندی امیمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: وہ نبی ﷺ کو وضو کراتی تھیں۔ اس حدیث کو ابن عساکر اور حسن بن سفیان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

"السیرة الشامیه" میں ہے: نبی ﷺ کی انا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا' رسول اللہ ﷺ کے وضو کے پانی کا خیال رکھتیں اور ضرورت کے وقت پانی دیتی تھیں۔

صحیح البخاری کے "باب الاستنجاء من الحجارة" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلے میں آپ کے پیچھے گیا' آپ قضائے حاجت کے وقت اِدھر اُدھر متوجہ نہیں ہوتے تھے' میں آپ کے قریب گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے صفائی کے لیے پتھر لا کر دو' ہڈی اور گوبر نہ لانا' میں اپنے کپڑے کے پلو میں پتھر لایا' آپ کے پہلو میں رکھ دیئے اور ایک طرف ہٹ گیا' جب آپ فارغ ہو گئے تو میں پتھر لے کر آپ کے پیچھے پیچھے آیا (تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں)۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے: اس حدیث میں سرداروں کے پیچھے چلنے کا جواز ثابت ہوتا ہے' خواہ وہ خود اس کا حکم نہ دیں۔ امام (حکمران) اپنی رعایا کے کسی فرد سے خدمت لے سکتا ہے۔ استنجاء کے لیے مطلوبہ چیز مہیا کرنے میں اعانت کرنا جائز ہے تاکہ فراغت کے بعد اس کی ضرورت نہ رہے ورنہ تلویث کا اندیشہ ہو گا (صفائی کے بغیر کھڑے ہونے پر جسم یا کپڑے گندگی سے آلودہ ہو سکتے ہیں)۔

کیا حضور ﷺ نے گرم پانی استعمال فرمایا یا حمام میں داخل ہوئے؟

مؤلف لکھتے ہیں: مجھے "فتح الباری" کے باب "باب وضوء الرجل مع امرأته" میں امام بخاری کے قول "حضرت عمر نے گرم پانی سے وضو کیا" پر اپنے شیخ' استاذ اور والد محترم کی یہ تحریر ملی ہے کہ ابوعمر ابن عبدالبر نے

[۱۶۱] البخاری "التاریخ" (الاصابہ: ۱۸۸۳) از طریق وضین بن عبداللہ بن حسنین از برادرزادی از ماموں۔

[۱۶۲] ضعیف حدیث' ابن ماجہ: ۳۹۲' از ام عیاش۔ زوائد میں ہے اس کا اسناد مجہول ہے اور عبدالکریم مختلف فیہ راوی ہے' البانی نے اسے "ضعیف سنن ابن ماجه" میں ذکر کر کے ضعیف کہا ہے۔

...... نبی ﷺ نے وضو اور غسل میں گرم پانی استعمال نہیں فرمایا۔

ہمارے شیخ الشیبی نے "الفجر الساطع" میں مذکور الصدر عنوان پر لکھا ہے کہ نبی ﷺ سے وضو اور غسل میں گرم پانی کا استعمال کرنا ثابت نہیں ہے۔ (ابن زکری)

"المواھب" میں ہے: جس حدیث میں یہ مروی ہے کہ "نبی ﷺ جحفہ کے حمام میں داخل ہوئے" وہ محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع (من گھڑت) ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: اہل عرب حضور ﷺ کے وصال کے بعد اپنے شہروں میں حمام سے واقف ہوئے۔

علامہ زرقانی "المواھب" کی شرح میں رقمطراز ہیں: دیلمی نے بغیر سند کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: تمہارا حمام عمدہ ہے۔[۱۶۳] اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ چشمے اور کنوئیں کے گرم پانی پر محمول ہے۔ علامہ السخاوی نے کہا: ہر وہ روایت جس میں حمام کا ذکر ہے وہ اسی پر محمول ہے۔

لیکن اس پر اس روایت سے اعتراض وارد ہوتا ہے جسے الخرائطی نے 'یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں' اور ابن عساکر نے محمد بن زیاد الالھانی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ میرے ہمسائے تھے' آپ حمام میں جاتے تھے' میں نے ان سے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو کر حمام میں جاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ حمام میں داخل ہوتے تھے۔ اس روایت سے گزشتہ تاویل درست نہیں رہتی' ورنہ محمد بن زیاد' حضرت ثوبان کے گرم پانی استعمال کرنے پر انکار نہ کرتے۔ لیکن اس روایت کی سند نہایت ضعیف ہے۔ (الزرقانی علی المواھب ج۳ص ۲۳۷)

علامہ ابن حجر الہیتمی نے "شرح الشمائل" میں ذکر کیا ہے کہ علامہ الدمیری وغیرہ کے کلام سے نبی ﷺ کا حمام میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علامہ دمیری سے الشیخ التاودی نے "شرح جامع خلیل" میں یہ قول نقل کیا ہے۔ اور اس کے بعد کہا: علامہ نووی نے "شرح المھذب" میں کہا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام نووی نے صاحب مواھب کی طرح اس کے بطلان پر جزم نہیں کیا۔

حمام میں داخل ہونے کے احکام کے متعلق وارد احادیث سے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں حمام کے وجود کا احساس ہوتا ہے' اس سلسلہ میں کتب سنن اور ہمارا رسالہ "الالمام بما ورد فی الحمام" ملاحظہ کریں۔

عارف شعرانی کی کتاب "کشف الغمہ" میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آگ سے گرم کردہ پانی سے طہارت حاصل کرتے تھے اور دھوپ میں گرم پانی کا طہارت کے حصول میں استعمال مکروہ سمجھتے تھے۔

"الاحیاء" میں ہے: صحابہ کرام شام کے حماموں میں داخل ہوئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حمام نئی ایجادات کی نعمتوں سے ہے۔ حضرت ابوالدرداء اور ابوایوب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: بہترین گھر حمام

۱۶۳؎ اسے سخاوی نے "المقاصد الحسنہ": ۶۲۷ میں بغیر سند کے دیلمی کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ اور ابوسعد التونی سے یہ نقل کیا ہے کہ حمام سے نکلنے کے بعد "تمہارا حمام عمدہ ہے" کہنا بے اصل ہے۔ اور نووی سے یہ نقل کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔

ہے بدن کو صاف کرتا ہے اور آگ کی یاد دلاتا ہے[164]

حافظ ابن حجر نے احادیث رافعی کی تخریج میں ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت گرم پانی سے غسل کرتی تھی' جن میں حضرت عمر' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت سلمہ بن الاکوع اور حضرت اسلع بن شریک وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: میں نے دھوپ میں رسول اللہ ﷺ کے غسل کے لیے پانی گرم کیا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا: اے حمیرا! ایسا نہ کر و اس سے برص ہوتا ہے[165]

اس روایت پر مندرجہ ذیل کتب میں ابحاث ملاحظہ کریں' علامہ زیلعی کی **تخریج احادیث الھدایہ**' علامہ ابن حجر کی **تخریج احادیث شرح الرافعی الکبیر** اور ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی کی **السعایہ علی الوقایہ** ص ۱۹۲ اور ص ۳۳۶۔

شیشے کے برتن سے نبی ﷺ کا وضو فرمانا

صحیح ابن خزیمہ میں "**الوضوء من آنیۃ الزجاج**" کے باب میں از احمد بن عبدہ از حماد بن زید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پانی کا برتن طلب فرمایا تو شیشے کے پیالے میں پانی لایا گیا[166]

زعلی نے کہا: نور النبراس کے مطابق زجاج کی زاء پر زبر' زیر اور پیش تینوں درست ہیں۔

فتح الباری میں ہے: زجاج کی زاء پر پیش ہے اور دو جیم ہیں۔

ابن خزیمہ کا یہ عنوان قائم کرنا صوفیہ کے اس زعم کے خلاف ہے کہ اس میں اسراف (فضول خرچی) ہے' کیونکہ یہ جلدی ٹوٹ جاتا ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مقوقس نے نبی ﷺ کو تحفہ میں شیشے کا پیالہ

---

[164] اسے سخاوی نے "مسند ابن منیع" کے حوالہ سے "المقاصد الحسنۃ": ۱۲۵۵ میں از عمار بن محمد از یحییٰ بن عبیداللہ بن موہب از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً ذکر کیا ہے اور کہا ہے: یحییٰ ضعیف ہے۔

[165] موضوع حدیث' اسے الثقفی نے "الثقفیات" ج ۳ ص ۲۱ میں' دارقطنی: ۱۴ اور بیہقی نے ج ۱ ص ۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' دارقطنی نے اسے نہایت غریب اور اس کے راوی خالد بن اسماعیل کو متروک کہا ہے' بیہقی نے اسے غیر صحیح کہا ہے' اس کی تخریج کے لیے علامہ ناصر الدین البانی کی "**ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل**" اور **تلخیص الحبیر** ج ۱ ص ۲۲۔۲۴ پر ملاحظہ کریں۔

[166] صحیح البخاری: ۲۰۰' مسلم: ۲۲۷۹' احمد ج ۳ ص ۱۴۷' ابویعلیٰ: ۳۳۲۹' ابن سعد ج ۱ ص ۱۷۸' الفریابی' دلائل النبوۃ": ۲۴' ابن حبان "الاحسان": ۶۵۶۰' از انس رضی اللہ عنہ۔ صحیح البخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: نبی ﷺ نے پانی کا برتن منگوایا' آپ کے لیے ایک چوڑے منہ والے برتن میں کچھ پانی لایا گیا' آپ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈالیں' حضرت انس نے کہا: میں نے دیکھا پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا ہے اور میں نے ستر سے اسی کے درمیان لوگوں کے اس پانی سے وضو کرنے کا اندازہ لگایا۔ (ابن خزیمہ: ۱۲۴) وہاں کھلے منہ والے برتن کے بدلے شیشے کا برتن مذکور ہے۔ فتح الباری ج ۱ ص ۳۶۴ میں حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے لفظ "زجاج" اور "رحراح" پر رواۃ کے حوالہ سے بحث کی ہے' ملاحظہ کریں۔

بھیجا ہے[۱۶۷] لیکن اس کی سند میں اعتراض ہے۔
المواھب میں ہے: نجاشی نے نبی ﷺ کی خدمت میں شیشے کا پیالہ بھیجا تھا آپ اس سے پیتے تھے۔ الشامی نے یہ اضافہ کیا ہے: آپ مٹی کے پیالے سے نوش فرماتے تھے۔

پیتل وغیرہ کے طشت سے رسول اللہ ﷺ کا وضو فرمانا

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے وضو کے لیے پانی کا برتن طلب فرمایا' آپ کے پاس ایک کھلے منہ والا پیالا لایا گیا جس میں کچھ پانی تھا' آپ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈال دیں۔ حافظ ابن حجر نے روایت میں "رحراح" کے لفظ کا مطلب ہے: کھلے منہ والا برتن' علامہ الخطابی نے کہا: رحراح کم گہرا' چوڑے منہ والا برتن جیسے طشت ہوتا ہے۔
بیہقی نے "شعب الایمان" میں' خطیب بغدادی نے اور دیلمی نے "مسند الفردوس" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "طشت بھرو اور مجوس کی مخالفت کرو"۔[۱۶۸]
یہ بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے لگن میں وضو فرمایا' لگن لکڑی یا پتھر کا ایسا برتن جس میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔ نیز لکڑی یا پتھر کے پیالے میں وضو فرمایا اور تھال جیسے پیتل کے برتن میں' تانبے کے برتن میں اور شیشے کے برتن میں آپ نے وضو فرمایا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الوضوء میں ان سب پر تراجم ابواب قائم کیے ہیں[۱۶۹] سنن ابی داؤد میں ہے "باب الوضوء فی آنیة الصفر"۔[۱۷۰] حافظ نور الدین الہیثمی نے "المجمع" میں تانبے کے برتن میں وضو کا عنوان قائم کیا ہے۔[۱۷۱] اس سلسلہ میں "اترعوا الطسوس" والی حدیث میں ہماری تالیف ملاحظہ کریں۔

---

۱۶۷ مجھے مطبوعہ مسند احمد میں یہ روایت نہیں ملی' حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۱ ص ۲۶۴ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

۱۶۸ نہایت ضعیف روایت' اسے الخطیب نے "تاریخ" ج ۵ ص ۹ میں اور اس سے ابن عساکر نے ۲/ ۲/۸۵ میں روایت کیا ہے۔ دیلمی نے مسند الفردوس ۱/۱/ ۳۷ میں اسے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان ۲/ ۲/۱۸۲ میں اسے مرفوعاً روایت کرنے کے بعد کہا ہے' اس کا اسناد ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں: بلکہ اس کا اسناد ساقط ہے' اس کا راوی خلف متہم ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو ساقط الاعتبار کہا ہے' اس کے خلف اور شعیار کے درمیانی راوی مجہول الحال ہیں۔ ابن الجوزی نے کہا: یہ روایت صحیح نہیں ہے' ملاحظہ کریں سلسلة الاحادیث الضعیفة: ۱۵۵۳۔ الالبانی۔

۱۶۹ صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب: ۴۵۔ ۴۷۔ ۴۸' ج ۱ ص ۷۰۔ ۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۰ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷' کتاب الطہارة' باب: ۴۷' مطبوعہ مؤسسة کتب الثقافیہ۔

۱۷۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۱۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بقول ہیثمی اس باب میں مذکور دونوں احادیث ضعیف ہیں۔

مسواک سنبھالنے والے صحابہ کرام

صحیح البخاری میں ہے: مسواک اور تکیہ کا اہتمام رکھنے والے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔[۱۷۲]

''الاصابہ'' میں رسول اللہ ﷺ کی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے کہ ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن بریرہ سے روایت کیا ہے: رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے' اپنی باندی بریرہ رضی اللہ عنہا سے مسواک طلب فرماتے تھے۔[۱۷۳]

رسول اللہ ﷺ کی کرسی

الدارقطنی نے ''العلل'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میں ہر روز بوقت صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا' اگر آپ کھانستے' میں اندر چلا جاتا' اگر آپ خاموش رہتے میں اندر داخل نہ ہوتا' ایک مرتبہ آپ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: رات کو میں نے گھر میں کچھ آہٹ سی محسوس کی' اچانک میں نے دیکھا ہماری کرسی کے نیچے حسن کا کتے کا پلا تھا۔[۱۷۴] ''المشرع الروی'' میں ہے: کرسی پر بیٹھا جاتا ہے۔

نبی ﷺ کے کرسی پر بیٹھنے کا بیان

صحیح مسلم اور سنن النسائی (یہ روایت مسلم کی ہے) میں حمید بن ہلال سے روایت ہے حمید نے کہا: حضرت ابورفاعہ العدوی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا' میں نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک اجنبی آدمی جو دین کے متعلق نہیں جانتا آپ سے اپنے دین کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: حضور ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے آپ نے خطبہ موقوف کر دیا اور میرے پاس تشریف لے آئے' آپ کے پاس کرسی لائی گئی' میرا خیال ہے اس کے پائے لوہے کے تھے' رسول اللہ ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم فرمودہ باتوں سے مجھے تعلیم فرمانے لگے' پھر آپ نے واپس جا کر اپنا خطبہ مکمل فرمایا۔[۱۷۵]

علامہ کتانی کہتے ہیں: علامہ سیوطی نے ''المجمع'' میں اور صاحب ''کنز العمال'' نے اپنی کتاب میں اس روایت کو صرف طبرانی کی ''المعجم الکبیر'' اور ابونعیم کے حوالے سے ذکر کیا ہے' حالانکہ یہ روایت جیسا کہ آپ جانتے ہیں صحیح مسلم میں موجود ہے اور امام بخاری نے بھی اسے ''الادب المفرد'' میں ذکر کیا ہے۔ نبی ﷺ کا

---

۱۷۲ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۶۱/۷/۳۷' از علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ۔

۱۷۳ الاصابہ: ۶/۷۱' از عبداللہ بن بریرہ رضی اللہ عنہما۔

۱۷۴ ضعیف حدیث' دارقطنی ''العلل'' از علی رضی اللہ عنہ۔

۱۷۵ صحیح حدیث' مسلم ۶/۷۸' نسائی ج ۸ ص ۲۲۰' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲ ص ۱۲۸۴' از ابورفاعہ العدوی رضی اللہ عنہ۔

لوہے کے پایوں والی کرسی پر مسجد شریف میں تشریف فرمانا اور لوگوں کا یہ منظر دیکھنا' کرسی پر بیٹھنے کے جواز کی دلیل ہے۔ اسے مذموم کہنا درست نہیں۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے کسی نیک اور صالح شخص کو کرسی پیش کی وہ اس پر نہ بیٹھے اور اسے مذموم تشبہ گمان کیا۔

امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں چارپائی (تخت) پر بیٹھنے کا عنوان قائم کیا ہے اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چارپائی پر بیٹھنے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور یہ کہ ابوقرہ نے کہا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا اور ابوجمرہ نے کہا: میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھتا تھا آپ مجھے اپنی چارپائی پر بٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھے فرمایا: تم میرے پاس رکو تاکہ میں تمہیں اپنے مال سے کچھ دوں' تو میں دو ماہ آپ کے پاس ٹھہرا رہا۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بصرہ کے گورنر حکم کے ساتھ چارپائی پر بیٹھنے کے واقعہ اور مذکور الصدر مسلم کی روایت جس میں حضور ﷺ کے لیے لوہے کے پایوں والی کرسی کا لایا جانا مذکور ہے۔ جس میں ابو رفاعہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے' اس کے پائے لوہے کے تھے۔ راوی حمید نے کہا: انہوں نے یہ فرمایا: میرا خیال ہے پائے کالی لکڑی کے تھے جنہیں میں لوہا سمجھا' پھر نبی ﷺ اس کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔

موسیٰ بن دھقان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ دولہن کی چارپائی پر بیٹھے تھے اور انہوں نے سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

عمران بن مسلم سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے چارپائی پر بیٹھے تھے۔ واللہ اعلم

المبرد نے ''الکامل'' میں حطیئہ کا واقعہ ذکر کیا ہے' حطیئہ نے زبرقان کی ہجو کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قید کر دیا' راوی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کرسی منگوائی اس پر بیٹھے' حطیئہ کو بلوایا اسے آپ کے سامنے بٹھایا گیا اور آپ نے کاٹنے کا آلہ منگوایا' ایسا لگتا تھا کہ شاید آپ اس کی زبان کاٹیں گے۔[۶۷]

''سنن النسائی'' میں عبد خیر سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے کرسی منگوائی' اس پر بیٹھے' پھر برتن میں پانی منگوایا اور تین مرتبہ ہاتھ دھوئے۔[۷۷]

وزیر جودت پاشا ترکی نے تاریخ میں واصف آفندی ترکی کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی کرسی پر بیٹھ کر احکام جاری کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک بلند کرسی پر بیٹھ کر احکام جاری کرتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے ایک احاطہ مخصوص کیا جس میں تخت کی طرح کرسی پر بیٹھتے اور احکام جاری کرتے تھے۔

ابونعیم نے ''الحلیة'' میں یحییٰ بن ایوب کے طریق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہرقل کی جانب سفیر بن کر جانے والے جثامہ بن مساحق بن الربیع بن قیس الکنانی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں

---

۶۷ تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ المدینة المنورة: ۱۳۳۷' ج ۲ ص ۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔

۷۷ صحیح حدیث' ابوداؤد: ۱۱۳۰' نسائی ج ۱ ص ۶۸' ترمذی: ۴۹' از عبد خیر از علی رضی اللہ عنہ۔

بیٹھ گیا مجھے معلوم نہ ہو سکا میرے نیچے کیا ہے؟ اچانک میں نے دیکھا وہ سونے کی کرسی تھی، یہ دیکھ کر میں کرسی سے اتر گیا، ہرقل نے ہنس کر کہا: تم اس کرسی سے اتر گئے جس سے ہم نے تمہیں اعزاز واکرام بخشا؟ میں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے ایسی کرسیوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔[178] تفصیل کے لیے "کنز العمال" فضائل صحابہ، تذکرہ حضرت جثامہ بن مساحق رضی اللہ عنہ ملاحظہ کریں۔

غور فرمائیں صحابی، رسول ﷺ پہلے کرسی پر بیٹھ گئے پھر اترے، اس لیے نہیں کہ کرسی پر بیٹھنا جائز نہ تھا بلکہ وہ کرسی سونے کی تھی، اگر وہ کرسی سونے کے علاوہ کسی مباح چیز کی ہوتی تو آپ نہ اترتے۔ واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی کی فراہمی

یہ عنوان کئی فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اوّل: نبی ﷺ کے لیے میٹھے پانی کی فراہمی

علامہ اصبہانی کی "باب اخلاق النبی ﷺ" میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بیوت السقیا سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔[179] قتیبہ نے کہا: یہ مدینہ طیبہ سے دو دن کی مسافت پر چشمہ ہے۔

السید السمہودی نے "الخلاصہ" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا: اسے ابوداؤد نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

الواقدی نے حضرت ابورافع کی اہلیہ سلمٰی سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے، حضرت ابوایوب آپ کے لیے انس رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن النضر کے کنوئیں سے میٹھا پانی لاتے تھے۔ بعد ازاں اسماء کے بیٹے انس اور حارثہ رضی اللہ عنہما آپ کی ازواج مطہرات کے لیے بیوت السقیا سے پانی لاتے رہے۔ اور آپ کے حبشی غلام رباح رضی اللہ عنہ عرصہ تک بیر غرس سے آپ کے لیے پانی لاتے تھے۔ اس کے علاوہ بیر السقیا سے پانی لاتے تھے۔ المطیری نے کہا: یہ آخری کنواں ہے جو بیر علی کی طرف جانے والے کے بائیں ہاتھ پر پڑتا ہے، قتیبہ کی یہ تفسیر ذکر کرنے کے بعد مزید کہا: یہ کنواں مکہ مکرمہ کے قدیم راستہ پر ہے اور معروف ہے۔ اور یہ فرع کی عمل داری میں واقع ہے۔ لیکن واقدی کا یہ کہنا (کہ یہ آخری کنواں ہے) درست نہیں ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے، واقدی مدینہ طیبہ کے کنوؤں سے ناواقف تھے۔[180]

(الخلاصہ ص ۲۲۳۔ ص: ۲۲۸)

---

[178] مجھے حلیۃ الاولیاء میں یہ روایت نہیں ملی، اسے ابن مندہ نے (الاصابہ: ۱۰۹۸) عبدالخالق حمصی کے طریق سے روایت کیا ہے عبدالخالق ضعیف ہے، مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔

[179] جید روایت، ابوداؤد: ۳۷۳۵، از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ مجھے "المستدرک" میں یہ روایت نہیں ملی۔ واللہ اعلم
ابوداؤد نے قتیبہ کے حوالہ سے کہا ہے: یہ چشمہ مدینہ طیبہ سے دو دن کے فاصلہ پر تھا۔

[180] واقدی کذب سے متہم ہے اور اس کی خبر ضعیف ہے۔ مدینہ طیبہ کے کنوؤں اور پانیوں کی تفصیل کے لیے دیکھئے "اخبار المدینۃ المنورۃ" یا "تاریخ المدینۃ المنورۃ" از عمر بن شبہ النمیری ج ۱ ص ۱۰۶ تا ۱۱۰۔

فصل دوم: حضور ﷺ کے لیے مدینہ طیبہ کے کنوؤں سے پانی کی فراہمی

''الاصابہ'' (حدیث: ۹۰۲۴) میں حضرت ہیثم بن نصر بن زاہر اسلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: واقدی نے ذکر کیا ہیثم نبی ﷺ کے خدمت گاروں میں تھے۔ واقدی نے اپنی سند سے حضرت ہیثم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: میں نبی ﷺ کی خدمت میں رہا میں ان غریب، محتاج لوگوں میں تھا جو آپ کے دروازے پر ٹکے رہتے تھے، میں آپ کے لیے ابوالہیثم بن التیہان جاہم کے کنوئیں سے پانی لاتا تھا، اس کنوئیں کا پانی میٹھا تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔[181]

فصل سوئم: حضور ﷺ کے لیے پانی ٹھنڈا کیا جاتا تھا

''صحیح مسلم'' میں نبی ﷺ کی سیرت طیبہ میں منقول جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لشکر میں آئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! وضو کے پانی کے لیے آواز دو، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے قافلے میں پانی کا قطرہ نہیں پایا۔ انصار میں سے ایک صاحب کھجور کی شاخوں سے تیار کردہ اسٹینڈ پر مشکیزوں میں رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔[182]

فصل چہارم: حضور ﷺ کی طرف سے زمزم کی ترسیل میں عجلت کی تاکید

''الاصابہ'' میں حضرت اشیلہ الخزاعی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابوقرہ موسیٰ بن طارق سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: اگر میرا مکتوب تمہیں رات کو ملے تو صبح کا انتظار نہ کرنا اور دن کو ملے تو شام کا انتظار نہ کرنا ہمارے لیے فوراً آب زمزم روانہ کرنا۔ راوی نے کہا: حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے حضرت اشیلہ الخزاعی رضی اللہ عنہ کی مدد سے آب زمزم کے دو مشکیزے بھرے اور حضرت اشیلہ رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر روانہ کیے۔[183]

اسے المفضل بن محمد الجوی نے روایت کیا ہے اور ''الاصابہ'' میں بھی سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے غلام ازیہر صحابی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ ان کے آقا سہیل رضی اللہ عنہ نے اسے آب زمزم کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔

الفاکہی نے از محمد بن سلیمان از حزام بن ہشام از والد خود از ام معبد رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ میرے خیمہ کے پاس سے سہیل کے غلام اُزیہر پانی کے دو مشکیزے لے کر گزرے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے ان کے آقا سہیل رضی اللہ عنہ سے آب زمزم کا تحفہ طلب فرمایا ہے، میں تیز رفتاری سے جا رہا

۱۸۱ ضعیف حدیث، اسے واقدی نے ہیثم بن نصر بن زاہر الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۹۰۲۴)

۱۸۲ صحیح حدیث، صحیح مسلم: ۳۰۱۲، از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔

۱۸۳ ضعیف حدیث، اسے ابوقرہ موسیٰ بن طارق نے ''سنن'' میں روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۳۸) ابن جریج نے ابن ابی حسین سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا: یہ روایت معضل ہے۔

ہوں تاکہ مشکیزہ خشک نہ ہو جائے۔[۱۸۴]

فصل پنجم: دورانِ سفر نبی ﷺ کے سقے اور مشکیزے بھرنے والے

''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے غلام فائد کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں مفید بن نعمان رافضی نے ابراہیم بن عمرو کے طریق سے ایسے شخص سے روایت نقل کی ہے جس نے اسے حضرت عبداللہ بن سلام کے غلام فائد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حدیبیہ میں جحفہ میں پڑاؤ کیا وہاں پانی نہیں ملا۔ آپ نے سعد بن مالک کو پانی کی تلاش میں بھیجا وہ سقوں کے ساتھ واپس آئے اور معذرت کی (کہ پانی دستیاب نہیں ہوا)' پھر نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ مشکیزے بھر کر لے آئے۔[۱۸۵]

حافظ ابن حجر نے اس ترجمہ پر حرف زاء کی علامت لگائی ہے۔

فصل ششم: نبی ﷺ کے مسلمان ساقی (پانی پلانے والے)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے اپنے اس پیالے سے رسول اللہ ﷺ کو شہد' نبیذ' پانی اور دودھ ہر مشروب پلایا ہے۔[۱۸۶]

فصل ہفتم: نبی ﷺ کے یہودی ساقی

''صبح الاعشیٰ'' (جزء ۶ ص ۳۴۴) میں ہے: نبی ﷺ نے پانی طلب فرمایا تو ایک یہودی نے آپ کو پانی پلایا آپ نے اسے دعا دی: اللہ تعالیٰ تجھے اچھی صورت بخشے۔ پھر موت کے وقت تک اس یہودی کے چہرے میں بڑھاپے کا اثر نہیں دیکھا گیا۔

اس حدیث سے کافروں کے لیے دورانِ گفتگو دعا کے جواز کا استدلال کیا جاتا ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اسی جیسا واقعہ عنقریب اس عنوان کے تحت آ رہا ہے جس میں اس شخص کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا کا ذکر ہے جس نے آپ کے پانی سے بال نکالا تھا۔

طبقات ابن سعد کے ''باب استخدامه عليه السلام ليهودى'' کے تحت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے غلام اسق یہودی کے تذکرہ میں ہے کہ اسق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے اور وہ انکار کرتا تھا' حضرت عمر نے فرمایا: دین میں زبردستی نہیں ہے' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا' آپ نے اسے آزاد کر دیا وہ اس وقت نصرانی تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: جہاں چاہو چلے جاؤ۔

---

۱۸۴ ضعیف حدیث' اسے الفاکہی نے روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۸۴)

۱۸۵ ضعیف حدیث' اسے مفید بن نعمان رافضی نے ''مناقب علی'' میں روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۶۹۵۶) اس کے اسناد میں نامعلوم الاسم راوی ہے۔

۱۸۶ صحیح حدیث' مسلم: ۲۰۰۸' احمد ج ۳ ص ۲۴۷' ترمذی ''الشمائل'': ۱۹۷' ابو الشیخ ''اخلاق النبی ﷺ'' ص ۲۱۱' ابویعلی: ۳۵۰۳۔ ۳۵۱۳' ابن حبان ۵۳۹۴' حاکم ج ۴ ص ۱۰۵' بیہقی ج ۸ ص ۲۹۹' بغوی: ۳۰۲۰' ابونعیم ''الحلیۃ'' ج ۶ ص ۲۶۱' از انس رضی اللہ عنہ۔

فصل ہشتم: دیگر پانی پلانے والے

صحیح البخاری میں حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کیں تو ایک نفیس چادر باقی رہی، کسی نے کہا: امیر المومنین! یہ چادر آپ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (نواسی) اپنی اہلیہ کو دے دیں (یعنی ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو عطا فرمائیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ام سلیط اس کی زیادہ حقدار ہیں۔ ام سلیط رضی اللہ عنہا انصاری خاتون تھیں، رسول اللہ ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئی تھیں، حضرت عمر نے فرمایا: ام سلیط غزوۂ احد کے دن اپنی پشت پر پانی سے بھرے مشکیزے لاکر لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔[۱۸۷]

سبز برتنوں میں نبیذ سازی

علامہ ابن الاثیر نے "اسد الغابہ" میں اور حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں حضرت مسلم بن عمیر ثقفی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مٹی کا سبز گھڑا پیش کیا جس میں کافور تھا، آپ نے مہاجرین اور انصار میں کافور تقسیم فرمادیا اور ارشاد فرمایا: اے ام حلیمہ! اس میں ہمارے لیے نبیذ بنانا۔[۱۸۸]

علامہ ذہبی کی "التجرید" میں ہے: اسے مسلم بن عمیر الثقفی رضی اللہ عنہ سے مزاحم بن عبدالعزیز نے روایت کیا ہے بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی مشروب سے بال نکالنے والے کے لیے دعا

"الاصابہ" میں حافظ ابن حجر نے حضرت ابوزید بن اخطب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ امام احمد نے ان سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ نے پانی طلب فرمایا، میں نے ایک پیالے میں پانی پیش کیا، اس میں بال تھا جسے میں نے نکال لیا تو آپ نے دعا دی: اے اللہ! اسے خوبصورتی عطا فرما۔ راوی کہتے ہیں: میں نے انہیں چورانوے سال کی عمر میں دیکھا ان کی ڈاڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔[۱۸۹] ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

کھانا تناول فرمانے کے وقت حضور ﷺ کے خادم

"التھذیب" میں ابوعمرو نے نبی ﷺ کے غلاموں میں حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ

۱۸۷۔ صحیح البخاری: ۲۸۸۱، ۴۰۷۱ از ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ۔

۱۸۸۔ ضعیف حدیث، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۷۹۷۹) مزاحم بن عبدالعزیز ضعیف ہے ذہبی نے اس حدیث کے ضعف کا اشارہ کیا ہے۔

۱۸۹۔ اس حدیث کا اسناد قوی ہے، احمد ج ۵ ص ۳۴۰، ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۹۳-۴۹۴، ابن حبان: ۷۲، حاکم ج ۴ ص ۱۳۹، بیہقی "الدلائل" ج ۶ ص ۲۱۲، ابن الاثیر "اسد الغابہ" ج ۴ ص ۱۹۰، طبرانی "الکبیر" ج ۷ اص ۲۷، ابونعیم "الدلائل" ۳۸۴ از عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ۔

ابوعبید وہی ہیں جن سے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: دستی لاؤ' انہوں نے عرض کیا: حضور بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اگر تم خاموش رہتے تو جب تک میں طلب کرتا رہتا تم دستی نکال نکال کر دیتے رہتے۔[190]

ابوعمرو نے کہا: ابوعبید آپ کے خادم تھے۔ انہوں نے یہ روایت شمائل میں نقل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے برتن

علامہ العالمی نے ''بھجة المحافل ''میں کہا ہے: نبی ﷺ کے پاس الغراء نام کا بڑا پیالہ تھا جسے چار آدمی اٹھاتے تھے اس کے چار کڑے تھے۔

علامہ ابن الاشخر الیمنی اس کی شرح میں کہتے ہیں: اسے ابوداؤد نے عبداللہ بن بشر سے اور طبرانی نے عبداللہ بن زید سے روایت کیا ہے۔

العامری نے کہا: آپ کے پاس ایک برتن تھا جس میں چاندی یا لوہے کی تین کڑیاں لگی ہوئی تھیں اور اس میں لٹکانے کے لیے ایک حلقہ تھا' یہ برتن آپ کے وصال کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد ان کی بیٹی کے پاس رہا۔

آپ کے پاس شیشے کا پیالہ تھا۔ ابن الاشخر نے کہا: آپ اس میں پانی نوش فرماتے تھے' جیسا کہ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ کے پاس کانچ کا پیالہ تھا۔

آپ کے پاس ایک اور پیالہ تھا جسے الریان کہا جاتا تھا (یہ پتھر کا پیالہ تھا) اور پیتل کی لگن تھی جس میں مہندی اور کتم (ایک پودا جس کے پتوں سے خضاب کیا جاتا تھا) ہوتے' جب حضور ﷺ گرمی محسوس فرماتے اس میں سے سر پر لگاتے تھے۔

پیتل سے بنا ہوا نہانے کا برتن تھا۔

صاع (ماپنے کا پیمانہ) تھا جس سے آپ فطرہ ادا کرتے تھے۔

الراج نام کی زین تھی' الکز نامی بستر (بچھونا) تھا۔

الصادر نام کی چمڑے کی کپی تھی۔ اسے طبرانی نے ''المعجم الکبیر ''میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ لمبی کھجور کی لکڑی سے تیار کردہ ایک پیالہ تھا جو رات کو آپ کی چارپائی کے نیچے رہتا جس میں آپ رات کو پیشاب فرماتے۔ اسے ابوداؤد' ترمذی اور حاکم نے حضرت امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ہے۔

کیا عہد نبوی میں پینے والے کو دعا دی گئی؟

ابن جریج سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہمیں یہ خبر دی گئی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس کھجور کی لکڑی کا پیالہ تھا

[190] حسن' جیسی روایت' ترمذی' ''الشمائل'': ۱۷۱' از ابی عبید رضی اللہ عنہ' بقول حافظ (التقریب: ۲۸۴۱) اس کے اسناد میں شہر بن حوشب کثیر الارسال اور کثیر الاوہام ہے۔

جس میں رات کو پیشاب کرتے پھر اسے آپ کی چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا' ایک مرتبہ آپ تشریف لائے' دیکھا پیالہ خالی تھا' آپ نے برکہ نامی خاتون سے فرمایا: (یہ خاتون حبشہ سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کے ساتھ آئی تھی اور ان کی خادمہ تھی) پیالے میں پیشاب تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں نے پی لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ام یوسف! صحت پاؤ گی' اس کے بعد وہ مرض الموت کے علاوہ کبھی بیمار نہ ہوئیں۔

اس روایت کو امام عبدالرزاق نے "المصنف" میں اور ابوداؤد نے متصلاً از ابن جریج از حکیمہ از امیمہ روایت کیا ہے۔

ابن دحیہ نے کہا ہے: یہ دو مختلف واقعات ہیں ایک برکہ ام یوسف ہیں اور دوسری برکہ ام ایمن ہیں' دو مختلف مواقع پر ان دونوں خواتین نے آپ کا پیشاب پیا ہے۔ البلقینی کا بھی یہی مختار ہے۔

"التبصیر" وغیرہ میں ہے حکیمہ تابعیہ ہیں۔ "الاصابہ" میں ابونعیم سے منقول ہے کہ حکیمہ سے ابن جریج کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔ "مختصر التهذيب" میں بھی حکیمہ سے ابن جریج کے سوا کسی اور راوی کا ذکر نہیں ہے۔ علامہ سیوطی کی "مرقاة الصعود" میں ہے حکیمہ سے ابن جریج کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی' علامہ ذہبی نے یہ اضافہ کیا: حکیمہ سے بصیغۂ عن روایت کی گئی ہے' ابن جریج مدلس ہے اس کی معنعن حدیث سے احتراز چاہیے ابوداؤد اور ابونعیم کے ہاں بھی اسی طرح ہے۔ لیکن "الاستيعاب" اور "الجامع الرعيني" میں بصیغۂ تحدیث یہ روایت موجود ہے۔ اگر یہ ثابت ہو تو پھر حکیمہ سے عدم واقفیت باقی رہے گی۔ "الميزان" میں علامہ ذہبی نے کہا: حکیمہ غیر معروف ہے۔

نبی ﷺ نے ام یوسف برکہ سے فرمایا تھا: "صحة"۔ علامہ زرقانی مالکی نے کہا: اس کا مطلب ہے' اللہ اسے تیرے لیے صحت بنائے یا جو کچھ تو نے پیا یہ صحت کا باعث ہے۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ پینے والے کے لیے ایسا کہنا مستحب ہے' کھانے کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا۔

کھانے اور پینے والے کے لیے ایسی دعا کی حکمت یہ ہے کہ کھانے پینے ہی سے بیماریوں کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔

کسی کا شعر ہے:

کیونکہ اکثر بیماریاں جنہیں تم دیکھتے ہو کھانے یا پینے سے ہوتی ہیں۔ (جز ۴، ص ۲۲۸)

علامہ شہاب الدین الخفاجی' "شرح الشفاء" (جز ۱، ص ۴۵۱) میں حدیث مذکور پر کہتے ہیں:

حضور ﷺ کا ارشاد: "صحة" اس پر دلالت کرتا ہے کہ پینے کے بعد دعا دینا سنت ہے بدعت نہیں۔[191]

پھر علامہ زرقانی کی سابقہ عبارت اور شعر ذکر کیا ہے:

"حاشيه النور على الشبر املسى على المواهب" میں ارشاد گرامی' "صحة" پر مرقوم ہے کہ مشروب پینے کے بعد ایسا کہنا سنت ہے۔ پینے کے ساتھ کھانے کو بھی اس میں شامل کرنا مناسب ہے۔

"المدخل" (جز ۱، ص ۱۹۶) میں امام ابوعبداللہ محمد بن الحاج العبدری المالکی کا قول ہے کہ پینے سے فارغ ہونے والے کو صحت کی دعا دینا اگرچہ اچھی دعا ہے لیکن اس پر عمل بدعت ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ نے حضرت

[191] یہ اس صورت میں ہے اگر حدیث صحیح ہو ہم قبل ازیں اس کی تخریج میں بتا چکے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کو یہ دعا دی جب اس نے آپ کا پیشاب پی لیا' اس میں حجت اور دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ پانی نہ تھا۔ آپ کا پیشاب تھا اور عادۃً اس میں نقصان کا اندیشہ تھا' چنانچہ حضور ﷺ نے یہ کلمہ ارشاد فرما کر ان کے خدشے کو زائل فرما دیا جب کہ پانی میں یہ اندیشہ نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس مقام کے علاوہ آپ سے کسی اور موقع پر یہ لفظ منقول نہیں ہے۔ کسی صحابی اور سلف صالحین میں سے بھی کسی سے ایسا کرنا مروی نہیں' سو یہ بدعت ہے۔

اگرچہ مذکور الصدر دلائل قابل توجہ ہیں تاہم اسلامی آداب کھانے پینے کے بعد دعا کے منافی نہیں ہیں' پینے والے کو صحت کی دعا دینا مغرب اوسط میں لوگوں کے معمولات میں سے ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات تمام حاضرین مجلس کی طرف سے مشترکہ دعا اور تہنیت کی وجہ سے میرے لیے کچھ پینا مشکل ہو گیا۔ حجاز اور مصر والے ایسے موقع پر ھنیئا مریئا (شوق سے خوش ہو کر پیو) کہتے ہیں۔ ان کی دلیل سورۃ الحاقۃ کی وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ (الحاقۃ: ۲۴)

کھاؤ اور پیو خوب مزے سے (اپنے) ان (کاموں) کے بدلے جو گزرے ہوئے دنوں میں تم نے آگے بھیجے (تھے) ○

مؤلف بیان کرتے ہیں: میں نے مغرب اوسط کے عالم شیخ ابی راس المعسکری کے سفر نامہ میں دیکھا جب وہ فاس میں آئے ایک ولیمہ میں شریک ہوئے۔ بعض طلبہ نے ان کے سامنے مشروب پیا' وہ کہتے ہیں: میں نے فوراً صحت کا لفظ بولا اور دعا دی' وہاں پر موجود لوگ مجھ پر ہنسنے لگے اور میں نے ندامت سے دانت پیسے' پھر میں نے کہا: تمہارے پاس ایسا نہ کہنے کی کیا سند ہے؟ وہ بولے: یہ ہماری عادت ہے۔ میں نے کہا: کیا تم اس کی نقل سے استدلال کرو گے؟ (اگر میں اس پر نقلی دلیل فراہم کر دوں تو مان لوگے؟) سب نے کہا: اس پر کون سی نقل ہے؟ میں نے کہا: علامہ شہاب الدین الخفاجی نے اس کے سنت ہونے پر نص کی ہے۔ اور صاحب مدخل نے اس کے برعکس (بدعت) کہا ہے۔ شیخ طیب بن کیران ٹیک لگائے ہوئے تھے جب انہوں نے نقل کی بات سنی تو اس طرح سیدھے ہو کر بیٹھ گئے جس طرح نضر بن شمیل کی طرف سے غلطی کی نشاندہی پر مامون الرشید سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور بولے: اس میں نقل (روایت) موجود ہے تو پھر اختلاف چہ معنیٰ دارد؟ میں نے کہا: ایسا ہی ہے اور میں نے ان کے سامنے علامہ شہاب اور المدخل کی تقریر کی گتھی سلجھا دی' اس پر انہوں نے میری علمی فضیلت کا اعتراف کیا اور میری نقل کی صحت کی داد دی۔

سابقہ بحث سے معلوم ہو گیا کہ مالکی محدثین میں سے علامہ زرقانی نے دعائیہ کلمہ کہنے کے استحباب کی تصریح کی ہے۔ شوافع میں سے ان کے شیخ نور الشبراملسی نے بھی اس کے استحباب کی تصریح کی ہے' اس دور میں مشرق وغیرہ کے تمام لوگوں کا اس پر نسل در نسل عمل اور علامہ شہاب الدین الخفاجی کی تائید اس کے استحباب کی مزید تصریح ہے۔

''شرح منظومة الآداب'' میں محدث السفارینی الحنبلی لکھتے ہیں: فقہاء حنابلہ کا یہ ذکر کرنا کہ کھانے کے بعد الحمد للہ کہنے والے کے لیے دعا کی جائے' اس بات کی دلیل ہے کہ کھانے اور پینے والے کے حسب حال اس کے لیے دعا کی جائے۔ اسے مطلقاً مستحب کہنا علامہ ابن الجوزی کے کلام کا تقاضا ہے۔ باقی بحث ''شرح منظومة الآداب'' میں الجزء الثانی کے ص ۱۳۴ پر ملاحظہ کریں۔ انہوں نے یہ بحث امام ابن مفلح کی کتاب ''الآداب الکبریٰ'' سے بطور تلخیص نقل کی ہے۔ واللہ اعلم

مؤلف کہتے ہیں: ایک عرصہ کے بعد میں نے اس عنوان پر علامہ ابن حجر الہیتمی کی کتاب ''فتاویہ الفقهیه'' میں ان کی تقریر دیکھی میں نے اس سے جامع اور عمدہ بحث نہیں دیکھی تھی۔ ان سے دریافت کیا گیا: آج کل لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی مشروب سے فارغ ہوتا ہے اسے صحت وغیرہ کی دعا دیتے ہیں' اس کی کوئی اصل ہے یا یہ بدعت ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس کی اصل میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب ام ایمن نے نبی ﷺ کا پیشاب پی لیا' آپ نے اسے صحت کی دعا دی اور فرمایا: اے ام ایمن! آگ تیرے شکم میں ہرگز داخل نہ ہوگی۔[۱۹۲]

وجہِ قیاس یہ ہے کہ ہمارے کثیر ائمہ کا مختار یہ ہے کہ نبی ﷺ کے فضلات طاہر ہیں اور آپ کا بول مبارک سراپا شفاء ہے' جب حضور ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو اس پر یہ دعا اور بشارت دی تو پھر پانی پینے والے کے لیے اس دعا کو قیاس کرنا بدعت نہ ہوگا۔

یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ اس واقعہ کے علاوہ آپ سے کبھی ایسا منقول نہیں' کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ امور تشریعیہ میں آپ کی اقتداء کے لیے کسی فعل کا آپ سے بار بار صدور شرط نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ بھی کسی امر کا صدور کافی ہے۔ علاوہ ازیں اس واقعہ کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر اس کا نقل نہ ہونا اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ اور یہ ایسا امر نہیں جس کے لیے بڑی تعداد میں ناقلین ضروری ہوں۔

ہم نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پیشاب شفاء ہے' اس سے ان کے قول کا رد ہے جنہوں نے کہا: اس میں دلیل نہیں کیونکہ ہماری بحث مشروبات میں ہے اور پیشاب مشروب نہیں' بلکہ اس کے پینے سے عادۃً ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے اور آپ نے صحت کی دعا اس لیے دی تا کہ دوسروں کا پیشاب پینے سے عادۃً جس ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے وہ ختم ہو جائے' اس طرح یہ جملہ دعا اور اس خبر کا متضمن ہوا' جبکہ پانی پینے میں ایسے کسی خدشے کا امکان نہیں ہوتا۔

علامہ ابن حجر ہیتمی اس توجیہ کے جواب میں کہتے ہیں: یہ توجیہ رد کر دی جائے کیونکہ حضرت ام ایمن وغیرہ کے نزدیک یہ چیز ثابت تھی کہ آپ کے بول میں شفاء ہے اور انہوں نے اسی ارادے سے اسے پی لیا تھا۔ سو مذکورہ بالا تاویل غلط ٹھہری۔ اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اس قائل کی توجیہ کے مطابق یہ حجت نہیں بلکہ اس لیے حجت ہے کہ حضور ﷺ نے شرب بول سے دوا اور شفاء کا قصد کرنے والی کے عمل کو حق قرار دیا' اسے برقرار رکھا اور اس کے ارادے کو برقرار فرماتے ہوئے اسے صحت کی دعا دی۔[۱۹۳] اس کی کارروائی کے جواب میں کہ اس نے اس سے صحت کا ارادہ

---

[۱۹۲] بے اصل' ضعیف حدیث سے استدلال۔

[۱۹۳] حیرت ہے مصنف محدث ہوتے ہوئے ایسی باطل تاویلات کر رہے ہیں اور ہیثمی سے ایسی نامعقول باتیں نقل کر رہے ہیں۔

کیا یہ خبر دی کہ اسے صحت حاصل ہوگئی اور یہ مفہوم "صحة" کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں روایت میں پانی پینے کے وقت اس دعا کا مندوب ہونا بہ ظاہر باقی نہیں رہے گا تاہم دوا پیتے وقت اس دعا کا مندوب ہونا دلالت ظاہرہ سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ نص کے مطابق ہوگا (کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی بہ مقصد دوا یہ کام کیا تھا) لیکن دونوں میں کوئی فرق کرنے والی چیز نہیں ہے (کہ دوا پیتے وقت دعائیہ جملہ کہنا درست ہو اور پانی پیتے وقت ایسا کہنا درست نہ ہو)۔ (فتاویہ الفقہیہ ج ۲ ص ۱۱۷)

اِمارتِ حج

علامہ قاضی عیاض نے "الاکمال" میں کہا ہے: سب سے پہلے ۸ھ میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حج کرایا' ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج تھے' رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ھ میں حج کیا' علامہ ابن جماعہ کی "مختصر السیر" میں ہے: حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک لاکھ بیس ہزار مسلمان تھے۔

"نور النبراس" اور "حواشی الشبر املسی علی المواهب" کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی طرف سے مکہ کے امیر تھے' ان کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اہل مکہ کو فقہ اور سنن کی تعلیم دینے پر مامور تھے۔

"الاصابه" میں ہے: حضرت عتاب رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے' نبی ﷺ نے حنین کی طرف جاتے ہوئے ان کو مکہ کا امیر مقرر کیا تھا اور پھر اسی منصب پر برقرار رکھا۔ ایک قول کے مطابق آپ نے ان کو طائف سے واپسی پر امیر مکہ مقرر فرمایا اور انہوں نے فتح مکہ کے سال لوگوں کو حج کرایا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں مکہ مکرمہ کی امارت پر برقرار رکھا' جس روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اسی روز مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ الواقدی وغیرہ نے یہ سب روایات ذکر کی ہیں۔

"اسد الغابه" میں ہے: حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے ۸ھ میں حج کرایا' اس سال مشرکوں نے اپنے طریقہ کے مطابق حج کیا تھا۔ ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا' ایک قول کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے امیر حج تھے اور دوسرے قول کے مطابق اسلام میں حضرت عتاب رضی اللہ عنہ پہلے امیر حج تھے۔

قربانی کے جانوروں کے نگران

"المؤطا" میں حضرت ہشام بن عروہ کی اپنے والد سے روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے نگران نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر قربانی کا کوئی اونٹ تھک کر ماندہ ہو جائے تو میں اس کے ساتھ کیا کروں؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کا جو جانور ماندہ ہو جائے اسے نحر کر دو (اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے) پھر اس کا

قلادہ (گلے کا ہار) اس کے خون میں ڈال دو اور اسے لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دو۔

سنن نسائی میں حضرت ناجیہ الخزاعی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قربانی کا جو جانور ماندہ ہو جائے' تھک جائے اس کے ساتھ کیا کروں؟ ارشاد فرمایا: نحر کر دو۔ الحدیث[۱۹۴]

عہد نبوی میں بیت اللہ کی نگہبانی اور خدمت پر مامور حضرات

قاضی ابو محمد عبد الحق بن عطیہ نے تفسیر میں کہا ہے: بیت اللہ نگہبانی اور خدمت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ اور شیبہ بن عثمان کے سپرد تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی درخواست کے باوجود کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ اور شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہما کے سپرد فرما دی اور ان سے فرمایا: آج نیکی اور وفا کا دن ہے' یہ اول آخر (ہمیشہ) تمہارے پاس رہے گی تم سے اسے صرف ظالم ہی چھینے گا۔[۱۹۵]

ایک روایت میں ہے: ہمیشہ کے لیے کعبہ کی خدمت حاصل کر لو۔ المحب الطبری نے کہا: حدیث میں "تـالـدة" کا لفظ شاید "التـالـد" سے ہے اور وہ قدیم مال کو کہتے ہیں: یعنی یہ چابی پہلے بھی اور بعد میں بھی تمہارے پاس رہی اور رہے گی' صرف ظالم ہی یہ چابی تم سے چھینے گا۔

ایک روایت میں ہے: کافر ہی تم پر چابی کے معاملہ میں زیادتی کرے گا' یعنی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا منکر ہی ایسا کرے گا۔ ممکن ہے اس سے حقیقی کافر مراد ہو' یعنی ایسا فرد جو کعبہ کی بے حرمتی کو حلال سمجھے۔

پھر ارشاد فرمایا: اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے' اس گھر کے عطیات میں سے معروف طریقہ سے کھاؤ۔[۱۹۶] یعنی اتنا لینا جس کی شریعت اور نیکی اجازت دے۔

علامہ محب طبری اپنی کتاب "القری" کے اٹھائیسویں باب میں لکھتے ہیں: بسا اوقات بعض جاہل اس روایت سے کعبہ میں داخلے کی اجرت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور یہ قابل نفرت اور بدترین بدعت ہے۔

بشرط صحت[۱۹۷] نبی ﷺ کا ارشاد گرامی: اس کے عطیات سے کھاؤ' کا مطلب ہے: بیت اللہ کی خدمت اور اس کے دیکھ بھال پر بیت المال سے بقدر حق تمہارے لیے کھانا حلال ہے اور بیت اللہ کی نگہداشت پر نیکی اور

---

۱۹۴ مرسل حدیث' المؤطا ج۱ص ۳۸۰' ابوداؤد: ۱۷۶۲' ترمذی: ۹۱۰ اور ابن ماجہ: ۳۱۰۶ میں یہ حدیث موصولاً مروی ہے۔ ترمذی نے کہا: ناجیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

۱۹۵ ضعیف حدیث' طبرانی "الکبیر" ج ۱۱ص ۱۱۲۳۴' "الاوسط": ۱۵۴' از ابن عباس رضی اللہ عنہما' ہیثمی نے المجمع ج ۳ص ۲۸۵ میں کہا ہے: اس میں عبد اللہ بن مؤمل راوی کو ابن حبان نے مخطی اور ثقہ کہا ہے' ایک روایت میں ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۹۶ ضعیف حدیث' بقول حافظ ابن حجر (الاصابہ: ۳۹۴۵) اسے ابن سعد نے از ہوذہ از عون از کے از اہل مدینہ روایت کیا ہے۔ یہ روایت معضل ہے' اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں۔

۱۹۷ صحت کہاں سے ہوگی جبکہ یہ معضل روایت ہے۔

بھلائی کے ارادہ سے بطور جواز تمہیں لینے کا حق ہے اور اس میں مناسب اور معروف طریقہ سے کھاتا ہے۔

علامہ زرقانی نے "شرح المختصر" میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اجرت لینے کا جواز اس صورت میں ہوتا ہے جب انسان خود کو کسی کی منفعت کے لیے مختص کر دے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ بیت اللہ میں ایسا نہیں ہے سو اس کو کھولنے پر اجرت لینا کسی کے لیے جائز نہیں۔ یہاں تو صرف دروازہ کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے اور وہ بھی ان اوقات میں جو حسب عادت معروف ہیں، اس لیے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے دروازے بند رکھے اور ہمیشہ کے لیے لوگوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روک لے۔

شیخ ابوعبداللہ الحطاب الرعینی المکی المالکی نے "شرح المختصر" میں اس قول کے بعد کہا: ظاہر یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے کھولنے پر اجرت لینا بھی اسی طرح ہے، اگرچہ مجھے اس بارے میں نص نہیں ملی۔

علاوہ حطاب "شرح المختصر" کے باب النذر میں کہتے ہیں: حرام ان سے چابی چھیننا ہے، البتہ اگر وہ بیت اللہ کی حرمت پامال کریں تو ان کو روکنا منع نہیں ہے بلکہ بطور ادب ایسا کرنا واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں جیسا کہ بعض جاہلوں کا اعتقاد ہے کہ کعبہ کے ان کلید برداروں پر کسی کو ولایت حاصل نہیں وہ بیت اللہ کے معاملہ میں جو چاہیں سو کریں، اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔

علامہ الحطاب مالکی نے اس کے بعد متعدد ایسی روایات ذکر کی ہیں جن میں حضور ﷺ کا ان کو چابی سپرد کرنا مذکور ہے اور لکھا ہے کہ یہ تمام روایات اس پر دلیل ہیں کہ عثمان بن طلحہ اور شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہما کی نسل ابھی تک موجود ہے، اس بارے میں بعض مؤرخین کا یہ قول قابل التفات نہیں ہے کہ ان کی نسل ہشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں ختم ہوگئی۔ الشریف محمد بن اسعد الحرانی نے جو علم انساب کے بڑے ماہر ہیں اپنی کتاب "**الجوهر المكنون في القبائل والبطون**" میں یہی کہا ہے۔

اس قول کے غلط ہونے پر ایک اور دلیل "المدونہ" کی کتاب النذور میں امام مالک کا یہ قول ہے کہ کعبہ کی نگہداشت میں کوئی اور شریک نہ ہوگا کیونکہ ان کو یہ ذمہ داری اور ولایت رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی ہے اور امام مالک کی ولادت ہشام کے بعد ہوئی۔

علامہ ابن عبدالبر اور ابن حزم نے اپنے دور میں ان کی نسل میں موجود لوگوں کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں حضرات پانچویں صدی کے آخری نصف میں گزرے ہیں۔ اسی طرح "**صبح الاعشیٰ**" کے مؤلف علامہ القلقشندی نے ذکر کیا ہے اور وہ ۸۲۱ھ تک زندہ رہے۔

ان کی یہ دلیل بھی لائق التفات نہیں کہ حضرت معاویہ نے عبید کو کعبہ کی خدمت سپرد کردی تھی کیونکہ خدمت گزاری اور کلید برداری دو مختلف چیزیں ہیں۔ علامہ ازرقی، علامہ الفاکہی اور ان جیسے مؤرخین کے کلام میں کلید برداری اور خدمت کو الگ الگ ذکر کیا ہے جس سے ان کا مختلف ہونا معلوم ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ پر یہ حکم نازل ہوا کہ امانت اس کے اہل کے سپرد کردو، آپ نے عثمان شیبی رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چابی دی اور فرمایا: اس کو چھپالو۔ واقدی کی اپنے شیوخ سے روایت میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے اس کو چابی عطا فرمائی' رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا کپڑا ڈالا ہوا تھا اور فرمایا: اس کو چھپالو بے شک اللہ تعالیٰ جاہلیت اور اسلام میں اس پر راضی ہے کہ چابی تمہارے پاس رہے۔[198]

علامہ الفاکہی نے اخبار مکہ میں ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو چابی کپڑے کی اوٹ سے دی اور فرمایا: اس کو چھپالو۔[199] الزہری نے کہا: اس لیے کعبہ کی چابی چھپا کر رکھی جاتی ہے۔ علامہ الحطاب نے کہا: اسی لیے بیت اللہ کو کھولتے اور بند کرتے وقت اسے نکالا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

علامہ کتانی نے کہا: یہ حدیث الطبرانی کی "المعجم الکبیر" میں' ابن عساکر اور ابن ابی شیبہ وغیرہ کے ہاں سائب بن یزید' محمد بن جبیر بن مطعم اور ابن سابط سے مروی ہے۔[200] (کنز العمال' باب فضائل الکعبۃ)

فتح مکہ کے وقت نبی ﷺ کے خطبہ میں ہے: سنو بیت اللہ کی نگہداشت اور حجاج کو پانی پلانے کے سوا ہر موروثی اعزاز میرے ان قدموں کے نیچے ہے۔

ابن بادیس نے کہا: نبی ﷺ نے دور جاہلیت کے ہر موروثی اور نسلی تفاخر کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ میرے قدموں کے نیچے ہے یعنی ناقابل التفات ہے' اہل عرب یہ بات اس وقت کہتے جب ان کے ہاں کوئی چیز بے وقعت اور ناقابل التفات ہوتی تھی۔ لیکن آپ نے اس سے سدانہ اور سقایہ کو مستثنیٰ فرمالیا کیونکہ ان میں بیت اللہ کی حفاظت اور نگہداشت کی صورت میں حرمات اللہ کی تعظیم وتوقیر ہے۔

نبی ﷺ نے کعبہ کی نگہداشت کو بنو شیبہ کے سپرد فرما دیا یہ ہمیشہ کے لیے ان میں اور ان کی اولاد میں باقی رہے گی' جب تک ان میں صالح لوگ موجود رہیں گے کوئی بھی ان سے یہ ذمہ داری نہیں چھینے گا نہ ہی اس میں شریک ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: تم سے صرف ظالم یہ چابی چھینے گا۔[201]

السقایہ۔ زمزم پلانے کی ذمہ داری

قبل از اسلام سقایہ کا منصب بنو عبد المطلب کے پاس تھا۔ اسلام میں بھی نبی ﷺ نے ان کو اس ذمہ داری پر برقرار رکھا' نبی ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر بنو عبد المطلب کے پاس زمزم کے کنوئیں پر تشریف لائے وہ لوگوں کو زمزم پلا رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے عبد المطلب کے بیٹو! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے پلانے پر غالب آ جائیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی نکالتا' انہوں نے آپ کو ایک ڈول میں زمزم پیش کیا جس سے آپ نے نوش فرمایا۔[202]

---

[198] واقدی کذب سے متہم ہے اس کے شیوخ مجہول ہیں اور اسناد معضل ہے۔

[199] اسے طبرانی نے "الکبیر" ج ۹ ص ۳۸۹۵ اور عبد الرزاق نے "مصنف" میں زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ محدثین کے نزدیک زہری کی مراسیل حجت نہیں۔

[200] تمام احادیث ضعیف ہیں۔

[201] ضعیف حدیث' تخریج گزر چکی ہے۔

[202] صحیح حدیث' مسلم: ۱۲۱۸' ابوداؤد: ۱۹۰۵' ابن ماجہ: ۳۰۷۴' دارمی ج ۲ ص ۴۴۔۴۹' بیہقی "السنن" ج ۵ ص ۷۔۹' ابن خزیمہ۔ بہ تصحیح: ۲۶۰۳۔۲۶۲۰' ابن الجارود "المنتقیٰ": ۴۶۵۔۴۶۹' رسول اللہ ﷺ کے حج کے بارے میں مزید معلومات کے لیے علامہ محمد ناصر الدین البانی کی کتاب "حجۃ النبی ﷺ" ملاحظہ کریں۔

حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کا اپنے دستِ مبارک سے اونٹ نحر فرمانا

اور باقی ماندہ کو نحر کرنے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمانا

صحیح مسلم میں ہے: نبی ﷺ نے تریسٹھ اونٹنیوں کو اپنے مبارک ہاتھوں سے نحر فرمایا[۲۰۳] سیرت نگاروں کی ایک جماعت سے یہی مروی ہے۔ قاضی عیاض اور ابن ماھان نے "بیدہ" کی جگہ "بدنة" کہا ہے۔

تاہم دونوں روایتیں درست ہیں' آپ کا اپنے ہاتھوں سے نحر فرمانا اس روایت میں ہے کہ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کے باقی جانوروں کے نحر کرنے کا حکم دیا' یہ سو جانور تھے۔

تریسٹھ قربانی کے جانور اپنے مبارک ہاتھوں سے نحر فرمانے کی حکمت کے متعلق متعدد اقوال ہیں:

امام ترمذی نے ذکر کیا ہے: اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ مدینہ منورہ سے تریسٹھ قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا: بعض اصحاب معرفت کا کہنا ہے کہ تریسٹھ جانوروں کے نحر کرنے میں آپ کی عمر مبارک کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح آپ نے اپنی زندگی کے ہر سال کے بدلے ایک جانور نحر فرمایا۔ (الفوائد)

سنن النسائی میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی قربانیوں میں شریک فرمایا' اور ہر جانور سے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر ہنڈیا میں ڈال کر پکایا گیا' پھر رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گوشت میں سے کھایا اور اس کا شوربہ نوش فرمایا[۲۰۴]

علامہ کتانی کہتے ہیں: اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہے کہ حجۃ الوداع میں بکثرت لوگ شریک تھے اور یہ کہ مکہ مکرمہ بڑی آبادی والا شہر تھا۔ کیونکہ سو اونٹنیوں کو کھانے کے لیے کثیر التعداد لوگ چاہئیں۔

انتباہ

رسول اللہ ﷺ کے آخری حج حجۃ الوداع کے متعلق متعدد کتب تالیف کی گئی ہیں' اس موضوع پر حافظ ابو محمد بن المنذر' حافظ ابو جعفر احمد بن عبد اللہ الطبری' ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی شافعی اور محمد بن حزم الظاہری نے کتب لکھی ہیں اور حافظ ابن القیم نے "الھدی النبوی" میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ حافظ ابن کثیر شافعی نے "البدایہ والنھایہ" میں اوروں سے زیادہ تفصیل بیان کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے مختلف ابحاث ذکر کی ہیں' حافظ الشامی نے اپنی سیرت کی کتاب میں ان تمام ابحاث کو جمع کر دیا اور اس پر مزید اضافے کیے ہیں اور قدم بقدم حالات و وقائع تحریر کیے ہیں۔ جزاہ اللہ خیرا

اس موضوع پر سب سے عمدہ' مفید اور مختصر تحریر شیخ اکبر ابن العربی الحاتمی کی المحاضرات میں ہے' انہوں نے ابن حزم کے اسلوب کلام اور انداز پر اعتماد کیا ہے[۲۰۵]

---

۲۰۳ صحیح حدیث' گزشتہ حدیث کا ایک حصہ ہے۔

۲۰۴ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۲۵۰۶' از جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ یہ حدیث مجھے سنن النسائی میں نہیں ملی۔

۲۰۵ اس موضوع پر سب سے بہترین اور قابل مطالعہ کتاب شیخ محمد ناصر الدین البانی کی کتاب "حجۃ النبی ﷺ" ہے۔

القسم الثالث

تحریری سرگرمیاں' کاتبین وحی وغیرہ

تحریری سرگرمیاں

کتاب "انباء الانبیاء وتواریخ الخلفاء وولایات الملوک والامراء"[206] میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔

"الاستیعاب" (ج۱ص۲۶) میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان حضرات میں شامل ہیں جنہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پہلے اور ان کے ساتھ وحی لکھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی صحابہ کرام میں زیادہ تر وحی کی کتابت کرتے تھے۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ جب حاضر نہ ہوتے رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلاتے' حضرت ابی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے سامنے وحی لکھتے تھے۔

ابن عبدربہ کی "العقد الفرید" (ج۴ص۳۳) میں ہے علامہ القضاعی نے کہا: اگر کاتبین وحی صحابہ میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو حاضرین میں سے کوئی لکھنے والا وحی لکھ دیتا۔

کاتبین وحی صحابہ یہ ہیں: حضرت معاویہ' حضرت جابر بن سعید بن العاصی' حضرت ابان بن سعید' حضرت العلاء بن الحضرمی اور حضرت حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہم۔ حضرت عبداللہ بن ابی سرح بھی کاتب وحی تھے' پھر مرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملے' جب مکہ فتح ہوا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے امان طلب کی' رسول اللہ ﷺ نے ان کو امان بخشی اور وہ اچھے مسلمان بنے۔

کتابت کی خدمات انجام دینے والے صحابہ

"تاریخ دمشق" میں حافظ ابن عساکر نے ان کی تعداد تیئیس (۲۳) تک پہنچائی ہے۔ "بھجۃ المحافل" میں پچیس (۲۵) ایسے صحابہ کرام کا تذکرہ ہے جو تحریری خدمات سرانجام دیتے تھے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں: حضرت علی' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت عامر بن فہیرہ' حضرت عبداللہ بن ارقم' حضرت ابی بن کعب' حضرت ثابت بن قیس بن شماس' حضرت خالد بن سعید بن العاصی' حضرت ابان بن سعید' حضرت حنظلہ بن ابی عامر اسدی' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاویہ بن ابی سفیان' حضرت شرحبیل ابن حسنہ' حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول' حضرت زبیر بن العوام' حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت خالد بن الولید' حضرت العلاء بن الحضرمی' حضرت عمرو بن العاصی' حضرت جہیم بن الصلت' حضرت عبداللہ

۲۰۶ تصنیف قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامہ القضاعی مؤلف "مسند الشہاب" متوفی ۴۵۴ھ کشف الظنون ج۲ص۱۸۸' الہدیۃ العارفین ج۲ص۷۱

بن رواحہ' حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم اجمعین۔

صاحب "بھجة المحافل" نے گویا ابن عبدالبر کی پیروی کی ہے' انہوں نے "الاستیعاب" (ج۱ص۵۱) میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ان کی یہی تعداد بیان کی ہے۔

علامہ القرطبی نے اپنی تفسیر میں ان کی تعداد چھبیس تک پہنچائی ہے' علامہ الشبراملسی نے "المنھج فی فقه الشافعیه" پر اپنے حواشی پر مشتمل کتاب "القضاء" میں ایسے صحابہ کرام کی تعداد چالیس تک پہنچائی ہے۔

علامہ العراقی نے تحریری خدمات انجام دینے والے صحابہ کی تعداد بیالیس (۴۲) تک پہنچائی ہے۔ انہوں نے ان صحابہ کرام کے نام نظم کی صورت میں بیان کیے ہیں' جو مندرجہ ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے کاتب بیالیس تھے' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاویہ ابن ابی سفیان' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی' حضرت خالد بن سعید' حضرت حنظلہ' حضرت شرحبیل ابن حسنہ' حضرت عامر' حضرت ثابت بن قیس' حضرت ابن ارقم رضی اللہ عنہم۔

علامہ عراقی کہتے ہیں: المزی اور عبدالغنی وغیرہ نے مذکور الصدر صحابہ کا ذکر کیا ہے لیکن میں نے سیرت کی مختلف کتابوں سے مزید کاتبین کا کھوج لگایا ہے' جو درج ذیل ہیں:

حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت العلاء بن الحضرمی' حضرت ابن رواحہ' حضرت خالد بن الولید' حضرت حاطب ابن عمرو' حضرت حویطب' حضرت حذیفہ' حضرت بریدہ' حضرت ابان بن سعید' حضرت ابوسفیان' حضرت یزید بن ابی سفیان' حضرت محمد بن مسلمہ' حضرت عمرو بن العاص' حضرت مغیرہ' حضرت ابوسلمہ' حضرت ابوایوب انصاری' حضرت معیقیب الدوسی' حضرت ابن ابی الارقم' حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی' حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ' حضرت جہیم' حضرت علاء بن عتبہ اور حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

علامہ عراقی آخر میں لکھتے ہیں: تین کاتب مرتد ہو گئے تھے ایک ابن ابی سرح' دوسرے ابن خطل اور تیسرے کا نام مجھے نہیں ملا۔ ان میں سے صرف عبداللہ بن ابی سرح دوبارہ دین کی طرف لوٹ آئے اور باقی دو مرتد مرے۔

علامہ البرھان الحلبی نے "الشفاء" کے حواشی میں ایسے صحابہ کرام کی تعداد تینتالیس (۴۳) تک پہنچائی ہے۔

"المطالع النصریه" میں علامہ الھورینی نے کہا ہے: یہ سب حضرات کاتبینِ وحی نہ تھے۔ ہجرت کے بعد زیادہ تر کتابت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اس کی اصل علامہ نووی کی "التھذیب" میں ہے' علامہ نووی نے کہا ہے: سیرت نگار کہتے ہیں: سب سے زیادہ کتابت حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کرتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر نے "بھجة المجالس" میں کہا ہے: ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے لیے لکھا ہے: تاہم خطوط اور جوابات لکھنے کے مستقل کاتب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے پوری وحی لکھی ہے۔

امام بخاری نے صحیح البخاری کی کتاب الاحکام میں "باب ما یستحب للکاتب ان یکون امینا عاقلا" میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا ہے جس میں قرآن مجید کو جمع

کرنے کا ذکر ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم جوان' عقل مند شخص ہو امانت دار ہو تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے' سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کر دو۔[۲۰۷]

حافظ ابن حجر "فتح الباری" میں لکھتے ہیں: اگر زید رضی اللہ عنہ میں امانت' عقل اور فہم و فراست نہ ہوتی نبی ﷺ ان کو وحی لکھنے پر مامور نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے انہی اوصاف عقل مندی اور امانت داری کا ذکر فرمایا کہ یہ ان کے دائمی اوصاف تھے۔

نبی ﷺ کے نائب کاتب

"العقد الفرید" (جزء۴ص۱۶۴) میں علامہ ابن عبدربہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ کے کاتبوں میں سے جب کوئی کاتب موجود نہ ہوتا تو حضرت حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ ان کے نائب ہوتے تھے۔

"المواھب" میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے پہلے کاتب حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ تھے اور اسی کتاب میں حافظ ابن حجر سے منقول ہے کہ مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کے سب سے پہلے کاتب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے اور مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے قریشی کاتب حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے۔

علامہ زرقانی نے کہا ہے: اس سے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے اولین کاتب ہونے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ وہ قریشی نہیں تھے کندی تھے۔

"صبح الاعشٰی" (جزء اول باب۲ص۸۹) میں دیوان انشاء (گورنمنٹ کا تحریری ریکارڈ کا دفتر' امورِ انتظامیہ کا مرکز) کی حقیقت کے بارے میں ہے کہ اس کی ابتداء اسلام میں ہوئی' دیوان ایسا دفتر ہے جس میں ریکارڈ کو مرتب اور تحریر کرنے والے بیٹھتے ہیں' فصل ثانی میں بھی یہی مذکور ہے کہ اس کی ابتداء اسلام میں ہوئی' بعد ازاں دیگر ممالک میں اس کا رواج ہوا' اسلام میں سب سے پہلے یہ دیوان ایجاد ہوا۔ کیونکہ نبی ﷺ اپنے امراء (گورنروں' عاملوں) اور فوج کے سالاروں کو خطوط روانہ فرماتے اور وہ آپ کی خدمت میں عریضے بھیجتے تھے۔ اسی طرح آپ نے قرب و جوار کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے اور آپ کے صحابہ حکمرانوں کے پاس آپ کے خطوط لے کر گئے' جب حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اسے عہد نامہ لکھوا کر دیا۔ حضرت تمیم الداری اور ان کے بھائیوں کو شام کے بعض علاقوں کی جاگیر کا پروانہ دیا' صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آپ کے اور قریش کے مابین صلح نامہ لکھا گیا' اسی طرح بعض مواقع پر آپ نے امن کے پروانے لکھوائے' مکمل تفصیل حسب موقع آئندہ اوراق میں مذکور ہو گی' یہ تمام مکتوبات دیوانِ انشاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ فوج کے دیوان (مکمل تحریری ریکارڈ رکھنے والا محکمہ) کی تدوین اور ترتیب سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔

الشیخ عصام الدین احمد بن مصطفٰی المعروف طاشکبری کی کتاب "مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ" میں یہ اضافہ ہے کہ شروط اور رجسٹروں میں اندراج کا علم فقہ کی پندرہ شاخوں میں سے ایک ہے' اس علم میں قاضی (جج)

---

[۲۰۷] صحیح البخاری: ۴۹۸۶ از زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

کے نزدیک ثابت احکام کی کتب اور رجسٹروں میں اندراج کی کیفیت سے بحث کرتا ہے۔ بایں طور کہ موجودہ دور کے تقاضوں میں اس سے دلیل اور حجت حاصل کرنا درست ہو' اس علم کا موضوع من حیث الکتابت وہ احکام ہیں۔
اس علم کے بعض مبادی فقہ سے' بعض علم انشاء اور بعض رسوم' عادات اور امور استحسانیہ سے ماخوذ ہیں۔
اس علم کے بارے میں محمد بن الصافی کی تالیف بہترین ہے اور اس دور کے عرف کے اعتبار سے محمد بن افلاطون کی تالیف نمایاں مقام کی حامل ہے۔
واضح رہے' علم انشاء علم ادب کی فرع ہے کیونکہ اس میں بھی الفاظ کے حسن اور مقتضائے حال کے مطابق ان کا استعمال ہوتا ہے۔ کبھی اس علم کو علم فقہ کی فروع میں شمار کرتے ہیں' کیونکہ اس کے مفاہیم کی ترتیب قوانین شرع کی روشنی میں تکمیل پاتی ہے۔ ہم اسے القسم الادبی اور القسم العلمی دونوں میں لائے ہیں' حقیقت حال کی وضاحت ان کے اقسام کے مطالعہ سے ہو جائے گی۔
''کشف الظنون'' میں بھی یہی تقریر ہے' اس سے پہلے صاحب کشف الظنون نے ان حضرات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس موضوع پر کتابیں تحریر کی ہیں' جن میں سے ایک ابو زید احمد بن زید الشروطی الحنبلی بھی ہیں۔
الجرجانی نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کی ترجیح میں ذکر کیا ہے کہ اس موضوع پر الشروطی سب سے آگے ہیں' علامہ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی نے اس کے رد میں کہا ہے کہ سب سے پہلے نبی ﷺ نے معاہدوں اور عہد و پیمان کی دستاویزات قلم بند کرائی ہیں۔ ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قلم سے تحریر کردہ وہ معاہدہ بھی ہے جو آپ نے ایلہ کے عیسائیوں کے لیے لکھوایا تھا۔ (کشف الظنون جز ۲، ص ۵۶)

رازدارانہ امور لکھنے والے صحابہ

علامہ المقریزی نے ''الخطط'' میں کہا ہے: راز کی باتیں لکھنے والوں کے لیے سنت میں ایک رتبہ ہے (حضور ﷺ کے عہد مبارک میں اس ذمہ داری پر بعض صحابہ کرام مقرر رہے ہیں) چنانچہ ابوبکر عبداللہ بن ابوداؤد السجستانی نے ''کتاب المصاحف'' میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس خطوط آتے ہیں' میں یہ پسند نہیں کرتا کہ انہیں ہر کوئی پڑھے تو کیا تم عبرانی یا فرمایا سریانی زبان پڑھنا سیکھ سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں' پھر میں نے سترہ راتوں میں یہ زبان سیکھ لی۔[۲۰۸]

---

۲۰۸ صحیح حدیث' احمد ج ۵ ص ۱۸۲' الفسوی ''المعرفۃ والتاریخ'' ج ۱ ص ۴۸۳۔۴۸۴' طبرانی: ۴۹۲۸' ابن حبان ''الاحسان'': ۷۱۳۶' حاکم ج ۳ ص ۴۲۲' ابن ابی داؤد ''المصاحف'' ص ۷' مسند اسحاق بن راھویہ' مسند ابویعلی' علی بن المدینی ''العلل'' (تغلیق التعلیق ج ۵ ص ۳۰۸) از جریر از اعمش از ثابت بن عبید از زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ ابن سعد ج ۲ ص ۳۵۸' طبرانی: ۴۹۲۷۔۴۹۲۸' از یحییٰ بن عیسیٰ الرملی از اعمش بہ اسناد سابق۔

باسناد حسن ابن سعد ''الطبقات'' ج ۲ ص ۳۵۸۔۳۵۹' بخاری ''تاریخ'' ج ۳ ص ۳۸۰۔۳۸۱' احمد ج ۵ ص ۱۸۶' ابوداؤد: ۳۶۴۵' ترمذی: ۲۷۱۵' طبرانی: ۴۸۵۶۔۴۸۵۷' الفاکہی ''فوائد'' (تغلیق التعلیق ج ۵ ص ۳۰۷) متعدد طرق سے از عبدالرحمن بن ابی الزناد از ابی الزناد از خارجہ بن زید بن ثابت از زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہود کی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔ ترمذی نے یہ حدیث ذکر کر کے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام بخاری نے صحیح البخاری کی تعلیقات میں اسے احکام میں بصیغہ جزم ذکر کیا ہے۔ (۷۱۹۵)

خطوط اور دستاویزات لکھنے والے حضرات

"الاستیعاب" (ج ۱ص ۲۶) اور "الاصابہ" میں واقدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے وحی لکھی اور حضرت اُبی نے ہی سب سے پہلے خط کے آخر میں "اسے فلاں نے لکھا" تحریر کیا۔[209] جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوتے حضور ﷺ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو وحی کی کتابت کے لیے بلاتے۔ حضرت ابی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے سامنے ہر قسم کی کتابت کرتے، لوگوں کے لیے آپ کے خطوط تحریر کرتے اور جاگیروں وغیرہ کی دستاویزات لکھتے تھے۔[210]

ابوعمر کہتے ہیں: خطوط ہمیشہ عبداللہ بن ارقم الزہری رضی اللہ عنہ تحریر کرتے تھے، اور ابن اسحاق کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وحی لکھتے تھے اور بادشاہوں کے نام خطوط تحریر کرتے تھے۔ جب حضرت عبد اللہ بن ارقم اور حضرت زید بن ثابت میں سے کوئی موجود نہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کو کسی بادشاہ یا لشکر کے سالار کو خط لکھوانا ہوتا یا کسی کو جاگیر کی دستاویز عطا فرمانی ہوتی تو لکھنے والوں میں سے جو موجود ہوتا اس سے لکھوا لیتے تھے۔

"الاستیعاب"[211] میں ہے: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے تحریری خدمات انجام دیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کے نگران رہے۔

محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زبیر سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن الارقم رضی اللہ عنہ کو کاتب مقرر فرمایا، حضرت عبداللہ حضور ﷺ کی طرف سے بادشاہوں کو جواب لکھتے تھے۔ حضور ﷺ کو عبداللہ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ ان کو بعض بادشاہوں کو خط لکھنے کا حکم دیتے، وہ خط لکھتے پھر اس پر لاکھ لگا کر مہر لگا دیتے اور آپ خط سنانے کا حکم نہ دیتے۔ (کہ حضور ﷺ کو ان کی امانت و دیانت پر مکمل بھروسہ تھا) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ابن اسحاق کی اس روایت کو امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ نقل کیا ہے۔[212]

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کی کتاب الاحکام میں اسناد حسن کے ساتھ اور امام بغوی نے از امام مالک از زید بن اسلم از والد خود اسلم یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی کا خط آیا آپ نے عبداللہ بن الارقم الزہری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میری طرف سے اس کا جواب لکھو، انہوں نے جواب لکھا اور حاضر ہو کر آپ کو سنایا، نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے صحیح لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات میرے

---

۲۰۹ الاصابہ، ۳۲، ج ۱ص ۱۹۔۲۰، تذکرہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

۲۱۰ الاستیعاب علی هامش الاصابہ ج ۱ص ۵۰۔۵۱

۲۱۱ الاستیعاب علی هامش الاصابہ ج ۲ص ۲۶۱، الاصابہ ۲۸۲۵

۲۱۲ بیہقی از عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ (فتح الباری ج ۱۳ص ۱۹۵۔۱۹۶)

دل میں رہی یہاں تک کہ میں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا نگران مقرر کر دیا[۲۱۳]

"العتبیۃ" میں اس قصہ کے بعد یہ جملہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔

ابن رشد کی "البیان و التبیین" میں ابن وہب کی امام مالک سے روایت ہے امام مالک نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن الارقم کو جب کہ وہ بیت المال کے نگران تھے تیس ہزار لینے کو کہا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں ان کی امانت کا یہ عالم تھا کہ حضور ﷺ ان کو بعض بادشاہوں کی طرف خط لکھنے کا حکم فرماتے وہ خط لکھتے اور آپ ﷺ ان کو خط پر لاکھ لگانے اور مہر لگانے کا حکم دیتے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت پر بھروسہ کرتے ہوئے ان سے خط نہ پڑھواتے[۲۱۴]

نبی ﷺ کی طرف سے بدویوں کو خطوط لکھنے والے حضرات

بدویوں کو خط لکھنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھا۔ "شرح المواهب" (ج ۳، ص ۳۶۹) میں المدائنی کا قول ہے: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وحی لکھتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ اور عرب قبائل کے درمیان خطوط لکھا کرتے تھے۔

انتباہ

"الشفاء" میں ہے ایک آدمی نے معافی بن عمران سے کہا: حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں افضل کون ہے؟ (دونوں اموی ہیں) حضرت معافی سائل پر سخت ناراض ہوئے اور کہا: کسی کا بھی نبی ﷺ کے اصحاب کے ساتھ موازنہ نہیں ہو سکتا (کوئی شرف و فضل میں ان کا ہم پلہ نہیں)۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سسرالی برادر نسبتی' کاتب اور وحی کے امین ہیں' اگر حضور ﷺ ان کو امین نہ سمجھتے تو ان سے وحی نہ لکھواتے۔ بھلا اس مرتبہ تک عمر بن عبدالعزیز یا ان جیسا کوئی شخص رسائی حاصل کر سکتا ہے؟

"نسیم الریاض" میں علامہ شہاب الدین نے کہا ہے: معافی منطق کے آدمی تھے' ان کا قول اس روایت سے رد ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی وحی نہیں لکھی بلکہ وہ قبائل اور مختلف اطراف میں بھیجے جانے والے خطوط لکھا کرتے تھے۔

نبی ﷺ کے عہد مبارک میں چمڑے پر فرامین نویسی

"الاصابہ" میں حضرت مالک بن احمر الجذامی العوفی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ ابن شاہین نے اپنی سند سے ان سے روایت کیا ہے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تبوک میں تشریف لائے ہیں' مالک بن احمر آپ کی

۲۱۳ بغوی' از طریق محمد بن صدقہ الفدکی از مالک بن انس از زید بن اسلم از والد خود۔ (الاصابہ: ۴۵۲۵)

۲۱۴ ابن وہب از مالک' ضعیف روایت' اس سے پہلی روایت اس سے اصح ہے۔

خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کو دعوت اسلام کا خط تحریر فرما دیں تو آپ نے چمڑے کے ٹکڑے پر ان کو لکھ دیا۔ دوسری روایت میں ہے: اس چمڑے کی چوڑائی چار انگل اور لمبائی بالشت کے برابر تھی۔ اس میں پہلے سے لکھا ہوا مٹا دیا گیا۔ (البغوی' طبرانی فی الاوسط)[۲۱۵]

فائدہ

''صبح الاعشیٰ'' میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے جو لکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور قرآن مجید میں ان کا بیان ہے۔

(۱) لوح (تختی) ارشاد الٰہی ہے:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝ بلکہ وہ بڑی عظمت والا قرآن ہے (لکھا ہوا ہے) لوح محفوظ میں۔ (البروج: ۲۱-۲۲)

(۲) الرق (باریک چمڑا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ۝ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ ۝ قسم طور کی' اور لکھی ہوئی کتاب کی' کشادہ ورق میں۔ (الطور: ۱تا۳)

رِق' کتابت کے لیے تیار کردہ باریک اور پتلے چمڑے کو کہتے ہیں:

(۳) قرطاس اور صحیفہ (کاغذ)۔

بعدازاں مؤلف ''صبح الاعشیٰ'' نے گذشتہ اقوام کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ کن چیزوں پر لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ اہل چین گھاس سے بنائے گئے باریک کاغذ پر لکھتے تھے' لوگوں نے کاغذ سازی چین والوں سے سیکھی ہے۔ ہندوستان کے رہنے والے سفید ریشم کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے' فارس والے (ایرانی) بھینس' گائے' بکری وغیرہ کی رنگی ہوئی کھالوں پر لکھتے تھے۔ اسی طرح یہ لوگ سفید پتلے پتلے پتھروں پر لکھتے تھے۔ کبھی تانبے اور لوہے وغیرہ پر لکھتے۔ کبھی اس کام کے لیے بغیر پتوں والی کھجور کی شاخ اور کبھی اونٹ اور بکری کے شانہ کی ہڈی کو استعمال کرتے تھے۔ اہل عرب بھی اہل فارس کے قرب کی وجہ سے یہی اشیاء کتابت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن تک اہل عرب کا یہی معمول تھا' بسا اوقات نبی ﷺ نے اپنے بعض مکاتیب چمڑے پر لکھے۔ صحابہ کرام نے اجماعی طور پر قرآن مجید کو باریک چمڑے پر لکھنے پر اتفاق کیا کہ یہ دیرپا ہوتا ہے یا اس دور میں اس کا متبادل نہیں تھا۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دور تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا' اس نے حکم جاری کیا کہ لوگ کاغذ کے سوا کسی اور چیز پر نہ لکھیں۔

---

۲۱۵ ضعیف حدیث' اسے بغوی' ابن شاہین اور طبرانی نے ''الاوسط'' میں از طریق یزید بن عبدربہ از ولید بن مسلم۔۔۔۔۔ روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۷۵۹۱) بغوی نے اسے از طریق ہارون بن عمر المخزومی دمشقی از ولید روایت کرکے کہا ہے: مجھے اس اسناد سے اس کے علاوہ کوئی حدیث معلوم نہیں اور یہ اس کے ضعف کی دلیل ہے۔

معاہدے اور صلح نامے لکھنے والے حضرات

ابوعمر نے کہا ہے: معاہدے اور صلح نامے لکھنے کے لیے حضور ﷺ کے کاتب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ ہجرت کے موقع پر حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم سے سراقہ بن مالک بن جعشم المدلجی کو عہد نامہ لکھ دیا۔ بعض روایات میں ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔

خصوصی امور لکھنے والے صحابہ کرام

''الاصابہ'' میں حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابوعلی بن مسکویہ کی کتاب ''تجارب الامم'' سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ ان حضرات میں شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لیے لکھتے تھے اور کہا کہ عباس بن محمد الاندلسی نے المعتصم بن صمادح کے لیے جمع کردہ ''التاریخ'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ کہ حضرت حصین اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بوقت ضرورت آپ کے لیے تحریری خدمات انجام دیتے تھے۔

متاخرین کی ایک جماعت نے اسی طرح ذکر کیا ہے چنانچہ مفسر علامہ قرطبی نے ''المولد النبوی'' میں اور قطب الحلبی نے ''شرح السیرۃ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور یہ اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے القضاعی کی نبی ﷺ کے کاتبوں کے متعلق کتاب سے اسے لیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ دو حضرات قرض اور معاملات لکھا کرتے تھے۔ مؤلف کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم اس سے ''الاصابہ'' مراد ہے یا قضاعی کی کتاب؟[216]

رسول اللہ ﷺ کے لیے صدقات کے اموال اور کھجوروں کے باغات کے تخمینے کون لکھتا تھا؟ شیخ اکبر ابن عربی الحاتمی[217] کی ''المحاضرات'' میں ہے: حضرت زبیر بن العوام اور جہم بن الصلت رضی اللہ عنہما صدقات کے اموال لکھتے تھے' حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کھجوروں کے تخمینے لکھتے تھے' حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہما قرض اور معاملات کی دستاویزات لکھتے تھے اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بادشاہوں کی طرف آپ کے خطوط تحریر فرماتے تھے۔ (المحاضرات ص ۲۹)

نبی ﷺ کے کاتبوں پر ایک اجمالی نظر

''المواھب'' میں ہے: نبی ﷺ کے کاتبوں کی بڑی جماعت ہے' جم غفیر کو یہ شرف حاصل رہا ہے۔ بعض

---

۲۱۶ الاصابہ: ۱۷۴۷/۱ نیز حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے لیے دیکھئے: الاصابہ: ۱۷۴۶/۱۔

۲۱۷ شیخ اکبر محمد بن علی بن محمد بن احمد الطائی الحاتمی الاندلسی معروف بابن العربی' متوفی ۶۳۸ھ دمشق۔ مزید تفصیلات کے لیے ''سیر اعلام النبلاء'' ج ۲۳ ص ۴۸ ملاحظہ کریں۔ ابن العربی کے نظریات اور شخصیت پر طویل ابحاث کے لیے علامہ الفاسی کی ''العقد الثمین'' ج ۲ ص ۱۶۰۔۱۹۹ کا مطالعہ کریں۔

محدثین نے اس موضوع پر نہایت عمدہ کتب تالیف کی ہیں، جن میں کاتبانِ نبی ﷺ کے حالات اور ان کی سیرتیں بیان کی گئی ہیں، ابتداء خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر سے کی ہے کہ یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے خواص اور مقرب تھے۔

حافظ ابن حجر نے ''**الاصابہ**'' (رقم: ۱۷۴۷) میں حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اس موضوع پر علامہ القضاعی کی تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ ''**الاستیعاب**'' میں ابن عبدالبر نے عمر بن شبہ کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن علی بن احمد بن حدیدہ الانصاری نے ''**المصباح المضيء في كتاب النبي الامي ورسله الى ملوك الارض من عربي و عجمي**'' نامی کتاب تالیف کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو دو عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) نبی ﷺ کے کاتب (۲) آپ کے سفیر اور بادشاہوں کے نام آپ کے خطوط۔ یہ کتاب ۶۷۹ھ میں مصر کی خانقاہ صالحہ میں تکمیل کو پہنچی۔

اس سلسلے کی ایک اور تالیف علامہ جمال الانصاری کی ہے، ان کے شاگرد البرہان الحلبی نے ''**الشفاء**'' پر اپنے حواشی میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے اس سے قبل ازیں مذکور کتاب مراد ہو یا یہ دوسری کتاب ہو۔

اس موضوع پر ابن ابی الجعد نے بھی کتاب لکھی ہے، اس کا تذکرہ علامہ شہاب الدین الخفاجی نے ''**الشفاء**'' پر اپنی شرح میں کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ البرہان الحلبی گویا اس سے ناواقف تھے۔

فائدہ

''**نور النبراس**'' میں نبی ﷺ کے کاتبوں پر گفتگو کے بعد لکھا ہے: کتابت پر مداومت حضرت معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے لیے رہی۔ لیکن متعدد حفاظِ حدیث نے کہا: اسے فتح مکہ کے بعد سے مقید کرنا چاہیے تھا کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ البتہ حضرت زید رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

''**المواھب**'' میں ہے: دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ لکھنے والوں میں خلفاء راشدین، حضرت ابان بن سعید اور حضرت خالد بن سعید بن العاصی بن امیہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

نبی ﷺ کی طرف سے کاتبوں کو قلم رکھنے کے آداب اور حروف کی صورت گری کی تعلیم

حافظ سیوطی نے ''**طبقات اللغويين والنحاة**'' کے آخر میں کاتبوں کے بارے میں مسلسل حدیث نقل کی ہے جس میں عبدالحمید کاتب کے طریق سے بیان کیا ہے کہ مجھ سے سالم بن ہشام کاتب نے از عبدالملک بن مروان کاتب از حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا: جب تم "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھو تو سین کو واضح کرو۔[۲۱۸] علامہ سیوطی اس کے بعد کہتے ہیں:
کاتبوں کے متعلق یہ حدیث اکثر کے ہاں موجود ہے۔

"صبح الاعشی" میں محمد بن علی المدائنی سے منقول ہے کہ کاتب کے لیے مستحب ہے جب وہ اپنی کسی ضرورت کے متعلق سوچنے لگے تو قلم اپنے کان پر رکھ دے اور اس حدیث کو اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے لیے لکھتے تھے۔ جب نبی ﷺ کو کسی دوسری طرف متوجہ دیکھتے تو قلم اپنے منہ میں رکھ لیتے' نبی ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے معاویہ! جب تم لکھنے والے ہو تو قلم اپنے کان پر رکھو کیونکہ یہ تجھے اور لکھوانے والے کو یاد دلانے والا ہے۔[۲۱۹]

اپنی سند سے ایک اور روایت انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید کی طرف دیکھا وہ آپ کی ضروریات کے بارے میں لکھ رہے تھے' آپ نے ارشاد فرمایا: قلم اپنے کان پر رکھو کیونکہ یہ تمہیں زیادہ یاد دلائے گا۔[۲۲۰]

---

۲۱۸ ضعیف حدیث' اسے ابو الغنائم الدجاجی نے حدیث ابن شاہ ج ۲ ص ۱۲۹ میں از فضل بن سہل ذی الریاستین' جعفر بن یحییٰ بن خالد البرکی' ابو یحییٰ بن خالد' ابو خالد بن برمک' عبد الحمید بن یحییٰ کاتب بنو امیہ' سالم بن ہشام' عبد الملک بن مروان' زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔
اسی طرح سے اکارروفی نے "المسلسلات" ج ۲ ص ۱۲۰ میں' الخطیب نے "تاریخ" ج ۱۲ ص ۳۴۰ میں' دیلمی ۱/ ۱/ ۱۳۶ اور ابن عساکر ۹/ ۴۰۴ سے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر نے اسے عبد الحمید کے تذکرہ میں اور خطیب نے ذی الریاستین کے تذکرہ میں اسے نقل کیا ہے اور ان کی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی۔ جعفر بن یحییٰ بن خالد برکی' وزیر ابن وزیر ہے۔ دونوں باپ بیٹا ہارون الرشید کے مشہور وزیر تھے لیکن حدیث کی روایت میں معروف نہیں' بہرحال یہ اسناد مظلم ہے' المناوی نے "الفیض" میں اس پر تبصرہ نہیں کیا' البتہ "التیسیر" میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱۷۳۷)

۲۱۹ موضوع حدیث' تفصیل آئندہ حدیث کی تخریج میں ملاحظہ کریں۔

۲۲۰ موضوع حدیث' ترمذی ۲۷۱۴' ابن حبان "المجروحین" ج ۲ ص ۱۶۹' ابن عدی ج ۲ ص ۲۳۲' ابن عساکر ۱/۱۹/۱۶' از عنبسہ بن محمد بن زاذان از ام سعد از زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ اس کا اسناد ضعیف ہے۔ عنبسہ اور محمد ضعیف راوی ہیں۔ عنبسہ بن عبد الرحمن اموی کے متعلق ابو حاتم نے کہا: یہ حدیث گھڑتا تھا' ابن حبان نے کہا: یہ من گھڑت روایات والا ہے اس سے احتجاج جائز نہیں' بخاری نے اس کے متہم ہونے کا اشارہ کیا اور کہا: محدثین نے اسے ترک کر دیا' نسائی نے اسے متروک کہا' میں کہتا ہوں: ابن الجوزی نے یہ حدیث "الموضوعات" ج ۱ ص ۲۵۹ میں ترمذی کی روایت سے نقل کر کے کہا ہے یہ صحیح نہیں' عنبسہ متروک ہے اور ابو حاتم نے کہا: یہ حدیث وضع کرتا تھا۔

حافظ سیوطی نے اس کا تعقب کیا ہے اور حدیث انس لائے ہیں اور دو طریقوں سے یہ روایت نقل کی ہے لیکن دونوں طرق میں یہ متہم راوی موجود ہیں' جو حدیث کی روایت سے ان سے استشہاد نہیں ہو سکتا' اس بارہ میں مناوی کا یہ قول نہایت عجیب ہے: ابن الجوزی اسے موضوع گمان کرتے ہیں' لیکن ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے کہ ابن عساکر نے اسے روایت کیا ہے اور اس روایت کا دو مختلف طرق سے مروی ہونا اسے وضع سے نکالتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے' حالانکہ اس کی پہلی روایت میں جیسا کہ آپ جان چکے ہیں واضع حدیث موجود ہے اور دوسری روایت کا بھی یہی حال ہے۔ لہٰذا حافظ سیوطی کی طرف سے ابن الجوزی کا تعقب درست نہیں اور ان کا "الجامع الصغیر" میں اس حدیث کو نقل کرنا بھی درست نہیں۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۸۶۱)

ایک اور روایت انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کاتب سے فرمایا: قلم اپنے کان پر رکھو یہ تمہیں زیادہ یاد دلائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے کاتب تھے، ایک روز حضور ﷺ نے ان کو دیکھا انہوں نے قلم زمین پر رکھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے معاویہ! جب تم لکھ رہے ہو تو قلم کو اپنے کان پر رکھو۔[221]

علامہ کتانی نے کہا ہے: "**الجامع الصغیر**" میں یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے: قلم اپنے کان پر رکھو کیونکہ یہ لکھوانے والے کو یاد دلانے والا ہے۔[222] اور اسے ترمذی کے حوالہ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت زید نے کہا: میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے سامنے کاتب موجود تھا، پھر یہ حدیث ذکر کی۔

حافظ سیوطی نے بھی "**الجامع الکبیر**" میں ترمذی کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ابن سعید اور سمویہ کی حدیث ضعیف ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: امام ترمذی نے اس حدیث کو کتاب الاستیذان کے باب **ترتیب الکتاب** میں روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان نے بھی "**الضعفاء**" میں اسے عنبسہ کے تذکرہ میں زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

---

221 موضوع حدیث، دیلمی ۱/۱/۱۴۶، ابن عساکر ۸/۲۵۱/۲، از عمرو بن از ہر از حمید از انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث موضوع ہے اس کی آفت عمرو ہے، اسے ابن معین وغیرہ نے کاذب کہا ہے، امام احمد نے کہا: یہ حدیث وضع کرتا تھا، ابن حبان ج ۲ ص ۷۸ نے الضعفاء میں یہی کہا ہے۔

بعد ازاں مجھے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے دیگر طرق ملے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ابونعیم نے "اخبار اصبہان" ج ۲ ص ۳۴۷ میں اسے احمد بن اسحاق، احمد بن عمیر بن نصر، ابوعبد الرحمن الرازی، ابراہیم بن محمد بن یوسف، ابراہیم بن زکریا، عثمان بن عمرو بن عثمان البصری از انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا ہے۔

الدیلمی نے (اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۲۱۶ کے مطابق) اسے دوسرے طریق سے از ابراہیم بن محمد القرشی از ابراہیم بن زکریا الواسطی از عمرو بن ابی زہیر از حمید از انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ اس روایت کا مدار ابراہیم بن زکریا الواسطی پر ہے۔ اس کے متعلق ابن حبان ج ۱ ص ۱۰۲ نے کہا ہے: یہ امام مالک سے موضوع احادیث نقل کرتا ہے اور یہ ثقہ راویوں سے ایسی احادیث روایت کرتا ہے جو ثابت رواۃ جیسی نہیں ہوتیں، یہ مدلس کذابوں میں سے ہے، دوسروں نے بھی اسے ضعیف کہا ہے، اس کا شیخ عمرو یا عثمان بن عمرو، اسی طرح ابراہیم بن محمد قرشی سب مجہول الحال ہیں۔

تمام نے (۲۹/۱۰۲/۱/رقم: ۲۳۲۷) اسے از عثمان بن عبد الرحمن از ابراہیم بن محمد از حمید از انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا ہے، اس میں عثمان قرشی وقاصی کذاب راوی ہے۔

(۲) ابوطرقانی نے "مجلس الامالی" ج ۲ ص ۲۶۶ میں اسے از اسماعیل بن عمرو البجلی، از عثمان البری از ابن غنام از انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ اور عثمان ابن مقسم کے بارے میں ابن معین نے کہا: یہ مشہور کذابوں اور وضاعین حدیث میں سے ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ۸۶۲)

222 ملاحظہ کیجئے: ضعیف الجامع الصغیر: ۳۵۹۸، علامہ البانی۔

"فیض القدیر" میں ہے: ابن الجوزی نے اسے موضوع گمان کیا ہے اور علامہ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے: یہ حدیث دوسرے طریق سے بھی مروی ہے اور اس حدیث کا دو مختلف سندوں سے منقول ہونا اسے وضع (موضوع ہونے) سے نکالتا ہے۔[۲۲۳]

علامہ المناوی نے "التیسیر" میں کہا ہے: قلم کو بحالت کتابت کان پر رکھنے کا حکم امر مندوب ہے اور اس چیز کی طرف رہنمائی ہے کہ اس طرح لکھنے والے کو جلدی بات یاد آ جاتی ہے کیونکہ قلم دل کی بات کو بیان کرنے والی دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے' اس سے مقاصد اور مفاہیم کو عبارت کی شکل دی جاتی ہے۔

"فیض القدیر" میں قاضی عیاض کا یہ قول مذکور ہے کہ اس حدیث اور اس مفہوم پر مشتمل دیگر احادیث میں اس پر دلالت ہے کہ نبی ﷺ الفاظ کی بندش اور خوش خطی کی معرفت رکھتے تھے۔[۲۲۴]

قاضی عیاض نے "الشفاء" میں مذکور الصدر حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اس کے باوجود کہ نبی ﷺ نہیں لکھتے تھے آپ کو ہر چیز کا علم عطا فرمایا گیا یہاں تک کہ آپ حروف نویسی اور ان کی خوش خطی کی معرفت رکھتے تھے' جب کہ ابن شعبان کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لمبا کر کے نہ لکھو۔[۲۲۵]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری حدیث میں ہے کہ وہ نبی ﷺ کے سامنے لکھتے تھے حضور ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: دوات رکھو' قلم کو ٹیڑھا قط لگاؤ' باء کو سیدھا رکھو سین کو الگ رکھو اور میم کو کانا نہ بناؤ' لفظ اللہ کو خوبصورت بناؤ' الرحمٰن کو کھینچ کر لکھو اور الرحیم کو عمدہ بناؤ۔[۲۲۶]

اگرچہ آپ سے لکھنے کی صحیح روایت مروی نہیں ہے تاہم یہ بعید از فہم نہیں کہ آپ کو کتابت کا علم عطا فرمایا گیا ہو اور لکھنے اور پڑھنے سے منع فرما دیا گیا ہو۔

نبی ﷺ کا مکتوب کی سیاہی کو مٹی وغیرہ چھڑک کر خشک کرنے کا حکم دینا

علامہ القلقشندی نے "صبح الاعشی فی صناعة الانشاء" (ج ۶ ص ۱۷۲) میں اس عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مکتوب سے فراغت کے بعد اس پر مٹی وغیرہ ڈالنا مطلوب ہے' اس میں دو حکمتیں ہیں: (۱) مقاصد تک رسائی کے لیے حصولِ برکت کی طلب۔ چنانچہ محمد بن عمر المدائنی نے اپنی کتاب "القلم والدواۃ" میں اپنی سند کے ساتھ از اسماعیل بن محمد بن وہب از ہشام بن خالد (یہ ابومروان الازرق

---

۲۲۳ گزشتہ تخریج ملاحظہ کریں۔

۲۲۴ یہ قول دو وجہ سے مردود ہے (۱) یہ حدیث موضوع ہے' حجت نہیں ہو سکتی اور اس سے مندوب یا واجب کوئی حکم تشریعی مستنبط نہیں ہوتا۔ (۲) یہ قول قرآن مجید کے صراحتاً مخالف ہے' قرآن مجید میں آپ ﷺ کو اُمّی کہا گیا ہے' اُمّی وہ ہے جو اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتا ہو نہ حروف سے آشنا ہو۔

۲۲۵ موضوع حدیث۔

۲۲۶ موضوع حدیث' جیسے کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے' اس سے حکم مستنبط نہیں ہوتا۔

ہیں)[۲۲۷] از بقیہ بن الولید از عطاء از ابن جریج از ابن عباس از نبی ﷺ یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مکتوب پر نیچے سے مٹی چھڑکو اور اسے جھاڑ دو کیونکہ اس میں بڑی برکت ہے اور حاجت پر کامیابی ہے۔[۲۲۸]

ایک اور حدیث میں ہے: جب تم میں سے کوئی مکتوب تحریر کرے اس پر مٹی چھڑکے کیوں کہ اس میں برکت ہے اور حاجت روائی کے لیے بڑی کامیابی ہے۔(ترمذی کتاب الاستیذان)[۲۲۹]

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: مکتوب پر مٹی چھڑکو۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے دو مختلف بستی والوں کو دو مکتوب بھیجے' ایک مکتوب پر مٹی چھڑکی گئی اور دوسرے پر نہیں' اس بستی والے مسلمان ہو گئے جن کے مکتوب پر مٹی چھڑکی گئی تھی۔[۲۳۰]

یہ حکمت تمام مکتوبات اور ولایات وغیرہ کے فرامین میں موجود ہے کہ سب میں برکت اور کامیابی مطلوب ہوتی ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ مکتوب کی سیاہی خشک ہو چکی ہے یا نہیں؟ کیونکہ مٹی چھڑکنے سے کامیابی اور برکت کا حصول مراد ہے۔

(۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ مکتوب کی سیاہی مٹی وغیرہ ڈالنے سے خشک ہو جائے تا کہ مکتوب کے الفاظ مٹنے نہ پائیں' لیکن یہ حکمت پہلی حکمت سے ضعیف تر ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مکتوب خشک ہو جائے تو پھر مٹی نہ چھڑکیں' جیسا کہ آج کل کے کاتبوں کا معمول ہے۔ مکتوب کی آخری سطور پر پہلے مٹی اس لیے ڈالی جاتی ہے کہ وہاں ابھی سیاہی کی تری باقی ہوتی ہے اور وہ حصہ مکتوب کے ابتدائی حصہ کی بہ نسبت کم خشک ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات مکتوب کو اختتام تک پہنچاتے وقت تک ابتدائی حصہ خشک ہو چکا ہوتا ہے' خصوصاً گرم موسم میں یا مکتوب کی طوالت یا زیادہ عرصہ میں مکتوب کو مکمل کرنے کی حالت میں یہی ہوتا ہے۔

صاحب مواد البیان وغیرہ قدیم کاتبوں نے تصریح کی ہے کہ مکتوب میں سب سے پہلے بسم اللہ پر پھر باقی مکتوب پر مٹی چھڑکی جائے تا کہ پورے مکتوب پر بسملہ کی برکت آ جائے۔

فصل اوّل: مکاتیب نبویہ کی اصطلاح اور ترتیب[۲۳۱]

علامہ قلقشندی نے اس عنوان کے تحت نبی ﷺ کے خطوط اور مکتوبات گرامی کی اجمالی طور پر ترتیب ذکر

---

۲۲۷ ابومروان الدمشقی القرشی' ابن ابی حاتم نے اسے صدوق کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل ج۹ ص ۵۷)

۲۲۸ موضوع حدیث' اس میں اسماعیل بن محمد بن وہب مجہول اور بقیہ ابن الولید مدلس ہے' اس حدیث کو ذہبی نے "المیزان" ج ا ص ۱۳۳ میں بقیہ بن الولید کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے اور اسے بقیہ کی تدلیس اور منکرات میں شمار کیا ہے۔

۲۲۹ ضعیف حدیث' ترمذی: ۲۷۱۳' العقیلی "الضعفاء": ۱۰۴' ابونعیم' "اخبار اصبہان" ج ۲ ص ۲۳۸' از حمزہ بن ابی حمزہ از ابی الزبیر از جابر رضی اللہ عنہ' ترمذی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے' ہم ابوالزبیر سے صرف اسی طریق سے اسے پہچانتے ہیں اور حمزہ نصیبی ضعیف الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں بلکہ وہ متروک اور متہم بالوضع ہے۔ (التقریب) عقیلی نے کہا: یہ حدیث اسناد جید سے محفوظ نہیں ہے۔

۲۳۰ باطل روایت' مجھے اس کی سند نہیں ملی' اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو کتب معتبرہ کے مؤلفین اپنی کتب میں اس کا ذکر کرتے۔ واللہ اعلم

۲۳۱ تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح السیرۃ النبویہ ص ۶۷۹' استاذ ابراہیم العلی' مطبوعہ دار النفائس۔

کرتے ہوئے کہا کہ نبی ﷺ اپنے اکثر خطوط ''من محمد رسول الله الی فلان ''(محمد رسول اللہ کی طرف سے فلاں کی طرف) سے شروع فرماتے تھے' کبھی مکتوب کے شروع میں ''اما بعد ''تحریر فرماتے' کبھی خط کی ابتدا ''ھذا کتاب ''(یہ مکتوب) سے فرماتے' کبھی ''سلمٌ انت '' سے مکتوب کا افتتاح فرماتے تھے۔ عموماً آپ اپنے اسم گرامی کے بعد مکتوب الیہ کا نام لکھتے' بسا اوقات اس کا مشہور نام یا لقب ذکر فرماتے (جیسے قیصر' کسریٰ وغیرہ) اگر مکتوب الیہ بادشاہ ہوتا تو اس کے نام کے بعد فلاں قوم کے عظیم یا فلاں قوم کے بادشاہ لکھتے' بسا اوقات فلاں مملکت کے حکمران لکھواتے ۔ حضور ﷺ مکتوبات میں اپنا ذکر کبھی مفرد لفظ سے فرماتے جیسے بے شک میں' مجھے' میرے پاس آیا' میرے پاس قاصد آیا جیسے الفاظ ۔ اور بسا اوقات آپ اپنے لیے جمع کا صیغہ استعمال فرماتے' جیسے ہمیں یہ خبر ملی ہے' ہمارے پاس آیا وغیرہ۔ مکتوب الیہ کو واحد کے صیغہ سے خطاب فرماتے جیسے تیرے لیے' تجھ پر (کاف خطاب کے ساتھ) کبھی تاء خطاب کے ساتھ جیسے تو نے اس اس طرح کہا' تو نے یہ کیا' اگر مخاطب دو ہوتے تو آپ تثنیہ کا صیغہ استعمال فرماتے' جیسے بے شک وہ دونوں' تم دونوں کے لیے' اور تم دونوں پر (ھما' کما تثنیہ کے ضمائر کے ساتھ) اگر مکتوب الیہ زائد ہوتے تو جمع کا صیغہ استعمال فرماتے' جیسے تم' تمہارے لیے' تم پر وغیرہ (جمع کی ضمائر کے ساتھ)۔

مکتوب کے شروع میں سلام لکھتے' اگر مکتوب الیہ مسلمان ہوتا تو سلام علیک (تم پر سلام ہو) لکھتے' بسا اوقات فرماتے:''السلام علی من اتبع الهدی ''(اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی) بسا اوقات مکتوب کے شروع میں سلام نہ لکھتے۔

مکتوبات کے شروع میں سلام کے بعد اللہ کی حمد کرتے اور فرماتے : بے شک میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں' کبھی اسے نہ لکھتے' کبھی حمد کے ساتھ کلمۂ شہادت تحریر فرماتے کبھی نہ لکھتے' مطلب کی بات لکھنے سے قبل کبھی ''اما بعد '' لکھتے اور کبھی اس کے بغیر مقصد پر اظہارِ خیال فرماتے تھے۔

اپنے مکتوب گرامی کے اختتام پر سلام تحریر فرماتے' مسلمان مکتوب الیہ کو' السلام علیک و رحمة الله و برکاته ''تحریر فرماتے' کبھی صرف ''السلام ''پر اکتفا فرماتے تھے اور اگر مکتوب الیہ کافر ہوتا تو مکتوب کے آخر میں' والسلام علی من اتبع الهدی ''تحریر فرماتے اور بسا اوقات سلام کا ذکر نہ فرماتے۔

اس قدر تفصیل کے بعد علامہ قلقشندی نے ایک اہم عنوان قائم کیا ہے جس میں نبی ﷺ کے اہل اسلام کی طرف خطوط کا ذکر کیا ہے اور مکتوبات گرامی کے تین اسلوب بیان کیے ہیں۔

اسلوبِ اوّل: مکتوب گرامی کا افتتاح ''من محمد رسول الله الی فلان '' کے جملے سے ہے۔ پھر اس کی مکتوبات نبویہ سے کئی مثالیں ذکر کریں۔

اسلوبِ ثانی: مکتوب گرامی کی ابتداء ''ھذا کتاب '' کے جملہ سے ہوئی اور اس کے بعد مقصود بیان فرمایا' آپ کے مکتوبات میں اس کی مثالیں کم ہیں۔

اسلوبِ ثالث: مکتوب گرامی کی ابتداء ''ھذا کتاب '' کے الفاظ سے ہے۔

علامہ موصوف نے آخر میں ایک عنوان قائم کیا ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے ان مکتوبات کا تذکرہ کیا ہے جس میں آپ نے کفار کو دعوت اسلام دی ہے۔ علامہ نے اس کے بھی تین اسلوب بیان کیے ہیں:

اسلوبِ اوّل: مکتوب گرامی کی ابتدا "من محمد رسول الله الی فلان" کے الفاظ سے ہے جیسا کہ اہل اسلام کی طرف بھیجے گئے مکتوبات کا اسلوبِ اوّل ہے۔

اسلوبِ ثانی: مکتوب گرامی "امابعد" کے لفظ سے شروع ہے یہ قلیل الوقوع ہے۔

اسلوبِ ثالث: مکتوب گرامی کے شروع میں "هذا کتاب" کے الفاظ ہیں۔

پھر علامہ موصوف نے ان تمام اسالیب کی مثالیں بیان کی ہیں۔ (دیکھئے الجزء السادس ص ۳۶۵ تا ۳۸۲)

علامہ کتانی کہتے ہیں کہ "طبقات ابن سعد" میں مذکور مکتوبات گرامی کی اگر کوئی شخص تلاش کرے گا تو مکتوب کے آخر میں کاتب (لکھنے والے) کا نام پائے گا' شاید کہ کاتب کا نام بطور گواہ ہو کہ وہ اس مکتوب کی تحریر کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔

فصل دوئم: ہم عصر بادشاہوں اور عظیم شخصیات کا رسول اللہ ﷺ سے اندازِ مخاطبت

علامہ القلقشندی نے اپنی تالیف کے الجزء السادس (ص ۴۶۴) میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سالارِ لشکر اور مسلمان حکمران اپنے خطوط کی ابتدا رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی سے کرتے تھے' اپنا نام دوسرے نمبر پر لاتے تھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ ﷺ کو سلام لکھنے کے بعد "امابعد" لکھ کر یا اس کو لکھے بغیر مقصد کی بات لکھتے اور آخر میں سلام پر خط کو ختم کرتے تھے۔

کافر بادشاہ پہلے اپنا نام لکھتے اور بسا اوقات حضور ﷺ کا اسم گرامی ابتداء میں لکھتے تھے۔ کافر مکتوب نگار اپنا نام جمع کے صیغہ سے کرتے تھے' اگر مکتوب نگار مسلمان ہوتا تو وہ آپ کے لیے رسالت و نبوت کا وصف بیان کرتا اور کافِ خطاب یا تاء مخاطب کو استعمال کرتا۔ اگر مکتوب نگار کافر ہوتا تو آپ کو کاف خطاب اور تاء مخاطب سے خطاب کرتا۔ بسا اوقات وہ آپ کو آپ کے اسم گرامی سے خطاب کرتے' اگر مکتوب نگار مسلمان ہوتا تو خط کا اختتام آپ پر سلام سے کرتا تھا۔

فصل سوئم: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کردہ خطوط کی ترتیب

"صبح الاعشی" میں کہا ہے: ان مکاتیب کی ترتیب اس طرح ہوتی اگر خط کی ابتدا آپ کے اسم گرامی سے ہوتی اور مکتوب نگار کا نام بعد میں ہوتا تو خط کی دائیں جانب "محمد رسول الله" یا اس جیسے الفاظ ہوتے اور بائیں جانب "من فلان" (فلاں کی طرف سے) مرقوم ہوتا۔ اور اگر مکتوب نگار اپنا نام پہلے لکھتا تو خط کی ترتیب مذکورہ صورت کے برعکس ہوتی تھی۔

فصل سوئم: رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب گرامی کا انداز

علامہ قلقشندی بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس بارے میں صریح نص نہیں ملی' ظاہر یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے مکتوبات گرامی ان الفاظ سے شروع فرماتے تھے: "من محمد رسول الله الی فلان" (محمد رسول اللہ ﷺ کی

جانب سے فلاں کی طرف) اس صورت میں "من محمد رسول الله" مکتوب گرامی کے دائیں جانب اور "فلاں کی طرف" بائیں جانب ہوتے۔ صاحب "مواد البیان" کی طرف سے مکاتیب کے متعلق بارھویں اصل میں ان کی تقریر اسی پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ اصل یہ ہے کہ مکتوب نگار اپنے نام سے خط کی ابتداء کرے اور دوسرے نمبر پر مکتوب الیہ کا نام لکھے' پھر کہا: رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات گرامی اسی طرز پر ہیں۔

فصل چہارم: رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات کے افتتاحی کلمات

سیرت کی تمام کتابوں میں ہے کہ حضور ﷺ معاہدوں' صلح ناموں وغیرہ جیسے تمام مکاتیب کی ابتداء بسم اللہ سے کرتے تھے۔ ہر قولی اور فعلی امر کی ابتداء میں حصولِ برکت اور کامیابی کے لیے بسم اللہ کہنا مشروع ہے۔

الغافقی نے ابوعبید سے ذکر کیا ہے کہ شعبی نے کہا: نبی ﷺ شروع میں "باسمک اللهم" تحریر کرتے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ یہی جملہ تحریر کے شروع میں لکھتے' پھر سورۂ ھود کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۚ (ھود:۴۱) اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا۔

پھر جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ "بسم الله" لکھتے رہے' پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ فرما دیجئے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔

(بنی اسرائیل:۱۱۰)

تو آپ اللہ کی مشیت کے مطابق بسم اللہ الرحمٰن لکھتے رہے' تا آنکہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (النمل:۳۰) بیشک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بیشک وہ (خط) اللہ کے نام سے ہے جو نہایت رحمت والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

پھر آپ مکتوبات کے شروع میں پوری بسم اللہ تحریر فرمانے لگے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قیصرِ روم (ہرقل) کو نبی ﷺ کا مکتوب گرامی ملا اس نے اس میں بسملہ پڑھی اور کہا: میں نے سلیمان بن داؤد کے بعد کسی مکتوب پر بسملہ نہیں دیکھی۔[۲۳۲]

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (ج ۸ ص ۶۸) میں کہا ہے کہ شرعی اور عرفی طور پر مراسلات کی ابتداء میں حمد لکھنے کی عادت نہیں رہی' میں نے بادشاہوں اور دیگر لوگوں کی جانب رسول اللہ ﷺ کے مراسلات اور مکتوبات جمع کیے ہیں ان میں سے کسی مکتوب کی ابتداء حمد سے نہیں ہے بلکہ بسملہ سے شروع ہوتے ہیں۔

(فتح الباری' تفسیر سورۂ آل عمران:۶۴)

قاضی ابن بادیس نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ایلہ کے حکمران یوحنا بن رؤبہ کے نام حضور ﷺ کے گرامی نامہ کی ابتداء بسم اللہ سے ہوئی ہے حالانکہ وہ عیسائی تھا۔ اس سے ان مکتوبات اور مراسلات پر بسملہ لکھنے کا جواز

[۲۳۲] مرسل ضعیف حدیث۔

معلوم ہوا جو کفار کے ہاتھوں میں جانے والے ہوں' کیونکہ حضور ﷺ کا یہ گرامی نامہ کفار کے قبضہ میں رہا۔

نیز اس حدیث میں دراہم و دنانیر (سکے' کاغذی کرنسی) پر ایسے نقوش ثبت کرنے کے جواز کی دلیل ہے جن کو کفار مسلمانوں کی سرزمین سے اپنے علاقوں میں لے جائیں (جیسے سعودی عرب کی کرنسی ہے)۔

فصل پنجم: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خطوط اور خطبہ کے شروع میں ''امابعد'' کا التزام

علامہ شمس الدین السفارینی نے ''شرح منظومة الآداب'' میں کہا ہے: خطبات اور خطوط میں امابعد کہنا اور لکھنا مستحب ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور بادشاہوں وغیرہ کو اپنے مکتوبات میں اس کا التزام فرماتے تھے۔ چنانچہ قیصر' کسریٰ اور مقوقس وغیرہ کو لکھے گئے خطوط اس کے شاہد ہیں۔[۲۲۳]

الامام القاضی علی بن سلیمان المرداوی نے ''شرح التجرید'' میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے خطبات وغیرہ میں ''امابعد'' کا التزام پینتیس (۳۵) صحابہ کرام سے مروی ہے۔

علامہ زرقانی نے ''شرح المواهب'' میں کہا ہے: یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ اپنے خطبات وغیرہ میں ''امابعد'' فرمایا کرتے تھے۔ یہ چالیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔

علامہ الرھاوی نے اپنی اربعین میں چالیس مختلف اسناد سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ اکثر حضرات صرف ''بعد'' پر انحصار کیوں کرتے ہیں؟ اس سلسلہ میں اختصار کا عذر نا قابل التفات ہے کیونکہ مسئلہ کا مدار سنت کی اتباع میں ہے (اور سنت امابعد ہے صرف بعد نہیں ہے)' خصوصاً خطبات میں تو طوالت مطلوب ہوتی ہے' سو خطبے کا وہی انداز قابل تحسین ہوگا جو وحی کے روشنی سے منور ہو۔

شیخ ابوالعباس احمد الھشتو کی السوسی کی کتاب ''الاحکام الوزیعه'' (منظوم کتاب) پر ان کی اپنی شرح میں ہے کہ ہمارے بھائی علامہ فہامہ ابوالعباس احمد بن ابراہیم الکتانی المراکشی کی دوران حج مصر میں شافعیہ کے ایک امام علامہ الشربینی سے تلخی ہوگئی' علامہ الشربینی اپنے تلامذہ کو عقائد نسفی کی شرح کا درس دے رہے تھے' انہوں نے کہا: ''وبعد'' کی اصل ''اما بعد'' ہے' لفظ ''اما'' کو حذف کر کے اس کے بدلہ میں ''واو'' لایا گیا ہے' علامہ ابوالعباس احمد نے کہا: اس کی کیا دلیل ہے کہ ''واؤ'' ''اما'' کا بدل ہے؟ حضور ﷺ فصیح ترین اور بلیغ ترین فرد تھے آپ کے کلام مبارک میں ''اما بعد'' ہے' ''وبعد'' کہیں نہیں ہے؟ اسی طرح صحابہ کرام کے مراسلات میں بھی ہر جگہ ''اما بعد'' ہے۔ علامہ شربینی تنگ دل انسان تھے' انہوں نے علامہ ابوالعباس کو نا قابل بیان الفاظ سے مخاطب کیا' جو ایسے علماء کو زیب نہیں دیتا اور ان کے اعتراض کا جواب ملامت بھری باتوں اور سب وشتم سے دیا۔ اگر موصوف فقط اتنا جواب دیتے کہ محقق مصنفوں نے اپنی کتب کے مقدمات میں یہی لفظ ''وبعد'' استعمال کیا ہے تو از روئے جواز دلیل کے لیے کافی تھا۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: سنت سب پر حجت ہے' علامہ زرقانی نے گذشتہ سطور میں اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ مدار سنت کی اتباع میں ہے۔ اور احادیث میں ''اما بعد'' کہنا اور لکھنا مروی ہے۔

---

۲۲۳ ان مراسلات اور مکتوبات کی تخریج کے لیے استاذ ابراہیم العلی کی ''صحیح السیرۃ النبویہ'' ص ۶۷۹' دیکھئے۔

سرکاری خطوط میں حضور ﷺ کی احتیاط

الشیخ زروق نے صحیح البخاری پر اپنے حواشی میں کہا ہے کہ نبی ﷺ نے ہرقل کے نام اپنے مکتوب گرامی میں اسے عظیم روم کہا' بادشاہِ روم نہیں کہا' تا کہ یہ اس کی اپنے ملک کی حکمرانی پر برقرار رہنے کی سند نہ ہو۔

علامہ الخفاجی نے ''شرح الشفاء ''میں کہا ہے کہ آپ نے ہرقل کو عظیم روم اور عظیم قبط فرمایا' روم اور قبط کا بادشاہ نہیں فرمایا کیونکہ اس عنوان کے مستحق صرف مسلم حکمران تھے۔اس کے باوجود آپ نے اس کی تعظیم کا خیال رکھا تا کہ حق کی طرف اوّلین دعوت میں ان کے قلوب کو نرمی سے مائل کیا جائے۔

خط میں نئے معاملہ کے شروع میں حضور ﷺ کا ''امابعد'' فرمانا

امام بخاری نے ''الادب المفرد ''میں'باب امّا بعد ''میں ہشام بن عروہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات دیکھے ہیں' جب بھی کوئی بات مکمل ہوتی ہے تو آپ ''اما بعد ''فرما کر نئی بات شروع فرماتے ہیں۔

تاریخ میں محفوظ رسول اللہ ﷺ کا صحیح ترین مکتوب

حضور ﷺ کے مکتوبات میں سے صحیح ترین مکتوب جسے تاریخ نے بعینہٖ ہمارے لیے محفوظ رکھا ہے وہ آپ کا ہرقل کے نام گرامی نامہ ہے' صحیح البخاری میں یہ مکتوب گرامی ان الفاظ میں مذکور ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیمO

''اللہ کے بندے اور رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے ہرقل عظیم روم کے نام' اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے' امابعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لاؤ سلامت رہو گے' اللہ تعالیٰ تمہیں دوچند اجر عطا فرمائے گا' اگر تو نے روگردانی کی تو تمہاری رعایا کا گناہ تمہارے سر رہے گا۔اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں گے' اگر اس دعوت کے باوجود وہ روگردانی کریں تو تم کہو: اے روگردانی کرنے والو! گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں''۔

صحیح البخاری میں یہ حدیث متعدد جگہ مذکور ہے۔[۲۳۴]

۲۳۴۔ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۷۔۵۱۔۲۸۱۔۲۸۰۴۔۲۹۴۱۔۲۹۷۸۔۳۱۷۴۔۴۵۵۳۔۵۹۸۰۔۶۲۶۰۔۷۱۹۶۔۷۵۴۱' مسلم: ۱۷۷۳' ترمذی: ۲۷۱۸' ابوداؤد: ۵۱۳۶' احمد ج ۱ص ۲۶۳' بیہقی ''سنن'' ج ۹ص ۱۷۷' ''الدلائل'': ۲۳۹' عبدالرزاق ''مصنف'': ۹۷۲۴' ابن مندہ ''الایمان'': ۱۴۳' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

مسلمانوں کے لیے نبی ﷺ کا آخر مکتوب جو تاریخ میں بعینہٖ محفوظ ہے

نبی ﷺ کا چمڑے پر تحریر فرمودہ آخری مکتوب جسے تاریخ نے ہمارے لیے بعینہٖ محفوظ رکھا ہے وہ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کے نام رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے جس میں ان کو شام کی زمین بطور عطیہ مرحمت فرمائی۔ یہ مشہور مکتوب سابقہ ادوار میں معروف رہا ہے۔ محدثین' مؤرخین اور فقہاء نے اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

تاریخ ابن عساکر میں ابن عساکر نے حضرت تمیم الداری کے تذکرہ میں اپنی سند کے ساتھ ابوہند الداری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: ہم چھ افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ''سیرت ابن ھشام'' میں آٹھ افراد مذکور ہیں: حضرت تمیم بن اوس' ان کے بھائی نعیم بن اوس' یزید بن قیس' ابوہند بن عبداللہ (اس حدیث کے راوی)' ان کے بھائی طیب بن عبداللہ' ان کا نام بر تھا رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبدالرحمن رکھ دیا اور فاکہ بن النعمان رضی اللہ عنہم۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے شام میں جاگیر عطا فرمانے کی درخواست کی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں سے چاہو۔ تمیم نے کہا: میرا خیال ہے ہم بیت المقدس اور اس کا پرگنہ مانگیں' ابوہند نے کہا: یہ تو عجمی بادشاہوں کا ٹھکانہ ہے اور کبھی اس میں عربی بادشاہ ہوتا ہے (یہاں کے حکمران بدلتے رہتے ہیں) مجھے اندیشہ ہے یہ جاگیر ہمیں نہیں ملے گی' پھر حضرت تمیم نے کہا کہ بیت جبرین اور اس کا پرگنہ مانگتے ہیں تو ابوہند نے کہا: یہ تو بہت بڑا علاقہ ہے' پوچھا: پھر ہم کیا مانگیں؟ ابوہند نے کہا: ہم وہ علاقہ مانگیں جس میں ابراہیم علیہ السلام کے آثار قدیمہ والا ٹیلہ ہے اور متعدد بستیاں ہیں' حضرت تمیم نے کہا: تم نے بالکل درست کہا۔ راوی حدیث بیان کرتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے تمیم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم مجھے اپنے فیصلہ کی اطلاع دو یا میں تمہیں بتادوں؟ تمیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بلکہ یارسول اللہ! آپ ہمیں بتائیں تاکہ ہمارا ایمان زیادہ ہو' آپ نے فرمایا: تم نے ایک جگہ کا ارادہ کیا تھا مگر اس نے دوسری جگہ کا انتخاب کیا ہے' مشورہ اچھی بات ہے' بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کا باریک ٹکڑا منگوایا اور ہمارے لیے ان الفاظ میں دستاویز لکھوائی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مکتوب ہے جس میں ان علاقوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے پر رسول اللہ ﷺ نے داریوں کو عطا فرمائے ہیں' ان میں بیت عیون' حبرو' مرطوم' بیت ابراہیم پر مشتمل پورا علاقہ شامل ہے' یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے ان کو بخش دیا گیا ہے۔

اس پر عباس بن عبدالمطلب' خزیمہ بن قیس اور شرحبیل بن حسنہ (کاتب مکتوب) گواہ ہیں۔

راوی کہتے ہیں: پھر آپ یہ مکتوب لے کر اپنے گھر میں داخل ہوئے' پھر آپ خط کے کونے میں بار بار کچھ کرتے رہے اور آپ نے اسے اوٹ میں لے رکھا تھا اور آپ نے اس مکتوب کو تسمہ سے ایک یا دو گانٹھیں لگائیں اور اسے لپیٹ کر ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران: ٦٨)

بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر وہی لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور جو ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے○

پھر ارشاد فرمایا: تم واپس جاؤ یہاں تک کہ میری ہجرت کا سنو تو پھر آنا۔ ابو ہند رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم واپس چلے گئے پھر جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو ہجرت کی ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ سے مکتوب (دستاویز) کی تجدید کا سوال کیا تو آپ نے ہمیں یہ مکتوب عطا فرمایا جس میں مرقوم تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ (ﷺ) نے تمیم الداری اور اس کے ساتھیوں کو عطا فرمائی ہے' میں نے تمہیں عینون' حیرون' الرطومہ' بیت ابراہیم مکمل اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' مکمل ان کے لیے الگ کر دیا ہے اور یہ پورا علاقہ (بطور جاگیر) ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کو اور ان کی نسلوں کو عطا کر دیا ہے جس شخص نے اس بارے میں ان کو اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ اس پر ابوبکر بن ابی قحافہ' عمر بن الخطاب' عثمان بن عفان' علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہوئے۔[۲۳۵]

بعض حکمران آل تمیم کے درپے ہوئے اور انہوں نے ان سے یہ جاگیر چھیننے کی کوشش کی اور القدس شریف کے قاضی ابوحاتم الہروی الحنفی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا' داریوں نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کو بطور دلیل و حجت پیش کیا' قاضی موصوف نے کہا: اس مکتوب کی پابندی لازم نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے تمیم کو اس وقت یہ علاقہ مرحمت فرمایا جب آپ اس کے مالک نہ تھے (ابھی یہ علاقہ فتح نہیں ہوا تھا)۔ حکمران نے فقہاء سے رجوع کیا' اس دوران امام ابوحامد الغزالی رحمہ اللہ بیت المقدس میں تھے اور یہ علاقہ ابھی فرنگیوں کے قبضہ میں نہیں آیا تھا' امام غزالی نے فرمایا: یہ قاضی کافر ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: میرے لیے تمام زمین سمیٹ دی گئی ہے' آپ تو جنت میں جاگیریں عطا فرماتے تھے' فرماتے: ایسی خوبیوں والا محل فلاں کا ہے' آپ کا وعدہ سچا اور آپ کی عطا حق ہے۔ قاضی اور حکمران دونوں ذلیل و رسوا ہوئے اور آل تمیم کی جاگیر ان کے قبضہ میں رہی۔ ان ایام میں قاضی ابوبکر بن العربی بھی شام میں تھے۔

ان داریوں کی نسل القدس اور اس سے ملحقہ علاقوں میں ہمیشہ موجود رہی' آج بھی وہ اہل علم و فضل میں شامل ہیں۔ میں نے ۱۳۲۴ھ میں اپنے حجاز اور شام کے سفر کے دوران الخلیل میں حرم خلیلی کے خطیب الشیخ عبدالحی بن الخطیب الحاج عبدالفتاح التمیمی الداری سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔ قریب قریب اسی عرصہ میں فلسطین اور گردونواح میں مشہور زماں عالم دین اور الخلیل کے مفتی الشیخ خلیل الداری الازہری بھی اپنے علم و فضل سے فیض یاب کرتے رہے۔

---

۲۳۵ سیرت ابن ہشام' ج ۳' ص ۳۵۴

کفار کے لیے نبی ﷺ کا آخری مکتوب

جسے تاریخ نے اور کفار نے بعینہٖ محفوظ رکھا

کفار کے لیے نبی ﷺ کا آخری مکتوب جسے تاریخ نے بعینہٖ ہمارے لیے محفوظ رکھا ہے وہ حضور ﷺ کا ہرقل کے نام مکتوب ہے' گذشتہ صفحات میں اس کی عبارت نقل کی جا چکی ہے۔

سب سے پہلے اس مکتوب گرامی کے وجود اور بقا پر اپنے زمانہ میں حافظ سہیلی نے ''الروض الانف'' (جزء ۲ ص ۳۲۱) پر بحث کی ہے' اور لکھا ہے: مروی ہے کہ ہرقل نے نبی ﷺ کے نامۂ مبارک کو بطور تعظیم سونے کی نلکی میں رکھا۔ ہرقل کا خاندان نسل در نسل اس کا وارث رہا' یہ نامۂ مبارک باعزت جگہ اونچے بکس میں رکھا رہتا تھا' یہاں تک کہ طلیطلہ اور اندلس کے حکمران الاذفونش کی تحویل میں آیا۔ بعد ازاں اس کے نواسے ابن السلطین کے پاس گرامی نامہ رہا۔

مجھ سے میرے بعض اصحاب نے بیان کیا کہ مسلمانوں کے لشکروں کے ایک امیر عبدالملک بن سعید نامی نے بتایا کہ ابن السلطین نے مجھے اس کی زیارت کرائی' میں نے گرامی نامہ ہاتھ میں لے کر اسے چومنے کا ارادہ کیا تو اس نے میرے ہاتھ سے واپس لے لیا اور طبعی بخل اور حفاظت کے خیال سے مجھے بوسہ نہ دینے دیا۔

علامہ سہیلی کا ۵۸۱ھ میں مراکش میں انتقال ہوا۔ علامہ الکرمانی نے ''الکواکب الدراری'' میں' حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں' البرہان الحلبی نے ''نور النبراس'' میں' ابن غازی نے ''حاشیۃ الصحیح'' میں' شیخ ابوزید القاسی نے ''تشنیف المسامع'' میں اور الشیخ تویسم التونسی نے ''سمط اللآلی'' میں علامہ سہیلی کے کلام کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ البتہ ''الروض الانف'' مطبوعہ اور ''سمط اللآلی'' میں شیخ تویسم کی تحریر میں عبدالملک بن سعید اور ''فتح الباری'' میں عبدالملک بن سعد مذکور ہے۔ حالانکہ علامہ ابن حجر نے بھی یہ روایت علامہ سہیلی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

تاریخ میں محفوظ احکام پر مشتمل جامع اور طویل ترین مکتوب گرامی

سب سے جامع' طویل اور تفصیلی مکتوب گرامی جو تاریخ نے محفوظ رکھا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے مکتوب ہے۔ اس عظیم مکتوب میں فقہی احکام از قسم زکوٰۃ' خون بہا اور احکام' کبائر' طلاق' عتاق' ایک کپڑے میں نماز کے احکام' احتباء کا حکم' قرآن مجید کو چھونے وغیرہ کے امور شامل ہیں۔

علامہ نووی نے ''التھذیب'' میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: نبی ﷺ نے ان کو یمن میں نجران کا عامل مقرر فرمایا تھا ان کی عمر سترہ سال تھی۔ آپ نے ان کو مکتوب مرحمت فرمایا' جس میں فرائض' سنن' صدقات' زخموں اور خون بہا کے متعلق مرقوم تھا۔ آپ کا یہ مکتوب سنن کی کتب میں مشہور ومعروف ہے۔ اسے

ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے الگ الگ حصوں میں روایت کیا ہے' سب سے مکمل روایت امام نسائی کی ہے جس میں دیات (خون بہا) مذکور ہیں۔ اصحاب سنن میں کسی نے بھی اسے ایک جگہ مکمل ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن کثیر نے ''ارشاد'' میں اس حدیث کے طرق ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق کے اختلاف کے باوجود یہ مکتوب گذشتہ اور موجود ہر دور کے ائمۂ اسلام میں متداول رہا ہے' سب نے اس پر اعتماد کیا ہے اور ہر اہم مسئلہ میں اس کی طرف رجوع کیا ہے' جیسا کہ یعقوب بن سفیان نے کہا ہے: میری معلومات کے مطابق تمام مکتوبات گرامی میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے مکتوب سے صحیح ترین مکتوب کوئی نہیں ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین اس مکتوب کی طرف رجوع کرتے اور اپنی آراء ترک کر دیتے تھے۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے چھوڑ دی اور اس مکتوب گرامی کی طرف رجوع کیا۔ علامہ ابن کثیر نے کہا: امام شافعی اور بعد میں آنے والوں نے اسے ابن المسیب سے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔

ابن ابراہیم الوزیر نے ''الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم'' میں ابن کثیر کے تبصرہ کے بعد کہا ہے: حافظ یعقوب بن سفیان اور حافظ ابن کثیر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے صدر اول میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث کی قبولیت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ الوجادہ (محدثین کی اصطلاح میں اس علم کا نام ہے جو کسی شیخ سے سماع یا اجازت یا عطا کے بغیر کتاب سے حاصل کیا جائے) سے جواز عمل پر اجماع کے دعویٰ کا مقتضی ہے۔

علامہ قسطلانی نے ''المواهب'' میں کہا ہے: تمام فقہاء نے اس مکتوب میں مذکور دیات (خون بہا) کی مقداروں سے استدلال کیا ہے۔ اور اسے بطور حجت و دلیل اپنایا ہے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے متصلاً روایت کیا ہے' امام ابو حاتم وغیرہ نے ''الصحیح'' میں اسے متصلاً روایت کیا ہے۔ ''المؤطا'' میں یہ حدیث کتاب العقول اور کتاب الصلوۃ میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔

علامہ الباجی نے کہا ہے: یہ حدیث علم کی کتابت اور اسے کتب میں محفوظ کرنے کی اصل ہے۔ علامہ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: یہ مکتوب سیرت نگاروں کے ہاں مشہور اور اہل علم کے ہاں ایسا معروف ہے کہ اس کی شہرت اس کے اسناد سے مستغنی کر دیتی ہے۔ مزید کہا: امام مالک سے اس حدیث کے ارسال میں کوئی اختلاف نہیں ہے' یہ حدیث صالح طریق سے مسنداً بھی مروی ہے۔

معمر نے اسے از عبد اللہ بن ابی بکر عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے اور زہری نے اسے بطریق ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اہل یمن کے لیے ایک مکتوب میں فرائض' سنن اور دیات (خون بہا کے معاملات) تحریر فرمائے اور اسے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل یمن کی طرف روانہ فرمایا' اس مکتوب گرامی کی عبارت یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد نبی (ﷺ) کی طرف سے ذی رعین' معافر اور ہمدان کے بادشاہوں شرحبیل بن عبد کلال' حارث

بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کے لیے۔ امابعد!

علامہ کتانی مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ میں یہاں ''الموطا'' پر حافظ سیوطی کے حواشی میں مذکور روایت ذکر کر رہا ہوں اس میں ہے: امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں ابن اسحاق کے طریق سے روایت کیا ہے ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عبد اللہ بن ابی بکر نے اپنے والد ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کی یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے کہا: یہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا مکتوب ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت مرحمت فرمایا تھا تاکہ وہ ان کو دین سکھائیں اور سنت کی تعلیم دیں' ان سے صدقات وصول کریں' آپ نے عمرو بن حزم کے لیے مکتوب' عہد نامہ اور احکام تحریر فرمائے۔ آپ نے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَوْفُواْ بِٱلْعُقُودِ ۚ اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔

(المائدہ:۱)

یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کے لیے' جب آپ نے ان کو یمن کی طرف بھیجا۔ وصیت (عہد) ہے اسے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے (تقویٰ اختیار کرنے) والوں کے اور احسان (نیکی) کرنے والوں کے ساتھ ہے' اور ان کو حکم ہے کہ وہ حق کو لیں' جس طرح ان کو لوگوں کو خیر کی بشارت دینے کا حکم ہے وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں ان کو قرآن سکھائیں اور اس میں سمجھ بوجھ والا بنائیں' لوگوں کو منع کریں کہ کوئی شخص قرآن کو طہارت کے بغیر ہاتھ نہ لگائے' لوگوں کو بتائیں کہ کیا چیز ان کے لیے نفع بخش اور کون سی چیز ان کے لیے ضرر رساں ہے' حق کے معاملہ میں ان سے نرمی کا برتاؤ کریں اور ظلم میں ان سے سخت برتاؤ کریں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمایا ہے' ارشاد فرمایا: باخبر رہو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور وہ لوگوں کو جنت کی بشارت دیں اور جنت والے اعمال بتائیں اور لوگوں کو جہنم اور جہنم تک پہنچانے والے اعمال سے ڈرائیں' لوگوں کو دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے پر راغب کریں' لوگوں کو حج کے مقامات اور اس کے سنن اور فرائض کی تعلیم دیں' لوگوں کو ایسے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے منع کریں جو چھوٹا ہو' ہاں اگر بڑا کپڑا ہو تو اس کے کناروں کو مخالف سمتوں سے کندھوں پر ڈال لیں۔ اور لوگوں کو احتباء (گھٹنے کھڑے کر کے سرین کے بل بیٹھنا) سے منع کریں کہ آسمان کی طرف ان کا ستر کھلا ہو' اپنے سر کے بالوں کو گدی کے پیچھے نہ باندھیں' جب ان کے درمیان اشتعال ہو تو قبیلے اور خاندان کی دہائی نہ دیں لیکن اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی دہائی دیں' (اللہ کو پکاریں) جو شخص اللہ کی طرف نہ بلائے قبائل اور خاندان کی طرف بلائے ان کی تلوار سے خبر لو یہاں تک کہ ان کی پکار اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ہو اور لوگوں کو پورا وضو کرنے کا حکم دو' اپنے چہرے' کہنیوں تک ہاتھ اور پیروں کو ٹخنوں تک دھوئیں اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنے سروں کا مسح کریں اور نماز کو اپنے وقت میں ادا

کریں، رکوع اور خشوع کا مکمل خیال کریں، صبح کی نماز اندھیرے میں اور ظہر کی نماز اس وقت ادا کریں جب سورج ڈھلے اور عصر کی نماز جب سورج زمین کی طرف جانے لگے پڑھیں، مغرب کی نماز اس وقت پڑھیں جب رات آنے لگے اسے اس وقت تک مؤخر نہ کریں کہ آسمان میں ستارے ظاہر ہو جائیں اور عشاء ابتدائے رات میں پڑھیں۔ جب جمعہ کی اذان ہو تو نماز جمعہ کے لیے جانے اور اس کے لیے غسل کرنے کا حکم فرمایا اور یہ کہ مال غنیمت میں سے خمس اللہ کے لیے حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ نے زرعی زمینوں پر جو صدقات فرض فرمائے ہیں وہ وصول کریں بارانی زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ اور ڈول سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار کا بیسواں حصہ۔ ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں (زکوٰۃ) ہیں اور ہر بیس پر چار بکریاں ہیں، ہر تیس گائیوں پر تیسرے سال میں داخل ہونے والا بیل یا گائے ہے۔ اور ہر چالیس بکریوں پر جو چراگاہ میں چرتی ہیں ایک بکری ہے، یہ اللہ کا فریضہ ہے جو اس نے صدقات میں اپنے بندوں پر فرض کیا ہے۔ جس نے اس سے زائد دیا تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور جو یہودی یا نصرانی اپنے اخلاص سے دین اسلام کو قبول کرلے وہ اہل ایمان میں شامل ہوگا اور نفع ونقصان میں انہی کی طرح ہوگا اور جو شخص یہودیت یا نصرانیت پر برقرار رہے اس سے ویسا سلوک کیا جائے گا، ان کے ہر بالغ مرد، عورت، آزاد، غلام پر ایک پورا دینار یا اس کے بدلے کپڑا جزیہ ہوگا۔ یہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ اور جس نے اس کو منع کیا وہ اللہ، اس کے رسول اور تمام مؤمنین کا دشمن ہے۔ صلوات اللہ علی محمد والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.

امام بیہقی کہتے ہیں: سلیمان بن داؤد نے از زہری از ابوبکر از محمد بن عمرو بن حزم از والد خود از جد خود یہ حدیث موصولاً روایت کی ہے، اس روایت میں زکوٰۃ اور دیات وغیرہ میں بہت سے اضافے اور مذکور الصدر روایت سے بعض احکام کم مذکور ہیں جس کا بیان ہم کتاب العقول میں کریں گے۔[۲۳۶] علامہ سیوطی کا کلام اختتام کو پہنچا۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: ''طبقات ابن سعد'' سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے اس مکتوب کو لکھنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔

حضور ﷺ کا سربستہ مکتوب گرامی جسے آپ نے باہر نہیں نکالا

امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقات کے متعلق مکتوب لکھا اور اسے باہر نہ نکالا، پھر اس پر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عمل کیا۔[۲۳۷]

---

۲۳۶ الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۴ ص ۲۱۲-۲۱۳، الاصابہ: ۱۱۹۴، محمد حمید اللہ ''کتاب الدقائق السیاسیۃ'' ص ۱۳۰۔

۲۳۷ اس حدیث کا اسناد ضعیف ہے، اس کے راوی سلیمان بن داؤد بن ارقم کا ضعف متفق علیہ ہے۔ حکم بن موسیٰ نے اس کے والد کا نام غلط لیا ہے اور سلیمان بن داؤد کہا ہے، ابوداؤد نے ''المراسیل'' ص ۲۱۳ میں مرسلاً یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث مسنداً صحیح نہیں، اس کو یحییٰ بن حمزہ نے از سلیمان بن حمزہ از سلیمان بن ارقم از زہری از ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم از والد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تتمہ

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں شام میں اقامت پذیر تمیمی صحابی حضرت مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ سے واپس لوٹنے کے بعد ان سے فرمایا: نرمی برتنا اس میں خون نہ بہانا۔ (حضرت مسلم کہتے ہیں: میری واپسی پر) رسول اللہ ﷺ اس پر شکر گذار ہوئے اور مجھے ارشاد فرمایا: میں تمہارے لیے مکتوب لکھوں گا جس میں میں اپنے بعد تمہارے متعلق مسلمانوں کے حکمرانوں کو وصیت کروں گا' آپ نے میرے لیے ایک مکتوب تحریر فرما کر اسے سربہ مہر کر دیا۔ نبی ﷺ کے وصال کے بعد' میں وہ مکتوب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ انہوں نے مہر توڑ کر اسے کھولا اور مجھے کچھ عطا فرمایا' پھر اس پر مہر لگا دی۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے' میں وہ مکتوب ان کے پاس لایا انہوں نے مہر توڑ کر اسے پڑھا اور مجھے کچھ عطا فرما کر اس پر پھر مہر لگا دی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے' میں وہ مکتوب ان کے پاس لایا انہوں نے اس کی مہر توڑ کر اسے پڑھا اور مجھے کچھ عطا فرمایا' پھر مہر لگا دی۔ پھر جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے انہوں نے ان کے بیٹے حارث بن مسلم کے پاس کسی کو بھیجا' وہ آئے تو عمر بن عبد العزیز نے ان کو عطیہ دیا اور کہا: میں خود آپ کے ہاں آنا چاہتا تھا لیکن میں نے آپ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ آپ مجھے وہ حدیث سنائیں جو آپ اپنے والد سے نبی

(بقیہ حاشیہ: ۲۲۷) خود از جد خود روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا: اصل میں یحییٰ بن حمزہ از سلیمان بن ارقم از ہارون بن محمد بن بکار از والد خود اور عم خود ہے۔ اور سلیمان بن داؤد کہنا وہم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔نسائی نے یہ حدیث موصولاً از طریق حکم بن موسیٰ از یحییٰ بن حمزہ از سلیمان بن داؤد از زہری روایت کی ہے' بعد ازاں اسے از طریق محمد بن بکار بن بلال از یحییٰ بن حمزہ از سلیمان بن ارقم از زہری روایت کیا ہے اور اس کو اشبہ بالصواب کہا ہے۔ اور سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے۔ (مخرج علی محمد دندل نے ابن ابی حاتم کی العلل کے حوالہ سے ابوحاتم' ذہبی' عمر بن علی' ابن حجر' بخاری' ابوداؤد' ترمذی' دارقطنی' حاکم اور ابن حبان کے حوالہ سے سلیمان بن ارقم پر جرح نقل کی ہے' تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: التراتیب الاداریہ ص ۲۱۳' مترجم)۔

ابن حبان: ۶۵۵۹' حاکم ج ۱ ص ۳۹۵ اور بیہقی ج ۴ ص ۸۹۔۹۰ نے بہ طرق متعددہ از حکم بن موسیٰ از یحییٰ بن حمزہ از سلیمان بن داؤد از زہری از ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم از والد خود از جد خود (مطولاً) اور نسائی ج ۸ ص ۵۷۔۵۸' ابوداؤد' ''المراسیل'': ۲۵۹' داری ج ۲ ص ۱۸۸ تا ۱۹۰' دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۲' ج ۲ ص ۲۸۵' بیہقی ج ۱ ص ۸۷۔۸۸' ج ۸ ص ۲۵۔۲۸۔۷۳۔۷۹۔۸۸۔۸۹۔۹۵۔۹۷ نے از متعدد طرق حکم بن موسیٰ سے اس حدیث کو مختصراً روایت کیا ہے۔

ابن خزیمہ: ۲۲۶۹' دارقطنی ج ۳ ص ۲۱۰ نے اس حدیث کو از طریق عبد الرزاق از معمر از عبد اللہ بن ابی بکر مختصر روایت کیا ہے۔ مالک ''الموطا'' ج ۲ ص ۸۴۹' بطریق مالک نسائی ج ۸ ص ۶۰' دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۱۔۱۲۲' بیہقی ج ۸ ص ۷۳۔۸۱' بغوی: ۲۵۳۸۔۲۷۵' از طریق ابوبکر بن محمد بن عمرو مرسلاً روایت۔

ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۵۹' دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۲' ج ۳ ص ۲۰۹' بیہقی ج ۸ ص ۸۷ تا ۸۹' مختصراً۔ از دو طرق۔ نسائی ج ۸ ص ۵۹' از طریق یحییٰ بن حمزہ از سلیمان بن ارقم۔ نسائی نے اس کو اشبہ بالصواب کہا ہے' واللہ اعلم۔ حالانکہ سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے۔ اس حدیث کو یونس نے زہری سے روایت کیا ہے۔ یونس کی زہری سے روایت کو نسائی ج ۸ ص ۵۹' ابوداؤد' ''المراسیل'': ۲۵۷ اور بیہقی ج ۸ ص ۸۰۔۸۱۔۹۷ نے از طرق عبد اللہ بن وہب روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: بطور سند یہ حدیث ضعیف ہے تاہم ائمہ کی بڑی تعداد کا اس حدیث کو روایت کرنا اس کی صحت کے لیے تقویت کے شواہد ہیں۔ مزید تحقیق اور تخریج کے لیے ملاحظہ کریں: الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۶۵۵۹' بہ تحقیق شیخ شعیب الارناؤوط۔

ﷺ سے روایت کرتے ہیں تو میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی۔[۲۳۸]

(تفصیل کے لیے دیکھئے طبقات ابن سعد جزء ۷ ص ۱۹۶ اور رسول اللہ ﷺ کے غلام سندر کا تذکرہ)

کیا رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس کچھ تحریر فرمایا یا نہیں؟

صحیح البخاری وغیرہ میں صلح حدیبیہ کے قصہ میں ہے کہ جب نبی ﷺ کا قریش سے معاہدہ ہوا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم"۔ سہیل نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا لیکن آپ "باسمک اللھم" لکھیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہی لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے "باسمک اللھم" لکھا، پھر فرمایا: لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا: اگر میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا تو آپ سے جنگ نہ کرتا لیکن آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: محمد رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو۔ انہوں نے کہا: نہیں، بخدا میں آپ کا اسم گرامی نہیں مٹاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے کتاب لی اور اس پر تحریر فرمایا: یہ وہ ہے جس کا فیصلہ محمد بن عبداللہ نے فرمایا ہے۔[۲۳۹]

صحیح البخاری کی بعض احادیث کے الفاظ ہیں: آپ نے لکھا اور آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے۔[۲۴۰]

ان الفاظ کے ظاہر سے امام ابوالولید الباجی نے یہ استدلال کیا ہے اور اس پر جزم کیا ہے کہ آپ نے بہ نفس نفیس لکھا ہے۔ حافظ ابن دحیہ نے "خصائص القطب الخیضری" کی روایت کے مطابق ذکر کیا ہے کہ علماء کی

---

[۲۳۸] احمد ج ۲ ص ۱۴، ابوداؤد: ۱۵۶۸، بیہقی ج ۴ ص ۸۸ از طریق عبداللہ بن محمد بن نفیلی از سفیان بن حسین از زہری از سالم از ابن عمر رضی اللہ عنہما مطولاً۔

ترمذی: ۶۲۱، از طریق زیاد بن ایوب البغدادی، ابراہیم بن عبداللہ الہروی، محمد بن کامل المروزی۔

دارمی ج ۱ ص ۳۸۲، ابویعلیٰ: ۵۴۷۰، از طریق عباد بن عوام از سفیان از حسین بہ ایں اسناد۔ حاکم (ج ۱ ص ۳۹۲۔۳۹۳) نے اس کو صحیح کہا ہے، ذہبی بھی حاکم کے ہم نوا ہیں۔

احمد ج ۲ ص ۱۵، ابوداؤد: ۱۵۶۹، بیہقی ج ۴ ص ۸۸، از طریق محمد بن یزید الواسطی۔

دارمی ج ۱ ص ۳۸۲۔۳۸۳، از طریق ابراہیم بن صدقہ، ابواسحاق الفزاری از سفیان بن حسین از زہری، ابن خزیمہ (ج ۴ ص ۱۹، رقم الحدیث: ۲۲۶۷) نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ابن ماجہ: ۱۷۹۸، بیہقی ج ۴ ص ۸۸، از طریق عبدالرحمن بن مہدی، سلیمان بن کثیر، ابن شہاب زہری۔ صحیح بخاری: ۱۴۴۸، نسائی ج ۵ ص ۸، ابن ماجہ: ۱۸۰۰، احمد ج ۱ ص ۱۱۔۱۲ اور ابویعلیٰ: ۱۲۷۔ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح اس کی شاہد ہے۔ (یہاں مخرج علی محمد دندل نے زہری اور سفیان بن حسین پر نسائی، ابن عدی، ابن حبان، بیہقی اور عقیلی وغیرہ کی جرح نقل کی ہے۔ مترجم)

[۲۳۹] حسن حدیث، الاصابہ: ۷۹۶۴ کے مطابق اس روایت کو بخاری نے "تاریخ" میں اور ابن سعد نے "الطبقات" ج ۷ ص ۱۹۶ میں مسلم بن حارث سے روایت کیا ہے۔

[۲۴۰] صحیح البخاری: ۲۷۳۱۔۲۷۳۲، احمد ج ۴ ص ۳۲۸۔۳۳۱، از مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ۔

ایک جماعت اس بارے میں ان سے متفق ہے جن میں ان کے شیخ ابوذر الھروی' ابوالفتح نیشاپوری اور افریقہ وغیرہ کے علماء کی جماعت شامل ہے۔

لیکن اس معاملہ میں سبقت کا شرف عمر بن شبہ کو حاصل ہے' سب سے پہلے انہوں نے اپنی کتاب ''الکتاب'' میں کہا کہ نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ کے دن اپنے ہاتھ سے لکھا۔

علامہ الباجی اور ان کے موافقین نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن ابی شیبہ کی مجاہد از عون بن عبد اللہ کے طریق سے یہ روایت ہے' عون نے کہا: نبی ﷺ کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ نے لکھا اور پڑھا۔[۲۴۱] مجالد نے کہا: میں نے شعبی سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اس نے سچ کہا' ہم نے ایک جماعت سے اسی طرح سنا ہے۔[۲۴۲]

''فیض القدیر'' میں حدیث: قلم اپنے کان پر رکھو کیونکہ یہ لکھنے والے کو زیادہ یاد دلانے والا ہے' پر بحث میں ہے: قاضی نے حدیبیہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ اچھی طرح کتابت نہ کرنے کے باوجود آپ نے لکھا' پھر انہوں نے علامہ الباجی کے مذہب اور اس کا معارضہ کرنے والوں کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ کامیابی علامہ الباجی کے لیے ہے کیونکہ اُمّی ہونا لکھنے کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ نفی نزول قرآن سے پہلے عرصہ کی مقتضی ہے اور جب آپ ﷺ کا امی ہونا ثابت ہوگیا اور آپ کا معجزہ متحقق ہوگیا تو پھر آپ کو کتابت کا علم عطا ہونا آپ کا ایک اور معجزہ ہوگا اور اس میں کوئی مانع نہیں اور ابن ابی شیبہ نے عون سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کا وصال نہ ہوا یہاں تک کہ آپ نے لکھا اور پڑھا۔

''الفیض'' میں علامہ مناوی کا کلام' ''سراج المریدین'' میں مذکور قاضی ابوبکر بن العربی کے کلام کی تلخیص ہے' انہوں نے وہاں بحث کرتے ہوئے علامہ الباجی کے خلاف علماء مغرب کے طرزِ عمل کی مذمت کی اور اس سلسلہ میں بقی بن مخلد اور محمد بن موہب کی مثال دی کہ جب یہ حضرات حصول علم کے سفر کے بعد اپنے شہر میں آئے تو اس قدر علم و فضل کے حصول پر بہ طور حسد ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اسی طرح علامہ ابوالولید الباجی کا معاملہ ہے انہوں نے حصولِ علم کے لیے سفر کیا' بہت دور تک گئے' بڑا علم جمع کیا اور ان پر صحیح البخاری کی قرأت کی گئی' جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے ''مٹایا اور لکھا'' ان سے کہا گیا کہ ''اس نے لکھا'' سے کون مراد ہیں؟ کہا نبی ﷺ؟ کہا گیا کہ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا؟ جواب دیا: جی ہاں' کیونکہ حدیث میں ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے کتاب لی اور آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے' پھر آپ نے لکھا: یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا ہے۔

علامہ الباجی کی اس تقریر پر مخالفین نے ان پر الزام لگائے ان کو جھوٹا قرار دیا اور ان کے استدلال کو نا قابل التفات قرار دیا اور ایک جاہل کو ان کے پیچھے لگا دیا' ابومحمد عبداللہ بن ابی عصام نے مجھ سے مسجد الاقصیٰ میں بیان کیا کہ میں نے اس نام نہاد قاری کو جامع مسجد میں چیختے دیکھا وہ علامہ باجی کی بے دینی اور گمراہی کا اعلان کر رہا تھا۔

۲۴۱ مرسل ضعیف حدیث' حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۷ میں اس کے ضعف کا اشارہ کیا ہے۔

۲۴۲ فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۷ ...

لیکن امیر (حکمران) نے احتیاط سے کام لیا اور فقہاء کو بلا کر ان کی رائے لی سب نے اس قول کے کفر ہونے پر اتفاق کیا۔ لیکن علامہ باجی نے دلائل سے ان پر غلبہ پا لیا اور امیر سے کہا: یہ جاہل ہیں، آپ عالم اسلام میں علماء کو لکھیں اور ان کی رائے طلب کریں، امیر نے افریقہ، صقلیہ وغیرہ کے علماء کو لکھا، ان کی طرف سے جواب آیا: اگر حضور ﷺ نے امی ہونے کے باوجود لکھا تو یہ آپ کا معجزہ ہے، اس پر کسی کو مطعون نہ کیا جائے۔ کیونکہ قائلین نے حضور ﷺ کی امیت کے تحقق کے بعد آپ کے معجزہ کی شہادت دی ہے، علماء اسلام نے علامہ باجی کی موافقت کی اور ان پر طعن نہ کیا۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ ابن العربی کی یہ تقریر میرے پاس موجود قلمی نسخے میں ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی موجود ہے۔

علامہ برھان بن فرحون کی "الدیباج المذھب" میں علامہ باجی کے تذکرہ میں ہے جس نے علامہ باجی کے نقطۂ نظر کا انکار کیا اور ان کو کافر قرار دیا وہ ابوبکر بن الصائغ الزاہد ہے، علامہ ابن فرحون نے کہا: اس موضوع پر ان لوگوں نے گفتگو کی جنہوں نے علامہ باجی کے کلام کو سمجھا ہی نہیں یہاں تک کہ ان پر لعنت کا اطلاق کر دیا۔ علامہ باجی نے یہ دیکھ کر "تحقیق المذھب" نامی رسالہ لکھا اور اس میں ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی جو اس مسئلہ کو سمجھنا چاہتے ہوں، انہوں نے یہ بتایا کہ بطور معجزہ رسول اللہ ﷺ کے لیے کتابت اور قرأت (لکھنا اور پڑھنا) کو ثابت کرنا لائق ملامت نہیں ہے بلکہ لائق تحسین ہے۔ محققین علماء نے ان کی ژرف نگاہی کی موافقت کی، انہوں نے صقلیہ کے مشائخ کو اپنی تحقیق روانہ کی تو انہوں نے ابن الصائغ کی رائے کو مسترد کر دیا اور علامہ ابو الولید الباجی کی رائے کی موافقت کی۔[۲۴۳]

حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں علامہ الباجی کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ جب علامہ الباجی نے اس موضوع پر رسالہ لکھا کہ بطور معجزہ حضور ﷺ کے لیے لکھنے اور پڑھنے کا اثبات قابل اعتراض نہیں ہے تو علماء کی ایک جماعت نے اپنے سابقہ مسلک سے رجوع کر لیا۔ پھر کہا: جو شخص فقط اپنا نام لکھ لے وہ ناخواندہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا اسے کوئی کاتب نہیں کہتا۔ بادشاہوں کی بڑی جماعت ایسی بھی گزری ہے جو علامات سے الفاظ کو پہچان لیتے تھے، حالانکہ وہ ناخواندہ تھے۔ حکم عموم پر لگایا جاتا ہے، نادر صورتیں اس سے مستثنیٰ ہوتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ہم اُمّی (ناخواندہ) امت ہیں۔ یعنی اکثریت ایسی ہے ورنہ صحابہ کرام میں بعض حضرات لکھنے پڑھنے والے بھی موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ. (الجمعہ:۲) وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والے) رسول کو بھیجا۔

---

۲۴۳ حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ج ۷ ص ۵۷۵۔۵۷۶ میں نبی ﷺ کے لیے کتابت اور قرأت کے ثبوت پر مبنی موقف کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ان احادیث میں مذکور واقعہ ایک ہی ہے اور وہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے اس میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صراحت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کاتب تھے، پوری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے، صرف اپنا اسم گرامی لکھ لینا آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ بہت سے ایسے بادشاہ بھی گزرے ہیں جو ان پڑھ ہونے کے باوجود اپنا نام لکھ لیتے تھے۔ الخ

علامہ ذہبی کا کلام بے غبار اور قابل قدر ہے۔

امام ذہبی نے "التذکرہ"[۲۴۴] (الجزء۲ص۳۵) میں ابن مندہ کے تذکرہ میں اپنی سند کے ساتھ از عون بن عبد اللہ بن عتبہ از والد خود یہ روایت نقل کی ہے ان کے والد نے کہا: نبی ﷺ کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ نے پڑھا اور لکھا[۲۴۵] اس کے بعد علامہ ذہبی نے کہا: نبی ﷺ کے معمولی لکھنا سیکھنے کے جواز سے کیا چیز مانع ہے؟ باوجودیکہ آپ اُمی تھے اور لکھنا نہیں جانتے تھے' شاید بکثرت وحی کی کتابت' سنن کی کتابت اور بادشاہوں کی طرف خطوط لکھوانے سے آپ لکھنا پہچانتے ہوں' اسے سمجھتے ہوں اور ایک دو الفاظ لکھ لیتے ہوں جیسا کہ آپ نے حدیبیہ کے دن اپنا اسم گرامی (محمد بن عبد اللہ ﷺ) لکھا' اس قدر لکھنا آپ کو اُمی ہونے سے نہیں نکالتا' جیسا کہ بہت سے بادشاہ ناخواندہ تھے مگر علامت لکھ لیتے تھے۔ (التذکرہ)[۲۴۶]

لیکن علامہ ذہبی کی یہ تقریر ان حضرات کے لیے بڑا دھچکا ہے جو حضور ﷺ کے لکھنے کو معجزہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ ابن العربی کا نقطۂ نظر گزر چکا ہے۔ ابن العربی کے بعد علامہ ابن الجوزی نے "المشکل" میں کہا ہے کہ کتابت کا آپ کے دست مبارک سے جاری ہونا جب کہ آپ بخوبی لکھنا نہ جانتے تھے آپ کے معجزہ کی طرح ہے۔ اور یہ چیز آپ کے اُمی ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ آپ نے اپنے دستِ مبارک کو حسنِ کتابت کے لیے حرکت نہیں دی تھی' بلکہ آپ نے لکھا اور مکتوب درست نکلا۔

ابن بادیس نے "الفرائد" میں اس کے بعد کہا ہے: یہ اچھی تاویل ہے اس سے دونوں مذاہب یکجا ہو گئے ہیں اور حدیث میں تناقض بھی نہیں آیا۔

ابن التلمسانی نے "شرح الشفاء" میں علامہ الباجی کا مذہب ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اہل حق نے ان کے اس قول کی تصویب کی کہ آپ کا ایک مرتبہ لکھنا آپ کے امی ہونے کے معجزہ کے خلاف نہیں ہے۔ صحیح البخاری میں عمرۃ القضاء کے باب میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے مکتوب کو لیا پھر لکھا۔ علامہ القرطبی نے "مختصر" میں کہا ہے کہ حدیث کا جملہ "آپ نے مکتوب کو لیا' پھر لکھا" اس کی قوی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے بہ نفس نفیس تحریر فرمایا' علماء کی ایک جماعت نے اس ارشادِ الٰہی سے استدلال کرتے ہوئے آپ کے لکھنے کا انکار کیا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ. (العنکبوت:۴۸)

اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔[۲۴۷]

---

۲۴۴ تذکرۃ الحفاظ ج۳ص۱۱۸۱۔۱۱۸۲۔

۲۴۵ ضعیف مرسل حدیث' تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۷۴۲۔

۲۴۶ تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۷۴۲' حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج۷ص۵۰۵۔۵۰۶ میں اس مسئلہ میں ذہبی کا رد کیا ہے۔

۲۴۷ حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت لکھا ہے یعنی اے محمد! تم نزول قرآن سے قبل ان میں ایک مدت گزار چکے ہو' آپ کتاب پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے بلکہ آپ کی قوم اور دوسرے لوگ جانتے ہیں کہ آپ اُمی ہیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے' آپ کی یہی صفت گزشتہ کتب میں مذکور ہے' ارشاد ہے:

الذین یتبعون الرسول......... عن المنکر.

جو اس رسول نبی' اُمی (لقب والے) کی پیروی کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برائی سے روکتے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

علامہ قرطبی کہتے ہیں: اس آیت میں انکار کی دلیل نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ میں جس لکھنے کی نفی ہے وہ بذریعہ تعلیم لکھنا ہے اور یہاں بطور خارق عادت آپ نے لکھا' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی انگلیوں پر لکھنا جاری فرمادیا حالانکہ آپ نے کسی سے اچھا لکھنے کی تعلیم حاصل نہیں کی اور یہ آپ کی نبوت کی صحت کی ایک اور دلیل ہے'
مؤلف کہتے ہیں: سب سے اچھی توجیہ وہی ہے جسے امام ذہبی نے ابن مندہ کے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔

فائدہ

علامہ المقریزی کی ''الخطط'' میں ہے کہ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کی اولاد کے لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس نبی ﷺ کا مکتوب لائے جس میں آپ نے ان کو الجریدہ میں جاگیر کا پروانہ دیا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مکتوب گرامی کو چوما' اسے کھولا اور اپنی آنکھوں پر ملا۔ (الخطط جزء ا ص ۱۵۵' مطبوعہ مصر)

رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کی ساخت' نقش اور اس کے نگران کا بیان

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ آپ کا خط بالکل نہیں پڑھیں گے جب تک اس پر مہر نہ ہوگی' تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گویا کہ میں آپ کے ہاتھ میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں۔[۲۴۸] ترمذی نے ''شمائل'' میں یہ حدیث نقل کی ہے۔
بلکہ صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ کی انگوٹھی پر تین سطریں نقش تھیں: پہلی سطر میں محمدؐ' دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ نقش تھا۔[۲۴۹]
المہلب نے کہا: نبی ﷺ مختلف علاقوں کے حکمرانوں کی طرف مکتوبات' عاملوں کے جوابات اور لشکر کے

(بقیہ حاشیہ: ۲۴۷) رسول اللہ ﷺ ہمیشہ امی ہی رہے' لکھتے نہیں تھے' آپ کے کاتب تھے جو وحی لکھتے اور مختلف علاقوں میں خطوط روانہ کرتے۔ متاخرین فقہاء میں سے قاضی ابوالولید الباجی وغیرہ کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے روز یہ جملہ تحریر فرمایا: ''ھذا ما قضی علیہ محمد بن عبد اللہ '' صحیح نہیں ہے' ان کو یہ مغالطہ صحیح البخاری کی روایت کے الفاظ ''ثم اخذ یکتب '' سے ہوا ہے' یہ جملہ دوسری روایت پر محمول ہے جس میں ''ثم امر فکتب '' کے الفاظ ہیں' اسی لیے مشرق و مغرب کے کثیر فقہاء نے علامہ باجی وغیرہ کا سخت رد کیا ہے' ان سے برأت کا اظہار کیا' اپنے اشعار اور خطبوں میں اس کی تردید کی' واضح رہے علامہ باجی وغیرہ کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اگرچہ لکھنا نہیں جانتے تھے مگر آپ نے بطور معجزہ لکھا۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے دجال کے بارے میں فرمایا ہے: اس کی آنکھوں کے درمیان کافر یا ایک روایت کے مطابق ک۔ف۔ر لکھا ہوگا۔ جسے ہر مومن پڑھے گا' بعض حضرات کا یہ حدیث بطور استدلال پیش کرنا کہ آپ وصال سے پہلے لکھنا جان چکے تھے' ضعیف بے اصل ہے۔ سورۃ العنکبوت کی مذکورہ آیت اس کی تردید کر رہی ہے۔ الخ

۲۴۸ صحیح حدیث' مصنف عبد الرزاق: ۱۹۴۶۵' بخاری: ۵۸۷۵' مسلم: ۲۰۹۲' نسائی ج ۸ ص ۱۷۲۔۱۷۳' ابوداود: ۴۲۱۴' ترمذی ''الشمائل'' ۸۹' ابن سعد ''الطبقات'' ج ا ص ۴۷۵' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۲۴۹ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۳۱۰۶' ۵۰۰۴۔۵۸۷۸۔۵۹۲۱' ترمذی ''سنن'': ۱۷۴۷' الشمائل: ۸۶' ابن سعد ''الطبقات'' ج ا ص ۴۷۴' ۴۷۵' ابوالشیخ ''اخلاق النبی ﷺ'' ص ۱۳۲' ابن حبان ۱۴۱۲' البغوی ''شرح السنۃ'': ۳۱۳۶' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

سالاروں کی طرف خطوط میں اس سے مہر لگاتے تھے۔

"اوائل السیوطی" میں ہے کہ قریش اور اہل حجاز میں سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے خطوط پر مہر لگائی جب آپ نے بادشاہوں کی طرف خطوط روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا: وہ بغیر مہر کا خط نہیں پڑھتے۔

رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کے نگران

علامہ الشبر املسی نے "حواشی المواهب" میں اس قول پر کہ جب نبی ﷺ انگوٹھی اتارتے تو وہ کس کی نگرانی میں رہتی اور بوقت ضرورت آپ کی خدمت میں پیش کر دی جاتی تھی، کہا ہے کہ امام بخاری نے تاریخ میں از طریق محمد بن یسار از ایاس بن الحارث بن معیقیب از جدِ خود معیقیب رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی تھی اس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا، بسا اوقات وہ میرے ہاتھ میں ہوتی، حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کے نگران تھے۔[۲۵۰]

"الاصابہ" میں ہے حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیت المال کے اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کے نگران رہے۔[۲۵۱]

ابن عبد ربہ کی "العقد الفرید" میں ہے: نبی ﷺ اپنی انگوٹھی اکثم بن صیفی الاسدی کے بھتیجے حنظلہ بن ربیع بن صیفی رضی اللہ عنہ کے پاس رکھتے تھے۔ (جزء ۴ ص ۱۲۲) اسی کتاب کے ص ۱۶۷ پر ہے: حضور ﷺ کی انگوٹھی کے نگران حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ گزشتہ سطور میں مذکور ہوا۔

انگوٹھی کی عدم موجودگی میں نبی ﷺ کا معمول

"الاصابہ" میں عبد الملک بن اکیدر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ کے لیے خط لکھا گیا آپ کے پاس انگوٹھی نہیں تھی تو آپ نے اپنے ناخن سے مہر لگا دی۔[۲۵۲]

"الاصابہ" ہی میں حضرت وہب بن اکیدر دومہ کے تذکرہ میں ہے: ابن عساکر نے اپنے طریق سے روایت کیا ہے حضرت وہب نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مکتوب لکھا آپ کے پاس آپ کی انگوٹھی نہ تھی تو آپ نے گیلی مٹی سے مہر لگا دی۔[۲۵۳]

---

۲۵۰ صحیح حدیث، ابوداود: ۴۲۰۶، نسائی ج ۸ ص ۱۷۵، طبرانی "الکبیر" ج ۲۰ ص ۳۵۱، ۸۳۱ از معیقیب رضی اللہ عنہ۔

۲۵۱ الاصابہ: ۸۱۶۴، الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۴ ص ۴۷۶۔۴۷۷۔

۲۵۲ ضعیف حدیث، الاصابہ: ۵۲۵۶ کے مطابق اسے ابن مندہ نے "الصحابۃ" میں از طریق موسیٰ بن نصر بن سلام از عمرو بن محمد بن الحسین از یحییٰ بن وہب بن عبد الملک بن اکیدر از والد خود از جدِ خود روایت کیا ہے۔

یحییٰ بن وہب کلبی ہے ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" ج ۹ ص ۱۹۴ میں سے مجہول کہا ہے۔ "المیزان" ج ۴ ص ۴۱۳ میں ذہبی نے بھی یہی کہا ہے۔

۲۵۳ ضعیف حدیث، الاصابہ: ۹۱۸۹ میں ہے: اسے ابن عساکر نے از طریق عمرو بن محمد بن الحسن بن عمرو بن یحییٰ بن وہب از والد خود از جد خود روایت کیا ہے اور اس میں یحییٰ بن وہب مجہول ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: اس سے علامہ قلقشندی کی ''صبح الاعشیٰ'' میں علامہ ثعالبی کی ''لطائف المعارف'' سے منقول اس قول کی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکتوب پر مہر کے لیے گیلی مٹی کو استعمال کیا۔[۲۵۴]

نبی ﷺ کی انگوٹھی سے متعلقہ مسائل

رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی جب سونے کا (مردوں کے لیے) استعمال مباح تھا' پھر اسے پھینک دیا اور اس میں رجوع نہ فرمایا (واپس نہ لی)۔[۲۵۵] آپ کی انگوٹھی چاندی کی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[۲۵۶] حبشی سنگ سلیمان یا عقیق ہے ان کی کانیں حبشہ اور یمن میں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اسے حبشی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نگینہ کالا تھا۔ صحیح بخاری (رقم: ۵۸۷۰) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کی انگوٹھی کا نگینہ چاندی کا تھا۔ اس حدیث میں چاندی کی انگوٹھی میں چاندی ہی کے نگینے کا جواز نکلتا ہے' البتہ سونے کا نگینہ مکروہ ہے۔ ابوداؤد اور نسائی کی حدیث ہے: آپ کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔[۲۵۷] اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی متعدد انگوٹھیاں تھیں۔

صحیح البخاری میں ہے: آپ کی انگوٹھی کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا۔ اس حدیث سے انگوٹھی کے نقش اور اس پر انگوٹھی والے اور اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے نقش کرنے کا جواز معلوم ہوا۔

زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش ''نعم القادر اللہ'' تھا' دوسروں نے کہا: ان کی انگوٹھی کا نقش ''عبد ذلیل لرب جلیل'' تھا۔[۲۵۸]

''طبقات ابن سعد'' میں ابن سیرین سے مرسلاً مروی ہے کہ نبی ﷺ کی انگوٹھی کا نقش ''بسم اللہ محمد رسول اللہ'' تھا کسی اور محدث نے یہ اضافہ روایت نہیں کیا' ابوالشیخ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

---

۲۵۴ گذشتہ دو روایات کی تخریج کے مطابق یہ قول صحیح مستند نہیں ہے۔

۲۵۵ صحیح حدیث' اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی' لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں' آپ نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا: میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا' پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی' اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھا' اس میں محمد رسول اللہ نقش تھا' وصال تک یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں رہی۔ صحیح البخاری: ۵۸۶۵۔۵۸۶۶۔۵۸۷۳۔۵۸۷۶۔۶۶۵۱' مسلم: ۲۰۹۱' ابوداود: ۴۲۱۹۔۴۲۲۰' ترمذی: ۱۷۴۱' ''الشمائل'' ج ۸ ص ۱۷۸۔۱۹۴۔۱۹۵' ابن حبان: ۵۴۹۴' ابوالشیخ ''اخلاق النبی ﷺ'' ص ۱۳۱' بغوی شرح السنۃ: ۳۱۲۹' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

۲۵۶ مسلم: ۲۰۹۴ (۶۱۔۶۲) از انس بن مالک رضی اللہ عنہ' علامہ نووی نے شرح مسلم ج ۶ ص ۲۵۸ میں کہا ہے: علماء کے بقول اس انگوٹھی کا نگینہ حبشی پتھر یعنی جزع یا عقیق کا تھا' کیونکہ ان کی کانیں یمن اور حبشہ میں ہیں' یا یہ کہ نگینہ کالا تھا۔

۲۵۷ صحیح حدیث' قبل ازیں اس کی تخریج معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۲۵۸ کسی اسناد صحیح یا ضعیف سے اس کا ثبوت نہیں ملا۔ واللہ اعلم

میں ہے:"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ "نقش تھا۔[۲۵۹] حافظ سیوطی نے"التوشیح علی الجامع الصحیح"میں کہا ہے: یہ زیادتی شاذ ہے۔

صحیح البخاری میں ہے: نقش کی صورت یہ تھی کہ پہلی سطر میں محمد' دوسری میں رسول اور تیسری میں اللہ نقش تھا۔ علامہ اسنوی نے"المهمات"میں کہا ہے: میری یادداشت کے مطابق نیچے سے اوپر کی جانب پڑھا جاتا تھا' (پہلی سطر میں محمد درمیانی میں رسول اور بالائی سطر میں اللہ نقش تھا) تاکہ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی سب سے اوپر ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: میں نے احادیث میں اس کی تصریح نہیں دیکھی۔

صحیحین وغیرہ[۲۶۰] میں ہے: اس بات کی ممانعت ہے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کی انگوٹھی کے نقش جیسا نقش اپنی انگوٹھی پر بنوائے۔ اور اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے انگوٹھی اور اس پر نقش' مکتوبات پر مہر لگانے کے لیے تیار کروائے' اگر دوسرا بھی ایسا نقش بنوالے تو خلل اور خرابی واقع ہوگی۔

"التوشیح"میں ہے: یہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ مخصوص ہے۔"الدیباج"میں ہے: یہ نہی تحریمی ہے تاقیامت ہمیشہ رہے گی' بظاہر ایسا نہیں ہے۔

صحیحین میں ہے: آپ انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے تاکہ زیب و زینت کا حصول نہ ہو اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی پشت کی طرف رکھتے تھے[۲۶۱] روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں شاید آپ نے کبھی کبھار بیان جواز کے لیے ایسا عمل کیا۔ مروی ہے کہ انگوٹھی آپ کے دائیں ہاتھ میں ہوتی تھی[۲۶۲] دوسری احادیث میں بائیں ہاتھ کا ذکر ہے۔[۲۶۳]

سن اور تاریخ کا تعین اور اس کی اصل

مشہور ہے کہ سن اور تاریخ کا تعین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کیا اور اس کی ابتداء نبی ﷺ کی ہجرت سے کی۔ لیکن ابوجعفر بن النحاس نے اپنی کتاب"صناعة الكتابة"میں اور ان سے علامہ القلقشندی نے"صبح الاعشی"(جزء سادس ص ۲۴۰) میں محمد بن جریر کی روایت نقل کی ہے' محمد بن جریر نے اپنی سند سے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے ربیع الاول کا مہینہ تھا آپ نے تاریخ لکھنے کا حکم فرمایا۔[۲۶۴] علامہ قلقشندی نے کہا: اس روایت کی رو سے تاریخ کی ابتداء ہجرت کے واقعہ سے ہوئی۔

---

۲۵۹ مرسل ضعیف حدیث۔

۲۶۰ بخاری: ۵۸۷۴۔۵۸۷۷' مسلم: ۲۰۹۲' احمد ج ۳ ص ۱۸۷۔ ۲۹۰' عبد الرزاق: ۱۹۴۶۵' ترمذی: ۱۷۴۵' نسائی ج ۸ ص ۱۷۶۔۱۹۳' ابو یعلیٰ: ۳۸۹۶۔۳۸۳۶' ابن حبان: ۵۴۹۷' بیہقی"السنن"ج ۱۰ ص ۱۲۸' بغوی"شرح السنة": ۳۱۴۷' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۲۶۱ خاصی تلاش کے باوجود سنن ابی داؤد میں مجھے یہ روایت نہیں ملی۔

۲۶۲ صحیح حدیث' ابوداؤد: ۴۲۲۶' ترمذی"الشمائل": ۹۰' نسائی ج ۸ ص ۱۷۴' ابن حبان: ۵۵۰۱' ابوالشیخ"اخلاق النبی ﷺ"ص ۱۲۶' از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

۲۶۳ صحیح حدیث' ابوداؤد: ۴۲۲۷' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ صحیح یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک ہاتھ میں انگوٹھی پہننا درست ہے۔

۲۶۴ ضعیف معضل' اسے حاکم نے الاکلیل میں روایت کیا ہے۔ معضل' ضعیف کی ایک قسم ہے۔

''المواھب'' میں ہے: حضور ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا تو یہ ہجرت سے لکھی گئی۔

زرقانی فرماتے ہیں: یہ حدیث حاکم نے ''الاکلیل'' میں زہری سے معضل روایت کی ہے۔ مشہور قول اس کے خلاف ہے' سن اور تاریخ کا تعین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں: میں نے مجموع میں ابن القماح کے خط میں ابن الصلاح کی یہ روایت دیکھی ہے کہ انہوں نے کہا: ابوطاہر محمد بن محمش الزیادی نے ''تاریخ الشروط'' میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے تاریخ رقم فرمائی جب آپ نے نجران کے نصاریٰ کو مکتوب گرامی لکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مکتوب کی کتابت کے وقت حکم دیا کہ لکھو یہ خط پانچ ہجری کو لکھا گیا۔[۲۶۵] اس صورت میں تاریخ اور سن کا تعین فرمانے والے رسول اللہ ﷺ ہوں گے اور حضرت عمر آپ کے پیروکار۔

علامہ سیوطی نے کہا ہے: میں نے اس مسئلہ میں اپنے مختصر رسالہ ''الشماریخ فی علم التاریخ'' میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

علامہ السخاوی فرماتے ہیں: اگر یہ ثابت ہو جائے (کہ ہجری تقویم کا آغاز رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا تھا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجری تقویم کے بانی نہیں ہوں گے بلکہ پیروی کرنے والے ہوں گے۔

امام سہیلی نے ''الروض الانف'' (جزء۲ص۱۱) میں کہا ہے: مسجد قباء کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے دارالہجرت (مدینہ منورہ) میں تشریف لانے کے پہلے دن پڑی۔ اور ارشادِ الٰہی ہے: **مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ** . (التوبہ:۱۰۸)

حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ سب دنوں سے پہلا دن نہ تھا۔ ظاہر لفظ میں ایسی کوئی اضافت بھی نہیں ہے۔ اس میں یہ فقہ ہے کہ صحابہ کرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت تاریخ کے بارے میں مشورہ کے وقت جس تقویم پر متفق ہوئے وہ صحیح ہے۔ یہ حضرات ہجرت کے سال سے تاریخ کے تعین پر متفق ہوئے کیونکہ یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی' نبی ﷺ کی حکمرانی قائم ہوئی' آپ نے مساجد کی بنیاد رکھی اور حسب منشاء امن و اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ صحابہ کرام کی رائے ظاہر تنزیل کے موافق ہو گئی اور اس سے ہم نے ارشادِ باری تعالیٰ ''من اول یوم'' کا مفہوم سمجھ لیا کہ اس دن سے تاریخ کا وہی پہلا دن مراد ہے جسے ہم اسلامی تقویم میں تحریر کرتے ہیں۔

اگر صحابہ کرام نے تاریخ کا تعین اس آیت کریمہ سے مستنبط کیا ہے تو یہ عین ممکن ہے کیونکہ وہ کتاب اللہ اور اس کی تاویل (مراد) کے سب لوگوں سے زیادہ عالم تھے اور قرآنی اشارات اور صاف اور واضح ارشادات کو سب سے زائد سمجھنے والے تھے' اگرچہ تاریخ اور سن کے تعین میں انہوں نے رائے اور اجتہاد سے کام لیا لیکن اس سے قبل ان کو علم تھا اور ان کی اس کارروائی سے پہلے اس کی صحت کے اشارے موجود تھے۔ کیونکہ کسی کا یہ کہنا کہ میں نے پہلے دن یہ کام کیا ہے اس وقت درست ہوتا ہے جب اس کا سال اور مہینہ اور تاریخ معلوم ہو۔ لیکن اس آیت کریمہ میں

۲۶۵۔ ضعیف حدیث۔

معنوی اضافت صرف اسی معلوم تاریخ کے ساتھ ہے' کیونکہ اس تاریخ کے علاوہ کوئی لفظ یا حالی قرینہ موجود نہیں ہے۔اس بحث کو بار بار غور سے پڑھیں کہ اس میں صاحب بصیرت کے لیے بڑی دلیل ہے۔ الحمد للہ

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس تقریر کا خلاصہ نقل کیا ہے اور اس کے بعد کہا ہے کہ انہوں نے اسی طرح کہا ہے لیکن "من اول یوم" سے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ اس دن کے متعلق ہے جس روز نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

ابن المنیر نے کہا: علامہ سہیلی کا کلام سراسر تکلف' حد سے تجاوز اور متقدمین کے معیار سے خروج ہے' انہوں نے اول یوم سے وہی دن مراد لیا ہے جس میں مسجد قبا کی بنیاد رکھی گئی' عربیت اور آیت کریمہ اسی کی مقتضی ہیں۔

مؤلف کہتے ہیں: علامہ سہیلی کے کلام کا ماخذ ظاہر ہے' اس سے حاصل کردہ نتائج واضح ہیں' جن لوگوں نے ان کے استدلال کو بدمزہ پایا ہے اسے ناقابل التفات بلکہ قابل تردید جانا ہے انہوں نے گویا اس کا مزہ نہیں چکھا اور استدلال کی گہرائی اور گیرائی پانے سے محروم رہے۔ اگر آپ بنظر انصاف غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حق نابینا (امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نابینا تھے) کے ساتھ ہے' آنکھوں والوں کے دلائل میں نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شہاب الملۃ والدین علامہ خفاجی نے "عنایة الراضی و کفایة القاضی" میں اس پر پسندیدگی کا اظہار کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ سو تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کون زیادہ سیدھی راہ پر ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۴)

اسلامی تقویم کی ابتداء کے لیے حضور ﷺ کی ولادت اور بعثت کے وقت کی بجائے ہجرت کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ ولادت اور بعثت مبارکہ کے وقت میں ان کا اختلاف تھا لیکن ہجرت کے وقت میں ان میں اختلاف نہ تھا' وقت وصال بھی اگرچہ متفق علیہ تھا لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ ایسے وقت سے تقویم کی ابتدا نہ ہو کیونکہ یہ غم واندوہ کا وقت ہے۔ بخلاف ہجرت کے کہ وہ وقت ملت اسلام کی استقامت کا وقت ہے اور باعث برکت ہے۔

اسلامی تقویم کی ابتداء محرم سے کی گئی کسی دوسرے مہینہ سے نہیں کہ محرم شهر الله (اللہ کا مہینہ) ہے اور حرمت والے مہینوں (رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم) میں سے ہے' اس ماہ مبارک میں لوگ سفر حج سے واپس لوٹتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سفیر

یہ باب چند فصول پر مشتمل ہے۔

فصل: نبی ﷺ کے سفیر' کامل العقل' فصیح اللسان اور مخالف کو مسکت دلائل سے قائل کرنے والے تھے

علامہ السہیلی نے "الروض الانف" (جزء ۲، ص ۳۵۵) میں لکھا ہے: جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ قیصر روم کے پاس گئے تو فرمایا: اے قیصر! مجھے اس ذات نے بھیجا ہے جو تم سے بہتر ہے' جسے اس ذات نے رسول مبعوث فرمایا ہے جو ان سے اور تم سے بہتر ہے' تو تم میری بات عاجزی سے سنو پھر اس کا جواب مخلصانہ مشورے سے دو' کیونکہ

اگر تم عاجزی نہیں کرو گے سمجھو گے نہیں' اور اگر تم نے مخلصانہ مشورہ نہ لیا تو انصاف نہیں کر پاؤ گے' قیصر نے کہا: لاؤ کیا ہے؟ حضرت دحیہ نے فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام نماز پڑھتے تھے؟ کہا: ہاں' فرمایا: سو میں تمہیں اس ذات کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کے لیے مسیح نماز پڑھتے تھے' اور میں تمہیں اس ذات کی طرف بلاتا ہوں جس نے اس وقت بھی آسمانوں اور زمین کے نظام کی تدبیر فرمائی جب مسیح ابھی اپنی ماں کے شکم میں تھے اور میں تمہیں اس نبی اُمی (ﷺ) کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کی آمد کی بشارت موسیٰ علیہ السلام نے اور ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور تمہارے پاس اس کے متعلق جو علم موجود ہے وہ اس سلسلہ میں کافی ہے اور اس خبر پر یقین کے لیے اطمینان بخش ہے۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کر لیا تو تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں سرفرازی ہے ورنہ آخرت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور دنیا کا حصہ پالو گے۔ اور جان لو کہ تمہارا ایک مالک و پروردگار ہے جو ظالموں' جابروں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور عظیم نعمتوں کو بدل دیتا ہے۔

قیصر نے مکتوب گرامی کو لیا اسے اپنی آنکھوں اور سر پر رکھا اور بوسہ دیا' پھر کہا: بخدا! میں ہر خط پڑھتا ہوں اور ہر عالم سے سوال کرتا ہوں' میں نے اس مکتوب میں خیر ہی دیکھی ہے تم مجھے مہلت دو تا کہ میں غور کروں کہ مسیح (علیہ السلام) کس کے لیے نماز پڑھتے تھے' مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں آج تمہیں ایسا جواب دوں کہ کل اس سے بہتر جواب دے سکوں اور میں اپنے سابقہ جواب کی وجہ سے نقصان پاؤں' فائدہ نہ پاؤں' تم ٹھہرو یہاں تک کہ میں کسی فیصلہ پر پہنچ سکوں' وہ اسی حال میں رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

"الروض الانف" میں ہے: جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مصر کے بادشاہ المقوقس کے پاس تشریف لے گئے تو اس سے فرمایا: تم سے پہلے ایک آدمی (فرعون ملعون) تھا جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ گمان کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا اور انتقام کی گرفت میں لے کر اسے عبرت ناک سزا دی' دوسرے سے عبرت حاصل کرو' دوسرے تم سے نہ عبرت حاصل کریں' مقوقس نے کہا: لاؤ' حضرت حاطب نے فرمایا: تمہارے پاس دین ہے جسے تم اس سے بہتر کے لیے ہی چھوڑو گے اور وہ دین اسلام ہے' اس کے قبول کرنے والے کے لیے اللہ ماسوا سے کافی ہے۔

بے شک نبی ﷺ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تو قریش نے سب سے زیادہ آپ کی مخالفت کی' یہود آپ کے سب سے بڑے دشمن ہوئے اور نصاریٰ سب سے زیادہ آپ کے قریب ہوئے۔ مجھے زندگی کی قسم! جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کی بشارت دی اور ہم تمہیں قرآن کی طرف اسی طرح دعوت دے رہے ہیں جیسے اہل تورات کو انجیل کی طرف دعوت دی گئی' اور ہر نبی علیہ السلام نے جس قوم کو پایا وہ اس کی امت ہے پس ان پر حق ہے کہ وہ اس نبی کی پیروی کریں' اور آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اس نبی (ﷺ) کا زمانہ پایا ہے' ہم آپ کو دینِ مسیح سے منع نہیں کرتے بلکہ اس کا حکم دیتے ہیں (کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کی اتباع میں نبی ﷺ پر ایمان لائیں)۔[۲۶۶]

۲۶۶ ابن سید الناس ج ۲ ص ۲۶۵-۲۶۶' شرح المواہب ج ۳ ص ۳۴۸-۳۵۰' زاد المعاد ج ۳ ص ۶۹۱-۶۹۲' صحیح السیرۃ النبویہ ص ۳۸۵' نصب الرایۃ ج ۴ ص ۴۲۱-۴۲۲ اسے واقدی سے منسوب کیا گیا ہے۔

حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ لے کر المنذر بن ساوی کے پاس پہنچے تو فرمایا: اے منذر! تم دنیا میں عظیم ہو آخرت میں ذلیل ورسوانہ ہونا' مجوسیت میں اہل عرب کے نزدیک عزت و کرامت نہیں' یہ ان خواتین سے نکاح کرتے ہیں جن سے نکاح کرنا باعث شرم ہے اور ایسی چیزیں کھاتے ہیں جس سے طبیعت کراہت کرتی ہے' دنیا میں آگ کی عبادت کرتے ہیں جو قیامت کے دن ان کو کھائے (جلائے) گی' آپ عقل مند اور صاحب رائے شخص ہیں کیا یہ مناسب ہے کہ جس شخص کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اس کی تصدیق نہ کی جائے' اور جس سے خیانت نہ کی جا سکے اس سے امانت داری بھی نہ کی جائے؟ اور جس سے وعدہ خلافی نہ کی جائے اس پر اعتماد بھی نہ کیا جائے؟ اگر یہ بات اسی طرح ہے تو یہ وہ نبی اُمّی ہیں کہ اگر وہ کسی چیز کا حکم دیں تو عقل مند کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ وہ کہے: کاش! وہ اس کا حکم نہ دیتے یا اس کام سے منع نہ فرماتے' یا کسی کی گرفت پر وہ کہے کہ کاش وہ اس کے زائد عفو و درگذر کرتے یا اس کی سزا میں کمی کر دیتے' یہ تمام باتیں عقل مندوں کی آرزوئیں اور اہل بصیرت کے لیے لمحہ فکریہ ہیں۔[۲۶۷]

''الروض الانف'' ہی میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب جلندی کے پاس تشریف لائے تو اس سے فرمایا: اے جلندی! اگرچہ تم ہم سے دور ہو لیکن اللہ سے دور نہیں ہو' جس ذات نے تنہا تیری تخلیق کی ہے وہ اس کا مستحق ہے کہ تم تنہا اسی کی عبادت کرو اور ان کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرو جو تیری تخلیق میں اس کے شریک نہیں' یاد رکھو جس نے تمہیں زندگی دی ہے وہی تمہیں موت دے گا اور جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا وہی تم کو دوبارہ لوٹائے (زندہ کرے) گا۔ اس نبی اُمّی (ﷺ) کے متعلق غور کرو جو دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آئے ہیں' اگر وہ تم سے اس پر کسی اجر کے طلب گار ہوں تو ان کو منع کر دو یا کسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہوں تو ان کو چھوڑ دو' پھر اس میں غور کرو کہ کیا ان کا پیغام ویسا ہے جیسے لوگوں کے پیغام ہیں' اگر یہ پیغام ویسا ہی ہے تو پھر دیکھنے والوں سے پوچھ اور اس پر خیر کو اختیار کر لے اگر یہ پیغام ویسا نہیں تو آپ کے فرمان کو قبول کر لے اور جس چیز کا آپ (ﷺ) نے وعدہ فرمایا ہے اس سے ڈر۔[۲۶۸]

''الروض الانف'' میں ہے: حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ جب جبلہ بن ایہم کے پاس تشریف لے گئے تو اس سے فرمایا: اے جبلہ! تیری قوم یعنی انصار نے اس نبی اُمّی (ﷺ) کو اس کے شہر سے اپنے شہر کی طرف لائے ہیں' انہوں نے آپ کو پناہ دی اور حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور جس دین پر تم ہو یہ تمہارے آباؤ اجداد کا دین نہیں ہے' لیکن تم نے شام کی بادشاہی کی وجہ سے رومیوں کے قرب میں ان کا دین اپنا لیا ہے' اگر تم عراق کے حکمران ہوتے تو کسریٰ کے قرب کی وجہ سے فارس کا دین اختیار کر لیتے اور تیرے ہم مذہب لوگوں میں سے ایسے شخص نے

---

۲۶۷ نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۱۹۔۴۲۰ کے مطابق اسے واقدی نے ''کتاب الردۃ'' کے آخر میں معاذ بن محمد بن ابی بکر بن عبداللہ بن ابی جہم از ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ روایت کیا ہے۔ ابن سید الناس ج ۲ ص ۲۶۶۔۲۶۷' شرح المواہب ج ۳ ص ۳۵۰۔۳۵۲' الاصابہ: ۸۲۱۸ زاد المعاد ج ۳ ص ۲۹۶۔۲۹۷۔

۲۶۸ ابن سید الناس ج ۲ ص ۲۶۷۔۲۶۹' شرح المواہب ج ۳ ص ۳۵۲۔۳۵۵' نصب الرایۃ ج ۴ ص ۴۲۳۔۴۲۴' زاد المعاد ج ۳ ص ۶۹۳۔۶۹۶۔

اس نبی امی (ﷺ) کی صداقت کا یقین کرلیا کہ اگر ہم اسے تم پر فضیلت دیں تو تمہیں غصہ نہیں آئے گا اور ہم تجھے اس پر فضیلت دیں تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا' اگر تم نے اسلام قبول کرلیا شام تمہارا مطیع رہے گا اور رومی تم سے خوفزدہ ہوں گے' اگر وہ ایسا نہ کریں تب بھی ان کے لیے دنیا اور تمہارے لیے آخرت کی کامرانی ہوگی' تم گرجا گھروں کو مساجد میں' ناقوس کو اذان میں اور صلیب کو قبلہ سے بدل دینا اور یاد رکھو کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔[269]

حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ جب حارث بن عبد کلال کے پاس گئے تو اس سے فرمایا: اے حارث! تم پہلے شخص ہو جس پر رسول اللہ ﷺ نے خود کو پیش کیا لیکن تم سے غلطی ہوگئی اور آپ کی پیش کش کو قبول نہ کیا' تم بڑی قدر و منزلت والے بادشاہ ہو' جب تم بادشاہوں کے غلبہ کو دیکھو تو ان کی مغلوبیت کو بھی نگاہ میں رکھنا' جب تمہیں تمہارا کوئی دن خوش کر دے تو اپنی آنے والی کل سے ڈرنا' تم سے پہلے کتنے بادشاہ تھے جن کے آثار مٹ گئے بس ان کی خبریں باقی رہیں' انہوں نے طویل عمریں گزاریں' لمبی لمبی امیدیں باندھیں اور کم تر زادِ راہ اکٹھا کیا۔ بعض کو موت نے آلیا' بعض کو رب کا عذاب کھا گیا' میں تمہیں اس مالک و پروردگار کی طرف بلاتا ہوں جو تیری ہدایت کا ارادہ فرمائے تو تُو اسے روک نہیں سکتا اور اگر وہ تیری ہلاکت کا ارادہ فرمالے تو کوئی شخص تیری تباہی و بربادی کو نہیں روک سکتا' اور میں تجھے اس نبی اُمّی کی طرف بلاتا ہوں جس نے ایسی چیزوں کا حکم دیا ہے کہ جن سے بہتر کوئی شے نہیں اور ایسی باتوں سے منع فرمایا ہے جن سے بدتر کوئی بات نہیں' آگاہ رہو تمہارا ایک مالک و پروردگار ہے جو زندہ کو موت سے ہمکنار کرتا ہے اور مردہ کو زندگی سے نوازتا ہے' وہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔

حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے دربار میں جانے اور اپنی تقریر کا ان منظوم الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

میں نے اسے حضرت مسیح علیہ السلام کی نماز کی طرف متوجہ کیا کہ وہ اتنی حسین عبادت کس کی کرتے تھے؟

میں نے اسے زمین و آسمان میں رب کی تدبیر کی طرف متوجہ کیا وہ خاموش رہا اور انکار نہ کیا۔

میں نے اسے حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت میں غور کرنے کو کہا تو اس نے کہا: میں اس میں غور کروں گا'

قریب تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو مان لیتا' لیکن وہ گھٹیا عوض اور بدلے پر مائل ہوگیا۔

اس نے شک کا اظہار کیا اور اس کا اور بنو اصفر (رومیوں) کا جی اوبنے لگا۔

اس نے مکتوب گرامی کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی آنکھوں' سر اور ناک پر رکھ لیا تھا۔

پھر قیصر حضور ﷺ کے حکم کے متعلق گہرے بھورے رنگ کا گھوڑا بن گیا۔

"الروض الانف" (جزء۲،ص۳۵۵) میں ہے گہرے بھورے رنگ کے گھوڑے سے اہل عرب ایسا شخص مراد لیتے ہیں جو صحیح رائے قائم نہیں کرسکتا۔

"صبح الاعشٰی" (جزء۶،ص۳۵۹) میں ایک غریب روایت ہے کہ ابن عبد الحکم نے ذکر کیا ہے نبی ﷺ

[269] ابن سید الناس ج۲ص۲۷۰۔۲۷۱' شرح المواهب ج۳ص۳۵۶۔۳۵۷' زاد المعاد ج۳ص۶۹۷۔

نے جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو مصر کے حکمران مقوقس کی طرف بھیجا' حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کا مکتوب اس کو پہنچایا تو اس نے حضرت حاطب سے کہا: تمہارے نبی کو کس چیز نے روکا ہے کہ میرے خلاف دعا کرے اور مجھ پر قابو پالے؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب دیا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس چیز نے روکا تھا کہ انہوں نے اپنی نافرمانی کرنے والوں کے خلاف دعا نہ کی اور ان سے (بقول تمہارے) ایسا سلوک کیا گیا؟ مقوقس نے خاموشی سے لحہ بھر کو سر جھکا لیا' پھر اس نے وہی بات دہرائی تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا' اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

یہ بھی مروی ہے کہ اس نے نبی ﷺ کی جنگوں کے بارے میں دریافت کیا اور اسے بتایا گیا کہ آپ کے اور آپ کے مخالفین کے درمیان جنگیں ڈول کی طرح ہیں کبھی جیت اور کبھی ہار' مقوقس بولا: نبی مغلوب ہوتا ہے؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا معبود صلیب پر چڑھایا جاتا ہے؟

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ کے گمان کے مطابق معارضہ کیا کیونکہ وہ مسیح علیہ السلام کو معبود سمجھتے ہیں اور ان کے مصلوب ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں (واضح رہے مقوقس عیسائی تھا)۔[۲۷]

موفق بن قدامہ کی ''الاستبصار'' میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ مصر کے حکمران مقوقس نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا میرے پاس بات چیت کے لیے اپنے سفیر بھیجو' انہوں نے منتخب افراد کی ایک جماعت روانہ کی جن میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بھی تھے اور گفتگو کرنے کا اختیار حضرت عبادہ کو دیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ گہرے سیاہ رنگ والے تھے۔ جب یہ لوگ مقوقس کے ہاں پہنچے تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ گفتگو کرنے کے لیے آگے بڑھے' مقوقس نے کہا: تمہارے درمیان ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جو بات چیت کرے؟ وفد کے ارکان نے کہا: یہ ہم میں سب سے افضل ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کے قدیمی صحابہ میں شامل ہیں' علاوہ ازیں ہمارے امیر نے حکم دیا ہے کہ آپ ہی گفتگو کریں گے' مقوقس نے کہا: آگے آئیں' میں آپ کے گہرے سیاہ رنگ سے ڈر گیا ہوں' حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمہیں میرے کالے رنگ نے ڈرا دیا ہے حالانکہ میری جوانی ڈھل چکی ہے اور میری قوت جا چکی ہے تو سوچو تم پر اس وقت کیا بیتے گی جب ہمارے لشکر کا مقابلہ کرو گے جس میں ہزار سے زائد جوان مجھ سے بھی زیادہ کالے رنگ کے ہیں ان کے بدن قوی تر اور جسم عظیم تر ہیں؟ مقوقس نے صلح طلب کی' حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تم سے تین میں سے صرف ایک بات قبول کریں گے' اسلام قبول کر لو ہمارے بھائی بن جاؤ گے' ہم سب نفع و نقصان میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے' یا ہمیں جزیہ دو اور ہماری ذمہ داری کو قبول کر لو تو ہم تمہاری طرف سے جزیہ قبول کر لیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے یا پھر ہمارے مقابلہ میں آ جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ بادشاہ (مقوقس) نے کہا: ان تین باتوں کے علاوہ کچھ اور قبول نہیں کرو گے؟ تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: نہیں آسمان کے رب کی قسم! نہیں اس زمین کے رب کی قسم! ہم

[۲۷] ضعیف روایت' اسے ابن عبد الحکم نے بلا اسناد ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ کچھ نہیں قبول کریں گے' بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا: ان شرائط میں سے کوئی شرط جوانوں کے قتل اور عورتوں کے قیدی بننے سے پہلے نہیں مانو گے تو یقیناً جنگ کے بعد رسوا ہو کر ضرور مان لو گے' پھر اہل مصر نے مصالحت کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو منصف اور معلم بنا کر شام کی طرف بھیجا تھا۔[۲۷۱]

علامہ القلقشندی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ روم کے ایک بادشاہ نے اپنے ہم عصر خلیفۃ المسلمین کو لکھا کہ ایسا عالم دین بھیجو جو نصرانی علماء سے مناظرہ کرے' اگر اس عالم دین نے میرے دربار کے علماء کو لاجواب اور خاموش کر دیا تو وہ اسلام قبول کر لیں گے' خلیفۃ المسلمین نے قاضی ابوبکر بن الطیب الباقلانی المالکی کو روانہ کیا' جب مجلس منعقد ہوئی اور علماء نصاریٰ جمع ہو گئے تو ان میں سے بعض نے سوال کیا: تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام بستر میں معصوم ہوتے ہیں (یعنی ان کے نکاح میں بدکار خاتون کبھی نہیں ہوتی) حالانکہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں تہمت لگائی گئی تھی' اگر یہ بہتان حق تھا تو انبیاء کرام کے بستر کی عصمت کے بارے میں تمہارے عقیدے کی بنیاد ہی ختم ہو گئی اور اگر یہ بہتان ناحق تھا تو ان لوگوں کے ایمان کا کیا ہو گا جو اس میں ملوث ہو گئے تھے؟

قاضی ابوبکر نے جواب دیا: دو پاک دامن خواتین پر بدکاری کی تہمت لگائی گئی ہے' ان میں سے ایک کے شوہر تھے اولاد نہ تھی۔ دوسری کا بیٹا تھا اور شوہر نہ تھا' پہلی خاتون سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری خاتون سے مراد حضرت مریم رضی اللہ عنہا ہیں (ان کا اعتراض انہی پر لوٹا دیا)۔ تو انہوں نے اپنے سلام کے مطابق قاضی ابوبکر کو سجدہ کیا۔

حافظ ذہبی کی ''تاریخ الاسلام'' میں علامہ الباقلانی کے تذکرہ میں یہ قصہ دوسری طرح مذکور ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ اہل روم کی عادت تھی جب بھی کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتا کھڑکی سے داخل ہوتا تاکہ بادشاہ کی خدمت میں حالت رکوع میں (جھک کر) حاضری دے' علامہ نے اسے بھانپ لیا اور اپنی پشت سے داخل ہوئے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ نے ان کے راہب سے کہا: تمہارے اہل وعیال کیسے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: آپ کو نہیں معلوم راہب اہل واولاد سے پاک دامن رہتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا: حیرت ہے تم لوگ راہب کو تو اہل و عیال سے پاک اور منزہ جانتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے بیوی اور بیٹے کے قائل ہوا سے ان سے منزہ نہیں جانتے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی رومی سرکش حکمران نے ان سے سوال کیا' عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا کیا معاملہ ہے؟ مقصد ان کو زجر وتوبیخ کرنا تھا۔ علامہ نے جواب دیا: وہی جو مریم (رضی اللہ عنہا) کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں خواتین کی اس برائی سے برأت بیان فرمائی۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا بچہ نہیں تھا۔ آپ نے اسے لاجواب کر دیا اور اسے اس کا جواب نہ سوجھا۔ (تاریخ الاسلام)

علامہ الباقلانی کے بارے میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان سے روم کے بادشاہ نے یہ سوال بھی کیا: تمہارا گمان ہے

۲۷۱ مجھے اس روایت کا ماخذ نہیں ملا۔ مؤلف کی طرف سے روی کا لفظ اس کے ضعف کی دلیل ہے۔

کہ چاند تمہارے نبی کے لیے شق ہوا' کیا تمہاری چاند سے رشتہ داری ہے کہ تم نے اسے شق ہوتے دیکھا تمہارے علاوہ اور کسی نے نہ دیکھا؟ علامہ نے جواب دیا: کیا تمہارے اور مائدہ (آسمان سے اترنے والا دستر خوان جو بطور معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نازل ہوا) کے درمیان نسب اور بھائی کا رشتہ ہے جو تم نے مائدہ کو دیکھا یہودیوں' یونانیوں اور مجوسیوں نے نہیں دیکھا' وہ اس کے منکر ہیں حالانکہ وہ تمہارے پڑوس میں رہتے ہیں۔ بادشاہ منہ دیکھتا رہ گیا اور اس نے جواب نہ پایا۔[۲۷۲]

ابن التلمسانی نے ''شرح الشفاء'' میں یہ قصہ تفصیل سے ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ امام' عالم' عارف باللہ ابوبکر بن الطیب کو جب حکمرانِ وقت نے بطور سفیر روم کے بادشاہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ اسلام کی رفعت اور نصرانیت سے لاتعلقی کا اظہار کریں' اس دوران قسطنطنیہ میں ان کے اور وہاں کے بادشاہ کے درمیان مناظرے ہوئے' بادشاہ کی مدد کے لیے ان کے بڑے بڑے پادری اور بلند مرتبہ علماء موجود ہوتے تھے۔

ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ دورانِ بحث بادشاہ نے کہا: تم اپنے نبی کے معجزات میں شق القمر کا بھی دعویٰ کرتے ہو تمہارے نزدیک یہ دعویٰ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے' رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند شق ہوا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے دیکھا' صرف ان لوگوں نے جنہوں نے اس وقت اپنی نظریں چاند پر مرکوز کی ہوئی تھیں' بادشاہ نے کہا: اسے سب لوگوں نے کیوں نہ دیکھا؟ علامہ نے جواب دیا: لوگ اس تیاری اور انتظار میں نہ تھے کہ سب دیکھ لیتے' بادشاہ نے کہا: تمہارے اور چاند کے درمیان رشتہ داری ہے اسے اہل روم وغیرہ سب لوگوں نے کیوں نہ دیکھا صرف تم نے ہی کیوں دیکھا؟ علامہ نے برجستہ جواب دیا: کیا اس مائدہ (آسمان سے نازل کردہ دستر خوان) اور تمہارے درمیان رشتہ داری تھی کہ تم نے اسے دیکھا' یہود' مجوس' برہمن' دہریے اور تمہارے پڑوسی یونانی اسے دیکھنے سے محروم رہے' وہ تمام مائدہ کے نزول کے منکر ہیں۔ بادشاہ اس جواب سے ششدر رہ گیا اور کہا: سبحان اللہ' اور فلاں نام کے بڑے منصب والے پادری کو مجھ سے بحث مباحثہ کے لیے طلب کیا اور کہا: ہم اس سے بحث میں نہیں جیت سکتے' اچانک میں نے دیکھا سرخ بالوں والا ریچھ نما شخص لایا گیا' وہ بیٹھ گیا تو اسے مسئلہ بتایا گیا' اس نے کہا: اس مسلمان نے جو کچھ کہا ہے اس کا جواب نہیں ہے۔ میں نے اس سے کہا: جب سورج کو گہن لگتا ہے تو اسے تمام اہل زمین دیکھتے ہیں یا صرف ان لوگوں کو نظر آتا ہے جو اس کے مقابل ہوتے ہیں؟ اس نے کہا: صرف اسی ملک کے لوگ دیکھتے ہیں جو سورج کے مقابل ہوتے ہیں۔ میں نے کہا: انشقاق قمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونا) کا معاملہ بھی ایسا ہے تم اس کے منکر کیوں ہو؟ اسے بھی صرف انہی لوگوں نے دیکھا جو اس کے مقابل تھے اور دیکھنے کے لیے تیار تھے' جو اس کے لیے تیار نہ تھے یا ایسے علاقوں میں تھے جہاں اس وقت چاند نظر نہیں آ رہا تھا انہوں نے نہیں دیکھا۔ بڑے پادری نے کہا: تم نے درست کہا ہے تمہارے اس جواب کو کوئی مسترد نہیں کرے گا۔ موضوع بحث وہ راوی ہیں جنہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے' ورنہ تمہاری دلیل پر اعتراض صحیح نہیں بادشاہ نے کہا: نقل کرنے والوں پر اعتراض کیسے؟ پادری نے کہا: اس جیسی چیزوں کا تعلق معجزات سے ہے' یہ اس صورت

---

[۲۷۲] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۷۹-۳۸۰' ''تبیین کذب المفتری'' ص ۲۱۷-۲۱۹۔

میں صحیح ہوتی ہیں جب اسے لوگوں کا جم غفیر نقل کرے یہاں تک کہ ہمیں بھی اس کا علم ہوتا اگر ایسا ہوتا تو ہمیں بھی اس کا ضروری علم ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ یہ باطل افتراپردازی ہے۔ علامہ بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا: جواب دو۔

میں نے کہا: شق القمر کے معجزہ میں آپ مجھ سے جس طرح کی دلیل طلب کر رہے ہیں ایسی دلیل میں آپ سے فرشتوں کے مائدہ کے ساتھ اترنے والے معجزہ میں طلب کرتا ہوں' کہا جا سکتا ہے کہ اگر نزول مائدہ صحیح تھا تو ضروری ہے کہ اسے لوگوں کی کثیر تعداد نقل کرتی' ہر یہودی اور نصرانی کو اس کا ضروری علم ہوتا' چونکہ ان کو اس معجزے کا ضروری علم نہیں سو یہ خبر کاذب (جھوٹی) ہوئی اس جواب سے پادری' بادشاہ اور اہل مجلس مبہوت ہو گئے اور علامہ اپنے وطن کو سدھارے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بطور قاصد حسین افراد کا انتخاب

عنقریب رسول اللہ ﷺ کا اپنے عمال کے لیے یہ ارشاد مذکور ہو گا کہ وہ آپ کے مراسلات لے کر جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بادشاہوں کے پاس جانے والے (قاصدوں) میں سب سے مشہور حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ علامہ عینی نے "عمدة القاری" (جزء ا ص ۹۳) میں کہا ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سب صحابہ کرام سے حسین تھے۔[۲۷۳] جبریل امین ان کی صورت میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔[۲۷۴]

علامہ سہیلی نے ابن سلام سے اس آیت کریمہ:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا . اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل (تماشا) دیکھا' اس کی طرف تیزی سے چل دیئے۔ (الجمعہ:۱۱)

کے تحت ذکر کیا ہے کہ لہو سے مراد صحابہ کرام کا حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کو دیکھنا ہے۔[۲۷۵]

مروی ہے کہ جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ شام کی طرف تشریف لے گئے' کوئی پردہ نشین عورت ایسی نہ تھی جو آپ کے دیدار کرنے کو باہر نہ نکلی ہو۔[۲۷۶]

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی "الفتوحات المکیہ" میں ہے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ اپنے دور کے حسین ترین

---

[۲۷۳] الاصابہ: ۲۳۹۰' تذکرہ حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ' الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ا ص ۴۷۲-۴۷۳۔

[۲۷۴] صحیح حدیث' احمد ج ۲ ص ۱۰۷' نسائی بحوالہ "الاصابہ": ۲۳۹۰' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ حافظ ابن حجر نے کہا: اس کا اسناد صحیح ہے۔

[۲۷۵] یہ تفسیر باطل ہے' اس آیت کا صحیح سبب نزول بخاری: ۲۰۵۸-۲۰۶۴-۴۸۹۹' مسلم: ۸۶۳' ترمذی: ۳۳۱۱' نسائی "التفسیر": ۶۱۳' واحدی "اسباب النزول": ۸۱۹ میں از جابر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ شام سے تجارتی قافلہ آ گیا اور بارہ افراد کے سوا سب لوگ ادھر چلے گئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

[۲۷۶] اسے حافظ ابن حجر نے الاصابہ: ۲۳۹۰ میں ابن قتیبہ کی غریب الحدیث کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' بے سند روایت ہے۔

شخص تھے آپ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ منورہ میں آئے تو لوگوں نے آپ کا استقبال کیا' جس حاملہ خاتون نے آپ کو دیکھا اس کا حمل ساقط ہو گیا۔[۲۷۷] علامہ عینی نے ''العمدہ'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ڈھاٹا باندھ کر نکلتے تھے تاکہ عورتیں ان کو دیکھ کر فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اپنے سفراء' امراء اور قاصدوں کو نصیحت

''سیرۃ ابن ھشام'' میں ہے مجھے یزید بن ابی حبیب المصری نے یہ حدیث بیان کی کہ اس نے ایسی کتاب پائی جس میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مختلف علاقوں' ممالک اور عرب وعجم کے بادشاہوں کی طرف قاصد روانہ فرمانے کا ذکر تھا اور یہ کہ آپ نے ان کو بھیجتے وقت کیا نصیحت فرمائی تھی' میں نے یہ کتاب محمد بن شہاب الزہری کی طرف بھیجی انہوں نے اس کو پہچان لیا' اس میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے تم میری طرف سے اسے دوسروں تک پہنچاؤ' اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے' میرے متعلق اس طرح اختلاف نہ کرنا جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! ان کا اختلاف کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ نے ان کو اسی چیز کی دعوت دی جس کی دعوت میں نے تمہیں دی ہے' سو جو اس کے قریب ہوا اس نے پسند کیا اور تسلیم کیا اور جو اس سے دور ہوا اس نے ناپسند کیا اور انکار کیا۔ حضرت عیسیٰ نے بارگاہِ رب العزت میں ان کی شکایت کی تو ان میں سے ہر شخص اسی زبان میں گفتگو کرنے لگا جس کی طرف آپ نے اس کو بھیجا تھا۔[۲۷۸]

''مسجد میں پیشاب پر پانی انڈیلنے'' کے زیر عنوان حدیث ہے کہ جب صحابہ کرام نے اعرابی کو مسجد میں پیشاب کرنے پر ڈانٹا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے والے نہیں بھیجے گئے۔[۲۷۹]

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' (جزء ۱ص ۲۷۹) میں کہا ہے: حضور ﷺ تمام امور میں یُسر اور آسانی کو پسند فرماتے تھے۔ آپ نے جس صحابی کو بھی کہیں بھیجا اس سے یہی ارشاد فرمایا: آسانی کرو مشکل میں نہ ڈالو۔[۲۸۰]

صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب اپنے کسی کام کے لیے کسی صحابی کو کہیں روانہ کرتے تو ارشاد فرماتے تھے: بشارت دو متنفر نہ کرو اور آسانی کرو مشکل میں نہ ڈالو۔

---

۲۷۷ بے اصل اور ناقابل قبول کلام۔

۲۷۸ ضعیف روایت ''سیرت ابن ہشام'' ج ۲ص ۶۰۷' ناقابل احتجاج' منقطع السند۔

۲۷۹ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۲۲۰۔۶۱۲۸' شافعی ''مسند'' ج ۱ص ۲۳' حمیدی: ۹۳۸' احمد ج ۲ص ۲۳۹۔۲۸۲' ابوداؤد: ۳۸۰' ترمذی: ۱۴۷' نسائی: ج ۱ص ۴۸۔۱۷۵' ج ۳ص ۱۴' ابن الجارود ''المنتقی'': ۱۴۱' ابن خزیمہ: ۲۹۸' ابن حبان: ۱۳۹۹' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۹۱' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

۲۸۰ صحیح حدیث' صحیح البخاری: ۳۰۳۸۔۶۱۲۴۔۱۷۲' مسلم: ۱۷۳۳' احمد ج ۴ص ۴۱۷' طیالسی: ۴۹۶' ابن حبان: ۵۳۷۳' از ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

البزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کو بھیجا تو ارشاد فرمایا: دونوں باہم مشورہ کرنا' ایک دوسرے کی موافقت کرنا' آسانی کرنا' مشکل میں نہ ڈالنا' (لوگوں کو) خوش خبری دینا اور متنفر نہ کرنا۔[۲۸۱]

خلفاءِ راشدین کے دور میں ڈاک کا نظام

برید اس مسافت کا نام ہے جو ڈاک کے دو اسٹیشنوں (پڑاؤ) کے درمیان ہوتی ہے' یہ چار فرسخ یا بارہ میل ہے۔[۲۸۲] پھر اس کا اطلاق ڈاکیے پر کیا گیا اب ڈاک کے تھیلوں کو بھی برید کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے ڈاک کی ترسیل کا نظام فارس سے لیا اور انہی بنیادوں پر مسلمانوں نے ڈاک کے نظام کو ترقی دی اور جدت عطا کی' اس کے لیے کارندے مقرر کیے جن کو عامل برید کہتے تھے' ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ دارالخلافہ سے تمام عاملوں (گورنروں' منصفوں' سالاروں وغیرہ) اور علاقوں تک مطلوبہ اطلاعات بہم پہنچائیں اور وہاں کی خبریں دارالخلافہ تک پہنچائیں۔

مشہور یہ ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اس نظام کو وضع کیا' شاید اس کا یہ مطلب ہو کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے اس نظام کے مخصوص طور طریقے ترتیب دیئے ہوں' ڈاک لانے اور لے جانے کے لیے گھوڑے اور ڈاک اسٹیشن مقرر کیے ہوں' ورنہ خلفاء راشدین کے عہد میں ڈاک کی ترسیل کا نظام موجود تھا' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تو اس سلسلہ میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔

صحیح البخاری کے باب "ابواب الابل والدواب والغنم ومرابضها" میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا دارالبرید (ڈاک خانہ) میں نماز پڑھنا مروی ہے[۲۸۳] حافظ ابن حجر نے کہا: حدیث میں مذکور دارالبرید کوفہ میں ایک جگہ ہے جب قاصد امراء کے پیغامات اور مراسلات خلفاء کی طرف لے جاتے تو وہ وہیں اترتے تھے (پڑاؤ کرتے تھے) اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے گورنر تھے' اور ڈاک گھر (دارالبرید) شہر کے ایک کنارے پر تھا۔

المطرزی نے کہا کہ برید اصل میں ڈاک لے جانے میں استعمال ہونے والا جانور ہے' پھر اس کا استعمال ڈاک لے جانے والے سوار کے لیے ہونے لگا بعد ازاں مقررہ مسافت کو برید کا نام دے دیا گیا۔

حافظ ابن الجوزی کی "سیرت عمر" (باب ۳۴ ص ۱۰۵) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رات کو مدینہ منورہ میں گشت کرنے اور اس سلسلہ کے بعض واقعات کا بیان ہے' اس میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصر بن

---

۲۸۱ اس روایت کا اسناد ضعیف ہے' "المجمع" ج ۵ ص ۲۵۷ میں ہے: اسے بزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے کہا: اس میں عمرو بن ابی خلیفہ کو میں نہیں پہچانتا اور اس کے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔ میں کہتا ہوں: سابقہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے اور تقویت فراہم کرتی ہے۔ واللہ اعلم

۲۸۲ القاموس ص ۳۲۹ میں ہے: فرسخ تین ہاشمی میل یا بارہ ہزار ہاتھ یا دس ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے' یہ تقریباً چھ (۶) کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔

۲۸۳ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الوضوء (۴) باب نمبر: ۶۶ میں حدیث نمبر ۲۳۳ سے پہلے تعلیقاً بصیغہ جزم ذکر کیا ہے' حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۱ ص ۴۰۱ میں کہا ہے: اس اثر کو امام بخاری کے شیخ ابونعیم نے کتاب الصلاۃ میں موصولاً ذکر کیا ہے۔

حجاج بن علاط[۲۸۴] کو مدینہ طیبہ سے بصرہ کی طرف نکال دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل حضرت عتبہ بن فرقد کو مکتوب روانہ کیا، قاصد کئی دن وہاں رہا پھر ان کے منادی نے ندا کی (اعلان کیا) کہ مسلمانوں کا برید (قاصد، ڈاک لے جانے والا) جانے والا ہے، جس نے خط بھیجنا ہو وہ خط لکھے تو نصر بن الحجاج نے امیر المؤمنین کو خط لکھا۔

تاریخ ابن جریر[۲۸۵] میں اس قاصد کا واقعہ مذکور ہے جو قیصر روم کی بیوی کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کے لیے ہار کا تحفہ لایا تھا، یہ قاصد مسلمانوں کا ڈاکیہ تھا۔

کتاب ''الطائر الفرید فی وصف البرید'' میں ہے اہل عرب کو ڈاک کے نظام کی ترتیب میں دوسری اقوام پر سبقت حاصل ہے، اس لیے مؤرخوں نے دیگر اقوام کی بہ نسبت ان کے ڈاک کے نظام کے احوال بکثرت بیان کیے ہیں، اہل عرب نے ڈاک کی منتقلی کے لیے سب سے پہلے اونٹوں کو استعمال کیا، پھر خچروں کو استعمال میں لائے اور آخر میں ڈاک کی تیز رفتار ترسیل کے لیے گھوڑوں کو استعمال کرنے لگے۔ ان کے ہر سفر میں برید (ڈاکیہ) ہی مسافروں کی قیادت کرتا تھا۔ نیز اہل عرب کی صبح سویرے سفر کے لیے روانگی کی عادت بھی دور دراز شہروں کے درمیان ڈاک کے جلد پہنچ جانے میں بڑی ممد ومعاون ثابت ہوئی، ڈاک کے نظام کی دیکھ بھال اہل عرب کے نزدیک اعلیٰ ذمہ داری تھی جس کا خلیفۃ المسلمین بہ نفسِ نفیس نگران ہوتا اور باصلاحیت لوگ ہی اس ذمہ داری پر متعین کیے جاتے تھے۔

انگریز مؤرخین کی کتب میں ہے کہ اہل عرب کے ہاں ڈاک کے نظام کی ترتیب ہجرت نبوی کے بعد خلیفۂ اول کے حکم سے ہوئی اور فتوحات کی روز افزوں وسعت سے اس نظام میں وسعت آتی گئی اور دور دراز شہر اور علاقے اس کے حلقۂ اثر میں شامل ہوگئے۔ اہل عرب میں اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے ڈاک کا نظام عہد بنو عباس میں نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ بنو عباس کے دور میں ڈاک کے تقریباً ایک ہزار اسٹیشن (مراکز) تھے جن کو سِکّک کہا جاتا تھا۔

ڈاک کے نظام کی اس وسعت کے باوجود ڈاک لے جانے والوں کے سفر، پڑاؤ، وصولی وغیرہ کے مقامات پر کڑی نظر رکھی جاتی، ہر اسٹیشن پر ایک ذمہ دار افسر مقرر ہوتا جو ڈاکیے کی رفتار، گھوڑوں کی دیکھ بھال اور اسٹیشن کی حالت پر نظر رکھتا، یہ تمام افسران دارالخلافہ بغداد تک اپنے مراسلات کی بحفاظت تیز رفتاری سے رسائی کے لیے بے قرار رہتے تھے، تاکہ خلیفۃ المسلمین کو ملک کے طول وعرض میں ہونے والے واقعات سے بروقت آگاہی رہے، خلیفہ بہ نفس نفیس متعلقہ خطوط کا مطالعہ کرتا اور مناسب احکام جاری کرتا۔

ڈاک کے لیے عمومی طریق کار اور لائحۂ عمل تھا جو ڈاک کے قوانین پر مشتمل تھا، جس میں ڈاک کی رفتار اور

---

۲۸۴ نصر بن حجاج بن علاط السلمی البھزی۔ شاعر اہل مدینہ بہت حسین شخص تھا، مدینہ طیبہ کی ایک عورت نے اس کے متعلق دو شعر کہے جس میں اس سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی گئی تھی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سن کر ناراضگی کا اظہار کیا اور اسے بلوا کر سر مونڈوا دیا اور بصرہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ (الاعلام زرکلی ج ۸ ص ۲۲)

۲۸۵ تاریخ الامم والملوک، تالیف امام محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ

راستوں کی تعیین ہوتی تھی۔ ڈاک کی مناسب اور بروقت ترسیل پر کثیر رقم خرچ ہوتی تھی' کہتے ہیں: صرف یمن کی برانچ کے سالانہ اخراجات تقریباً چار ملین درہم یعنی ساڑھے چار ملین فرانک سالانہ تھے۔ اس سے آپ باقی علاقوں کے اخراجات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اور یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عربوں کے نزدیک ڈاک کے نظام کو کس قدر اہمیت حاصل تھی۔ اسی کتاب کے ص ۹۵ پر ہے اہل عرب نے ڈاکیوں کے لیے علامات مقرر کی تھیں' خلفاء بنو عباس کے دور میں ڈاک لے جانے والوں کی علامت ہتھیلی کے برابر چاندی کا ٹکڑا تھا جس کے ایک رخ پر بسم اللہ اور خلیفہ کا نام ہوتا اور دوسرے رخ پر یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی تھی:

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا○ بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا○ (الاحزاب: ۴۵)

علامہ تقی الدین المقریزی [۲۸۶] کی کتاب ''الخطط'' (جزء ۱ص ۲۸۰) میں ہے ۲۶۱ھ میں ابراہیم بن اغلب جب افریقہ کے حکمران ہوئے' قافلے اور تاجر بہ امن وامان سفر کرتے تھے' انہوں نے ساحل سمندر پر قلعے اور نگرانی کی چوکیاں بنوا دیں' یہاں تک کہ شہر سبتہ سے اسکندریہ تک آگ روشن کی جاتی او ایک رات میں سبتہ سے اسکندریہ تک خبر پہنچ جاتی حالانکہ ان شہروں کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: خبر رسانی میں تیز رفتاری کا یہ طریقہ اپنے دور کے اعتبار سے ٹیلی گراف اور ٹیلی فون سے بھی زیادہ عجیب وغریب تھا۔ بے شک اللہ کی تخلیق کی ہر جہت اور ہر شان نرالی ہے۔

دعوتِ اسلام کے پیغام لے جانے والے حضرات

نبی ﷺ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو مکتوب گرامی کے ساتھ بصریٰ کے حکمران کے پاس روانہ فرمایا' بصرہ کے حاکم نے مکتوب گرامی ہرقل کے پاس بھیجا۔ عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ کو فارس کے بادشاہ کسریٰ کے پاس بھیجا' عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو شاہِ حبش نجاشی کے پاس بھیجا' حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کے حاکم مقوقس کے پاس روانہ فرمایا' سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کو ثمامہ بن اثال کی طرف بھیجا۔ العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کے پاس بھیجا' شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ کو حارث بن ابی شمر الغسانی کے پاس بھیجا اور مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو یمن کے حکمران حارث کی طرف روانہ فرمایا۔

ابن جماعہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محرم ۷ھ میں ایک دن میں چھ افراد کو روانہ فرمایا [۲۸۷]

مؤلف کہتے ہیں: ''المواھب'' پر علامہ زرقانی کی شرح اور ابن کیران کی ''شرح الالفیہ'' میں ہے نبی

[۲۸۶] علامہ امام احمد بن علی بن عبدالقادر' ابو العباس الحسینی العبیدی تقی الدین المقریزی مؤرخ دیار مصریہ' بارہا قاہرہ میں محاسب' امام اور خطیب رہے' مشہور یادگار ''المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار'' ہے جسے عموماً ''خطط المقریزی'' کہا جاتا ہے۔ متوفی ۸۴۵ھ۔ (الاعلام ج ۱ص ۱۷۷۔۱۷۸)

[۲۸۷] السیرۃ النبویۃ' ابن ہشام ج ۲ص ۶۰۷۔

ﷺ نے ایک دن میں چھ افراد کو بادشاہوں کی طرف روانہ فرمایا' ابن سعد وغیرہ کے مطابق ان میں سے ہر شخص اسی قوم کی زبان بولنے لگا جس قوم کی طرف اسے بھیجا گیا تھا اور یہ حضور ﷺ کا ایک الگ معجزہ ہے۔

فصل: صلح کے لیے قاصد کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے خراش بن امیہ الخزاعی رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ پر قریش مکہ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ قریش کے معززین اور سرداروں کو ہماری آمد کی غرض بتاؤ' قریش نے رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت خراش رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہا لیکن احابیش (قریش کے حلیف کنانہ اور خزاعہ کے لوگ) نے روک دیا۔ قریش نے حضرت خراش کو واپس جانے دیا' بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور وہ بہ سلامت لوٹے[۲۸۸]۔

فصل: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امان کا پیغام لے جانے والے حضرات

سیرت کی کتب میں فتح مکہ کے متعلق ابن اسحاق نے کہا ہے[۲۸۹] کہ فتح مکہ کے دن صفوان بن امیہ یمن کی طرف جانے کے ارادہ سے جدہ سے جہاز میں سوار ہونے کے لیے نکلے' حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے وہ آپ کے خوف سے خود کو سمندر کے حوالے کرنے نکلا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے امان عطا فرمائی۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے گزارش کی: یارسول اللہ! مجھے کوئی نشانی مرحمت فرمائیں تاکہ وہ آپ کی امان کو پہچان لے' رسول اللہ ﷺ نے بطور نشانی اپنا وہ عمامہ عطا فرمایا جسے زیب سر فرما کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے حضرت عمیر روانہ ہوئے' صفوان سوار ہونے ہی والے تھے کہ عمیر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور فرمایا: صفوان! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے سے اللہ کا خوف کرو' میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تمہارے لیے یہ امان لایا ہوں' صفوان نے کہا: برباد ہو جاؤ مجھ سے دور رہو' مجھ سے بات نہ کرو مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور ﷺ بڑے حوصلے اور کرم والے ہیں تمہارا اندیشہ غلط ہے' صفوان' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا: عمیر کا خیال ہے کہ آپ نے مجھے امان بخشی ہے؟ آپ نے فرمایا: عمیر نے سچ کہا ہے' کہا: مجھے دو ماہ تک سوچنے کا موقع دیں' حضور ﷺ نے فرمایا: تمہیں چار مہینے کا اختیار ہے (خوب سوچ لو)۔

علامہ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا ہے کہ عمیر بن وہب بن خلف اور ان کا بیٹا وہب بن عمیر بھی فتح مکہ کے روز بھاگ گئے تھے' ان کے لیے امان طلب کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو امان عطا فرمائی اور وہب بن عمیر کو اپنی ردائے مبارک (چادر مبارک) عطا فرما کر صفوان کی طرف بھیجا اور مذکورہ بالا واقعہ نقل کیا۔

---

۲۸۸ الاصابہ: ۲۲۳۳' تذکرہ خراش بن امیہ الخزاعی رضی اللہ عنہ۔

۲۸۹ السیرۃ النبویہ (ابن ہشام) ج۲ ص ۴۱۷' از ابن اسحاق از محمد بن جعفر از عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امان کا پیغام لے جانے والی خواتین

''الاستیعاب'' میں علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے: عکرمہ بن ابی جہل کی چچازاد اور بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئیں اور اپنے شوہر کے لیے نبی ﷺ سے امان طلب کی' عکرمہ یمن کی طرف فرار ہو گئے تھے' ام حکیم اس کی تلاش میں گئیں اور اس کو واپس لائیں' عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا' آپ نے دونوں کو اپنے سابقہ نکاح پر برقرار رکھا۔[۲۹۰] جب رسول اللہ ﷺ نے عکرمہ کو اپنے سامنے آتے دیکھا تو فرمایا: سوار ہو کر آنے والے مہاجر کو خوش آمدید۔[۲۹۱] اور اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا: عکرمہ تمہارے پاس آ رہا ہے جب تم اسے دیکھو تو اس کے باپ کو گالی نہ دو کیونکہ مردہ کو گالی دینا زندہ کو اذیت پہنچاتا ہے۔[۲۹۲]

فصل: بادشاہوں کی طرف قاصد روانہ کرنا اور اس سے وہاں موجود مسلمانوں کو بھیجنے کا ارشاد فرمانا

ابن اسحاق نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب حبشہ میں مقیم رہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کی طرف روانہ فرمایا اور اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کو آپ کے پاس بھیج دیں' نجاشی نے اصحاب رسول ﷺ کو دو کشتیوں میں سوار کیا' یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صلح حدیبیہ کے بعد فتح خیبر کے موقع پر پہنچے۔ یہ سولہ افراد تھے جن میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[۲۹۳]

بادشاہ کی طرف قاصد بھیجنا کہ بادشاہ ان کے ملک میں موجود مسلم خاتون کا آپ ﷺ سے نکاح کر دے

ابن جماعہ نے ''مختصر السیر'' میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ کے پاس دو مکتوب دے کر روانہ فرمایا' ایک مکتوب میں آپ نے نجاشی کو اسلام کی دعوت دی اور اس پر قرآن کی تلاوت کی' نجاشی نے آپ کا مکتوب گرامی لے کر اپنی آنکھوں پر رکھا' اپنی مسند سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسلام قبول کیا اور حق کی گواہی دی۔

---

۲۹۰ ماخوذ از ''الاستیعاب'' علی حامش ''الاصابہ'' ج ۴ ص ۴۴۳۔۴۴۴' تذکرہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہا۔

۲۹۱ ضعیف روایت' اسے ترمذی (۲۷۳۵) نے از طریق مصعب بن سعد از عکرمہ بن ابی جہل روایت کیا ہے۔ اس کے اسناد میں بقول ترمذی موسیٰ بن مسعود ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ: ۵۶۳۸ میں کہا ہے: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ مصعب نے عکرمہ کا زمانہ نہیں پایا۔

۲۹۲ الاستیعاب ج ۳ ص ۱۴۸۔۱۴۹' علی حامش ''الاصابہ'' تذکرہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

۲۹۳ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۳۵۹' از ابن اسحاق بلا اسناد۔

دوسرے مکتوب میں حضور ﷺ نے نجاشی کو لکھا کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے نکاح کر دیں اور آپ کے جو صحابہ وہاں موجود ہیں ان کو روانہ کر دیں' نجاشی نے ایسا ہی کیا اور ہاتھی دانت کی ڈبیہ منگوا کر اس میں رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ رکھا اور کہا: اہل حبشہ برابر خیر سے رہیں گے جب تک یہ دو خطوط ان کے پاس موجود رہیں گے۔[294]

''الاصابہ'' میں حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے نبی ﷺ نے ان کو حضرت ام حبیبہ سے نکاح کے سلسلہ میں نجاشی کے پاس بھیجا' اور مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو سولی سے اتاریں۔[295]

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ نجاشی نے اپنی ابرہہ نامی باندی کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اس نے آپ سے کہا: بادشاہ آپ سے کہہ رہے ہیں کسی کو نکاح کے لیے اپنا وکیل مقرر کر لیں' انہوں نے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر اپنا وکیل مقرر کر دیا اور ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن عطا فرمائے' شام کو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کو بلانے کا حکم دیا' جب لوگ آ گئے تو نجاشی نے خطبہ دیا اللہ کی حمد وثناء اور توحید و رسالت کی گواہی کے بعد کہا: رسول اللہ ﷺ نے مکتوب بھیجا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دوں سو میں نے اسے قبول کر لیا اور چار سو اشرفیاں میں نے مہر مقرر کیا ہے اور اس نے اشرفیاں سامنے ڈال دیں۔ پھر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو قبول کیا اور ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا ہے اور اشرفیاں لے لیں' نجاشی نے حاضرین کے لیے کھانے کا انتظام کیا تھا پھر سب نے کھانا کھایا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب میرے پاس اشرفیاں آئیں میں نے اس میں سے پچاس اشرفیاں ابرہہ کو دیں' اس نے اشرفیاں مجھے واپس کر دیں اور کہا: مجھے بادشاہ نے کچھ نہ لینے کی قسم دی ہے اور اس نے میرا پہلا عطیہ بھی واپس کر دیا' پھر دوسری صبح وہ عود' ورس' عنبر اور زباد لے کر آئیں' میں نے یہ سب (خوشبویات) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔[296]

''مختصر ابن فارس'' پر ''شرح ابن بادیس'' اور ''اللباب'' میں ہے' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام میں پہلی خاتون ہیں جن کو اس قدر اشرفیوں سے ثروت (مالداری) حاصل ہوئی۔

ابو عبداللہ الغافقی کی ''ظل الغمامۃ'' میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مذکور ہے: صالح انسان اصحمہ رضی اللہ عنہ نے ان کا مہر ادا کیا اور اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کی۔ اللہ نے اس کے دل میں ایمان اور رحمت لکھ دی' اس نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو تحفظ اور امن فراہم کیا' تا آنکہ حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی

---

[294] نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۲۱۔

[295] الاصابہ: ۵۷۶۵۔

[296] الاصابہ: ۳۳۴ میں ہے: اسے ابن سعد نے از طریق اسماعیل بن عمرو بن سعید الاموی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اسماعیل بن عمرو بن سعید سچا ہے لیکن اس کا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے۔

اللہ عنہ' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی حفاظت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے' ان کے لیے ایمان پر قناعت کی موسلا دھار بارش رہی' ان کے سفر کے مراحل قریب تر ہوتے رہے' رات کے راہیوں کی وہ صبح دم مشکور رہیں اور ہر آنے والا لمحہ ان کو بشارتوں کی نوید دیتا رہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس خوشی میں اپنے کنگن اور انگوٹھیاں اس کے حوالے کر دیں جس نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے پیغام نکاح کی خبر دی تھی۔

تحائف کے ساتھ قاصدوں کو روانہ کرنا

علامہ ابوعمر بن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوسفیان کے پاس ہدیہ (تحفہ) دے کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ ابوعبید القاسم بن سلام نے نقل کیا ہے یہ ہدیہ عجوہ کھجوریں تھیں اور آپ نے اپنے مکتوب میں ان سے کھالیں طلب فرمائیں' حضرت ابوسفیان نے بطور تحفہ کھالیں آپ کی خدمت میں بھیجیں' یہ فتح مکہ سے پہلے اور صلح حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔[۲۹۷]

علامہ ابوالحسن المدائنی نے الگ کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے قاصدوں اور سفیروں کا ذکر کیا ہے جن کو آپ نے مختلف علاقوں میں روانہ فرمایا تھا۔ ''الاصابہ'' میں حافظ ابن حجر نے حارث بن عبد کلال رضی اللہ عنہ نے تذکرہ میں اور دوسروں نے اس کو ذکر کیا ہے' حافظ العراقی نے ''الالفیہ'' میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے اور بصورت نظم بادشاہوں کی طرف جانے والے رسول اللہ ﷺ کے قاصدوں کا اس طرح ذکر کیا ہے:

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کی طرف بھیجا' نجاشی کو مکتوب ملا وہ اپنے تخت سے اترا اور اسلام قبول کر لیا'

اس نے مہاجرین صحابہ کو دو صاف ستھری کشتیوں میں براہِ سمندر روانہ کیا'

حضور ﷺ کا رملہ (ام حبیبہ) سے نکاح کیا اور نجاشی نے خود مہر ادا کیا'

آپ نے حضرت دحیہ کو قیصر روم ہرقل کے پاس بھیجا' اس نے نافرمانی کی اور تکبر کیا'

ابن حذافہ کسریٰ کے پاس گئے' اس نے انکار اور سرکشی میں نامہ مبارک چاک کر دیا'

اور حاطب کو مقوقس کے پاس بھیجا اس نے اچھی گفتگو کی اور حاطب کو قرب دیا'

مقوقس نے نبی ﷺ کے لیے بطور ہدیہ حضرت ماریہ قبطیہ اور ان کی بہن سیرین کو روانہ کیا'

اور دوسرے تحائف جو سونا' پیالہ' مصر کی بعض نادر اشیاء اور براؤن رنگ کے شہد پر مشتمل تھے۔

آپ نے ابن العاصی کو بھیجا انہوں نے آپ کا مکتوب جلندی کے دو بیٹوں کو پہنچایا'

دونوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کی تصدیق کی اور حضرت عمرو بن العاص کو زکوٰۃ' صدقات ادا کیے'

اور حضرت سلیط کو یمامہ کی طرف بنوحنیفہ کے بادشاہ ہوذہ بن علی کے پاس بھیجا'

اس نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور آپ کے پیغام کی تحسین کی۔

[۲۹۷] الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۴۹۷-۴۹۸۔

پھر اس نے کارِ نبوت میں شرکت کا سوال کیا اور شرکت نہ ملنے پر کفر پر برقرار رہا۔
حضرت شجاع اسدی کی بلقاء کے حکمران حارث الغسانی سے ملاقات مشہور ہے'
آپ نے مکتوب دیا تو اس نے کہا: میں قیصر کی طرف جا رہا ہوں' اسے ہرقل کے حوالہ کروں گا۔
ایک قول یہ ہے کہ اس کو جبلہ کی طرف بھیجا وہ اسلام قبول کرنے کے قریب ہوا لیکن
اسے حکمرانی نے ایسا نہ کرنے دیا' پھر حضرت عمر کے دور میں مسلمان ہوا۔ بعد ازاں مرتد ہو کر کافر مرا۔
آپ نے ابن امیہ المہاجر کو حارث بن حمیر کے پاس روانہ فرمایا۔
عبد کلال نے انکار کیا' پھر کہا: میں اپنے معاملہ میں غور کروں گا' بعد میں وفد لے کر حاضر ہوا۔
نبی ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کیا' آپ نے اس لیے چادر بچھائی اور اظہار اپنائیت کیا۔
حضرت علاء بن الحضرمی کو آپ نے منذر بن ساوی الدارمی کے پاس روانہ کیا۔
علاء کے ساتھ ابوہریرہ بھی تھے' منذر نے بہترین ملت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا'
باختلاف روایات فتح مکہ کے سال یا ۹ھ میں منذر وفد لے کر حاضر ہوا'
اسی طرح آپ نے حضرت معاذ اور ابوموسیٰ کو یمن کے صوبہ میں بھیجا وہ دونوں یکجا ہوئے۔
اور آپ نے فرمایا: آسانی کرنا مشکل میں نہ ڈالنا' بھلائی پر بشارت دینا لوگوں کو متنفر نہ کرنا۔
اسی طرح حضرت جریر کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی طرف روانہ فرمایا' جریر اچھے داعی تھے۔
حضرت عمرو الضمری کو مسیلمہ کی طرف بھیجا لیکن وہ اپنے کذب پر برقرار رہا۔
دوبارہ آپ نے حضرت سائب کو مکتوب دے کر بھیجا لیکن مسیلمہ نے توبہ نہ کی۔
اس کے بعد حضرت عیاش کو بنو عبد کلال کے پاس دعوت اسلام کا پیغام دے کر بھیجا'
سب نے مکتوب گرامی کو قبول کیا اور نعیم' حار اور مسروح سب مسلمان ہو گئے
اسی طرح نبی ﷺ نے مزید متعدد خطوط روانہ فرمائے' جن کے لے جانے والوں کا نام مذکور نہیں
ہے۔
فروہ بن عامر الجذامی کے پاس جس نے اسلام کا اقرار کر کے کامیابی حاصل کی'
اسی طرح حمیر کے بنو عمرو اور مشہور بہادر معدی کرب کے پاس (کون گیا تھا؟)
نجران کے بڑے منصب والے پادری اور عرب کے ذہین لوگ جو مسلمان ہوئے۔
ابن ضماذ خالد ازدی' حضرت ابن حزم عمرو' تمیم کے بھائی اوس کے پاس آپ کے مکتوب تھے
جو ان کی اولاد میں رہے' اسی طرح یزید بن طفیل الحارث اور بنو زیاد بن الحارث ہیں
(جن کے پاس نبی ﷺ کے مکتوبات عالیہ موجود تھے)۔

رسول اللہ ﷺ کا دوسروں کے قاصدوں کو انعام سے نوازنا

''الاصابہ'' (ج ۳ ص ۲۱۱' حدیث: ۷۹۴۸) میں قیصر روم کی طرف سے عمان کے گورنر حضرت فروہ بن عمرو الجذامی کے قاصد مسعود بن سعد الجذامی کے تذکرہ میں ہے کہ اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں فروہ کے مسلمان ہونے اور ہدیہ بھیجنے کا ذکر کیا' رسول اللہ ﷺ نے اسے شرف قبولیت بخشا اور حضرت فروہ کے قاصد کو پانچ سو درہم انعام دیا۔

اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں بادشاہ کو جنگ کی دھمکی

''سیرۃ ابن اسحاق'' میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو عمان کے بادشاہ الجُلَندی کے پاس دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ سیرت نگاروں نے حضرت عمرو بن العاص کا الجلندی سے طویل بحث مباحثہ نقل کیا ہے اس میں ہے آپ نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا: مجھے نہیں معلوم تمہارے علاوہ اور کوئی اسلام سے محروم رہا ہو اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو مسلمانوں کے گھوڑے تیرے ملک کو روندیں گے اور ہریالی کو جنگل میں بدل دیں گے' اسلام قبول کر لے سلامت رہے گا اور نبی ﷺ قوم پر تیری حکمرانی کو برقرار رکھیں گے۔

شیخ طیب بن کیران نے ''شرح الالفیہ'' میں کہا ہے: میں کہتا ہوں یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جی داری ہے کہ بادشاہ کو اس طرح مخاطب کیا اور اسے اپنے محل میں جنگ اور ہلاکت سے ڈرایا' حالانکہ بادشاہ کے درباری موجود تھے' حضرت عمرو بادشاہ کے سامنے کھڑے رہے بیٹھے نہ تھے۔ تفصیل کتاب مذکور میں ملاحظہ کریں۔

''طبقات ابن سعد'' میں ہے رسول اللہ ﷺ نے یحنہ بن رؤبہ اور ایلہ کے سرداروں کو لکھا: اگر تم بحر و بر میں امن کے خواہش مند ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم نے یہ پیغام رد کر دیا اور اس پر راضی نہ ہوئے تو میں تم سے کوئی چیز نہیں لوں گا حتیٰ کہ میں تم سے جنگ کروں گا تمہارے چھوٹوں کو قیدی بناؤں گا اور بڑوں کو قتل کر دوں گا' بے شک میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔[۲۹۸]

رسول اللہ ﷺ کے ترجمان

علامہ تلمسانی کی ''العمدۃ'' میں ہے حضرت زید بن ثابت انصاری نجاری رضی اللہ عنہ بادشاہوں کے لیے حضور ﷺ کے خطوط تحریر کرتے تھے اور آپ کی طرف سے جواب دیتے تھے' حضرت زید رضی اللہ عنہ فارسی' رومی' قبطی اور حبشی زبان میں حضور ﷺ کے ترجمان تھے' حضرت زید نے مدینہ طیبہ میں ان زبانوں کے ماہرین سے یہ زبانیں سیکھی تھیں۔ ابن ہشام نے بھی ''البھجۃ'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن عبدالسلام کی کتاب ''التعریف برجال مختصر ابن الحاجب'' میں حضرت زید رضی اللہ عنہ

۲۹۸ مرسل روایت' طبقات ابن سعد' از عبدالرحمٰن بن عبدالقاری۔ (الاصابہ: ۱۳۰۸' ج ۱ ص ۲۶۴)

کے تذکرہ میں یہی مذکور ہے' علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی[۲۹۹] کی ''آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان فارس'' میں ہے کہ بعض صحابہ جیسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عجمی' رومی اور حبشی وغیرہ زبانیں جانتے تھے' سیرت نگار علماء کی معتبر کتب میں اس کی تصریح ہے۔

علامہ ابن عبدربہ کی ''العقد الفرید'' (جزء۲ ص۱۴۴) میں ہے یہ کہا گیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فارسی زبان کسریٰ کے قاصد سے' رومی زبان نبی ﷺ کے دربان سے' حبشی زبان نبی ﷺ کے خادم سے اور قبطی زبان نبی ﷺ کی خادمہ سے سیکھی۔

''صحیح البخاری'' میں ''باب ترجمۃ الحکام'' میں ہے کیا احکام تحریر کرنے والوں میں ایک ترجمان کا ہونا جائز ہے؟ خارجہ بن زید بن ثابت نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے ان کو (حضرت زید کو) یہود کی کتابت کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا۔[۳۰۰]

رسول اللہ ﷺ کے لیے سریانی زبان میں لکھے گئے خطوط کے ترجمان

''الاستیعاب'' میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس سریانی زبان میں تحریر کردہ خطوط آتے تھے' آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا' انہوں نے دس سے کچھ زائد دنوں میں یہ زبان سیکھ لی۔[۳۰۱]

''مختصر الطحاوی'' میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا تجھے سریانی زبان اچھی طرح آتی ہے میرے پاس خطوط آتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: نہیں' آپ نے فرمایا: اسے سیکھ لو' سو میں نے سترہ دنوں میں سریانی زبان سیکھ لی۔[۳۰۲]

''الاحکام الصغریٰ''[۳۰۳] میں ہے امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں' میں نہیں چاہتا کہ ہر آدمی ان کو پڑھے کیا تم سریانی سیکھ سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں' پھر میں نے سترہ دنوں میں یہ زبان

۲۹۹ علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی بن محمد عبدالحلیم الانصاری لکھنوی محدث' متوفی ۱۳۰۴ھ' مشہور کتب: الآثار المرفوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ' الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ' وغیرہ۔ (الاعلام ج۶ ص۱۸۷' الرسالۃ المستطرفۃ ص۱۱۵' الفوائد البھیۃ ص۲۴۸)

۳۰۰ صحیح البخاری: ۷۱۹۵' از خارجہ بن زید بن ثابت از زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج۱۳ ص۱۹۸' میں کہا ہے: امام بخاری نے کتاب التاریخ میں اسے تفصیل کے ساتھ از اسماعیل بن ابی اویس' از عبدالرحمن بن ابی الزناد از والد خود از خارجہ بن زید بن ثابت از زید رضی اللہ عنہ موصولاً ذکر کیا ہے۔

۳۰۱ تخریج گذشتہ صفحات میں مذکور ہے۔

۳۰۲ تخریج گذشتہ صفحات میں مذکور ہے۔

۳۰۳ ''الاحکام الصغریٰ'' تالیف امام حافظ عبدالحق بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن حسین بن سعید الاشبیلی' معروف بہ ابن الخراط متوفی ۵۸۱ھ دیگر تالیفات ''الاحکام الکبریٰ'' ''المجمع بین الصحیحین'' وغیرہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص۱۳۵۰' رقم: ۱۱۰۰)

سیکھ لی۔

ابن عبدالبر کی ''بهجة المحافل ''میں ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ دنوں میں یہ زبان سیکھی۔

یہود کی تحریر (کتابت) سیکھنے کا حکم

''صحيح البخاری ''کے شواہد اور ''تاريخ ''میں ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود کی تحریر سیکھ لو کیونکہ میں کسی یہودی کی تحریر پر مطمئن نہیں ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نصف ماہ (پندرہ دن) میں تحریر سیکھ لی' یہاں تک کہ میں نے حضور ﷺ کی طرف سے یہود کو لکھا اور ان کے جواب آپ کو پڑھ کر سنائے۔

''مختصر الطحاوی ''میں ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہود کی تحریر سیکھنے کا حکم فرمایا' مجھے نصف ماہ بھی نہ گزرا کہ میں نے سیکھ لیا اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: بخدا! میں مکتوبات میں یہود سے مطمئن نہیں ہوں' جب میں نے سیکھ لیا تو میں حضور ﷺ کی طرف سے یہود کو خط لکھتا اور ان کی طرف سے ان خطوط کے جواب پڑھ کر سنا تا تھا۔

امام بخاری نے ''باب ترجمة الحكام ''میں تعلیقاً نقل کیا ہے کہ حضرت خارجہ بن زید بن ثابت نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی تحریر سیکھنے کا حکم دیا' حضرت زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہاں تک کہ میں نے نبی ﷺ کے یہود کے لیے خطوط لکھے اور یہود کی طرف سے آنے والے ان خطوط کے جواب آپ کو پڑھ کر سنائے۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری ''میں کہا ہے: امام بخاری نے اس سلسلے میں طویل روایت کو ''تاريخ ''میں موصولاً ذکر کیا ہے اور کئی طرق موصولہ سے اس کو نقل کیا ہے۔

امام ترمذی نے جامع الترمذی کی کتاب الادب میں اس کو یہ عنوان دیا ہے ''باب في تعليم السريانية ''اور اس باب میں اپنی سند سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے حضرت زید نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہود کی تحریر کی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: بخدا! میں اپنی تحریر پر یہود سے مطمئن نہیں ہوں' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ پر نصف ماہ نہیں گزرا کہ میں نے آپ کے لیے یہود کی تحریر کے الفاظ وکلمات سیکھ لیے' جب میں سیکھ گیا تو آپ جب بھی یہود کی طرف لکھتے میں ہی ان کے لیے لکھتا' اور جب ان کے جواب آتے میں آپ کو پڑھ کر سناتا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' یہ حدیث دوسری سند سے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اعمش نے از ثابت بن عبید از زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سریانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔

ابن عساکر نے از عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہود کی درس گاہ میں تعلیم حاصل کی یہاں تک کہ انہوں نے پندرہ راتوں میں ان کی کتابت' تحریر وغیرہ

سیکھ لی اور وہ (تورات میں) ان کی تحریف وتبدیلی جانتے تھے۔

ابن ابی داؤد نے "المصاحف" میں اور ابن عساکر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: میرے پاس خطوط آتے ہیں میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ہر شخص ان کے پڑھے تو کیا تم عبرانی تحریر سیکھ سکتے ہو یا فرمایا سریانی تحریر؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں' پھر میں نے سترہ روز میں اسے سیکھ لیا۔

ابو یعلیٰ نے اور ابن ابی ابوداؤد نے "المصاحف" میں حضرت زید بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا تم سریانی صحیح طرح جانتے ہو؟ کیونکہ میرے پاس سریانی زبان میں خطوط آتے ہیں' میں نے عرض کیا: نہیں' آپ نے فرمایا: اسے سیکھ لو' سو میں نے سترہ دن میں یہ زبان سیکھ لی۔

امام احمد نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے زید! میرے لیے یہود کی تحریر سیکھ لو میں بخدا اپنے خطوط پر یہود سے مطمئن نہیں ہوں۔

عبد بن حمید نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں لوگوں کی طرف خطوط لکھتا ہوں مجھے اندیشہ ہے یہ (یہودی کاتب) اس میں کمی بیشی کریں گے' تم سریانی سیکھ لو۔

غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا حکم

علامہ کتانی مؤلف کتاب لکھتے ہیں: اس حدیث سے اجنبی زبانیں سیکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ "صبح الاعشیٰ" (جزء۳) میں ہے کاتب (انشاء پرداز' منشی' خطوط نویس) کے لیے مناسب ہے کہ وہ ایسی زبانیں سیکھے جن میں بات کرنے یا خط وکتابت کرنے کی اسے ضرورت رہتی ہو' اسے چاہیے کہ وہ غیر عربی زبانیں سیکھے اور غیر عربی زبانوں میں خط وکتابت کرنا سیکھے تاکہ بوقت ضرورت وہ ان سے کام لے سکے۔

محمد بن عمر المدائنی نے کتاب "القلم والدواۃ" میں کہا ہے کہ کاتب کے لیے ضروری (واجب) ہے کہ وہ ہندی فارسی وغیرہ دوسری عجمی زبانیں سیکھے۔ اس کی تائید گزشتہ احادیث سے ہوتی ہے جن میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی عبرانی یا سریانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا' حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کو یہود کے خطوط پڑھ کر سناتے اور آپ کی طرف سے ان کو جواب لکھتے تھے۔

ابن رشد نے "البیان والتحصیل" میں امام مالک اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے غیر عربی زبانوں کی تعلیم میں انہماک کی مذمت کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام مالک نے عجمی زبانوں کی تعلیم اور ان کی تحریر میں انہماک کو اس صورت میں مکروہ سمجھا ہے جب اس میں کوئی فائدہ نہ ہو' اور اگر ان کے سیکھنے میں فوائد مضمر ہوں تو ان کے سیکھنے میں کراہت نہیں ہے جیسے حکمران کے لیے غیر عربی زبانوں میں آنے والے خطوط اور استفسارات کے جوابات تحریر کرنے ہوں یا ان کو ان کی زبان میں خطوط بھیجنے ہوں جیسے نبی ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی زبان عبرانی یا سریانی سیکھنے کا حکم دیا۔ یا قاضی (جج' منصف) کو مقدمہ کے فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے یا حقوق کے تعین اور اثبات میں اس کی ضرورت ہو' یا عاشر (محصل' کلکٹر) کو ذمیوں سے جزیہ

لینے میں یا حربی تاجروں سے معاملہ کرنے میں، یا قیدیوں کی رہائی میں دیگر زبانوں میں خط و کتابت اور گفتگو کرنے کی ضرورت ہو، تو ان تمام صورتوں اور ان جیسی دیگر ضروریات میں غیر عربی (غیر ملکی) زبانوں کو سیکھنا مکروہ نہیں ہے۔

ابن یونس نے ''المدونہ''[۳۰۴] میں مذکور قول: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجمی زبانیں بولنے سے منع فرمایا، پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس توجیہ میں کئی اقوال ہیں مثلاً اس کی حکمت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مساجد میں عجمیوں سے ان کی زبان میں بات چیت کرنے سے منع فرمایا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زبان سے ناواقف شخص کے سامنے دو آدمی عجمی زبان میں گفتگو نہ کریں، کیونکہ یہ تیسرے شخص کی موجودگی میں دو افراد کی باہم سرگوشی ہے اور یہ مکروہ ہے۔ شیخ ابوالحسن اس پر کہتے ہیں: دوسری توجیہ مشیر کی طرح ہے۔ پہلی توجیہ غالباً مساجد کو لغو باتوں اور کاموں سے بچانے کے لیے ہو، گویا شیخ نے توقف اختیار کیا ہے۔

''التوضیح'' میں ہے مساجد میں عجمی زبانوں میں گفتگو کرنے کو امام مالک نے مکروہ کہا ہے، ابن یونس کا بھی یہی مذہب ہے، شیخ ابوالحسن نے بھی اسے مکروہ کہا ہے۔

ابن الحاج کی ''المدخل'' میں ہے امام مالک نے اس سے بھی ہلکی چیز یعنی مسجد میں کھانے کو مکروہ کہا ہے۔ اور یہ تو اس سے بڑی چیز ہے کہ کوئی عربی غیر عربی زبان میں اور وہ بھی مسجد میں گفتگو کرے۔ علامہ الجاجی کی ''مختصر ابن ابی جمرۃ'' (الحدیث الثالث) پر تقریر ملاحظہ کریں۔

مؤلف کہتے ہیں: اس بحث سے ظاہر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ممانعت اور امام مالک کا کراہیت کا قول مسجد تک محدود ہے، مسجد کے علاوہ غیر عربی زبانوں میں گفتگو کرنا ممنوع ہے نہ مکروہ، یا بلاضرورت ایسا کرنا ممنوع یا مکروہ ہے۔ یا اجنبی زبانوں میں گفتگو کرنے کی ممانعت یا کراہیت اس صورت میں ہے جب اس زبان کے آداب اور علوم کی تعلیم مطلوب نہ ہو، محض وقت گزاری کے مشغلہ کے طور پر تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ کیونکہ ہمارے لیے اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر چارۂ کار نہیں کہ غیر عربی (عجمی) زبانیں آج کے دور میں سائنسی علوم کے دروازوں کی کنجی ہیں، اس ترقی پذیر دور میں عالمی ترقی اور بین الاقوامی ضرورتوں کے لیے ان زبانوں کی تعلیم نہایت ضروری ہے، یہ زبانیں عالمی سطح پر باہمی تعارف کی کلید اور انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہیں۔

متعدد زبانوں کے عالم شیخ صفی الدین الحلی سے منسوب دو اشعار ''الجوھر المحسوس فی ترجمۃ شارح القاموس'' کے مؤلف نے تحریر کیے ہیں:

> آدمی جتنی زبانیں جانتا ہے اس کے بقدر نفع پاتا ہے اور یہ زبانیں مصائب میں اس کی مددگار ہوتی ہیں،
> تم زبانوں کے علم کی تحصیل میں جلدی کرو کیونکہ درحقیقت ہر زبان انسان ہے۔

اس موضوع پر سب سے عجیب و غریب بات مجھے ''طبقات ابن سعد'' میں ملی ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولؤلؤ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ابو جفینہ نصرانی حضرت سعد بن ابی وقاص

[۳۰۴] ''المدونۃ'' تالیف امام سحنون، تلمیذ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ۔ عنوان، تدوین فقہ امام مالکؒ۔

رضی اللہ عنہ کی دایہ (دودھ پلانے والی انّا) کا باپ تھا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں لکھنا سکھاتا تھا۔ (جزء۳ ص۲۵۸) اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو غیر عربی زبان لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا' رہی عربی زبان یا قرآن کی تعلیم تو اس کی تعلیم میں صحابہ کو کسی نصرانی سے تعلیم حاصل کرنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ (غور کریں)

اس باب میں سب سے اچھی بات مجھے شیخ محمد نووی الجاوی المکی کی تفسیر "مراح لبید فی کشف معنیٰ قرآن مجید" (ص۴۰۳) میں ملی' آپ سورۂ یوسف کی آیت کریمہ:

اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے بے شک میں حفاظت کرنے والا' علم والا ہوں ۝ (یوسف:۵۵)

کی تفسیر میں لکھتے ہیں: علیم کا مطلب ہے مال کو خرچ کرنے کے متعلق تمام امور کو جانتا ہوں اور میں آنے والے تمام اجنبیوں کی زبانوں کا عالم ہوں[۳۰۵]

امام بخاری نے "صحیح" میں عنوان قائم کیا ہے: "جس نے فارسی یا غیر عربی زبان میں گفتگو کی"[۳۰۶] امام بخاری نے "الرطانة" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ الفجر الساطع میں اس کا معنیٰ غیر عربی زبان میں کلام بیان کیا گیا ہے' یعنی بوقت ضرورت ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ اس پر دو آیات دلالت کر رہی ہیں' اس جملے سے امام بخاری نے ان احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں فارسی میں کلام کرنے کو مکروہ کہا گیا ہے اور اس عنوان کو جہاد کے ابواب میں درج کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو غیر عربی (عجمی) حکمرانوں اور سفراء سے معاملہ کرتے وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

میں نے سبط ابن الجوزی کی کتاب "مرآة الزمان" میں نہایت نادر چیز دیکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے غلاموں کے ذکر میں ہے کہ ہشام نے کہا: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سو غلام تھے جو الگ الگ زبان بولتے تھے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سب سے ان کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔

حافظ سیوطی کی "تاریخ الخلفاء" (ص۸۳) میں مذکورہ بالا روایت کو ابن عساکر کے حوالے سے عمر بن قیس سے نقل کیا گیا ہے۔ علامہ کتانی مؤلف کتاب ہٰذا کہتے ہیں: صحابہ کرام اور تابعین کے متعدد زبانیں جاننے کے متعلق یہ روایت بڑی عجیب وغریب ہے[۳۰۷]

روایات میں آیا ہے کہ ابن الزبیر کے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے جو آپ کو خراج (آمدنی کا ایک مقررہ حصہ) ادا کرتے تھے' پھر ان کے بیٹے سے بعد از اسلام جن کا گھرانہ بنو ہاشم کے بعد سب سے باعظمت گھرانہ ہو' سو زبانوں کا جاننا اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

---

۳۰۵ ناقابل اعتماد قول' اس سے لوگوں کے مصالح کا علم اور غلہ کو محفوظ کرنے کے طریقے مراد ہیں۔ تاکہ آنے والے قحط کے سالوں میں غلہ مناسب دیکھ بھال سے محفوظ رہے اور بوقت ضرورت کام آسکے۔

۳۰۶ فتح الباری ج۶ ص۲۱۲-۲۱۳' باب:۱۸۸۔

۳۰۷ ناقابل حجت قول' کیا حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا یہی کام رہ گیا تھا کہ وہ ان غلاموں سے ان کی زبان میں باتیں کرتے رہیں' اس بارے میں کوئی صحیح خبر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اس سلسلہ میں ہمارے ماموں علامہ محدث ابوعبداللہ بن جعفر الکتانی نزیل دمشق (دمشق میں رہائش پذیر) کی کتاب "المطالب الغریزة الوافیة فی تکلمه علیه السلام بغیر اللغة العربیة" قابل مطالعہ ہے۔[۳۰۸]

علاوہ ازیں اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتب اور رسائل موجود ہیں: علامہ حسن بن عمار الشرمبلالی الحنفی[۳۰۹] کا رسالہ "النفحة القدسیة فی احکام قرأة القرآن و کتابته بالفارسیة"[۳۱۰] علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی کا رسالہ "آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان فارس" نیز "فتح الباری" کی کتاب الجہاد (ج ۶ ص ۲۱۳) میں امام بخاری کے عنوان "من تکلم بالفارسیة" کے تحت ابن حجر نے لکھا ہے: اس سے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ نبی ﷺ متعدد زبانوں کو علم رکھتے تھے کیونکہ آپ کو تمام اقوام کی طرف بھیجا گیا ہے جب کہ ان اقوام کی زبانیں مختلف ہیں، سو رسالت کے عموم کی نسبت سے تمام اقوام آپ کی قوم ہوئیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ان کی زبانوں کے عارف ہوں تاکہ افہام و تفہیم کا عمل مکمل ہو (وہ آپ کی بات کو سمجھیں اور آپ ان کی باتوں کو سمجھیں)۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ آپ کے لیے تمام زبانوں میں گفتگو فرمانا ضروری نہ تھا کیونکہ آپ کے پاس ان زبانوں کے قابل اعتماد ترجمان موجود تھے۔ اس موضوع پر ایک اور کتاب "اتحاف نجباء العصر بالجواب عن المسائل العشر" ہے یہ بھی ہمارے ماموں رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

تکملہ

"انموذج اللبیب من خصائص المصطفیٰ علیه السلام" میں ہے قرآن مجید ہر زبان میں نازل ہوا ہے، (اس میں ہر زبان کے الفاظ ہیں) ابن النقیب نے ان زبانوں کو شمار کیا ہے علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں کہا ہے کہ ابوبکر الواسطی نے "الارشاد" میں کہا ہے: قرآن مجید میں مختلف قبائل اور اقوام کی پچاس زبانیں موجود ہیں: قریش، ہذیل، کنانہ، خثعم، خزرج، مذحج، خزاعہ، غطفان، مزینہ، ثقیف، ہوازن، اشعر، نمیر، قیس، غیلان، جرہم، ایمن،

[۳۰۸] علامہ محدث ابوعبداللہ محمد بن جعفر بن ادریس الکتانی الحسنی الفاسی، محدث، مورخ، صاحب تصانیف کثیرہ، متوفی ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۷ء۔ "نظم المتناثر فی الحدیث المتواتر" اور "الرسالة المستطرفة" وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

(الاعلام ج ۶ ص ۷۲، ۷۳)

[۳۰۹] علامہ حسن بن عمار بن علی الشرمبلالی، فقیہ مصری، منسوب بہ شبری بلولہ فقہ حنفی میں "نور الایضاح" اور اس کی شرح "مراقی الفلاح" وغیرہ کے مصنف، متوفی ۱۰۶۹ھ۔ (الاعلام ج ۲ ص ۲۰۸)

[۳۱۰] الفقہ الاکبر (ص ۲۵۴) میں علامہ علی القاری کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب قول کہ جس نے فارسی زبان میں نماز ادا کی اس سے کفایت کرے گی، آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور فرمایا: قدرت کے باوجود غیر عربی زبان میں نماز جائز نہیں ہے، اگر اس نے عربی زبان کے علاوہ کسی زبان میں نماز پڑھی، وہ دیوانہ ہوگا اس کا علاج کیا جائے یا پھر زندیق ہوگا اسے قتل کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی زبان میں کلام فرمایا ہے اور اس کا نظم اور معنی اعجاز کا حامل ہے۔

ہدایہ اور اس کی شرح عینی ج ۲ ص ۱۲۹۔۱۳۰ میں ہے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ یعنی عربی کے علاوہ کسی زبان میں نماز نہ پڑھی جائے۔ اسے علامہ ابوبکر الرازی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ قول قابل اعتماد ہے گویا اس پر اجماع ہے کہ نماز عربی زبان میں ادا کی جائے۔

ازدشنوءۃ' کندہ' تمیم' حمیر' مدین' لخم' سعد العشیرۃ' حضرموت' سدوس' عمالقہ' انمار' غسان' سبا' عُمان' بنوحنیفہ' تغلب' طے' عامر بن صعصعہ' اوس' جذام' عروہ' النمر' یمامہ' یہ عربی زبانیں ہیں۔ غیر عربی زبانوں میں فارسی' رومی' قبطی' حبشی' بربری' سریانی' عبرانی اور قبطی زبانیں شامل ہیں۔

ہماری لائبریری میں اس موضوع پر" المھذب فیما وقع فی القران من المعرب " نامی علامہ سیوطی کا رسالہ موجود ہے جس کی ضخامت ایک کاپی کے برابر ہے' علامہ سیوطی نے اس رسالہ کو حروفِ ہجائیہ کی ترتیب پر مرتب کیا ہے' اس موضوع پر ان کا ایک اور رسالہ بھی ہے۔

علامہ رودنی کی" شرح الانموذج "میں ہے' فائدہ: علماء کرام نے ان دو آیات کریمہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ نبی ﷺ تمام زبانوں کے عارف تھے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا . اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ (سباء:۲۸)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ . اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کے قبیلہ کی زبان میں۔ (ابراہیم:۴)

" شرح البلقینی لمجلس الشیخ الشونی "میں بھی یہی مذکور ہے۔

علامہ خفاجی کی" شرح الشفاء "میں ہے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تمام زبانوں کو علم عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ . اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کے قبیلے کی زبان میں۔ (ابراہیم:۴)

اور حضور ﷺ تمام اقوام و امم کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ (جز ۱ص ۲۸۰)[۳۱۱]

" صبح الاعشٰی " کی فصل" احتیاج الکاتب الی معرفۃ اللغات العجمیہ "(ص ۱۶۵) میں محمد بن عمر المدائنی سے نقل کیا ہے' کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ عربی ہونے کے باوجود تمام زبانیں سمجھتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے مبعوث فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو ایسی قوم کی طرف مبعوث نہیں فرمایا کہ وہ پیغمبر ان کی زبان نہ سمجھتا ہو۔ اسی لیے حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فارسی زبان میں گفتگو فرمائی' بہ سند عکرمہ سے منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے فارسی میں گفتگو فرمائی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: درستہ' سادتہ' محمد بن اسمٰعیل نے کہا: میرا خیال ہے ان الفاظ کا مطلب مرحبا اور اہلاً ہے' آپ نے سلمان کی تحسین فرمائی۔[۳۱۲] اس صورت میں نبی ﷺ کے زید رضی اللہ عنہ کو سریانی یا عبرانی سیکھنے کے حکم دینے کی توجیہ یہ ہوگی کہ آپ کے لیے

---

۳۱۱ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (ج ۲ص ۸ ۵۲۷) میں اس آیت کریمہ کے تحت کہا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے لوگوں کی طرف ایسے رسول بھیجے جو ان کی زبانوں میں ان سے گفتگو کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی مراد کو سمجھیں' ان کے پیغام سے واقف ہوں' ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۳۱۲ ضعیف روایت۔

ان زبانوں میں کتابت ناجائز اور ممنوع تھی یہ نہیں کہ آپ کو ان کی زبان سیکھنی تھی۔

الحافظ ابن عبد السلام الناصری البکری کی ''رحلہ'' (سفرنامے) میں اپنے شیخ امام محمد بن محمد النجاری النابلسی الاثری کے تذکرہ میں ہے کہ میں نے شیخ سے اس موضوع پر مذاکرہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فارسی کلام فرمایا ہے یا نہیں؟ صاحب قاموس نے سفر السعادۃ میں اس کا انکار کیا ہے' انہوں نے کہا: درست اور صواب یہ ہے کہ فارسی میں نبی ﷺ کا کلام کرنا ثابت ہے' اور آپ نے اس سوال کے بعد دورانِ سفر تحریر کردہ دو اجزا مجھے دیئے جس میں انہوں نے صاحب قاموس کا رد کیا ہے۔[۳۱۳]

رسول اللہ ﷺ کے شعراء کا بیان

''الاستیعاب'' میں ہے ابن سیرین نے فرمایا: مسلمانوں کے تین شاعر تھے حضرت حسان بن ثابت' حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم۔ مشرکوں کے شعراء میں عمرو بن العاص' عبد اللہ بن الزبعریٰ اور ابوسفیان بن حارث تھے۔

ابوعمر بن عبد البر نے کہا ہے: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہماری طرف سے ان لوگوں کی ہجو کا جواب دیں جنہوں نے ہماری ہجو کی ہے' انہوں نے جواب دیا: اگر نبی ﷺ نے مجھے اجازت دی تو میں جواب دوں گا' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! علی کو اجازت دیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علی اس مطلب کے آدمی نہیں' ہجوگوئی ان سے نہ ہوگی' پھر ارشاد فرمایا: ان لوگوں کو کس چیز نے منع کیا ہے جنہوں نے اپنے ہتھیاروں سے رسول اللہ (ﷺ) کی مدافعت کی ہے وہ اپنی زبانوں (شاعری) سے ان کا دفاع نہیں کرتے؟[۳۱۴] ابن سیرین نے کہا: مشرکوں کی ہجو کے لیے تین انصاری منتخب ہوئے حسان' کعب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم۔

حضرت حسان اور کعب رضی اللہ عنہما مسلمانوں کے شاندار کارناموں اور جنگوں میں ان کے قابل تحسین کردار کا ذکر کرتے اور مشرکوں کی خامیاں اور برائیاں بیان کرتے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کو بتوں کی عبادت پر شرم دلاتے تھے' اس دور میں مشرک عبد اللہ بن رواحہ کی شاعری کو حقیر سمجھتے تھے اور حضرت حسان اور کعب رضی اللہ عنہما کی شاعری ان کے تن بدن میں آگ لگا دیتی' لیکن قبول اسلام اور دینی فہم وفراست حاصل کرنے کے بعد ان کے لیے سب سے سخت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شاعری تھی۔

مؤلف کہتے ہیں: ''الاصابہ'' میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابوعبیدہ نے کہا: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شعراء پر تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ دورِ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے۔ ایامِ نبوت میں نبی ﷺ کے شاعر تھے اور اسلام میں تمام شاعری خیر وبرکت والی کی۔[۳۱۵]

---

۳۱۳ اگر یہ ثابت ہوتا تو اصحاب صحاح اور سنن اسے نقل کرتے۔

۳۱۴ ضعیف روایت' اسے ابن البر نے الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج۱ص ۳۳۵۔۳۳۶' میں ذکر کیا ہے۔

۳۱۵ الاصابہ: ۱۷۰/۴۔

علامہ شہاب الدین البربیری کی "الشرح الجلی" میں ہے صحابہ کرام شعر کا معدن اور منبع تھے' سب سے بڑے شاعر خلفاء اربعہ اور ان میں سے افضل شاعر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے شیخ المشائخ' مصطفیٰ البکری الصدیقی کو دیکھا انہوں نے اپنے جد امجد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کلام پر ایک دیوان حروف ہجائیہ کے مطابق ترتیب دیا ہے' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خنساء سے بڑی شاعرہ تھیں' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو شعراء کا اس قدر کلام یاد تھا کہ عورتیں ایک طرف رہیں مرد بھی ان کا مقابلہ نہیں کر پاتے تھے۔

واضح رہے' شعراء صحابہ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جب اپنی زبان کو دراز کرتے تو آپ کی ناک تک جا پہنچتی تھی' وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے اگر وہ زبان کو حکم دیں تو وہ بالوں کو مونڈ دے اور پتھر کی چٹان میں سوراخ کر دے۔ مسلم شعراء میں نابغہ الجعدی' کعب بن زہیر' کعب بن مالک' زبرقان' عباس بن مرداس' عمرو بن العاص' عبداللہ بن رواحہ' ضرار بن الخطاب' رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس' عبداللہ بن عباس' لبید' معاویہ بن ابی سفیان' ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔

نبی ﷺ حضرت حسان کو شاعری اور مشرکوں کی ہجو کرنے کی ترغیب دیتے اور فرماتے تھے: حسان کی شاعری مشرکوں کے لیے تلوار کے وار سے بڑھ کر تکلیف دہ ہے[۳۱۶] حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام سے شعر سنانے کا فرماتے اور روایات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے کعب بن زہیر کا خون رائیگاں قرار دینے کے بعد ان کے اشعار سن کر ان کی غلطی معاف فرما دی اور ان کو امن بخشا[۳۱۷] اور آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنی باندی سیرین قبطیہ بطور انعام مرحمت فرمائی۔[۳۱۸]

نعت گو صحابہ کرام

مؤلف کہتے ہیں کہ ابن سید الناس حافظ فتح الدین محمد بن محمد اندلسی متوفی ۷۳۴ھ نے نبی ﷺ کی مدح کرنے والے شعراء صحابہ اور صحابیات کو قصیدہ میمیہ میں جمع کیا ہے' پھر کتاب "منح المدح او فتح المدح" میں اس کی تشریح کی ہے' اور حروف ہجائیہ کی ترتیب پر دو سو کے قریب صحابہ اور صحابیات کا ذکر کیا ہے۔

ہمارے ہم عصر لوگوں میں ادیب ابوالحسن علی بن شاکر الموستاری معروف جابی زادہ نزیل آستانہ نے اس موضوع پر نفیس کتاب بنام "حسن الصحابة فی شرح اشعار الصحابة" تالیف کی ہے۔ اس کتاب کی ۶۲۳ صفحات پر مشتمل پہلی جلد شائع ہو گئی ہے' اسے قوافی پر ترتیب دیا گیا ہے' سب سے پہلے صحابی کا تذکرہ پھر توحید اللہ تعالیٰ کی ثناء اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح اور آپ کے معجزات وغیرہ پر مشتمل اشعار مذکور ہیں۔ اس میں دو سو

---

۳۱۶ الاستیعاب علی هامش الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۸' بلا سند۔ مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۰۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۷' طبرانی ج ۱۹ ص ۱۵۱' ابن حبان: ۵۷۸۶' از کعب بن مالک رضی اللہ عنہ' صحیح حدیث۔

۳۱۷ الاصابہ: ۷۴۱۱۔

۳۱۸ الاستیعاب علی هامش الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۱۔

سے زائد صحابہ کرام کا ذکر ہے' کسی کا قصیدہ ہے کسی کا ایک بیت مذکور ہے' پھر ان تمام مصرعوں اور اشعار کی تشریح ہے۔

صحابہ کرام کے بعد حضور ﷺ کی امت میں سے جتنے لوگوں نے آپ کی مدح میں اشعار کہے ہیں ان کا شمار ناممکن ہے' اگرچہ ہر شہر اور ملک کے باشندے اس کے جمع کرنے میں منہمک ہو جائیں تب بھی ایسا دیوان جمع نہیں ہو سکتا جس میں ہر مادح کی مدحت کا ذکر ہو' بلکہ سب مدح کرنے والوں کی مدح کا ایک ایک حرف بھی جمع کریں تو جمع نہ ہو سکے۔

''الرحلة العياشية'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ کی طرف اپنے ساتویں سفر میں ۱۰۷۳ھ میں تحریر کردہ ایک کتاب بنام ''منتهى السول في مدح الرسول'' دیکھی' ابو سالم نے کہا ہے۔ یہ کتاب تمام نعتیہ کلام کی جامع ہے نہ اس میں مخصوص کلام کو جمع کیا گیا بلکہ اس کتاب کے مؤلف نے اپنی معلومات کے مطابق نبی ﷺ کی نعتیں جمع کی ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے اور کس قدر نعتیں باقی رہیں۔

عصر حاضر میں ہمارے دوست نابغۂ دوراں' حسانِ زماں شیخ ابو المحاسن یوسف بن اسماعیل نبہانی شامی نے حروف ہجائیہ کی ترتیب پر نبی ﷺ کی مدحتیں جمع کی ہیں جو چار جلدوں میں شائع ہوئی ہیں' تاہم یہ بھی سمندر میں سے ایک قطرہ اور کثیر ترین سے کم ترین ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فوت شدہ شاعر کے شعر سنانے کی فرمائش کرنا

امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں حضرت عمرو بن الشرید کی اپنے والد حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے امیہ بن ابی الصلت کے شعر سنانے کی فرمائش کی تو میں نے آپ کو امیہ کے سو اشعار سنائے۔[۳۱۹]

صحیح مسلم میں بھی حضرت عمرو بن الشرید کی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ ایک روز میں نبی ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا' آپ نے فرمایا: تمہیں امیہ کے اشعار یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں' فرمایا: سناؤ' میں نے ایک شعر سنایا تو فرمایا: مزید سناؤ' میں نے پھر شعر سنایا' فرمایا: اور سناؤ یہاں تک کہ میں نے آپ کو امیہ کے سو اشعار سنائے' آپ نے فرمایا: وہ مسلمان ہونے کے قریب تھا۔[۳۲۰]

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث میں ایسے اشعار یاد کرنے کی اور ان کی طرف التفات کرنے کی دلیل ہے جو شرعی اور اخلاقی طور پر مستحسن مفہوم اور حکمت پر مبنی ہوں۔

مؤلف کہتے ہیں: امیہ بن ابی الصلت کے اشعار اسی مفہوم کے جامع ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ کے

۳۱۹ تخریج کے لیے آئندہ روایت ملاحظہ کریں۔

۳۲۰ صحیح حدیث' حمیدی: ۸۰۹' ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۹۲-۶۹۳' احمد ج ۴ ص ۳۸۸-۳۹۰' طیالسی: ۱۲۷۱' مسلم: ۲۲۵۵' بخاری ''الادب المفرد'': ۸۶۹' ترمذی ''الشمائل'': ۲۴۸' نسائی ''الیوم واللیلۃ'': ۹۹۸' ابن ماجہ: ۳۷۵۸' طبرانی ''الکبیر'': ۷۲۳۷ تا ۷۲۳۹' ابن حبان: ۵۷۸۲' بیہقی ''السنن'' ج ۱۰ ص ۲۲۷' بغوی ''شرح السنۃ'': ۳۴۰۰' مقدسی ''احادیث الشعر'': ۱۴-۱۵' از عمرو بن الشرید رضی اللہ عنہ۔

بارے میں ارشاد فرمایا: اس کے اشعار ایمان دار اور اس کا دل کافر تھا[۳۲۱]

تشبیب اور غزل کے متضمن اشعار کی سماعت

ایسے اشعار جن میں محبوب کے لعاب دہن کو شراب سے تشبیہ دی جائے اور اس طرح کے تشبیب کے اشعار حضور ﷺ نے سماعت فرمائے ہیں' اس سلسلہ میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدہ بانت سعاد کو پیش کیا جاسکتا ہے[۳۲۲] حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں اپنا یہ مشہور قصیدہ پیش کیا تو آپ نے کعب رضی اللہ عنہ کے خون کے رائیگاں ہونے کا حکم واپس لے لیا' ان کو امان بخشی' بعد ازاں ان کو سو اونٹ بطور انعام دیئے اور اپنی چادر مبارک کا عطیہ مرحمت فرمایا' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حضور ﷺ کی بابرکت چادر (بردہ شریف) تیس ہزار درہم میں خرید لی اور یہ حضرت معاویہ کی ملکیت میں عظیم تر اور نفیس ترین چیز تھی' بنو امیہ کے حکمران حج کے دوران اور عیدوں پر بہ حصول برکت اسے پہنتے تھے اور اسے اپنا قابل فخر لباس شمار کرتے تھے' یہاں تک کہ یہ محترم چادر خلفاء بنو عباس کو ملی۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا یہ نادر قصیدہ لامیہ امت مسلمہ نے حرزِ جاں بنا لیا' بے شمار لوگوں نے اسے حفظ کیا' پڑھا' سنا' اس کی شرحیں لکھیں اور اس کی پیروی کی۔

شیخ' ادیب ابو جعفر البصیر الالبیری الاندلسی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس قصیدہ کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: یہ قصیدہ مضبوط و مستحکم شرف رکھتا ہے' ایسا حکم رکھتا ہے جس کا کوئی ناسخ نہیں' حضرت کعب نے مسجد نبوی میں اسے حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی موجودگی میں پڑھا' اسے قرب کا وسیلہ بنایا' سو اس قصیدہ سے کعب کی سزا عفو و درگذر میں بدل گئی' نبی ﷺ نے ان کی مفلسی و ناداری کو ختم کر دیا' کعب کو اپنی خلعت عطا فرمادی' اس کی طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو روک دیا' کعب کو اور اس کے اہل و عیال کو عظیم مرادوں سے شاد کام فرمایا' حالانکہ پہلے اس کا خون رائیگاں کر دیا گیا تھا۔ اس قصیدہ کی حسنات نے کعب کو قتل کر دیئے جانے کی سزا کا سبب بننے والی کوتاہیوں کو مٹا ڈالا' اس قصیدہ کے محاسن نے گذشتہ عیوب کا چہرہ ڈھانپ دیا' اگر اس طرح کے اشعار کہنا جائز نہ ہوتا تو مدح اور

---

۳۲۱ بخاری: ۶۱۴۷' مسلم: ۲۲۵۶' ترمذی' "الشمائل": ۲۴۲' احمد ج ۲ ص ۳۹۳' ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۹۵' ابن حبان: ۵۷۸۴' بغوی: ۳۳۹۹' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اس کا بہترین بیت "الا کل شیء ما خلا اللہ باطل" ہے۔

امیہ بن صلت: دانائے طائف' جاہلی شاعر' زبیر بن بکار کی روایت میں ہے' امیہ آسمانی کتب کا شناسا تھا' ٹاٹ پہنتا تھا' حنیفیت کا پیروکار تھا' شراب نوشی اور بتوں کی عبادت سے گریزاں رہا' نبوت ملنے کے لالچ میں رہا' کیونکہ کتب سابقہ میں حجاز میں کسی پیغمبر کے تشریف لانے کی نوید پڑھ چکا تھا۔ جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی حسد کا شکار ہو گیا اور اسلام قبول نہ کیا۔

۳۲۲ الاصابہ: ۷۴۱۱ ج ۳ ص ۲۹۷ میں ابن حجر نے اسے بالتفصیل ذکر کیا ہے اور کہا ہے: اسے ابن قانع نے از طریق زبیر بن بکار از بعض اہل مدینہ از یحییٰ بن سعید از سعید بن المسیب روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے یہ روایت ضعیف ہے اس میں مجاہیل ہیں۔ نیز اسے بیہقی نے "الدلائل" ج ۵ ص ۲۱۱ میں موسیٰ بن عقبہ سے اور "الدلائل" ج ۵ ص ۲۰۷۔۲۰۹ میں کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ سے چادر مبارک عطا فرمانے کے ذکر کے بغیر نقل کیا ہے۔

غزل سے منع کر دیا جاتا اور شعراء کی انعام پانے کی خواہش دم توڑ دیتی۔ یہ حدیث شعراء کے مسلک کی دلیل اور ان کے معاملہ کی اصل اور مدار ہے۔

اسکندریہ میں میرے بعض شیوخ نے مجھے بتایا کہ ایک عالم دین اپنی ہر مجلس کا افتتاح حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس قصیدہ سے کرتے تھے' ان سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا: میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کعب کا قصیدہ آپ کے حضور پڑھا گیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں' میں اسے پسند کرتا ہوں اور اس قصیدہ کو پسند کرنے والے کو محبوب رکھتا ہوں' اس عالمِ دین نے کہا: سو میں نے اللہ سے عہد کیا کہ میں اسے روزانہ پڑھوں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے بحضور سید عالم ﷺ قصیدہ پیش کرنے کے وقت سے آج تک شعراء بہ طور برکت اس کی طرز کی پیروی کرتے آ رہے ہیں اور اس کے اقوال کی اقتداء کرتے ہیں کہ یہ قصیدہ حضور ﷺ نے نہ صرف سماعت فرمایا بلکہ پسند بھی فرمایا ہے۔

قاضی محی الدین بن عبد الظاہر نے قصیدہ بانت سعاد کے وزن پر حضور ﷺ کی مدح میں قصیدہ لکھا اور یہ اشعار کہے:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی مدح میں قصیدہ کہا اور ہم بھی اس امید پر آپ کی مدح میں شریک ہوئے' ہماری چادر بھی ان کی رحمت کے عطیات سے بھری جائے گی جیسے کعب رضی اللہ عنہ پر رحمت نے انہیں برکت' شان وشوکت عطا کی۔ (نفح الطیب' للمقری)

رسول اللہ ﷺ کے وصال پر مرثیہ کہنے والے شعراء

حافظ العرفی نے رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے ذکر کے آخر میں ان صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے آپ کے وصال پر مرثیے کہے' ان صحابہ اور صحابیات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت صفیہ بنت عبد المطلب' حضرت ام حکیم بنت عبد المطلب' حضرت ہند بنت عبد المطلب' حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب' حضرت عمرو بن العاص' حضرت حسان' حضرت کعب بن مالک' حضرت ابوالہیثم بن التیہان' حضرت عبد اللہ بن انیس' حضرت عمرو بن سالم الخزاعی' حضرت زبرقان بن بدر' حضرت عبد اللہ بن مالک الارحبی' حضرت ابن ذی مدان (ہمدان کے اشراف سے تھے) حضرت عبد اللہ بن سلمہ الہمدانی' حضرت سواد بن قارب الدوسی اور عبد الحارث بن انس بن الریان رضی اللہ عنہم وغیرہ' یہ اس کا صرف ایک جزء ہے ورنہ ایسے صحابہ اور صحابیات کی تعداد بہت ہے۔

حافظ شامی نے ''سبل الھدٰی'' میں اس موضوع پر کئی عنوانات ذکر کیے ہیں' ایک باب کا عنوان ہے: اشعار میں نبی ﷺ کی سیرت طیبہ جمع کرنے والے' اس باب میں بعض عنوانات یہ ہیں:

(۱) حضور ﷺ کا اچھے شعر کی تعریف فرمانا' برے شعر کی مذمت کرنا اور زیادہ اشعار جمع کرنے سے متنفر کرنا۔

(۲) مسجد شریف میں اور بیرونِ مسجد حضور ﷺ کا اپنے بعض صحابہ سے اشعار سماعت فرمانا۔
(۳) حضور ﷺ کا اپنے بعض صحابہ کو مشرکوں کی ہجو کرنے کا حکم فرمانا۔
(۴) حضور ﷺ کا اشعار کو بطور مثال پیش فرمانا۔
(۵) صحابہ کرام سے اشعار سنانے کی فرمائش کرنا۔

اشعار پیش کرنے پر قیدیوں کی بھاری تعداد کی باعزت رہائی

اس سلسلہ میں نہایت نفیس واقعہ مذکور ہے' محدثین اس روایت کے دلدادہ اور اس قصہ کے دیوانے ہیں' متاخرین محدثین مثلاً امام سیوطی' امام سخاوی وغیرہ دسویں صدی کے حفاظ حدیث نے اسے دس واسطوں سے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حافظ سخاوی نے ''فتح المغیث'' میں کہا ہے کہ امام طبرانی کی ''المعجم الصغیر'' وغیرہ سے مجھے باہم مربوط سند کے ساتھ عشاریات (وہ روایت جس میں رسول اللہ ﷺ اور اس راوی کے درمیان دس اشخاص آئے ہیں) ملی ہیں۔ دنیا بھر میں دسویں صدی میں اس سے کم تر تعداد میں راویوں سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔

حافظ سیوطی نے ''التدریب'' میں کہا ہے: اس دور میں ہمارے لیے اعلیٰ ترین صحیح متصل السماع احادیث میں ہمارے اور نبی ﷺ کے درمیان بارہ راوی ہیں اور روایت کی اجازت دینے والے کے بغیر گیارہ ہیں۔ ایسی روایات کثیر تعداد میں ہیں' معمولی ضعف کے ساتھ دس راویوں والی احادیث ہیں' لیکن ایسی احادیث بہت کم ہیں اور امام طبرانی کی ''المعجم الصغیر'' میں موجود ہیں۔

مؤلف (علامہ کتانی) کہتے ہیں: میں یہاں اس روایت کو ذکر کرنا پسند کرتا ہوں جو اس چودھویں صدی ہجری میں ہمیں اور ہمارے ہم عصر علماء کو اعلیٰ سند کے ساتھ حاصل ہوئی ہے۔ یہ حدیث مسند الدنیا نے روایت کی ہے۔ البدر بن عبداللہ بن درویش بن ابراہیم السکری الدمشقی نے ۱۳۲۴ھ میں کہا: اخبرنا مسند الدنیا الوجیه عبد الرحمن بن محمد بن عبد الرحمن الكزبری' انا المعمر مصطفی الرحمتی الدمشقی' عن العارف عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی الصالحی عن نجم الدین محمد بن محمد الغزی عن ابیه البدر محمد بن محمد الغزی العامری الدمشقی' انا الحافظ عبد الرحمن بن ابی بكر السیوطی قال انا مسند الدنیا محمد بن مقبل الحلبی اجازة مكاتبة ۸۶۹ ھ عن محمد بن ابراهیم بن ابی عمر المقدسی وهو اخر من حدث عنه بالاجازة' انا ابو الحسن علی بن احمد بن البخاری' وهو اخر من حدث عنه عن ابی القاسم عبد الواحد بن القاسم الصیدلانی وهو اخر من حدث عنه اخبرتنا ام ابراهیم بنت عبد الله وابو الفضل الثقفی سماعا علیهما قالا انا ابوبكر بن ریذه انا ابو القاسم الطبرانی' ثنا ابن عبید الله بن رماحس عام ۲۸۴ ھ' ثنا ابو عمرو وزیاد بن طارق (آپ نے ایک سو بیس برس عمر پائی) قال سمعت ابا جرول زهیر بن صرد طارق (ایک سو بیس سال

کی عمر پائی) قال سمعت ابا جرول زهير بن صرد الجشمي.

حضرت زہیر بن صرد جشمی بیان کرتے ہیں: جب جنگ ہوازن میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قیدی بنایا' آپ قیدیوں کو تقسیم فرمانے لگے' میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! ہم پر کرم فرمایئے' آپ کی ذات سے ہم کرم کے امیدوار ہیں اور رحمت کے منتظر ہیں'

آپ ایسی جماعت پر احسان فرمائیں دنیا میں جن کی قدر و منزلت نہیں رہی اور جن کی حالت بگڑ چکی ہے

زمانہ ہمیں رنج والم میں مبتلا کر چکا ہے اور ہمارے دل غم واندوہ اور مصائب وشدائد کا شکار ہیں'

اگر آپ انعام واکرام سے ان کی خبر گیری نہ کریں گے تو وہ بکھر جائیں گے' آپ تو آزمائش کے وقت کے سب سے زیادہ عالم ہیں۔

آپ ان خواتین پر احسان فرمائیں جن کا آپ دودھ پیا کرتے تھے جب آپ کا منہ ان کے خالص دودھ سے بھر جاتا تھا'

ہم کو ان جیسا نہ کریں جیسے کوئی مر جاتا ہے' ہماری طرف سبقت فرمایئے ہم دل کے صاف شفاف لوگ ہیں۔

ہم اس وقت بھی نعمتوں کے مشکور ہوتے ہیں جب ان کا انکار کیا جاتا ہے' آج کے بعد آپ کا یہ احسان ہمارے پاس ذخیرہ ہوگا'

اپنی دودھ پلانے والی ماؤں سے عفوو درگذر فرمائیں' آپ کا عفوو درگذر مشہور ہے۔

آپ بہترین فرد ہیں جب لڑائی کے شرارے بھڑکتے ہیں اور کمیت اصیل گھوڑے میدان جنگ میں آتے ہیں۔

ہم آپ سے عفوو درگذر کے طلب گار ہیں' آپ راہبر انسانیت ہیں' اگر ہمیں معاف فرمادیں اور ہماری مدد فرمائیں تو بعید از کرم نہ ہوگا'

عفوو درگذر سے کام لیجئے' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آپ سے عفوو درگذر فرمائے اور آپ کو فتح ونصرت سے نوازے۔

راوی کہتے ہیں: جب نبی ﷺ نے یہ اشعار سنے تو ارشاد فرمایا: جو کچھ میرا اور بنو عبد المطلب کا حصہ ہے وہ تمہارا ہے' قریش نے کہا: جنگی قیدیوں میں سے ہمارا حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے (آزاد) ہے۔ انصار نے کہا: ہمارے حصہ کے تمام قیدی اللہ اور اس کے رسول کے لیے (آزاد) ہیں۔[۳۲۳] امام سیوطی نے "التدریب"

---

۳۲۳ ضعیف روایت' طبرانی "الکبیر" ج ۵ ص ۵۰۳۔ ۳ "الاوسط": ۲۴۴' مجمع البحرین "الصغیر" ج ۱ ص ۲۳۶۔۲۳۷' ہیثمی نے المجمع ج ۶ ص ۱۸۷ میں کہا ہے: طبرانی نے اسے تینوں کتب میں روایت کیا ہے اس کے بعض راویوں کو میں نہیں پہچانتا۔ ذہبی نے المیزان ج ۳ ص ۶ میں عبید اللہ بن رماحس کے تذکرہ میں کہا ہے: عبید اللہ بن رُماحس القیسی الرملی از زیاد بن طارق از زہیر بن صرد۔۔۔۔۔۔علامہ ذہبی کہتے ہیں: میں نے اس بارے میں متقدمین کی جرح نہیں دیکھی' پھر میں نے اس کی روایت کردہ حدیث دیکھی جس میں علت قادحہ تھی۔ ابو عمر بن عبد البر نے زہیر کے اشعار کے متعلق کہا: اسے عبید اللہ بن رماحس نے از زیاد بن طارق از زیاد بن صرد بن زہیر از والد خود از جد خود زہیر بن صرد روایت کیا ہے اور اس کی روایت میں دو راوی ساقط ہیں' معجم طبرانی وغیرہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں کہا ہے: اس سند سے یہ حدیث حسن' غریب ہے' یہ عشاری ہے (اس کی سند میں نبی ﷺ تک دس راوی ہیں) اسے ابوسعید الاعرابی نے معجم میں از ابن رماحس اور ابوالحسین بن قانع از عبید اللہ بن علی الخواص از ابن رماحس روایت کیا ہے۔المغازی میں ابن اسحاق کی روایت میں اس کا شاہد ہے۔ضیاء المقدسی نے المختارہ میں اسے زہیر کی حدیث سے نقل کیا ہے اور عمرو بن شعیب کی حدیث بطور استشہاد نقل کی ہے' ان کے نزدیک یہ حدیث حسن کی شرط پر ہے۔پھر علامہ سیوطی نے اس پر ذہبی اور ابن عبدالبر کا کلام درج کیا ہے اور اسی پر اقتصار کیا ہے جس طرح ان سے پہلے ان کے شیوخ کے شیخ حافظ العراقی نے اپنی کتاب "الاربعین العشاریات" نے اسی اسناد پر اقتصار کیا ہے۔اور یہ حضرات روایت کے ان طرق سے غافل رہے جن کو سید الحفاظ علامہ ابن حجر نے "لسان المیزان" میں جمع کیا ہے' لسان المیزان (جزء۲'ص۹۶) میں حضرت عبداللہ بن رماحس کے تذکرہ میں حیرت انگیز بحث ملے گی۔وہاں انہوں نے اس حدیث کے حسن الاسناد ہونے پر کلام کیا ہے' حافظ ابن حجر کی "فتح الباری" میں ہے یہ حدیث حسن ہے جس نے اس کو منقطع گمان کیا ہے وہ وہم میں ہے۔

"الاصابہ" میں ہے ابن عبدالبر نے بغیر قادح کے اس کے اسناد کو کمزور قرار دیا ہے۔"لسان المیزان" میں زیاد بن طارق کے تذکرہ میں انہوں نے اس کی وضاحت کی ہے' دیکھئے "غنیمة الواجد" از علامہ ابوزید الثعالبی۔

ان اشعار کی سماعت کے بعد نبی ﷺ نے ہوازن کے قیدیوں کو رہا فرما دیا۔علامہ ابن حجر کی "المنح المکیہ" میں ہے ہوازن کے قیدیوں میں چھ ہزار عورتیں اور بچے' دو ہزار چار سو اونٹ' چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی شامل تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے خطیب

امام ابن حزم الاندلسی کی "جمهرة انساب العرب" (ص۳۶۴) میں ہے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے خطیب تھے۔"الاستیعاب" میں ہے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نبی ﷺ اور انصار کے خطیب تھے۔جس طرح حضرت حسان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے شاعر تھے۔

علامہ کتانی (مؤلف کتاب) کہتے ہیں: ابونعیم الاصبہانی مؤلف الحلیہ نے "طبقات الخطباء" کے نام سے اس موضوع پر کتاب تصنیف کی ہے' حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں سحبان کے تذکرہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

"تاریخ الخلفاء" میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن کثیر سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ فصیح اور سب سے بڑے خطیب تھے۔

(بقیہ حاشیہ: ۲۲۳) اسی سند سے (جس کے دو راوی ساقط ہیں) یہ حدیث مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حقیقت کے انکشاف کے بعد حافظ سیوطی کی تدریب الراوی میں اس کی تحسین یا حافظ ابن حجر کی تحسین اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہے۔لسان المیزان کے شواہد بھی ناقابل اعتماد ٹھہرتے ہیں۔

زبیر بن بکار نے کہا: میں نے بعض اہل علم کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام میں سب سے فصیح ترین خطیب حضرت ابوبکر اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔

کیا رسول اللہ ﷺ یا آپ کے صحابہ میں سے کسی نے غیر عربی زبان میں خطبہ دیا؟

ہندوستان کے ممتاز عالم دین ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی نے اپنے رسالہ "آکام النفائس" (ص ۳۳' مطبوعہ ۱۳۰۳ھ) میں کہا ہے: نبی ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا' اور کسی کے متعلق یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے جمعہ کے خطبہ کے علاوہ بھی کبھی غیر عربی زبان میں خطبہ دیا ہو۔ حالانکہ نبی ﷺ کے خطبہ کی مجالس میں فارس' روم' حبشہ اور عجم کے لوگ حاضر ہوتے تھے' آپ نے اپنے خطبہ کی زبان کبھی نہیں بدلی نہ ہی کسی کو غیر عربی زبان میں خطبہ دینے کا حکم فرمایا۔ جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ حاضرین میں ایسے لوگ موجود ہوتے تھے جو عربی زبان مطلق نہیں سمجھتے تھے اور بعض قدرے سمجھ لیتے تھے۔

اس سے یہ وہم نہ ہو کہ نبی ﷺ عربی زبان کے علاوہ دیگر عجمی زبانیں نہیں جانتے تھے' ورنہ آپ غیر عربی زبانوں میں خطبہ ارشاد فرماتے' ہم کہتے ہیں: کسی زبان کے جاننے سے یہ ضروری نہیں کہ اس میں خطبہ بھی دیا جائے (تقریر کی جائے) کیونکہ بعض صحابہ مثلاً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عجمی' رومی' حبشی وغیرہ زبانیں جانتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کو کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ وہ ان لوگوں کی زبان میں ان کو خطبہ دیں اور وعظ و نصیحت کریں۔

بہرحال قرونِ ثلاثہ (رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک اور صحابہ اور تابعین کے ادوار) میں عجمیوں (غیر عربی لوگ) کو دین کی تفہیم اور دیگر امور کے لیے غیر عربی زبانوں میں خطبہ دینے کی ضرورت تھی اس کے باوجود کسی نے بھی یہ روایت نہیں کیا کہ قرونِ ثلاثہ میں کسی نے غیر عربی زبان میں خطبہ دیا ہو۔

"غایۃ المقصود علی سنن ابی داؤد" میں ہے خطیب کے لیے لازم ہے کہ دورانِ خطبہ قرآن مجید کی قرأت اور اس سے وعظ و نصیحت عربی زبان میں کرے' اگر سامعین غیر عربی ہوں تو ان کی زبان میں ترجمہ کر دے کیونکہ غیر عربی لوگوں کے لیے قرآن سے وعظ و نصیحت تب مؤثر اور مفید ہو گی جب ان کو ان کی زبان میں سمجھایا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (ابراھیم:۴)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کے قبیلہ کی زبان میں تاکہ وہ انہیں واضح طور پر بتا دے۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر "جامع البیان فی تاویل القرآن" میں ہے یعنی لوگوں کو احکام اور اوامر اس طرح بیان کیے جائیں کہ وہ بغیر تکلف کے ان کو سمجھ لیں اور رسول اللہ ﷺ ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ پہلے عربی زبان میں خطبہ دیا جائے' بعد ازاں اس کو دوسری زبان میں منتقل کیا

جائے اور اس کا ترجمہ کیا جائے۔

الشیخ نذیر احمد محدث دہلوی نے کہا ہے کہ خطیب کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کی قراءت کے بعد اس کا مفہوم بیان کرے اور سامعین کو ان کی زبان میں وعظ ونصیحت کرے' ورنہ خطبے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

میں (مؤلف کتاب) کہتا ہوں کہ موحدین کی حکمرانی کے دوران فاس کی جامع القرویین وغیرہ میں ان کے خطیب بربری زبان میں خطبہ دیتے تھے۔ واللہ اعلم

فوائد

(۱) حافظ قاسم بن قطلو بغا کی ''طبقات الحنفیہ'' (ص ۱۰) میں جعفر بن محمد بن المعز بن المستغفر النسفی المستغفری کے تذکرہ میں ہے آپ ۳۵۰ھ میں پیدا ہوئے' ان کی ایک کتاب کا نام ''خطب النبی ﷺ'' ہے۔

(۲) ابو عبداللہ بن الطیب الشرقی ''القاموس'' پر اپنے حواشی میں لکھتے ہیں: نبی ﷺ کا خطبہ قافیہ بندی سے مبرا ہوتا تھا اور یہی چیز خطبے کی جان ہے' خلفاء راشدین اور اکثر سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے' خطبات میں قافیہ بندی (تک بندی) ہمارے دور کی ایجاد ہے' الفاظ کے انتخاب میں تکلف برتا جاتا ہے' اور خطبے کا اصل مقصد خیر کی طلب' وعظ ونصیحت اور اصلاح احوال الفاظ کے گورکھ دھندوں میں گم ہو گئے ہیں۔

(۳) حضور ﷺ بعثت سے پہلے قس بن ساعدۃ الایادی کے خطبہ میں موجود تھے' آپ کا ارشاد ہے: گویا کہ میں اس کو عکاظ کے بازار میں سرخ اونٹ پر دیکھ رہا ہوں۔ الحدیث[۳۲۴]

جاحظ نے اپنی کتاب ''البیان والتبیین'' میں کہا ہے کہ قس بن ساعدہ اور اس کی قوم کو ایسی فضیلت ملی ہے کہ اہل عرب میں سے کسی کو نہیں ملی' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عکاظ کے بازار میں اس کا سرخ اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ دینا' وعظ ونصیحت کرنا بیان فرمایا ہے۔ آپ نے اس کے حسنِ کلام پر حیرت فرمائی اور اس کی تصویب اور تحسین فرمائی' یہ ایسا عظیم ترین شرف ہے جہاں تک امیدوں اور آرزوؤں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ قس بن ساعدہ کو یہ اعزاز اس لیے عطا ہوا کہ اس نے توحید کا اقرار کیا اور اخلاص' اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا اظہار کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قس کا شمار عرب کے چوٹی کے خطیبوں میں ہوتا تھا۔

مجاہدین کے ناموں کا رجسٹروں میں اندراج

فصل اوّل: عہد نبوی میں رجسٹروں میں لوگوں کے نام لکھنے کا ثبوت

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لوگوں کے نام رجسٹروں میں درج کیے جائیں تاکہ مسلمانوں کی صحیح تعداد معلوم

[۳۲۴] موضوع روایت' اس حدیث کو ابن الجوزی نے الموضوعات ج ا ص ۲۱۳۔۲۱۴ میں از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کر کے کہا: اس روایت کے پہلے طریق کے متعلق یحییٰ بن معین نے کہا ہے: محمد بن الحجاج جھوٹا خبیث ہے۔ ابوزرعہ رازی نے کہا: اس کی احادیث موضوع ہیں۔ دارقطنی نے کہا: یہ جھوٹ بولتا تھا۔ کلبی کے متعلق زائدہ' لیث اور سعدی نے کہا: یہ کذاب ہے' دارقطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔ ابن حبان نے کہا: اس کا کذب کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ ابو صالح کے متعلق ابن عدی کا قول ہے: مجھے نہیں معلوم متقدمین میں سے کوئی اس سے راضی ہو۔

ہو سکے' صحیح البخاری میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے لیے مسلمانوں کے نام لکھو تو آپ کے لیے پندرہ سو آدمیوں کے نام لکھے گئے۔[۳۲۵]

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دوران خطبہ یہ ارشاد فرماتے سنا: کوئی شخص ہرگز کسی عورت کے پاس اس کے محرم کی عدم موجودگی میں تنہا نہ رہے اور کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے' ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! میری بیوی حج پر جا رہی ہے اور میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے' آپ نے فرمایا: واپس جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔[۳۲۶] صحیح بخاری میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے: میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج پر جا رہی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں ''باب کتابة الامام الناس'' کے تحت لکھا ہے: اس اندراج سے مراد غزوات وغیرہ میں شمولیت کے لیے نام درج کرانا ہے اور اس میں امام کا خود نام لکھنا یا دوسروں سے نام لکھوانا دونوں مراد ہیں۔ نیز اس حدیث سے فوج کے ناموں پر مشتمل رجسٹروں کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آدمی کا یہ کہنا: میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا ہے' اس بات کی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں یہ معمول تھا کہ غزوات میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے نام لکھے جاتے تھے۔[۳۲۷]

''الخطط'' میں علامہ تقی المقریزی نے کہا ہے: واضح رہے تین اقسام کے رجسٹر ہوتے ہیں:

(۱) فوجیوں کے ناموں کے رجسٹر (۲) احکام کے رجسٹر (۳) مراسلات کے رجسٹر۔

ہر مملکت کے لیے اس قسم کے رجسٹر ضروری ہیں۔ علماء کرام نے خراج اور احکام وغیرہ کی کتابت پر الگ الگ تصانیف چھوڑی ہیں لیکن لشکروں اور فوجیوں کے رجسٹروں کی تدوین اور ترتیب پر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی رجسٹروں میں مطلوبہ چیزوں کا اندراج کیا جاتا تھا۔

فصل دوم: بیعت یعنی عہد و پیمان لینا

بیعت حقیقتاً بیع سے مشابہت رکھتی ہے' علامہ ابن اثیر ''النہایہ''[۳۲۸] میں کہتے ہیں: گویا دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے پاس موجود شے دوسرے فرد کو بیچ دی اور اپنی جان اور طاعت کا اس کو مالک اور اپنے معاملات میں اس کو دخیل بنا دیا۔ اس کی اصل اور حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت تھی جب دو آدمی باہم خرید و فروخت کرتے تو

[۳۲۵] صحیح حدیث' بخاری: ۳۰۶۰' مسلم: ۱۴۹' ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۶۹' احمد ج ۵ ص ۳۸۴' ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۲' ابن ماجہ: ۴۰۲۹' ابن مندہ ''الایمان'': ۴۵۳' ابن حبان: ۶۲۷۳' بیہقی ج ۶ ص ۳۶۳' بغوی ''شرح السنۃ'': ۴۲۷۴' از حذیفہ رضی اللہ عنہ' بعض روایات میں ''لکھو'' کی جگہ ''گنو'' کا لفظ ہے۔

[۳۲۶] صحیح حدیث' بخاری: ۳۰۰۶-۵۲۳۳' مسلم: ۱۳۴۱' شافعی ج ۱ ص ۲۸۶' احمد ج ۱ ص ۲۲' ابن خزیمہ: ۲۵۲۹' ابن حبان: ۲۲۳۱' بیہقی ج ۳ ص ۱۳۹- ج ۵ ص ۲۲۶' بغوی: ۱۸۴۹' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[۳۲۷] فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۶-۲۰۷' مطبوعہ دارالریان۔

[۳۲۸] ''النہایة فی غریب الحدیث والاثر'' تالیف امام مجدالدین ابی السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری' مؤلف ''جامع الاصول فی احادیث الرسول ﷺ'' متوفی ۶۰۶ھ۔

ایک فریق دوسرے فریق کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بیعت کو عظمتِ شان عطا فرمائی اور بیعت کو توڑنے سے بچنے کا حکم دیا ہے' ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○ (الفتح:١٠)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے' تو جس نے بیعت توڑی تو اس کا وبال اسی پر ہوگا اور جس نے اس عہد کو پورا کیا جو اس نے اللہ سے کیا (تھا) تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا○

اور اس ارشاد گرامی میں عورتوں سے بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ۙ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (الممتحنہ:١٢)

اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں آپ سے بیعت کریں اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان' اور دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو انہیں بیعت فرمالیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے○

نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے دو بیعتیں لیں۔ المرجانی کہتے ہیں: زبان کے عرف اور مقصود شرع میں بیعت کا معنیٰ طاعت اور فرمانبرداری کا عہد ہے کہ وہ اپنے تمام ذاتی امور میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھیں گے۔ سرتابی اور اعراض نہیں کریں گے' اس کے ہر حکم کی اطاعت کریں گے خواہ وہ حکم انہیں پسند ہو یا ناپسند' ان کی یہ حالت باہم مصافحہ کرنے جیسی ہو گئی (کہ دونوں نے اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں دے دیا) بالکل ایسے جیسے بائع اور مشتری (بیچنے اور خریدنے والا) باہم عہد کر لیتے ہیں' اور اس کو بیعت کا نام دیا گیا۔ لیلۃ العقبہ (منیٰ میں) درخت کے نیچے (صلح حدیبیہ کے موقع پر) اور جہاں کہیں بھی نبی ﷺ نے صحابہ یا صحابیات سے بیعت لی ہے وہ مذکور الصدر مفہوم میں ہے۔

امام بخاری نے صحیح البخاری میں عنوان قائم کیا ہے: امام لوگوں سے کیسے بیعت لے۔ اس سے مراد بیعت کی عملی صورت نہیں بلکہ قول و اقرار کی بیعت مراد ہے' امام بخاری نے بیعت کے الفاظ میں سننے' اطاعت کرنے' ہجرت کرنے' جہاد کرنے' صبر کرنے' میدانِ جنگ سے فرار نہ ہونے' اگرچہ موت واقع ہو جائے ذکر کیے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کی بیعت ہے اور اسلام پر بیعت کے الفاظ مروی ہیں' ان میں سے ہر بیعت کے موقع پر حسب حال الفاظ

ہی سے بیعت لی گئی۔

حافظ ابن الجوزی نے کہا کہ ان تمام عورتوں کی تعداد جن سے نبی ﷺ نے بیعت لی چار سو ستاون (۴۵۷) ہے' حضور ﷺ نے بیعت لیتے وقت کسی خاتون کے ہاتھ سے ہاتھ نہیں ملایا' صرف قول و اقرار سے بیعت لی۔

نیز نبی ﷺ نے بیعت کے لیے بلوغ کو شرط نہیں قرار دیا چنانچہ آپ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت لی حالانکہ وہ سات برس کے تھے۔ علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں: حضور ﷺ حسب موقع اور حسب ضرورت صحابہ کرام سے تجدید عہد اور تاکید مزید کے لیے بیعت لیتے تھے۔

بیعت میں توحید کے اقرار کے بعد سب سے پہلی شرط اقامتِ نماز' پھر زکوٰۃ کی ادائیگی ہوتی تھی' پھر ہر قوم سے اس چیز پر بیعت لی جاتی جس چیز کی اس کے لیے زیادہ ضرورت ہوتی تھی۔

صحیح البخاری میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے نماز قائم کرنے' زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔[۳۲۹] حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے سب مسلمانوں کی خیر خواہی پر اس لیے بیعت لی کہ وہ اپنی قوم کے سردار تھے سو حضور ﷺ نے ان کو اپنی قوم کی تعلیم اور ان کی خیر خواہی اور بھلائی کی ہدایت فرمائی۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیعت سے متعلق مندرجہ ذیل ابواب ذکر کیے ہیں: دوبار بیعت کرنے والے' بدویوں کی بیعت' کم سن کی بیعت' بیعت کر کے توڑنے والے' دنیا کے حصول کے لیے بیعت کرنے والا' عورتوں کی بیعت' اور بیعت کو توڑنے والے۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء اپنے لیے اور اپنے ولی عہد کے لیے بیعت لیتے تھے' بسا اوقات ان کی بیعت زبردستی اور جبر پر مبنی ہوتی تھی۔ جب امام مالک نے مجبور کی قسم منعقد نہ ہونے کا فتویٰ دیا تو ان پر جو بیتی سو بیتی' پھر بیعت کسروی کا رواج ہو گیا زمین چومنا' خلیفہ کے پاؤں یا دامن کو بوسہ دیا جانے لگا' مصافحہ قصۂ پارینہ بن گیا' مصافحہ اور قول و اقرار کی بیعت کو خواص کا شعار بنا دیا گیا' عوام الناس کے لیے اس طرح کی بیعت کو ریاست کے منافی اور بادشاہ کے رتبہ کے خلاف سمجھا گیا۔

آج کے دور میں بیعت دستاویز اور اقرار ناموں کی صورت میں ہوتی ہے' بیعت کرنے والا اپنی بیعت کا تحریری ثبوت فراہم کرتا ہے' بیعت کرنے والے کو اگر تحریر میں مہارت نہ ہو تو دستاویز تیار کر کے اس پر گواہی ثبت کر دی جاتی ہے کہ اس نے بادشاہ سے وفاداری کا عہد کیا ہے۔ قاضی ابوبکر[۳۳۰] نے "فوائد الدرر" میں کہا ہے: ابتدائے اسلام میں بیعت قولی ہوتی تھی اب تحریری ہوتی ہے' اس عہد مبارک میں صرف قرآن مجید لکھا جاتا تھا۔

۳۲۹ صحیح حدیث' بخاری: ۵۷-۵۲۴-۱۴۰۱-۲۷۱۵' مسلم: ۵۶(۹۷)' احمد ج ۴ ص ۳۶۱-۳۶۵' حمیدی: ۷۹۵' ترمذی: ۱۹۲۵' طبرانی "الکبیر": ۲۲۴۴-۲۲۴۵-۲۲۴۷ تا ۲۲۴۹' ابن حبان: ۴۵۴۵' از جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

۳۳۰ امام قاضی' حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد الاشبیلی' معروف بہ ابن العربی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن ان کی مشہور ترین تصنیف ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۹۶)

احادیث لکھنے میں اختلاف ہے' رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے نام لکھتے تھے نہ ان کے لیے دیوان (رجسٹر) تھا۔ ایک روز آپ نے کسی ضرورت کے پیش نظر ارشاد فرمایا: میرے لیے مسلمانوں کے نام لکھو' لیکن آج کل باقی سارے دینی آثار و معالم اور ان کے متعلقات و توابع کی طرح نومسلموں کے نام بھی تحریر کیے جاتے ہیں' کیونکہ لوگوں کے مزاج فاسد ہو گئے ہیں ان میں امانت داری کم ہو گئی ہے اور ان کے معاملات خلط ملط ہو چکے ہیں۔ تفصیلات کے لیے "الفوائد" ملاحظہ کریں۔

"الفوائد" میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں عبدالرحمٰن بن زید العراقی سے مروی ہے کہ میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے پاس آیا' آپ نے اپنا ہاتھ ہماری طرف نکالا جو اونٹ کے قدم کی طرح موٹا تھا اور فرمایا: میں نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے' ہم نے ان کا ہاتھ تھاما اور اسے بوسہ دیا۔

فصل سوم: عہد رسالت مآب میں امور بیعت کے نگران

صحیح البخاری کی گزشتہ روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ امور بیعت کے نگران تھے۔ "الاستیعاب" میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بڑے کاتبوں میں سے تھے اور صحابہ کرام میں آپ رسول اللہ ﷺ کے رازدار مشہور تھے۔

("الاستیعاب" علی حامش "الاصابہ" ج ۱ص ۲۷۷۔۲۷۸)

فصل چہارم: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عطایا کا ثبوت

امام ابوداؤد نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب مال فے آتا آپ اسے اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے' آپ شادی شدہ کو دو حصے اور کنوارے کو ایک حصہ عطا فرماتے' ہمیں بلایا گیا' مجھے عمار رضی اللہ عنہ سے پہلے بلایا جاتا تھا' مجھے بلایا گیا آپ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے' میں شادی شدہ تھا' پھر میرے بعد عمار رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان کو ایک حصہ دیا گیا۔[۳۳۱]

"المؤطا" میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو عطیات دیتے تو ان سے دریافت کرتے کیا تمہارے پاس زکوٰۃ کی ادائیگی کے قابل مال ہے؟ اگر کوئی شخص کہتا: ہاں' تو آپ اس کے عطیہ سے اس مال کی زکوٰۃ لے لیتے (اور باقی اس کے حوالہ کر دیتے) اور اگر کوئی شخص کہتا: نہیں' تو اس کا عطیہ اس کے حوالے کر دیتے اور اس میں سے کچھ نہ لیتے۔[۳۳۲]

امام ابویوسف[۳۳۳] نے "کتاب الخراج" میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مجاہدوں کے لیے

۳۳۱ صحیح حدیث' ابوداؤد: ۲۹۵۳' از عوف بن مالک رضی اللہ عنہ

۳۳۲ الموطا ج ۱ص ۲۴۵۔۲۴۶' از قاسم بن محمد۔

۳۳۳ امام' مجتہد' علامہ' محدث' قاضی القضاۃ ابویوسف بن یعقوب بن ابراہیم الانصاری الکوفی' متوفی ۱۸۲ھ' سترہ برس امام ابوحنیفہ کی صحبت میں رہے' ان سے فقہ حاصل کی آپ امام ابوحنیفہ کے نہایت باخبر اور ہونہار شاگرد تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۸ص ۵۳۵۔۵۳۸)

وظیفہ مقرر نہ تھا' تمام امراءِ لشکر جو کچھ دورانِ جنگ مال غنیمت حاصل کرتے اس کے پانچ حصے کرتے تھے جن میں سے چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔اسی طرح خیبر وغیرہ جیسی زمینوں کی آمدنی کا معاملہ تھا جن کو بٹائی پر ان کے سابقہ مالکوں کے حوالہ کر دیا گیا تھا' جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے آپ نے تمام مسلمانوں کا حصہ برابر کر دیا اور فرمایا: یہ ذریعۂ معاش ہے اس میں برابری ترجیحات سے بہتر ہے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے دوسرا طریق کار اپنایا انہوں نے عطیات میں فضیلت کو معیار بنایا اور اسلام کے قبول کرنے میں سبقت حاصل کرنے والوں کو بعد والوں پر ترجیح دی اور اسی اعتبار سے سب مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے۔

''طبقات ابن سعد ''میں حضرت عمرو بن الفغواء رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا آپ کا ارادہ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کے پاس مال بھیجنے کا تھا تا کہ وہ اس مال کو قریش میں تقسیم کر دیں' آپ نے مجھ سے فرمایا: اپنا ساتھی تلاش کر لو۔[۳۴۴]

فصل پنجم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفتر کا قیام اور اس کا سبب

''دیوان'' دفتر جس میں فوجیوں اور عطیات حاصل کرنے والوں کے نام ہوتے تھے' یہ اندراج قبائل اور ان کی ذیلی شاخوں کے اعتبار سے ہوتا تھا۔

''النھایہ'' میں ہے دیوان دفتر جس میں فوجیوں اور عطیات پانے والوں کے نام ہوتے تھے۔

ابوہلال العسکری نے ''الاوائل'' میں اور الماوردی نے ''الاحکام السلطانیہ'' میں ذکر کیا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے دیوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا۔ (صبح الاعشیٰ' جزء۱۳ص۱۰۶)

امام نووی کی 'تہذیب الاسماء '' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے دفتر قائم کیے' رجسٹر بنائے اور عطیات میں ان کی سبقت اسلام کا خیال رکھا وہ حاضری کی اجازت اور عزت و اکرام میں بھی اسی چیز کا خیال رکھتے تھے۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں کو اندر آنے کی اجازت ملتی تھی اور ان میں بھی سرفہرست حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

دفتر میں ناموں کا اندراج رسول اللہ ﷺ سے قرب کی بنیاد پر تھا سب سے پہلے بنو ہاشم پھر بنو المطلب پھر اسی ترتیب سے الاقرب فالاقرب معیار تھا۔

---

[۳۴۴] احمد ج۵ص۲۸۹' ابوداؤد: ۲۸۴' الاستیعاب' علی حامش' الاصابہ ج۲ص۵۳۰' طبرانی ''الکبیر'' ج۱۷ص۳۳' از عمرو بن الفغواء رضی اللہ عنہ۔ ابن عبد البر نے اسے یحییٰ بن معین از نوح بن یزید روایت کر کے کہا ہے: اس میں عبد اللہ بن عمرو بن الفغواء راوی ہیں۔ (الاصابہ: ۵۹۳۲ ج۳ص۱۱) مکمل حدیث ہے: پھر میرے پاس عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا: مجھے خبر ملی ہے تم جانے والے ہو اور تمہیں ایک ساتھی کی تلاش ہے' میں نے کہا: ہاں' کہا: میں تیرا ساتھی ہوں' میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہا: میں نے ساتھی پالیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا جب تمہیں ساتھی مل جائے تو مجھے اطلاع کرنا' آپ نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ میں نے کہا: عمرو بن امیہ الضمری' آپ نے فرمایا: جب تم اپنی قوم کے علاقہ میں جاؤ تو ان سے بچ کر رہنا' کیونکہ کسی قائل کا قول ہے: البکری تیرا بھائی ہے تو اس کو امین نہ سمجھ۔

"صبح الاعشٰی" (ج ۱ص ۴۱۳) میں ہے العسکری نے ذکر کیا ہے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال ترتیب دیا۔ لیکن دوسرے مقام پر ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کے نگران تھے۔ اس طرح بیت المال کا قیام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔

علامہ سیوطی نے "تاریخ الخلفاء" (ص ۹۴) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھا ہے: آپ ہی نے سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔ ابن سعد نے حضرت سہل بن ابی خیثمہ وغیرہ سے نقل کیا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیت المال سُنح میں تھا اس کا کوئی چوکیدار نہ تھا' ان سے کہا گیا: آپ اس پر نگران کیوں نہیں مقرر کرتے؟ فرمایا: اس پر تالا پڑا ہے' بیت المال میں جو کچھ ہوتا اسے تقسیم کر کے فارغ ہو جاتے۔ جب آپ مدینہ منورہ منتقل ہوئے' بیت المال اپنے گھر میں منتقل کر لیا' آپ کے پاس جو مال آتا فقراء میں برابر برابر تقسیم کر دیتے۔ عطایا میں بھی برابری کا خیال رکھے تھے۔ بیت المال سے اونٹ' گھوڑے اور اسلحہ خرید کر اسے راہِ خدا میں وقف کر دیتے' ایک مرتبہ آپ نے بیت المال سے باہر سے آنے والی چادریں خریدیں اور ان کو مدینہ طیبہ کی بیواؤں میں تقسیم کر دیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا' تدفین کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امینوں کو بلایا اور حضرت ابوبکر کے گھر میں داخل ہوئے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما بھی ان میں شامل تھے' انہوں نے بیت المال کا دروازہ کھلوایا' اندر درہم و دینار (روپیہ پیسہ) کچھ بھی نہیں تھا۔

اس اثر (منقولہ خبر) سے "الاوائل" میں العسکری کے اس قول کا رد ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال قائم کیا۔ میں نے اوائلِ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تالیف کردہ اپنی کتاب میں اس کی تردید کی ہے۔ پھر میں نے دیکھا العسکری نے اپنی ایک ایسی کتاب میں ایک اور مقام پر متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے: سب سے پہلے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیت المال کے نگران مقرر ہوئے۔ (ص ۳۱)

ان روایت کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ بیت المال سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے قائم کیا تھا مگر رقومات اور اشیاء کا باقاعدہ شمار اور اندراج نہیں ہوتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے بیت المال کو مدون اور مرتب کیا۔

ابن الاثیر کی "تاریخ الکامل" میں ہے ۱۵ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنخواہیں مقرر کیں' دفاتر مدون کیے اور وظائف دیئے۔

الماوردی کی "الاحکام السلطانیہ" میں دیوان مرتب کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے کئی اقوال ذکر کیے گئے ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آپ کے پاس آئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کتنا مال لائے ہو؟ انہوں نے کہا: پانچ لاکھ درہم' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے زیادہ سمجھا اور فرمایا: جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں' پانچ مرتبہ سو ہزار (پانچ لاکھ)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: لوگو! ہمارے پاس بہت مال آیا

ہے اگر تم چاہو تو تم کو ماپ کر دیں اور اگر چاہو تو گن کر دیں‘ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: امیر المؤمنین! میں نے عجمیوں کو دیکھا ہے اس کام کے لیے رجسٹر ترتیب دیتے ہیں‘ آپ بھی دیوان مرتب کر لیں‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رجسٹروں کی ترتیب اور تدوین کے بارے میں لوگوں سے مشورہ طلب کیا‘ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کثیر مال آیا ہے لوگ بہت ہیں اگر اس کا حساب نہ رکھا گیا کہ کس نے لیا ہے اور کس نے نہیں لیا تو مجھے اندیشہ ہے انتشار پیدا ہوگا۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے شام میں دیکھا ہے‘ بادشاہوں کے پاس رجسٹر تھے اور فوجیوں کے ناموں کا اندراج ہوتا تھا‘ آپ بھی رجسٹر تیار کرائیں اور فوجیوں کا ریکارڈ بنوائیں‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی تجویز مان لی اور حضرت عقیل بن ابی طالب‘ مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا (یہ سب قریش کے جوانوں میں سے تھے) اور ان کو حکم دیا کہ درجہ بدرجہ لوگوں کے نام لکھیں۔

الشہاب المرجانی کی کتاب ”وفیات الاسلاف“ (ص ۳۶۸) میں ہے‘ مملکت اسلامیہ میں سب سے پہلے محرم ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے رجسٹر مدون کیے۔ آپ نے قریش کے لکھنے والوں حضرت عقیل بن ابی طالب‘ حضرت مخرمہ اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے تا حال فوج کے رجسٹر لکھنے کا حکم دیا‘ اندراج میں نسب کا خیال رکھا گیا اور الاقرب فالاقرب کا اصول اپنایا گیا۔

علامہ الخزاعی نے یہاں بالتفصیل لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں کا اندراج صرف مخصوص اوقات میں ہوتا تھا‘ مثلاً آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی مردم شماری کا حکم دیا‘ اسی طرح آپ کے عہد ہمایوں میں عطایا کے لیے وقت معین تھا نہ اس کی مقدار معین تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگوں کی کثرت ہوگئی اور مختلف علاقوں اور اطراف سے مال غنیمت جمع ہونے لگا اور ریکارڈ مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے دیوان مرتب کرائے اور ان میں ناموں کی ترتیب الاقرب فالاقرب پر رکھی۔ (سب سے پہلے حضور ﷺ کے خاندان والے پھر درجہ بدرجہ دوسرے افراد)۔

لیکن میں نے امام علاؤ الدین الکاسانی الحنفی کی کتاب ”بدائع الصنائع“ (جز ۲‘ ص ۴۵) میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے رؤساء قریش مثلاً ابوسفیان بن حرب‘ صفوان بن امیہ اور اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہم کو عطیات دینے کے ذکر میں یہ عبارت پائی ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے مؤلفۃ القلوب کو کچھ نہیں دیا‘ علامہ کہتے ہیں: مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد قریش کے یہ سردار حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے ان کے حصوں پر مشتمل تحریر میں تبدیلی کا مطالبہ کیا‘ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے تبدیل کر دیا‘ پھر یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو اس تبدیلی کی خبر دی‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ سے تحریر لی اور اسے پھاڑ دیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ تمہاری تالیف قلب کے لیے تمہیں عطیات دیتے تھے تا کہ تم اسلام پر ثابت قدم رہو‘ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی ہے اور اپنے دین کو غالب فرما دیا ہے (اب بھاری عطیات دے کر تمہاری دلجوئی کی ضرورت نہیں رہی)۔ یہ لوگ واپس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت عمر رضی اللہ

عنہ کی کارروائی کے بارے میں بتایا اور آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انشاء اللہ وہی ہیں' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور عمل کا انکار نہ کیا' صحابہ کرام کو اس کی خبر ہوئی انہوں نے بھی اسے برا نہ سمجھا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عطایا کا اندراج اور ریکارڈ ہوتا تھا اور لوگ باقاعدہ طریقہ سے عطیات حاصل کرتے تھے' اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک ہی میں یہ سارا کام باقاعدہ مدون ہو چکا تھا۔ عطیات وصول کرنے والوں کی فہرست ہوتی تھی۔ یہی دیوان (دفتر) ہے۔ فتامل۔

"صبح الاعشیٰ" (ج ا ص ۱۱) میں القضاعی سے یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت جہم بن الصلت رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے لیے صدقات کے اموال تحریر کرتے تھے اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کھجوروں کے پھلوں کا اندازہ لکھتے تھے' لکھا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ رجسٹروں میں اندراج رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں شروع ہوا۔

اس باب کی پہلی فصل میں حافظ ابن حجر کی "فتح الباری" سے منقول بحث ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں۔

ابن العربی کی "الاحکام" میں ہے کہ رہی دیوان کی نگرانی تو یہ رجسٹر نبی ﷺ کی نگرانی میں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کی زیر نگرانی رہتا تھا' اس میں فوجیوں کے نام تحریر ہوتے تھے تاکہ ان کے وظائف کا ریکارڈ رہے' نیز اموال کا ریکارڈ ہوتا کہ مستحقین کے لیے اس کے فوائد کا حصول آسان ہو۔

"الاصابہ" میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کے تذکرہ میں ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المال کے نگران تھے۔

البزار نے روایت کیا ہے علامہ سیوطی نے اسے المجمع میں ضعیف قرار دیتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف خط لکھا گیا' آپ نے عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا جواب دو۔ حضرت عبداللہ بن ارقم نے خط لے کر اس کا جواب لکھا پھر اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے' آپ نے فرمایا: تو نے اچھا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ بات میرے دل میں رہی تاآنکہ میں خلیفہ بنا تو میں نے عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا والی مقرر کر دیا۔[۳۳۵]

امام بیہقی نے "السنن" میں ابووائل سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قضاء (منصفی) اور بیت المال پر عامل مقرر فرمایا۔

علامہ المناوی نے "شرح الشمائل" میں ابوجحیفہ وھب السوائی کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے محبت کرتے تھے اسے وھب الخیر کہتے تھے اور آپ نے وہب کو بیت المال پر مقرر کیا تھا۔

علامہ تقی المقریزی کی "الخطط" میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر میں تمام قبائل عرب میں ایک آدمی مقرر کیا تھا جو ہر روز ان کی مجالس کا چکر لگاتا اور کہتا تھا: کیا تمہارے ہاں آج رات کو کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ یا تمہارے پاس کوئی مہمان آیا ہے؟ اسے کہا جاتا: فلاں کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہوئی ہے' فلاں کے ہاں فلاں قبیلہ کے

۳۳۵ ضعیف روایت' المجمع ج ا ص ۱۵۲۔۱۵۳' ہیثمی نے کہا: اس میں محمد بن صدقۃ الفدکی ہے' المیزان میں ہے: اس کی حدیث منکر ہے۔

صاحب اہل وعیال سمیت آئے ہیں، جب وہ قبیلہ والوں سے معلومات حاصل کر لیتا تو دفتر میں آ کر اسے لکھ لیا کرتا تھا۔

ریکارڈ سازی میں مسلمانوں کا تسامح

اموی اور عباسی حکمرانوں نے ریکارڈ سازی سے بے توجہی برتی، اس دور میں دیوان (مختلف قسم کے رجسٹر) غیر عربی زبانوں میں تھے۔ "صبح الاعشی" (ج۱ص۴۲۳) میں ہے سب سے پہلے عبدالملک بن مروان کی خلافت میں حجاج بن یوسف نے عراق کا دیوان فارسی سے عربی میں منتقل کیا، منتقلی کا کام صالح بن عبدالرحمٰن سے لیا گیا، اور شام کے دیوان رومی زبان سے عربی زبان میں عبدالملک بن مروان نے اپنے مراسلہ نویس حسین کے غلام سلیمان بن سعید سے منتقل کروائے۔ پھر عبدالملک نے اسے شام کے تمام ریکارڈ کا نگران مقرر کر دیا۔ "المنهاج فی صنعة الخراج" کے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ مصری دیوان سب سے پہلے عبدالعزیز بن مروان نے مصر پر اپنی گورنری کے دور میں قبطی سے عربی زبان میں منتقل کرائے۔

علامہ شہاب المرجانی "الوفیہ" (ص۳۶۸) میں کہتے ہیں کہ اسلام آنے کے بعد ٹیکس اور خراج کے دیوان بدستور سابقہ زبانوں میں رہے، چنانچہ عراقی دیوان فارسی میں اور شامی دیوان رومی زبان میں تھا اور فریقین کے درمیان معاہدے بھی انہیں زبانوں میں تھے یہاں تک کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے سلیمان بن سعد کو شامی دیوان عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ایک سال میں یہ کام مکمل کر دیا اور حجاج نے اپنے کاتب صالح بن عبدالرحمٰن کو عراقی دیوان فارسی زبان سے عربی زبان میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔

گویا کہ اہل عرب اپنی بے توجہی کی وجہ سے ریکارڈ سابقہ زبانوں میں رکھتے تھے یا پھر جن علاقوں کو فتح کرتے ان میں رائج عام زبان دیوان میں استعمال کرتے تھے۔ اس کی مثال "الروض القرطاس" (ص۴۵) میں قرویین اور ان کے خطباء کے ذکر میں موجود ہے کہ دولت موحدیہ والے جب فاس پر حکمران ہوئے انہوں نے وہاں کے خطیب کو معزول کر دیا اور دوسرا بربری زبان جاننے والا خطیب مقرر کیا۔

ابن ابی زرع نے کہا ہے: موحدین صرف اسی کو خطیب و امام مقرر کرتے تھے جو بربری زبان کو جانتا تھا۔

"الجذوة" (ص۳۳) میں ابن القاضی کی عبارت ہے پھر موحدین شہر فاس میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں کے خطیب کو ہٹا دیا اور اس کی جگہ ابوالحسن بن عطیہ کو مقرر کر دیا کیونکہ وہ بربری جانتا تھا اور اس نے بربری زبان میں خطبہ دیا۔

انتباہ

اہل عرب آثار قدیمہ کی عبارتیں پڑھنے میں یورپ کے ماہرینِ آثار قدیمہ سے سبقت لے گئے ہیں عربوں نے ان تحریروں اور اشاراتی زبان کا عربی میں ترجمہ کیا اور ان عربی کتب کے توسط سے یورپ ان قدیم زبانوں کی معرفت اور قدیم تحریریں پڑھنے کے فن میں کمال تک پہنچا ہے۔

چوتھی صدی یا تیسری صدی ہجری کے آخر میں احمد بن وحشیہ النبطی المتوفی ۳۲۲ھ نے اپنی کتاب "شوق

المستهام الى معرفة رموز الاقلام" تالیف کی یہ اپنے موضوع پر نادر کتاب ہے' مؤلف نے اس کتاب میں قدیم زمانہ میں گذشتہ اقوام میں رائج تحریروں کی تصویریں جمع کی ہیں' اور ان تمام تحریروں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اسے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ مطالعہ کرنے والے کو آسانی ہو اور وہ بہ سہولت ان قدیم تحریروں کا جو مختلف النوع ہیں عربی زبان میں ترجمہ کر سکے اور دانش مند وزیرک انسان چار گھنٹوں سے کم وقت میں اپنے مطلوب کو پالے۔ انگریزوں نے آج سے ایک سوتیس سال پہلے اس کتاب کا ترجمہ کیا اور اسے شائع کر دیا جس سے گذشتہ اقوام کے علوم وفنون' احوال وواقعات جو تا حال گمنامی میں تھے واضح ہو کر سامنے آ گئے۔

فصل ششم: مجاہدین کے دیوان میں نام لکھوانے کے لیے عمر کی حد

امام ترمذی نے نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھے چودہ سال کی عمر میں لشکر میں شمولیت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے مجھے منظور نہ فرمایا' پھر آئندہ سال پندرہ سال کی عمر میں مجھے پیش کیا گیا تو آپ نے میری شرکت کو منظور فرمالیا' حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے کہا: یہ صغیر اور کبیر (چھوٹے اور بڑے) کے درمیان حد ہے۔ پھر انہوں نے یہ حکم جاری کر دیا کہ پندرہ سال کو پہنچنے والے کا حصہ مقرر کر دیا جائے۔[336]

مؤلف کہتے ہیں: "الاصابہ" (حدیث: ۲۵۶۶' ج ۱ ص ۴۹۵) میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے رافع نے کہا: مجھے غزوۂ بدر کے موقع پر نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے مجھے کم سن قرار دیا اور غزوۂ احد میں مجھے شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

"الاصابہ" میں حضرت زید بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ ابن مندہ نے روایت کیا ہے نبی ﷺ نے کچھ لوگوں کو نوعمری کی وجہ سے واپس کر دیا تھا ان میں زید بن حارثہ' براء بن عازب' زید بن ارقم' سعد بن حبتہ'[337] عبداللہ بن عمر اور جابر[338] رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

"الاصابہ" (حدیث: ۶۰۵۷' ج ۳ ص ۳۵) ہی میں حضرت عمیر بن ابی وقاص القرشی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ امام حاکم نے از طریق اسماعیل بن محمد بن سعد از عمِ خود عامر بن سعد از والدِ خود سعد رضی اللہ عنہ یہ روایت ذکر کی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مجاہدین کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے عمیر بن ابی وقاص کو واپس کر دیا' عمیر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو آپ نے اسے ساتھ جانے کی اجازت دے دی' اور ان پر ان کی تلوار کا پرتلہ (تلوار کا پٹہ یا پٹی جس سے اسے لٹکاتے ہیں) تھا۔[339]

---

[336] صحیح حدیث' بخاری: ۲۶۶۴-۴۰۹۷' مسلم: ۱۸۶۸' ابوداؤد: ۴۴۰۶-۴۴۰۷' ترمذی: ۱۷۱۱' نسائی ج ۶ ص ۱۵۵-۱۵۶' ابن ماجہ: ۲۵۴۳' احمد ج ۲ ص ۱۷' ابن سعد "الطبقات" ج ۴ ص ۱۴۳' ابن حبان: ۴۸۲۸' بیہقی "السنن" ج ۳ ص ۸۳' ج ۶ ص ۵۴-۵۵' ج ۸ ص ۲۶۴' ج ۹ ص ۲۱-۲۲' "الدلائل" ج ۳ ص ۳۹۵' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

[337] الاصابہ: ۳۱۳۰' الاستیعاب علی هامش الاصابہ ج ۲ ص ۵۲۔

[338] الاستیعاب علی هامش الاصابہ ج ۲ ص ۵۲۔

[339] ضعیف روایت' المستدرک ج ۳ ص ۱۸۸' از سعد رضی اللہ عنہ۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' لیکن امام بخاری اور مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔ ذہبی نے کہا ہے: اس میں یعقوب ضعیف راوی ہے۔

ابن سعد نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو دیکھا' بدر کے دن مجاہدین کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیے جانے سے پہلے وہ چھپ رہے تھے' میں نے پوچھا: کیوں چھپتے پھرتے ہو؟ کہا: مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ لیا تو مجھے کم عمر سمجھ واپس کر دیں گے اور میں لشکر کے ساتھ جانا چاہتا ہوں شاید کہ اللہ مجھے شہادت کی موت عطا فرما دے' حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عمیر کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اسے کم عمر جان کر واپس کر دیا' عمیر رونے لگا تو آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت سعد فرماتے ہیں: ان کی کم سنی کی وجہ سے میں ان کی تلوار کا پرتلہ باندھتا تھا' عمیر رضی اللہ عنہ نے سولہ سال کی عمر میں (غزوۂ بدر میں) شہادت پائی[۳۴۰]

فصل ہفتم: رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر سال مجاہدین کو پیش کرنا

''الاستیعاب'' میں علامہ ابن عبدالبر نے حضرت سمرہ بن جندب کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ ہر سال انصار کے لڑکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جاتے تھے (کہ ان میں کون مجاہدین میں شمولیت کے قابل ہے) ایک لڑکے کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اسے لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت مرحمت فرما دی' اس کے بعد حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا آپ نے اسے واپس کر دیا' حضرت سمرہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے اس لڑکے کو اجازت دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے' اگر میں اس سے کشتی لڑوں تو میں اسے پچھاڑ دوں' نبی ﷺ نے مجھے اس لڑکے سے کشتی لڑنے کی اجازت دی تو میں نے اسے کشتی میں پچھاڑ دیا' نبی ﷺ نے مجھے بھی لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی[۳۴۱]

''الاصابہ'' میں بھی ابن اسحاق سے ایسی روایت منقول ہے[۳۴۲] امام شافعی نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے چودہ سال کے سترہ نوعمر صحابہ کو واپس کر دیا' آپ نے ان کو نابالغ قرار دیا' اگلے سال پندرہ سال کی عمر میں ان کو غزوہ میں شرکت کی اجازت مرحمت فرما دی۔

البرہان الحلبی نے کہا: ممکن ہے امام شافعی کی مراد یہ ہو کہ ان سترہ نوعمر صحابہ کو غزوۂ احد میں شرکت سے روک دیا گیا' یا یہ کہ مختلف غزوات میں رسول اللہ ﷺ نے اس عمر کے صحابہ کو واپس کر دیا' دونوں صورتیں یکساں مفاد کی حامل ہیں' تاہم امام شافعی کے ظاہر کلام سے پہلا احتمال مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے پہلے غزوۂ احد میں سترہ واپس کیے جانے والے صحابہ کو شمار کیا ہے پھر ان دو نوعمر صحابہ کا ذکر کیا ہے جن کو اجازت دی گئی۔

''المواهب'' کے شارح نے ان کی تعداد بیس تک پہنچائی ہے۔ (ج ۲ ص ۲۴)

مجاہدین کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرنے کے لیے ان کی صفیں بنائی جاتی تھیں اور حضور ﷺ ملاحظہ فرماتے تھے۔

---

۳۴۰ نہایت ضعیف روایت' الاصابہ: ۶۰۵۷' ج ۳ ص ۳۵۔۳۶ میں اسے ابن سعد کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے' اسے واقدی نے ابی بکر بن اسماعیل بن محمد بن سعد از والدخود روایت کیا ہے اور واقدی محدثین کے نزدیک کذب سے متہم ہے۔

۳۴۱ الاستیعاب ج ۲ ص ۷۸۔۷۹' از جعفر انصاری رضی اللہ عنہ۔

۳۴۲ الاصابہ: ۳۴۷۵' ج ۲ ص ۷۸۔۷۹' از ابن اسحاق بلا سند۔

''طبقات ابن سعد'' (ج ۴ص ۱۵) میں حضرت عباس بن مرداس السلمی رضی اللہ عنہ کی آمد کے قصہ میں ہے کہ وہ اپنی قوم کے نو سو افراد کے ساتھ جو گھوڑوں پر سوار نیزے اور زرہیں سنبھالے ہوئے تھے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ غزوۂ فتح مکہ میں شریک ہوں' عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ملاحظہ کے لیے صف بندی کر لی' آپ کی ایک جانب حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تھے۔

والدین کی اجازت کے بغیر رسول اللہ ﷺ کا جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دینا

امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے یمن سے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی' آپ نے دریافت فرمایا: یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے کہا: میرے والدین ہیں' آپ نے فرمایا: کیا انہوں نے تمہیں اجازت دی ہے؟ عرض کی: نہیں' فرمایا: ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے اجازت لے کر آؤ' اگر وہ تمہیں اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرو۔[۳۴۳]

امام احمد اور نسائی نے حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن جاہمہ السلمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: میں غزوہ میں جانا چاہتا ہوں آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں' آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا: جی ہاں' ارشاد فرمایا: ماں کے ساتھ لگے رہو کہ جنت اس کے پیر کے پاس ہے۔[۳۴۴]

سالارِ لشکر کے لیے سائبان کی تیاری تا کہ وہ لشکر پر نظر رکھ سکے

غزوۂ بدر کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سائبان (عریش) میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔

سیرت ابن اسحاق اور تہذیب ابن ہشام (ج ۱ص ۶۲۱) میں ہے بدر کے روز حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ نے گزارش کی: اے اللہ کے نبی! کیا ہم آپ کے لیے عریش (سائبان' چھپر) نہ بنا دیں آپ اس میں آرام فرما ہوں اور ہم آپ کے پاس سواری کے لیے اونٹ تیار رکھیں' پھر ہم اپنے دشمن سے مقابلہ کریں' پھر اگر اللہ تعالیٰ ہمیں عزت سے نوازے اور ہمارے دشمن پر ہمیں غلبہ عطا فرمائے تو یہ ہماری محبوب ترین چیز ہے اور اگر معاملہ برعکس ہو جائے تو آپ اپنی سواری پر سوار ہوں اور آپ ہماری قوم کے پیچھے رہ جانے والوں کے

---

[۳۴۳] ضعیف الاسناد' ابوداؤد: ۲۵۳۰' از ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ اس کے اسناد میں دراج از ابوالہیثم ہے اور اس ابوالہیثم سے روایت میں ضعیف ہے لیکن اس روایت کے شواہد اسے حسن کے درجہ میں لائے ہیں جیسا کہ آئندہ روایت ہے۔

[۳۴۴] حسن حدیث' نسائی ج ۶ص ۱۱' ابن ماجہ: ۲۷۸۱' احمد ج ۳ص ۴۲۹' طبرانی ''الاوسط'' از معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں' شیخ عبدالقادر الارناؤوط نے جامع الاصول: ۱۹۷ میں اس کے اسناد کو حسن کہا ہے۔

ہاں تشریف لے جائیں' اے اللہ کے نبی! کئی ایسے لوگ اس غزوہ میں شرکت سے پیچھے رہ گئے ہیں جو آپ سے محبت کرنے میں ہم سے کم نہیں ہیں' اگر ان کا یہ خیال ہوتا کہ آپ کو جنگ سے واسطہ پڑے گا تو وہ پیچھے نہ رہتے' اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائے گا وہ آپ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ جہاد کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد کی تعریف کی اور ان کو دعائے خیر سے نوازا' پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے سائبان تیار کیا اور حضور ﷺ اس سائبان میں رہے۔[۳۴۵] (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۶)

ابن بادیس نے کہا: عریش ہودج (اونٹ کی چھت دار کاٹھی جس میں دو آدمی آمنے سامنے بیٹھتے ہیں) کجاوے سے ملتا جلتا چھپر' یا لکڑیوں سے تیار کردہ خیمہ ہے' اس کی جمع عُرُش آتی ہے۔ مکہ کے گھروں کو اسی لیے عریش کہا گیا کہ لکڑیاں گاڑ کر ان پر سایہ کرنے کے لیے کوئی چیز ڈال دی جاتی تھی۔

علامہ سہیلی نے کہا: ابوحنیفہ نے ذکر کیا ہے کہ چار یا پانچ کھجوروں کے ایسے درخت جن کی جڑ ایک ہو ان کو عریش کہتے ہیں۔

اظہارِ قوت وشوکت کے لیے حریف سردار کے سامنے لشکر اسلام کا مارچ

فتح مکہ کے تذکرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: اے عباس! ابوسفیان کو وادی کے تنگنائے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روک رکھیں' یہاں تک کہ وہاں سے اللہ کے لشکر گزر جائیں جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا' ابوسفیان پوچھتے کہ عباس یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس کہتے ہیں: میں کہتا: یہ بنو فلاں ہیں' ابوسفیان کہتے: مجھے اس سے کیا واسطہ' یہاں تک کہ نبی ﷺ اپنے سبز دستہ کے ساتھ گزرے' یعنی لوہے کی زرہوں اور خودوں کی وجہ سے وہ دستہ سبز پوش نظر آ رہا تھا' اس دستہ میں مہاجرین وانصار شامل تھے' لوہے میں صرف ان کی آنکھوں کی سیاہی نظر آ رہی تھی' ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس فرماتے ہیں: میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ مہاجرین اور انصار کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں' ابوسفیان بولے: بھلا ان سے محاذ آرائی اور مقابلے کی طاقت کسے ہے' بخدا تمہارے بھتیجے کی بادشاہت زبردست ہو گئی۔[۳۴۶] سیرت کی کتابوں میں مکمل واقعہ مذکور ہے۔

جناب ابوسفیان کا یہ کہنا کہ مجھے ان لوگوں سے کیا واسطہ' اہل عرب یہ جملہ اس وقت بولتے تھے جب وہ کسی چیز سے خوف زدہ ہوتے یا اس سے نقصان کا اندیشہ ہوتا تھا۔ اس کا تعلق بلاغت سے ہے۔

''الفوائد'' میں ہے جناب ابوسفیان کو اسلامی لشکر کا مارچ دکھانے کی ضرورت اس لیے تھی تا کہ ان کے دل

---

[۳۴۵] ضعیف الاسناد' سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۶۲۰-۶۲۱' از ابواسحاق' اسناد میں مجاہیل ہیں۔

[۳۴۶] صحیح حدیث' بخاری: ۴۲۸۰' از مرسل عروہ رضی اللہ عنہ' المجمع ج ۶ ص ۱۶۴-۱۶۷ کے مطابق اسے طبرانی نے موصولاً روایت کیا ہے' المطالب العالیہ: ۴۳۶۲ کے مطابق اسے اسحاق بن راھویہ نے بھی موصولاً ذکر کیا ہے' ابن سعد ''طبقات'' ج ۲ ص ۱۳۴-۱۳۵' بیہقی ''الدلائل'' ج ۳ ص ۳۳-۳۵' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۹۹-۴۰۵' صحیح السیرۃ النبویہ ص ۴۰۶۔ ۴۰۸' ہیثمی نے المجمع میں کہا ہے: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور حافظ ابن حجر نے ''المطالب العالیہ'' میں کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔

میں لشکر اسلام کی ہیبت سما جائے' اگرچہ اس وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر چکے تھے تاہم لشکر کا معائنہ ان کے ایمان کی تقویت کا سبب تھا اور لشکرِ اسلام کے معائنہ سے وہ اپنی قوم کو صحیح صورتِ حال سے بطریق احسن آگاہ کر سکتے تھے' اور یہ کہ ان کو معلوم ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی مدد فرمائی ہے' اپنے رسول کو غلبہ عطا فرمایا ہے اور اپنا وعدہ سچا فرمایا ہے۔ اسی حکمت کے تحت فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں دخول والی رات کو آپ ﷺ نے لشکر میں شامل ہر مجاہد کو اپنے ٹھکانے پر الگ الگ آگ جلانے کا حکم فرمایا تھا۔

لشکروں کے سرداروں اور کمانڈروں (عرفاء) کا بیان

علامہ الباجی نے "المنتقی" میں کہا ہے: شاید فوجی سرداروں کو عریف اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لشکر کے احوال سے واقف ہوتے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا ہے: عریف' عظیم (سردار) کے معنیٰ میں ہے۔

"النهاية" میں ہے عریف قبیلہ اور لوگوں کے ایک گروہ کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے' وہ اس قبیلہ یا جماعت کے معاملات کا نگران ہوتا ہے اور امیر کو ان کے معاملات سے آگاہ کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے: سردار کو اس لیے عریف کہا جاتا ہے کہ وہ بوقت ضرورت اپنے افسرِ اعلیٰ کو ماتحتوں کے حالات اور ضرورتوں سے آگاہ کرتا ہے۔

صحیح البخاری میں ہے کہ ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان لوگوں نے اپنے قیدیوں کی رہائی اور اموال کی واپسی کا سوال کیا' رسول اللہ ﷺ نے صرف ان کے قیدیوں کی رہائی کے مطالبہ کو پسند فرمایا' اس سلسلہ میں آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا (کہ وہ ان کے قیدیوں کو واپس کر دیں) تو لوگوں نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم نہیں جانتے تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی' تم واپس جاؤ تمہارے عرفا (سردار' قائد) ہمیں تمہارے فیصلہ سے آگاہ کریں' لوگ واپس گئے' ان کے قائدین نے ان سے گفتگو کی' پھر قائدین واپس آئے اور انہوں نے نبی ﷺ کو لوگوں کی رضامندی سے آگاہ کیا۔[347]

امام ابوداؤد نے "سنن" میں "كتاب الخراج والامارة" میں "باب في العرافة" کے تحت حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے شانے پر ہاتھ مار کر ان سے فرمایا: اے قدیم (مقدام) !تم نے فلاح پائی اگر تم اس حال میں مرے کہ تم نہ امیر ہو نہ کاتب اور عریف۔[348]

پھر اس کے بعد یہ حدیث ذکر کی کہ "عرافت (سرداری) حق ہے' لوگوں کے لیے عرفاء ضروری ہیں لیکن عرفاء

---

[347] صحیح حدیث' بخاری: ۲۵۳۹_۲۵۴۰_۲۶۰۷_۲۶۰۸_۲۷۳۱_۲۷۳۲_۳۱۳۱_۳۱۳۲_۴۳۱۸_۴۳۱۹' از مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما۔

[348] ضعیف روایت' ابوداود: ۲۹۳۳' احمد ج۴ص۱۳۳' ابن عساکر "تاریخ دمشق" ج۱۷ص۸۰' از صالح بن یحییٰ بن المقدام از جد خود مقدام بن معدیکرب ------ یہ اسناد ضعیف ہے' اسے ذہبی نے "دیوان الضعفاء" میں ذکر کر کے مجہول کہا ہے۔ المغنی اور الکاشف میں اسے محل نظر اور التقریب میں لین کہا گیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں سلسلة الاحاديث الضعيفة ۱۱۳۳)

جہنم میں ہیں"۔[۳۴۹] علامہ ابوالحسنات کی"عــون الــودود"میں ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفاء کی مذمت کے باوجود عرفاء مقرر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ علامہ ابن بطال کہتے ہیں: حدیث صحیح میں عرفاء (سردار) مقرر کرنے کی مشروعیت پر دلیل ہے کیونکہ امام (خلیفہ' سلطان) کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ تمام متعلقہ امور بذاتِ خود سرانجام دے۔ اس کو مملکت اور افواج سے متعلق امور کی انجام دہی کے لیے ایسے افراد کی ضرورت ہے جو اس کی معاونت کریں۔

علامہ ابن بطال ارشادِ نبوی:"عرفاء آگ (جہنم) میں ہیں"[۳۵۰] پر لکھتے ہیں: اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرافت (سرداری) پُرخطر ہے اور اسے پانے والا کسی آفت میں مبتلا ہونے سے امن میں نہیں ہے۔ سو عامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ سے ڈرے۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی"عرافت حق ہے"کا مطلب ہے: عرفاء مقرر کرنا ضروری ہے کیونکہ امیر کو اپنی معاونت کے لیے ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی ان کے تقرر کی مصلحت ہے اور صحیح البخاری کی حدیث کے مطابق عہد نبوی میں عراف موجود تھے۔

صحیح البخاری کے"باب العرفاء للناس"کے تحت فتح الباری میں"الاصابہ"کے حوالے سے اس کی اصل موجود ہے۔ الاصابہ میں حضرت جندب بن نعمان الازدی کے تذکرہ میں ابن عساکر کی تاریخ سے منقول ہے کہ ابوعزیز رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا' اچھے مسلمان رہے۔ حضور ﷺ نے ان کو اپنی قوم کا عریف مقرر فرمایا۔[۳۵۱]

"الاصــابــه"[۳۵۲] ہی میں حضرت رافع بن خدیج الانصاری کے تذکرہ میں ہے آپ مدینہ طیبہ میں اپنی قوم کے عریف تھے۔ بعض مراکشی علماء نے مذکور الصدر حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عریف مقرر کرنا ضروری ہے تاکہ جنگوں' ضمانتوں اور دوسرے تمام معاملات میں سردار اور قائدین اپنے ہم قبیلہ اور زیر اثر لوگوں کی ذمہ داری نبھائیں۔ اس استدلال کی گہرائی واضح ہے۔

نقیبوں (قبیلہ کے ذمہ دار سردار) کا بیان

"الاصــابه"میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے حاکم نے روایت کیا ہے جب حضرت

[۳۴۹] ضعیف روایت' ابوداؤد: ۲۹۳۴' از غالب القطان از شخصے از والدِ خود از جدِ خود۔ اس کے اسناد میں تین مجاہیل ہیں۔ (ضعیف الجامع: ۱۵۰۷)

[۳۵۰] ضعیف حدیث' اس سے تشریعی حکم مستنبط نہیں ہوتا۔

[۳۵۱] ضعیف روایت' الاصابہ: ۱۲۳۰' ج ا ص ۲۵۱ کے مطابق اسے ابن عساکر نے بایں الفاظ روایت کیا ہے: میں نے ابوالحسن الرازی کی کتاب میں پڑھا' مجھ سے ابونصر ظفر بن محمد بن عمر بن حفص بن عمر بن سعید بن ابی عزیز الازدی نے حدیث بیان کی۔۔۔ الحدیث۔ اس روایت میں متعدد مجاہیل ہیں جن کا مجھے کہیں تذکرہ نہیں ملا۔

[۳۵۲] الاصابہ: ۱۱۱' ج ا ص ۳۴۔

اسعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا بنونجار حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارا نقیب فوت ہوگیا ہے' ہمارا نقیب مقرر فرمادیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارا نقیب ہوں[۳۵۳]

علامہ ابن قدامہ المقدسی نے بھی "الاستبصار فی انساب الانصار" میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اسی طرح لکھا ہے۔

محاسب (حساب کرنے والے' اکاؤنٹنٹ) کا بیان

خود نبی ﷺ نے ابن اللتبیہ الازدی کا محاسبہ فرمایا' آپ نے اسے بنوسُلیم کے صدقات کی وصولی پر عامل بنا کر بھیجا تھا۔

امام مسلم نے حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوسلیم کے صدقات پر قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن اللتبیہ کو عامل بنایا' جب وہ واپس آیا آپ نے اس سے حساب لیا تو اس نے کہا: یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہدیہ (میرا تحفہ) ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے تاکہ تمہارے پاس ہدیے آتے' اگر تم سچے ہو۔ پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد وثناء کے بعد فرمایا: امابعد! میں تم میں سے کسی شخص کو عامل بناتا ہوں وہ میرے پاس آ کر کہتا ہے: یہ تمہارا مال ہے اور یہ مال مجھے بطور تحفہ دیا گیا' وہ اپنی ماں یا اپنے باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا تاکہ اس کا تحفہ (ہدیہ) اس کے پاس آتا' اگر وہ سچا ہے۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی بھی بغیر حق کے کوئی چیز نہیں لے گا مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس چیز کو اٹھائے ہوگا[۳۵۴]

علامہ ابن القیم[۳۵۵] کی کتاب "الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة" (ص۲۲۷) میں ہے نبی ﷺ اپنے عاملوں سے پورا پورا حساب لیتے تھے' آپ ان سے آمدنی اور اخراجات کی تفصیل دریافت فرماتے تھے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ پھر ابن اللتبیہ کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

علامہ کتانی (مؤلف کتاب) کہتے ہیں: علامہ خزاعی نے یہ حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کی ہے' حالانکہ یہ حدیث امام بخاری نے کتاب الاحکام میں "باب محاسبة الامام عماله" کے تحت نقل کی ہے اور "باب

---

۳۵۳ ضعیف روایت' حاکم ج۳ ص۱۸۶' از عبدالرحمٰن بن ابی الرجال رضی اللہ عنہ' اس کے اسناد میں واقدی ہے جو محدثین کے نزدیک متہم بالکذب ہے۔

۳۵۴ صحیح حدیث' بخاری: ۹۲۵۔۱۵۰۰۔۲۵۹۷۔۶۶۳۶۔۶۹۷۹۔۷۱۷۴۔۷۱۹۷' مسلم: ۱۸۳۲' ابوداؤد: ۲۹۴۶' حمیدی: ۸۴۰' شافعی ج۱ ص۲۴۷' احمد ج۵ ص۴۲۳۔۴۲۴' ابن حبان: ۴۵۱۵' بیہقی "السنن" ج۷ ص۱۶۔ ج۱۰ ص۱۳۸' البغوی "شرح السنة": ۱۵۶۸' از ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ

۳۵۵ امام حافظ شیخ الاسلام علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' مشہور تصانیف زاد المعاد' اعلام الموقعین اور الطرق الحکمیة وغیرہ

ھدایا العمال ''میں بھی اسے مکمل روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین بھی آپ کے طریقہ کے مطابق عمال کا محاسبہ کرتے تھے۔

ابن قتیبہ نے ''**عیون الاخبار**'' میں کہا ہے: نبی ﷺ کے وصال کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے واپسی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنا حساب پیش کرو' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا دو حساب؟ اللہ کو حساب دوں اور آپ کو حساب' بخدا اب میں کبھی بھی تمہاری طرف سے عامل نہیں بنوں گا۔

علامہ الکلاعی کی ''**الاکتفاء**'' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ہر سال حج کو جاتے تھے' آپ کا طریقِ کار یہ تھا کہ موسم حج میں اپنے تمام عمال کے معاملات کی تفتیش کرتے تھے تاکہ ان کو رعایا پر دست درازی اور ظلم سے باز رکھیں اور قریب سے ان کے احوال کا مشاہدہ کریں اور رعایا کو بھی معلوم ہو کہ حج کے دوران براہِ راست گورنروں اور عمال کی شکایت پیش کی جا سکتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے معمول کے مطابق ہمیشہ ان ایام میں لوگوں کی شکایات سنتے ہیں۔

وصیت کرنے والوں اور وصیت کا بیان

حاکم نے اپنی ''**تاریخ**'' میں سراج کے طریق سے پھر محمد بن عمارہ از زینب بنت نبیط کے طریق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی والدہ اور خالہ کے لیے سونے اور چاندی کے ایسے زیورات بنوائے تھے جن میں موتی بھی تھے۔ کیونکہ ان کے والد حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی لڑکیوں کا وصی (نگران' منتظم) بنایا تھا[۳۵۶] ''**الاصابہ**'' اور ''**الاستبصار**'' میں بھی حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں یہ روایت موجود ہے۔

علامہ ابن قدامہ المقدسی کہتے ہیں: اس حدیث کی روایت کی وجہ سے زینب بن نبیط کو صحابیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

''**صبح الاعشی**'' کے مؤلف علامہ قلقشندی[۳۵۷] نے ''**نهاية الارب فی معرفة انساب العرب**'' میں سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے تذکرہ میں کہا ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی' حضور ﷺ نے ان کے بیٹوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کے سروں پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا: میں ان کا

---

۳۵۶ الاصابہ: ۱۱۱/۴ ج۱ص۳۴ کے مطابق اسے حاکم نے سراج کی تاریخ کے حوالہ سے زینب بنت نبیط رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' یہ مرسل حدیث ہے کیونکہ زینب صحابیات میں سے نہیں بلکہ ثقہ تابعین میں سے ہیں جیسا کہ ابن حبان نے ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ: ۵۱۶' ج۴ص۳۲۳ میں اسے صواب کہا ہے۔ مجھے ''مستدرک'' میں یہ حدیث نہیں ملی' شاید یہ ان کی کسی غیر مطبوعہ کتاب میں ہوگی۔ واللہ اعلم

۳۵۷ مؤرخ' ادیب احمد بن علی بن احمد الفزاری' القلقشندی ثم القاهری متوفی ۸۲۱ھ تصانیف صبح الاعشی فی قوانین الانشاء' ضوء الصبح المسفر' نهاية الارب فی معرفة انساب العرب وغیرہ۔ (کشف الظنون: ۱۶۲۲' الاعلام ج۱ص۱۷۷)

دنیا اور آخرت میں سرپرست ہوں۔[۳۵۸]

"سمط الجوهر الفاخر" میں ان یتیم بچوں کا تذکرہ ہے جو بطور وصیت رسول اللہ ﷺ کی سرپرستی میں رہتے تھے۔ ان میں سے محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو اپنے بیٹے کا وصی بنایا تھا' آپ ﷺ نے محمد رضی اللہ عنہ کے لیے خیبر میں مال خریدا اور مدینہ طیبہ کے سوق الرقیق میں ان کو حویلی عطا فرمائی۔ اسی طرح ابوامامہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں آپ کی سرپرستی میں تھیں۔ آپ کی سرپرستی میں بنولیث بن بکر کی ایک خاتون بھی تھیں جن کا نام ضُمَیْنہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے والدین نے عبداللہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں دے دیا تھا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماں کہہ کر بلاتے تھے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا اور اپنے پاس رکھا مدینہ طیبہ میں پہنچ کر اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا۔

یعقوب بن سفیان نے مطیع بن اسود سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کی' (ان کو اپنا وصی بنایا) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا' مطیع بن اسود نے کہا: آپ کو اللہ تعالیٰ اور رحم (رشتہ داری) کی قسم ہے تم اسے قبول کر لو' کیونکہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے: زبیر دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

الحمیدی نے "النوادر" میں روایت کیا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو وصی بنایا تھا۔ نبی ﷺ کے سات صحابہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو وصی بنایا جن میں حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت مقداد' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان حضرات کے مال کی حفاظت کرتے اسے محفوظ رکھتے اور ان کی اولاد پر اپنے مال میں سے خرچ کرتے تھے۔

"اسد الغابہ" میں ہشام بن عروہ سے اسی طرح منقول ہے۔ "الاصابہ" کی روایت کے مطابق زبیر بن بکار نے مطیع بن الاسود اور ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہما کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔

الھمزیہ پر اپنی شرح میں ابوعبداللہ زبیر السلوی نے لکھا ہے کہ ستر صحابہ نے اپنے اموال اور اولاد پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو وصی (جانشین' نگران' منتظم) بنایا تھا' وہ ان کے اموال کی حفاظت کرتے اور ان کی اولاد پر اپنا مال خرچ کرتے تھے۔

انتباہ

امام بخاری' امام احمد اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ہر مؤمن کی جان سے بھی اس سے قریب تر ہوں' سو اگر کوئی مؤمن فوت ہو جائے اس پر قرض ہو اور ادائیگی کے لیے مال نہ چھوڑا ہو تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا ہے وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

---

[۳۵۸] صحیح حدیث' احمد ج ۱ ص ۲۰۲' از عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ' اس کا اسناد امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ صحیح السیرۃ النبویہ ص ۳۹۷۔

ابتدائے اسلام میں جب کسی کا جنازہ لایا جاتا آپ دریافت فرماتے: کیا اس پر قرض ہے؟ کیا اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ مال چھوڑا ہے؟ اگر صحابہ کرام کہتے: اس پر قرض ہے اور اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ نہیں چھوڑا' تو آپ فرماتے: اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو' ورنہ آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے تھے[۳۵۹]

پھر جب فتوحات کا دور شروع ہوا' مال غنیمت آنے لگا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرض چھوڑ کر فوت ہوا اس کا قرض میں ادا کروں گا۔

کہا گیا ہے کہ آپ پر قرض ادا کرنا واجب تھا۔ امام الحرمین اور الماوردی نے اس قول کو پسند کیا ہے کہ قرض کی ادائیگی آپ پر واجب نہ تھی بلکہ آپ ازراہِ کرم ایسا کرتے تھے۔ قرض کی ادائیگی مال غنیمت سے ہوتی یا آپ خالصتاً اپنے مال سے ادا کرتے تھے؟ ''نسیم الریاض'' میں دونوں احتمال مذکور ہیں۔

[۳۵۹] صحیح حدیث' بخاری: ۲۲۹۸۔ ۲۳۹۸۔ ۲۳۹۹۔ ۴۷۸۱۔ ۵۳۷۱۔ ۶۷۳۱۔ ۶۷۴۵۔ ۶۷۶۳' مسلم: ۱۶۱۹' البغوی ''شرح السنۃ'': ۲۲۱۴۔ ۲۲۱۵' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

القسم الرابع

احکامات وفرامین

اوران سے متعلقہ امور

نواحی علاقوں پر امارتِ عامہ

نبی ﷺ نے نواحی علاقوں میں کن حضرات کو والی مقرر کیا تھا' علامہ زرقانی نے "شرح المواھب" میں کہا ہے: نبی ﷺ کے امراء آپ کی طرف سے مقرر فرمودہ گورنر' قاضی اور محصلین صدقات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف اطراف اور علاقوں میں کثیر تعداد میں امراء روانہ فرمائے تھے۔

ان امراء میں امیر مکہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ ہیں' ابن جماعہ نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ۸ھ میں ان کو مکہ کا امیر اور امیر حج مقرر فرمایا۔[۳۶۰]

علامہ ابن القیم نے "الھدی" میں کہا ہے: اس وقت حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کی عمر بیس سال سے کم تھی۔

مفسر ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ارشادِ الٰہی:

وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ○　　اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو ○ (بنی اسرائیل: ۸۰)

کے تحت کلبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "سلطانا نصیرا" سے عتاب بن اسید مراد ہیں اور حضرت عتاب کے نبی ﷺ کی طرف سے والی مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے۔[۳۶۱]

"الاصابہ" (ج ۱ص ۴۵) میں ہے العقیلی نے ھشام بن محمد بن سائب الکلبی کی سند سے از والد خود از ابی صالح از ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا کہ ارشادِ الٰہی "واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا" سے مراد عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ ہیں۔[۳۶۲]

---

۳۶۰ حدیث ضعیف' "الاصابہ" ج ۱ص ۴۵۱ (رقم: ۵۳۹۱) کے مطابق اسے عمر بن شبہ نے "اخبار مکہ" میں ابراہیم بن المنذر الحزامی کی سند سے نقل کیا ہے' اس روایت کا اسناد معضل ہے' عمرہ مولیٰ غفرہ ضعیف ہے' اس نے کسی صحابی کو نہیں پایا۔ حافظ ابن حجر نے "اصابہ" میں واقدی کے حوالہ سے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کی مکہ پر امارت کا ذکر کیا ہے۔

۳۶۱ کلبی کی یہ تفسیر ناقابل اعتبار اور باطل ہے' مفسرین اور محدثین کے نزدیک کلبی کذاب مشہور ہے' حیرت ہے مؤلف کلبی کذاب' اور خرافات اور اوہام پر مشتمل "ثعلبی" کی تفسیر پر اعتماد کر رہا ہے۔

امام طبری نے "جامع البیان" ج ۸ص ۱۳۸ میں اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا ان کفار و مشرکین پر غلبہ مراد ہے جنہوں نے فرائض کی ادائیگی میں آپ کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں' آپ کو اپنے وطن مکہ سے نکالا' یہ کہ وہ لوگ بہت جلد اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو دوسرے شہر (مدینہ طیبہ) میں عزت و وقار اور عروج عطا فرمائے گا اور آخر کو یہی ہوا۔

۳۶۲ "الاصابہ" ج ۱ص ۴۵۱ (رقم: ۵۳۹۱) کلبی کذاب ہے' خصوصاً جب وہ از ابوصالح از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کر رہا ہو۔ علامہ ذھبی نے "میزان الاعتدال" ج ۳ص ۵۵۶ میں کہا ہے: سفیان نے کہا: کلبی نے کہا: مجھ سے ابوصالح نے کہا: میرے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ کوئی حدیث نہ لو۔

احمد بن زہیر کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل سے دریافت کیا: کیا کلبی کی تفسیر کو دیکھنا جائز ہے؟ فرمایا: نہیں' ابن حبان نے کہا: کلبی از ابوصالح از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتا ہے' حالانکہ ابوصالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نہیں دیکھا' رہا کلبی اس کی ابوصالح سے روایت ایجاد بندہ ہے۔

حافظ ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد الاوسی البلنسی ابن عسکر کی کتاب "صلة الجمع وعائد التذیل لموصول کتابی الاعلام و التکمیل" میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے: ابوبکر الذھبی نے اپنی تاریخ میں کلبی کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

یمن کے بادشاہ باذان یا باذام رضی اللہ عنہ

"صبح الاعشی" میں ہے جب کسریٰ کے نائب باذان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے نبی ﷺ نے ان کو یمن کے تمام اضلاع کی ولایت عطا فرمادی' ان کا مرکز تبابعہ (شاہان یمن کا قدیم لقب) کی مملکت کا شہر صنعاء تھا۔ حضرت باذان اسی منصب پر برقرار رہے یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے شہر بن باذان رضی اللہ عنہما کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا[363] اور یمن کے دیگر اطراف میں اپنے کسی نہ کسی صحابی کو والی بنادیا۔

الثعلبی نے ذکر کیا ہے' حضرت باذام رضی اللہ عنہ عجمی بادشاہوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور یمن پر سب سے پہلے مسلمان امیر (گورنر' والی) ہیں۔

مؤلف کتاب (علامہ کتانی) کہتے ہیں: اسی طرح زرقانی نے "المواھب" پر ثعلبی سے نقل کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔ امارت حج میں یہ روایت گذر چکی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظہورِ اسلام کے بعد پہلے امیرِ حج تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ پہلے امیر حج تھے۔

"الاصابہ" میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں علامہ بغوی سے منقول ہے کہ آپ اسلام میں سب سے پہلے امیر تھے[364] ممکن ہے مختلف حیثیتوں سے متعدد اصحاب کو اولیت کا شرف حاصل ہو۔ (حضرت باذان پہلے مسلم گورنر' حضرت عبداللہ بن جحش سے پہلے مسلم سالار' حضرت ابوبکر پہلے مسلم امیر حج وغیرہ' مترجم)

جب حضرت باذان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو واقدی' اسحاق اور طبری کے مطابق نبی ﷺ نے ان کے بیٹے شہر کو صنعاء کا والی بنایا۔

"الاصابہ" میں حضرت عامر بن شہر الہمدانی کے تذکرہ میں ہے آپ یمن میں نبی ﷺ کے عاملوں میں شامل تھے[365]

---

[363] "الاصابہ" ج1ص 168 (رقم: 3986) تذکرہ شہر بن باذان رضی اللہ عنہ۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: نبی ﷺ نے اس کے والد کی وفات کے بعد اسے صنعاء کا حاکم مقرر فرمایا۔ اسے سیف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔

[364] حسن حدیث "الاصابہ" ج2ص 287 (رقم: 4583) میں ہے' اسے بغوی نے "الصحابۃ" میں از طریق زیاد بن علاقہ از سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا اور فرمایا: میں تم پر ایسے شخص کو مقرر کررہا ہوں جو بھوک اور پیاس پر تم سب سے زیادہ صابر ہے' پھر آپ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا' آپ اسلام میں پہلے امیر تھے۔

[365] "الاصابہ" ج2ص 251 (رقم: 4394)

''الاصابہ'' ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن سبیع الثعلبی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' شعبی نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے آپ کو بنو ثعلبہ' بنو عبس اور بنو عبداللہ بن غطفان پر عامل مقرر فرمایا تھا۔[۳۶۶]

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے نبی ﷺ نے ان کو یمن کے بعض حصوں جیسے زبید اور عدن اوران کے زیرانتظام علاقوں پر عامل مقرر کیا تھا۔[۳۶۷]

''الاصابہ'' میں حضرت حارث بن بلال المزنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ''الفتوح'' میں سیف کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ بنو طے کے آدھے قبیلہ پر عامل مقرر فرمایا تھا۔[۳۶۸]

اصابہ ہی میں حضرت حرث بن نوفل الھاشمی کے تذکرہ میں ہے ابن حبان نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو مکہ کے بعض اضلاع کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ زبیر بن بکار کا بھی یہی قول ہے۔

بعد ازاں حافظ ابن حجر نے ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے صحابی ہیں' رسول اللہ ﷺ نے آپ کو مکہ مکرمہ کے ماتحت بعض علاقوں پر عامل مقرر کیا تھا' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کو اس عہدہ پر برقرار رکھا تھا۔[۳۶۹]

حضرت حصین بن نیار کے تذکرہ میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے: آپ نبی ﷺ کے عمال میں سے تھے' سیف طبری اور ابن فتحون نے یہی ذکر کیا ہے۔[۳۷۰]

نیز حضرت حارث بن عبدالمطلب کے تذکرہ میں بیان کیا کہ ابن حازم نے ذکر کیا ہے: آپ نبی ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور حضور ﷺ نے آپ کو مکہ کے زیرانتظام بعض علاقوں پر عامل مقرر فرمایا تھا' حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ان کو برقرار رکھا۔[۳۷۱]

''الاصابہ''[۳۷۲] ہی میں حضرت رافع بن عمرو الطائی کے تذکرہ میں ہے امام مسلم اور حاکم نے کہا ہے: آپ صحابی ہیں اور طبرانی نے روایت کیا ہے: غزوۂ ذات السلاسل میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لشکر کا سالار مقرر فرمایا' اس لشکر میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔[۳۷۳]

اصابہ میں حضرت زیاد الباھلی کے تذکرہ میں ہے ان کے بیٹے الھرماس سے دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ

---

۳۶۶ مرسل ضعیف روایت' ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۳۵۱ (رقم: ۴۸۴۴) از مرسل شعبی بہ حوالہ عمر بن شبہ ''الصحابۃ''۔

۳۶۷ ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۳۵۹ (رقم: ۴۸۹۸)

۳۶۸ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۲۷۴ (رقم: ۱۳۷۶)

۳۶۹ طبقات ابن سعد۔ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۲۹۲ (رقم: ۱۵۰۰) از عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ۔

۳۷۰ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۳۳۹ (رقم: ۱۷۴۸)

۳۷۱ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۲۹۲ (رقم: ۱۵۰۰)

۳۷۲ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۴۹۷ (رقم: ۲۵۲۸)

۳۷۳ صحیح حدیث' طبرانی ''الکبیر'' ج ۵ ص ۱۹ '۴۴۶۹' از طریق اعمش از سلیمان بن میسرہ از طارق بن شہاب از رافع بن ابی رافع الطائی۔۔۔ الخ۔ ہیثمی نے ''المجمع'' ج ۹ ص ۳۵۲ میں اسے نقل کر کے کہا ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے والد کو اپنے قبیلہ باہلہ پر عامل مقرر فرمایا[۳۷۴]

حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن اسحاق سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بواط میں آپ کو مدینہ طیبہ پر عامل بنایا تھا[۳۷۵]

حضرت سعد الدوسی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے احمد اور ابن ابی شیبہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو آپ نے مجھے میری قوم پر عامل مقرر فرمایا اور اپنی قوم کے صدقات پر نگران مقرر فرمایا[۳۷۶]

حضرت سعید بن خفاف التمیمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے سیف نے الفتوح میں ان کا ذکر کیا ہے' اور آپ نبی ﷺ کی طرف سے تمیم کے قبائل پر عامل تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو برقرار رکھا۔

حضرت سعد بن عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو طائف کا عامل بنایا تھا[۳۷۷]

حضرت سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: نبی ﷺ نے ان کو بنو مروان پر عامل مقرر فرمایا تھا اور ان کے لیے مکتوب لکھوایا تھا[۳۷۸]

حضرت صفی بن عامر ثعلبی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: نبی ﷺ نے ان کو اپنی قوم پر مقرر فرمایا تھا[۳۷۹]

حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: آپ نبی ﷺ کے عامل تھے[۳۸۰]

حضرت امرؤ القیس بن الاصبغ الکلبی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: آپ اپنی قوم کے سردار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب آپ کو قضاعہ کی طرف روانہ فرمایا تو قبیلۂ کلب پر عامل مقرر فرمایا' سیف نے الفتوح میں نقل کیا ہے جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا بنو کلب کی شاخ قضاعہ پر بنو عبداللہ کے امرؤ القیس بن الاصبغ الکلبی رضی اللہ عنہ آپ کے عامل تھے[۳۸۱]

---

۳۷۴ ضعیف روایت۔ ''الاصابہ'' ج۱ص۵۵۹ (رقم:۲۸۷۹) میں ہے' اسے دار قطنی نے از طریق عمرو بن بابل بن القعقاع..... روایت کیا ہے اور عمرو بن بابل مجہول ہے' مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔

۳۷۵ ''الاصابہ'' ج۲ص۱۱ (رقم:۳۰۶۸) از ابن اسحاق۔

۳۷۶ ''الاصابہ'' ج۲ص۴۰ (رقم:۳۲۲۹)' مجھے مسند احمد میں یہ حدیث نہیں ملی۔

۳۷۷ مجھے ''الاصابہ'' ج۲ص۶۹ (رقم:۳۴۰۵) میں ان کے تذکرہ میں نبی ﷺ کی طرف سے ان کو طائف کا عامل بنانے کی روایت نہیں ملی۔

۳۷۸ ''الاصابہ'' ج۲ص۶۹ (رقم:۳۴۰۵) میں ہے' سلمہ بن یزید الجعفی اور ان کے بھائی قیس بن سلمہ بن شراحیل نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور آپ نے قیس کو بنو مروان پر عامل مقرر فرمایا اور اس کے لیے مکتوب لکھوایا۔

۳۷۹ ''الاصابہ'' ج۲ص۱۹۶' حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ابن السکن نے کہا ہے: اس کی حدیث کا اسناد محل نظر ہے۔ (رقم:۴۱۱۱)

۳۸۰ ''الاصابہ'' ج۲ص۲۱۸ (رقم:۴۲۱۸)

۳۸۱ ''الاصابہ'' ج۱ص۶۳ (رقم:۲۴۹)

"الاصابہ" ہی میں حضرت حارث بن بلال المزنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: آپ رسول اللہ ﷺ کے عامل تھے۔[۳۸۲]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی خزاعی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن السکن سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو خراسان پر عامل مقرر فرمایا تھا۔[۳۸۳]

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کو طائف پر عامل مقرر فرمایا تھا' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کو اس عہدہ پر برقرار رکھا۔[۳۸۴]

حضرت عکاشہ بن ثور رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ سکاسک (یمن کا ایک قبیلہ) اور سکون پر حضور ﷺ کے عامل تھے۔[۳۸۵]

حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ بحرین میں رسول اللہ ﷺ کے عامل تھے۔[۳۸۶]

حضرت عمرو بن حزم الانصاری کو رسول اللہ ﷺ نے نجران پر عامل مقرر فرمایا تھا اور ان کو رسول اللہ ﷺ نے فرائض' زکوٰۃ اور دیات (خون بہا) وغیرہ کے متعلق مکتوب بھی مرحمت فرمایا تھا۔ اسے ابوداؤد' نسائی' ابن حبان اور دارمی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔[۳۸۷] "اسد الغابہ" میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو سترہ سال کی عمر میں نجران کا عامل مقرر فرمایا تھا' ان سے پہلے اہل نجران حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ امام نووی کی "التھذیب" میں بھی اسی طرح ہے۔

حضرت عمرو بن الحکم القضاعی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے بنوالقین پر عامل بنا کر بھیجا تھا۔[۳۸۸]

حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے وادی القریٰ وغیرہ پر عامل بنایا' نبی ﷺ کے وصال تک آپ وہاں کے عامل تھے۔[۳۸۹]

حضرت عمرو بن محجوب العامری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے عاملوں میں سے تھے۔[۳۹۰]

حضرت عوف الورکانی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عاملوں میں سے تھے۔[۳۹۱]

---

۳۸۲ اسے سیف نے "الفتوح" میں ذکر کیا ہے۔ "الاصابہ" ج اص ۲۷۴ (رقم:۱۳۷۶)

۳۸۳ اصل کتاب اور "الاصابہ" ج ۲ص ۳۸۹ (رقم:۵۰۷۵) میں اسی طرح ہے' حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ خراسان نبی ﷺ کے عہد مبارک میں فتح نہیں ہوا' خلفاء راشدین کے دور میں فتح ہوا ہے۔

۳۸۴ "الاصابہ" ج ۲ص ۴۶۰ (رقم:۵۴۴۱)

۳۸۵ "الاصابہ" ج ۲ص ۴۹۴ (رقم:۵۶۳۱) بحوالہ سیف۔

۳۸۶ "الاصابہ" ج ۲ص ۴۹۸ (رقم:۵۶۴۳)

۳۸۷ "الاصابہ" ج ۲ص ۵۳۲ (رقم:۵۸۱۰)

۳۸۸ "الاصابہ" ج ۲ص ۵۳۲ (رقم:۵۸۱۵)

۳۸۹ "الاصابہ" ج ۲ص ۵۳۹ (رقم:۵۸۴۶)

۳۹۰ "الاصابہ" ج ۳ص ۱۴ (رقم:۵۹۵۴)

۳۹۱ "الاصابہ" ج ۳ص ۴۴ (رقم:۶۱۰۶)

حضرت عبداللہ بن زید الکندی رضی اللہ عنہ یمن پر نبی ﷺ کے عامل تھے۔

حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ بحرین پر حضور ﷺ کے عاملوں میں سے تھے۔

حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مراد' مذحج اور زبید سب پر عامل مقرر فرمایا تھا۔[۳۹۲]

حضرت قردہ بن نفاثہ السلولی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے آپ بنوسلول کی ایک جماعت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے' آپ نے حضرت قردہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔[۳۹۳]

علامہ سیوطی نے ''در السحابۃ'' میں حضرت ابو جدیع المرادی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھا ہے: ابن وزیر اور عبدالعزیز بن میسرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کا تعلق مصر سے تھا' آپ نبی ﷺ کے عامل تھے۔

حضرت قضاعی بن عامر الدوسی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: آپ بنواسد میں نبی ﷺ کے عامل تھے۔[۳۹۴] ان کے تذکرہ کے بعد یہ بھی مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ کو بھی ان پر عامل مقرر فرمایا تھا۔[۳۹۵]

حضرت قیس بن مالک الارجی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: جب حضرت قیس اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم ہمدان کے لیے عہدنامہ تحریر فرمایا جو وہاں کے اصل عربوں' ان کے غلاموں اور دیگر مخلوط لوگوں کے لیے تھا یہ کہ تم اپنے امیر (حضرت قیس رضی اللہ عنہ) کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو' جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں رہیں گے[۳۹۶] اسی مکتوب گرامی میں آپ نے قیس بن مالک کو لکھا: السلام علیکم۔ امابعد! بے شک میں نے تمہیں تمہاری قوم پر عامل مقرر کیا ہے۔ الحدیث[۳۹۷]

حضرت مالک بن عوف النصری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ان کی قوم کے مسلمانوں اور ثمالہ' سلمہ اور فہم کے اہل اسلام پر عامل مقرر کیا تھا' آپ رضی اللہ عنہ ان قبائل کے مسلمانوں کی مدد سے ثقیف کے خلاف جنگ کرتے' جب بھی ان کے مویشی باہر نکلتے آپ ان پر دھاوا بول دیتے اور ان کو پکڑ لیتے تھے۔[۳۹۸]

---

۳۹۲ ''الاصابۃ'' ج ۳ ص ۲۰۵ (رقم: ۶۹۸۱)

۳۹۳ ''الاصابۃ'' ج ۳ ص ۲۳۰۔۲۳۱ (رقم: ۷۰۹۳)

۳۹۴ ''الاصابۃ'' ج ۳ ص ۲۳۶ (رقم: ۷۱۱۴)

۳۹۵ ''الاصابۃ'' ج ۳ ص ۲۳۰۔۲۳۱ (رقم: ۷۱۱۶)

۳۹۶ ''الاصابۃ'' ج ۳ ص ۲۵۸۔۲۵۹ میں ہے' اس روایت کو ابن شاہین نے از طریق منذر بن محمد القابوسی.......کلبی کی سند سے روایت کیا ہے' کلبی کذاب ہے' یہ حدیث اسی کی وضع کردہ ہے۔

۳۹۷ صحیح حدیث۔ ''الاصابۃ'' ج ۳ ص ۲۵۹ (رقم: ۷۲۲۹) میں ہے' اسے ابن مندہ نے از طریق عمرو بن یحییٰ..........روایت کیا ہے۔

۳۹۸ ''الاصابۃ'' ج ۳ ص ۳۵۲ (رقم: ۷۶۷۳) از ابن اسحاق۔

حضرت المنذر بن ساوی الداری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابن مندہ نے کہا: آپ ہجر پر نبی ﷺ کے عامل تھے۔[۳۹۹]

حضرت ابو ہیضم المزنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں زبیر بن بکار کی ان کے والد محمد سے یہ روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! میں اسے اس وادی پر عامل مقرر کرتا ہوں' اس وادی کی اِس طرف اور اُس طرف سے جو بھی حملہ آور ہو تو اس کی اس سے حفاظت فرما۔[۴۰۰] سعد نے کہا: آپ نے ان کو واپس بھیجا اور اس وادی پر عامل مقرر فرمایا۔

''الاستبصار'' میں علامہ ابن قدامہ نے حضرت سواد بن غزیہ البلوی الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ آپ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے عامل تھے' وہ حضور ﷺ کی خدمت میں دو صاع ملی جلی کھجوروں کے بدلے میں ایک صاع عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر حاضر ہوئے۔[۴۰۱]

''تہذیب النووی'' میں عمر بن ابی ربیعہ الشاعر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان کے والد حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی کو یمن کے علاقہ جَنَدْ اور اس کے گردونواح کا والی مقرر فرمایا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت تک اسی منصب پر رہے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں کا والی مقرر کیا۔[۴۰۲] آپ نہایت حسین وجمیل تھے' قریش نے حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ آپ ہی کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔

''السیرۃ الشامیہ'' میں نبی ﷺ کے امراء (گورنروں) کے ضمن میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو صنعاء اور اس سے ملحقہ اضلاع پر امیر مقرر فرمایا' حضرت مہاجر بن امیہ المخزومی رضی اللہ عنہ کو کندہ پر' حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کو حضرموت پر' حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو زبید' عدن اور اس کے نواحی علاقوں پر' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جَنَدْ پر' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران پر اور حضرت ابوزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کے علاوہ پر امیر (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

حافظ العراقی کی 'الفیہ'' میں نبی ﷺ کے امراء کے ذکر میں ہے ابن کیران نے کہا ہے: امراء سے مراد وہ والی ہیں جن کو نبی ﷺ کے مختلف علاقوں پر بطور گورنر یا حج مقرر فرمایا یا ان کو صدقات کا محصل یا حج کا امیر مقرر فرمایا تھا۔

نبی ﷺ نے باذان کو یمن کے علاقہ کا امیر بنایا' پھر اس کے بیٹے شہر کو صنعاء کا امیر بنایا۔
المہاجر ابن ابی امیہ کو کندہ کا امیر مقرر فرمایا اور وہ اپنی ذمہ داری میں صدق سے رواں ہوئے۔

---

۳۹۹ ''الاصابہ'' ج ۳ ص ۴۵۹۔۴۶۰ (رقم: ۸۲۱۶)

۴۰۰ ناقابل اعتبار روایت۔ ''الاصابہ'' ج ۴ ص ۲۱۴ (رقم: ۱۲۰۳) میں اسے ابن زبالہ کی 'اخبار المدینۃ'' کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے' زبیر بن بکار نے کہا: اس کا اسناد ابن زبالہ کی کارستانی ہے' جو محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہے۔

۴۰۱ صحیح حدیث' دارقطنی ''سنن'' ج ۳ ص ۱۷' از ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما۔ اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے' لیکن وہاں سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۹۵' رقم: ۳۵۸۲)

۴۰۲ ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۳۰۵ (رقم: ۴۶۷۱) آپ کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جند کا والی مقرر کیا تھا۔

حضور ﷺ کے وصال تک وہ وہیں رہے' اسی طرح زیاد بن لبید کو حضر موت کا امیر بنایا۔

اسی طرح ابو موسیٰ کو زبید' عدن اور سرزمین یمن کے ساحلی علاقہ کا امیر مقرر فرمایا۔

آپ نے معاذ کو جَنَدْ کا والی مقرر فرمایا اور عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا امیر بنایا۔

ابوسفیان صخر بن حرب کو اس کے بعد آپ نے نجران کا والی مقرر فرمایا۔

ابوسفیان کے بیٹے یزید کو تیماء کا اور خالد بن سعید کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا۔

عمرو کو وادی القریٰ کی امارت عطا کی اور اس کے بھائی حکم کو امارت دی۔

ان کے بھائی ابان کو عرینہ کی ولایت دی' عمرو بن العاص کو عمان اور عثمان کو طائف کا والی بنایا۔

ابن ابی العاص کو خمس کی نگرانی دی' پھر ان کو والی بنایا۔

حضرت علی کو یمن کے صدقات کا محصل اور قاضی بنایا اور وہ یمن کے قائد تھے۔

عدی بن حاتم کو بنو طے اور بنو اسد کے صدقات کا والی بنایا۔

ان کے علاوہ مختلف قبائل میں آپ نے صدقات کے محصلین امراء بنائے۔

۹ھ میں حضرت ابوبکر کو حج کا امیر بنایا اور حضرت علی کو اعلانِ برأت کرنے والا بنایا کہ اس سال کے بعد مشرک حج نہیں کر سکیں گے اور سورۂ برأت پڑھ کر مشرکین کو رسوا کیا۔

رہے امراء لشکر تو ان کا ذکر سیرت نگاروں نے حسب موقع کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اپنے عمال کو مراسلات لانے والوں کے لیے ہدایت

علامہ سہیلی نے ''الروض الانف'' میں تصریح کی ہے' اور ان سے ابن بادیس نے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اپنے امراء کو لکھتے تھے: جب تم میرے پاس خط بھیجو تو خط لانے والا حسین صورت اور اچھے نام والا ہو[۴۰۳]

اور کہا ہے: اس حدیث کو البزار نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

الجامع الصغیر میں بھی یہ حدیث سابقہ حوالے سے مذکور ہے۔ المناوی نے ''التیسیر'' میں کہا ہے: جیسا کہ علامہ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں' لیکن اس کے قوی شواہد موجود ہیں[۴۰۴]

علامہ العلقمی نے کہا ہے: ''الکوکب'' میں اس کے ساتھ حسن کی علامت ہے۔ اور ''الکبیر'' میں کہا ہے: یہ روایت صحیح ہے۔ شاید شیخ المناوی کے نزدیک یہ روایت حسن ہو اور انہوں نے دوسروں کی طرف سے تصحیح نقل کی ہو۔

الزمخشری نے کہا: برید تیز رفتار قاصد ہے' دوسری جگہ کہا: یہ فارسی لفظ ہے یہ اصل میں ایسا خچر ہے جس کی دم کٹی

---

۴۰۳ ضعیف حدیث۔ بزار' طبرانی ''الاوسط'' (المجمع ج ۸ ص ۴۷) ہیثمی نے کہا ہے: اسے بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے' طبرانی کے اسناد میں عمر بن راشد ہے جسے عجلی نے ثقہ اور جمہور ائمۂ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ اس کے باقی رجال ثقہ ہیں' بزار کے طرق ضعیف ہیں۔

۴۰۴ اسی لیے البانی نے ''صحیح الجامع الصغیر'' (رقم: ۲۵۹) میں اور ''سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ہوئی ہو۔ (دم بُریدہ) کیونکہ ڈاک کے خچر ایسے ہوتے تھے' جب اس لفظ کا عربی میں استعمال ہونے لگا تو بطور تخفیف بریدہ باقی رہا دُم کا لفظ حذف کر دیا گیا۔ پھر برید اس قاصد (ڈاکیے) کو کہا جانے لگا جو ڈاک لے جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے عمال میں حسنِ صورت اور اچھے نام کی شرط

ابن بادیس نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے اس کا نام دریافت فرماتے اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کی جھلک نظر آتی تھی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند آتا تو آپ کے رخ انور میں ناپسندیدگی کے آثار نظر آتے تھے۔ اسی طرح جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے اس کا نام دریافت فرماتے اگر اس بستی کا نام آپ کو پسند آتا آپ خوش ہوتے اور چہرۂ انور میں خوشی و مسرت کی علامت ظاہر ہوتی اور اگر آپ اس بستی کا نام ناپسند آتا تو آپ کے چہرۂ انور میں ناپسندیدگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

''طبقات ابن سعد'' میں ہے نبی ﷺ نے حمیر کے سرداروں حارث' مسروح اور نعیم بن عبد کلال کی طرف مکتوب بھیجا' حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کو یہ مکتوب گرامی دے کر روانہ فرمایا اور یہ نصیحت فرمائی: جب تم ان کی سرزمین میں جاؤ تو رات کے وقت ان کے پاس نہ جانا حتیٰ کہ صبح ہو پھر تم اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنا' دو رکعت نماز ادا کرنا اور اللہ سے کامیابی اور قبولیت کی دعا کرنا' پھر تیاری کر کے میرا مکتوب دائیں ہاتھ میں لینا اور اپنا دائیں ہاتھ ان کے دائیں ہاتھ میں دینا کہ وہ اسی کے قابل ہیں (اس سے قبولیت متوقع ہے)۔[۴۰۵]

رسول اللہ ﷺ کی اپنے امراء سے عہد کی کیفیت

علامہ القلقشندی نے مشروعیۃ عهود الخلفاء کے زیر عنوان اپنی کتاب کے الجزء التاسع ص ۳۹۸ میں لکھا ہے: اس کی اصل وہ روایت ہے جو ابن اسحاق وغیرہ نے نقل کی ہے کہ جب بنو حارث بن کعب کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد یمن میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا' آپ نے ان کی طرف حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو والی بنا کر بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو دین سکھائیں' سنت کی تعلیم دیں اور معالم اسلام سے روشناس کریں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو مکتوب مرحمت فرمایا جس میں ان سے ذمہ داریاں نبھانے کا عہد لیا اور ان کے لیے احکام تحریر فرمائے۔

علامہ قلقشندی نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے اسی عہد کو درج کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کی ولایت عطا فرمائی اور ان احکام و اوامر کا مکلّف فرمایا' یہ خلفاء کے عمال

[۴۰۵] ''طبقات ابن سعد'' ج ا ص ۲۱۵۔۲۱۶' از مراسیل زہری۔

سے عہد لینے کے سلسلہ میں قوی ترین شاہد اور دلیل ہے۔

انہوں نے حضور ﷺ کا مکتوب گرامی ابن ہشام کے حوالہ سے کتاب کے الجزء العاشر ص ۸ پر درج کیا ہے' اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مذکور ہے:

یہ اللہ اور اس کے رسول کا بیان ہے' اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو۔ محمد النبی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کا اس وقت کا عہد جب آپ نے اسے یمن بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تمام معاملات میں اللہ سے ڈرنے کی ہدایت فرمائی کہ "اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور نیکو کاری کرتے ہیں" اور یہ ہدایت فرمائی کہ اللہ کے حکم کے مطابق حق وصول کرکے رہیں اور یہ کہ لوگوں کو خیر کی بشارت دیں اور انہیں خیر (بھلائی کرنے) کا حکم دیں' لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان میں قرآن کا فہم پیدا کریں اور لوگوں کو منع کریں کہ کوئی شخص قرآن کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے اور لوگوں کے حقوق و واجبات سے ان کو آگاہ کریں۔ حق کے معاملہ میں لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آئیں ظلم و ناانصافی کے معاملہ میں ان پر سختی کریں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ناپسند فرمایا ہے اور اس سے روکا ہے' ارشاد فرمایا: بے شک ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (الاعراف: ۴۴) لوگوں کو جنت اور جنت کے اعمال کی بشارت دیں اور ان کو جہنم اور جہنم کے اعمال سے ڈرائیں' لوگوں کو خود سے مانوس کریں تاکہ وہ دین میں فہم پیدا کریں' ان کو حج کے معالم (شعائر) سنن اور اس کے فرائض سکھائیں اور حج اکبر اور حج اصغر' عمرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کریں۔ لوگوں کو ایک چھوٹے کپڑے میں نماز پڑھنے سے منع کریں' ایسا کپڑا ہو جس کے دونوں کنارے اس کے دونوں کاندھوں پر آجائیں' اور ایک کپڑے میں احتباء نہ کریں (کولھوں کے بل گھٹنے کھڑے کرکے نہ بیٹھیں) جس سے اوپر کی سمت بے پردگی ہو اور اس سے منع کریں کہ کوئی شخص اپنی گدی کے پیچھے بالوں کی چوٹی بنا کر باندھے۔ اور اس سے منع کریں کہ جب لوگوں کے درمیان جوش و ہیجان ہو تو قبیلوں اور گروہوں کا نام لے کر نہ بلائیں' صرف اللہ عزوجل واحد لاشریک کا نام لیں' جو لوگ اللہ کی طرف دعوت نہ دیں بلکہ قبائل اور گروہوں کی طرف بلائیں تو ان کو تلوار سے کاٹ دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ ان کی دعوت اور بلاوا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ہو جائے۔ اور لوگوں کو وضو میں چہروں کو اور کہنیوں تک ہاتھوں اور ٹخنوں تک پیروں کو پورا پورا دھونے کی ہدایت کریں اور اپنے سروں کا مسح کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور نماز کو وقت پر ادا کرنے اور رکوع و سجود اور خشوع کو مکمل کرنے کا حکم دیا' اور یہ کہ فجر کی نماز اندھیرے میں اور ظہر کی نماز سورج ڈھلنے پر پڑھیں اور عصر کی نماز اس وقت پڑھیں جب سورج زمین کی طرف جارہا ہو اور نماز مغرب اس وقت پڑھیں جب رات شروع ہو اسے اتنی تاخیر سے نہ پڑھا جائے کہ آسمان پر ستارے ظاہر ہو جائیں' اور نماز عشاء اول شب میں پڑھیں اور آپ نے جمعہ کی اذان ہوتے ہی اس کی طرف غسل کرکے جانے کا حکم دیا۔

اور آپ نے ان کو حکم دیا کہ اموالِ غنیمت میں سے اللہ کا خمس لیں اور اہل ایمان پر فرض کردہ صدقات وصول کریں جن زمینوں کو چشمے اور بارش نے سیراب کیا ہو ان کی پیداوار کا عُشر (دسواں حصہ) ہے اور جن زمینوں کو ڈول

سے سیراب کیا گیا ہو اُن کی پیداوار کا نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں اور ہر بیس اونٹوں پر چار بکریاں ہیں۔ ہر چالیس گایوں پر ایک گائے اور ہر تیس گایوں پر ایک تبیع یا جذعہ ہے۔ چراگاہ میں چرنے والی ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری ہے' زکوٰۃ میں اہل ایمان پر یہ اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہے' جو اس سے زیادہ دے گا وہ اس کے لیے باعث خیر ہوگا۔

اور جو یہودی یا نصرانی اپنی طرف سے مخلصانہ طور اسلام لے آئے اور دین اسلام کو اپنا لے وہ مؤمنوں میں شمار ہوگا' اس کے وہی حقوق اور فرائض ہوں گے جو مؤمنوں کے حقوق اور فرائض ہیں اور جو شخص نصرانیت یا یہودیت پر قائم رہے گا اسے اس سے نہ پھیرا جائے گا' لیکن ہر بالغ مرد' عورت' آزاد یا غلام پر ایک پورا دینار (جزیہ) ہوگا یا اس کے عوض کپڑے' جو یہودی یا نصرانی اس کو ادا کرتا رہے گا' اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہوگا اور جو اس کے ادا کرنے سے انکار کرے گا وہ اللہ' اس کے رسول اور تمام مؤمنوں کا دشمن ہوگا۔

صلوات الله على محمد والسلام عليه ورحمة الله وبركاته[۴۰۶]

انتباہ

یہ مکتوب گرامی اور اس جیسے دیگر مکتوبات شریفہ اور تحریریں حکمرانوں کے مراسلات اور ہدایات کی اصل ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عامل کو حکمران کی اطاعت کرنی چاہیے۔ گذشتہ دور میں ان کو ظہائر اور صکوک سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ظہائر' ظہیر کی جمع ہے یعنی مددگار' سلطان یا خلیفہ کے مراسلے کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ یہ مراسلات ان کے مددگار اور معاون بنتے ہیں' صکوک' صک کی جمع ہے' یعنی کتاب۔ الجوہری نے کہا: یہ لفظ فارسی سے عربی میں آیا ہے' اس کی جمع اصک' صکاک اور صکوک ہے۔ پھر متاخرین نے اس لفظ کا اصل معنیٰ میں استعمال ترک کر دیا اور صرف ظہیر کا لفظ استعمال کرنے لگے (صک کا معنیٰ ہے: دستاویز' اقرار نامہ' بونڈ' وثیقہ' چارٹر)۔ (صبح الاعشیٰ' الجزء العاشر ص ۳۲۹)

قاضی (جج) کا بیان

فصل اوّل: رسول اللہ ﷺ کے لوگوں کے مابین فیصلے

''الـمـوطـا'' میں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوائے اس کے نہیں کہ میں بشر ہوں' تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو شاید کہ تم میں سے بعض اپنی دلیل کو دوسرے سے زیادہ بہتر طریقے سے پیش کرے اور میں اس کی دلیل سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں' سو میں جس کے حق میں اس کے بھائی کی کسی چیز کا فیصلہ کر دوں وہ اس سے وہ چیز ہرگز نہ لے' میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کرتا ہوں۔[۴۰۷]

---

۴۰۶ ''سیرت ابن ہشام'' ج ۴ ص ۵۹۴۔۵۹۶' از ابن اسحاق تخریج گزر چکی ہے۔

۴۰۷ صحیح حدیث۔ ''الموطا'' ج ۲ ص ۷۱۹' از طریق مالک' شافعی ج ۲ ص ۱۷۸' بخاری: ۲۶۸۰۔۷۱۶۹' طحاوی ''مشکل'' ج ۴ ص ۱۵۴' ابن حبان: ۵۰۷۰' بیہقی ج ۱۰ ص ۱۴۳۔۱۴۹' بغوی: ۲۵۰۶۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فائدہ

"حاشیہ الشہاب علی الشفاء" (الجزء الرابع ص ۳۰۱) میں علامہ سیوطی سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کا باطنی حکم ظاہر کی طرح ہوتا تھا' آپ کا ظاہری حکم کبھی فیصلہ پر' کبھی سیاست پر' کبھی عظیم حکمرانی اور کبھی فتویٰ پر مبنی ہوتا تھا۔ ابن السبکی نے "قواعد" میں "الفواکه الجنویه" کے حوالے سے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

"الانموذج" میں ہے حضور ﷺ کے لیے شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کیا گیا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معاملہ میں ایسا نہیں ہوا' انہیں ان میں سے ایک چیز عطا فرمائی گئی اس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کا واقعہ ہے۔ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میں ایک علم رکھتا ہوں جسے آپ نہیں جانتے اور آپ ایک علم رکھتے ہیں جس سے میں ناواقف ہوں[۴۰۸]

الروضی نے اپنی شرح میں کہا ہے: شریعت اور حقیقت سے مراد ظاہر اور باطن کا حکم ہے۔

علامہ قسطلانی نے مؤلف کے اس قول پر اعتراض کیا ہے کہ آپ کے لیے شریعت اور طریقت دونوں کو جمع کیا گیا۔ الخ اور کہا ہے: یہ عظیم غفلت ہے اور انبیاء کرام کے خلاف جرأت ہے کیونکہ اس سے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کا حقیقت سے خالی ہونا لازم آتا ہے حالانکہ جلیل القدر اولیاء تک اس سے تہی دامن نہیں ہوتے۔ اسی طرح حضرت خضر اور بعض دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا علم شریعت سے خالی ہونا لازم ہوگا۔ خود مؤلف کو بھی اس غلطی کا ادراک تھا اس لیے کہا: اس سے میری مراد حکم اور فیصلے کے درمیان جمع کرنا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "الباھر فی حکم النبی ﷺ بالباطن و الظاھر" میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور حضور ﷺ کے ظاہر و باطن یا ان میں سے کسی ایک پر مبنی فیصلوں کی مثالیں دی ہیں۔

فصل دوم: رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر مشتمل کتب کی تدوین

ائمہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں آپ کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات اور ان پر آپ کے فیصلوں کے موضوع پر پوری پوری کتابیں تالیف کی ہیں' اس سلسلہ میں سب سے مشہور شیخ الفقہاء امام محمد بن فرج مولیٰ ابن الطلاع الاندلسی المتوفی ۴۹۷ھ کی تالیف ہے' شیخ اپنے دور میں مرجع خلائق تھے' ہر طرف سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے' حافظ ابو علی الصدفی اور ابو الربیع الکلاعی نے ان سے روایت کی اجازت چاہی۔ "الدیباج" (ص ۲۷۵) میں ابن فرحون نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ابن الطلاع کی اس عظیم الشان نادر الوجود کتاب کا نام "کتاب اقضیة رسول الله ﷺ" ہے۔

مجھے تونس میں اس کتاب کا ایک نسخہ ملا لیکن اس میں اغلاط کی بھرمار تھی اور عبارت میں تبدیلیاں نمایاں تھیں' بعد

(بقیہ حاشیہ: ۴۰۷) بخاری: ۲۴۵۸_۷۱۸۱_۷۱۸۵' مسلم: ۱۷۱۳ (۴'۵'۶)' احمد ج ۶ ص ۲۹۰_۲۹۱_۳۰۳_۳۰۷_۳۰۸_۳۲۰' ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۳۳_۲۳۴' ترمذی: ۱۳۳۹' نسائی ج ۸ ص ۲۳۳' ابن ماجہ: ۲۳۱۷' دارقطنی ج ۴ ص ۲۳۹' طبرانی ج ۲۳ ص ۸۰۳_۹۰۲_۹۰۶_۹۰۷' از ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

۴۰۸ غیر صحیح بے اصل کلام۔ یکے از بدعات متصوفہ۔

ازاں میں فاس میں اس کتاب کا صحیح پرانا نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا لیکن یہ پھٹا ہوا تھا یہ متوسط درجہ کی کتاب ہے (زیادہ ضخیم کتاب نہیں) اس کی ابتداء میں فاتحہ کے بعد مرقوم ہے:

اس کتاب میں' میں رسول اللہ ﷺ کے ان فیصلوں کا ذکر کروں گا جن کی روایت مجھے دستیاب ہوئی' آپ نے خود فیصلے فرمائے یا آپ نے اس میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ کسی بھی جج یا قاضی کے لیے حلال نہیں کہ وہ قرآن مجید میں مذکور احکام کے خلاف فیصلہ دے یا رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ فیصلوں کے خلاف فیصلہ دے یا علماء کے اجماع کے خلاف فیصلہ دے۔ یا ان تین ادلّہ سے ہٹ کر کسی اور دلیل سے فیصلہ کرے۔

میری رائے یہ ہے کہ ہر صاحب علم مسلمان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے' قابل افسوس بات یہ ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے بھی اس کا اس نظر سے مطالعہ نہیں کرتے کہ ان فیصلوں کی روشنی میں فیصلے کریں بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ قدیم لٹریچر کیسا ہے۔

شیخ الفقہاء اس کے آخر میں لکھتے ہیں: مجھے اس کتاب کی تدوین اور ترتیب کی تحریک اس بات سے ہوئی کہ "مسند ابن ابی شیبه" کے مؤلف ابن ابی شیبہ کی ایک کتاب بعنوان "اقضية رسول الله ﷺ" میری نظر سے گذری' یہ مختصر کتاب ہے جس میں معدودے چند فیصلے مذکور ہے' پھر ابن ابی شیبہ کا یہ قول میں نے دیکھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور آپ کے حکم سے کیے گئے فیصلوں پر مشتمل تقریباً سو احادیث دیکھی ہیں۔ سو میں نے حصولِ برکت اور بطور محبت کے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو جمع کرنا شروع کیا' دل میں یہی خواہش موجزن تھی کہ آپ کے فیصلوں کی اقتداء کا شرف حاصل ہو اور آپ کے اوامر ونواہی سے آگاہی ملے پھر شیخ نے ان کتب کے نام گنوائے جن سے انہوں نے اس سلسلہ میں مدد لی اور انہوں نے چونتیس کتب کا نام لیا۔

مؤلف علامہ کتانی کہتے ہیں: آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ شیخ کو ابن ابی شیبہ کی بیان کردہ روایت کی تخریج میں جیسی دقت پیش آئی ایسی دقت مجھے علامہ خزاعی کی ذکر کردہ روایات کی تخریج میں پیش آئی۔

میرا ارادہ ہے کہ علامہ ابن الطلاع کی مذکورہ کتب کی طرف توجہ دوں اور اس کتاب کی ترتیب کے بعد شیخ کی کتاب پر کام کروں اور اسی نہج پر اس کتاب کو تکمیل تک پہنچاؤں۔ رب ذوالجلال سے آسانی کا سائل ہوں۔

اس موضوع پر ایک اور کتاب "اقضية الرسول عليه الصلوٰة والسلام" ہے' اسے علامہ ظہیر الدین علی بن عبدالعزیز بن عبدالرزاق المرغینانی الحنفی متوفی ۵۰۶ھ نے ترتیب دیا ہے۔ "کشف الظنون" میں اس کتاب کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: اس کتاب کی متعدد شروح ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک اور کتاب "المنتخب المنتقى" ہے' یہ امام ابو جعفر احمد بن عبدالملک بن محمد بن ابراہیم الانصاری المعروف ابن ابی مروان الاشبیلی المتوفی ۵۴۹ھ کی تالیف ہے' آپ لبلہ میں شہید ہوئے ابن الابار نے "تكملة الصلة" میں ان کے تذکرہ میں کہا ہے: یہ بہت مفید کتاب ہے' اس کتاب میں مختلف امہات الکتب میں متفرق مقامات پر موجود فیصلوں کو یکجا کیا گیا ہے۔

اسی کتاب کو بنیاد بنا کر اور استفادہ کر کے ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الاشبیلی نے "الاحکام" مرتب کی ہے'

ابو محمدؒ امام ابو جعفر کے ساتھی تھے اور ان کے ساتھ رہتے تھے۔ (ص ۴۷)

علامہ ابو علی حسین بن المبارک بن یوسف الموصلی المتوفی ۷۴۲ھ نے ''الفتاوی النبویة فی المسائل الدینیة و الدنیویة'' کے نام سے کتاب لکھی ہے' اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے ایسے فتاویٰ کا ذکر ہے جن میں حضور ﷺ کی جانب سے قطعی جوابات مروی ہیں' یہ کتاب فقہی ترتیب پر ہے' یہ ایک جلد میں ہے اس کا ایک نسخہ مصر کے المکتبۃ الخدیویہ میں موجود ہے۔

اس موضوع پر کتاب تالیف کرنے والوں میں ایک اور نام امام حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر الزرعی المعروف بہ ابن القیم الحنبلی الدمشقی المتوفی ۷۵۱ھ کا ہے۔ علامہ ابن القیم نے اس میں رسول اللہ ﷺ کے فتاویٰ آپ کے جوابات اور احکام کو جمع کیا ہے ابن القیم کی کتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' کا اختتام اسی کتاب پر ہوا ہے۔

نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے اس موضوع پر ''بلوغ السول فی اقضیة الرسول'' کے نام سے کتاب لکھی ہے' یہ کتاب ہندوستان میں چھپ گئی ہے' ان کی یہ کتاب اور ایک اور کتاب جو آیات احکام کی تفسیر پر مشتمل ہے یعنی ''نیل المرام بایات الاحکام'' یہ دونوں کتابیں ایک جلد میں ہیں۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اگر ہندوستانی مسلمانوں کے ذخیرۂ تالیف وتصنیف میں فقط یہی دو کتب ہوتیں تب بھی کافی تھیں۔ میری رائے میں ہر مسلمان کے پاس ان کتب کی موجودگی ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور فتاویٰ کے ذکر پر مشتمل عنوانات اور ابواب

حافظ شامی نے سیرت النبی ﷺ میں اس فصل کو درج ذیل عنوان دیا ہے ''نبی ﷺ کے احکام اور فیصلوں کے حوالے سے نبی ﷺ کے سیرت نگار'' اور کہا ہے کہ اس سے تشریع عام کا ذکر مراد نہیں اگرچہ آپ کے خاص فیصلے تشریع عام کے جامع ہیں' بلکہ اس سے غرض ان احکام جزئیہ میں آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ہے جن کا تعلق باہمی جھگڑوں سے ہے' اس میں آپ کی سیرت طیبہ کیا تھی؟ ہم اس فصل سے متعلق ابواب اور عنوانات ذکر کریں گے۔

چنانچہ حافظ شامی نے سب سے پہلے یہ عنوان قائم کیا ''رسول اللہ ﷺ کے احکام' فیصلوں اور فتاویٰ کے حوالے سے آپ کے سیرت نگار'' پھر اس کے پہلے باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے ''مراسلات میں رسول اللہ ﷺ کے احکام اور فیصلے اور اس سے ملحقہ عنوانات'' اس میں کئی ابواب ہیں:

(۱) لوگوں کے درمیان منصف بننے سے بچنا اور ڈرنا
(۲) حضور ﷺ کا فیصلے (قضاء) کی تین قسمیں بیان فرمانا
(۳) آپ ﷺ کا غصے اور بھوک کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمانا
(۴) حضور ﷺ کا جھگڑے کے فریقوں کو نصیحت فرمانا
(۵) آپ کا تہمت کے ملزم کو نظر بند کرنا
(۶) مقروض کا پیچھا کرنے کا حکم فرمانا
(۷) تہمت لگانے والے کو شہر بدر کرنا
(۸) کوڑھیوں اور اہل معاصی سے گفتگو کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم

(۹) فیصلہ کرنے میں آپ کی سیرت طیبہ (۱۰) مفلس کو مالی تصرف سے روکنے کا حکم دینا

(۱۱) معاملات میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ

دوسرا باب: وصیتوں اور میراث میں حضور ﷺ کے احکام اور فیصلے

تیسرا باب: نکاح' طلاق' خلع' رجوع' ایلاء' لعان' بچے کے نسب کے ثبوت وغیرہ میں آپ کے احکام

چوتھا باب: حدود کے بارے میں آپ کے فیصلے اور احکام

اس باب کے تحت درج ذیل اٹھارہ عنوانات مذکور ہیں:

(۱) حدود میں سفارش

(۲) حدود کو رفع کرنا اور اس کی حکمت

(۳) تعزیر میں رسول اللہ ﷺ کا حکم

(۴) مسجد میں حدود قائم کرنے کی ممانعت فرمانا

(۵) حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس پر حد نہیں

(۶) کمزور پر آپ کی طرف سے اقامتِ حد کی کیفیت

(۷) قابل حد فعل انجام دینے والے کے لیے آپ کی طرف سے اقرار سے رجوع یا انکار کا اشارہ

(۸) حد کا سبب بیان کیے بغیر اپنے قابل حد ہونے کے اعتراف پر حد قائم نہ کرنا

(۹) مرتدوں اور محاربین کے بارے میں آپ کا حکم

(۱۰) زانی کے بارے میں آپ کا حکم

(۱۱) مجبور کے بارے میں آپ کا حکم

(۱۲) نادان' ناسمجھ کے متعلق آپ کا حکم

(۱۳) اپنے باپ کی بیوی سے شادی کرنے والے کے متعلق آپ کا حکم

(۱۴) ان لوگوں کا بیان جن کو حضور ﷺ نے حد لگائی

(۱۵) لوطی (ہم جنس پرست) کے بارے میں آپ کا حکم

(۱۶) تہمت کی حد کے بارے میں آپ کا حکم

(۱۷) چوری کی حد کے بارے میں آپ کا حکم

(۱۸) مدہوش (نشہ میں چور) کے بارے میں آپ کا حکم

پانچواں باب: جنایات' دیات (خون بہا)' قصاص اور زخموں کے بارے میں حضور ﷺ کے فیصلے اور احکام۔ اس باب میں کئی فصول ہیں۔

چھٹا باب: دعوں' گواہوں اور تنازعات کے متعلق آپ کی سیرت طیبہ

ساتواں باب: مذکورہ بالا فیصلوں کے علاوہ دیگر معاملات میں آپ کے فیصلے

آٹھواں باب: رسول اللہ ﷺ کے فتاویٰ اس میں دینی امور سے متعلق بارہ ابواب مذکور ہیں۔

اکیسواں باب: کسب اور معاش سے متعلق آپ کے بعض فتاویٰ

بائیسواں باب: بیوع' معاملات اور ان سے متعلقہ امور کے متعلق آپ کے بعض فتاویٰ

تیئیسواں باب: لقیط' لقطہ' ہبہ' ہدیہ اور وصیت کے متعلق آپ کے بعض فتاویٰ

چوبیسواں باب: میراث اور وارثوں کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

پچیسواں باب: عتق (غلام کی آزادی) اور اس سے متعلقات کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

چھبیسواں باب: نکاح اور اس سے متعلقہ امور کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

ستائیسواں باب: طلاق' خُلع' ایلاء' ظہار' لعان' بچہ کے ثبوت نسب کے بارے میں آپ کے فتاویٰ

اٹھائیسواں باب: جنایات اور حدود کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

انتیسواں باب: قسم اور نذر کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

تیسواں باب: شکار اور ذبائح کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

اکتیسواں باب: مشروبات اور ان میں سے حلال اور حرام کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

بتیسواں باب: امارت اور اس سے متعلقہ امور کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

تینتیسواں باب: جہاد' غزوہ اور اس سے متعلقہ مسائل کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

چونتیسواں باب: اللہ کے لیے محبت اور دوستی اور لوگوں سے میل جول کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

پینتیسواں باب: بیماری' علاج اور اس سے متعلق امور کے بارے میں آپ کے بعض فتاویٰ

چھتیسواں باب: غلامی کے بارے میں حضور ﷺ کے بعض فتاویٰ

سینتیسواں باب: تفسیر کے بارے میں نبی ﷺ کے بعض فتاویٰ

رسول اللہ ﷺ کے قاضی (جج' منصف)

رسول اللہ ﷺ کے منتخب فرمودہ قاضیوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ "سنن الترمذی" میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: جاؤ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو' انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ مجھے اس ذمہ داری سے معاف نہیں فرماتے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کو یہ ناپسند کیوں ہے حالانکہ آپ کے والد فیصلے کیا کرتے تھے۔[۴۰۹]

۴۰۹ ضعیف حدیث۔ ترمذی: ۱۳۲۲' از محمد بن عبد الاعلیٰ از معتمر بن سلیمان۔۔۔۔۔۔۔ الحدیث' امام ترمذی نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث غریب ہے' میرے پاس اس کا اسناد متصل نہیں ہے۔ حافظ المنذری نے "الترغیب" ج ۳ ص ۱۳۱۔۱۳۲' میں اسے تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اسے ابویعلیٰ نے' ابن حبان نے "صحیح" میں اور ترمذی نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے' ترمذی نے اسے غیر متصل الاسناد کہا ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس کے راوی عبداللہ بن موہب کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے (عبداللہ بن موہب' عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں فلسطین کے قاضی تھے)۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حافظ شامی نے اپنی سیرت کی کتاب میں اسے ''باب قضائہ ﷺ'' کے تحت امام احمد' عبد بن حمید' ابویعلی اور ابن حبان کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ابن العربی نے ''العارضۃ'' میں کہا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا کہ آپ کے والد قاضی رہے' اس سے رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک مراد ہے۔ اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مراد خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت نہ تھا' حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یہی سمجھا تھا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

''الاستیعاب'' میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جوانی میں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور ارشاد فرمایا: جب تیرے سامنے دو مخالف فریق موجود ہوں تو جب تک پہلے فریق کی بات کی طرح فریق ثانی کی بات نہ سن لو ان کے درمیان فیصلہ نہ کرنا' کیونکہ اس طرح تمہارا فیصلہ زیادہ بہتر ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس کے بعد فیصلہ کرنے میں' میں کبھی شک میں مبتلا نہیں ہوا[۲۱۰] مروی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھا کر کہا: انہوں نے فیصلہ کرنے میں کبھی غلطی نہیں کی[۲۱۱]

امام حاکم نے ''المستدرک'' میں کتاب الاحکام کے شروع میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ارشاد فرمایا: ان کو شرائع سکھاؤ اور ان کے درمیان فیصلے کرو' حضرت علی نے عرض کیا: میرے پاس فیصلے کرنے کا علم نہیں ہے' نبی ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا کی: اے اللہ! اس کی قضاء میں رہنمائی فرما[۲۱۲] امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ: ۲۰۹) ابن حبان: ۵۰۵۶' طبرانی ''الکبیر'': ۱۳۳۱۹' از طریق عبدالملک بن ابی جمیلہ از عبداللہ بن وہب' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ------ 'عبدالملک بن ابی جمیلہ کو ابن حبان (ج ۷ ص ۱۰۳) کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اور اس سے معتمر بن سلیمان کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی' ابوحاتم نے اسے مجہول کہا ہے۔ عبداللہ بن وہب ابن زمعہ بن اسود قرشی ثقہ ہے۔

احمد ج ۱ ص ۶۶ از عفان از حماد بن سلمہ از ابی سنان از یزید بن موہب' حضرت عثمان نے ابن عمر رضی اللہ عنہم سے کہا------ اسے ہیثمی نے ''المجمع'' ج ۵ ص ۲۰۰ میں امام احمد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے: یزید کو میں نہیں پہچانتا۔

مؤلف نے اس روایت کو مختصراً ذکر کیا ہے لیکن ترمذی وغیرہ میں اس حدیث میں زائد جملے ہیں------

۲۱۰؎ صحیح حدیث۔ احمد ج ۱ ص ۸۸۔ ۹۰۔ ۹۶۔ ۱۱۱۔ ۱۵۰۔ ۱۵۶' عبداللہ بن احمد ''زوائد المسند'' ج ۱ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰' ابوداؤد: ۳۵۸۲' ترمذی: ۱۳۳۱' بیہقی ''سنن'' ج ۱۰ ص ۸۷' از سماک بن حرب از حنش از علی رضی اللہ عنہ۔ ''الاستیعاب'' علی حاشیہ ''الاصابہ'' ج ۳ ص ۳۶۔ ۳۷۔

۲۱۱؎ ''الاستیعاب'' ج ۳ ص ۳۸۔ ۳۹ (علی حاشیہ ''الاصابہ'') از شعبی' مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی۔

۲۱۲؎ صحیح حدیث۔ حاکم ''المستدرک'' ج ۴ ص ۸۸' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں (بخاری' مسلم) نے اسے روایت نہیں کیا۔ ذہبی نے ''تلخیص'' میں یہ اشارہ کیا ہے کہ بخاری اور مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجنے کا واقعہ ابوداؤد نے سنن میں' احمد' اسحاق بن راھویہ اور ابوداؤد الطیالسی وغیرہ نے اپنی مسانید میں نقل کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں' نصب الرایہ' تلخیص الحبیر)

حافظ محبّ الدین الطبری نے اپنی کتاب ''ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ '' میں اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''باب ذکر دعاء رسول اللہ ﷺ لہ رضوان اللہ علیہ حین ولاہ قضاء الیمن '' اس کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نوجوان تھا' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف روانہ فرما رہے ہیں جن کے درمیان واقعات (جھگڑے وغیرہ) ہوں گے اور مجھے قضاء کا علم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو ہدایت دے گا اور تیرے قلب کو ثابت رکھے گا' حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے کبھی شک نہیں ہوا۔ (احمد) الطبری کہتے ہیں: احداث سے حضرت علی کی مراد واقعات اور تنازعات وغیرہ تھے۔

''احکام ابن العربی '' میں ہے نبی ﷺ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تھا' آپ اس سے پہلے یمن میں اپنے عمال اور والی روانہ فرما چکے تھے۔

علامہ القرافی نے ''الفروق '' میں کہا ہے: قاضیوں کے انتخاب میں اسے مقدم کیا جائے جو احکامِ شرعیہ کا دوسروں سے زیادہ عالم ہو اور فریقین کے دلائل اور دھوکہ دہی کی چالوں کو خوب سمجھتا ہو' نبی ﷺ کے ارشادِ گرامی ''اقضاکم علی ''[۱۳] کا یہی مطلب ہے کہ علی مقدمہ کے فریقین کے دلائل اور ان کی پرفریب چالوں کو تم سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔ اس توجیہ سے حضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی اور ارشادِ گرامی ''تم میں سے حلال اور حرام کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ ہے''[۱۴] میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ حضرت معاذ اگرچہ حلال اور حرام کی زیادہ معرفت رکھنے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان بہترین فیصلہ کرنے والے تھے تاہم قضاء میں حلال وحرام کی معرفت کے علاوہ ایک زائد چیز دلائل کی معرفت اور ان کی گہرائی تک رسائی ہے' کبھی ایسا ہوتا ہے انسان حلال اور حرام کی گہری معرفت رکھنے کے باوجود شبہات سے دھوکہ کھا جاتا ہے' قضاء اسی جانچ اور پرکھ کا نام ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

''الاستیعاب ''[۱۵] میں ہے نبی ﷺ نے آپ کو یمن کے علاقہ الجَنَد کی طرف روانہ فرمایا تا کہ آپ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور ان کے مابین فیصلے کریں اور یمن میں حضور ﷺ کے عمال سے صدقات وصول کریں' یہ فتح مکہ کے سال (۸ھ) کا واقعہ ہے۔[۱۶]

---

۱۳ ضعیف حدیث۔ مسند ابویعلیٰ: ۵۷۶۳' از ابن عمر رضی اللہ عنہما' اس کا اسناد محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۴ ضعیف حدیث۔ گذشتہ حدیث کا ایک حصہ ہے۔

۱۵ ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج ۳ ص ۳۵۷۔

۱۶ ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج ۳ ص ۳۵۶۔۳۵۷' بحوالہ ابن عبدالبر از ابن اسحاق' بلا اسناد۔

حافظ الشامی لکھتے ہیں: طبرانی نے صحیح کے راویوں سے مسروق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چھ اصحاب منصب قضاء پر فائز تھے' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم۔[۴۱۷]

امام احمد اور حاکم نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قوم کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اچھا فیصلہ کرنا نہیں آتا' آپ نے فرمایا: جب تک قاضی عمداً ظلم نہ کرے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔[۴۱۸]

نبی ﷺ کے پاس دو فریق تنازعہ لے کر آئے تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان کے درمیان فیصلہ کردو۔[۴۱۹] اسی طرح آپ نے ایک مرتبہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے بھی فرمایا تھا: ان کے درمیان فیصلہ کردو۔ اسے امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ المقدسی کی کتاب ''**الاستبصار**'' میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی' امیر اور صدقات کا محصل بنا کر روانہ فرمایا۔

ابن ابراہیم الوزیر الیمنی ''**الزھر الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم**'' میں لکھتے ہیں: نبی ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن میں قاضی اور صدقات کا محصل بنا کر بھیجا' آپ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قاضی اور مفتی تھے' خلفاء راشدین کے دور میں بھی آپ یہی خدمات انجام دیتے تھے۔

''**در السحابہ**'' میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' شعبی نے کہا ہے: قاضی چار ہیں حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ شامی اور دیگر حضرات کے بقول نبی ﷺ نے کسی معین شخص کو لوگوں کے لیے قاضی مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے خاص خاص مواقع پر صحابہ کی ایک جماعت کو حسب ضرورت قاضی مقرر فرمایا تھا۔

---

[۴۱۷] صحیح حدیث' طبرانی ''الکبیر'' ج ۱ص ۵۲۸' بیہقی ''المدخل'' ص ۲۴' حاکم ج ۳ص ۳۰۲' از مسروق۔ ہیثمی نے ''المجمع'' ج ۹ص ۳۱۲ میں کہا ہے: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

[۴۱۸] نہایت ضعیف روایت۔ احمد ج ۵ص ۲۶' از طریق اسماعیل بن عیاش از ابی شیبہ یحییٰ بن یزید بن ابیہ۔ از نفیع بن حارث از معقل بن یسار۔ اس کا اسناد نہایت ضعیف ہے' اسماعیل بن عیاش اپنے شہر والوں سے روایت میں صدوق اور دوسرے راویوں سے روایت میں مخلط ہے۔ (التقریب: ۴۷۳) ابو شیبہ یحییٰ بن یزید مقبول ہے۔ (التقریب: ۷۷۰۲) نفیع بن حارث متروک ہے۔ ابن معین نے اسے کاذب کہا ہے۔ (التقریب: ۷۷۰۷) لیکن اس حدیث کا شاہد موجود ہے' یہ ابو اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے ترمذی: ۱۳۳۰' ابن ماجہ: ۲۳۱۲' ابن حبان: ۵۰۶۲' حاکم ج ۴ص ۹۳' بیہقی ج ۱۰ص ۸۸ اور ابن عدی نے ''الکامل'' ج ۶ص ۲۱۴۵ میں روایت کیا ہے' تفصیل کے لیے صحیح ابن حبان: ۵۰۶۲ میں شیخ شعیب الارناؤوط کی تخریج ملاحظہ کیجئے' یہ حدیث حسن ہے اور معقل بن یسار کی حدیث کا قوی شاہد ہے۔

[۴۱۹] ضعیف حدیث۔ احمد ج ۴ص ۲۰۵' از عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ ہیثمی نے اسے ''المجمع'' ج ۴ص ۱۹۵ میں ذکر کر کے کہا ہے اسے احمد نے اور طبرانی نے ''الکبیر'' میں روایت کیا ہے۔ اس میں ایسا راوی ہے جسے میں نہیں پہچانتا۔

"صبح الاعشیٰ" میں ہے قاضی کا مطلب ہے: احکام شرعیہ میں دو دعوے داروں کے درمیان متنازعہ امور کا فیصلہ کرنے والا۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک ہی سے یہ ذمہ داری بعض اصحاب کے سپرد کی گئی اور تا حال سپرد کی جاتی ہے۔ علامہ قضاعی نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منصب قضاء پر مقرر کیا۔

"وفیات الاسلاف" (ص ۳۶۶) میں ہے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے قاضی مقرر فرمایا جب آپ نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا اور خلفاء میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسروں کو منصب قضاء پر فائز کیا' انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ' حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ اور حضرت شریح کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا تا کہ آپ خلافت اور حکمرانی کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں آسانی حاصل کریں۔

"طبقات ابن سعد" میں ہے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں کے لیے قاضی مقرر کیے۔ علامہ ابوعمر بن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں امام مالک کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاضی مقرر کیے اور انہوں نے خلفاء اربعہ کی جانب سے سب سے پہلے قاضی مقرر کرنے کا انکار کیا ہے' علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں: ہمارے نزدیک امام مالک کا یہ قول اس پر محمول ہے کہ انہوں نے دارالخلافہ میں ایسا نہیں کیا ورنہ دور دراز علاقوں میں انہوں نے قاضی مقرر کیے اور اپنے عمال کے علاوہ دوسروں کو یہ ذمہ داریاں سپرد کیں' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کوفہ پر شریح کو قاضی مقرر کرنا ہمارے علماء کے نزدیک حد درجہ مشہور ہے اور قابل حجت ہے۔

"العتبیہ"[۴۲۰] میں امام مالک سے منقول اس قول پر کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے قاضی مقرر نہیں کیا اور وہ خود ہی لوگوں کے معاملات پر نظر رکھتے تھے ابن رشد نے لکھا ہے کہ یہ امام مالک کے اس قول کی اصل ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاضی مقرر کیا' ان کی مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مرکز اور دارالحکومت میں قاضی مقرر کیے' کیونکہ وہ قضاء کے علاوہ مسلمانوں کے دیگر امور میں مصروف رہتے تھے جیسے لشکروں کی روانگی' سرحدوں کی نگرانی وغیرہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابومریم الحنفی[۴۲۱] کو بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا اور کعب بن سورا للقیطی کو وہاں کا والی بنایا۔ ابومریم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت تک بصرہ کے قاضی رہے۔ اور شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا' یہ مثالیں ہماری توجیہ کی صحت کی دلیل ہیں کہ خلفاء راشدین صرف دارالخلافہ میں قضاء کا کام خود سرانجام دیتے تھے' دور دراز شہروں میں یہ ذمہ داری دوسروں کے سپرد کرتے تھے۔

---

۴۲۰ "فتاویٰ العتبیہ" در فقہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۴۲۱ ابومریم الحنفی کا نام ایاس بن صبیح ہے۔ (اخبار القضاۃ ج ۱ ص ۲۶۹)

"فتح الباری" میں ہے بیہقی نے سندِ قوی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے آپ نے منصب قضاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ امام بیہقی نے قوی سند کے ساتھ ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو لکھا منصب قضاء پر اپنے صالح اور نیک لوگوں کو مقرر کرو اور ان کو وظیفہ دو۔

بیہقی نے سندِ لین (نرم) کے ساتھ ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کے بعد دمشق کا قاضی کون ہو؟ فرمایا: فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ۔ یہ حضرات اکابر اور فضلاء صحابہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں کتاب الاحکام کا باب اجر من قضی بالحکمة)

"المدونہ" میں ہے امام مالک نے فرمایا: قضاء کا علم دوسرے علوم کی طرح نہیں ہے' اس شہر (مدینہ طیبہ) میں حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے زیادہ قضاء کا علم رکھنے والا کوئی نہ تھا' انہوں نے حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما سے علمِ قضاء کا کچھ حصہ حاصل کیا تھا اور حضرت ابان رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قضاء کا علم حاصل کیا تھا۔

کیا رسول اللہ ﷺ قاضی کے لیے سن رسیدہ ہونے کی شرط لگاتے تھے؟

امام ابوداؤد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت علی نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں کم عمر ہوں اور مجھے قضاء کا علم نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے قلب کو ہدایت بخشے گا اور تیری زبان کو ثابت قدمی عطا فرمائے گا' جب تیرے سامنے دو مخالف فریق بیٹھیں تو تم اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک تم فریق ثانی کی بات اسی طرح نہ سن لو جس طرح تم نے فریق اول کی بات سنی ہے کیونکہ اس طرح تمہیں بہتر فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد مجھ سے فیصلہ میں لغزش نہیں ہوئی یا فرمایا: اس کے بعد مجھے کسی فیصلہ میں شک نہیں پڑا۔

اسی طرح امام احمد' حاکم نے تصحیح کے ساتھ' ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یحییٰ بن اکثم کو جب قاضی مقرر کیا گیا ان کی عمر اکیس سال تھی' ان سے پوچھا گیا: قاضی کی عمر کتنی ہو؟ کہا: حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی اس عمر کے برابر جب فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے ان کو مکہ کا امیر اور قاضی مقرر فرمایا تھا (وہ اس وقت بیس برس کے تھے) اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جس عمر میں یمن پر قاضی بنا کر روانہ فرمایا تھا میری عمر اس سے زیادہ ہے۔

حافظ العراقی نے "المغنی" [۲۲۲] میں کہا ہے کہ خطیب نے تاریخ میں محلِ نظر اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے

---

۲۲۲ "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار" تالیف حافظ زین الدین ابی الفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی متوفی ۸۰۶ھ۔

کہ ابن اکثم کا قول حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی نسبت سے صحیح ہے' کیونکہ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

''منحة واهب الهبات البهية'' میں ہے:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ (سالارِ لشکر) بیس سال کے تھے جب ختم الانبیاء ﷺ کا وصال ہوا۔

علامہ الجوزی نے ''الصفوه'' میں اور واقدی نے یہی روایت کیا ہے۔

البتہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ان کا قول درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یحیٰی بن سعد انصاری' امام مالک اور ابن ابی حاتم کے بقول حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ واللہ اعلم (اس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی قاضی مقرر کیے جانے کے وقت کی عمر یحیٰی بن اکثم کی عمر سے زائد ہوگی)۔

''فتح الباری'' کے ''باب اخذ الصدقة من الاغنياء وردها على الفقراء'' میں ہے اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن کے والی تھے یا قاضی' ابن عبد البر نے دوسرے قول کو اور الغسانی نے پہلے قول کو قطعی قرار دیا ہے۔

''اسد الغابه'' میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں ہے نبی ﷺ نے حضرت اسامہ کو عامل (لشکر کا سالار) بنایا اس وقت وہ اٹھارہ سال کے تھے۔

علامہ القسطلانی نے ''الارشاد'' میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں لکھا ہے: حضرت اسامہ کے لشکر میں بڑے بڑے صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی' اس سے غلام کو والی بنانے کا جواز ثابت ہوا اور یہ کہ کم عمر کو بڑی عمر والوں پر اور مفضول کو فاضل پر والی بنانا جائز ہے۔

فاس میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک صاحب کا رسالہ میری نظر سے گزرا ہے جس میں انہوں نے زیادہ تر ''اسد الغابه'' اور ''الاصابه'' کے تراجم کے حوالے سے امور شرعیہ کی انجام دہی میں ان حضرات کا ذکر کیا ہے جو ابھی نوعمر تھے یا مطلوبہ استعداد نہیں رکھتے تھے اور ان کو یہ ذمہ داری سونپی گئی' اس سلسلہ میں حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت زید بن حارثہ' حضرت اسامہ' حضرت عتاب بن اسید' حضرت معاذ بن جبل' حضرت کعب بن سور' حضرت باذان بن ساسان' حضرت شہر بن باذان' حضرت عمرو بن حزم' حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز' حضرت زید بن ثابت' حضرت قیس بن سعد بن عبادہ' حضرت زید بن قنفذ بن زید بن جدعان رضی اللہ عنہم کو ذکر کیا ہے۔

عجیب وغریب واقعہ

ابن ابی ایاس الحنفی المصری کی تاریخ مصر (ج ۲ ص ۳۰۶) میں ہے خلیفہ التوکل علی اللہ عبد العزیز نے حافظ جلال الدین سیوطی کو اتنا بڑا عہدہ اور منصب دیا کہ ایسا منصب کسی کے لیے نہیں سنا گیا' وہ یہ کہ خلیفہ نے حافظ سیوطی کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا اور ان کو یہ اختیار دے دیا کہ سارے بلادِ اسلامیہ میں جس کو چاہیں قاضی مقرر کریں اور جس کو چاہیں اس منصب سے معزول کر دیں' یہ ذمہ داری اور عہدہ دولت بنو ایوب میں قاضی تاج الدین ابن بنت

الاعز کے سوا اور کسی کو کبھی نہیں ملا تھا۔ جب قضاۃ کو اس کی خبر ملی تو انہیں یہ بات گراں گزری اور انہوں نے اسے خلیفہ کی کم عقلی پر محمول کیا اور کہا: خلیفہ کو سلطنت و اقتدار کے باوجود حل وعقد اور تقرری و معزولیت کا اختیار نہیں رہا اور خلیفہ اقتدار کے باوجود کم تر درجہ پر آ گیا ہے' جب اس سلسلہ میں چہ میگوئیاں بڑھیں اور لوگوں نے خلیفہ کے خلاف لب کشائی کی تو خلیفہ نے اپنا فرمان واپس لے لیا اور حافظ سیوطی کو اس عہدہ سے معزول کر دیا' اس سے ایک عظیم فتنہ کا دروازہ کھلنے والا تھا اور ایسے معاملات پیش آئے جن کا ذکر فضول ہے' ایک مدت کے بعد حالات پرسکون ہوئے۔

علامہ ابن ابی ایاس کا یہ قول کہ ایسا مرتبہ کسی کو نہیں ملا تھا' محل نظر ہے کیونکہ حافظ سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' میں ہے کہ خلفاء اپنے دارالخلافت میں مقیم قاضی کو اپنے تمام صوبوں اور ممالک کی ولایت عطا کرتے تھے اور تمام علاقوں پر قاضی کو اپنی مرضی سے اپنے نائب مقرر کرنے کا اختیار ہوتا تھا۔ اسی لیے دارالخلافہ کے قاضی کو قاضی القضاۃ کہا جاتا تھا' دوسرے قاضیوں کو صرف قاضی یا فلاں شہر کا قاضی کہا جاتا تھا۔

حافظ قاسم ابن قطلو بغا کی کتاب ''طبقات الحنفیۃ'' (ص ۶۵) میں امام ابو یوسف کے تذکرہ میں ابن الطیب القادری سے منقول ہے کہ ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ تین عباسی خلفاء مہدی' ہادی اور ہارون الرشید کے قاضی رہے' آپ مشرق و مغرب کے ہر اسلامی شہر میں قاضی مقرر کرتے تھے' سب سے پہلے آپ ہی کو قاضی القضاۃ کا خطاب دیا گیا' یہ ہارون الرشید کے دور خلافت کا واقعہ ہے۔

دوسرے حضرات نے امام ابو یوسف کے بارے میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے آپ ہی کو قاضی القضاۃ کہا گیا' اسی طرح آپ کو قاضی الدنیا بھی کہا گیا کیونکہ آپ خلیفۃ المسلمین کے زیر اقتدار تمام ممالک اور صوبوں میں اپنے نائب مقرر کرتے تھے۔ الشیخ عبدالغنی النابلسی شطرنج کے بارے میں اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

شطرنج کھیلنے میں کوئی حرج نہیں' یہ مشرق و مغرب کے قاضی اور عالم سے مروی ہے۔

اس بیت کی شرح میں کہا ہے: اس سے امام ابو یوسف مراد ہیں' کیونکہ ان کی ولایت میں مشرق و مغرب شامل تھے کہ آپ خلیفہ ہارون الرشید کے قاضی تھے۔ (الحدیقۃ الندیہ ج ۲ ص ۲۹۶)

''طبقات ابن قطلوبغا'' ہی میں ابو شجاع نجم الدین الترکی مولیٰ الامام الناصر لدین اللہ المہدی ۶۵۰ھ کے تذکرہ میں ہے' خلیفہ المنتصر نے آپ کو قاضی القضاۃ کا منصب پیش کیا جسے آپ نے قبول نہیں کیا۔

قازان کے عالم شہاب الدین المرجانی کی کتاب ''وفیۃ الاسلاف وتحیۃ الاخلاف'' (ص ۲۷۷) میں قاضی القضاۃ کے زیر عنوان بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس لقب کا اطلاق بے شمار جلیل القدر قاضیوں پر کیا گیا ہے تاہم حقیقی طور پر صرف دو افراد ایسے ہیں جو اس لقب کے حق دار ہیں' یہ حضرات سلطنت اسلامیہ کے مشارق و مغارب میں واقع تمام شہروں اور علاقوں کے قاضی تھے' ان کے دور میں تمام (اسلامی) دنیا کے قاضی ان کے نائب کے طور پر فیصلے کرتے تھے۔ ان میں سے پہلے خلیفہ ہارون الرشید کے قاضی ابو یوسف ہیں اور دوسرے خلیفہ المعتصم کے دور کے ابوعبداللہ احمد بن داؤد بن مالک الایادی ہیں۔

گورنروں اور قاضیوں کا مشاہرہ

''الهدايه'' [۴۲۳] میں ہے نبی ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کی طرف بھیجا اور ان کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ حافظ الزیلعی نے ''نصب الرایه'' میں اس روایت کو غریب کہا ہے [۴۲۴] پھر ''طبقات ابن سعد'' کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سے میں اس عمل (ذمہ داری) پر مقرر ہوا ہوں مجھے دو کپڑے ملے ہیں جو میں نے اپنے غلام کیسان کو پہنا دیئے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے سالانہ چالیس اوقیہ مقرر فرمایا تھا' ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ ابوالربیع بن سالم نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے لیے روزانہ ایک درہم مقرر فرمایا تھا۔'' طبقات ابن سعد '' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو جُند حمص کا والی (گورنر) مقرر کیا تو ان کے لیے روزانہ کا ایک دینار' ایک بکری اور ایک مُد غلہ مقرر کیا۔

صحیح البخاری کے ''باب رزق الحكام والعاملين عليها'' میں ہے شریح منصب قضاء پر تنخواہ لیتے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وصی اپنے عمل کے مطابق کھائے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی بیت المال سے کھایا ہے۔

''مصنف عبد الرزاق '' میں الحسن بن عمارہ حکم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریح اور سلیمان بن ربیعہ الباہلی کا منصب قضاء پر وظیفہ مقرر کیا۔

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں روایت کیا ہے کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کا پانچ سو وظیفہ مقرر کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قاضی بنایا اور ان کا وظیفہ مقرر کیا۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو صبح کو آپ بازار کی طرف جانے لگے' حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما آپ سے ملے اور کہا: واپس چلیں ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔

صحابہ کرام نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دو ہزار (سالانہ) وظیفہ مقرر کیا' آپ نے فرمایا: اس میں اضافہ کرو تو انہوں نے پانچ سو بڑھا دیئے۔

مؤلف کہتے ہیں: شاید حافظ الزیلعی اور حافظ ابن حجر کی نظر میں ابوداؤد اور حاکم کی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مرفوع حدیث نہ تھی کہ ہم نے جس کو عامل بنایا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اس کے بعد جس نے کچھ لیا تو وہ خیانت ہے۔ حافظ نے ''تلخيص الحبير '' میں اسے مذکورہ بالا حوالوں سے نقل کیا ہے۔

---

[۴۲۳] متاخرین حنفیہ کی مشہور کتاب شرح ''بدایۃ المبتدی'' تالیف امام ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ۔ ہدایہ کی سب سے اہم شرح ''فتح القدیر'' مؤلفہ کمال الدین بن ہمام ہے۔ شیخ عبدالرزاق المہدی نے ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی ہے جو دار الکتب العلمیہ سے چھپ چکی ہے۔

[۴۲۴] امام جمال الدین الزیلعی ''نصب الرایۃ'' میں جس روایت کو غریب کہتے ہیں اس سے ضعیف روایت مراد ہوتی ہے۔

میں نے سنن ابی داؤد میں دیکھا امام ابوداؤد نے خراج اور امارت کے ابواب میں "باب فی ارزاق العمال" کے عنوان میں اسے درج کیا ہے' حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ہم نے جس کو کسی عمل پر عامل بنایا پھر ہم نے اس کو رزق (وظیفہ) دیا تو اس نے اس کے بعد (بیت المال سے) جو کچھ لیا وہ خیانت ہے۔[۴۲۵]

پھر حضرت مسور بن شداد رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو ہمارا عامل ہو وہ (بیت المال سے) بیوی (کنیز) حاصل کر سکتا ہے اگر اس کا خادم نہیں تو خادم حاصل کر سکتا ہے اور اگر اس کا گھر نہیں تو گھر حاصل کر سکتا ہے' راوی کہتے ہیں: ابوبکر نے کہا: مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اس کے علاوہ لیا وہ خائن یا چور ہے۔[۴۲۶]

"عون الودود" میں پہلی حدیث پر لکھا ہے: امام ابوداؤد اور حافظ المنذری نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے' اس کے رجال ثقہ ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عامل کے لیے اپنے زیر کنٹرول مال سے اپنا حق لینا جائز ہے۔

پھر دوسری حدیث پر الطیبی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے عامل کے لیے اپنے زیر تصرف مال سے اتنا مال لینا حلال ہے جس سے وہ اپنی بیوی کا مہر ادا کر سکے اور اس کے لیے لباس اور کھانے کا بندوبست کر سکے۔ اسی طرح اپنی دوسری ضرورتیں بھی پوری کر سکتا ہے بشرطیکہ اسراف اور مالی فراوانی پیش نظر نہ ہو۔

بعد ازاں ابوداؤد نے ابن الساعدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقات کی وصولی پر عامل بنایا' جب میں اس کام سے فارغ ہو گیا آپ نے مجھے اپنی اجرت لینے کا حکم دیا' میں نے کہا: میں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ کام کیا ہے' انہوں نے فرمایا: میں جو کچھ دے رہا ہوں اسے لے لو' میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یہ کام کیا تو آپ نے مجھے اس پر اجرت عطا فرمائی تھی۔[۴۲۷]

"التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد" میں شیخ فخر الحسن گنگوہی اس حدیث پر لکھتے ہیں کہ عام ذمہ داریاں نبھانے پر عوض (اجرت) لینا جائز ہے جیسے تدریس اور قضاء وغیرہ ہیں' بلکہ حکمران پر ایسے تمام افراد کی کفالت واجب ہے جو تدریس' قضاء یا ان جیسی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہوں۔ اس حدیث اور اس قسم کی دیگر احادیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ بغیر سوال اور لالچ کے اگر عطیہ دیا جائے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ امام احمد وغیرہ کا یہی قول ہے۔ لیکن جمہور علماء نے اسے استحباب اور اباحت پر محمول کیا ہے۔

(دیکھیے سراج الملوک' باب: ۴۹-۵۰)

---

۴۲۵ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۲۹۴۳' حاکم ج۱ ص۴۰۶' از بریدہ رضی اللہ عنہ۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے' لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ ذہبی بھی حاکم کے ہم خیال ہیں۔

۴۲۶ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۲۹۴۵' از مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ۔

۴۲۷ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۲۹۴۴۔

عدالتی زیادتیوں پر نظر

علامہ المرجانی نے "وفیۃ الاسلاف" (ص۳۶۶) میں کہا ہے: ظلم وزیادتیوں پر نگاہ رکھنا قضاء سے بھی بڑی ذمہ داری ہے' اس کے لیے اقتدار کی قوت اور عدالتی انصاف دونوں ضروری ہیں۔ جب یہ دونوں چیزیں اپنی پوری عظمت کے ساتھ موجود ہوں گی' تنازعات میں ظلم وزیادتی کا قلع قمع ہو گا۔ ظالم کو تنبیہ ہو گی اور فیصلے کا نفاذ آسان ہو گا۔ ایسے شخص کی نظر گواہوں' تحقیقات اور قرائن وعلامات سب پر یکساں ہو گی' وہ حق کے حصول میں تاخیر کا روادار نہ ہو گا' وہ فریقین کو صلح کی ترغیب دے سکتا ہے گواہوں سے حلف طلب کر سکتا ہے' خلفاء یہ کام خود کیا کرتے تھے۔ المہتدی باللہ تک یہ سلسلہ جاری وساری رہا' بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ یہ ذمہ داری اپنے قاضیوں کو سونپ دیتے تھے۔

نبی ﷺ نے بہ نفس نفیس یہ کام سرانجام دیا ہے آپ اپنے عمال اور قاضیوں کے احکام کی چھان بین فرماتے اور ان سے باز پرس کرتے تھے۔

"نہایۃ الارب" میں شہاب احمد النویری نے اس سلسلہ میں وہ روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے درمیان پہاڑی سے آنے والی پانی کی نالی کے پانی کے تنازعہ میں جائے وقوعہ کا خود معائنہ فرمایا۔ (ج۶ص۲۶۸)

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کا یہی معمول رہا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت میں اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے بارے میں چھان بین کرتے' لوگوں سے اپنے عمال اور حکام کے بارے میں معلومات حاصل کرتے۔ تفصیل محاسبہ کے باب میں گزر چکی ہے' یہی چیز عدل وانصاف کی سربلندی کی بنیاد اور اصل ہے۔

ابن ابی الحدید المدائنی[۴۲۸] کی "شرح نہج البلاغۃ" (ج۳ص۱۰۹) میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں فرمایا: انشاء اللہ اگر میں زندہ رہا تو میں رعایا میں خود گشت پر نکلوں گا کیونکہ میں جانتا ہوں لوگوں کی حاجتیں مجھ تک نہیں پہنچ پاتیں' یا ان کے حکمران مجھے ان سے آگاہ نہیں کرتے یا وہ خود مجھ تک نہیں پہنچ سکتے' میں شام جاؤں گا وہاں دو ماہ رہوں گا' پھر الجزیرہ جاؤں گا وہاں دو ماہ قیام کروں گا' پھر مصر جا کر دو ماہ ٹھہروں گا' پھر دو' دو مہینے بحرین' کوفہ اور بصرہ میں جا کر قیام کروں گا' بخدا یہ بہت اچھا سال ہو گا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر کوئی اونٹ دریائے فرات کے کنارے دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث مر جائے

---

۴۲۸ عز الدین ابو حامد عبدالحمید بن ہبۃ اللہ المدائنی' کاتب شاعر' مؤلف "شرح نہج البلاغۃ" مدائن میں پیدا ہوا' بغداد میں سکونت اختیار کی' بادشاہوں کا کاتب رہا' وزیر ابن العلقمی کا مقرب تھا' کیونکہ ادیب اور شیعہ ہونے میں دونوں باہم مقاربت ومناسبت رکھتے تھے۔ متوفی ۶۵۵ھ (فوات الوفیات ج۲ص۲۵۹' البدایہ والنہایہ ج۱۳ص۱۹۹)

تو مجھے اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ آلِ خطاب سے سوال کرے گا۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا: آلِ خطاب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات مراد لی۔

''سیرۃ عمر''[۴۲۹] میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے اپنے عمال کے خلاف خبروں کی چھان بین اور خلیفہ کے پاس پہنچنے والی عمال کے خلاف شکایات کی تفتیش کے لیے کسی شخص کو ذمہ داری سونپی' آپ نے یہ ذمہ داری حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھی۔

الطرطوشی کی ''سراج الملوک'' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی معاملے میں اپنے عمل کے مطابق عمل کے خواہش مند ہوتے تو آپ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے (تاکہ عمال آپ کے طریق کار کی پیروی کریں)۔

ابن راھویہ' حارث بن ابی اسامہ اور مسدد نے نقل کیا ہے اور حافظ سیوطی نے ''المجمع'' میں تصحیح کے ساتھ عبد اللہ بن بریدہ سے ربیع بن زیاد کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے وفود کے روبرو خطبہ کے ذکر میں کہا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو ولایت عطا کی اور آپ نے مجمع کے سامنے کہا: میں جب بھی تمہارے پاس کسی کو والی بنا کر بھیجتا ہوں اس کے کام کی دیکھ بھال کرتا ہوں اور ذمہ داری نبھانے میں اس کا طرزِ عمل میرے لیے لکھا جاتا ہے' گویا کہ میں خود اس پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ (کنز العمال ج ۷ ص ۳۶)

الطرطوشی کی ''سراج الملوک'' میں ہے ابراہیم النخعی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی وفد آتا آپ ان کے حالات دریافت کرتے' ان کے بازاروں کی قیمتیں معلوم کرتے' وہاں کے معروف لوگوں کے متعلق سوال کرتے اور ان کے امیر کے متعلق پوچھتے' کیا اس کے پاس کمزور آسکتے ہیں؟ کیا وہ بیماروں کی عیادت کو جاتا ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہوتا' آپ اللہ کی حمد کرتے اور اگر جواب نہ میں ہوتا تو آپ اس امیر کو متوجہ کرنے کے لیے مکتوب روانہ کرتے۔

اسی کتاب میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ آپ کے پاس جب بھی آئیں دن کو آئیں' رات کو نہ آئیں تاکہ وہ اموال میں کسی قسم کا تصرف نہ کر پائیں۔

العقبانی نے تحفۃ الناظر میں مؤطا کے جامع کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر ہفتہ کے دن عوالی (مدینہ طیبہ کا بالائی علاقہ' اطراف کا علاقہ) میں تشریف لے جاتے' اگر کسی غلام کو اس کی طاقت سے زیادہ کام میں مصروف پاتے تو اس سے اتنی مشقت کم کر دیتے جتنی کہ آپ کے خیال میں مناسب ہوتی تھی۔

''العتبیہ'' میں ہے امام مالک نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس پر اینٹیں لدی ہوئی تھیں آپ نے اس سے دو اینٹیں اتار دیں' اس کی مالکن آپ کے پاس آئی اور کہا: اے عمر! میرے گدھے سے آپ کا کیا واسطہ؟ کیا آپ کو اس پر بھی اقتدار حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا: پھر میں اس جگہ کیوں بیٹھا ہوں؟ اس کے بعد امام مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عوالی کے باغات میں گشت کرنے کا قصہ ذکر کیا ہے۔

---

۴۲۹ تالیف ابن الجوزی البغدادی متوفی ۶۳۰ھ (سیر اعلام النبلاء ج ۲۳ ص ۳۷۴)

ابن رشد کہتے ہیں: اس کا مطلب واضح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تم میں سے ہر ایک راعی (نگران، حاکم، محافظ) ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا، امام (حکمران) راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگ رعایا) کے بارے میں سوال ہوگا۔[430] اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی اونٹ دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب مر گیا تو مجھے اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں مجھ سے سوال فرمائے گا۔ (البیان والتحصیل)

ان معلومات کی روشنی میں المقریزی کی ''الخطط'' میں یہ عبارت کہ سب سے پہلے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے مظالم پر نظر رکھی اور سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے ایسے مقدمات کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا' لیکن اس کی بے توجہی کی وجہ سے ظلم کا یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس پر پوری توجہ مرکوز کی اور مظالم کی بیخ کنی کی' پھر خلفاء بنوعباس نے اس روش کو جاری رکھا۔ اور ''نہایة الارب'' میں النویری کا یہ قول کہ خلفاء نے مظالم کے معاملات خود حل نہیں کیے بلکہ ان کو قاضیوں کے حوالہ کر دیا وہی ان کا فیصلہ کرتے تھے۔

یہ تمام حضرات رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے غافل ہیں' سابقہ معلومات کی روشنی میں علامہ الخزاعی کا اس عنوان کے تحت ''الاحکام'' سے ابن العربی کے نقل کردہ قول کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ولایت (مظالم کا دفعیہ کرنے کی ذمہ داری) نئی اور نامانوس ہے۔ حالانکہ وہ خود ''الاکتفاء'' میں الکلاعی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے عمال کا محاسبہ ذکر کر چکے ہیں' اسی طرح النویری کے ''نہایة الارب'' والے قول کا معاملہ ہے۔

انتباہ

الزرکشی کی ''تاریخ الدولتین الموحدیة والحفصیة'' (ص۴۴) میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں لکھوایا کہ کسی عامل کو دو سال سے زائد عرصہ ایک جگہ نہ رہنے دیا جائے' شیخ ابومحمد عبدالواحد الغریانی نے ثقہ شخصیت سے اس کی شہادت دی کہ تونس میں شروع سے موحدین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کسی کو منصب قضاء پر دو سال سے زیادہ نہیں رکھتے تھے' ان کا خیال تھا کہ قاضی جب زیادہ مدت کسی شہر یا علاقہ میں رہتا ہے اس کے دوست احباب کا حلقہ وسیع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے متعلق غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے' جب تک اس کو معزولی کا دھڑکا لگا رہتا ہے وہ فریب خوردگی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنے ہم عصروں میں سبقت حاصل کرنے کا متمنی ہوتا ہے اور باہمی مسابقت کی اس دوڑ میں صحیح فیصلے سامنے آتے ہیں' حال محفوظ ہو جاتا ہے اور ان کی کارکردگی نکھرتی چلی جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب عرصہ دراز تک ایک شخص منصب قضاء پر برقرار رہے ان میں باہم مقابلے کی فضا نہیں پیدا ہوتی' انصاف کا حصول مشکل ہو جاتا ہے' اس منصب کے دیگر امیدواروں کی امیدیں دم توڑنے لگتی ہیں اور بعد میں آنے

[430] صحیح حدیث۔ بخاری: ۸۹۳۔ ۲۴۰۹۔ ۲۵۵۴۔ ۲۵۵۸۔ ۲۷۵۱۔ ۵۱۸۸۔ ۵۲۰۰۔ ۷۱۳۸' مسلم: ۱۸۲۹' ترمذی: ۱۷۰۵' احمد ج ۲ ص ۵۔ ۵۴۔ ۵۵' ابن حبان: ۴۴۸۹۔ ۴۴۹۰' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

والوں کو اس مقام تک رسائی میں وقت لگتا ہے۔

''طبقات ابن سعد'' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو کسی شہر کا عامل بنا کر بھیجتے اس کا مال لکھ لیتے تھے اور آپ نے بعض عمال کی معزولی کے بعد ان کے مال سے حصہ لے لیا جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص' حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام کو عامل بناتے تھے اور ان سے افضل صحابہ کرام مثلاً حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور ان کے ہم مرتبہ حضرات کو عامل نہیں بناتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اول الذکر حضرات اس کام کے لیے زیادہ صلاحیت رکھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دبدبہ اور ہیبت ان پر طاری رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ کو والی نہیں بناتے؟ فرمایا: میں ان کو اس عمل سے عیب دار کرنا پسند نہیں کرتا۔

مقدمات کی سماعت کے دوران قاضی کی نشست گاہ کہاں ہوتی تھی؟

احناف کی کتاب ''الھدایہ'' میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اعتکاف کی جگہ میں تنازعات کا فیصلہ فرماتے تھے' حافظ ابن حجر نے ''اختصار نصب الرایہ'' (الدرایة فی تخریج احادیث الھدایة) میں کہا ہے: صاحب ہدایہ گویا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں ان کا حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے مسجد میں اپنے قرض کا تقاضا مروی ہے۔ اس میں ہے نبی ﷺ نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹا کر آواز دی: اے کعب! کچھ کم کر دو۔[۴۳۱] اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا: مجھ پر حد قائم کیجیے۔[۴۳۲]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی دو لعان کرنے والوں کے متعلق حدیث میں ہے کہ دونوں نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعان کیا میں اس کا گواہ ہوں۔[۴۳۳]

---

۴۳۱ صحیح الاسناد۔ بخاری: ۴۵۷۔ ۴۷۱۔ ۲۴۱۸۔ ۲۷۱۰' مسلم: ۱۵۵۸' ابوداؤد: ۳۵۹۵' نسائی ج۸ ص۲۴۴' ابن ماجہ: ۲۴۲۹' دارمی ج۲ ص۲۶۱' احمد ج۶ ص۳۹۰۔ ۴۶۰' طبرانی ''الکبیر'' ج۱۰ ص۱۲۷۔ ۱۲۹۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸' ابن حبان: ۵۰۴۸' از کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۴۳۲ ضعیف حدیث۔ اس میں قاسم بن فیاض ضعیف راوی ہے۔ ابویعلی: ۲۶۴۹' ابوداؤد: ۴۴۶۷' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج۶ ص۲۶۶۔ ۲۶۷ میں اسے ذکر کیا ہے اور کہا ہے: اسے ابوداؤد وغیرہ نے مختصر ذکر کیا ہے اور ابویعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے' اس کے راوی قاسم بن فیاض کو ابوداؤد نے ثقہ اور ابن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

۴۳۳ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۲۳۔ ۴۷۴۵۔ ۴۷۴۶۔ ۵۲۵۹۔ ۵۳۰۸۔ ۵۳۰۹۔ ۶۸۵۴۔ ۷۱۶۵۔ ۷۱۶۶۔ ۷۳۰۴' مسلم: ۱۴۹۲' ۲۲۴۵۔ ۲۲۴۷ تا ۲۲۴۹۔ ۲۲۵۱' نسائی ج۶ ص۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱' ابن ماجہ: ۲۰۶۶' مالک ج۲ ص۵۶۶۔ ۵۶۷' دارمی ج۲ ص۱۵۰' احمد ج۵ ص۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۴۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷' شافعی ج۲ ص۴۴ تا ۴۷' عبد الرزاق: ۱۲۴۴۵ تا ۱۲۴۴۷' عمر بن شبہ ''تاریخ المدینۃ'': ۴۸۔ ۵۰' از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔

ہدایہ ہی میں ہے کہ خلفاء اربعہ راشدین رضی اللہ عنہم مقدمات کے فیصلوں کے لیے مسجد میں بیٹھتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے ان احادیث کی تخریج میں کہا ہے: اس میں آثار مروی ہیں ان میں سے ایک اثر بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے منبر کے پاس لعان کا حکم دیا' مروان نے منبر شریف پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ دیا۔

علامہ الجمال الزیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں ''المنتقی'' کے حوالہ سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس میں مسجد میں فیصلے کرنے کا جواز ہے۔

صحیح البخاری میں عنوان ہے: جس نے فیصلہ کیا اور مسجد میں لعان کیا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس لعان کرایا' شریح' شعبی اور یحییٰ بن یعمر نے مسجد میں فیصلہ کیا' مروان نے منبر شریف کے پاس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے خلاف قسم کا فیصلہ دیا۔[۴۳۴]

ہدایہ ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجدیں اللہ کے ذکر اور فیصلوں کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔[۴۳۵]

علامہ زیلعی نے کہا ہے: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے۔ حافظ ابن حجر نے نصب الرایہ کے اختصار میں کہا ہے: میں نے یہ حدیث اس طرح نہیں پائی۔

قاضی ابن سعید الجلیدی کی کتاب ''التیسیر فی احکام التسعیر'' میں ہے امام شافعی کے بعض اصحاب کو جب بغداد میں محتسب کا عہدہ دیا گیا انہوں نے ایک قاضی کو مسجد میں فیصلہ کرتے دیکھا تو اس سے کہا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۔ ان گھروں میں جن کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ (النور:۳۶)

لیکن یہ قول امام مالک کے اس قول کے خلاف ہے جس میں انہوں نے قاضی کے لیے مسجد میں بیٹھنا مستحب قرار دیا ہے تاکہ ہر طاقت ور' کمزور' چھوٹے اور بڑے کی قاضی تک رسائی ہو سکے۔[۴۳۶]

''المدونہ'' میں کہا ہے: مسجد میں فیصلہ کرنا پرانا معمول ہے اور حق وصواب ہے۔ امام مالک نے فرمایا: اس میں معمولی جھگڑے بآسانی نپٹائے جا سکتے ہیں' لوگوں کو گواہ حاضر کرنے میں آسانی رہتی ہے اور کمزور اور عورت بھی مسجد تک بآسانی آ جا سکتے ہیں' اسے ابن فرحون نے ''تبصرہ'' میں نقل کیا ہے' اس میں ابن حبیب سے یہ بھی منقول ہے کہ مجھے یہ پسند ہے کہ قاضی مسجد سے متصل صحن میں مجلس قضاء منعقد کرے' تاکہ لوگ بآسانی بیٹھیں' گزشتہ ادوار میں قاضی مسجد کے صحنوں ہی میں بیٹھتے تھے مسجد کے اندر نہیں بیٹھتے تھے' یا پھر جنازگاہ میں بیٹھتے تھے' مدینہ منورہ میں یہ

---

۴۳۴ ''فتح الباری'' ج ۱۳ ص ۱۶۵' باب: ۱۸۔

۴۳۵ ضعیف روایت۔ علامہ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' میں اس کے غریب ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''الدرایۃ'' میں کہا ہے: میں نے یہ حدیث اس طرح نہیں پائی۔

۴۳۶ بلکہ یہ نبی ﷺ' خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کے خلاف ہے۔

جگہ باب جبریل کے باہر ہے اور اسے جنازہ گاہ کہتے ہیں۔ یا پھر قاضی دار مروان کے صحن میں مجلس قضاء منعقد کرتے تھے اسے رحبۃ القضاء کہا جاتا تھا یہ جگہ باب السلام کے پاس تھی آج کل یہاں روشنی کرنے کا مینار ہے۔

ابن زید نے کہا: ہمارے بعض اصحاب نے اس فرمانِ الٰہی سے مسجد میں مجلس قضاء منعقد کرنے پر استدلال کیا ہے:

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ (ص:۲۱)　　اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی' جب وہ دیوار پھاند کر محراب (عبادت کے حجرے) میں آئے ۝

اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی مسجد ہی میں امورِ حکومت سرانجام دیتے تھے۔

روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں فیصلہ فرمایا' المدونہ ہی میں ابن المناصف کی ''تنبیہ الحکام'' کے حوالے سے مذکور ہے: قاضی کے لیے اپنے گھر میں بیٹھ کر فیصلے کرنا مکروہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا کرنے کو سخت ناپسند کیا اور ان کے گھر کو آگ لگا دینے کا حکم دیا' حضرت ابوموسیٰ کو بلا کر انہیں منصب قضاء سے سبکدوش کر دیا اور ان کو دوبارہ یہ منصب نہ دیا۔

''تاریخ ابن عساکر'' میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام ابوصالح سے مروی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے بھیجا' میں ان کے پاس دارالقضاء میں آیا۔ بعض علماء نے کہا ہے: اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے اسلام میں دارالقضاء (عدالت) بنائی۔

ابن رشد کی ''جامع التحصیل'' میں ہے مساجد اللہ کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ. (النور:۳۶-۳۷)　　ان گھروں میں جن کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان میں اس کی تسبیح کرتے ہیں (ہدایت یافتہ لوگ) صبح اور شام ۝ وہ مرد جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

سو ضروری ہے کہ مساجد کی رفعت شان کا خیال رکھا جائے اور ان کو پاک صاف رکھا جائے اور ان میں ذکر الٰہی کے سوا دوسری سرگرمیوں سے اجتناب کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے بازو میں بطحاء نامی کشادہ صحن بنوا دیا اور فرمایا: جو شخص بلند آواز سے باتیں کرنا چاہے' شعر سنانا چاہے یا شور مچانا چاہے وہ مسجد سے نکل کر اس میدان میں چلا جائے۔[۴۳۷]

[۴۳۷] عمر بن شبہ ''تاریخ المدینۃ'' (رقم:۱۰۵) از سالم ابی النضر۔

شہادت اور شرائط نویسی

اللہ تعالیٰ نے مقررہ مدت تک بیوع میں تحریر اور گواہی کا حکم دیا ہے ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ (البقرہ:۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم ایک مدت مقررہ تک قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو۔

پھر ارشاد فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ (البقرہ:۲۸۲)

اور دو گواہ بنا لو اپنے مردوں میں سے' پھر اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو' کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے طلاق' رجعت اور زنا پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے۔

اللسان ابن الخطیب نے اپنے رسالہ "مثلى الطريقة في ذم الوثيقة" میں لکھا ہے: اس کے باوجود صحابہ کرام سے یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے گواہی پر کبھی اجرت یا دکان وغیرہ کا مطالبہ کیا ہو' لوگ رضا کارانہ طور پر گواہی دیتے تھے اور اپنے بہترین افراد سے بھی وثیقہ اور دستاویز طلب کرتے تھے۔ اس آیت میں قرض اور اس کی کتابت میں یہ دلیل ہے کہ اس سے دکانیں مراد نہیں ہیں ورنہ عورت کی گواہی مناسب نہیں ہوگی (کہ وہ عموماً دکانوں کی خرید و فروخت اور ان کا قبضہ لینے دینے میں گواہ نہیں ہوتیں)۔

امام ترمذی نے عبدالمجید بن وہب [۴۳۸] سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: مجھ سے عداء بن خالد بن ھوذہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تم کو وہ مکتوب نہ پڑھواؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے لکھا تھا؟ میں نے کہا: ہاں پڑھواؤ' حضرت عداء رضی اللہ عنہ نے مجھے مکتوب نکال کر دیا اس میں تحریر تھا: یہ وہ چیز ہے جو العداء بن خالد نے رسول اللہ ﷺ سے خریدی ہے' اس نے غلام یا باندی خریدی ہے اس میں کوئی بیماری اور دھوکہ اور خبث (حرام) نہیں ہے' یہ مسلم کی مسلم سے بیع ہے۔ [۴۳۹] امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

صحیح البخاری میں ہے: یہ وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے العداء بن خالد سے خریدی ہے' مسلم کی مسلم سے بیع ہے' اس میں بیماری' حرام اور دھوکہ نہیں ہے۔ حدیث میں الغائلہ کا لفظ ہے' قتادہ نے کہا: غائلہ زنا' سرقہ اور غلام کا مالک سے بھاگنا ہے۔ [۴۴۰]

---

۴۳۸ سنن الترمذی: ۱۲۱۶

۴۳۹ قوی الاسناد۔ ترمذی: ۱۲۱۶' ابن ماجہ: ۲۲۵۱' از العداء بن خالد بن ھوذہ رضی اللہ عنہ۔

۴۴۰ امام بخاری نے اسے صحیح البخاری کی کتاب البیوع میں باب: ۱۹' رقم: ۳۴ پر تعلیقاً نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" ج ۴ ص ۳۶۳ میں کہا ہے: اس حدیث کو ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن الجارود اور ابن مندہ نے از طریق عبدالمجید بن ابی یزید از العداء بن خالد موصولاً روایت کیا ہے۔

قاضی عیاض نے ''المشارق'' میں کہا ہے: یہ روایت مقلوب (الٹی، برعکس) ہے، کیونکہ خریدار حضرت العداء رضی اللہ عنہ تھے[۱۴۱] یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق شری و اشتری اور باع و ابتاع کے باب سے ہو، اس میں خرید اور فروخت دونوں معنیٰ پائے جاتے ہیں، علامہ الزرکشی نے المطریزی وغیرہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ کیونکہ بخاری نے یہاں اس کے برعکس روایت کیا ہے۔ الدمامینی نے کہا: ممکن ہے یہ متعدد واقعات ہوں اس صورت میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

ابن زکریا نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ مکتوبہ وثیقہ (دستاویز، معاہدہ) کے الفاظ ہیں جو ثمن اور مثمن (قیمت اور خریدی گئی چیز) کے بیان پر مشتمل ہے۔

علامہ ابن العربی، ترمذی کی اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں: اس میں معاہدے میں مفضول (کم درجہ والا) کے نام سے ابتداء کرنے کا ثبوت ہے جبکہ وہ خریدار ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت العداء کو معاہدہ لکھ دیا حالانکہ حضور ﷺ سے نقضِ عہد متصور ہی نہ تھا، یہ سب کچھ لوگوں کی تعلیم کے لیے تھا اور یہ تحریر بھی بطور استحباب تھی کیونکہ آپ نے بغیر تحریر فرمائے کثیر تعداد میں معاہدے فرمائے ہیں۔ اس روایت میں مذکور معاہدے میں خریدار کا نام اور اس کے باپ اور دادا کا نام لکھا گیا، البتہ اگر بائع یا مشتری میں سے کوئی فریق کسی خاص وصف سے موصوف ہو تو پھر اس کے والد وغیرہ کا نام لکھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ حضور ﷺ کا اسم گرامی محمد رسول اللہ لکھا گیا آپ کے والد ماجد کا نام نہیں لکھا گیا اور حضرت العداء کے والد کا نام بھی تحریر کیا گیا۔

علامہ الخزاعی لکھتے ہیں: جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ حدیث ان وثیقہ نویسوں کے لیے حجت ہوگی جو بہرصورت معزز فرد کا نام وثیقہ کے شروع میں لکھتے ہیں خواہ وہ بائع ہو یا مشتری (خریدار)۔

سب سے پہلے یہ قول ابن المختار نے کہا ہے: ''الشفاء'' پر ابن التلمسانی کی شرح میں ہے ابن العطار نے ''وثائق'' میں کہا ہے: وثیقہ نویس کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریف اور معزز فرد کا نام پہلے لائے خواہ وہ بائع ہو یا مشتری۔

ابن المختار نے نص حدیث سے اس کی تردید کی ہے کیونکہ حدیث میں مشروف (حضرت العداء) کا نام شریف (رسول اللہ ﷺ) سے پہلے ہے۔ (المنهل الاصفی)

بچوں کی گواہی اور حضور ﷺ کے مکتوبات اور معاہدوں میں بچوں کے نام

علامہ سہیلی نے ثقیف کے لیے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کے تذکرہ میں کہا ہے: ابوعبید نے ''کتاب الاموال'' میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے اس پر حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی گواہی لکھی۔

ابوعبید نے کہا: اس میں فقہ یہ ہے کہ بچوں کی گواہی اور قبل از بلوغ اس سلسلہ میں ان کے نام لکھنا درست ہے، البتہ ان کی شہادت ان کے بالغ ہونے کے بعد قبول ہوگی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک عقد میں باپ اور بیٹے کی

[۱۴۱] حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' ج ۴ ص ۳۶۳ میں کہا ہے: اس پر اتفاق ہے کہ بائع نبی ﷺ اور خریدار حضرت العداء تھے۔

شہادت صحیح ہے۔[۴۴۲] (نور النبراس)

رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ طاہرہ میں ابورافع رضی اللہ عنہ کی آزادی کا عہد

قاضی ابن بادیس "شرح مختصر ابن فارس" میں ابوعبداللہ التلمسانی کی "العمدة" سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ کا نام اسلم تھا' کیونکہ ان کی آزادی کے وثیقہ میں ان کا یہی نام مذکور ہے۔ اس معاہدہ کی عبارت امیر المؤمنین المنتصر باللہ الحکم بن عبدالرحمٰن الناصر المروانی کی تحریر کے مطابق یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تحریر محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے ان کے غلام اسلم کے لیے ہے' میں تجھے اللہ کے لیے عطیۂ آزاد کرتا ہوں' تجھے اللہ نے آزادی بخشی ہے' اللہ کا مجھ پر اور تجھ پر منت و احسان ہے' تم آزاد ہو' اسلام اور ایمان کی عصمت کے سوا تم پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس پر گواہ ہوئے' ابوبکر' عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) اور اسے معاویہ بن ابی سفیان نے تحریر کیا ہے۔ اصل تحریر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے الحکم کی نہیں' شیخ ابوعبداللہ کہتے ہیں: میں نے یہ خط الحکم کی تحریر سے نقل کیا ہے۔

نبی ﷺ کی طرف سے ابورافع کے نام یہ تحریر مخفی خزانہ اور بے مثال دفینہ ہے یہ قاری کے لیے مغاربہ (اسلامی ممالک جو شمالی افریقہ میں واقع ہیں کے علماء) کا تحفہ ہے' کیونکہ الحکم المنتصر' صاحب العمدہ اور صاحب فوائد الدرر سب کے سب مغاربہ ہیں۔ مشرق کے علماء اعلام اس گرامی نامہ سے ناواقف رہے چنانچہ ان کی تصانیف میں اس گرامی نامے کا ذکر نہیں ہے۔ عنقریب "باب الوقف" میں ایسی روایات آرہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام اپنے اوقاف لکھا کرتے تھے۔

عہدِ رسالت مآب میں قبائل اور ان کے پانیوں کو ضبطِ تحریر میں لانے والے حضرات

ابن عبدربہ کی "العقد الفرید" میں ہے حضرت زید بن ارقم اور العلاء بن عقبہ رضی اللہ عنہما لوگوں کے قبائل اور ان کے پانیوں (چشموں کے حقوق) کے بارے میں لکھا کرتے تھے۔ اور انصار کے گھرانوں میں مردوں اور عورتوں کے بارے میں لکھتے تھے۔

معاہدے اور معاملات لکھنے والے حضرات

قاضی القضاعی نے کتاب الانباء میں کہا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر یا ابن بشر رضی اللہ عنہما لین دین (قرض) اور معاملات لکھتے تھے۔ ابن حزم نے بھی اپنی کتاب "جوامع السیرة" میں یہی کہا ہے۔

۴۴۲ "السیرة النبویہ" ابن ہشام ج ۲ ص ۵۳۷-۵۴۱ "صحیح السیرة النبویہ" شیخ ابراہیم العلی ص ۴۹۴-۴۹۵۔

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں حضرت حصین[۴۴۳] اور حضرت العلاء بن عقبہ رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں کہا ہے: میں نے معتصم بن صُمادح کی تاریخ میں پڑھا ہے کہ حضرت العلاء بن عقبہ اور الارقم رضی اللہ عنہما لوگوں کے درمیان قرضوں' معاملات اور معاہدوں کی دستاویزات لکھتے تھے۔ (ج ۳ص ۳۵)

عجیب اتفاق کی بات ہے علامہ الخزاعی نے آٹھویں صدی ہجری میں ان عنوانات کو جمع کیا' اوران کی تدوین کی' ابوزید العراقی الفاسی نے تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں اسی کی موافقت کی' چنانچہ ابوزید الاصابہ کی تلخیص میں ان جیسے تراجم پر اسی جانب اشارہ کرتا ہے' حضرت العلاء رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بخط جلی اس نے لکھا ہے کہ ''لوگوں کے درمیان لین دین' معاملات اور معاہدے کون لکھتا تھا''۔

العراقی کی ''الفیہ'' پر شیخ الطیب بن کیران کی شرح میں اکتالیسویں کاتب کے تذکرہ میں ہے حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ معاملات اور قرضوں کی دستاویزات لکھتے تھے۔ اسے قرطبی اور قضاعی نے ذکر کیا ہے۔ شیخ نے علامہ قرطبی کا حوالہ زائد دیا ہے۔ تابعین کے زمانہ میں الشیر ازی کی ''طبقات الفقہاء'' میں مصعب کے قول کے مطابق خارجہ بن زید اور طلحہ بن عبداللہ اپنے اپنے دور میں فتویٰ دیتے تھے' ان کا قول حرف آخر ہوتا تھا' یہی حضرات ورثاء میں حویلیوں' باغات اور اموال کی میراث تقسیم کرتے تھے اور لوگوں کے لیے دستاویزات تحریر کرتے تھے۔

اس بحث اور وثیقہ نویس صحابہ وتابعین کے تذکار سے ''شرح الوجیز'' میں امام الرافعی کے اس قول کی حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی کہ نبی ﷺ اور آپ کے بعد ائمہ (خلفاء) فیصلے کرتے تھے لیکن ان کی دستاویزات اور ریکارڈ نہیں ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجر پر تعجب ہے کہ انہوں نے ''تلخیص الحبیر'' میں ان احادیث کی تخریج کے بعد فقط اتنا کہہ کر خاموشی اختیار کر لی ہے کہ اس کتاب میں درج سابقہ احادیث سے یہی مستفاد ہے لیکن نبی ﷺ نے ایک جماعت کے لیے تحریر کیا ہے اوران کو جاگیروں کے پروانے عطا فرمائے ہیں۔

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' حضور ﷺ نے انصار کو بلایا تاکہ آپ ان کو جاگیریں دیں اور آپ نے ان کے لیے تحریر لکھنے کا ارادہ فرمایا۔[۴۴۴]

امام لسان الدین والدنیا ابن الخطیب السلمانی نے ''مثلی الطریقة فی ذم الوثیقة'' کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے وثیقہ نویسوں کے عیب اور برائیوں کا تذکرہ کیا ہے' ہمارے خیال میں اس میں حقیقت سے زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔

---

۴۴۳ حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۳۳۹ (رقم: ۱۷۴۷) میں کہا ہے: اسے ابوعلی بن مسکویہ نے ''تجارب الامم'' میں اور عباس بن محمد الاندلسی نے معتصم بن صمادح کے لیے مرتب کردہ ''تاریخ'' میں ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے علامہ قرطبی نے ''المولد النبوی'' میں اور قطب الدین الحلبی نے ''شرح السیرة'' میں اسے ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ کے کاتبوں سے متعلق علامہ القضاعی کی کتاب سے ماخوذ ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

۴۴۴ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۷۹۴' از انس رضی اللہ عنہ۔

حافظ المذہب الامام ابوالعباس الونشریسی صاحب ''المفید'' نے اس کتاب کے شروع میں اپنے خط سے السلمانی کے بارے میں لکھا ہے: اس موضوع کے جامع نے ایسی چیز میں خود کو تھکایا اور مشقت میں ڈالا ہے جو صاحب علم و فضل لوگوں کے شایانِ شان نہیں' نہ اس قسم کی ابحاث سے دنیا اور آخرت میں کسی قسم کے فضل و کرم اور فائدہ کی توقع ہو سکتی ہے' انہوں نے اپنی زندگی کا بہترین دور بلاوجہ وثیقہ نویسوں کے عیوب تلاش کرنے میں صرف کر دیا حالانکہ ان لمحات میں بڑے عظیم الشان کام کیے جا سکتے تھے' انہوں نے وثیقہ نویسوں کو دھوکہ بازوں اور مجنونوں کی صف میں لا کھڑا کیا اور ان سے صدق و دیانت کا لباس اتار دیا' اللہ مؤلف کی غلطیوں سے چشم پوشی فرمائے اور ان کو مغفرت سے نوازے۔ اسے بدست خود اپنے رب کے بندے احمد بن یحییٰ بن محمد بن علی الونشریسی نے لکھا ہے۔ اللہ اسے اپنے کرم سے نوازے۔ (ازھار الریاض)

میرے پاس دو اجزاء کے برابر ابن الخطیب کے رسالہ کا ایک مخطوطہ ہے جسے علامہ ابوعبداللہ محمد بن الطیب القادری الفاسی نے تحریر کیا ہے' کاتب مذکور کبھی نقد و نظر سے کام لیتے ہیں اور کبھی نظائر اور مثالیں ذکر کرتے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اسے علامہ الونشریسی کے مخطوطہ سے نقل کیا ہے۔

انتباہ

شیخ عابد سندھی نے ''حصر الشارد'' میں مندرجہ ذیل کتب اور ان کی اسانید ذکر کی ہیں:

''کتاب القضاء'' مؤلف شریح بن یونس ''کتاب القضاء و آداب الحکام'' مؤلف ابوعبید ''کتاب القضاء و الشھود'' مؤلف ابوبکر النقاش۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں علم میراث کے ماہرین

جامع الترمذی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ علم میراث کا سب سے زیادہ ماہر زید ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے[۴۴۵] ''الاستیعاب'' میں ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ علم میراث کے ماہر جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔

''الاصابہ'' میں ہے ابن سعد از طریق قبیصہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں قضاء' فتویٰ' قرأت اور علم میراث کے سردار تھے۔

''مسند الدارمی'' میں ابن شہاب سے مروی ہے اگر حضرت عثمان اور حضرت زید رضی اللہ عنہما اس دنیا سے رخصت ہو جاتے تو علم میراث ختم ہو جاتا کیونکہ ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب ان کے سوا اس علم کو کوئی نہیں جانتا تھا[۴۴۶]

---

۴۴۵ یہ طویل حدیث کا حصہ ہے' ترمذی: ۳۷۹۳۔ ۳۷۹۴۔ ۳۸۰۴' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ترمذی: ۳۸۰۳' احمد ج ۲ ص ۱۶۴' از عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔ احمد ج ۵ ص ۱۹۷۔ ج ۶ ص ۴۴۲' از ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

۴۴۶ موقوف صحیح حدیث۔ دارمی ۲۸۵۲' از زہری بہ اسناد صحیح۔

مسند الدارمی میں مسلم سے مروی ہے کہ ہم نے مسروق سے سوال کیا: کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میراث میں ماہر تھیں؟ مسروق نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ کو آپ سے میراث کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔[۴۴۷]

علامہ ابو یوسف التانی ''شرح التلمسانیہ'' میں کہتے ہیں: علم میراث میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذہب کو اختیار کرنا پسندیدہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے مطابق وہ اس امت میں علم میراث کے سب سے بڑے ماہر ہیں۔

علامہ سہیلی نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے شام کے سفر کے دوران حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں خط لکھتے تو اپنے نام سے پہلے ان کا نام تحریر کرتے تھے اور جب ان کو دادا کی میراث کے مسئلہ میں مشکل پیش آئی تو اس کی عقدہ کشائی کے لیے خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

عاصم الاحول نے شعبی کا یہ قول روایت کیا ہے کہ زید دو معاملات میں لوگوں پر غالب رہے' علم میراث اور قرآن۔ اسے الذھبی نے ''التذکرہ'' میں ذکر کیا ہے' اور سلیمان بن یسار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما فتویٰ' میراث اور قرأت میں کسی کو بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ پر مقدم نہیں کرتے تھے۔ اس کی تفصیل القسم العاشر میں ملاحظہ کریں۔

ابوعبید القاسم بن سلام کی ''کتاب الاموال'' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جسے مال مطلوب ہو وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا خازن اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے' میں نبی ﷺ کی ازواج مطہرات سے اس کی ابتداء کرنے والا ہوں پہلے ان کو پیش کرتا ہوں۔

''الاصابہ'' کی قسم ثالث میں اکیدر بن حمام اللخمی کے تذکرہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کا عہد مبارک پایا اور آپ سے علم حاصل کیا' پھر ابو عمر الکندی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ دین دار' صاحب فضل' دین میں تفقہ سے متصف اور صحابہ کے ہم نشین تھے اور صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں' علم میراث میں ان کے اقوال اکدریہ کے نام سے موسوم ہیں۔ پھر ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ذکر کیا کہ اعمش سے کہا گیا: میراث کو اکدریہ کیوں کہا گیا ہے؟ اعمش نے جواب دیا کہ عبد الملک بن مروان نے اسے اکدر نام کے ایک شخص پر پیش کیا جو میراث میں نظر رکھتے تھے لیکن وہ اس مسئلہ میں خطا کر گئے۔

وکیع نے کہا: اس سے پہلے ہم سنتے تھے اس کو اکدریہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول اس مسئلہ میں مکدر ہو گیا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: شاید عبد الملک نے بہت پہلے یہ مسئلہ اکدر کے سامنے پیش کیا ہو اور عبد الملک مدینہ طیبہ سے علم حاصل کرتے تھے۔

''الاصابہ'' میں حضرت عبد الرحمٰن بن ابزی الخزاعی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: مسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع بن عبد الحارث الخزاعی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم

[۴۴۷] موقوف صحیح حدیث۔ دارمی: ۲۸۵۹' از مسلم بن خالد الزنجی بہ اسناد صحیح۔

نے مکہ پر کس کو عامل بنایا ہے؟ کہا: عبدالرحمن بن ابزی کو‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اہل مکہ پر غلام کو عامل بنایا ہے؟ اصابہ میں ہے انہوں نے جواب دیا: وہ کتاب اللہ کے قاری اور علم میراث کے عالم ہیں۔

اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن یونس سے منقول ہے کہ آپ قرآن کے قاری‘ علم میراث اور فقہ کے عالم اور فصیح اللسان شاعر اور کاتب تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ابوالضحیٰ کی مسروق سے روایت میں ہے مسروق نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ممتاز اکابر صحابہ کرام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میراث کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔

امورِ مالیہ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ وکیل

علامہ ابن العربی نے ''الاحکام'' میں ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے اپنا وکیل مقرر فرمایا[۴۴۸] اور دو میں سے ایک روایت کے مطابق آپ نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے اپنا وکیل مقرر فرمایا[۴۴۹]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پانی کی روک والی دیوار کے معاملہ میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر کو وکیل بنانا مروی ہے۔ یہ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تھا‘ اس کی تفصیل بہت دلچسپ ہے۔ اسے ابن رشد نے ''البیان و التحصیل'' میں ذکر کیا ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: میں نے ابن رشد کی کتاب ''جامع البیان و التحصیل'' میں یہ عنوان بھی پایا ہے کہ امام (حکمران) اس معاملہ میں دوبارہ غور نہ کرے جس کا قبل ازیں عادل ائمہ فیصلہ کر چکے ہوں۔ اس کی مزید تفصیل القسم التاسع کے باب الزراعۃ میں ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ماہرینِ تعمیرات

اس عنوان کے تحت ان ماہرین تعمیرات کا ذکر ہے جن کو امام تنازعہ کی صورت میں جائے وقوعہ کا معائنہ کر کے فیصلہ کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ اور اس کے قول پر عمل کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ ذمہ داری کون نبھاتا تھا؟ ابوعمر نے ''الاستیعاب'' (ج ۱ص ۹۷) میں حضرت جاریہ بن ظفر الیمامی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دو بھائیوں کے درمیان ایک مشترک حویلی تھی‘ انہوں نے اس میں پارٹیشن کے لیے دیوار کھڑی کر دی‘

---

۴۴۸ ''الاستیعاب'' علی ہامش ''الاصابہ'' ج ۴ص ۴۹۷‘ منسوب بہ واقدی ''الاصابہ'' ج ۴ص ۵۲۴ (رقم: ۵۷۶۵)

۴۴۹ ''الاصابہ'' ج ۴ص ۴۱۲ (رقم: ۱۰۲۶) از ''طبقات ابن سعد'' بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اس کے اسناد میں واقدی ہے جو محدثین کے نزدیک کذب سے متہم ہے۔

پھر دونوں بھائیوں کا انتقال ہو گیا تو ان میں سے ہر ایک کے ورثاء نے اس دیوار پر اپنا اپنا دعویٰ کیا' یہ لوگ اپنا مقدمہ نبی ﷺ کی خدمت میں لائے' آپ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بھیجا' انہوں نے اس دیوار کا فیصلہ ان کے حق میں دیا جن کی رسی اس دیوار کے ساتھ تھی جس رسی سے وہ بوقتِ ذبح بکری کے پاؤں باندھتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا: تو نے صحیح فیصلہ کیا یا فرمایا: اچھا فیصلہ کیا۔[۴۵۰] اس کی اصل 'تاریخ البخاری'' میں ہے۔

یہ قصہ 'طبقات ابن سعد'' (جزء الخامس ص ۴۰۳) میں بھی حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں منقول ہے' اس میں ہے کہ لوگوں کا ایک جھونپڑی میں تنازعہ تھا' وہ نبی ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ لائے تو آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا فیصلہ دیا' وہ نبی ﷺ کے پاس واپس آئے اور اپنے فیصلہ کے بارے میں بتایا تو حضور ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔[۴۵۱]

''الاصابہ'' میں حضرت العلاء بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں المرزبانی کا یہ قول مذکور ہے کہ نبی ﷺ حضرت العلاء اور ارقم رضی اللہ عنہما کو انصار کے گھروں میں (بغرضِ تصفیہ) بھیجتے تھے۔

ابو زید العراقی سے ''الاصابہ'' کے اختصار میں یہاں زیادتی ہو گئی ہے اس نے لکھا ہے کہ العلاء بن عقبہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے اور انہوں نے حضرت العلاء رضی اللہ عنہ کو ارقم رضی اللہ عنہ کے ساتھ انصار کی حویلیوں میں بھیجا' حالانکہ اصل کی عبارت اختصار کی عبارت سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت تمیم بن اسد الخزاعی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: نبی ﷺ نے ان کو فتح مکہ کے سال حدود حرم کے نشانات کی تجدید کرنے کے لیے بھیجا۔

''تهذیب النووی'' میں حضرت مخرمہ بن نوفل صحابی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' آپ عمر رسیدہ تھے لوگوں کے اور خاص طور پر قریش کے ایام (جنگوں) کے عالم تھے' آپ ان حضرات میں شامل تھے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حدودِ حرم کے تعین کے لیے نشانات نصب کیے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو' ازہر بن عبد عوف' سعید بن یربوع اور حویطب بن عبد العزی رضی اللہ عنہم کو اس کام کے لیے روانہ کیا تھا۔

تہذیب میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

المقریزی کی ''الخطط''[۴۵۲] میں القضاعی سے منقول ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ سے واپس اپنے پڑاؤ (خیمے' اقامت گاہ) کو لوٹے تو دیکھا کہ قبائل کے ٹھکانے باہم مل گئے ہیں اور جگہ کے حصول کے لیے ان میں مقابلہ بازی ہونے لگی ہے' انہوں نے معاویہ بن خدیج التجیبی' شریک بن سمی الغطیفی' عمرو

۴۵۰؎ ''الاستیعاب'' علی ہامش'' الاصابہ'' ج ۳ ص ۲۴۶' اس کے اسناد میں دھشم بن قران کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۲۱۸ (رقم: ۱۰۴۸) میں کہا ہے: نہایت ضعیف راوی ہے۔

۴۵۱؎ ضعیف روایت۔ ''طبقات ابن سعد'' ج ۵ ص ۳۰۴' اس کے اسناد میں دھشم بن قران نہایت ضعیف راوی ہے۔

۴۵۲؎ ''الخطط'' ج ۱ ص ۲۹۷' مطبوعہ دار صادر۔

تحزم الخولانی اور حیویل بن ناشرۃ المعافری کو زمینوں کے سروے اور اس کی حد بندی پر مقرر کیا' انھوں نے لوگوں کی منازل مقرر کیں اور قبائل کے درمیان حد فاصل قائم کی' یہ ۲۱ھ کا واقعہ ہے۔

اس سلسلہ میں یورپی مستشرق بٹلر بڑی دور کی کوڑی لایا ہے' اس کا کہنا ہے: زمینوں کا سروے اور ان کی حد بندی قبطیوں (مصر کے عیسائی باشندے) نے کی تھی کیونکہ اہل عرب اس فن سے ناآشنا تھے' قبطی فن تعمیر اور اس کی باریکیوں سے خوب واقف تھے۔ بٹلر کی یہ رائے سراسر تعصب پر مبنی ہے وہ عربوں کے علم وفن اور ان کے کارناموں کو تحقیق کے نام پر مٹانے کی کوشش کے درپے نظر آتا ہے' حالانکہ گذشتہ سطور میں المقریزی کے حوالہ سے ان عربوں کے نام اور نسب تک بیان کر دیئے گئے ہیں جنھوں نے مصر میں یہ کام سرانجام دیا' اب مزید کسی دلیل کی کیا حاجت رہ جاتی ہے۔ اہل عرب کی تعمیرات کے میدان میں مہارت کے سلسلہ میں مزید حقائق آئندہ باب میں ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ اور صدر اول کے مسلمانوں کی فن تعمیر' سول انجینئرنگ اور شاہرات کے علم سے واقفیت

''طبقات ابن سعد'' میں ہے نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جب لوگوں کو گھر الاٹ فرمائے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھی گھر عطا فرمایا (یہ گھر مؤلف کے زمانہ تک موجود تھا' اب مسجد نبوی کی توسیع میں آ گیا ہے) مسجد نبوی کے باب النبی ﷺ کے سامنے دار عثمان رضی اللہ عنہ میں کھلنے والی کھڑکی وہی ہے جس سے آپ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے باہر تشریف لاتے تھے۔

امام ابوالعباس المقری کی ''ازھار الریاض'' میں منقول ہے کہ ''الشفاء'' پر ابوزید عبدالرحمٰن الغرناطی نے قاضی عیاض کی ذکر کردہ اس روایت پر کہ حضور ﷺ نے ایک مقام کے لیے فرمایا: یہ جگہ حمام کے لیے بہترین ہے' لکھا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فن تعمیر اور اس کی باریکیوں کی معرفت رکھتے تھے' اسے ابونعیم نے ''ریاضۃ المتعلمین'' میں ذکر کیا ہے۔ ابونعیم نے ابورافع سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ سے گزرے تو فرمایا: یہ جگہ حمام کے لیے بہترین ہے[۴۵۳] راوی کہتے ہیں: پھر وہاں حمام بنایا گیا۔

علامہ خفاجی نے ''نسیم الریاض'' میں اس مقام پر لکھا ہے: اس میں یہ خبر ہے کہ حضور ﷺ تعمیرات اور ہوا کی گذرگاہوں کے متعلق مہارت رکھتے تھے۔

آئندہ صفحات میں ''باب المنادی'' میں سنن ابی داؤد کی یہ روایت آ رہی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے منادی کو لشکر میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ جس نے پڑاؤ کے مقامات کو تنگ کیا یا راستہ کو منقطع کر دیا اس کا جہاد نہیں

۴۵۳ ضعیف روایت بقول مصنف اسے ابونعیم نے ''ریاضۃ المتعلمین'' میں ابورافع سے روایت کیا ہے' محدثین کے نزدیک یہ کتاب کتب صحیحہ معتبرہ میں معروف نہیں ہے اور یہ غیر مطبوعہ ہے۔

ہے[۴۵۴] یہ اس وقت ہوا جب لوگوں نے پڑاؤ کے مقامات کو تنگ کر دیا اور آنے جانے کے راستے بند ہونے لگے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ دورانِ سفر بھی خیموں کی تنصیب میں ترتیب اور تنظیم کو پسند فرماتے تھے۔اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور ﷺ نئی بستیوں کی آبادکاری اور پختہ عمارات کی تعمیر کے وقت فن تعمیر کی باریکیوں کا کس قدر خیال فرماتے ہوں گے۔

سنن ابی داؤد کے شارح کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے لیے لوگوں کی گذرگاہ (راستہ) کو تنگ کرنا جائز نہیں ہے' ایسے شخص کے جہاد کی نفی انتباہ میں مبالغے پر مبنی ہے اور یہ کہ انسان ایسی حرکت سے متنفر رہے۔

اسی طرح عمارات کو تنگ و تاریک کر دینا بھی جائز نہیں کیونکہ اس کے کئی نقصانات ہیں (مثلاً روشنی اور تازہ ہوا کی عدم دستیابی وغیرہ)۔

''سیرۃ عمر'' میں ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور کوفہ کی بنیاد رکھنے کی اجازت دی تو آپ کے حکم سے بڑی سڑکوں کی چوڑائی بیس ہاتھ (ذراع) اور لمبائی چالیس ہاتھ رکھی گئی' کوچے نو ہاتھ اور رہائشی پلاٹ ساٹھ ہاتھ رکھے گئے' جامع مسجد درمیان میں بنائی گئی تمام سڑکیں وہیں سے نکلتی تھیں۔یہ ان کی سول انجینئرنگ میں مہارت کی دلیل ہے کہ صدر اوّل کے مسلمان سفر میں ہوں یا وطن میں' ہر جگہ صحیح حد بندی' صحیح مقام کا انتخاب اور تعمیر میں صحیح انداز اپناتے تھے۔روشنی' ہوا اور راستوں کا خیال رکھتے تھے۔

''سیرۃ عمر'' ہی میں ہے کہ ۱۷ھ میں جب آپ نے شام کا دورہ کیا' آپ نے موسم گرما اور موسم سرما میں جہاد کے لیے الگ الگ لشکر ترتیب دیئے۔شام میں داخل ہونے والے راستوں پر چوکیاں قائم کیں اور ان کی نگرانی کا نظام قائم کیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مملکت کے دفاعی نظام پر کتنی گہری نظر تھی اور وہ فوج کی ضرورتوں اور اس کی تنظیم کے کس قدر ماہر تھے۔

''فتوح البلدان''[۴۵۵] میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی یزید کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شام کے حالات کی خرابی کے بارے میں لکھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں لکھا کہ وہاں کے قلعے مضبوط کرو' ان میں فوج تیار رکھو' دیدبان بناؤ جہاں سے ہر وقت گرد و نواح کے علاقوں کی نگرانی کراؤ اور وہاں آگ جلانے کا سامان تیار رکھو۔(بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے چوکیاں قائم کی جاتی تھیں' وہاں ہر وقت مستعد عملہ موجود رہتا تھا' یہ چوکیاں ایک ترتیب سے پوری سرحد پر اور پیچھے فوجی ہیڈ کوارٹر تک پھیلی ہوئی تھیں' جونہی کہیں سے دشمن کی نقل و حرکت نظر آتی پہاڑ کی چوٹی پر چوکی والے آگ جلاتے تھے جسے دیکھ کر دوسری چوٹی والے آگ روشن کرتے اس طرح فوری طور پر آگ کے ذریعے ایک چوکی سے دوسری چوکی تک اور پھر ہیڈ کوارٹر تک اطلاع پہنچ جاتی اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار دستے فوری طور پر

---

[۴۵۴] ابوداؤد: ۲۶۲۹۔۲۶۳۰' از جہنی۔

[۴۵۵] تالیف احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری' مشہور مؤرخ' جغرافیہ دان' ماہر نسب' آخر عمر میں مجنون ہو گئے اور اسی حالت میں ۲۷۹ھ میں فوت ہوئے۔''فتوح البلدان'' اور ''تاریخ الاشراف'' وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

مطلوبہ مقام پر پہنچ جاتے تھے اس سے مسلمانوں کی حربی مہارت اور فوجوں کی تیزی سے نقل وحرکت پر مبنی نظام ایجاد کرنا ثابت ہوتا ہے)

''فتوح البلدان'' ہی میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذمیوں پر یہ شرط لگاتے تھے کہ وہ پلوں اور راستوں کو درست رکھیں گے۔

''الالفیہ'' پر ابن غازی کے حاشیہ میں المفعول فیہ کے باب میں یہ دلچسپ بات (لطیفہ) مرقوم ہے کہ ابوحیان نے از سہیلی از قاسم بن ثابت یہ قول ذکر کیا ہے کہ میل کو میل اس لیے کہا گیا ہے کہ اہل عرب راستوں پر میل نصب کرتے تھے تا کہ ان کو یہ علم ہو کہ وہ کتنے قدم چلے ہیں' چنانچہ وہ ہر تین ہزار ہاتھ (ذراع) پر میل جیسی علامت بنا دیتے تھے اور اس میں میلوں کی گنتی لکھ دیتے تھے' ہشام نے اپنے ساتھ سفر کرنے والے بدوی سے کہا: میل پر دیکھو ہم نے کتنا سفر کیا ہے؟ بدوی اَن پڑھ تھا وہ دیکھ کر واپس آیا اور کہنے لگا: اس میں آنکڑا اور حلقہ ہے' کتیا کے تھنوں کی طرح تین تھن ہیں اور قطا (پرندہ) کی کھوپڑی کی طرح کھوپڑی بنی ہوئی ہے' ہشام یہ سن کر ہنس پڑا اور سمجھ گیا میل پر پانچ لکھا ہے۔ یہ چیز بھی ان کے منازل سفر کے تعین اور میلوں کے ذریعے آنے جانے والوں کے لیے مسافت کے اندازوں کی تعیین میں مہارت پر دلالت کرتی ہے' انہوں نے میل اور فرسخ مقرر کیے اور غلطی سے بچنے کے لیے ان کو لکھا اور اسے رواج دیا۔ (دیکھئے ''المصباح المنیر'' فیومی)

المقریزی کی ''الخطط'' (ج ا ص ۳۳۹) میں ہے عبدالعزیز بن مروان جب مصر پر حکمران تھا اس نے ہزار پیالے تیار کروائے جو ہر روز اس کی حویلی کے گرد نصب کیا جاتے تھے اس کے سو پیالے اور تھے جو گھوڑا گاڑیوں پر رکھ کر قبائل میں گھمائے جاتے تھے (تا کہ غرباء اور مستحقین خوراک حاصل کریں)۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ پختہ راستے بناتے تھے تا کہ اس پر گھوڑا گاڑیاں رواں دواں رہیں۔

حصے بنانے والوں کا بیان

ابن اسحاق نے کہا ہے: اموالِ خیبر کے حصے بنائے گئے تھے' خیبر کے اموال رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور ان کے گھوڑوں پر اٹھارہ سو حصوں میں تقسیم کیے گئے' مجاہدین چودہ سو اور گھوڑے دو سو تھے۔ ہر گھوڑے کے دو حصے اور سوار کے لیے ایک حصہ تھا اور ہر پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ تھا' آپ نے اٹھارہ سو حصوں کے اٹھارہ بڑے مجموعے قرار دیئے فی مجموعہ سو حصے تھے۔[۴۵۶]

محتسب کا بیان

''المحکم'' میں ہے ''احتسب فلان'' کا مطلب ہے: اس کے قبیح عمل کو ناپسند کیا' اس سے کام میں بہتری آتی ہے اور لوگوں کی کارکردگی میں نکھار پیدا ہوتا ہے' اس میں چند فصول ہیں:

[۴۵۶] ''سیرت ابن ہشام'' ج ۲ ص ۳۴۹۔ ۳۵۰۔

فصل اوّل: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے محاسبہ

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے' آپ نے اپنا دست مبارک اس میں داخل فرمایا تو آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی' آپ نے فرمایا: اے غلہ والے! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس پر بارش پڑ گئی ہے' آپ نے فرمایا: پھر تو نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے (کہ یہ بھیگا ہوا ہے)؟ پھر فرمایا: جس نے دھوکہ دیا (ملاوٹ کی) وہ ہم میں سے نہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن' صحیح ہے۔[۴۵۷]

فصل دوم: بازار پر رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ نگران

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بازاروں میں سودی کاروبار کرنے والوں کو زدوکوب کیا جاتا تھا۔

صحیح البخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگ سواروں سے (شہر سے باہر) غلہ خریدتے تھے' آپ ان پر ایسے افراد بھیجتے جو ان کو خریداری کی جگہ پر بیچنے سے منع کرتے یہاں تک کہ وہ اس کو غلہ منڈی میں منتقل کر دیں (پھر بیچیں)۔[۴۵۸]

صحیح البخاری ہی میں سالم کی اپنے والد سے روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان لوگوں کو پٹتے ہوئے دیکھا ہے جو بغیر ناپ' تول اور گنتی کے چیزیں بیچتے تھے' یہاں تک کہ وہ اشیاء اپنے پڑاؤ پر لائیں۔[۴۵۹]

ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں کہا ہے: فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مکہ کے بازار پر نگران مقرر فرمایا تھا۔[۴۶۰]

مؤلف کہتے ہیں: ''الاصابہ'' میں ہے ابن شاہین نے اپنے بعض شیوخ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قدرے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے آپ کو مکہ کے بازار پر نگران مقرر فرمایا تھا۔[۴۶۱]

''الاستیعاب'' میں ہے حضرت سمراء بنت نُہیک الاسدیہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی صحابیہ ہیں آپ نے طویل

---

۴۵۷ صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۰۲' ابوعوانہ ج ۱ ص ۵۷' ابوداؤد: ۳۴۵۲' ترمذی: ۱۳۱۵' ابن ماجہ: ۲۲۲۴' احمد ج ۲ ص ۲۴۲' طحاوی ''شرح مشکل الآثار'' ج ۲ ص ۱۴۴' ابن مندہ ''الایمان'': ۵۵۰۔۵۵۱' ابن حبان: ۴۹۰۵' حاکم ج ۲ ص ۹' بیہقی ''سنن'' ج ۵ ص ۳۲۰' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۱۲۰۔۲۱۲۱' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

علامہ بغوی نے ''شرح السنۃ'' ج ۸ ص ۱۶۷ میں کہا ہے: اس سے دین اسلام کی نفی مراد نہیں' بلکہ اتباع رسول ﷺ کی نفی مراد ہے یعنی یہ میرے طریقہ اور سنت میں سے نہیں ہے۔

۴۵۸ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۲۳۔۲۱۳۱۔۲۱۳۷۔۲۱۶۶۔۲۱۶۷۔۶۸۵۲' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

۴۵۹ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۳۱' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

۴۶۰ ''الاستیعاب'' علی حاشیہ ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۸۔

۴۶۱ ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۴۷ (رقم: ۳۲۶۳)۔

عمر پائی تھی' آپ بازاروں میں سے گذرتیں' لوگوں کو اچھائی کا حکم کرتیں اور برائی سے روکتیں' ان کے پاس کوڑا ہوتا تھا جس سے وہ بازار والوں کو غلط کاموں سے باز رکھتی تھیں[۶۲]

قاضی ابوالعباس احمد بن سعید' **"التیسیر فی احکام التسعیر"** میں لکھتے ہیں: محتسب کا مرد ہونا شرط ہے' کیونکہ بے شمار اسباب اور وجوہ ایسے ہیں جن کی روشنی میں محتسب کا مرد ہونا ضروری نظر آتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ ابن ہارون نے ذکر کیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بازار کا محتسب حضرت شفاء ام سلیمان بنت ابی حثمہ الانصاری رضی اللہ عنہا کو مقرر فرمایا تھا[۶۳] کیونکہ حکم غالب پر مبنی ہوتا ہے نادر الوقوع پر نہیں ہوتا اور یہ تقرر نادر الوقوع ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خاص عورتوں کے معاملات پر محتسب مقرر کیا ہو۔

ابن عبد البر کی عبارت ہے: حضرت شفاء بازاروں سے گذرتیں اور لوگوں کو بری باتوں سے منع کرتیں اور روکتیں تھیں۔ اس میں صراحت ہے جو گذشتہ تاویل کے خلاف ہے (کہ ممکن ہے وہ خاص عورتوں سے متعلق معاملات کی نگران ہوں) البتہ ان کی عبارت اس بارے میں صراحت کی طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی تھی۔ **"جمهرة ابن حزم"** کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار پر عامل مقرر کیا تھا۔

ابن العربی کی احکام القرآن میں النمل کی آیت کریمہ:

إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ . (النمل:۲۳)　　میں نے (وہاں) ایک عورت کو پایا جو ان پر حکمرانی کر رہی ہے۔

کی تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے خاتون کو بازار کا محتسب مقرر کیا یہ روایت صحیح نہیں ہے' سو اس کی طرف التفات نہ کیا جائے' یہ احادیث میں بدعتیوں کی دسیسہ کاری ہے۔

ابن عبد البر کا حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں اس ولایت پر جزم اور قاضی ابن سعید کی یہ توجیہ کہ ان کی ولایت کا تعلق عورتوں سے متعلق خاص امور سے تھا اس سے ابن العربی کا اعتراض ختم نہیں ہوتا' کیونکہ جیسا کہ ابن العربی نے احکام میں کہا ہے: عورت کے لیے مجالس میں کھلے طور پر آنا' لوگوں کے ساتھ میل جول' باہم گفت و شنید اور بحث مباحثہ ممکن نہیں ہے اس لیے کہ اگر خاتون جوان ہے تو مرد کا اس پر نظر ڈالنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ عمر رسیدہ بے پردہ خاتون ہے تب بھی وہ مردوں کے اژدحام میں نہیں جا پائے گی۔ اس کا کوئی معتقد نہیں ہے' نہ ہی کوئی ایسی صورت کا تصور کر سکتا ہے (کہ کوئی خاتون خواہ وہ عمر رسیدہ ہو' بے پردہ ہو کر مردوں کی مجالس اور ان کے ہجوم میں دندناتی پھرے)۔

ابن سعید کی **"التیسیر فی احکام التسعیر"** میں ہے واضح رہے نظام احتساب عظیم دینی طریق کار ہے

---

[۶۲] "الاستیعاب" علی ھامش "الاصابہ" ج۴ ص۳۳۵۔

[۶۳] "الاستیعاب" علی ھامش "الاصابہ" ج۴ ص۳۴۰۔۳۴۱' بلا سند۔

اس کی عظیم تر منفعت اور عمومی مصلحت کی وجہ سے خلفاء راشدین نے اس کی ذمہ داری خود سنبھالی تھی' حالانکہ جہاد میں مشغولیت' لشکروں کی ترتیب' اسلامی مملکت کا دفاع وغیرہ سب کی دیکھ بھال ان کی ذمہ داری تھی اس کے باوجود وہ بذاتِ خود محتسب کے فرائض سرانجام دیتے تھے کسی دوسرے کو یہ ذمہ داری نہیں سونپتے تھے۔

"السیرۃ الحلبیہ" (ج۳ص۳۵۴) میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بازار کے نگرانوں کے ذکر میں ہے کہ اس ذمہ داری کو حسبہ کہتے ہیں اور اس کے عامل کو محتسب کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ مکہ کے بازار پر محتسب مقرر فرمایا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ طیبہ کے بازار کا محتسب مقرر کیا۔ اس سے "صبح الاعشی" (جزء خامس ص۴۵۲) میں القلقشندی کے اس قول کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں احتساب کا محکمہ قائم کیا اور درہ بنوایا۔ ان کا یہ قول درست نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ درہ ساتھ رکھتے تھے اور بازار کا گشت بھی لگاتے تھے اور انہوں نے اس سلسلہ کو اپنے دورِ خلافت میں بھی جاری رکھا اور دوسرے افراد کو بھی اس پر مقرر کیا۔

"کشف الظنون" میں ہے علم احتساب وہ علم ہے جس میں شہریوں کے درمیان معاملات سے متعلق ایسے جاری امور سے بحث کی جاتی ہے جن کے بغیر تمدن کی تکمیل نہیں ہوتی' اس کی اساس ان عادلانہ قوانین پر ہوتی ہے جن سے فریقین راضی ہوتے ہیں' نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کا تعلق بھی اسی سے ہے تاکہ لوگوں میں لڑائیاں اور جھگڑے نہ ہوں' لوگوں کو ایک دوسرے پر اظہارِ فخر کا موقع ہی نہ ملے جس سے خلیفۂ وقت کو اشتباہ اور ممانعت کی ضرورت پیش آئے۔

اس کے مبادی بعض فقہی ہیں اور بعض استحسانی ہیں جن کا تعلق خلیفہ کی رائے سے ہوتا ہے' اس علم کی غرض مذکور بالا امور میں مہارت کا حصول اور اس کا فائدہ امور مدنیت کا مکمل طور پر اجراء ہے۔ یہ نہایت گہرا علم ہے اسے وہی پاسکتا ہے جو بہترین فہم و فراست اور اصابت رائے سے موصوف ہو' کیونکہ لوگ' ادوار اور احوال برابر بدلتے رہتے ہیں ایک نہج پر برقرار نہیں رہتے' اس لیے ہر دور کے تقاضے جداگانہ ہوتے ہیں' ہر دور کے افراد کی سوچ مختلف ہوتی ہے' ان سب حقائق پر نظر رکھنا یقیناً مشکل ترین کام ہے' اس لیے اس منصب کے لائق ایسا شخص ہو سکتا ہے جسے قدسی قوت عطا ہوئی ہو اور جس کا دامن حرص و ہوس سے آلودہ نہ ہو جیسے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں' آپ اس مرتبہ کے شناسا تھے اور اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمہ کے مہبط۔ اس موضوع پر متعدد تالیفات ہیں جن کا "کشف الظنون" میں ذکر کیا گیا ہے۔

اہم نکتہ

علماء کرام کی کثیر تعداد نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درہ کے بارے میں ضروری معلومات فراہم نہیں کیں کہ آپ کا درہ کیسا ہوتا تھا جس سے آپ دورانِ خلافت بوقتِ احتساب مستحق لوگوں کو سزا دیتے تھے؟ اس موضوع پر سب سے عمدہ اور جامع بحث میرے شیخ' استاذ والد محترم نے اپنی کتاب "التوفیق من الرب القریب

فی عدد شیب و خضاب النبی الحبیب ''میں کی ہے' جس کی تلخیص درج ذیل ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درہ بہت مشہور ہے اس کا ذکر صحیح البخاری کی کتاب العتق اور کتاب الدیات میں موجود ہے' آگے چل کر لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے درہ کی ضرب سے قیادت و سیادت کی' لیکن قاضی عیاض نے ''المشارق ''میں' ابن الاثیر نے ''النھایہ ''میں اور صحیح البخاری کے شارحین حافظ ابن حجر' الزرکشی اور حافظ السیوطی وغیرہ نے اس درے کی حقیقت بیان نہیں کی۔ الصحاح' المصباح' لسان العرب اور ابن سیدہ کی ''المخصص ''میں بھی کوئی مفید بات نہیں ہے۔ ''الصحاح ''کی عبارت ہے درہ وہ چیز ہے جس سے ضرب لگائی جاتی ہے۔ ''القاموس ''میں شرح کے الفاظ ملا کر لکھا ہے سلطان کا درہ جس سے وہ ضرب لگاتا ہے۔ الخفاجی نے ''شرح الشفاء ''میں کہا ہے: دِرّہ چوڑا کوڑا جس سے ضرب لگائی جاتی ہے۔

ابوعبداللہ جسوس تصوف ابن عاشر پر کہتے ہیں: اس رسالہ کے بعض شارحین نے ذکر کیا ہے جب رات کا اندھیرا چھا جاتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اپنا محاسبہ کرتے اور بسا اوقات خود کو درے سے ضرب لگاتے تھے۔[۲۶۴]

ابوعبداللہ کہتے ہیں: شاید یہ ڈنڈی ہوتی تھی جس کے سرے پر چمڑے کا کوڑا ہوتا تھا۔

لیکن باب الشرب میں فقہاء کے کلام میں یہ صراحت موجود ہے کہ کوڑا اور درہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ چنانچہ ''المواق ''میں خلیل کے اس قول کے بعد کہ حدود کا نفاذ کوڑے سے ہوگا۔ (المدونہ) یہ مذکور ہے کہ حدود میں کٹی ہوئی شاخ' جوتے کے تسمہ اور درہ سے ضرب لگانا جائز نہیں ہے اس کے لیے سوط (چمڑے کا کوڑا) ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درہ حدود کے نفاذ کے لیے نہیں ادب سکھانے کے لیے تھا۔ حطاب وغیرہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

سب سے عجیب بات ''الفتح الربانی فی عنق المعترض علی القطب الجیلانی ''کے مؤلف نے کہی ہے' وہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ عموماً لوگوں کی اپنے مشہور کوڑے دِرّہ سے تادیب کرتے تھے' یہ چمڑے کے تسموں سے بنا ہوا کوڑا تھا۔ اسی طرح کی عجیب وغریب بات شیخ مصطفیٰ بن محمد البنانی المصری نے اپنی کتاب ''روضة الطالبین لاسماء الصحابة البدریین ''کے حواشی میں لکھی ہے کہ دِرّہ رسول اللہ ﷺ کے نعل (جوتے) کا تھا۔ کہا گیا ہے: جس کسی کو کسی غلطی پر اس درہ سے ضرب لگائی گئی اس نے دوبارہ وہ غلطی نہیں کی۔

علامہ الدسوقی ''شرح الدردیر علی المختصر ''پر اپنے حواشی میں لکھتے ہیں: دِرّہ باریک چمڑے کا بنا ہوا کوڑا ہے۔ علامہ صاوی نے بھی ''اقرب المسالک ''پر اپنے حواشی میں یہی تحریر کیا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ درہ چمڑے کے تسموں سے بنا ہوا تھا' میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح وہ اس وعید میں داخل ہوگا جو صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جہنم کی دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا ایک وہ قوم جن کے پاس گائے کی دم جیسے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔[۲۶۵]

---

[۲۶۴] یہ بات ثابت نہیں' صوفیہ کی خودساختہ کہانی ہے۔

[۲۶۵] صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۱۲۸''باب النار یدخلها الجبار والجنة یدخلها الضعفاء ''احمد ج ۲ ص ۳۵۵۔۳۵۶۔۴۴۰' ابن حبان: ۷۴۶۱' بیہقی ''سنن'' ج ۲ ص ۲۳۴' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۵۷۸' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے: اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تم عنقریب ایسے لوگ دیکھو گے جو اللہ کی ناراضگی میں صبح کریں گے اور اللہ کی لعنت میں شام کریں گے ان کے ہاتھوں میں گایوں کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے[466]

علامہ المناوی نے کہا ہے: عرب ممالک میں اسے چھچی' کوڑا (مقارع) کہتے ہیں' یہ چمڑے کے ہوتے ہیں ان کی ایک جانب سخت ہوتی ہے اس کا عرض انگلی کے بقدر ہوتا ہے اس سے لوگوں کو مارتے پیٹتے ہیں۔ روح البیان میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درہ حضور ﷺ کے اِذن سے تھا اور اس کی ضرب محدود تھی یہ ویسا درہ نہ تھا جس پر شارع علیہ السلام نے وعید بیان فرمائی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درہ کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی درہ رکھتے تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا درہ ''اوائل السیوطی'' وغیرہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درہ سے زیادہ سخت تھا۔

علامہ الطرطوشی کی ''سراج الملوک'' میں ہے حسن نے کہا: میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں اپنے سر کے پاس کنکریاں جمع کی ہوئی تھیں اور اپنی چادر کا ایک کونہ اپنے سر پر ڈالا ہوا تھا' آپ اس وقت امیر المؤمنین تھے آپ کے پاس کوئی شخص موجود نہ تھا' آپ کا درہ آپ کے سامنے پڑا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی درہ تھا' عبد بن حمید نے اپنی مسند میں مطرف سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: میں مسجد سے نکلا میں نے اپنے پیچھے کسی شخص کو یہ کہتے سنا: اپنا تہہ بند اونچا رکھو اس طرح تمہارا کپڑا پاک رہے گا اور زیادہ عرصہ چلے گا' میں اس شخص کے پیچھے پیچھے چلا وہ صاحب میرے سامنے جا رہے تھے' انہوں نے تہہ بند باندھا ہوا تھا اور چادر اوڑھی ہوئی تھی' ان کے ہاتھ میں درہ تھا وہ بدوی اعرابی کی طرح نظر آ رہے تھے' میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ ایک شخص نے مجھے بتایا: یہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں' یہاں تک کہ آپ اونٹوں کے پاس پہنچے اور فرمایا: بیچو لیکن قسمیں نہ کھاؤ کیونکہ قسم سامان بکوا دیتی ہے مگر برکت ختم کر دیتی ہے' پھر آپ کھجوروں کے تاجروں کے پاس آئے وہاں آپ نے ایک خادم کو روتے دیکھا تو دریافت فرمایا: کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا: میں نے اس آدمی سے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں' لیکن میرے آقا نے کھجوریں واپس کر دیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تاجر سے فرمایا: اپنی کھجوریں لے لو اور اس کا درہم واپس کر دو' کیونکہ یہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے' تاجر نے اس کا درہم واپس کر دیا[467]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ خلفاء ثلاثہ (حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے پاس درہ ہوتا تھا۔ مزید تفصیل ''القاموس'' اور اس کی شروح کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

---

[466] صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۸۵۷' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[467] ''مسند'' عبد بن حمید' از مطرف۔ مجھے یہ حدیث تلاش کے باوجود نہیں ملی۔

بعدازاں میں نے "مسند ابی حنیفہ" پر ابن سلطان[۴۶۸] (ملا علی القاری) کی شرح میں دیکھا' انہوں نے اس کوڑے کی وصف بیان کی جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد لگائی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سخت کوڑا لایا گیا' آپ نے فرمایا: میں اس سے نرم چاہتا ہوں' پھر آپ کے پاس نرم کوڑا لایا گیا آپ نے فرمایا: اس سے سخت لاؤ' پھر ایک درمیانی کوڑا (نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم) لایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے پھر آپ نے ایک کوڑا منگوایا آپ کے حکم سے اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کوٹا گیا جس سے اس کی سختی کم ہوگئی اور وہ درہ بن گیا۔ اس کے بعد ملا علی القاری نے "القاموس" سے درہ کی سابقہ تعریف نقل کی اور اس کے بعد کہا: یہ تعریف درست نہیں ہے' اور حقیقتاً ایسا ہی ہے۔

بہ آوازِ بلند اعلان کرنے والے (منادی)

صحیح البخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جب سورج گرہن ہوا' ندا کی گئی: نماز تیار ہے۔[۴۶۹]

صحیح البخاری ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں ابوطلحہ کے گھر میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اس روز ان کی شراب فضیخ (پکی کھجوروں یا انگور کی شراب) تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے منادی کو یہ ندا کرنے کا حکم دیا: سنو! شراب حرام کر دی گئی ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔[۴۷۰]

صحیح البخاری میں حضرت زاہر الاسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں گدھوں کے گوشت والی ہنڈیاؤں کے نیچے آگ جلا رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا کی: رسول اللہ ﷺ تم کو گدھوں کے گوشت سے منع فرما رہے ہیں۔[۴۷۱]

سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شرکت کی' لوگوں نے پڑاؤ تنگ کر دیئے اور راستے منقطع کر دیئے تو رسول اللہ ﷺ نے منادی کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا: جس نے پڑاؤ کو تنگ کیا یا راستہ منقطع کیا (بند کیا) اس کا جہاد نہیں۔

"الاصابہ" میں ہے ابن مندہ نے از وازع بن نافع از ابی سلمہ از رفاعہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: میں لوگوں میں گھوم پھر کر یہ اعلان کروں: کوئی شخص مقیر میں نبیذ نہ بنائے۔ اس حدیث کا اسناد ضعیف ہے۔

"الاصابہ" ہی میں حضرت اوس بن الحدثان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' امام مسلم نے از ابوالزبیر از ابن

---

۴۶۸ علامہ' محدث' علی بن سلطان بن محمد الہروی المعروف ملا علی القاری متوفی ۱۰۱۴ھ' مشہور تصانیف "المرقاۃ شرح المشکوۃ" "شرح الشمائل" "شرح کتاب الفقہ الاکبر" وغیرہ۔ (الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ ص ۸)

۴۶۹ صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۰۴۵۔ ۱۰۵۱' از عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔

۴۷۰ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۴۶۴' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۴۷۱ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۱۷۳' از زاہر الاسلمی رضی اللہ عنہ۔

کعب بن مالک از کعب رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اسے (حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو) اور حضرت اوس بن الحدثان رضی اللہ عنہ کو ایام تشریق میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا: ایام منیٰ کھانے پینے کے دن ہیں[۴۷۲] (ان دنوں میں روزہ نہ رکھو)۔ ابن مندہ نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح غریب ہے' ہم اسے صرف اسی طریق سے جانتے ہیں۔

''الاصابہ'' میں حضرت بُدیل بن ورقاء الخزاعی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابونعیم نے ام الحارث بنت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو منیٰ میں خاکستری رنگ کے اونٹ پر دیکھا وہ لوگوں میں گھوم پھر کر اعلان کر رہے تھے: رسول اللہ ﷺ تم کو ان ایام میں روزہ رکھنے سے منع فرما رہے ہیں کیونکہ یہ کھانے پینے کے ایام ہیں[۴۷۳]

البغوی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے ابن السکن کی روایت میں ہے نبی ﷺ نے حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کریں[۴۷۴]

''الاصابہ'' ہی کی القسم الرابع میں حضرت ربیع بن امیہ بن خلف القرشی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابن شاہین نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کی اونٹنی کے سینے کے نیچے کھڑا ہوں آپ اس وقت عرفہ میں وقوف فرما رہے تھے' حضرت ربیع بلند آواز آدمی تھے' آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے ربیعہ! کہو: اے لوگو! رسول اللہ ﷺ تم سے پوچھتے ہیں: جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟[۴۷۵] الحدیث۔ ابن شاہین کے علاوہ دوسروں نے کہا: آپ نے امیہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہنے کا حکم فرمایا تھا اور یہی درست ہے۔

''الفرائد'' میں حجۃ الوداع کے تذکرہ میں خطبہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ عرفہ میں لوگوں تک بہ آواز بلند رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پہنچانے والے حضرت ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ تھے' لیکن اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے ابوعمر کی کتاب میں حضرت ربیعہ بن امیہ کے تذکرہ میں ان کے میدانِ عرفات میں بہ آواز بلند لوگوں تک حضور ﷺ کے ارشادات پہنچانے کا ذکر نہیں پایا ہے۔

''الاصابہ'' میں حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابن شاہین نے کہا ہے: نبی ﷺ نے حضرت علی'

---

[۴۷۲] صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۱۴۲' از کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔

[۴۷۳] ضعیف روایت۔ اسے ابونعیم اور بغوی نے روایت کیا ہے (الاصابہ ج ۱ ص ۱۴۱' رقم: ۶۱۴) طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۵ ص ۱۴۲' از ام الحارث بنت عیاش رضی اللہ عنہا۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج ۳ ص ۲۰۳ میں کہا ہے: اس میں ضرار بن صرد ضعیف راوی ہے۔

[۴۷۴] ضعیف روایت۔ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۱۴۱ (رقم: ۶۱۴) میں اسے ابن السکن کے حوالہ سے از طریق مفضل بن صالح روایت کیا ہے' مفضل بن صالح ضعیف راوی ہے۔ (التقریب: ۶۸۷۸)

[۴۷۵] ضعیف حدیث۔ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۵۳۰ (رقم: ۲۷۵۲) میں ابن شاہین کے حوالہ سے از طریق یحییٰ بن ہانی الشجری از ابن اسحاق مروی ہے' اس کے اسناد میں موجود یحییٰ بن ہانی کا کسی نے تذکرہ نہیں کیا' محمد بن اسحاق مدلس ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں کہا ہے: یحییٰ کے علاوہ دوسروں نے اسے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے اور کہا ہے: نبی ﷺ نے امیہ کو حکم دیا تھا اور یہی درست ہے۔

حضرت معاذ بن جبل' حضرت بدیل بن ورقاء اور حضرت حکیم رضی اللہ عنہم سے فرمایا: لوگوں میں اعلان کردو اور ان کو ایام تشریق میں روزہ رکھنے سے منع کردو' کیونکہ یہ کھانے پینے کے ایام ہیں[۷۶]

مدینہ طیبہ کی خفیہ پولیس

بلادِ مغرب میں قدیم دور میں خفیہ پولیس کو الحاکم' اندلس میں صاحب المدینہ اور تونس و قیروان میں اس کو عریف کہا جاتا تھا' آج کل اسے مقدمی الحارات کہا جاتا ہے۔ المقریزی کی خطط میں ہے' سلف اسے شرطہ کہتے تھے اور بعض لوگ اسے صاحب العس کہا کرتے تھے' ان کا کام رات کو شہر میں گشت کرنا تھا تا کہ جرائم پیشہ افراد پر نظر رکھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اس منصب پر فائز اصحاب

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کاش! کوئی آدمی آج رات میں ہماری پہرہ داری کرتا' اسی دوران ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی' آپ نے پوچھا: کون ہے؟ جواب ملا: سعد بن ابی وقاص' رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیوں آئے ہو؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوا' سو میں آپ کی حفاظت کے لیے آ گیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی[۷۷] امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ منصب حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اپنے غلام اسلم کے ہمراہ خود رات کو گشت کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

علامہ الخزاعی نے یہاں لکھا ہے: مجھے ایسی نص نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دشمن کے حملہ کے خدشہ یا فتنہ کے وقت مدینہ طیبہ کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری کس کے سپرد تھی' لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انتظام ہوتا تھا۔ اس کے بعد علامہ الخزاعی نے ابن الجوزی کی "کشف مشکل الصحیحین" سے طلیحہ بن خویلد کے دعوائے نبوت کے قصہ میں نقل کیا ہے کہ لوگوں کے حملہ کے خدشہ کے پیش نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہر کے تمام داخلی راستوں کی نگرانی

---

[۷۶] ضعیف حدیث۔ "الاصابہ" ج۲ص۱۶ (رقم:۳۰۹۶) میں بحوالہ ابن شاہین از طریق محمد بن عبید اللہ العرزمی مروی ہے۔ محمد بن عبید اللہ العرزمی ضعیف متروک الحدیث ہے۔ (الجرح والتعدیل ج۸ص۲۰۱)

[۷۷] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۸۸۵۔۷۲۳۱' مسلم: ۲۴۱۰' ابن ابی شیبہ ج۱۲ص۸۸' احمد "مسند" ج۶ص۱۴۱' الفضائل: ۱۳۰۵' ترمذی: ۳۷۵۶' ابن ابی عاصم "السنۃ": ۱۴۱۱' نسائی "الفضائل": ۱۱۳' ابن حبان: ۶۹۸۶' حاکم ج۳ص۵۰۱' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

پر مامور کیا' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے راستوں کی نگرانی پر مقرر کیا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رات کو شہر میں گشت لگائیں۔ پھر علامہ الخزاعی نے کتاب کے پندرھویں باب میں یہ عنوان قائم کیا ہے: حملے کے خدشہ اور فتنہ کے وقت بلندی سے نگرانی کرنے والے۔ اور کہا ہے: اگر چہ مجھے اس کے متعلق نص نہیں ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ ذمہ داری کس کے سپرد ہوئی تاہم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر حدیث سے یہ چیز مستنبط ہوتی ہے۔ اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت گشت کرنے' مشتبہ لوگوں کا سراغ لگانے اور دن کو بلند مقام سے اردگرد پر نگاہ رکھنے کی ذمہ داری سونپی۔

مؤلف کہتے ہیں: علامہ الخزاعی رحمہ اللہ سے ''الاصابہ'' (ج ۱ص ۸۲) میں ابن فتحون کے حوالہ سے منقول یہ روایت مخفی رہی کہ نبی ﷺ نے حضرت بدیل بن ورقاء' حضرت اوس بن ثابت' حضرت اوس بن عرابہ اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی۔[۴۷۸] تفصیل القسم الخامس میں ملاحظہ کریں۔

''درر الفوائد المنظمة فی اخبار الحج ومكة المعظمة'' میں علامہ شمس الدین محمد بن عبد القادر الانصاری الحنبلی محمل شریف کے امیر کی ذمہ داریوں کے ذکر میں لکھتے ہیں: وہ خفیہ پولیس مقرر کرتے تھے جو رات کے وقت حجاج کے ہمراہ رہتے اور خبریں حاصل کرتے تھے' اور باہم جھگڑے کا سبب بننے والے امور سے روکتے تھے۔ مزید کہا: سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی تھی۔

علامہ المقریزی کی ''الخطط'' میں ہے سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں رات کو گشت کیا۔ ابوداؤد نے از اعمش از زید روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا گیا یہ فلاں ہے جس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے گرتے ہیں' آپ نے فرمایا: ہمیں جاسوسی سے منع کیا گیا ہے البتہ اگر ہمارے سامنے ایسا ہوا تو ہم اس پر گرفت کریں گے۔[۴۷۹] حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اپنے غلام اسلم کے ہمراہ خود رات کو گشت کرتے تھے اور بسا اوقات حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

''طبقات ابن سعد'' میں ہے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشکوک اور متہم لوگوں پر سختی کی' آپ نے رویشد الثقفی کے گھر کو آگ لگا دی' اس میں شراب کی بھٹی تھی۔ ربیعہ بن امیہ بن خلف کو خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا' یہ شرابی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے اپنے دورِ خلافت میں مدینہ طیبہ میں گشت شروع کیا' درہ لیا اور لوگوں کی تادیب کی' اس لیے بعد میں کہا گیا: حضرت عمر کا درہ تمہاری تلواروں سے زیادہ دہشت

---

[۴۷۸] ضعیف حدیث۔ ''الاصابہ'' ج ۱ص ۸۰ (رقم: ۳۱۹) میں ابن فتحون کے حوالہ سے از طریق عبدان از اسحاق بن الضیف مروی ہے۔ عبدان اور اسحاق بن الضیف دونوں کے حالات نامعلوم ہیں۔

[۴۷۹] صحیح الاسناد۔ ثقہ راویوں سے مروی ہے' ابوداؤد: ۴۸۹۰' از عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موقوفاً۔

ناک تھا۔

مردانہ جیل خانہ

امام ابوداؤد نے بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو تہمت کی وجہ سے قید کر دیا۔[480] جامع الترمذی میں بھی اسی طرح مروی ہے' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ صحیح البخاری میں ہے راوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے وہ بنو حنیفہ کے ثمامہ بن اثال نامی شخص کو گرفتار کر لائے اور اسے مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔[481] الحدیث

ابن اسحاق نے بنو قریظہ کے واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر اتر آئے تو ان کو ایک انصاری خاتون بنت الحرث کی حویلی میں قید کر دیا گیا' پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے' جہاں آج کل بازار ہے وہاں گڑھے کھودے گئے پھر ان کو گروہ در گروہ لایا گیا اور ان گڑھوں میں ان کی گردنیں ماری گئیں۔[482]

علامہ الماوردی ''الاحکام السلطانیہ'' میں لکھتے ہیں: شرعی قید تنگ مکان میں قید کرنا نہیں بلکہ کسی شخص کو ہر قسم کے ذاتی تصرف سے روکنا ہے' خواہ وہ گھر میں ہو یا مسجد میں' یا مدعی یا اس کے وکیل کو اس کی نگرانی سپرد کرنا ہے (وہ سایے کی طرح اس کے ساتھ رہے تا کہ اس سے اپنا حق وصول کر لے) اسی لیے نبی ﷺ نے اسے اسیر کہا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ہرماس کے طریق سے ان کے والد اور ان کے دادا سے روایت کیا ہے' ان کے دادا نے کہا: میں نبی ﷺ کے پاس اپنے قرض دار کو لایا' آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ ساتھ رہو' پھر آپ نے فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تم کیا چاہتے ہو میں تمہارے قیدی کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ ابن ماجہ کی روایت میں ہے' پھر دن کے آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تیرے قیدی نے کیا کیا؟[483] رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہی قید

480۔ حسن حدیث۔ ابوداؤد: ۳۶۳۰' ترمذی: ۱۴۱۷' از بہز بن حکیم۔

481۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۶۲۔ ۴۶۹۔ ۲۴۲۲۔ ۲۴۲۳۔ ۴۳۷۲' مسلم: ۱۷۶۴' ابوداؤد: ۲۶۷۹' نسائی ج ۱ص ۱۰۹۔ ۱۱۰' احمد ج ۲ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۴۵۳' صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۲' ابن حبان: ۱۲۳۹' بیہقی ''سنن'' ج ۱ص ۱۷۱' ''دلائل النبوۃ'' ج ۴ص ۷۹۔ ۸۱' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

482۔ مرسل حدیث۔ ''السیرۃ النبویہ' ابن ہشام ج ۲ص ۲۴۰۔ ۲۴۱' از علقمہ بن وقاص اللیثی رضی اللہ عنہ۔

483۔ ضعیف حدیث۔ ابوداؤد: ۳۶۲۹' ابن ماجہ: ۲۴۲۸' از ہرماس بن حبیب بدوی از والد خود از جد خود۔ ''الجرح والتعدیل'' ج ۹ص ۱۱۸ (رقم: ۴۹۷) میں ابن ابی حاتم نے کہا ہے: یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نے کہا: ہم اسے نہیں پہچانتے' ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے اپنے والد سے ہرماس بن حبیب کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: یہ بدوی شیخ ہے اس سے نضر بن شمیل کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا' اس کے والد اور دادا غیر معروف ہیں۔ البانی نے ''ضعیف ابوداؤد'' (رقم: ۷۸۳) اور ''ضعیف ابن ماجہ'' (رقم: ۵۲۶) میں اسے ضعیف کہا ہے۔

ہوتی تھی با قاعدہ قید خانہ نہیں تھا۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ امام قید خانہ بنوائے یا نہیں؟ جن علماء کا قول ہے: قید خانہ نہ بنوائے' ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قید خانہ نہیں بنوایا' بلکہ ملزم کو کسی مکان میں رکھے یا اس پر محافظ مقرر کر دے اسے ترسیم کہا جاتا ہے' یا قرض خواہ کو اس کے ساتھ لگا دے۔

جن علماء نے قید خانہ بنانے کا قول کیا ہے ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل ہے۔

رہے آج کل کے قید خانے تو کوئی مسلمان اس کے جواز کا قائل نہیں ہے کیونکہ ان قید خانوں میں کثیر تعداد میں لوگوں (مجرموں' ملزموں) کو ایک تنگ جگہ میں بھیڑ بکریوں کی طرح جمع کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ان کو وضو اور نماز کی سہولت بھی میسر نہیں ہوتی' بعض اوقات وہ ایک دوسرے کے ستر دیکھتے رہتے ہیں اور گرمی سردی کی اذیت سے دوچار رہتے ہیں۔

امام ابوعبداللہ بن فرج مولیٰ ابن الطلاع **کتاب الاقضیہ** میں کہتے ہیں: اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی کو قید کیا ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قید خانہ نہیں تھا نہ کبھی آپ نے کسی شخص کو قید کیا۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تہمت کے الزام میں قید کیا ہے۔ چنانچہ عبدالرزاق اور نسائی نے اپنی کتابوں میں بہز بن حکیم از والد خود از جد خود اسے روایت کیا ہے' ابوداؤد نے بہز کے دادا سے بطریق بہز روایت کیا ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے میری قوم کے بعض لوگوں کو قتل کے الزام میں قید کیا تھا۔ بہز بن حکیم بعض اہل علم کے نزدیک مجہول ہے[۴۸۴] لیکن امام بخاری نے کتاب الوضوء میں اسے داخل کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ بہز معروف ہے۔

مصنف عبدالرزاق کے علاوہ دوسروں نے اس سند سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے تہمت میں ایک شخص کو دن کا ایک حصہ قید میں رکھا پھر اسے رہا فرما دیا۔

"**احکام ابن زیاد**" میں فقیہ ابوصالح ایوب بن سلیمان سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو قید کیا جس نے مشترکہ غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تھا' آپ نے اس کی مکمل آزادی کو ضروری قرار دیا' حدیث میں ہے: آپ نے اس کی بکریاں فروخت کر دیں (تاکہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی رقم ملے)' ابن شعبان نے اپنی کتاب میں کہا ہے: نبی ﷺ نے اسے قید کرنے اور زدوکوب کرنے کا حکم دیا۔

بعض علماء نے اس آیت کریمہ سے قید خانہ کا استدلال کیا ہے:

فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ (النساء:۱۵)	تو روک لو ان (عورتوں) کو گھروں میں' یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا کر دے ۝

---

[۴۸۴] بہز بن حکیم مجہول نہیں بلکہ یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی نے اسے ثقہ کہا ہے' ابوحاتم رازی نے کہا: اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ (الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۴۳۰۔۴۳۱' رقم: ۱۷۱۴)

اور نبی ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ قاتل کو قتل کرو اور بند کرنے والے کو بند کر دو[۴۸۵]
ابوعبید نے کہا: اس کے مطلب ہے' اس کو اپنے عمل کی پاداش میں موت تک قید میں رکھو۔

قاضی ابن الازرق کی ''بدائع السلک'' میں ابن فرحون کے حوالے سے ابن قیم الجوزیہ سے منقول ہے کہ شرعی قید تنگ مکان میں قید کرنا نہیں ہے بلکہ وہ کسی شخص کو ہر قسم کے تصرف سے روکنا ہے خواہ وہ مسجد میں ہو یا گھر میں' یا قرض خواہ کو اس کے ساتھ لگا دینا ہے' اسی لیے نبی ﷺ نے اسے اسیر کہا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ھرماس بن حبیب کی اپنے دادا سے روایت میں ہے ان کے دادا نے کہا: میں نبی ﷺ کے پاس اپنے قرض دار کو لایا' آپ نے مجھ سے فرمایا: اس کے ساتھ لگے رہو' پھر مجھ سے فرمایا: اے بنوتمیم کے بھائی! تم کیا چاہتے ہو' میں تمہارے قیدی (اسیر) کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہی قید تھی۔

امام احمد بن الشلبی الحنفی نے ''اتحاف الرواۃ بمسلسل القضاۃ'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولیات میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اسلام میں جیل بنائی' آپ سے پہلے خلفاء کنوؤں میں قید کرتے تھے۔

علامہ الخفاجی کی ''شفاء الغلیل'' میں ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں قید خانہ (جیل) نہیں تھا' ملزم کو مسجد یا ڈیوڑھیوں میں جہاں ممکن ہوتا بند کر دیا جاتا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سب سے پہلے قید خانہ بنوایا اور اس کا نام نافع رکھا' یہ مستحکم بلڈنگ نہ تھی' لوگ کھسک جایا کرتے تھے' پھر آپ نے مخیّس نامی ایک مضبوط عمارت بنوائی۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر قید (حبس) کو اس مفہوم میں لیا جائے کہ قرض خواہ مقروض کو اپنے پاس پابند رکھتا تھا تو یہ چیز موجود تھی لیکن ملزموں کے لیے کوئی معین جگہ تو اس کا وجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا۔

انتباہ

علامہ الخزاعی نے یہاں ابوعمر بن عبدالبر کی 'بھجۃ المجالس'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کو قید کر دیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں قید خانہ بنوایا تھا' لیکن انہوں نے اس بارے میں ضروری معلومات فراہم نہیں کیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حطیئہ کو قید کرنے کا واقعہ الزبیر بن بکار نے ''الموفقیات'' میں اور ابوالفرج الاصبہانی نے ''الاغانی'' میں نقل کیا ہے۔ (دیکھئے ''الامتاع'' ادفوی) علامہ بدرالدین محمود العینی کی 'شرح الشواھد الکبری'' میں ہے زبرقان نے حطیئہ کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مدد مانگی' اس کا خیال تھا حطیئہ نے اس کی ہجو کہی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کا شعر پڑھا:

واقعد فانک انت الطاعم الکاسی۔[۴۸۶]

---

۴۸۵ مرسل حدیث۔ ابوعبید' غریب الحدیث' ج۱ص۱۵۵' کنز العمال: ۳۹۸۳۹۔

۴۸۶ عمر بن شبہ' تاریخ المدینۃ المنورۃ' ج۲ص۳۰۳۔ ابوالفرج الاصبہانی' الاغانی' ج۲ص۵۵۔ ابن الجوزی' سیرۃ عمر' ج۲ص۵۰۷۔

اور فرمایا: مجھے تو اس میں تمہاری ہجو نظر نہیں آتی' زبرقان نے کہا: آپ اس بارے میں ابن الفریعہ یعنی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے معلوم کریں' اگر اس نے میری ہجو نہیں کی تو میرا اس پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مصرعہ بھیج کر معلوم کروایا' حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: حطیہ نے ہجو کی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قید کر دیا۔ حطیہ نے دورانِ قید یہ اشعار کہے:

''آپ وادیٔ ذومرخ[۴۸۷] کے چوزوں کے بارے میں کیا کہیں گے جن کے پوٹوں چرز واں ہے اور وہ پانی اور درخت سے محروم ہیں'

آپ نے ان کے کمانے والے کو اندھیرے گڑھے میں ڈال دیا ہے' اسے معاف کر دیں' اے عمر! آپ پر اللہ کی سلامتی ہو'

آپ اپنے ساتھی کے بعد امیر بنے ہیں آپ کو بشری عقل کی کنجیاں دی گئی ہیں''۔

علامہ العینی نے کہا ہے: پہلے قید خانے کنوئیں ہوتے تھے' سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جیل خانہ بنایا۔[۴۸۸] شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ قید خانہ کے لیے خریدی گئی حویلی سے پہلے کنوؤں میں بند کرتے تھے۔ بیہقی نے نافع بن عبدالحارث کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت صفوان بن امیہ سے چار ہزار میں قید خانہ کے لیے گھر خریدا۔[۴۸۹] امام بخاری نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کی ''تلخیص الحبیر'' میں ''تھذیب النووی'' میں بحوالہ ''المھذب'' حضرت نافع بن الحارث الخزاعی کے تذکرہ میں اور المقریزی کی ''الخطط'' میں اسی طرح مذکور ہے۔

ابن فرحون کی ''بدائع السلک'' میں ابن القیم سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب رعایا بڑھ گئی آپ نے مکہ مکرمہ میں گھر خرید کر اسے قید خانہ بنایا' اس میں قید خانہ بنانے کی دلیل ہے۔

سلطان ابو الاملاک المولیٰ اسماعیل بن الشریف العلوی مدفون مکناس نے علماءِ فاس قاضی بردلہٗ المسناوی اور ابن رحال وغیرہ سے دریافت کیا: قید خانہ کس نے بنایا اور لوگوں کو کنوؤں میں کیسے قید رکھتے تھے؟ اور حافظ سیوطی کی اس عبارت کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قید خانہ بنوایا اور ابن فرحون کے اس عبارت میں کس طرح تطبیق ہوگی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مملکت وسیع ہوگئی آپ نے قید خانہ بنوایا؟ شیخ المسناوی نے جواب دیا کہ ابن فرحون اور حافظ سیوطی کے کلام میں تعارض اس طرح ختم ہو جائے گا کہ ہم کہیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولیت کا مطلب ہے آپ نے سب سے پہلے اسی مقصد کے لیے عمارت بنوائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کے لیے عمارت نہیں بنوائی بلکہ بوقت ضرورت آپ نے رہائشی مقاصد یا دوسری کسی ضرورت کے تحت تعمیر ہونے والی عمارت کو قید خانہ بنا لیا۔ باقی رہا یہ سوال کہ کنوئیں قید خانے ہوتے تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ تہہ خانے

---

[۴۸۷] ذومرخ' الواشیہ اور فدک کے درمیان بکثرت درختوں والی وادی ہے۔ (مراصد الاطلاع ج ۳ ص ۱۲۵۶)

[۴۸۸] تفصیل کے لیے دیکھئے ''تاریخ المدینۃ المنورۃ'' ج ۲ ص ۴۰۳' رقم: ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷ وغیرہ۔

[۴۸۹] ''تلخیص الحبیر'' ج ۴ ص ۱۹۶ میں اسے بیہقی کے حوالہ سے از حدیث نافع بن عبدالحارث نقل کیا ہے۔ مجھے بیہقی کی ''السنن الکبریٰ'' میں تلاش کے باوجود یہ روایت نہیں ملی۔

اور زیر زمین جگہیں ہوتی تھیں اور وہ کبھی اتنی وسیع و عریض ہوتی تھیں کہ ان میں سینکڑوں لوگ سما جاتے تھے' خاص طور پر گذشتہ قوموں کو ایسی سرنگیں اور تہہ خانے بنانے میں بڑی قدرت اور مہارت حاصل تھی جس کا بعد کے ادوار سے موازنہ کرنا درست نہیں ہے۔ ان کو کنوئیں اس لیے کہا گیا کہ کنوؤں کی طرح یہ بھی زیر زمین ہوتے اور ان میں داخلے کے راستے تنگ ہوتے تھے۔ اس کے باوجود ایسے تہہ خانے (جیل خانے) ضرورت کے مطابق بکثرت ہوتے تھے۔ (نوازل شیخ المسناوی)

انتباہ

قاضی ابن سعید نے "التیسیر فی احکام التسعیر" میں کہا ہے: جس نے کتاب یا شاعری سے کسی کو عیب لگایا' گالی دی یا ہجو کی' اسے قید کیا جائے گا اور تادیب کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیہ کو قید خانہ میں ڈال دیا تھا جب اس نے اپنے اس قول "اقعد فانک انت الطاعم الکاسی" سے زبرقان بن التمیمی کی ہجو کی تھی۔[۴۹۰]

زنانہ جیل خانہ

سیرت کی کتابوں میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے اور اس سے پہلے ان کے شام کی طرف فرار ہونے کے واقعہ میں ہے کہ جب حضرت عدی نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ان کے علاقہ میں داخل ہو گیا ہے اور ان کی تلاش میں ہے تو وہ شام کی طرف فرار ہو گئے لیکن ان کی بہن پکڑی گئی اور وہ بنو طے کے قیدیوں میں مدینہ طیبہ لائی گئی' حضور ﷺ کو عدی کے شام کی طرف فرار ہونے کی خبر ملی' آپ نے عدی کی بہن کو مسجد کے دروازہ کے قریب احاطے میں رکھا' خواتین کو اس احاطہ میں قید کیا جاتا تھا۔[۴۹۱]

قیدیوں کو خوراک کی بہم رسانی

امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں لکھا ہے: خلفاء ہمیشہ قیدیوں کو کھانا اور گرمی سردی کا لباس مہیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عراق میں باقاعدہ اس پر عمل کیا' پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں یہ سلسلہ جاری رکھا اور پھر بعد میں آنے والے حکمرانوں نے اس پر عمل کیا۔ (دیکھیے "طبقات ابن سعد" "تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ") "خطط المقریزی" میں ہے کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے جیل اور پہرے کا نظام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قائم کیا۔

---

[۴۹۰] تخریج گزر چکی ہے۔

[۴۹۱] "السیرۃ النبویۃ" ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۷۔

تادیب بذریعہ مار پیٹ

ابن الطلاع کی "کتاب الاقضیة" میں ابن شعبان کی کتاب سے از اوزاعی از عمرو بن شعیب از والد خود روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا' نبی ﷺ نے اسے سو کوڑے لگوائے ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا اور اسے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔[۴۹۲] ابن شعبان نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ نبی ﷺ سے مروی ہے آپ نے اسے قید کرنے اور مارنے پیٹنے کا حکم دیا۔

"نور النبراس" میں واقعۂ افک[۴۹۳] کے متعلق ہے ان کو کوڑے مارنے میں دو قول ہیں: ظاہر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو کوڑے لگوائے تھے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ کے آخر میں "باب قول الله تعالٰی: وامرهم شورٰی بینهم" میں اس کو قطعی کہا ہے۔ اصحاب سنن اربعہ نے عمرہ از عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث نقل کی ہے کہ جب افک کے بارے میں حکم نازل ہوا' آپ نے دو مردوں اور ایک عورت کو حد لگانے کا حکم دیا۔[۴۹۴] امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے' ہم اسے صرف ابن اسحاق کی حدیث سے جانتے ہیں۔

"الاستیعاب" میں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن عبد البر نے اس پر جزم کیا ہے کہ ان کو حد لگائی گئی' اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے کہ ان کو بھی ان افراد کے ساتھ حد لگائی گئی جن پر حد ثابت ہوگئی تھی۔

طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن ابی کو ایک سو ساٹھ کوڑے مارے گئے۔[۴۹۵] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جو بھی نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ پر تہمت لگائے اس کے ساتھ ایسا کیا جائے۔

جلاوطنی کی سزا

نبی ﷺ نے حکم بن العاص کو طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا کیونکہ اس نے چال اور بعض حرکات میں آپ کی نقل اتاری تھی' آپ نے اسے سخت سست کہا اور جلاوطن کر دیا اور اس سے فرمایا: تم ایسے ہی ہو جاؤ' حکم پر

---

۴۹۲ بیہقی "السنن الکبرٰی" ج ۸ ص ۳۶' از طریق اوزاعی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود۔

۴۹۳ افک میں ملوث لوگوں کے بارے میں تفصیل کے لیے عمر بن شبہ کی کتاب "تاریخ المدینۃ المنورۃ" ج ۱ ص ۱۸۷۔۲۰۰ میں ہماری تخریج ملاحظہ کریں: ۶۷۸۔۶۷۹۔۶۸۰ تا ۶۹۰

۴۹۴ حسن کے مشابہ حدیث۔ ابوداؤد: ۴۴۷۴' ترمذی: ۳۱۸۱' ابن ماجہ: ۲۵۶۷' احمد ج ۶ ص ۶۱' عمر بن شبہ "تاریخ المدینۃ": ۶۹۲۔ از محمد بن عدی از محمد بن اسحاق از عبد اللہ بن ابی بکر از عمرۃ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے' صرف محمد بن اسحاق سے مروی ہے۔ ابوداؤد (۴۴۷۵) نے اسے محمد بن اسحاق سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

۴۹۵ ضعیف' شاذ حدیث' ان احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن میں ہے کہ نبی ﷺ نے افک میں ملوث لوگوں میں سے ہر ایک کو اسی (۸۰) کوڑے حد لگوائی طبرانی کی تینوں معاجم اور "مجمع الزوائد" میں مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔

رعشہ طاری رہتا تھا اور وہ ڈولتا رہتا تھا[۴۹۶] عبدالرحمٰن بن ثابت، مروان بن الحکم کو اس پر عار دلاتے ہوئے اس کی ہجو میں کہتا ہے:

''اس کا باپ لعین ہے اگر تو اس کی ہڈیوں کو پھینک دے، تو رعشہ زدہ دیوانے کی ہڈیوں کو پھینکے گا وہ تقویٰ کے اعمال سے خالی پیٹ چلتا ہے اور خبیث اعمال سے اس کا شکم سیر ہے''۔

ابن ابراہیم الوزیر نے ''الروض الباسم'' میں کہا ہے: نبی ﷺ نے اہل طائف کو یہ نہیں فرمایا کہ ان کے لیے الحکم، کی ہم نشینی حرام ہے اور اس کی جلاوطنی ضروری ہے حالانکہ وہ مسلمان تھے اور آپ کے احکام کے تعمیل میں دل و جان سے حاضر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں الحکم کو مدینہ طیبہ واپس بلا لیا۔ ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس کی اجازت تھی، دوسرے قول کے مطابق رشتہ داری اور سزا کا اختتام اس کا سبب تھے[۴۹۷]

ترکِ تعلق کی سزا

صحیح البخاری میں ہے حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن الربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم اپنی دین داری میں پختگی کے باوجود غزوۂ تبوک میں نبی ﷺ کے پیچھے رہ گئے، حالانکہ ان کا اسلام (نفاق کی) تہمت سے پاک تھا۔ غزوۂ تبوک سے واپسی پر لوگوں نے آپ سے عدم شرکت پر معذرت کی اور قسمیں کھائی، آپ ﷺ نے ان سے درگذر فرمایا، لیکن مذکور الصدر صحابہ نے سچ بتا دیا اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیا، آپ نے ان کی معذرت قبول نہ فرمائی اور صحابہ کرام سے فرمایا: ان تین افراد سے بات چیت بند کر دیں، یہ حضرات پچاس راتیں اسی حالت میں رہے۔ سیرت کی کتب اور صحیحین میں یہ واقعہ تفصیلاً مذکور ہے[۴۹۸] یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے ترک تعلق سے ان کی کیا کیفیت تھی اس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں آیا ہے:

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ	جب زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں، اور انہوں نے یقین کر لیا کوئی پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف۔ (التوبہ:۱۱۸)

[۴۹۶] نہایت ضعیف روایت۔ ''الاصابہ'' ج ۱ص ۳۴۵-۳۴۶ (رقم: ۱۷۸۱) میں ہے اسے بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے: اس کا اسناد محل نظر ہے۔ اسے بیہقی نے ''الدلائل'' میں اسی طریق سے روایت کیا ہے، اس میں ضرار بن صرد رافضی ہے۔

[۴۹۷] ''الاصابہ'' ج ۱ص ۳۴۶ بلا سند۔ اس میں 'یقال'' کو لفظ ضعف کا اشارہ کر رہا ہے۔

[۴۹۸] صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۴۱۸، مسلم: ۲۷۶۹، عبدالرزاق: ۹۷۴۴، ابن ابی شیبہ ج ۱۴ص ۵۴۰-۵۴۵، ترمذی ج ۲ص ۳۱۰، احمد ج ۵ ص ۳۸۷، طبری ''جامع البیان'': ۱۷۴۴۷، ابن حبان ''الاحسان'': ۳۳۷۰، بیہقی ''الدلائل'' ج ۵ص ۲۷۳-۲۷۹، از کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔

"بما رحبت" یعنی زمین کی وسعت کے باوجود ان کو ایسی جگہ نہیں ملی جس میں ان کا رنج وغم' پریشانی' اضطراب اور بے چینی دور ہو سکے اور ان کے دل توبہ کی قبولیت میں تاخیر کے باعث غم اور وحشت سے گھٹ رہے تھے وہاں خوشی' انس اور مسرت کا نام ونشان نہ تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' مجھے اپنی جانی پہچانی زمین بھی اجنبی لگتی تھی' باغات کے جانے پہچانے احاطے اور چاردیواریاں ہمیں اجنبی اور غیر مانوس نظر آتے تھے۔ یقیناً شدتِ غم اور مصائب میں ہر چیز ایسی ہی نظر آتی ہے یہاں تک کہ اپنی جان تک اجنبی لگتی ہے۔ ابن عائذ کی روایت میں ہے کہ سخت خوف اور گھبراہٹ کے باعث وہ راہبوں کی طرح ہو گئے تھے۔

امام بیہقی نے "الدلائل" میں کہا ہے: غزوۂ تبوک میں دس افراد رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے' جب آپ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے ان میں سے سات افراد نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا' رسول اللہ ﷺ مسجد سے اپنے واپسی کے راستہ پر جب ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں' یارسول اللہ! یہ غزوہ میں آپ سے پیچھے رہ گئے تھے' اب یہ بندھے ہوئے ہیں یہاں تک کہ آپ ان کو رہا کریں اور ان کی معذرت قبول فرمائیں' آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ان کو چھوڑوں گا نہ ان کی معذرت قبول کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو چھوڑے' انہوں نے مجھ سے روگردانی کی اور غزوہ سے پیچھے رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبہ:۱۰۲)

اور (کچھ) دوسرے ہیں انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا' انہوں نے کچھ نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں سے ملایا' قریب ہے کہ اللہ ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' نبی ﷺ نے لوگوں کو بھیجا کہ ان کو چھوڑ دیں اور ان کی معذرت قبول فرمالی لیکن ابولبابہ رضی اللہ عنہ صرف اس پر راضی ہوئے کہ حضور ﷺ خود بہ نفس نفیس اُن کو ستون سے آزاد کریں اور آپ نے خود ان کو آزاد کیا۔

جب مذکور الصدر تین اصحاب کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی خوشخبری دینے والے نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو پکار کر خوشخبری سنائی' حضرت کعب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے' حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو مبارک باد دی' رسول اللہ ﷺ کی مجلس کے شرکاء میں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور کعب رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دینے کو نہ اٹھا' رسول اللہ ﷺ نے کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں اس بہترین دن کی بشارت ہو جو تیری ولادت سے آج تک تجھ پر نہیں گزرا۔ امام نووی نے کہا: یعنی قبولِ اسلام کے دن کے علاوہ' آپ نے اس دن کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ اس کا افضل دن ہونا واضح اور معلوم تھا۔

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت حمزہ بن عمر الاسلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت حمزہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید میں ان کی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی تھی' حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے تن کے دو کپڑے ان کو دے دیئے' حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' بخدا! میرے پاس ان کے علاوہ کپڑے نہ تھے سو میں نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے عاریۃً لیے اور ان کو پہن لیا۔ اس واقعہ سے خوشخبری سنانے والے اور مؤثر انداز میں اشعار سنانے والے کے لیے اپنا لباس اتار کر دے دینے کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔

قاضی ابن بادیس کہتے ہیں: میں ۷۵۵ھ میں دورانِ حج مکہ مکرمہ میں تھا' بلادِ مصر کے قاضی القضاۃ عزالدین بن عبدالعزیز بن القاضی بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن جماعہ قدس شریف کے شیخ الحافظ صلاح الدین العلائی اور فضلاء کی دوسری جماعت بھی موجود تھی' حرم شریف میں سکونت پذیر ایک صوفی شیخ کے قصیدے کا یہ مصرعہ موضوع بحث بن گیا:

اے وہ رات! جس میں سعادت اور ارمان ہوں' اس کے مقابلے میں لیلۃ القدر بھی چھوٹی (کم تر) ہے۔

اس پر شہادتیں گذریں' وہاں موجود ساحلی علاقہ کے بعض علماء نے شیخ پر سختی کرنے کا فتویٰ دیا' بعض نے اس سے بھی زیادہ سزا دینے کو کہا۔ قاضی القضاۃ شیخ کو سزا دینے پر مائل نظر آنے لگے' مجھے شیخ صلاح الدین نے بتایا: میں برابر اس معاملہ میں غور کرتا رہا اور شیخ کی سلامتی کے راستوں کی جستجو میں رہا اور قاضی صاحب سے کہا: مجھے یہ پسند نہیں کہ آپ صوفیہ کے معاملات میں تعرض کریں اور تحقیق کے بغیر کسی معاملہ میں جلد بازی سے کام لیں اور رسول اللہ ﷺ کے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے لیے اس ارشاد سے میں نے دلیل پیش کی کہ آپ نے فرمایا: تمہیں اس دن کی خوشخبری ہو جیسا دن تم پر ولادت سے آج تک نہیں گذرا۔ حالانکہ ان ایام میں لیلۃ القدر بھی یقیناً گذر چکی تھی' رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب کے لیے توبہ کی قبولیت والی رات کو سب سے بہتر رات قرار دیا' گویا ہر شخص کی نسبت سے یہ خیر و بھلائی کا معیار ہے اور یہ اس شعر کے قائل کی مراد تھی۔[۴۹۹]

مؤلف کہتے ہیں: میں نے یہاں یہ فائدہ مندبات اس لیے ذکر کی ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ گذشتہ ادوار کے محدثین اور حفاظ نے صوفیہ کی شطحیات اور سنت میں ان کے مبالغہ پر چشم پوشی سے کیوں کام لیا تھا۔[۵۰۰]

ابن بادیس نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کا صحابہ کرام کو حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں سے کلام سے منع کرنے میں یہ دلیل ہے کہ معصیت کاروں اور بدعتیوں سے تعلقات منقطع کرنا واجب ہے اور ان کو بطور زجر و تحقیر سلام نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں اور معصیت و بدعت سے دست بردار ہوں۔

امام طبرانی کہتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث اہل معاصی' فاسق اور بدعتی سے ترک تعلق کی اصل

۴۹۹ـ تاویل باطل۔ صوفیہ کے ناقابل توجہ اقوال کی پردہ پوشی۔ لیلۃ القدر نزول قرآن کی مبارک عظیم الشان رات ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینوں پر فضیلت بخشی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر امام ابن کثیر'' سورۃ القدر''۔

۵۰۰ـ یہ حضرات محدث نہ تھے صرف حفاظ حدیث تھے' حدیث صحیح اور ضعیف میں تمیز ان کا کام نہ تھا' سو یہ اپنے ہم مشرب صوفیہ کے ہم خیال رہے۔

ہے' نبی ﷺ نے ان حضرات کے غزوہ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ان سے کلام کرنا ممنوع فرما دیا' حالانکہ یہ کفر اور ارتداد (مرتد ہونا) نہ تھا صرف معصیت تھی جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے' صحابہ کرام نے ان سے تعلق ترک کر دیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' پھر آپ نے حسبِ سابق ان سے تعلق قائم رکھنے کا حکم دیا' اسی طرح ہر وہ انسان جو بغیر کسی تاویل کے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو اور دیدہ دانستہ معصیت کرے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر غضب ناک ہوتے ہوئے اس سے تعلق ترک کر دیا جائے۔ اس سے گفتگو نہ کی جائے حتیٰ کہ وہ ظاہراً توبہ کرے' مشرکوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیونکہ ان کے ساتھ خرید و فروخت اور معاملات کے جواز پر اجماع ہے' ان سے ترکِ تعلق بھی نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات کو یہ سزا اس لیے دی کہ یہ صحابہ کرام توحید و رسالت کے اقراری تھے اور پھر ان سے یہ غلطی صادر ہوئی تھی۔

''تشنیف المسامع'' میں حدیث مبارکہ: کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زائد ترک تعلق کرے[۵۰۱] پر لکھا ہے کہ ابن زرقون نے ''شرح المؤطا'' میں کہا ہے: یہ حکم کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مخصوص ہے' اور وہ بدعتیوں سے ترک تعلق کی اصل اور بنیاد ہے اور اس شخص سے ترک تعلق کی اصل ہے جس نے دین میں ناپسندیدہ چیزیں پیدا کیں' یا جس کی ہم نشینی دین میں ضرر کا خدشہ رکھتی ہو یا دنیاوی نقصان کا موجب ہو' یا اس سے دشمنی اور عداوت زیادہ ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص سے ترکِ تعلق کرنا اور دور رہنا اس کے قرب سے بہتر ہے کہ اس طرح آپ لغزشوں سے بچیں گے اور صواب کی راہوں میں گامزن ہوں گے' بسا اوقات نقصان دہ چیزوں اور اشخاص کے قرب سے ان سے الگ تھلگ رہنا بہتر ہوتا ہے۔

''الاحیاء'' کی کتاب العزلۃ میں حدیث مبارکہ: کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زائد چھوڑے رکھے۔ پر کہا ہے: مگر یہ کہ اس کی فتنہ سامانیوں سے امن نہ ہو (پھر اس سے تین دن سے زائد بھی ترک تعلق کر سکتا ہے)۔ حسن بصری کا یہ قول اسی مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ احمق سے ترک تعلق اللہ کا قرب ہے' وہ موت کی طرف رواں دواں ہے اور حماقت لاعلاج مرض ہے۔

ابن فرحون نے ''التبصرہ'' میں کہا ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ سے پیچھے رہ جانے والوں کو ترکِ تعلق کی سزا دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ کو ترک تعلق کی سزا دی کہ موصوف مشکلاتِ قرآن کے متعلق بحث کرتے تھے پھر ان سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

امام ابوداؤد نے حدیث مبارکہ: ہر پیر اور جمعرات کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ اس دن میں ہر اس شخص کی مغفرت فرماتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کرتا' مگر وہ شخص جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان بغض و عداوت ہو' اللہ فرماتا ہے: ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ دونوں صلح کر لیں۔[۵۰۲] پر کہا ہے کہ اگر ترک

---

[۵۰۱] صحیح حدیث۔ ''موطا'' مالک ج ۲ ص ۹۰۷' بخاری: ۶۲۳۷' مسلم: ۲۵۶۰' ابوداؤد: ۴۹۱۱' ترمذی: ۱۹۳۲' از ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔

[۵۰۲] صحیح حدیث۔ مالک ''الموطا'' ج ۲ ص ۹۰۹' مسلم: ۲۵۶۵' ابوداؤد: ۴۹۱۶' ترمذی: ۲۰۲۳' ابن ماجہ ۳۰۷' طبرانی ''الاوسط''۔ از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے طبرانی کی روایت کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔

تعلق اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس پر یہ وعید نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے چالیس راتیں تعلق منقطع رکھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مرتے دم تک اپنے ایک بیٹے سے ترک تعلق جاری رکھا۔[۵۰۳]

علامہ نووی کہتے ہیں: بدعتیوں' فاسقوں اور مخالفین سنت سے ترک تعلق کے بارے میں احادیث وارد ہیں۔
الزرقانی نے ''الموطا'' پر لکھا ہے اور اس کی اصل حافظ سیوطی کے پاس ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین اور بعد میں آنے والے حضرات مخالفین سنت اور فاسد نظریات کے حامل لوگوں سے تعلق ترک کردیتے تھے۔
الحطاب میں التادلی کا یہ قول مذکور ہے کہ جس کی دوستی اور تعلق میں دینی مفاد غیر واضح ہو' اگرچہ وہ آپ سے دوستی اور تعلق کا خواہش مند ہو تب بھی اس سے تعلق نہ رکھو کیونکہ دوستی کا مفاد دل و دماغ کی پاکیزگی اور عمدگی ہے اور جو شخص بظاہر دوستی اور مودّت کا اظہار کرے اور دل میں کینہ رکھے اس سے ترکِ تعلق لازم ہے۔
''الغاز ابن فرحون'' میں ابوبکر الوراق کی جامع مختصر الکبیر کے حوالہ سے مذکور ہے کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کو میرا سلام کرنا گراں گزرتا ہے تو اس کے لیے ترکِ سلام جائز ہے اور یہ حدیث مبارکہ میں ممنوع ترک تعلق میں داخل نہیں ہے۔ (الجامع من درۃ الغواص)

میرے پاس حافظ سیوطی کے مجموعۂ رسائل میں ''الزجر فی الھجر'' نامی رسالہ موجود ہے جس کی ضخامت ایک کاپی کے برابر ہے اس میں انہوں نے ایسی احادیث نقل کی ہیں اور روایت کی ہیں جن سے اللہ کے لیے ترکِ تعلق کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کا قول اور عمل میں بدعت کے مرتکب لوگوں سے ترکِ تعلق اور تابعین وغیرہ کا یہی طرزِ عمل منقول ہے۔ حافظ سیوطی نے رسالہ کے شروع میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ لکھا ہے اور اس میں کہا ہے کہ بعض علماء نے ان حضرات صحابہ کے اسماء گرامی جمع کیے ہیں جنہوں نے بطور زجر و توبیخ تعلق ختم کرلیا' ان میں حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عمار بن یاسر' حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ کو ذکر کیا۔
نیز السید السمہودی کی ''جواھر العقدین فی فضل الشرفین'' کی ابتدا میں آپ کو عجیب باتیں ملیں گی' تاہم شیخ جسوس نے یہاں بدعتی سے ترک تعلق کی بحث پر کہا ہے کہ جب کوئی شخص بدعتی کو سزا نہ دے سکے اور اس کو وعظ و نصیحت نہ کرسکے بلکہ اسے خدشہ ہو کہ اگر اس نے اس بدعتی سے ترکِ تعلق کیا اور اس سے ملنا ملانا چھوڑا تو اسے نقصان پہنچے گا تو اس کے لیے اس سے تعلق رکھنے اور ملنے ملانے کی اجازت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا کسی سے چیں بہ جبیں ہونا اور تیوری چڑھانا

''الموطا'' میں بروایت ہشام بن عروہ از والد خود موقوفاً اور ترمذی میں از طریق سعد بن یحییٰ الاموی از والد خود از ہشام از والد خود موصولاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''عبس و تولی'' حضرت عبداللہ بن ام

۵۰۳ سنن ابوداؤد: ۴۹۱۶۔

مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی' وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے محمد! میری رہنمائی فرمائیں اور آپ کے پاس مشرکوں میں سے ایک سردار بیٹھا تھا۔[۵۰۴] مسند ابویعلیٰ میں ہے یہ ابی ابن خلف تھا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے آپ عتبہ بن ربیعہ' ابوجہل بن ہشام اور عباس بن عبد المطلب سے رازدارانہ گفتگو فرما رہے تھے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض فرمایا اور دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابوفلاں! تجھے میرے قول میں کوئی حرج نظر آتا ہے؟ وہ کہتا: نہیں خونوں کی قسم! میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا' تب یہ آیت نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ چیں بہ جبیں ہوئے اور (انہوں نے) منہ پھیرا ۝

(عبس: ۱۔۲) اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا حاضر ہوا ۝

امام فخر الدین الرازی اپنی تفسیر میں سورۂ عبس میں لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اس بات کی اجازت تھی کہ آپ حسب مصلحت صحابہ کرام کے ساتھ جیسا چاہیں معاملہ فرمائیں' یہ کیسے نہ ہوتا آپ تو ان کو باادب بنانے اور محاسنِ آداب کی تعلیم دینے کو مبعوث فرمائے گئے تھے' جب حقیقت یہ ہے تو پھر آپ کا چیں بہ جبیں ہونا بھی صحابہ کی تادیب میں داخل تھا' سو اس پر سورۂ عبس کی مذکورہ بالا آیات میں عتاب واقع ہونے کا کیا مطلب؟[۵۰۵] امام رازی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: یقیناً نبی ﷺ کو اپنے اصحاب کی تادیب کی اجازت تھی لیکن یہاں چونکہ اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرنے کا واہمہ پیدا ہوتا تھا اور اس سے دین پر دنیا کی ترجیح کا وہم ہوسکتا تھا اس لیے یہ عتاب نازل ہوا۔

لطیفہ

علامہ الصلاح الصفدی نے "نکت الھمیان" (ص۲۷) میں' اس جواب پر کہا ہے کہ اس میں دنیا کو دین پر مقدم کرنے کا وہم پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ کفار تھے اگر وہ اسلام قبول کر لیتے تو ان کے اسلام کی وجہ سے ان کے پیروکاروں اور ازواج کی بڑی تعداد مسلمان ہوجاتی' اسی حقیقت کے پیش نظر نبی ﷺ کو ان کا اسلام لانا مرغوب تھا اور یہ عین دین ہے۔

ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی عزت کرتے تھے۔[۵۰۶] علامہ صلاح الصفدی کی "نکت الھمیان" وغیرہ میں ہے کہ

---

۵۰۴ مالک "الموطا" ج۱ص۲۰۳' از ہشام بن عروہ از والد خود' مرسلاً۔ ترمذی: ۳۳۳۱' حاکم ج۲ص۵۱۴' الواحدی "اسباب النزول" (رقم: ۸۴۵) از عائشہ رضی اللہ عنہا موصولاً۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ حاکم نے "مستدرک" میں کہا ہے: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ ذھبی نے "التلخیص" میں اسے مرسل کہا ہے۔

۵۰۵ طبری "جامع البیان": ۳۶۳۱۸' از ابن عباس رضی اللہ عنہما موقوفاً۔ ابن کثیر ج۴ص۴۲۶ بحوالہ ابن مردویہ۔ ابن کثیر کہتے ہیں: اس روایت میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کے اسناد میں گفتگو کی گئی ہے۔

۵۰۶ ابویعلیٰ: ۳۱۲۳' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں محمد بن مہدی کو میں نہیں پہچانتا۔ اگر اس سے مراد محمد بن مہدی الایلی ہے جس کا ابن ابی حاتم نے ج۸ص۱۰۶ میں تذکرہ کیا ہے تو وہ ثقہ ہے' کیونکہ اس سے ابوزرعہ نے روایت کیا ہے اور ابوزرعہ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں' ہیثمی نے "مجمع الزوائد" ج۱۰ص۳۹۴ میں اسے ثقہ کہا ہے۔ حافظ سیوطی نے "الدر المنثور" ج۶ ص۳۱۴' اس روایت کو عبد الرزاق' عبد بن حمید اور ابویعلیٰ کے حوالہ سے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی ﷺ جب ان کو دیکھتے تو فرماتے: اس کو خوش آمدید جن کی وجہ سے میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا اور دریافت فرماتے: تمہاری کوئی حاجت ہے؟ اور آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دوبار مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔

مؤلف کہتے ہیں: بلکہ علامہ السفارینی کی ''شرح منظومۃ الآداب'' میں الخطابی کی کتاب الامارۃ میں نابینا کی ولایت کے باب سے منقول ہے کہ جب ابن ام مکتوم آتے نبی ﷺ کھڑے ہوتے اور فرماتے: اسے خوش آمدید جس کی وجہ سے میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا[۵۰۷] لیکن الخطابی کے علاوہ دیگر حضرات نے قیام کے لفظ کے بغیر یہ حدیث ذکر کی ہے۔ (دیکھئے شرح منظومہ ج ا ص ۲۷۹)

نکتہ

امام ابن جریر نے ابن زید سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: یہ کہا جاتا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی سے کسی چیز کو چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے۔

دوسرا نکتہ

''الاحیاء'' (ج ۶ ص ۱۵۷) کی کتاب السماع میں ارشادِ باری:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ. اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں۔

(لقمان: ۶)

کے تحت لکھا ہے: اگر قرآن مجید اس لیے پڑھا جائے تا کہ لوگوں کو راہِ خدا سے بھٹکایا جائے تو ایسی قرأت حرام ہے۔ جیسا کہ ایک منافق کے بارے میں ہے کہ وہ لوگوں کی امامت کرتا تھا اور صرف سورۂ عبس پڑھتا تھا کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے عتاب ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے اس فعل کو حرام سمجھا کہ منافق اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا تھا۔

''مختصر ابن ابی جمرہ'' پر الجاجی میں ابن فرحون سے منقول ہے کہ امام کے لیے ہمیشہ کسی ایسی معین سورت کی قرأت جائز نہیں جس سے اس کا ارادہ لوگوں کو گمراہ کرنا ہو جیسے سورۂ عبس کی قرأت، آیت جہاد یا ان جیسی آیات کی قرأت۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الغاز ابن فرحون)

نکتہ

میرے شیخ اور والد محترم رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے کسی مرید کو ڈانٹ دیا، ان کو بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی کی غلطی پر اسے روبرو نہیں ڈانٹتے تھے بلکہ آپ فرماتے: لوگوں کا کیا حال ہے۔ میں نے معترض کے جواب میں صحیح البخاری میں مروی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہارے اندر دورِ جاہلیت کی خصلتوں میں سے ایک خصلت موجود ہے[۵۰۸] نیز حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

۵۰۷۔ الواحدی ص ۴۷۱ بلا اسناد، ''الدر المنثور'' ج ۶ ص ۵۱۸-۵۱۹، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۰۳، تفسیر القرطبی ج ۱۹ ص ۱۸۵ (رقم: ۶۲۳۹) تحقیق عبدالرزاق المہدی۔

۵۰۸۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰-۲۵۴۵-۶۰۵۰، مسلم: ۱۶۶۱، ابوداؤد: ۵۱۵۷، ترمذی: ۱۹۴۶، احمد ج ۵ ص ۱۶۱ از ابوذر رضی اللہ عنہ۔

پر چین بہ جبیں ہوئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حسب حال مختلف اشخاص سے مختلف رویہ ہوتا تھا' بعض سچے محب اور غیر متزلزل اعتقاد والے ہوتے اور بعض مذبذب گومگو میں مبتلا' آپ ان کے مرتبہ اور ایمان میں پختگی کے مطابق ان سے مخاطب ہوتے تھے۔ واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ کا بذاتِ خود قتل کرنا

نبی ﷺ نے غزوۂ احد میں بذاتِ خود ابی بن خلف کو قتل کیا' آپ نے حضرت حرث بن الصمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے حربہ (برچھی' نیزہ) لیا' آپ نے اسے ایسی حرکت دی کہ سب لوگ اس طرح اڑ کر بھاگے جیسا کہ کاٹنے والی مکھی اونٹ کی پیٹھ سے اس وقت بھاگتی ہے جب اونٹ اپنی حرکت سے اسے بھگاتا ہے' پھر رسول اللہ ﷺ اس کے سامنے آئے اور اس کی گردن میں نیزہ مارا' ابی اپنے گھوڑے سے گر گیا اور اس کی پسلی ٹوٹ گئی اور وہ واپسی میں مقام سرف (مکہ مکرمہ سے چھ میل کا فاصلہ) میں مر گیا۔[۵۰۹]

حافظ الباہلی نے اپنی سیرت کی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے بذاتِ خود ابی کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کیا' اس کی اصل ابن تیمیہ کے ہاں ہے جیسا کہ زرقانی نے "المواھب" میں الجزء الاول ص ۵۶' الجزء الثانی ص ۵۴ اور الجزء الرابع ص ۳۰۴ میں اسے نقل کیا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یوسف الکاتب الخوارزمی نے "مفاتیح العلوم" میں نجاشی شاہِ حبشہ کی طرف سے بطور تحفہ پیش کردہ حربہ (نیزہ' برچھی) کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب آپ نماز عید کے لیے عیدگاہ کو تشریف لے جاتے' خادم یہ نیزہ لے کر آپ کے آگے چلتا' مزید کہا: یہ وہی نیزہ ہے جس سے احد کے روز نبی ﷺ نے ابی بن خلف کو قتل کیا تھا' اس کو عنزہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے اسی حبشی نیزہ سے اُبَی کو قتل کیا تھا۔

نبی ﷺ کی طرف سے جلانے اور منہدم کرنے کی سزا اور اس پر مامور حضرات

ابن ہشام نے عبداللہ بن حارثہ سے اس کے والد اور اس کے دادا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی' کچھ لوگ سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اس کا گھر جاسوم میں تھا' یہ لوگوں کو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے روکتے ہیں' آپ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو چند لوگوں کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں جمع لوگوں پر سویلم کے گھر کو جلا دیں' انہوں نے یہی کیا' ضحاک بن خلیفہ گھر کے

۵۰۹۔ "السیرۃ النبویۃ" ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴ بلا اسناد۔

پچھواڑے سے کودا تو اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے سب ساتھی وہاں سے نکل بھاگے۔[510]

غزوۂ تبوک میں مسجد ضرار کے متعلق آپ پر آسمان سے وحی نازل ہوئی' آپ نے حضرت مالک بن الدخشم اور معن بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہما کو بلا کر حکم دیا اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں اور اس کو منہدم کر کے آگ لگا دو' ان صحابہ نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مسجد ضرار کو گرا کر نذر آتش کر دیا۔

ایک روایت میں ہے آپ نے حضرت مالک' حضرت معن اور ان کے بھائی کو طلب فرمایا' بغوی نے یہ زیادہ کیا ہے اور حضرت عامر بن السکن اور حضرت حمزہ کے قاتل حضرت وحشی کو' اور التجرید میں ہے: حضرت سوید بن عباس الانصاری رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلا کر فرمایا: اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں اور اسے زمین بوس کر کے جلا دو۔

علامہ زرقانی نے ''شرح المواھب'' میں لکھا ہے: ممکن ہے حضور ﷺ نے پہلے دو حضرات کو بھیجا ہو اور ان سے بصیغۂ تثنیہ خطاب فرمایا ہو پھر آپ نے ان کی تقویت کے لیے چار اور اصحاب کا انتخاب فرمایا ہو اور ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا' سو بعض راویوں نے پہلے ارشاد اور بعض نے دوسرے ارشادِ گرامی کے کلمات نقل کر دیئے۔ ابن اسحاق نے کہا: یہ دو صحابہ حضرت مالک بن الدخشم رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو سالم بن عوف میں آئے' حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت معن رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ذرا انتظار کریں میں اپنے گھر سے آگ لاتا ہوں وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور کھجور کی شاخ کو آگ لگائی اور پھر دوڑتے ہوئے مسجد ضرار میں داخل ہوئے' اس میں سازشی موجود تھے' ان حضرات نے مسجد کو آگ لگا دی اور اسے منہدم کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے یہ چھ حضرات جلدی سے روانہ ہو کر بنو سالم کے محلّہ میں آئے' حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے کھجور کی شاخ لے کر اس کو آگ لگائی اور مغرب وعشاء کے درمیان دوڑتے ہوئے مسجد ضرار میں آئے' وہاں اس کے بانی موجود تھے' صحابہ نے مسجد کو آگ لگا دی اور اسے زمین کے برابر کر دیا' سازشی بھاگ گئے۔[511] مزید تفصیل القسم التاسع کے باب البناء والصناعۃ میں ملاحظہ کریں۔

صحیح البخاری میں ہے نبی ﷺ نے بنونضیر کے کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا۔[512] امام ابو عبداللہ بن غازی نے ''تکمیل التقیید'' میں ''المدونہ'' کی عبارت ''نبی ﷺ بنونضیر کے کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے اور ان کی بستی کو آگ لگا دی''۔ پر لکھا ہے: ابن وہب نے روایت کیا ہے نبی ﷺ نے البویرہ میں بنونضیر کی کھجوریں کاٹ دیں۔ اس بارے میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

اور بنولؤی کے سرداروں کو بویرہ میں پھیلی ہوئی آگ نے ذلیل و رسوا کر دیا۔

اس موضوع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا صرف یہی ایک بیت منقول ہے' اسی لیے شیخ ابو الفضل بن النحوی کہتا ہے:

---

510 ''السیرۃ النبویۃ'' ابن ہشام ج ۲ ص ۵۱۷' ضعیف روایت۔ اس میں کئی مجاہیل ہیں۔

511 ''السیرۃ النبویۃ'' ج ۲ ص ۵۲۹۔۵۳۰' بلا سند۔

512 صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۲۱' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

تو نے ان لوگوں میں صبح کی جن میں دین تھا ادب نہ تھا اور ان لوگوں میں جن میں ادب تھا دین نہ تھا'
تو نے ان میں اجنبی اور اکیلے پن میں صبح کی' جس طرح دیوان سخنون میں حضرت حسان کا بیت ہے۔

آنکھیں پھوڑنے' دھوپ میں ڈالے جانے اور ہاتھ پیر کٹوانے کے سزایافتہ

عرنیوں کا واقعہ مشہور ہے' اسے امام بخاری نے متعدد مقامات پر روایت کیا ہے' ہم یہ روایت صحیح البخاری کے ''باب ابوال الابل والدواب والغنم ومرابضھا'' سے نقل کر رہے ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قبیلہ عُکل یا عرینہ[۵۱۳] کے چند لوگ آئے' ان کو مدینہ طیبہ کی آب وہوا راس نہ آئی' نبی ﷺ نے ان کو اونٹنیوں کی چراگاہ میں جانے اور ان کے دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا' وہ وہاں گئے جب تندرست ہو گئے' انہوں نے نبی ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے گئے' دن کے شروع میں یہ خبر آئی تو ہم ان کی تلاش میں نکلے' جب سورج بلند ہوا ان کو لایا گیا آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے' آنکھیں پھوڑنے[۵۱۴] اور پتھریلی زمین میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ وہ پانی مانگتے تھے ان کو پانی نہیں دیا جاتا تھا' اوزاعی نے کہا: یہاں تک کہ وہ مر گئے[۵۱۵]

مسند ابوعوانہ میں عقیل از انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان میں دو کو پھانسی دی گئی' دو کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور دو کی آنکھیں پھوڑی گئیں۔ اگر یہ روایت محفوظ ہے تو پھر اس کا مطلب ہے ان کی سزا الگ الگ تھی۔ ابن جوزی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے: بطور قصاص یہ سزا دی گئی تھی' صحیح البخاری میں ابوقلابہ سے مروی ہے کہ ان لوگوں نے چوری کی' قتل کیا' ایمان کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے عرنیوں کی آنکھیں اس لیے پھوڑیں کیونکہ انہوں نے چرواہوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں[۵۱۶] اس روایت کی طرح امام بخاری نے کتاب الجہاد میں درج ذیل عنوان قائم کر کے اشارہ کیا ہے ''جب مشرک کسی مسلمان کو جلا دے کیا اسے جلایا جائے گا؟'' کہا گیا ہے کہ ان کو پیاسا رکھنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کا کفران کیا' انہوں نے اونٹنیوں کے دودھ پی کر شفاء حاصل کی' ان کی بھوک مٹی اور بدہضمی وغیرہ دور ہوئی' اس کے باوجود انہوں نے یہ حرکت کی۔ حضور ﷺ نے اس کے خلاف پیاسا ہونے کی دعا کی جس نے آپ کے اہل بیت کو پیاسا رکھا۔ (نسائی) ممکن ہے وقوعہ کی رات معمول کے مطابق چراگاہ سے نبی ﷺ کے لیے دودھ نہ پہنچا ہو۔ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں ابن سعد سے یہی

---

۵۱۳ عرینہ' بجیلہ کا ایک قبیلہ ہے اور عکل' تیم الرباب کا ایک قبیلہ ہے۔

۵۱۴ ان کی آنکھیں اس لیے پھوڑی گئیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے چرواہے کی آنکھیں پھوڑ دی تھیں۔ (مسلم: ۱۶۷۱)

۵۱۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۳۳۔ ۱۵۰۱۔ ۳۰۱۸۔ ۴۱۹۲۔ ۴۶۱۰۔ ۵۶۸۵۔ ۵۶۸۶۔ ۵۷۲۷۔ ۶۸۰۲ تا ۶۸۰۵۔ ۶۸۹۹' مسلم: ۱۶۷۱' ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۷۵' عبدالرزاق: ۱۷۱۳۲' احمد ج ۳ ص ۱۰۷۔ ۱۶۱۔ ۱۹۸۔ ۲۰۵' ابوداؤد: ۴۳۶۴' ترمذی: ۷۲' نسائی ج ۱ ص ۱۶۰۔ ۱۶۱' ج ۷ ص ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۷' دارقطنی ج ۱ ص ۱۳۱' طحاوی ''المشکل'' ج ۱ ص ۱۰۷۔ ج ۳ ص ۱۸۰' ابن حبان ''الاحسان'': ۱۳۸۶' البغوی ''شرح السنۃ'': ۲۵۶۹ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۵۱۶ مسلم: ۱۶۷۱' از انس رضی اللہ عنہ۔

نقل کیا ہے کہ ہر رات کی طرح اس رات نبی ﷺ کے پاس چراگاہ سے اونٹنیوں کا دودھ نہیں پہنچا اور آپ پیاسے رہے۔

طبرانی‘ الباوردی اور ابن عدی وغیرہ نے از طریق زید بن الحریش از عبید اللہ بن عمر از ایوب از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک چور کو لایا گیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا‘ وہ شخص اجنبی تھا سخت سردی کا زمانہ تھا‘ فاتک نام کے ایک صاحب اٹھے انہوں نے اس پر خیمہ لگا دیا اور تھوڑی سی آگ جلا دی۔ نبی ﷺ باہر تشریف لائے‘ آپ کو خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! فاتک کی مغفرت فرما جس طرح اس نے تیرے اس مصیبت زدہ بندے کو پناہ دی ہے۔[۵۱۷]

انتباہ

علامہ الخفاجی اور ابن السلام بنانی الفاسی دونوں نے ’’الشفاء‘‘ کی شرح میں لکھا ہے کہ العتبی سے ارشادِ باری تعالیٰ:

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ. (المائدہ:۴۴) بے شک ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ:

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ. (الحدید:۲۵) اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی سخت (جنگی) قوت ہے۔

کے متعلق سوال کیا گیا کہ تورات اور لوہے کے درمیان کیا مناسبت ہے کہ دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوا ہے یہ تو بالکل ایسے ہے جیسے گوہ اور مچھلی کو ایک ساتھ ذکر کیا جائے‘ اس نے جواب دیا کہ بادشاہوں کے بادشاہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنے بندوں میں اوامر ونواہی کے اجراء کے لیے بھیجا‘ بندے دو طرح کے تھے: عقلمند‘ صاحب بصیرت ان کی تعلیم اور رہنمائی کے لیے قطعی دلائل سے مزین آسمانی کتابیں نازل ہوئیں‘ بندوں کی دوسری قسم جہلاء پر مشتمل تھی جو جبر اور نیزوں اور تلواروں سے مطیع ہوتے ہیں سو ان کے لیے لوہا اتارا‘ پس ان آیات میں مناسبت یہ ہوئی کہ ہم نے ہر عام اور خاص کے لیے آپ ﷺ کو بھیجا ہے‘ اس سے بڑی مناسبت اور کیا ہو؟

قیدیوں کے نگران

’’الاصابہ‘‘ میں اسلم بن بجرہ الانصاری کے تذکرہ میں طبرانی کی المعجم الصغیر کے حوالہ سے از طریق زبیر بن بکار از عبد اللہ بن عمرو الفہری از محمد بن ابراہیم بن محمد بن اسلم از والد خود از جد خود حضرت اسلم الانصاری رضی اللہ عنہ

۵۱۷ ضعیف حدیث۔ اسے طبرانی‘ الباوردی اور ابن عدی نے روایت کیا ہے۔ ’’الاصابہ‘‘ ج ۳ ص ۱۹۸ (رقم: ۶۹۴۹) اس کے اسناد میں زید بن الحریش مجہول ہے (الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۵۶۱‘ رقم: ۲۵۳۷) ابن ابی حاتم زید کی جرح یا تعدیل کے بارے میں خاموش ہیں۔

مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے (حضرت اسلم کو) بنوقریظہ کے قیدیوں پر نگران مقرر فرمایا تھا۔[۵۱۸]

''الاصابہ'' (ج اص ۱۴۱) میں حضرت بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد بدیل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اس کو جعرانہ میں مال غنیمت اور قیدیوں کو جمع رکھنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ آپ وہاں تشریف لائیں' انہوں نے یہ ذمہ داری نبھائی۔[۵۱۹] حافظ ابن حجر نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔

''الاصابہ'' ہی میں حضرت مسلم بن اسلم بن بجرۃ الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ ابن ابی عاصم نے ان سے روایت کیا ہے: نبی ﷺ نے ان کو بنوقریظہ کے قیدیوں پر مقرر فرمایا تھا وہ بالغ لڑکوں کو کم سنوں سے الگ کرتے جاتے تھے اور ان کی گردنیں ماری جارہی تھیں۔[۵۲۰] طبرانی نے یہ روایت احمد بن المعلی کے طریق سے ہشام سے نقل کی ہے۔

''طبقات ابن سعد'' میں ہے نبی ﷺ نے المریسیع کے قیدیوں کی مشکیں کس کے ایک طرف جمع کرنے کا حکم دیا اور حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ کو ان پر نگران مقرر فرمایا۔ طبقات ابن سعد ہی میں رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ آپ نے شقران کو مریسیع کے باسیوں کے ٹھکانوں سے حاصل ہونے والی معمولی اشیاء ہتھیاروں' اونٹوں' بکریوں اور ان کے بچوں کو ایک کونے میں جمع کرنے اور ان کی نگرانی کرنے کا حکم دیا۔[۵۲۱]

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حدود نافذ کرنے والے صحابہ

ابن العربی نے ''الاحکام'' میں کہا ہے: حدود کی دو قسمیں ہیں ان کا فیصلہ کرنا اور ان کا اجراء اور نفاذ یہ قاضیوں کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لیے ایک جماعت مقرر فرمائی تھی جن میں حضرت علی اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

حالتِ جنگ میں دشمن کے درخت کاٹنے پر عامل کا تقرر

''الاصابہ'' میں عبدالغنی بن کعب المزنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولیلی

---

[۵۱۸] نہایت ضعیف حدیث۔ طبرانی ''المعجم الصغیر'' ''المعجم الاوسط'' (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۴۱) از اسلم انصاری۔ ہیثمی کہتے ہیں: اس میں متعدد ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔ (الاصابہ ج ا ص ۳۷' رقم: ۱۲۵)

[۵۱۹] حسن حدیث۔ بخاری ''تاریخ'' بغوی۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۴۱۴' رقم: ۷۹۶۳) از طریق ابن اسحاق۔

[۵۲۰] ضعیف حدیث۔ ابن ابی عاصم (الاصابہ ج ۳ ص ۴۱۴' رقم: ۷۹۶۳) از ہشام بن عمار از اسماعیل بن عیاش۔ اس کے اسناد میں ہشام بن عمار ہے بڑھاپے میں ان کا حافظہ صحیح نہیں رہا' ان کی بڑھاپے سے قبل کی ہوئی روایت اصح ہے (التقریب: ۷۳۲۹) اس کا ایک اور راوی اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ اموی متروک ہے۔ (التقریب: ۳۶۸)

[۵۲۱] منقطع روایت۔ طبقات ابن سعد (الاصابہ ج ۲ ص ۱۵۳' رقم: ۳۹۱۶)

المزنی اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کو بنو نضیر کے کھجوروں کے درخت کاٹنے پر عامل مقرر فرمایا تھا۔

القسم الخامس

جنگی کارروائیاں
اورسالارانِ لشکر

مجاہدین کے سالار

فصل اوّل: رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد اور بہ نفس نفیس قیادت

''الاستیعاب'' میں ہے کہ اس بارے میں اکثریہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے بہ نفس نفیس چھبیس غزوات میں شرکت فرمائی ہے' ان غزوات میں اللہ تعالیٰ' اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے نزدیک سب سے زائد عزت و حرمت اور شرف وفضیلت والا غزوہ' غزوۂ بدر ہے۔ اس غزوہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار اور بہادر مارے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ عطا فرمایا۔

مصر کا امیر الشعراء احمد بک شوقی متوفی ۱۹۳۲ء اپنی سیرت کی کتاب میں غزوات پر بعض نادانوں کی طرف سے اعتراض کے جواب میں کہتا ہے:

''لڑائیوں اور جنگوں سے اللہ کے رسولوں کا کیا واسطہ' وہ قتل کرنے اور خون بہانے کو نہیں بھیجے جاتے'
یہ جہالت' مغالطے پر مبنی قول اور بے حقیقت گمراہی ہے' قلم اور کتاب کے بعد تلوار ہی فتح کا سبب ہے۔
ہر صاحب عقل اور شریف فضل و احسان سے رام ہوتا ہے لیکن جہلاء اور عامی لوگ تلوار کے بغیر نہیں سنورتے۔
شر کے مقابلہ میں اگر آپ خیر سے کام لیں گے مشکلات ہوں گی' لیکن شر تلوار اور قوت بازو سے ختم ہو جاتا ہے۔
پیغمبرانِ گرامی نے ہر چیز کی تعلیم دی یہاں تک کہ خود جہاد فرما کر اس میں رائج برائیوں سے آگاہ فرمایا''۔

فصل دوم: رسول اللہ ﷺ کے سرایا کی تعداد اور ان کے امراء

''الاستیعاب'' میں علامہ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا ہے کہ آپ کے سرایا اور طلایہ گردی کے لیے روانہ کردہ دستوں کی تعداد پینتیس (۳۵) ہے' حافظ الدمیاطی نے ان کی تعداد چھپن (۵۶) ذکر کی ہے' دوسرے اقوال کے مطابق یہ تعداد اڑتالیس (۴۸)' سینتالیس (۴۷) یا چھتیس (۳۶) ہے۔

غزوات وغیرہ میں تشریف لے جاتے وقت نائبین کا تقرر

رسول اللہ ﷺ ہر غزوہ میں تشریف لے جاتے وقت مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرماتے تھے' آخری غزوہ' غزوۂ تبوک میں آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔

''الاصابہ'' میں ابن عبدالبر اور علم الانساب کے ماہرین اور سیرت نگاروں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو تیرہ مرتبہ اپنا نائب مقرر فرمایا' غزوۂ تبوک' حجۃ الوداع اور غزوۂ بدر کے موقع پر بھی ابن ام مکتوم مدینہ طیبہ میں آپ کے نائب اور خلیفہ تھے۔ البتہ غزوۂ بدر کے موقع پر آپ نے راستے سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر واپس بھیجا تھا۔

''الاصابہ'' ہی میں حضرت جعال بن سراقہ الضمری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن اسحاق سے منقول ہے کہ جب شعبان ۶ ھ میں رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنو المصطلق کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے مدینہ طیبہ پر

حضرت جعال الضمری رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا۔[۵۲۲]

حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے نبی ﷺ جب غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔[۵۲۳]

حضرت ابو رہم الغفاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ فتح مکہ کے موقع پر ان کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔[۵۲۴]

''المواھب'' اور اس کی شرح میں ہے بقول ابن ہشام غزوۂ تبوک میں نبی ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ علامہ الدمیاطی' واقدی کی اتباع میں کہتے ہیں: ان کے نزدیک یہ قول ان اقوال سے زیادہ پختہ اور مضبوط ہے جن میں حضرت علی یا حضرت سالم یا حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہم کے نائب بنانے کا ذکر ہے۔

لیکن حافظ العراقی نے ''شرح التقریب'' کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ غزوۂ تبوک کے سوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے' اس غزوہ میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ اسے عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: جب رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف نکلے' آپ نے مدینہ طیبہ پر علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔[۵۲۵]

''الاستیعاب'' میں ہے' مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد اپنے اکثر غزوات میں رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نائب بناتے تھے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی ''محاضرات الابرار'' (ص ۲۸) میں ہے غزوات یا عمرہ کے لیے تشریف لے جانے کی صورت میں مدینہ طیبہ پر نبی ﷺ کے عامل مندرجہ ذیل اصحاب ہیں: حضرت ابولبابہ' حضرت بشیر بن المنذر' حضرت عثمان بن عفان' حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم' حضرت ابوذر' حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول' حضرت سباع بن عرفطہ' حضرت نمیلہ بن عبداللہ اللیثی' حضرت عریف بن اضبط الدیلمی' حضرت ابورہم' حضرت محمد بن مسلمہ الانصاری' حضرت زید بن حارثہ' حضرت سائب بن عثمان بن مظعون' حضرت ابوسلمہ بن عبد

---

۵۲۲ الاصابہ ج ۱ ص ۲۳۵' رقم: ۱۱۵۵۔

۵۲۳ صحیح حدیث۔ احمد ج ۲ ص ۳۴۵۔۳۴۶' بخاری ''تاریخ صغیر'' ج ۱ ص ۱۸' طیالسی: ۲۳۶۳' حاکم ج ۳ ص ۳۶۔۳۷' بیہقی ''دلائل'' ج ۴ ص ۱۹۸' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ حاکم اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے۔ ''الاصابہ'' میں ابن حجر نے اسے ابن خزیمہ' بخاری کی ''تاریخ صغیر'' اور طحاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (ج ۲ ص ۱۳)

۵۲۴ ''الاصابہ'' ج ۴ ص ۷۱ (رقم: ۴۱۶) میں ہے اسے ابن اسحاق نے ''المغازی'' میں زہری از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔ اس کا اسناد حسن ہے۔

۵۲۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۴۱۶' مسلم: ۲۴۰۴' احمد ج ۱ ص ۱۸۲' ابن ابی شیبہ' المصنف'': ۱۸۸۵۴' ترمذی: ۳۷۲۶' ابن ماجہ: ۱۱۵' از سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ (صحیح السیرۃ النبویہ ص ۶۶۸' رقم: ۲۹ ٗ تالیف شیخ ابراہیم العلی)

الاسد' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ابودجانہ الساعدی رضی اللہ عنہم۔ بعد میں مذکور الصدر ہر ایک صحابی کی ولایت کی ضروری تفصیل مذکور ہے۔

سفر میں جاتے وقت رسول اللہ ﷺ کے اہل وعیال پر آپ کے نائب

غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا اور ان کو وہاں اقامت پذیر ہونے کی ہدایت فرمائی۔

''المواھب'' میں ''شرح التقریب'' سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ اور اپنے اہل پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ زرقانی نے کہا: حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے عیال پر نائب مقرر کیا اور فرمایا: اے علی! میرے اہل میں میرے نائب بنو' تنبیہ کرو' لو اور دو' پھر اپنی ازواج کو بلا کر فرمایا: علی کی بات سننا اور اس کا کہنا ماننا۔[۵۲۶] اسے حاکم نے ''الاکلیل'' میں عطاء بن ابی رباح سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل عیال پر نائب مقرر فرمایا اور ان میں اقامت رکھنے کا حکم دیا۔[۵۲۷]

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے نبی ﷺ جب دشمن کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جاتے' اپنی ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعہ میں ٹھہراتے' ان کا قلعہ مدینہ منورہ کے مضبوط ترین قلعوں میں سے تھا' حضرت حسان غزوۂ احد کے دن پیچھے رہے' ایک یہودی آیا وہ قلعہ سے چپک کر اندر کی گن سن لینے لگا' حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: اس یہودی کی طرف جاؤ اور اسے قتل کر دو' گویا حسان اس سے ڈر گئے' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑا بانس (تلی) لے کر قلعہ سے اتریں' آہستہ آہستہ قلعہ کا دروازہ کھولا اور یہودی کو بے خبری میں دھر لیا اور تلی مار کر اسے قتل کر دیا۔[۵۲۸]

رسول اللہ ﷺ کا دشمن کے دھوکہ سے بچنے کے لیے راستہ میں نائب مقرر فرمانا

''الاصابہ'' میں حضرت اوس بن خولی الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں المدائنی وغیرہ سے ذکر کیا ہے

---

۵۲۶ مرسل ضعیف روایت۔

۵۲۷ صحیح حدیث۔ ''السیرۃ النبویہ'' ج ۲ ص ۵۱۹۔۵۲۰' از سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

۵۲۸ ضعیف روایت۔ ''السیرۃ النبویہ'' ج ۲ ص ۲۲۸' ابن اسحاق از زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔ ''مجمع الزوائد'' ج ۶ ص ۱۳۳۔۱۳۴ میں ہیثمی نے کہا ہے اسے بزار اور ابویعلیٰ نے مختصراً روایت کیا ہے اور ان کا اسناد ضعیف ہے۔ ج ۶ ص ۱۳۴ میں اسے طبرانی کے حوالہ سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کر کے کہا ہے طبرانی کے عروہ تک رجال صحیح ہیں' لیکن یہ حدیث مرسل ہونے کے باعث ضعیف ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ نبی ﷺ نے عمرۃ القضاء میں ان کو ذی طویٰ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تاکہ وہ قریش پر نظر رکھیں اور ان کی دھوکہ دہی کی چالوں کو ناکام بنا دیں۔ اسی طرح مرالظہر ان میں آپ نے بشر بن سعد رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا تھا۔[۵۲۹]

بطور مددگار کوچ کی دعوت

نبی ﷺ نے حضرت بسر بن سفیان الخزاعی رضی اللہ عنہ کو حضرت بدیل ابن ام اصرم رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بنو خزاعہ کی طرف بھیجا' آپ نے ان سے فتح مکہ کے سال اہل مکہ کے خلاف جنگ کے لیے مدد طلب فرمائی۔

''الاستیعاب'' میں مذکورہ بالا روایت کے علاوہ یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت بدیل ابن ام اصرم الخزاعی رضی اللہ عنہ اور حضرت بسر بن سفیان الخزاعی رضی اللہ عنہ کو بنو کعب کے پاس غزوۂ مکہ میں امداد طلب کرنے کے لیے بھیجا۔[۵۳۰]

یہ روایت ''الاصابہ'' میں بھی موجود ہے[۵۳۱] اور حضرت ابورہم الغفاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن سعد سے منقول ہے نبی ﷺ نے غزوۂ تبوک میں انہیں ان کی قوم سے مدد طلب کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔[۵۳۲]

''طبقات ابن سعد'' میں ہے نبی ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا آپ نے حضرت بریدہ بن الحصیب کو بنو اسلم کے پاس دشمن کے خلاف مدد طلب کرنے کے لیے بھیجا۔[۵۳۳]

پرچم بردار صحابہ

فصل اوّل: حضور ﷺ کے آگے اٹھایا جانے والے پہلا پرچم

ابن حیان الاصبہانی کی ''کتاب اخلاق النبی ﷺ'' میں ہجرت کے واقعہ میں مذکور ہے کہ حضرت بریدہ

(بقیہ حاشیہ: ۵۲۸) شیخ ابراہیم العلی نے ''صحیح السیرۃ النبویہ'' (ص ۲۷۷) میں کہا ہے: یہ خبر دو وجہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) اسناد کے اعتبار سے یہ مسند نہیں' علماء کا کہنا ہے کہ ہمیشہ مسند خبر لی جائے اور مسند خبر بھی ایسی ہو جس کا اسناد صحیح ہو۔ یہ خبر اس اعتبار سے ساقط ہے اس کی روایت جائز نہیں کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ایک ایسے صحابی کی طرف بزدلی جیسی برائی کی نسبت کی گئی ہے جو تا حیات اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں سرگرم عمل رہا۔

(۲) اگر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ واقعی بزدل ہوتے تو قریش کے شعراء اسے خوب اچھالتے خصوصاً اس لیے کہ آپ ان کی ہجو کرتے تھے۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ آپ کی تائید کرتے اور آپ کے لیے دعا گو رہتے تھے' قریش کی ہجو پر ان کی ہمت بڑھاتے تھے۔ (حاشیہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۸-۲۲۹)

۵۲۹ ضعیف روایت۔ حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۱۸۴ (رقم: ۳۳۴) میں اسے نقل کر کے کہا ہے: اسے المدائنی وغیرہ نے بلا سند روایت کیا ہے۔

۵۳۰ ''الاستیعاب'' علی ہامش ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۱۶۷۔

۵۳۱ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۱۴۰ (رقم: ۶۰۸)

۵۳۲ ''الاصابہ'' ج ۴ ص ۷۱ (رقم: ۴۱۶) بحوالہ ابن سعد' بلا اسناد۔

۵۳۳ ''طبقات ابن سعد'' ج ۴ ص ۱۸۳' از واقدی بلا اسناد۔

راستہ میں ملے انہوں نے اسلام قبول کیا' نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ طیبہ میں بغیر پرچم کے داخل نہ ہوں' انہوں نے اپنا عمامہ اتار کر اسے نیزہ میں باندھا اور آپ کے آگے آگے چل کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔[۵۳۴]

علامہ کتانی کہتے ہیں: حدیث میں پرچم کے لیے لِواء کا لفظ آیا ہے۔ ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو پرچموں (اَلْاَلْوِیَه) سے عزت بخشی ہے[۵۳۵] اس کی سند ضعیف ہے' جیسا کہ فتح الباری میں ہے: لواء وہ پرچم ہے جو دورانِ جنگ سالارِ لشکر کے مقام کی نشاندہی کرتا ہے' کبھی یہ پرچم امیر لشکر اٹھاتا ہے اور کبھی یہ پرچم فوج کے ہراول دستہ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ ''فتح الباری'' کی کتاب الجہاد میں ہے لِواء پرچم' جھنڈا' اسے علَم بھی کہا جاتا ہے۔ اصل میں اس کو سالارِ لشکر اپنے پاس رکھتا تھا پھر یہ سالارِ لشکر کے سر پر لہرایا جانے لگا۔

اہل لغت کی ایک جماعت نے رایہ اور لواء کے مترادف (ہم معنیٰ) ہونے کی تصریح کی ہے اور ان کا معنیٰ لشکر کا پرچم ہے۔ اور یہ کہ رأیہ میں اصل ہمزہ ہے اور عربوں نے بطور تخفیف اسے ترک کر دیا' بعض اس قول کے انکاری ہیں اور کہتے ہیں: ہمزہ نہیں سنا گیا۔ لیکن امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رایہ (پرچم) سیاہ رنگ کا تھا اور آپ کا لواء (جھنڈا) سفید تھا۔[۵۳۶]

اسی طرح طبرانی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے[۵۳۷] اور ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[۵۳۸] ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لِواء اور رایہ الگ الگ پرچم ہیں' ابن العربی نے اسی

---

۵۳۴ سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ کا تعاقب کرنا' بخاری: ۳۹۰۶' مسلم: ۲۰۰۹' احمد ج۴ص۱۷۶' عبدالرزاق ''المصنف'' ج۵ ص۳۹۲۔۳۹۴' طبقات' ابن سعد' ج۱ص۲۳۲' حاکم ج۳ص۶۔۷' ''دلائل'' بیہقی ج۲ص۴۸۴' سیرت ابن ہشام ج۱ص۴۸۹' از سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ۔

البتہ یہ جملہ ''آپ مدینہ میں بغیر پرچم کے داخل نہ ہوں'' سابقہ کتب کی روایات میں موجود نہیں ہے' یہ اضافی جملہ شاذ' ضعیف ناقابل اعتماد ہے۔ (صحیح السیرۃ النبویہ ص۱۲۶۔۱۲۷)

۵۳۵ ضعیف حدیث۔ ابویعلیٰ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ (فتح الباری ج۶ص۱۲۷) حافظ ابن حجر نے کہا: اس کا اسناد ضعیف ہے۔ مجھے ''مسند ابی یعلیٰ'' میں یہ روایت نہیں ملی۔ واللہ اعلم۔

۵۳۶ حسن حدیث۔ ترمذی: ۱۶۸۱' ابن ماجہ: ۲۸۱۸' از طریق یحییٰ بن اسحاق از یزید بن حیان از ابی مجلز از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ امام ترمذی نے کہا: اس طریق سے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابویعلیٰ: ۲۳۷۰' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۶۶۴' ابوالشیخ ''اخلاق النبی ﷺ'' ص۱۴۴' از حیان بن عبید اللہ بن حیان ابوزہیر العدوی۔ ابوحاتم نے حیان بن عبید اللہ کو صدوق' ابن حبان نے ثقہ اور عقیلی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ ابن حزم نے اسے مجہول کہا ہے۔ لیکن اس روایت میں حیان بن عبید اللہ منفرد نہیں' ترمذی اور ابن ماجہ کے ہاں اس کی متابعت میں یزید بن حیان کی روایت موجود ہے۔

۵۳۷ حسن حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج۲ص۱۱۶۱' از طریق حیان بن عبید اللہ از ابن بریدہ از والد خود۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج۵ص۳۲۱ میں اس روایت کے بعد کہا ہے: اس میں حیان بن عبید اللہ ہے' ذھبی کے بقول ابن ابی حاتم کے مطابق یہ مجہول ہے اور ابویعلیٰ کی روایت کے بقیہ راوی ثقہ ہیں' میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے حیان بن عبید اللہ المروزی کو مجہول قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل ج۳ص۳۴۶) رہے حیان بن عبید اللہ العدوی راوی حدیث' ان کو صدوق کہا ہے۔

۵۳۸ ابن عدی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (فتح الباری ج۶ص۱۲۷) یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن سابقہ روایات اس کو قوی بنا رہی ہیں۔

پر جزم کیا ہے اور کہا ہے: لواء' رایہ کا غیر ہے' لواء کو نیزے کے سرے پر باندھ کر لپیٹ دیا جاتا ہے' رایہ کو باندھ کر ہوا میں لہرانے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے: لواء' رایہ سے چھوٹا ہوتا ہے اور یہ کہ لواء بڑے سائز کا پرچم ہے' علَم سالارِ لشکر کے مقام کی علامت ہوتا ہے اور امیر کے ساتھ ساتھ حرکت میں رہتا ہے' رایہ حملہ آور دستہ کے پاس ہوتا ہے۔ غالباً یہ فرق اصطلاحی ہے' اور اہل لغت کے قول مترادف المعنیٰ ہونے کے خلاف نہیں ہے۔[۵۳۹]

فصل: رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چلنے والے پرچم بردار

سیرت ابن ہشام اور الروض وغیرہ کی تصریح کے مطابق مختلف غزوات میں جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور ﷺ کے آگے آگے پرچم لے کر چلنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے ان میں درج ذیل صحابہ شامل ہیں: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت زبیر بن العوام' حضرت سعد بن معاذ' حضرت سعد بن عبادہ' حضرت قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم۔

فصل: ہر قبیلے کا جداگانہ پرچم

صحیح البخاری میں فتح مکہ کے واقعہ میں ہے نبی ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابوسفیان کو وادی کے پاس کھڑا رکھو تاکہ وہ اللہ کے لشکروں کو دیکھ لیں۔ نبی ﷺ کے ساتھ مختلف قبائل کے دستے اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ایک دستہ گزرا' ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: غفار۔ پھر جہینہ اور بنوسلیم کے دستے گزرے' پھر ایسا دستہ گزرا جس کی مثال نہ تھی' پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا: یہ انصار ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پرچم لیے ان کی قیادت کر رہے تھے' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا دستہ آ گیا' نبی ﷺ کا پرچم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

فصل: رسول اللہ ﷺ سرایا اور طلایہ گردی پر مامور دستوں کے سالاروں کے جھنڈے عطا فرماتے تھے

۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن الحرث بن المطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہ کو سریہ پر بھیجا اور ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ہم تک پہنچنے والی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے امت مسلمہ میں حضرت عبیدہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ اسی عرصہ میں آپ نے دوسری طرف حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کا سالار بنا کر روانہ فرمایا۔ اس لیے بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ سب سے پہلا جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ان روایات میں مطابقت ممکن ہے کہ یہ دونوں سرایا قریب قریب ایام میں بھیجے گئے تھے۔ اسی لیے اپنی اپنی معلومات کے مطابق راویوں نے اوّلین پرچم بردار ذکر کیا ہے۔[۵۴۰]

سراج نے حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا جھنڈا حضرت

---

۵۳۹ فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۷۔

۵۴۰ "الاصابہ" ج ۲ ص ۴۴۹ (رقم: ۵۳۷۵) بحوالہ ابن اسحاق اور واقدی۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے لیے باندھا گیا۔[۵۴۱]

علامہ کتانی کہتے ہیں: اس سے حافظ سیوطی کے ''اوائل'' میں منقول اس قول کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ سب سے پہلے غزوۂ خیبر میں پرچم (رایات) باندھے گئے' اس سے پہلے لواء (جھنڈے) ہوتے تھے' حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں اسے ابن اسحاق اور ابوالاسود از عروہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔[۵۴۲] زرقانی نے ''شرح المواھب'' (ج ۱ص ۴۵۳) میں کہا ہے: اس سے رایہ اور لواء کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

فصل: پرچم کا طول و عرض

اسحاق بن ابراہیم الرملی نے ''الافراد من احادیث بادیة الشام'' میں از حرام بن عبدالرحمٰن الخثعمی' ابی زرعہ الفز عی الثمالی رضی اللہ عنہ[۵۴۳] سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے سفید کپڑے کا پرچم تیار فرمایا اس کا طول اور عرض ایک ایک ذراع (ہاتھ) تھا' یہ ابن مندہ کے الفاظ ہیں[۵۴۴] الدولابی کی روایت میں ہے' سفید پرچم تیار فرمایا اور ارشاد فرمایا: اے ابوربیحہ! اپنی قوم کی طرف جاؤ اور ان میں ندا کرو: ''جو ابوربیحہ کے پرچم کے نیچے آ گیا وہ امن میں ہوگا'' میں نے اسی طرح کیا۔[۵۴۵]

فصل: پرچم میں ہلال کا نقش/ سیاہ ہلالی پرچم

''الاصابہ'' میں حضرت سعد بن مالک الازدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن یونس سے منقول ہے کہ آپ اپنی قوم کا وفد لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے ان کو اپنی قوم کے لیے سیاہ پرچم عطا فرمایا' جس میں سفید ہلال بنا ہوا تھا۔[۵۴۶] آپ مصر کی فتح میں شریک تھے' آپ کی نسل وہاں موجود ہے۔ اس حدیث سے اسلامی ممالک کے پرچموں پر ہلال کا ڈیزائن (نقش' تصویر) بنانے پر استدلال کیا جاتا ہے۔

''وفیات الاسلاف'' کے مؤلف کی کتاب کے ص ۳۸۰ پر مذکور اس عبارت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مساجد کے میناروں پر ہلال بنانا بدعت ہے اور یہ کہ یہ رسم ترکی کے عثمانی حکمرانوں نے بزنطینی حکمرانوں سے لی ہے' اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب سکندر اعظم کے والد فلپس مقدونی نے قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی' اہل شہر نے اس کا حملہ ناکام بنا دیا اور اسے شکست دے کر مار بھگایا' یہ واقعہ سحر کے وقت پیش آیا' انہوں نے اس سے نیک فال لی اور

---

۵۴۱ مرسل روایت (الاصابہ ج ۲ص ۴۸۷' رقم: ۴۵۸۳) زر بن حبیش ضعیف راوی ہے۔

۵۴۲ فتح الباری ج ۷ص ۵۴۵ بحوالہ ابن اسحاق اور ابوالاسود' از عروہ رضی اللہ عنہ۔

۵۴۳ ''الاصابہ'' ج ۱ص ۵۰۸ (رقم: ۲۶۰۵) میں ابن حجر نے آپ کا نام ربیعہ بن السکن ابوربیحہ الفز عی بیان کیا ہے۔ پھر اسحاق بن ابراہیم الرملی کی ''الافراد من احادیث بادیة الشام'' سے آپ کا نام ابوزرعہ الفز عی نقل کیا ہے۔

۵۴۴ ضعیف روایت۔ اسے اسحاق بن ابراہیم الرملی نے ''الافراد من احادیث بادیة الشام'' میں از طریق حرام بن عبدالرحمٰن الخثعمی از ـــ روایت کیا ہے۔ (الاصابہ ج ۱ص ۵۰۸' رقم: ۲۶۰۵) مجھے حرام بن عبدالرحمٰن کا تذکرہ نہیں ملا۔

۵۴۵ ''الکنیٰ'' للدولابی (الاصابہ ج ۱ص ۵۰۸' رقم: ۲۶۰۵)

۵۴۶ ناقابل اعتماد روایت۔ اس میں مجاہیل ہیں۔ از سعید بن عفیر از عمرو بن زہیر بن اسمر بن ابی الکنود از کنود یعنی سعد بن مالک۔ (الاصابہ ج ۲ص ۳۲۔۳۳' رقم: ۳۱۹۲)

اس حادثہ کی یادگار کے طور پر اپنے سرکاری پرچم میں ہلال کا اضافہ کرلیا۔ پھر بعد میں آنے والے عیسائی حکمرانوں نے اسے قائم رکھا' بعد ازاں جب عثمانی ترکوں نے اس ملک پر غلبہ حاصل کرلیا اپنے پرچم میں ہلال کا نقش باقی رکھا۔

فصل: رسول اللہ ﷺ کے پرچموں اور جھنڈوں کے رنگ' نام اور ان پر تحریر کردہ عبارت

ابن اسحاق نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کبریٰ کے دن اپنا سفید پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا[۵۴۷] سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فتح مکہ کے دن شہر میں داخلہ کے وقت آپ کا پرچم سفید رنگ کا تھا۔ سنن ابی داؤد میں سماک بن حرب کی اپنی قوم کے بعض حضرات سے روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا دیکھا وہ زرد رنگ کا تھا[۵۴۸] ابن جماعہ نے ''مختصر السیر'' میں رسول اللہ ﷺ کے ہتھیاروں کے باب میں ذکر کیا ہے کہ آپ کا جھنڈا مٹیالے رنگ کا تھا۔

ابن اسحاق نے غزوۂ بدر کے واقعات میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو سیاہ رنگ کے جھنڈے تھے' ایک جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرا کسی انصاری کے پاس تھا۔[۵۴۹]

عبداللہ بن حیان الاصبہانی نے کتاب ''اخلاق النبی ﷺ'' میں حسن سے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اسے عقاب کہا جاتا تھا۔[۵۵۰] تاریخ بخاری میں حضرت حرث بن حسان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں مسجد میں داخل ہوا' میں نے دیکھا: نبی ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں اور فلاں صاحب تلوار حمائل کیے کھڑے ہیں' اچانک میں نے کالے جھنڈے پھڑ پھڑاتے دیکھے' میں نے پوچھا: یہ کیا ہے: لوگوں نے کہا: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ذات السلاسل کے سریہ سے واپس آئے ہیں![۵۵۱]

اونی پرچم

القضاعی نے ''کتاب الانباء'' میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا اور یہ سیاہ اون سے تیار کیا گیا تھا۔ علامہ کتانی کہتے ہیں: حفاظِ حدیث نے ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ مختلف اوقات میں آپ کے مختلف رنگ اور کپڑے کے جھنڈے تھے۔

---

۵۴۷ ''سیرت ابن ہشام'' ج ۱ص ۶۱۲' بلا اسناد۔

۵۴۸ ضعیف حدیث۔ ابوداؤد: ۲۵۹۳' اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں' اسی لیے البانی نے ''ضعیف سنن ابوداؤد'' (حدیث: ۵۵۷) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۵۴۹ ''سیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۱ص ۶۱۲۔ ۶۱۳' بلا اسناد۔

۵۵۰ مرسل ضعیف از مراسیل حسن بصری' ناقابل اعتماد۔ فتح الباری ج ۶ص ۱۴۷ میں حافظ ابن حجر نے اسے ''قیل'' سے ذکر کرکے اس کے ضعف کا اشارہ کیا ہے۔

۵۵۱ حسن حدیث۔ بخاری' ''تاریخ'' ابن عبدالبر' ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج ۱ص ۲۹۱

دھاری دار پرچم

نبی ﷺ کے پرچم میں اونی دھاریاں تھیں' یہ بھی کہا گیا ہے :اس میں ہلال جیسی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔''المحکم''میں ہے: النمرہ کا مطلب ہے: نقطہ دار' خواہ نقطے کسی بھی رنگ کے ہوں اور الانمر کا مطلب ہے سفید اور سیاہ دھاری دار اور النمرہ کا مطلب ہے: سفید اور سیاہ دھاری دار شال۔ ابن جماعہ نے''مختصر السیر'' میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ کا سیاہ رنگ کا مربع دھاری دار جھنڈا تھا جس کو عقاب کہا جاتا تھا۔ (تخریج گزر چکی ہے)

پرچم پر عبارت

ابوعبداللہ بن محمد بن حیان الاصبہانی نے کتاب''اخلاق النبی ﷺ''میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ کا رایہ سیاہ تھا اور آپ کا لواء سفید تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ آپ کے جھنڈے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔[552]

مؤلف علامہ کتانی لکھتے ہیں: یہ علامہ الخزاعی کی کوتاہی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث الاصبہانی کے حوالہ سے ذکر کی ہے ورنہ یہ حدیث مسند احمد اور سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے' الطبرانی کے ہاں حضرت بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے اور ابن عدی کے ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

نبی ﷺ کے جھنڈے کا نام

قاسم بن ثابت السرقسطی''الدلائل''میں کہتے ہیں: نبی ﷺ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا۔

''فتح الباری''میں ہے اور کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا وہ مربع شکل کا سیاہ پرچم تھا' ایک جھنڈا سفید تھا جس کا نام ربیہ تھا' بسا اوقات اس میں کالی دھاریاں یا نقطے ہوتے تھے۔[553]

انصار کے جھنڈے کا رنگ

''الاصابہ''میں حضرت مزیدہ العصری کے تذکرہ میں ہے کہ ابونعیم نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے لیے زرد رنگ کے جھنڈے مقرر فرمائے۔[554]

''طبقات ابن سعد''میں ہے کہ جب سلیم کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوا' انہوں نے درخواست کی: ہمارے جھنڈوں کا رنگ سرخ اور ہمارا شِعار (امتیازی علامت' نعرہ) مقدم مقرر فرما دیں' آپ نے ان کے لیے ایسا کر دیا۔[555]

---

552 ضعیف روایت۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج۶ ص۱۲۷ میں اس کی سند کو ناقابل اعتماد کہا ہے۔

553 فتح الباری ج۶ ص۱۲۷۔

554 ضعیف حدیث۔ طبرانی''مجمع الزوائد'' ج۵ ص۳۲۱ میں علامہ ہیثمی کہتے ہیں: اس میں محمد بن لیث الہداری کو میں نہیں پہچانتا' باقی راوی ثقہ ہیں۔

555 ناقابل اعتماد شاذ روایت' بلا اسناد مروی ہے۔

انتباہ

مشہور ترکی وزیر جودت پاشا کی تاریخ میں واصف آفندی کی تاریخ سے یہ مقالہ منقول ہے کہ قوموں میں پرچم کتنا معتبر ہوتا ہے' وہ لکھتے ہیں: انتظامی تقسیم کار اور پرچم مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب کوئی قوم ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوتی ہے ان میں اتحاد اور یک جہتی پیدا ہوتی ہے' پرچم ان کے اتحاد کی علامت اور ان کے قلوب کی یک جہتی کا نشان ہوتا ہے' وہ جسم واحد کی طرح ہوتے ہیں اور رشتہ داروں سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے سے الفت اور محبت رکھتے ہیں' اگر وہ میدان جنگ میں ہوں تو جب تک ان کا پرچم ہوا کے دوش پر لہراتا رہتا ہے ان کی ہمتیں جوان اور ان کے حوصلے بلند رہتے ہیں وہ فتح سے ناامید نہیں ہوتے' لیکن جب ان کا پرچم زمین بوس ہو جائے وہ دشمن کے نرغہ میں آ جاتے ہیں' ان میں خوف اور دہشت سرایت کر جاتے ہیں بعض ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور بعض میدانِ جنگ سے فرار ہونے میں عافیت جانتے ہیں' اس کے برعکس اگر ان کا پرچم لہراتا رہے وہ مسرت و شادمانی سے آگے بڑھتے ہیں' دشمنوں پر ان کا رعب چھا جاتا ہے اور دشمن کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے۔

اسی طرح جنگی ترانے اور موسیقی ہے اس سے روحوں کو بالیدگی ملتی ہے' آگے بڑھنے اور شجاعت کے مظاہرے کرنے کی امنگ بیدار ہوتی ہے' ہوا کے دوش پر لہراتا ہوا پرچم بھی فوجی جوانوں میں عزت کا جذبہ پیدا کرتا ہے' دشمنوں کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈالتا ہے' یہی وجہ ہے گذشتہ تمام اقوام میں آلاتِ موسیقی اور قسم قسم کے پرچم ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں صرف پرچم تھے موسیقی نہ تھی[556]

(تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ مذکور کا مقدمہ ص ۳۵)

رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک سے بچے کی دستار بندی

''الاصابہ'' میں حضرت قرط (یا قریط) بن ابی رمثہ البلوی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن مندہ کے حوالہ سے ابوموسیٰ کی روایت مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ہمراہ ہجرت کی' جب یہ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے ابورمثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ تیرا بیٹا ہے؟ ابورمثہ نے عرض کیا: جی ہاں! میں اس کا گواہ ہوں' آپ نے فرمایا: یہ تجھ پر الزام نہیں لگائے گا نہ اس پر الزام ہوگا اور حضور ﷺ نے قرط رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنی گود میں بٹھایا' اس کے لیے برکت کی دعا کی' اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے سیاہ عمامہ باندھا[557] حضرت قرط (یا قریط) رضی اللہ عنہ لاھز کے والد تھے' لاھز ابومسلم الخراسانی کا ساتھ دینے والے سرداروں میں سے تھا۔

---

[556] کیونکہ نبی ﷺ کی سنت وسیرت کے خلاف ہے' یہ شیطانی باجا ہے' ذکرالٰہی سے روکتا ہے۔

[557] ''الاصابہ'' ج ۳ ص ۲۶۶ (رقم: ۷۲۷۳) راوی اور سند مذکور نہیں ہے۔ حمیدی: ۸۶۶' احمد: ۴/ ۱۰۷۔۱۰۷' ج ۴ ص ۱۶۷' ابوداؤد: ۴۲۰۸' نسائی ج ۸ ص ۵۳' بیہقی ج ۸ ص ۲۷' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۲ ص ۷۱۵ تا ۷۱۹' از ابی رمثہ التیمی رضی اللہ عنہ' اس کا اسناد حسن ہے۔ لیکن یہ جملہ کہ ''حضور ﷺ نے قرط کو بلا کر اپنی گود میں بٹھایا۔ الخ'' سابقہ روایات میں موجود نہیں یہ ابوموسیٰ کا شاذ اضافہ ہے' جس کی اصل موجود نہیں ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس میں ہمارے شیخ والد محترم کے لیے دلیل ہے' وہ اس کے قائل تھے کہ لڑکا جب بالغ ہو یا قریب البلوغ ہو اس کو عمامہ باندھا جائے اور اس کے شملے پیچھے چھوڑے جائیں۔ اس سے ان حضرات کے توقف کی حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں: ہم اس سلسلہ میں کسی حدیث سے واقف نہیں اور نہ ہی فقہاء کی نصوص میں دستار بندی (عمامہ بندھوانے) کے وقت کا تعین ملتا ہے کہ کب عمامہ باندھا جائے جب بچہ سات برس کا ہو یا دس سال کا یا بلوغ کے وقت یا جب اس کی ڈاڑھی ظاہر ہونے لگے۔

(الدعامہ فی احکام العمامہ ص ۲۹)

اہل حجاز اب بھی چھوٹے لڑکوں کو عمامہ باندھتے ہیں' گویا یہ ان کا زمانہ قدیم سے دستور چلا آ رہا ہے۔ اس کی دلیل تاریخ ابن عساکر میں امام مالک کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: عمامہ ترک کرنا مناسب نہیں ہے مجھے اس وقت عمامہ باندھا گیا کہ میرے چہرے پر ایک بال نہ تھا۔ المدارک میں ہے ابو مصعب نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں اس وقت سے عمامہ باندھ رہا ہوں کہ میری مسیں بھی نہ بھیگی تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و عظمت کے پیش نظر عمامہ باندھ کر ہی مسجد میں داخل ہوتا تھا۔

لشکر کی تقسیم اور سالارِ لشکر کا مقام

اہل عرب لشکر کو خمیس کہتے تھے' کیونکہ لشکر پانچ اقسام پر مشتمل ہوتا تھا: (۱) قلب لشکر (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) مقدمۃ الجیش اور (۵) ساقہ۔

ابن اسحاق نے سیرت میں فتح مکہ کے واقعات میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ذی طویٰ میں لشکر کو تقسیم فرمایا تو میسرہ (لشکر کا بایاں بازو) پر مامور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے دستہ کے ساتھ کُدیٰ کی جانب سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا' حضرت سعد بن عبادہ الانصاری رضی اللہ عنہ کو اپنے دستہ کے ساتھ کُدیٰ کے دوسرے راستہ سے شہر میں داخل ہونے کا فرمایا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ میمنہ پر تھے اس دستہ میں اسلم' سلیم' غفار' مزینہ' جہینہ اور دیگر عرب قبائل شامل تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آگے اپنا دستہ لے کر روانہ ہوئے' حضور ﷺ مکہ کے بالائی علاقہ سے شہر میں داخل ہوئے اور وہاں آپ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا[۵۵۸]

تیر اندازوں کے امیر کا تقرر

"الاصابہ" میں حضرت عبداللہ بن جبیر الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ غزوۂ احد میں تیر اندازوں کے امیر تھے' صحیح البخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جب مشرکین شکست کھا کر بھاگے' تیر انداز مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے' حضرت عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کیا (کہ وہ

۵۵۸ مرسل روایت۔ "السیرۃ النبویہ" ج ۲ ص ۴۰۶۔ ۴۰۷ از عبداللہ بن ابی نجیح رضی اللہ عنہ۔

اپنی جگہ نہ چھوڑیں اور مالِ غنیمت کے حصول کے لیے نہ جائیں) لیکن وہ چلے گئے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔[559]

دورانِ جنگ قلب لشکر میں اپنی جگہ دوسرے کا تقرر

سالارِ لشکر اور امام اپنی زرہ دوسرے کو پہنادے اور احتیاطاً دوسرے کی زرہ خود زیب تن کر لے تاکہ دشمن کے حملوں سے محفوظ رہے۔

"الاستیعاب" میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی زرد رنگ کی زرہ خود پہن لی اور نبی ﷺ نے کعب کی زرہ زیب تن فرمائی، حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو گیارہ زخم لگے[560] (مشرکین غلط فہمی میں ان پر حملے کرتے رہے)۔

یہاں ہجرت کے واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سو گئے، قریش اس غلط فہمی میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے ہیں، صبح کو ان کو معلوم ہوا کہ بستر پر سونے والے علی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ احتیاطی تدبیر تھی تاکہ قریش مطمئن رہیں اور حضور ﷺ کا تعاقب نہ کریں[561] یہ آیت کریمہ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے[562]

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (الانفال: ۳۰)

اور جب کافر آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا جلاوطن کر دیں اور وہ اپنے مکر میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا، اور اللہ بہترین خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے ○

اپنی نادر کتاب "التاج فی اخلاق الملوک" (ص ۱۳۴) میں امام الجاحظ ابوعثمان عمرو بن بحر لکھتے ہیں:

ہمارے بادشاہوں کے لیے اپنے مقام کا تحفظ ضروری ہے اور ان کے لیے ہر جاسوس آنکھ اور کان سے بچاؤ کرنا لازم ہے، یہی نبی ﷺ کی سنت ہے، حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفاظت کے اعلیٰ اور مخصوص مقام سے مختص تھے اور روح الامین جبریل علیہ السلام آپ کے نگہبان تھے (اس کے باوجود آپ اپنی حفاظت کی تدابیر فرماتے تھے)۔ اس لیے حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اقتدا کریں آپ کے نقش قدم پر چلیں، مشرکوں نے نبی ﷺ

---

559 صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۹۸۶، از براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

560 "الاستیعاب" علی ھامش "الاصابۃ"، ج ۳ ص ۲۸۸، بلا اسناد۔

561 صحیح حدیث۔ حاکم "المستدرک"، ج ۳ ص ۴، از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں کیا، ابوداؤد طیالسی وغیرہ نے اسے ابوعوانہ سے زیادہ الفاظ سے روایت کیا ہے۔ ذھبی بھی حاکم کے ہم خیال ہیں۔ "الفتح الربانی"، ج ۲۰ ص ۲۷۹ میں ہے، اسے امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح السیرۃ النبویہ ص ۱۲۰۔ ۱۲۱، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۸۳)

562 ضعیف روایت۔ "جامع البیان"، طبری: ۱۵۹۷۷، از مطلب بن ابی وداعۃ، مرسلاً۔

کے قتل کا ارادہ کر لیا' جبریل علیہ السلام نے آپ کو ان کے عزائم سے باخبر کر دیا' آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلایا اور خود دوسری جگہ استراحت فرمائی' جب مشرکین آپ کے بستر کے پاس آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو واپس چلے گئے (اور ان کی سازش ناکام ہوگئی)۔

یہ واقعہ ہمارے مذکورہ قول کے لیے سب سے بڑی دلیل اور حجت ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کی جان ہر شے سے قیمتی ہوتی ہے اور اس کا تحفظ بہت ضروری ہے۔

اہل عجم کہتے تھے: بادشاہ اپنی خواب گاہ سے اپنی اولاد کے علاوہ کسی کو مطلع نہ کرے' بیوی بچوں کے علاوہ دوسروں پر اعتماد اور بھروسہ کرنا احتیاط اور پیش بندی کے منافی ہے' یہی سیاست کا تقاضہ ہے' شریعت مطہرہ نے اسے ضروری قرار دیا ہے یہ دانش مندوں کی خواہشات کے عین مطابق ہے۔

لشکر کے مختلف حصوں پر سالاروں کا تعین

ابن اسحاق نے سیرت میں کہا ہے: حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اسلامی فوج کا دستہ لے کر آگے بڑھے[۵۶۳] "الاستیعاب" میں ہے غزوۂ حنین کے دن حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ بنو سلیم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مقدمۃ الجیش پر مقرر تھے[۵۶۴] فتح مکہ کے روز حضرت خالد رضی اللہ عنہ میمنہ کی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میسرہ کی کمان کر رہے تھے اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو پیدل دستوں پر مقرر کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ اسی دستہ میں جلوہ افروز تھے' یہ حضرات بطن وادی سے داخل ہوئے[۵۶۵]

غزوۂ بدر الکبریٰ میں ساقہ کی کمان بنو مازن بن النجار کے بھائی حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے[۵۶۶] غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ نے بنو عمرو بن عوف کے بھائی عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ کو تیراندازوں پر امیر مقرر فرمایا تھا[۵۶۷]

دورانِ جنگ مجاہدین کا شِعار' پہچان کے لیے علامتی الفاظ

ابویعلیٰ نے سند جید کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا شِعار (علامتی اور امتیازی نشان' نعرہ' تعارفی علامت) **یا کل خیر** تھا[۵۶۸]

---

۵۶۳ مرسل روایت۔ "سیرت ابن ہشام" ج ۲ ص ۴۰۷' از عبداللہ بن ابی نجیح رضی اللہ عنہ۔

۵۶۴ "الاستیعاب" علی ہامش "الاصابہ" ج ۱ ص ۴۰۷ بلا اسناد۔

۵۶۵ مرسل روایت "السیرۃ النبویۃ" ابن ہشام ج ۲ ص ۴۰۷' از عبداللہ بن ابی نجیح رضی اللہ عنہ۔

۵۶۶ السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۶۱۳۔

۵۶۷ صحیح البخاری: ۳۹۸۶' از براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

۵۶۸ حسن جیسی روایت۔ ابویعلیٰ: ۵۰۵' از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں منصور بن عبداللہ ثقفی کا ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" ج ۸ ص ۱۷۴ میں بغیر جرح وتعدیل کے ذکر کیا ہے' اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الطبرانی نے حضرت عقبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ میں پیچھے ہٹنے والوں کو دیکھا تو فرمایا: اے اصحابِ سورۃ البقرہ[569]

امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوہ (سریہ) میں حصہ لیا ہمارا شعار دو بار "اَمِتْ اَمِتْ" تھا۔[570]

ابوالحسن بن الضحاک نے مزینہ یا جہینہ کے ایک صاحب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے شعار میں "یا حرام" کہتے ہوئے سماعت فرمایا تو ارشاد فرمایا: "یا حلال" کہو[571]

"الاصابہ" میں حضرت سنان بن وبرہ الجہنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ الطبرانی نے خارجہ بن الحرث بن رافع الجہنی کی اپنے والد سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ میں نے حضرت سنان بن وبرہ الجہنی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہے: غزوہ بنوالمصطلق میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارا شعار "یا منصور امت" تھا۔[572]

امام طبرانی نے "الاوسط" میں کہا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے صرف اسی اسناد سے روایت ہے اور اس میں محمد بن جہضم منفرد ہیں۔ برھان الحلبی نے "نور النبراس" میں کہا ہے: "اَمِت" موت کا حکم ہے' اس سے فتح و نصرت کے لیے نیک فال مراد ہے اور شعار کا حصول بھی ہے کیونکہ یہ حملہ رات کی تاریکی میں ہوا' اس لیے باہمی پہچان کے لیے شعار مقرر کیا گیا۔

ابوعبید کہتے ہیں: حدیثِ مبارکہ "جب تم رات کو دشمن سے ملاقات کرو تو کہو: حٰمٓ لا ینصرون" کا معنیٰ ہے: اے اللہ! ان کی (دشمن کی) نصرت نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ: ۵۶۸) علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" ج ۵ ص ۳۲۷ میں اس کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اسے ابویعلیٰ نے قراریری از منصور بن عبداللہ ثقفی روایت کیا ہے۔ منصور زہری سے روایت کرتا ہے' یہ ابن عیینہ کے ساتھ حدیث کو حاصل کرتا تھا' اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ (المطالب العالیہ: ۱۹۶۸) بوصیری اس کے بارے میں خاموش ہیں۔

۵۶۹ ضعیف روایت۔ "معجم الطبرانی الکبیر" ج ۱۷ ص ۳۲۸' از عقبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" ج ۵ ص ۳۲۷ میں کہا ہے: اس میں علی بن قتیبہ ضعیف ہے۔

۵۷۰ حسن حدیث۔ احمد ج ۴ ص ۴۶' ابوداؤد: ۲۵۹۶۔ ۲۶۳۸' ابن ماجہ: ۲۸۴۰' ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۰۳' ابن سعد ج ۲ ص ۱۱۸' ابن حبان: ۴۷۴۴' حاکم ج ۲ ص ۱۰۷' بیہقی ج ۶ ص ۳۶۱۔ ج ۹ ص ۷۹' از طریق عکرمہ بن عمار۔۔۔۔۔ عکرمہ کی حدیث حسن کے درجہ میں ہوتی ہے اور اس کے باقی راوی شیخین کی شرط پر ہیں۔

۵۷۱ ضعیف روایت۔ اس کی اسناد میں مجاہیل ہیں۔

۵۷۲ حسن جیسی روایت۔ الاصابہ ج ۲ ص ۸۴ (رقم: ۳۵۱۲) کے مطابق اسے طبرانی نے "الاوسط" میں از طریق خارجہ بن حارث بن رافع الجہنی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ سنان رضی اللہ عنہ سے صرف اسی اسناد سے روایت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا راوی محمد بن جہضم صدوق ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۲۲۳) اور خارجہ بن حارث صالح الحدیث ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۳۷۵)

"الاصابہ" میں المہلب (جس کا قبیلہ مذکور نہیں) کے ذکر میں ہے ابن شاہین نے ہمارے غلام ذکوان کے طریق سے بیان کیا ہے کہ المہلب کا شعار "حٰمٓ لا ینصرون" تھا' المہلب نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا شعار تھا۔[573]

النسائی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کل تمہاری اپنے دشمن سے مڈبھیڑ ہوگی' ایک دوسرے کے لیے تمہارا شعار "حٰمٓ لا ینصرون" ہوگا۔[574]

ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہاری رات کے وقت دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو کہو: حٰمٓ لا ینصرون۔[575]

مشرقی ممالک کے بعض فضلاء نے کہا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سات سورتیں جن کے شروع میں حٰمٓ مذکور ہے وہ بڑی عظمت و شان کی امین ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ان کی عظمتِ شان اور اعلیٰ شرف کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ان کی رفعتِ شان کے حوالہ سے مسلمانوں کی فتح کے لیے رحمت الٰہی کا سوال کیا جائے۔ "لا ینصرون" کا جملہ گویا اس سوال کا جواب ہے کہ "حٰمٓ" کہہ کر آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو جواب دیا: "لا ینصرون" دشمن کو مدد سے محروم رکھا جائے۔ ابن حبیب نے کہا ہے کہ لوگوں کا برابر یہی شعار رہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: غزوۂ بدر کے دن اہل ایمان کا شعار "یا منصور" تھا اور غزوۂ حنین کے دن "حٰمٓ لا ینصرون" تھا' جب مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے تو ان کا خاص شعار تھا: "یا اصحب سورۃ البقرۃ" (اے سورۃ البقرہ والو!) اسے ابن یونس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

بعض شوافع نے سالارِ لشکر کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ ہر دستہ کے لیے الگ شعار مقرر کرے جس سے وہ دوسروں سے ممیز اور ممتاز ہوں اور باہم متحد ہو کر ایک دوسرے کے معاون و مددگار بنیں۔ مزید کہا: خبیب بن سلیمان بن سمرہ نے اپنے والد کی روایت سے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے بنی عبدالرحمٰن! قبیلہ خزرج کا شعار اے بنی عبداللہ! اور قبیلہ اوس کا شعار: اے بنی عبیداللہ! ہے اور سواروں کا شعار "خیل اللہ" ہے۔[576] نیز رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن ارشاد فرمایا: علامت اور (امتیازی) نشان لگاؤ کیونکہ فرشتوں نے علامت لگائی ہے۔[577]

---

[573] الاصابہ ج۳ص۵۳۶ (رقم:۸۶۳۴) ابن شاہین از مسدد ......

[574] صحیح حدیث۔ نسائی (تلخیص الحبیر ج۴ص۹۸)' مستدرک حاکم ج۲ص۱۰۷' از براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔ یہ اسناد صحیح۔

[575] حسن حدیث۔ احمد ج۴ص۶۵۔ ج۵ص۳۷۷' ابوداؤد: ۲۵۹۷' ترمذی: ۱۶۸۲' حاکم "المستدرک" ج۲ص۱۰۷' از مہلب بن ابی صفرہ......۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح الاسناد ہے' لیکن اس میں ارسال ہے' اس میں مہلب نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا نام ذکر نہیں کیا۔ حافظ ابن کثیر نے "تفسیر" ج۴ص۶۹ میں اسے ابوداؤد اور ترمذی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے' اور صحیح کہا ہے۔

[576] حسن حدیث۔ طبرانی "الکبیر" ج۷ص۱۰۲' از خبیب بن سلیمان بن سمرہ از والد خود از سمرہ رضی اللہ عنہ۔ ابوداؤد: ۲۵۹۵' از سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ۔ اس میں حجاج بن ارطاۃ اور حسن بصری سے عنعنہ ہے۔ اسی لیے البانی نے "ضعیف ابوداؤد" میں اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔

[577] ضعیف مرسل۔ طبری' "جامع البیان": ۷۷۵۵' از عمیر بن اسحاق مرسلاً' سیوطی "الدر المنثور" ج۲ص۷۰' بحوالہ ابن ابی شیبہ۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے احد کے دن بطور علامت سر پر سرخ پٹی باندھی' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس تلوار کو کون لیتا ہے جو اس کا حق ادا کرے' انہوں نے تلوار لی اور سر پر سرخ پٹی باندھ لی۔[۵۷۸] (فوائد الدرر)

''الاستبصار'' میں حضرت ابودجانہ سماک بن حرشہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ آپ جنگ میں سرخ پٹی باندھتے تھے' جب آپ سر پر سرخ پٹی باندھ لیتے' لوگوں کو معلوم ہو جاتا ابودجانہ سخت جنگ کریں گے۔

ابوعبداللہ بن ابی الخصال الغافقی کی ''ظل الغمامة'' میں ہے گھمسان کی جنگ میں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بطور علامت شتر مرغ کا پر لگاتے تھے۔ تاکہ دشمنوں کو خبر ہو اب شیر خدا میدانِ جنگ میں آ گیا ہے جو تنہا بھاری لشکر کا مقابلہ کرے گا اور باطل پرستوں کے سروں کی فصل کاٹی جائے گی۔

لشکر کی صف بندی کرنا اور مجاہدوں کی صفوں میں ردوبدل کرنا

''وزعت الجيش'' کا مطلب ہے' لشکر کی صف بندی کرنا' لڑائی کے لیے خاص ترتیب سے کھڑا کرنا۔

''الاکتفاء'' میں فتح مکہ کے واقعہ میں ہے جب رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ میں پہنچے آپ بغیر شملے کے سر پر یمنی چادر ڈالے سواری پر تشریف فرما تھے۔ جب آپ وہاں تشریف فرما تھے[۵۷۹] (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد) ابوقحافہ نے اپنی سب سے چھوٹی بچی سے کہا: اے بیٹا! مجھے جبل ابوقبیس پر لے چلو (حضرت ابوقحافہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے) وہ ان کو جبل ابوقبیس پر لے گئیں۔ حضرت ابوقحافہ نے پوچھا: بیٹی! تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟ کہا: مجھے بڑی جمعیت نظر آ رہی ہے' ابوقحافہ نے کہا: یہ گھڑ سوار ہیں' لڑکی نے کہا: میں ایک آدمی کو دیکھ رہی ہوں جو ان سواروں میں آگے پیچھے دوڑ رہا ہے' ابوقحافہ رضی اللہ عنہ بولے: بیٹی یہ وزاع ہے جو سواروں کا انتظام کرتا ہے اور ان کی صف بندی کرتا ہے۔ پھر لڑکی نے کہا: اب خدا کی قسم! یہ جمعیت منتشر ہو گئی ہے' ابوقحافہ نے کہا: اب سواروں کو ہٹا دیا گیا ہے اب تو مجھے جلدی سے گھر پہنچا دے۔ الخ[۵۸۰]

''الاصابہ'' (ص ۲۵۶) میں حضرت جندب بن الاعجم الاسلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں واقدی کے حوالہ سے غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو لڑائی کے لیے نکلنے کا حکم دیا اور ان کے لیے جھنڈے اور پرچم تیار فرمائے۔[۵۸۱]

سیرت ابن اسحاق میں ہے مجھ سے حبان بن واسع نے اپنے شیوخ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ

---

۵۷۸ صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۴۷۰' احمد ''المسند'' ج ۳ ص ۱۲۳' حاکم ''المستدرک'' ج ۳ ص ۲۳۰' ابن سعد ''الطبقات'' ج ۳ ص ۵۵۶' بیہقی ''الدلائل'' ج ۳ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳' از انس رضی اللہ عنہ۔ اس میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے سرخ پٹی باندھنے کا ذکر نہیں ہے' یہ جملہ دوسری روایت میں ہے جسے بیہقی نے ''الدلائل'' ج ۳ ص ۲۳۳ میں اور بزار نے ''کشف الاستار'': ۱۷۸۷ میں' زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج ۶ ص ۱۰۹ میں کہا ہے: اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (صحیح السیرۃ النبویہ ص ۲۰۶' رقم: ۳۲۳۔ ۳۲۴)

۵۷۹ مرسل ضعیف روایت۔ ''السیرۃ النبویہ'' ج ۲ ص ۴۰۵' از عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما۔

۵۸۰ صحیح حدیث۔ ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۲ ص ۴۰۵' از اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما' اس اسناد کے رجال ثقہ ہیں۔

۵۸۱ الاصابہ ج ۱ ص ۲۴۷ (رقم: ۱۲۱۱) از واقدی بلا سند۔

نے بدر کے دن اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی کیں' آپ کے ہاتھ میں بے پھل کا تیر تھا جس سے آپ صفیں سیدھی کر رہے تھے[۵۸۲] آپ بنوعدی بن النجار کے حلیف سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ صف میں آگے نکلے ہوئے تھے' آپ نے اس کے پیٹ پر چوکا دیا اور فرمایا: اے سواد! برابر ہو۔ الخ[۵۸۳]

(تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت ابن اسحاق اور الشفاء پر ابن التلمسانی کی شرح)

گھوڑوں کی خریداری

جامع الترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنوالنضیر کے اموال اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے لیے مال فے تھے۔ اس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ یہ خالصاً رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے' آپ ان اموال میں سے اپنے اہل کا ایک سال کا خرچ الگ کر لیتے تھے اور باقی ماندہ سے راہِ خدا میں جہاد کے لیے گھوڑے اور ہتھیار خرید فرماتے[۵۸۴] امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن اسحاق نے غزوۂ بنوقریظہ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوعبد الاشہل کے بھائی حضرت سعد بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ کو بنوقریظہ کے کچھ قیدی دے کر نجد کی طرف روانہ فرمایا وہ قیدیوں کے بدلے گھوڑے اور ہتھیار خرید کر لائے[۵۸۵]

حدیث شریف میں ہے: گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک خیر رکھ دی گئی ہے۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے مالک از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہم روایت کیا ہے[۵۸۶]

---

۵۸۲ ''سیرت ابن ہشام'' ج ۱ص ۶۲۶۔

۵۸۳ ضعیف روایت۔ ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۱ص ۶۲۶' اس کی اسناد میں مجاہیل ہیں۔ الاصابہ ج ۲ص ۹۵۔ ۹۶ (رقم: ۳۵۸۲) میں ہے' اسے عبد الرزاق نے از ابوجعفر محمد بن علی ...... روایت کیا ہے' اس کی سند حسن ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ''مجمع الزوائد'' ج ۶ص ۲۸۹ میں ہے' اسے طبرانی نے عبد اللہ بن جبیر الخزاعی سے روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس کے رجال ثقہ کہاں سے ہوئے حالانکہ یہ حدیث مرسل ہے اور حافظ نے ''التقریب'' میں عبد اللہ بن جبیر کو مجہول کہا ہے۔ چنانچہ ''صحیح السیرۃ النبویہ'' میں شیخ ابراہیم العلی نے اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ (ص ۱۷۲' رقم: ۲۲۳)

۵۸۴ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۹۰۴۔ ۴۸۸۵' مسلم: ۱۷۵۷' ابوداوٴد: ۲۹۶۵' ترمذی: ۱۷۱۹' نسائی ''الکبریٰ'' فی عشرۃ النساء: ۳۰۵۔ ۳۰۶' المجتبیٰ ج ۷ص ۱۳۲' التفسیر: ۵۸۸' احمد: ۱۷۱' حمیدی: ۲۲' شافعی ج ۲ص ۱۲۳' ابوعبید ''الاموال'': ۱۷' البزار: ۲۵۵' ابن الجارود: ۱۰۹۷' بیہقی ''السنن'' ج ۶ص ۲۹۵' از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

۵۸۵ ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۲ص ۲۴۵' بلا اسناد۔

۵۸۶ صحیح حدیث۔ مالک ''الموطا'' ج ۲ص ۴۶۷' احمد ج ۲ص ۱۳۔ ۲۸۔ ۳۹۔ ۵۷۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۱۲' طیالسی: ۱۸۴۴' بخاری: ۲۸۴۹۔ ۳۶۴۴' مسلم: ۱۸۷۱' نسائی ج ۶ص ۲۲۱۔ ۲۲۲' ابن ماجہ: ۲۷۸۷' ابویعلیٰ: ۵۶۴۲' طحاوی ''مشکل الآثار'': ۲۱۹ تا ۲۲۱' شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴' ابن حبان: ۴۶۶۸' بیہقی ''سنن'' ج ۶ص ۳۲۹' قضاعی ''مسند الشہاب'': ۲۲۱' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۶۴۴' از عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ اس باب میں جریر بن عبد اللہ البجلی اور ابوکبشہ رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علامہ الخطابی نے کہا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ گھوڑے کے ذریعہ حاصل کردہ مال سب اموال سے خیر اور پاکیزگی میں بڑھ کر ہے۔ اہل عرب مال کو خیر کہتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۔ (البقرہ: ۱۸۰)

ابن عبدالبر کہتے ہیں: اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ گھوڑا تمام جانوروں میں افضل ہے کیونکہ گھوڑے کے علاوہ کسی اور جانور کے لیے یہ الفاظ ارشاد نہیں فرمائے۔

سنن النسائی میں ہے رسول اللہ ﷺ کو عورتوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ محبوب کوئی شے نہ تھی۔[۵۸۷]

گھوڑوں کے ذکر اور ان کی فضیلت معلوم کرنے کے لیے درج ذیل کتب قابل مطالعہ ہیں:

''کتاب الخیل'' مؤلف حسن بن عرفہ ''کتاب الخیل'' مؤلفہ حافظ ابو محمد عبدالمؤمن بن خلف الدمیاطی'

''جر الذیل من علم الخیل'' مؤلفہ حافظ سیوطی ''الصافنات الجیاد'' مؤلفہ شمس محمد ابن الامیر عبدالقادر الجزائری۔ یہ کتاب اور اس کا اختصار دونوں مطبوعہ ہیں۔

''رشحات المداد فیما یتعلق بالصافنات الجیاد'' مؤلفہ شمس محمد بن محمد النجشی الخلوتی۔ یہ کتاب المکتبۃ الخدیویہ مصر میں موجود ہے۔

''فضل الخیل وما جاء فیھا من الفضل والنیل'' مؤلفہ حافظ ولی الدین ابی زرعۃ العراقی المصری ''قطر السیل فی امر الخیل'' یہ حافظ سراج الدین محمد بن رسلان البلقینی کی تالیف ہے' انہوں نے حافظ الدمیاطی کی کتاب کی تلخیص کی ہے اور مزید اشیاء ذکر کی ہیں۔

''حلیۃ الفرسان وشعار الشجعان'' مؤلفہ ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن المعروف ابن ہذیل اندلسی۔ ان کی ایک اور کتاب ''تحفۃ الانفس وشعار سکان الاندلس'' ہے' انہوں نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے' پہلا حصہ جہاد اور دوسرا حصہ گھوڑوں اور ہتھیاروں سے متعلق ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب حسب ذیل ہیں: ''یقظۃ الناعس فی تدریب المجاھد الفارس'' ''تھذیب الامعان فی الشجاعۃ والشجعان'' اور ''راحۃ القلوب والارواح فی الخیل والسلاح''۔

رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے

ابن جماعہ نے ''مختصر السیر'' میں رسول اللہ ﷺ کے گھوڑوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: آپ کے ایک گھوڑے کا نام السکب تھا' یہ آپ کا پہلا گھوڑا تھا' آپ نے اسے ایک بدوی سے خریدا تھا یہ پنج کلیان (اس کی پیشانی اور چاروں پاؤں سفید تھے) کمیت (سیاہی مائل سرخ) سبک رفتار گھوڑا تھا۔ ابن اثیر نے کہا ہے: یہ گھوڑا سیاہ رنگ کا تھا۔ پھر ابن جماعہ نے رسول اللہ ﷺ کے سات متفق علیہ گھوڑوں کے نام بیان کیے اور یہ کہ باختلاف

(بقیہ حاشیہ: ۵۸۶) مروی ہیں' ان احادیث کی تخریج کے لیے ''الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان'' (رقم: ۴۶۶۹۔۴۶۷۴) تحقیق شیخ شعیب الارناؤوط ملاحظہ کیجئے۔

۵۸۷ ضعیف روایت۔ نسائی ج ۶ ص ۲۱۸۔ ج ۷ ص ۶۲۔۶۳ ''الکبریٰ'' ''عشرۃ النساء: ۳'' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ اس کا اسناد ضعیف ہے۔ (ضعیف سنن النسائی: ۲۳۲۔۲۶۰)

روایات یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے پاس مختلف اوقات میں پندرہ گھوڑے تھے' رسول اللہ ﷺ ان کو گھڑ دوڑ کے مقابلوں میں شامل کرتے۔ آپ دورانِ مقابلہ عام مجمع میں تشریف فرما ہوتے اور آگے نکلنے والے گھوڑے اور اس کے سوار کے لیے مسرت کا اظہار فرماتے۔

"الاکتفاء" میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر شہر میں مسلمانوں کے مال (غنیمت) سے بچنے والے مال سے جہاد کے لیے گھوڑے تیار کروا کر رکھے ہوئے تھے۔ صرف کوفہ میں چار ہزار گھوڑے تیار رہتے تھے۔ موسمِ سرما میں ان کو کوفہ کے دارالامارت کے بائیں طرف سامنے کے رخ رکھا جاتا تھا' اس جگہ کو آری کہتے تھے' ان کی چراگاہ کوفہ اور فرات کے درمیان عاقول نامی جگہ پر تھی۔ عجمیوں نے اس کا نام آخور الشاہجہان یعنی حکمرانوں کی چراگاہ رکھ دیا تھا۔ ان کے نگران سلیمان بن ربیعہ الباہلی تھے' وہ بعض اہل کوفہ کے ساتھ ہر روز ان کو دوڑاتے تھے۔ بصرہ میں بھی تقریباً چار ہزار گھوڑے موجود تھے' ان کے نگران جزء بن معاویہ تھے۔ اسی طرح ہر شہر میں تقریباً اتنے گھوڑے ہر وقت تیار رکھے جاتے تھے۔

"الاستیعاب" میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمدہ قسم کے گھوڑوں کا ریکارڈ رکھا۔

امام نووی کی "التھذیب" میں ہے رسول اللہ ﷺ کے متعدد گھوڑے تھے' آپ کا سب سے پہلا گھوڑا السکب تھا یہ سبک رفتار پنج کلیان گھوڑا تھا' یہ پہلا گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر آپ نے غزوہ میں شرکت فرمائی' آپ کا دوسرا گھوڑا سبقہ تھا آپ کا یہ گھوڑا گھڑ دوڑ کے مقابلہ میں شریک ہوا اور سبقت حاصل کی' ایک اور گھوڑے کا نام المرتجز تھا' یہ وہی گھوڑا ہے جسے آپ نے اعرابی سے خریدا تھا اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے حق میں گواہی دی تھی۔

سہل بن سعد کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے تین گھوڑے تھے: (۱) لِزاز (۲) اَلظَّرِبُ (۳) اَللُّحَیف یا اَللُّخَیف۔ لِزاز مقوقس نے' لُحَیف ربیعہ بن البراء نے اور ظَرِب فروہ بن عمر الجذامی نے آپ کو بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ آپ کے ایک گھوڑے کا نام الورد تھا' یہ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دیا۔ آپ کے پاس دلدل تھا جس پر سوار ہو کر آپ سفر فرماتے تھے' دلدل آپ ﷺ کے وصال کے بعد زندہ رہا یہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا اس کے دانت گر گئے تھے اسے جو کھلائے جاتے تھے' دلدل ینبع میں مرا۔

حضور ﷺ کی اونٹنی کا نام العضباء تھا' اسے الجدعاء بھی کہا گیا ہے' دوسری اونٹنی القصواء تھی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے: یہ تین اونٹنیاں تھیں۔ آپ کے دراز گوش کا نام عفیر تھا۔ ایک وقت میں آپ کے پاس بیس دودھیل اونٹنیاں' سو بکریاں' تین نیزے' تین کمانیں' چھ تلواریں' دو زرہیں اور ڈھال تھیں۔ تفصیلات کے لیے چھ جلدوں پر مشتمل علامہ تقی المقریزی کی کتاب بنام "امتاع الاسماع بما للرسول من الانباء والاموال والحفدة والمتاع" ملاحظہ کیجئے۔

فائدہ

''حواشی ابن غازی علی الصحیح ''میں راوی کے اس قول پر کہ سلف نر گھوڑے پر سواری پسند کرتے تھے' ابن بطال کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ سلف سے گھوڑی کی سواری منقول نہیں ہے' البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکور ہے کہ آپ کے پاس بلقاء نامی گھوڑی تھی۔

حیرت انگیز بات

''الاصابہ''میں حافظ ابن حجر نے جلیل القدر صحابی حضرت زبرقان بن بدر بن امرئ القیس التمیمی السعدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں الکوبی سے ذکر کیا ہے کہ آپ خلیفہ عبد الملک کے پاس تشریف لائے اور اسے پچیس گھوڑے پیش کئے۔ ہر گھوڑے کے باپ اور ماں کا نسب بیان کیا اور ہر گھوڑے کے لیے الگ الگ قسم کے جملے ادا کیے۔ عبد الملک نے کہا: میرے لیے گھوڑوں کے نسب کی معرفت سے زیادہ تعجب خیز امر ان کا پچیس مرتبہ مختلف الفاظ سے قسم کھانا ہے۔[۵۸۸]

رسول اللہ ﷺ کی سواری پر زین کسنے والے حضرات

ابن حبان الاصبہانی کی کتاب''اخلاق النبی ﷺ''میں ابو عبد الرحمٰن الفہری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں شدید گرمی کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں حاضر تھا' حضور ﷺ نے فرمایا: بلال! میرے گھوڑے پر زین ڈال دو' بلال رضی اللہ عنہ نے نمدے سے تیار کردہ پتلی سی زین نکالی جس میں اکڑ اور سختی نہ تھی۔[۵۸۹]

مسند ابوداؤد الطیالسی میں حضرت ابو عبد الرحمٰن الفہری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے' پھر واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! آپ اس وقت ایک ایسے درخت کے نیچے تھے جس کا سایہ پرندے کے پر کے برابر تھا' بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: لبیک وسعدیک حضور میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ ارشاد فرمایا: میرے لیے گھوڑے پر زین کس دو' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھجور کی چھال سے تیار کردہ زین لائے' جس میں کسی قسم کی سختی اور اکڑ نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی سواری کی زین کی حقیقت

ابن حبان کی کتاب میں ہے زین نمدے (اون یا بالوں کو جما کر پانی سے بھگو کر تیار کردہ کپڑا) کی تھی' الطیالسی اور السجستانی سے منقول ہے کہ کھجور کی چھال سے تیار کردہ تھی' اہل عرب کے اشعار میں ان کی زینوں کا نمدے سے ہونا بیان ہوا ہے۔

---

۵۸۸ ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۵۴۳۔۵۴۴ (رقم: ۲۷۸۲) بلا سند میرے خیال میں یہ روایت صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

۵۸۹ احمد ج ۵ ص ۲۸۶' طیالسی: ۲۷۲: ۲۳' دارمی: ۵۲۵۶' ابوداؤد: ۵۲۱۱' دولابی ''الکنی'' ج ۱ ص ۴۲' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۲ ص ۷۴۱' از ابو عبد الرحمٰن الفہری رضی اللہ عنہ' ابوداؤد نے اسے عمدہ حدیث کہا ہے۔

سواری کے وقت رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھامنے والے

امام نسائی نے عبداللہ بن بسر کی ان کے والد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے' آخر میں ہے: پھر رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار ہونے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں آپ کی رکاب تھامنے کو اٹھا۔[۵۹۰]

سواری کے وقت سوار کے کپڑے زین کے پاس سمیٹ دینا

الثعالبی نے "فقه اللغة" میں اور المطرزی نے "الیواقیت" میں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا' میں نے دیکھا: آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو لباس پہنایا اور عمامہ باندھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ سوار ہوئے' میں نے دیکھا: نبی ﷺ ان کے لیے دعا فرما رہے تھے اور ان کو وصیت کر رہے تھے اور ان کے کپڑوں کو زین کے پاس جمع کر دیا۔[۵۹۱]

رسول اللہ ﷺ کے گھوڑوں کو گھڑ دوڑ میں دوڑانے والے حضرات

فصل اوّل: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گھڑ دوڑ کے مقابلے

صحیح البخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے گھڑ دوڑ کے لیے تیار کردہ گھوڑوں میں دوڑ کا مقابلہ کرایا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے اس مقابلہ میں حصہ لیا۔[۵۹۲]

فصل دوم: گھڑ دوڑ میں شریک رسول اللہ ﷺ کا گھوڑا اور اس کے سوار

ابوعبید البکری نے زہری سے ذکر کیا ہے کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے الظرب نامی گھوڑے پر گھڑ دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا' رسول اللہ ﷺ نے سبقت حاصل کرنے پر حضرت سہل رضی اللہ عنہ کو یمنی چادر پہنائی۔

حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ عنہ گھڑ دوڑ کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے پر سب سے سبقت لے گئے' جب گھوڑا سامنے آیا' رسول اللہ ﷺ اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور لوگوں کی قطار سے آگے نکل

۵۹۰　صحیح حدیث۔ احمد ج ۴ ص ۱۸۸۔۱۸۹' مسلم: ۲۰۴۲' ابوداؤد: ۳۷۲۹' ترمذی: ۳۵۷۶' نسائی "الیوم واللیلۃ": ۲۹۲۔۲۹۳۔۲۹۴' ابن حبان: ۲۹۷' از عبداللہ بن بُسر السلمی رضی اللہ عنہ۔ مذکورہ بالا جملہ اس طویل حدیث کا آخری جملہ ہے۔

۵۹۱　ابن الجوزی "غریب الحدیث" ج ا ص ۵۹۵۔۵۹۶' ابن الاثیر "النہایۃ" ج ۳ ص ۳۹' بلا سند

۵۹۲　صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۲۰۔۲۸۷۰۔۲۳۳۶۔۷' مسلم: ۱۸۷۰' ابوداؤد: ۲۵۷۵' ترمذی: ۱۶۹۹' نسائی ج ۶ ص ۲۲۶' ابن ماجہ: ۲۸۷۷' احمد ج ۲ ص ۱۱۔۵۵۔۵۶۔۸۶' دارمی ج ۲ ص ۲۱۲' ابویعلی: ۵۸۳۹' بغوی "شرح السنۃ": ۲۶۵۰' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

آئے اور فرمایا: یہ گویا سمندر ہے' اور حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کو یمنی حلہ پہنایا۔[۵۹۳]

امام بخاری نے صحیح البخاری میں اس موضوع پر تین عنوانات ذکر کیے ہیں: گھڑ دوڑ کے مقابلے' گھڑ دوڑ کے لیے گھوڑوں کی تیاری اور گھڑ دوڑ کے تیار کردہ گھوڑوں کے درمیان مقابلہ۔[۵۹۴]

امام ترمذی نے بھی "باب المراھنة علی الخیل" کا عنوان قائم کیا ہے۔[۵۹۵] (فتح الباری ج ۶ ص ۸۳۔۸۵)

اونٹنی کے کجاوہ پر مامور خدام

ابن جماعہ اور قسطلانی نے رسول اللہ ﷺ کے خدام میں حضرت اسلع بن شریک بن عوف رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: آپ رسول اللہ ﷺ کے کجاوے والے تھے۔

علامہ زرقانی نے کہا: یعنی آپ بوقت ضرورت کجاوہ اتارتے اور کستے تھے۔

"معجم الطبرانی" میں از طریق ہیثم بن رزیق از والد خود از اسلع بن شریک الاشجعی از ربیع بن بدر از بدر از والد خود از اسلع رضی اللہ عنہ مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ کی خدمت رہتا تھا اور آپ کے لیے کجاوہ کستا تھا' آپ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: اے اسلع! اٹھو کجاوہ کسو' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جنبی ہو گیا ہوں۔

حضرت اسلع رضی اللہ عنہ ہی سے مروی دوسری روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر کجاوہ کستا تھا' ایک ٹھنڈی رات میں' میں جنبی ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے کجاوہ کسنے کا ارادہ فرمایا' میں نے حالت جنابت میں آپ کی اونٹنی پر کجاوہ کسنے کو ناپسند کیا' میں نے پانی گرم کیا' غسل کیا' پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے جاملا' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلع! کیا بات ہے' آج تم نے کجاوہ دوسری طرح کسا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج کجاوہ ایک انصاری نے کسا ہے' فرمایا: کیوں؟ میں نے عرض کیا: میں جنبی ہو گیا تھا اس لیے میں نے اسے کجاوہ کسنے کو کہا۔[۵۹۶]

"الاصابہ" میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ شیخ مغلطائی نے شرح بخاری میں جاحظ کی "کتاب البرھان" کے حوالہ سے ابتدائے تیمم کی نسبت اسلع رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے' بکثرت معلومات کے حامل ہونے کے باوجود یہ ان کی شدید کوتاہی اور تقصیر ہے۔[۵۹۷]

امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت براء بن مالک رضی اللہ

---

۵۹۳ یکے از مراسیل زہری۔

۵۹۴ فتح الباری ج ۶ ص ۸۳۔۸۴' باب: ۵۶ تا ۵۸۔

۵۹۵ سنن الترمذی ج ۴ ص ۲۰۵' کتاب الجہاد' باب: ۲۲۔

۵۹۶ ضعیف روایت۔ طبرانی "الکبیر" ج ۱ ص ۸۷۷ از اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۶۲ میں ہیثمی نے کہا ہے: بعض حضرات نے ہیثم بن زریق پر جرح کی ہے۔

۵۹۷ الاصابہ ج ۱ ص ۳۷ (رقم: ۱۲۲)

عنہ بعض سفروں میں نبی ﷺ کی سواری کو ہانکتے تھے۔[598]

"الاستبصار" میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ کی پہچان رسول اللہ ﷺ کے کجاوہ والے تھی۔[599]

رسول اللہ ﷺ کے خچر پر مامور خدام

ابن جماعہ نے "مختصر السیر" میں رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کے ذکر میں کہا ہے: آپ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر مامور تھے' دورانِ سفر اس کی لگام تھام کر آگے آگے چلتے تھے۔[600]

"شرح المواهب" (ج ۳ ص ۲۴۱) میں علامہ زرقانی کہتے ہیں: خچر کی لگام تھام کر چلنے میں حکمت یہ تھی کہ حضور ﷺ کے آرام کا خیال رکھا جائے' جانور بلندی پر چڑھتے ہوئے یا بلندی سے نیچے اترتے ہوئے عدم توازن کا شکار نہ ہو یا وہ راستے سے نہ ہٹے' رسول اللہ ﷺ دورانِ سفر عبادت یعنی نوافل وغیرہ میں مشغول رہتے تھے اور جانور میں مشغولیت آپ کی عبادت میں خلل کا باعث ہوتی۔ اس تقریر کی اصل الشبر املسی کے ہاں ہے۔

علامہ کتانی لکھتے ہیں: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی اس خدمت گزاری کا ذکر مسند احمد' ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فقہ اور علم میراث کے عالم اور قادر الکلام شاعر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مصر کے والی رہے۔[601]

فائدہ

"اوائل السیوطی" میں ہے اسلام میں سب سے پہلے جس خچر پر سواری کی گئی وہ دلدل ہے' یہ خچر مقوقس والیٔ مصر نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا' اسے محمد بن سعد کے حوالہ سے محمد بن ابراہیم التیمی سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اہل مدینہ نے سب سے پہلے شہباء خچر دیکھا' یہ خچر فروہ بن عمرو الجذامی نے نبی ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا۔

"الاصابہ" (ص ۱۵۳) میں حضرت بسر بن ابی بسر المازنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابن السکن نے حضرت بسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خچر پر سوار ان کے ہاں تشریف لائے' ہم اس خچر کو شامی دراز گوش کہتے تھے۔[602]

---

۵۹۸ صحیح حدیث۔ حاکم "المستدرک" ج ۳ ص ۲۹۱' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ ذہبی بھی حاکم کے ہم خیال ہیں۔

۵۹۹ الاصابہ ج ۳ ص ۳۰۵ (رقم: ۷۴۴۴)

۶۰۰ الاصابہ ج ۲ ص ۴۸۹ (رقم: ۵۶۰۱)

۶۰۱ الاصابہ ج ۲ ص ۴۸۹ (رقم: ۵۶۰۱)

۶۰۲ ضعیف روایت۔ الاصابہ ج ۱ ص ۱۴۸ (رقم: ۶۴۳) میں ہے اس حدیث کو ابن السکن نے از طریق معاویہ بن صالح روایت کیا ہے اور معاویہ بن صالح ضعیف راوی ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۳۸۲-۳۸۳)

''الاصابہ'' میں حضرت فروہ بن عامر الجذامی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ عرب سے متصل شامی علاقہ کے گورنر تھے' ان کی رہائش معان میں تھی' یہ علاقہ رومیوں کے ماتحت تھا' حافظ ابن حجر نے ان کا مسلمان ہونا بیان کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت فروہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں سفید خچر بطور ہدیہ روانہ کیا تھا۔[۶۰۳]

''تشنیف المسامع علی الصحیح الجامع'' میں کتاب بدء الخلق کے آخر میں راوی کے قول ''نبی ﷺ سے گدھوں کے بارے میں سوال کیا گیا'' پر ابن عربی کا یہ قول مذکور ہے کہ سائل کا گدھوں کے بارے میں سوال اس لیے تھا کہ گدھے میں گھوڑے جیسی کروفر نہیں ہوتی' ان کے پاس خچر نہیں تھے' حجاز میں آنے والا سب سے پہلا خچر دلدل تھا جو مقوقس والیٔ مصر نے نبی ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا۔

''الطبقات'' میں ابن سعد' مقوقس کی طرف سے نبی ﷺ کی خدمت میں دلدل بطور ہدیہ پیش کرنے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: عرب میں دلدل کے علاوہ کوئی خچر نہ تھا۔ دوسرے سیرت نگاروں نے دلدل کے علاوہ بھی حضور ﷺ کے خچروں کا ذکر کیا ہے' شاید یہ دلدل کے بعد آئے ہوں گے۔ کتب سیرت میں ہے: رسول اللہ ﷺ کا گھوڑا المرتجز' آپ کا دراز گوش عفیر' آپ کی اونٹنی قصواء' جس پر آپ نے دورانِ ہجرت سواری کی اور آپ کا خچر سفید رنگ کے تھے۔

سواری کی لگام پکڑ کر چلنے والے خدام

گذشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ دورانِ سفر حضور ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلتے تھے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں: میں نے حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا' میں نے اسامہ اور بلال رضی اللہ عنہما کو دیکھا ان میں سے ایک نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے نے آپ کو گرمی سے بچانے کے لیے کپڑے سے سایہ کیا ہوا تھا یہاں تک کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی۔[۶۰۴]

الطبری نے ذکر کیا ہے کہ حسن الاسلمی اور خالد بن یسار الغفاری رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی سواری کی لگام پکڑ کر چلتے تھے۔ (المواہب ج ۳ ص ۳۴۵)

۶۰۳۔ ضعیف روایت۔ الاصابہ ج ۳ ص ۲۱۲ (رقم: ۷۰۳۰) از ابن اسحاق' بلاسند۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: اس روایت کو ابن شاہین اور ابن مندہ نے بھی از طریق زہری نقل کیا ہے' اس کی سند ضعیف ہے۔

۶۰۴۔ صحیح حدیث۔ مسلم: (۳۱۱) (۳۱۲) (۱۲۹۸) (۱۸۳۸)' احمد ج ۶ ص ۴۰۲۔۴۰۳' ابوداؤد: ۱۸۳۴' نسائی ج ۷ ص ۱۵۴' ترمذی: ۱۷۰۶' ابن ماجہ: ۱۸۶۱' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۵ ص ۳۷۷ تا ۳۸۲۔۳۸۴' ابن ابی عاصم ''السنۃ'': ۱۰۶۲۔۱۰۶۳' ابن حبان: ۴۵۶۴' بیہقی ''السنن'' ج ۷ ص ۱۵۵' از ام الحصین رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی سواری کو ہنکانے والے خدام

''الاصابہ'' میں حضرت حسان الاسلمی رضی اللہ عنہ کے ذکر میں الطبری سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسان الاسلمی اور حضرت خالد بن یسار الغفاری رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی سواری کو ہانکتے تھے[۶۰۵] (ابن فتحون ج ۲ ص ۱۰)

''الاستبصار فی انساب الانصار'' میں ہے حضرت حارث بن الصمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ کی سواری کو ہنکاتے تھے۔ شاعر کہتا ہے:

اے پروردگار! حارث بن صمہؓ ذمہ دار' سچا اور وفادار ہے۔
جس نے سخت اندھیری رات میں اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن ادا کی ہیں۔
وہ امت کے ہادی نبی ﷺ کی سواری کو ہانک کر رفتہ رفتہ جنت کی طرف رواں دواں رہے۔[۶۰۶]

رسول اللہ ﷺ کے بدنہ (ہدی' قربانی کے جانور) کو ہنکانے والے

''الاصابہ'' میں حضرت خالد بن یسار بن عوف الغفاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ کے بُدن (اونٹ یا گائے جس کی مکہ میں قربانی کی جائے) کو ہنکانے والے حضرت خالد بن یسار اور حضرت حسان اسلمی رضی اللہ عنہما تھے۔ اسے ابن شاہین اور الطبری نے ذکر کیا ہے۔[۶۰۷] (ج ۲ ص ۹۲)

نبی ﷺ کے بُدن کے نگران

''الاصابہ'' میں حضرت ناجیہ بن جندب الاسلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ نبی ﷺ کے بُدن کے نگران تھے۔[۶۰۸]

نبی ﷺ کی دودھیل اونٹنیوں کے چرواہے

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں حضرت ذر بن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں کہا ہے کہ حافظ شرف الدین الدمیاطی نے اپنی سیرت کی کتاب میں ذکر کیا ہے' آپ غابہ میں رسول اللہ ﷺ کی دودھیل اونٹنیوں کے چرواہے تھے۔[۶۰۹]

---

۶۰۵ الاصابہ ج ۱ ص ۳۲۸ (رقم: ۱۷۱۱) از طبری بلا اسناد

۶۰۶ الاصابہ ج ۱ ص ۲۸۱ (رقم: ۱۴۲۹)

۶۰۷ الاصابہ ج ۱ ص ۴۰۷ (رقم: ۲۱۷۰) از ابن الکلبی' ابن الکلبی محدثین کے عرف میں کذاب ہے۔

۶۰۸ نہایت ضعیف۔ الاصابہ ج ۳ ص ۵۴۱ (رقم: ۸۶۴۲) میں ہے اسے ابن اسحاق نے بعض اہل علم کے حوالہ سے روایت کیا ہے' اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں۔

۶۰۹ الاصابہ ج ۱ ص ۴۸۱ (رقم: ۲۴۳۲) از ''سیرت'' دمیاطی بلا اسناد۔

"الاصابہ" ہی میں حضرت عریب الملیکی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن السکن سے منقول ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے چرواہے تھے۔[۶۱۰] (ج ۴ص ۲۴۰)

نبی ﷺ کی دودھیل اونٹنیوں کے نگران

"الاصابہ" میں نبی ﷺ کے غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران بتایا گیا ہے۔[۶۱۱]

نبی ﷺ کے گھوڑوں کے نگران (سائیس)

"الاصابہ" میں حضرت سعد بن مالک الساعدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ ابونعیم نے از ابوالعباس از والد خود از جد خود روایت کیا ہے کہ میرے والد کے پاس (نگرانی میں) نبی ﷺ کے گھوڑے تھے۔[۶۱۲]

نبی ﷺ کے شتربان

"الاصابہ" میں حضرت عبدالملک بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ان کا بیان ہے کہ میں حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں آپ کا شتربان (اونٹوں کا رکھوالا) تھا۔ یہ ابن الامین کی دریافت ہے۔[۶۱۳] اسی طرح الاختصار میں ہے' لیکن وہاں عبدالملک بن ابی کثیر مرقوم ہے اور یہ کہ آپ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ رسول اللہ ﷺ کے شتربان تھے۔ مصر سے مطبوعہ نسخہ میں مؤلف کی تحریر کے مطابق ابن ابی کثیر ہے' التجرید میں ابن بشکوال کے حوالہ سے العراقی نے ابن ابی کثیر ہی کہا ہے لیکن ہندوستان کے مطبوعہ نسخہ میں تصحیف کی گئی ہے۔

غزوۂ خیبر میں نبی ﷺ کی سواری کو روکنے والے خادم

"الاصابہ" میں نبی ﷺ کے غلام حضرت کرکرہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں الواقدی سے منقول ہے کہ حضرت کرکرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں جنگ کے دوران نبی ﷺ کی سواری کے جانور کو روکے ہوئے تھے۔[۶۱۴]

---

۶۱۰ الاصابہ ج ۲ص ۴۷۹ (رقم: ۵۵۳۵) از ابن السکن' بلا اسناد۔

۶۱۱ الاصابہ ج ۱ص ۵۰۲ (رقم: ۲۵۶۵) از بلاذری' بلا اسناد۔

۶۱۲ ضعیف روایت۔ الاصابہ ج ۲ص ۳۴ (رقم: ۳۱۹۵) میں ہے' اسے ابونعیم نے از ابوالعباس .... روایت کیا ہے۔ راوی ابوالعباس مجہول ہے' مجھے اس کا تذکرہ نہیں ملا۔

۶۱۳ الاصابہ ج ۲ص ۴۳۱ (رقم: ۵۲۶۲) بلا اسناد' بحوالہ ابن الامین۔

۶۱۴ الاصابہ ج ۳ص ۲۹۳ (رقم: ۷۴۰۰) بلا اسناد از واقدی۔ واقدی محدثین کے نزدیک متہم بالکذب ہے۔

اونٹنی پر سواری کے وقت نبی ﷺ کی رکاب تھامنے والے

"الاصابہ" میں حضرت منقع بن الحصین التمیمی السعدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابن السکن نے آپ سے روایت کیا ہے انہوں نے (حضرت منقع رضی اللہ عنہ نے) نبی ﷺ کو اونٹنی پر سوار دیکھا' اسود نے آپ کی رکاب تھامی ہوئی تھی ان کا سر رسول اللہ ﷺ کے سر انور کے برابر تھا' میں نے لوگوں میں ان جیسا دراز قامت شخص نہیں دیکھا[۶۱۵]

صحیح مسلم میں غزوۂ حنین کے واقعہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے خچر کو کفار کی طرف ایڑ لگا رہے تھے' میں خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور ابوسفیان بن الحرث رضی اللہ عنہ اس کی رکاب تھامے ہوئے تھے[۶۱۶] امام بخاری نے کتاب المغازی میں "باب الرکاب و الغرز للدابۃ" کا عنوان قائم کیا ہے۔

"الفجر الساطع" میں ہے رکاب لوہے یا لکڑی کی ہوتی ہے اور یہ گھوڑے کے لیے ہوتی ہے اور غرز چمڑے کی ہوتی ہے اور یہ اونٹ کے لیے ہوتی ہے۔ امام بخاری نے رکاب اور غرز کے جواز کا ذکر کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو عدم ممانعت پر محمول کیا ہے جس میں ہے: رکاب کاٹ دو اور گھوڑے پر اچھل کر سواری کرو' ابن بطال نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ان کو بغیر رکاب کے گھوڑے پر سوار ہونے کی مشق ہو۔

"الشفاء" پر ابن التلمسانی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے لوہے کی رکاب المہلب بن ابی صفرہ نے بنوائی۔

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑنے والے

"الاصابہ" میں حضرت ابوکاہل الاحمسی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ان سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا: نبی ﷺ عید کے دن اونٹنی پر سوار خطبہ دے رہے ہیں اور حبشی نے اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی ہے[۶۱۷]

(بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۴۵)

صحیح البخاری کی کتاب العلم[۶۱۸] میں ارشاد نبوی "رب مبلغ اوعی من سامع"[۶۱۹] کے زیر عنوان حضرت

---

۶۱۵ ضعیف روایت۔ الاصابہ ج ۳ ص ۴۶۴ (رقم: ۸۲۳۳) میں ہے اسے ابن السکن نے از طریق عصمہ بن بشیر روایت کیا ہے عصمہ بن بشیر البراجمی کے تذکرہ میں ابن ابی حاتم "الجرح والتعدیل" ج ۷ ص ۲۰ میں بغیر جرح وتعدیل کے گذر گئے۔

۶۱۶ صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۷۷۵' احمد "المسند" ج ۱ ص ۲۰۷' عبدالرزاق "المصنف": ۹۷۴۱' ابن ہشام "السیرۃ" ج ۲ ص ۴۴۳' حاکم "المستدرک" ج ۳ ص ۳۲۷۔ ۳۲۸' از عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے "صحیح السیرۃ النبویۃ" ص ۴۳۹۔ ۴۴۰' رقم: ۶۹۲' شیخ ابراہیم العلی)

۶۱۷ حسن حدیث۔ احمد ج ۴ ص ۳۰۶' نسائی ج ۳ ص ۱۸۵' ابن ماجہ: ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵' طبرانی "الکبیر" ج ۱۸ ص ۹۲۴۔ ۹۲۵' از ابی کاہل قیس بن عائذ رضی اللہ عنہ۔

۶۱۸ کتاب العلم: ۳' ج ۱ ص ۳۰۔

۶۱۹ صحیح البخاری' باب: ۱۰' ج ۱ ص ۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے اونٹ پر تشریف فرما ہوئے اور ایک شخص نے اس کی مہار یا لگام تھامی۔[۶۲۰] فتح الباری میں ہے راوی کو شک ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے خطام کہا تھا یا زمام کہا تھا۔ یہ دونوں الفاظ اس ڈوری کے لیے بولے جاتے ہیں جسے اہل عرب بُرہ کہتے ہیں اور یہ اونٹ کی ناک کے حلقے سے بندھی ہوتی ہے۔ مہار پکڑنے والے صاحب کون تھے؟ بعض شارحین نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے اور بطور سند سنن نسائی کی یہ روایت پیش کی ہے کہ ام الحصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے حج کیا' میں نے دیکھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہے تھے۔[۶۲۱]

سنن میں بروایت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ آیا ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا پھر نبی ﷺ کا بعض خطبہ ذکر کیا۔ سابقہ عبارت میں مبہم انسان کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تفسیر کرنے سے یہ توجیہ بہتر ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ اسماعیلی کی روایت میں از ابن المبارک از ابن عون' حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ موجود ہیں: میں نے یوم نحر کو رسول اللہ ﷺ کو اپنی اونٹنی پر دیکھا اور میں نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی۔ راوی نے کہا: انہوں نے خِطام کہا یا زمام کا لفظ بولا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ شک کرنے والے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ نیچے کا راوی ہے۔

اونٹ کی مہار پکڑ کر رکھنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اونٹ مضطرب نہ ہو اور اپنے اضطراب سے سوار کو تشویش میں مبتلا نہ کر دے۔ (فتح الباری)

''اسد الغابہ'' میں مجھے ایسا واقعہ ملا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص نبی ﷺ کی طرف سے کسی خدمت پر مقرر کردہ شخص کے کام میں مداخلت کرے بلکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام اس چیز کو پسند کرتے تھے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری کو پورا کرے' دوسرا مداخلت نہ کرے۔

چنانچہ ''اسد الغابہ'' میں حضرت سعد بن الاخرم کے تذکرہ میں ہے آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے' آپ نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی آپ سے آپ کے بیٹے مغیرہ نے حدیث روایت کی ہے۔

عیسیٰ بن یونس اور یحییٰ بن عیسیٰ اعمش سے وہ عمرو بن مرہ سے' وہ مغیرہ بن سعد بن الاخرم سے' وہ اپنے والد یا اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا میں آپ سے سوال کرنا چاہتا تھا مجھے بتایا گیا: آپ عرفہ میں ہیں' میں آپ کے پاس آیا اور آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی' لوگ مجھ پر چیخے: اسے چھوڑ دو۔[۶۲۲]

---

۶۲۰ صحیح حدیث۔ بخاری: ۶۷۔۱۰۵۔۱۷۴۱۔۳۱۹۷۔۴۴۰۶۔۴۶۶۲۔۵۵۵۰۔۷۰۷۸۔۷۴۴۷' مسلم: ۱۶۷۹' ابوداود: ۱۹۴۸' ابن ماجہ: ۲۳۳' احمد ج ۵ ص ۳۷۔۳۹۔۴۵۔۴۹' صحیح ابن خزیمہ: ۲۹۵۲' ابن حبان: ۳۸۴۸' بیہقی ''سنن'' ج ۵ ص ۱۴۰۔۱۶۵۔۱۶۶' بغوی ''شرح السنۃ'': ۱۹۶۵' از ابی بکرہ رضی اللہ عنہ

۶۲۱ فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۱' از ام الحصین رضی اللہ عنہا' تخریج گزر چکی ہے۔

۶۲۲ مرسل ضعیف حدیث۔ اس کو عبداللہ بن احمد نے ''زیادات المسند'' میں روایت کیا ہے۔ الاصابہ ج ۲ ص ۲۱' رقم: ۳۱۲۵ میں ہے اسے ابن ابی عمر اور ابن ابی شیبہ نے از طریق اعمش از عمرو بن مرہ از مغیرہ بن سعد الاخرم از والد خود یا از عم خود روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: حسن بن سفیان نے یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے' اس میں شک اعمش کی طرف سے ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر پورا واقعہ بیان کیا۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۶۷) اس واقعہ کے آخر میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اونٹنی کو چھوڑ دو۔ اسے ابو احمد العسکری نے ذکر کیا ہے۔

حدی خواں (مخصوص گانے کے ذریعہ اونٹوں کو ہنکانے والے)

''سنن النسائی'' میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابن رواحہ! نیچے اترو اور سواریوں کو حرکت دو (حدی خوانی کرو تا کہ اونٹ اپنی رفتار تیز کریں)' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے حدی خوانی چھوڑ دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو اور اطاعت کرو' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نیچے کودا اور میں نے کہا:[۶۲۳]

اللهم لو لا انت ما اهتدينا.

''سنن النسائی'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس رات کو رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے سو گئے تھے یہاں تک کہ سورج نکل آیا تھا' ہمارے ساتھ دو حدی خوان تھے۔[۶۲۴]

''مسند ابی داؤد الطیالسی'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ خواتین (کی سواریوں) کے حدی خوان تھے اور حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ مردوں کے لیے حدی خوان تھے۔ حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ خوش آواز تھے' جب حدی خوانی کرتے اونٹوں کی رفتار تیز ہو جاتی' نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے انجشہ! صبر سے کام لو جلدی نہ کرو' شیشے ہیں۔ آپ نے خواتین کو ان کے دلوں کی کمزوری کی وجہ سے شیشے کے برتنوں سے تشبیہ دی[۶۲۵] (کہ کانچ کے برتن چوٹ برداشت نہیں کرتے)۔

(بقیہ حاشیہ: ۶۲۲) (یعنی از والد خود یا از عم خود) ترمذی وغیرہ میں سعد الاخرم کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بخاری اور ابو حاتم نے سعد کو تابعین میں شمار کیا ہے' اس کے عم (چچا) کا نام عبداللہ ہے۔

ابو احمد العسکری نے کہا ہے: امام بخاری کہتے ہیں: یہ حدیث از مغیرہ بن عبداللہ الیشکری مروی ہے اور اسے عثمان بن ابی شیبہ از جریر از اعمش نقل کرنے کے بعد کہا ہے: اس میں مغیرہ بن عبداللہ الیشکری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ امام بخاری کے اس تبصرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغیرہ بن عبداللہ صحابی نہیں بلکہ تابعین میں سے ہے اور حدیث مرسل ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۲۳ نسائی' بیہقی ''السنن'': ۲۲۷۔۲۲۸' از عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔ اس میں یہ اضافہ ہے:

وما تصدقنا ولا صلينا	فانزلن سكينة علينا	وثبت الاقدام ان لاقينا

۶۲۴ صحیح حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج ۱۰ ص ۱۰۵۵۰' الاوسط: ۵۲' مجمع البحرین' بزار ج ۱ ص ۳۰۹۔۳۱۰' از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج ۱ ص ۳۲۴ میں بزار کا حوالہ دیئے بغیر اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔

۶۲۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۶۱۶۱۔۶۱۴۹۔۶۲۱۰' مسلم: ۲۳۲۳' طیالسی: ۲۰۴۸' احمد ج ۳ ص ۲۲۷۔۲۵۲' حمیدی ۱۲۰۹' ابو یعلیٰ: ۲۸۰۹۔۲۸۱۰۔۲۸۶۸۔۳۱۲۶' ابن حبان: ۵۸۰۰ تا ۵۸۰۳' بیہقی ''السنن'' ج ۱۰ ص ۲۰۰۔۲۲۷' بغوی: ۳۵۷۸۔۳۵۷۹' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ہدی کے جانوروں کے نگران

نبی ﷺ حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے آپ کے ساتھ ہدی (حرم میں بھیجے جانے والے قربانی کے جانور) کے بہت سے جانور تھے طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے حضرت ناجیہ بن جندب الاسلمی رضی اللہ عنہ کو ان پر نگران مقرر فرمایا تھا' مدینہ طیبہ سے لے جائے جانے والے تمام جانوروں کے نگران آپ ہی تھے۔[۶۲۶]

رسول اللہ ﷺ کے اسلحہ اور اسلحہ کے نگران

ابن اسحاق کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو نجد کی طرف گھوڑے اور اسلحہ خریدنے کے لیے بھیجا' رسول اللہ ﷺ کے پاس اس دور کے وہ تمام ہتھیار موجود تھے جن سے اس وقت کی اقوام کام لیتی تھیں۔ آپ کے پاس نو تلواریں تھیں جن میں سے ہر تلوار کا خاص نام تھا۔

شیخ سراج البلقینی کے پوتے شیخ عبدالباسط نے اپنے ان اشعار میں حضور ﷺ کی تلواروں کے نام ذکر کیے ہیں:

(۱) ہمارے ہادی ﷺ کے پاس نو تلواریں تھیں: رسوب' مخذم اور ذوالفقار

(۲) قضیب' حتف' البتار' عضب' قلعی اور ماثور۔

(۳) اس تعداد میں حکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے مشابہت ہے' یہ سب تلواریں دشمن کے لیے باعث ہلاکت تھیں۔

بعض سیرت نگاروں نے المعصوب نامی آپ کی ایک اور تلوار کا پتہ چلایا ہے' بدر القرافی کہتے ہیں: یہ بھی نبی ﷺ کی تلوار تھی۔ "شرح ابن الطیب الشرقی علی سیرۃ ابن الجزری" میں آپ کی ایک اور تلوار الصمصامہ کا ذکر آیا ہے۔ حسم' عضب' نقر اور رسب کے مادہ کی تحقیق کے لیے "القاموس" پر ابن الطیب کے حواشی ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی تلوار کہاں رہتی تھی؟

تلوار حمائل کرنے میں نبی ﷺ کی سنت اسے گردن مبارک میں لٹکانا ہے جیسا کہ ابن الجوزی نے کہا ہے' آج کل کے عرف کی طرح کمر میں باندھنا نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے "شرح المواھب" (ج ۴ ص ۳۳۵) میں نقل کیا ہے کہ ایک رات اہل مدینہ گھبرا گئے' لوگ آواز کی سمت گئے ان کو رسول اللہ ﷺ ملے' آپ آواز کی سمت سے واپس تشریف لا رہے تھے' آپ معاملے کی چھان بین کرنے گئے تھے۔ آپ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

---

۶۲۶ الاصابہ ج ۳ ص ۵۴۱ (رقم: ۸۶۴۱)

کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے' تلوار آپ کے گلے میں حمائل تھی' آپ فرما رہے تھے: بالکل نہ گھبراؤ[۶۲۷] یہ حدیث صحیحین' ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے۔

علامہ زرقانی اس جملے پر کہ "تلوار آپ کی گردن میں تھی" لکھتے ہیں: تلوار کی حمائل آپ کی گردن مبارک میں لٹک رہی تھی۔ علامہ خفاجی نے بھی "شرح الشفاء" میں یہی لکھا ہے کہ تلوار کی حمائل آپ کی گردن مبارک میں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تلوار ساتھ رکھنے میں سنت یہی ہے جیسا کہ ابن الجوزی نے کہا ہے' تلوار کمر سے باندھنا مسنون نہیں۔

علامہ زرقانی نے غزوۂ احد کے تذکرہ میں کہا ہے: حضور ﷺ نے تلوار لٹکانے والا حلقہ اپنے دائیں کندھے پر رکھا اور تلوار آپ کی بائیں بغل کے نیچے تھی۔ ابن سعد نے کہا: آپ نے زرہ پہنی اور اس کو درمیان میں تلوار کی حمائل کے چمڑے کے منطقہ سے باندھ کر تلوار کو لٹکا دیا اور ڈھال اپنی پشت مبارک پر ڈال دی۔

نبی ﷺ تلوار اور آلات حرب کو سونا چاندی سے آراستہ کرتے تھے' آپ کے پاس پانچ نیزے' متعدد قسم کے سامانِ حرب' سات زرہیں اور خود تھے۔ ابن جماعہ نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے: حضور ﷺ کے پاس تین جبے تھے جن کو آپ جنگ میں زیب تن فرماتے تھے ایک جبہ باریک سبز ریشم سے تیار شدہ تھا' آپ نے تنگ آستینوں والا جبہ بھی زیب تن فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس چمڑے کا منطقہ (پیٹی' پٹکا) تھا جس میں چاندی کے تین حلقے تھے اور اس کا کانٹا اور آخری کنارہ چاندی کا تھا۔ ابوالفتح الیعمری نے اپنی سیرت کی کتاب میں اسی طرح تحریر کیا ہے ابن سعد وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن کمر پر پیٹی (منطقہ) باندھی' یعمری وغیرہ نے بھی اسے برقرار رکھا ہے۔

علامہ زرقانی نے المواهب کی شرح میں کہا ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ہم کو ایسی روایت نہیں ملی جس میں آپ کا کمر پر پیٹی باندھنا منقول ہو' تقصیر پر مبنی ہے' کیونکہ ابن سعد ثقہ حافظ ہے اور اس کا قول ابن تیمیہ پر حجت ہے کہ اس نے نفی کا قول کیا ہے اور نفی بھی مطلق نہیں' سو ابن تیمیہ کی تقریر کو نظر انداز کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر شہر میں خود (مغفر) زیب سر فرما کر داخل ہوئے[۶۲۸] متعدد تصانیف میں حفاظ کی ایک جماعت نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

لطیفہ

شیخ علاء الدین علی بن محمد السعدی متوفی ۱۷۷ھ نے "رسالة فی المفاخرة بین السیف والرمح" اور

۶۲۷ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۶۲۷۔ ۲۸۲۰۔ ۲۸۵۷۔ ۲۸۶۲۔ ۲۸۶۶۔ ۲۸۶۷۔ ۲۹۰۸۔ ۲۹۶۸۔ ۲۹۶۹۔ ۳۰۴۰۔ ۶۰۳۳۔ ۶۲۱۲' مسلم: ۲۳۰۷' ابوداؤد: ۴۹۸۸' ترمذی: ۱۶۸۵' طیالسی: ۱۹۷۹' احمد ج ۳ ص ۱۷۱۔ ۱۸۰۔ ۱۸۵۔ ۲۷۴۔ ۲۹۱' ابن حبان: ۵۷۹۸۔ ۶۳۶۹' بیہقی ج ۶ ص ۸۸۔ ج ۱۰ ص ۲۵۔ ۲۰۰' بغوی: ۲۱۶۰' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۶۲۸ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۲۸۶' مسلم: ۱۳۵۷' ابوداؤد: ۲۶۸۵' ترمذی: ۱۶۹۳' نسائی ج ۵ ص ۲۰۱' ابن ماجہ: ۲۸۰۵' دارمی ج ۲ ص ۲۲۱' احمد ج ۳ ص ۱۸۰' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

ابو حفص احمد بن محمد بن احمد الکاتب الاندلسی نے (آپ ۴۰۴ھ کے بعد تک بقید حیات تھے) نے "مفاخرۃ بین السیف و القلم" علی بن ہبۃ اللہ ماکولا نے بھی "المفاخرۃ بین السیف و القلم و الدینار" اور ابن نباتہ وغیرہ نے بھی ان موضوعات پر رسائل تحریر کیے ہیں۔ (واضح رہے کہ پہلے رسالہ میں تلوار اور نیزے کے درمیان اپنے شاندار کارناموں کے حوالہ سے ایک دوسرے پر اظہار فخر' دوسرے رسالہ میں تلوار اور قلم میں اور تیسرے رسالہ میں تلوار' قلم اور دینار (نقدی' روپیہ) کے درمیان اظہارِ فخر کا یہ مقابلہ بیان کیا گیا ہے۔ مترجم)

عجیب وغریب واقعہ

عارف نابلسی کی "شرح الطریقة المحمدیه" میں المرغینانی سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسریٰ فارس کے خزانوں پر قابض ہوئے آپ نے سراقہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی قبا پہننے کا حکم دیا (حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سب سے دراز قامت تھے) انہوں نے قبا پہن لی پھر ان کو پیٹی لگانے کا فرمایا' انہوں نے پیٹی لگالی اور پیٹی باندھنے کا حکم دیا' حضرت سراقہ نے پیٹی باندھ لی' یہ پیٹی سونے کی تھی جس میں موتی جڑے تھے۔ عارف نابلسی کہتے ہیں: یہ روایت سنہری پیٹی باندھنے کے جواز کی دلیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے نیزہ بردار خدام

ابو محمد بن حیان الاصبہانی نے ابن یزید سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے نجدہ الحروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس یہ سوال کرنے کے لیے بھیجا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے کبھی کوئی نیزہ بردار رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں' جب آپ غزوۂ حنین سے واپس ہوئے آپ کے آگے نیزہ بردار چل رہا تھا۔

قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حربہ (چھوٹا نیزہ' برچھی) بطور تحفہ روانہ کیا تھا' جب آپ عیدگاہ کو تشریف لے جاتے خادم یہ حربہ لے کر آگے آگے چلتا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد یہ حربہ خلفاء کو منتقل ہوتا رہا۔ اسی سے غزوۂ احد میں نبی ﷺ نے ابی بن خلف کو قتل کیا تھا' اس کو عنزہ بھی کہا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے تلوار بردار

"الاستیعاب" "الروض الانف" اور "نور النبراس" میں مشہور بہادر حضرت ضحاک بن سفیان بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے رہتے تھے۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کو سو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے کہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے شمشیر زن تھے' وہ تلوار حمائل کیے نبی ﷺ کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔[۶۲۹]

[۶۲۹] ضعیف حدیث۔ "الاستیعاب" علی ھامش "الاصابہ" ج ۲ ص ۲۰۷۔ اسے ابن عبد البر نے زبیر بن بکار سے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ اس روایت کا اسناد منقطع ہے اور اس میں مجاہیل ہیں۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں ہے کہ عروہ بن مسعود (قریش کا نمائندہ) نبی ﷺ سے گفتگو کر رہا تھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سر پر خود جمائے تلوار لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے تھے۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں کہا ہے: اس حدیث میں حکمران کی حفاظت اور دشمن کو مرعوب کرنے کے ارادہ سے حکمران کے پاس تلوار لے کر کھڑے ہونے کا جواز ثابت ہوتا ہے' بیٹھنے والے کے پاس کھڑے رہنے کی ممانعت والی روایت اس کے معارض نہیں ہے کیونکہ ممانعت کا سبب تکبر اور بڑائی کا اظہار ہے (یہاں حفاظت مطلوب ہے' حکمران اپنی برتری اور بڑائی کے لیے ایسا نہیں کروا رہا)۔

امام مجد الدین بن تیمیہ نے ''المنتقی'' میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکور حدیث پر کہا ہے کہ اس میں دورانِ جنگ دشمن کو خوف زدہ اور مرعوب کرنے کے لیے فخر اور بڑائی کے اظہار کا استحباب نکلتا ہے' یہ اس مذمت میں داخل نہیں کہ حکمران اپنے لیے لوگوں کا قیام پسند کرتا ہو۔ دوسرے حضرات نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

علامہ الخطابی کہتے ہیں کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ امام (حکمران) کے لیے خوف کے وقت اور دورانِ جنگ اپنے محافظ مقرر کرنا جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی' جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے صفیں بنا کر کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''[۱۳۰] اس شخص کے لیے ہے جو تکبر اور غرور ونخوت کے طور پر ایسا چاہتا ہو۔

امام ابن مفلح نے ''الآداب الکبری'' میں کہا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی مقصد کے تحت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مجرموں کے سر قلم کرنے والے حضرات

''سیرۃ ابن سید الناس'' میں پانچ صحابہ کرام مذکور ہیں جن سے یہ خدمت لی جاتی تھی وہ یہ ہیں: حضرت علی' حضرت زبیر' حضرت مقداد' حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ ابن القیم نے حضرت ضحاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ کا اضافہ کیا ہے۔''نور النبراس'' میں ہے ابن سید الناس نے حضرت عویمر بن ساعدہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور کسی انصاری شخص کا نام ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ ابن سید الناس نے غزوۂ احد کے تذکرہ میں حرث بن سوید بن الصلت کے قصہ میں ذکر کیا ہے کہ اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس کی گردن اڑادی گئی یہ ذمہ داری حضرت عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ شاید ابن سید الناس نے ان حضرات کا ذکر کیا ہو جو عموماً یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوں۔

''المواھب'' میں ہے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ کرام مجرموں کے سر قلم کرتے تھے: حضرت علی بن ابی طالب' حضرت زبیر بن العوام' حضرت مقداد بن عمرو' حضرت محمد بن مسلمہ' حضرت عاصم بن ثابت ابن ابی الاقلح اور حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہم۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ بہادری میں سو سواروں کے

[۱۳۰] صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۵۲۲۹' احمد ج ۴ ص ۹۱' ترمذی: ۲۷۵۶' از معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

برابر سمجھے جاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی تلوار صیقل کرنے والے

''الاستیعاب'' میں ہے مرزوق الصیقل رضی اللہ عنہ انصار کے غلام تھے' آپ صحابی ہیں' آپ نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار صیقل کی ہے (صاف کی' چمکائی' پالش کی)۔

''الاصابہ'' میں ہے امام بغوی اور طبرانی نے محمد بن حمیر کے طریق سے روایت کیا ہے کہ اسے ابوالحکم نے حدیث بیان کی کہ مجھ سے مرزوق الصیقل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار ذوالفقار صیقل کی' اس تلوار کا دستہ چاندی کا تھا' تھامنے کی جگہ میں حلقہ تھا اور اس کے درمیان میں چاندی کی گھنڈی تھی۔[۶۳۱]

بعد ازاں حافظ ابن حجر نے مرزوق رضی اللہ عنہ کی صحابیت میں تردد کا اظہار کیا ہے حالانکہ وہ العسکری وغیرہ سے ان کی صحبت نقل کر چکے تھے' اور ابن حبان کا یہ قول بھی کہ: کہا گیا ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل ہے۔

انتباہ

تیر' تلوار' نیزے اس دور کے معروف ہتھیار تھے انہی سے جنگوں میں کام لیا جاتا تھا' توپ وغیرہ جیسے ہتھیار اس دور میں نہ تھے۔ علامہ ابواسحاق ابراہیم بن احمد غانم الاندلسی نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے' جس کا نام ''**العز الذائع في المجاهدين بالمدافع** '' ہے' یہ نایاب کتاب ہے' اس کا ایک نسخہ مصر میں موجود ہے۔ امام حافظ بدر الدین بن جماعہ المقدسی نے بھی اس موضوع پر کتاب لکھی ہے ''**مسند الاخباد في آلات الجهاد** '' اس کا ذکر ابن سلیمان الروانی نے کیا ہے۔

تتمہ

الشیخ مختار بن احمد الکنتی کی کتاب ''**فتح الوهاب على هداية الطلاب** '' میں ہے اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ طیبہ کے مسلم مکین اپنے ہتھیار نہیں اتارتے تھے کیونکہ دشمنوں کی جانب سے ہر لحہ حملے کا خطرہ رہتا تھا اور امن وامان کی صورت حال مخدوش تھی۔

مؤلف کہتے ہیں: اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں نماز کے دوران بھی ہتھیار ساتھ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے المدخل وغیرہ۔

سفرِ ہجرت میں رسول اللہ ﷺ کے دلیلِ راہ (گائیڈ)

صحیحین میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے سفر ہجرت کے لیے بنو ہذیل کے ایک شخص کو بطور دلیلِ راہ اجرت پر

---

۶۳۱ ضعیف حدیث۔ الاصابہ (ج ۳ ص ۴۰۱' رقم: ۷۸۹۹) میں ہے اسے بغوی نے اور طبرانی نے ''الکبیر'' (ج ۲۰ ص ۸۴۴) میں مرزوق الصیقل سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کے خیال میں اس مرزوق کی صحابیت محل نظر ہے۔ ہیثمی نے بھی اس کی عدم معرفت بیان کی ہے۔

رکھا تھا' یہ بڑا اچھا گائیڈ اور راستوں کا ماہر تھا' ابھی تک قریش کے دین پر تھا (مشرک تھا)۔[۶۳۲]

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق غزوۂ احد میں نبی ﷺ کے گائیڈ حضرت ابوخیثمہ بن الحارث رضی اللہ عنہ تھے۔[۶۳۳] غزوۂ حدیبیہ میں یہ خدمت بنواسلم کے ایک صاحب نے انجام دی تھی۔[۶۳۴]

''الاستیعاب'' میں سعد العوفی کے تذکرہ میں ہے وہ مدینہ کی طرف سفرِ ہجرت میں رسول اللہ ﷺ کے گائیڈ تھے۔[۶۳۵]

''الاصابہ'' (ج ۱ص ۱۹۰) میں کعب الاحبار کی بیوی کے بیٹے تبیع الحمیری کے تذکرہ میں ابوبکر البغدادی سے منقول ہے انہوں نے اہل حمص سے تعلق رکھنے والے صحابہ کے طبقاتِ علیا میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ راستہ کے لیے نبی ﷺ کے گائیڈ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے اسلام قبول نہ کیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔[۶۳۶]

''الاصابہ'' (ص ۲۰۱) ہی میں حضرت ثابت بن الضحاک بن خلیفہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ ابن ابی داؤد اور ابن السکن نے ابوبکر بن ابوالاسود کے طریق سے نقل کیا ہے: حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں نبی ﷺ کے ردیف (سوار کے پیچھے سوار) تھے اور حمراء الاسد کی طرف آپ کے گائیڈ تھے۔[۶۳۷]

''الاصابہ'' (ج ۱ص ۳۰۲) میں حضرت جبار الثعلبی کے تذکرہ میں واقدی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ آپ غطفان کی طرف رسول اللہ ﷺ کے گائیڈ تھے۔ (الاصابہ ج ۱ص ۲۲۰' حدیث: ۱۰۵۷' بلا اسناد از واقدی)

''الاصابہ'' ہی میں حضرت جمیل الاشجعی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو بیس صاع کی اجرت پر خیبر کی طرف صحابہ کرام کی رہنمائی کے لیے گائیڈ مقرر فرمایا تھا' انہوں نے یہ ذمہ داری پوری کی پھر مسلمان ہو گئے۔

---

۶۳۲ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۹۰۵' عبد الرزاق ''المصنف'': ۹۷۴۳' احمد ج ۶ص ۳۴۶' طبری ''التاریخ'' ج ۲ص ۳۷۵۔۳۷۸' بیہقی ''الدلائل'' ج ۲ص ۴۷۱۔۴۷۲' ابن سعد ''الطبقات'' ج ۸ص ۲۵۰' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۶۳۳ ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۲ص ۶۵' مرسل روایت۔

۶۳۴ بلکہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لیے خزاعہ کے ایک صاحب کو بطور جاسوس روانہ فرمایا تھا۔ بخاری: ۴۱۷۸ تا ۴۱۸۱' ابوداؤد: ۲۷۶۵' عبد الرزاق: ۹۷۲۰' احمد ج ۴ص ۳۲۸۔۳۳۱۔۳۳۴' از مسور بن مخرمہ' مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما (صحیح السیرۃ النبویہ ص ۳۰۱' رقم: ۴۸۷' شیخ ابراہیم العلی)

۶۳۵ مجھے ''الاستیعاب'' میں سعد العوفی کا تذکرہ نہیں ملا۔ نبی ﷺ کے سفر ہجرت میں سعد العوفی آپ کے گائیڈ نہیں تھے بلکہ ''الاصابہ'' (ج ۴ص ۴۹۷) میں حافظ ابن حجر نے ام معبد الخزاعیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ عبد اللہ ابن اریقط مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت میں آپ کے گائیڈ تھے۔ حضرت ابوبکر اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ہم سفر تھے۔ ''الاصابہ'' کے حاشیہ پر مطبوعہ ''الاستیعاب'' میں ابن عبد البر نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔

۶۳۶ الاصابہ ج ۱ص ۱۸۷ (رقم: ۸۶۰)

۶۳۷ مرسل حدیث ''الاصابہ'' (ج ۱ص ۱۹۳' رقم: ۸۹۴) کے مطابق اس حدیث کو ابن ابوداؤد اور ابن ابی السکن نے از طریق ابوبکر بن ابو الاسود روایت کیا ہے اور ابوبکر نے ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

''الاصابہ'' ہی میں العذری کے متعلق واقدی سے منقول ہے کہ وہ نبی ﷺ کے گائیڈ تھے' پھر حاکم کی ''الاکلیل'' کے حوالہ سے ان کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شام کے قریب جانے کا ارادہ فرمایا (غزوۂ تبوک کے موقعہ پر) آپ کے ساتھ بنوعذرہ کا راستوں کا ماہر گائیڈ تھا۔[۶۳۸] (ج۶ص۷۶)

بے آب و گیاہ میدانوں اور جنگلات میں رسول اللہ ﷺ کے منازل سفر کے نشانات اور عمارات

دورانِ سفر جن چٹیل میدانوں' بے آب و گیاہ صحراؤں اور جنگلات میں رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ فرمایا' نماز پڑھی' وہاں علامات قائم کر دی گئیں اور عمارت بنادی گئی تاکہ بعد میں آنے والوں کو معلوم ہو کہ دعوتِ اسلام کے لیے آپ کے قدم مبارک کہاں تک پہنچے ہیں۔

کتب سیرت میں ہے رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ طائف کے لیے روانہ ہوئے' آپ حرۃ الرغاء کے داہنے نخلستان میں تشریف لائے' آپ نے وہاں مسجد تعمیر فرمائی اور اس میں نماز ادا کی۔[۶۳۹]

ابن بادیس نے کہا ہے: اس سے جنگلات' غیر آباد مقامات اور آبادیوں میں مساجد بنانے کا ثبوت ہے تاکہ وہ وہاں تک اسلام کے پیغام کی رسائی کا علامت اور نشان ہوں۔

''المواھب'' میں غزوۂ تبوک کے ذکر میں ہے کہ تبوک کے راستہ میں متعدد مساجد بنائی گئیں' زرقانی کہتے ہیں: یہ بیس مساجد ہیں' ان کی تعمیر کا سبب یہاں نمازوں کی ادائیگی یا حضور ﷺ کی جائے نماز کا تعین تھا۔ بعد ازاں وہاں مساجد بنادی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے راستہ آسان بنانے والے (خطرات پر نگاہ رکھنے والے)

''الاستیعاب'' میں ہے کہ حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے راستوں کو آسان بنانے کے لیے روانہ فرمایا۔[۶۴۰]

''الاصابہ'' میں اسے تاریخ البخاری اور البغوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ رسول

---

۶۳۸ ضعیف حدیث۔ الاصابہ (ج۳ص۳۹۶' رقم: ۸۶۳۷) کے مطابق اس حدیث کو واقدی نے ''المغازی'' میں نقل کیا ہے۔ حاکم نے ''الاکلیل'' میں اس روایت کو واقدی کے طریق سے نقل کیا ہے۔ پھر از طریق ابی سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم وغیرھما کے طریق سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

۶۳۹ ''السیرۃ النبویۃ'' ابن ہشام ج۲ص۴۸۲' بلا اسناد۔

۶۴۰ ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج۳ص۱۸۳' بلا اسناد۔

اللہ ﷺ کے جاسوس تھے' راستوں پر نگاہ رکھتے تھے[۶۴۱]

رسول اللہ ﷺ کو چڑھنے میں مدد دینے کے لیے اپنی گردنیں بطور زینہ پیش کرنے والے

''الاستیعاب'' (ص ۸۷۷) میں رسول اللہ ﷺ کی خادمہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے:

آپ کی کنیت ام رباب تھی' آپ کی حدیث اہل بصرہ کے پاس ہے' حضرت ام رباب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی شب دیوار پر چڑھنے میں مدد دینے کے لیے نبی ﷺ کے قدم رکھنے کے لیے بطور زینہ اپنی گردن پیش کر دی تھی۔ حضور ﷺ آپ کی گردن پر قدم رکھ کر دیوار پر چڑھے اور دوسری طرف اتر گئے۔

''الاصابہ'' میں آپ کا مزید تذکرہ ہے اس میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ابن مندہ نے از طریق یعلیٰ بن اسد از عبداللہ بن حبیب از ام سلیمان روایت کیا ہے وہ اپنی والدہ اور اپنی نانی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں' انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے چڑھنے کے لیے اپنی گردن پیش کر دی تھی[۶۴۲]

مؤلف کہتے ہیں: علامہ الخزاعی پر تعجب ہے کہ انہوں نے یہ تذکرہ کیسے نظر انداز کر دیا حالانکہ ان کا سب سے بڑا ماخذ ''الاستیعاب'' ان کے پاس موجود تھا۔ بے شک ہر کمال اللہ ہی کے لیے ہے۔

یہاں غزوۂ احد کے اس واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب راہِ خدا میں رسول اللہ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور آپ کا چہرۂ انور مجروح ہو گیا' آپ جبل احد کی ایک چٹان پر چڑھنے لگے' آپ کا جسم مبارک بھاری ہو گیا تھا اور آپ نے دو زرہیں زیب تن فرمائی ہوتی تھیں (اس لیے آپ کو اوپر چڑھنے میں وقت پیش آ رہی تھی) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپ کو اوپر پہنچا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طلحہ کے لیے جنت واجب ہو گئی[۶۴۳] یعنی انہوں نے ایسا کام کیا ہے جو دخولِ جنت میں داخلے کو لازم کر دیتا ہے۔

۶۴۱۔ بخاری ''التاریخ'' ''بغوی (الاصابہ ج ۳ ص ۱۸۴' رقم: ۶۹۰۴) از طریق عمار بن سعد از قطن بن عبداللہ اللیثی از غالب بن عبداللہ اللیثی۔

۶۴۲۔ ضعیف حدیث۔ ''الاصابہ'' (ج ۴ ص ۴۰۵' رقم: ۹۸۵) میں ہے اسے ابن مندہ نے روایت کیا ہے' حافظ ابن حجر نے ام سلیمان کے مجہول ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

۶۴۳۔ قوی الاسناد حدیث۔ ابن اسحاق ص ۳۱۱' ابن ہشام ''السیرۃ'' ج ۳ ص ۹۱۔۹۲' ابن سعد ج ۳ ص ۲۱۸' ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۱' احمد ''المسند'' ج ۱ ص ۱۶۵' الفضائل: ۱۲۹۰' ترمذی: ۱۶۹۲۔ ۳۷۳۸' ابن ابی عاصم ''السنۃ'': ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸' ابو یعلیٰ: ۶۷۰' ابن حبان: ۶۹۷۹' حاکم ج ۳ ص ۳۷۳۔ ۳۷۴' بیہقی ''السنن'' ج ۶ ص ۳۷۰۔ ج ۹ ص ۴۱' بغوی ''شرح السنۃ'': ۳۹۱۵' از طریق محمد بن اسحاق۔ ۔۔۔ از عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔

رسول اللہ ﷺ پر سایہ کرنے والے

ابن اسحاق نے رسول اللہ ﷺ کے سفرِ ہجرت اور مدینہ طیبہ میں آپ کی آمد کے ذکر میں کہا ہے کہ لوگ جلدی جلدی آپ کی طرف نکلے' جب رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آنے لگی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنی چادر سے آپ پر سایہ کر لیا۔[۶۴۴]

''صحیح مسلم'' میں ام الحصین بنت اسحاق الاخمصیہ (یا الاخمسیہ) رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں: میں نے حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کے ساتھ حج کیا' میں نے اسامہ بن زید اور بلال رضی اللہ عنہم کو دیکھا ان میں سے ایک نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے نے آپ کو گرمی سے بچانے کے لیے آپ کے سر پر کپڑے سے سایہ کیا ہوا تھا یہاں تک کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کی رمی فرمائی۔

دورانِ سفر نبی ﷺ کے سامان اٹھانے والے اور خادم

صحیح البخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامانِ سفر پر مقرر خادم کا نام کرکرہ تھا۔[۶۴۵]

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کے سامان کے نگران حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے منیٰ سے نکلتے وقت مقام ابطح میں اترنے کا حکم نہیں فرمایا تھا' لیکن میں نے وہاں آ کر آپ کے لیے خیمہ لگا دیا آپ تشریف لائے اور وہیں قیام فرمایا۔[۶۴۶]

''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن زید بن عمرو بن مازن الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ ابن مندہ نے یونس بن بکیر کی روایت سے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے سامان کے نگران تھے۔

ابونعیم نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے: حضور ﷺ کے سامان کے نگران حضرت عبداللہ بن کعب بن عمرو بن غنم بن مازن رضی اللہ عنہ تھے[۶۴۷] ابونعیم کا اعتراض درست نہیں کیونکہ متعدد مواقع پر متعدد نگران ہو سکتے ہیں' سامان کے لیے لفظ ''ثقل'' کے لیے یہ کہنا بھی کہ یہ تصحیف ہے صحیح لفظ ''نفل'' ہے' خود کو دشواری میں ڈالنا ہے کیونکہ اس میں بھی دونوں صورتوں کا احتمال موجود ہے۔

---

۶۴۴ ضعیف حدیث۔ اس میں مجاہیل ہیں۔ ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۱ ص ۴۹۲۔

۶۴۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۷۴' ابن ماجہ: ۲۸۴۹' احمد ج ۲ ص ۱۶۰' از عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ کرکرہ نے مالِ غنیمت میں عبا چرائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ آگ میں ہے۔۔۔۔۔

۶۴۶ صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۳۱۳' ابوداؤد: ۲۰۰۹' از ابورافع رضی اللہ عنہ۔

۶۴۷ ضعیف حدیث۔ ابن مندہ از طریق یونس بن بکیر از ابن اسحاق (الاصابہ ج ۲ ص ۳۱۳' رقم: ۴۶۸۹)

ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے سامان کی نگرانی پر مامور تھے۔[۱۴۸]

رسول اللہ ﷺ کا اونی خیمہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ (النحل: ۸۰)

اور اللہ نے تمہاری رہائش کے لیے تمہارے گھر بنائے اور تمہارے لیے چوپایوں کی کچھ کھالوں سے گھر بنائے جنہیں تم ہلکا پاتے ہوا اپنے سفر کے وقت اور اپنی اقامت کے وقت اور (بنائے) بھیڑوں' دنبوں کی نرم اون اور اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو سامان اور برتنے کی چیزیں ایک مقررہ وقت تک ○

انسان جن گھروں میں سکونت رکھتا ہے وہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) لکڑی' اینٹ' مٹی' گارے وغیرہ سے تیار کردہ گھر اور چھتیں' ان کی طرف آیت کریمہ کے اس جملہ میں اشارہ ہے: "**واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا.** جسے انسان بطور سکونت اور برائے سکون بناتا ہے" اس قسم کے گھروں کی منتقلی ممکن نہیں ہوتی' بلکہ انسان خود ایسے گھروں میں منتقل ہوتا ہے۔

(۲) دوسری قسم اون' چمڑے اور کپڑے وغیرہ سے تیار کردہ قبے اور خیمے ہیں' اس میں آیت کریمہ کے اس جملہ میں اشارہ ہے: "**وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا......ویوم اقامتکم**" گھروں کی اس قسم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہے' اہل عرب اور دیگر بدوی لوگ چمڑے سے تیار کردہ یہی خیمے استعمال کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دورانِ سفر اور دورانِ اقامت تمہارے لیے ایسے گھروں کو سنبھالنا اور لے جانا آسان ہے اس میں مشکلات پیش نہیں آتیں۔

ابن سید الناس الیعمری کہتے ہیں: خیمے (فسطاط) کو گھر کہا گیا ہے۔ "**الفوائد**" میں لکھتے ہیں: فسطاط بالوں سے تیار کردہ گھر (خیمہ) اور "کِنّ" گرمی اور سردی سے بچاؤ کی چیز کو کہتے ہیں" "**نور النبراس**" میں ہے: **فسطات.** یعنی خیمہ (المطالع)۔

مغربی (افریقی) ممالک میں اسے الخزانہ کہتے ہیں' اور بادشاہ جہاں اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش پذیر ہو خیموں کی اس بستی کو آفراک کہا جاتا ہے اور اس خدمت پر متعین لوگوں کو زمانہ قدیم سے مغرب میں "الفرایکیہ" کہا جاتا ہے۔

---

[۱۴۸] ضعیف حدیث۔ ابن السکن از طریق یعقوب بن محمد المدنی ...... (الاصابہ ج ۲ ص ۳۶۲' رقم: ۴۹۱۵) اس کے اسناد میں کرامۃ بنت الحسن اور عبداللہ بن کعب المازنی کے درمیان انقطاع ہے۔

زمانہ قدیم سے خیمے (الخزائن) چمڑے' اون یا بالوں سے تیار کیے جاتے تھے' سب سے پہلے جس نے کتان (سن) سے خیمہ تیار کیا ہمارے اسلاف میں سے تھے' اور وہ یحیٰ بن عمران بن عبدالجلیل بن یحیٰ بن یحیٰ بن محمد بن ادریس بن ادریس رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فاس سے ادریسیوں کے فرار کے بعد قسمطینہ کے علاقہ زواوہ میں ان کی بیعت ہوئی۔ اسی لیے ہمارے خاندان کو کتانی کہا جاتا ہے' دولتِ حسنیہ علویہ کے مورخ ابوالعباس ابن الحاج نے ''الدر المنتخب'' میں ہمارے گھرانے کے ایک عظیم فرزند کی بہت اچھی نظم نقل کی ہے:

ہمارا دادا یحییٰ ہے جس کی کتان سے نسبت بڑی مدلّل ہے

اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے سَن (کتان) کا خیمہ بنایا جو اب تک بنایا جاتا ہے

اپنی حکمرانی کے وقت جبکہ ہمارے خزانے ضائع اور برباد ہو گئے تھے

اسی طرح موتیوں کی لڑی پرونے والا اس میں بعض کمال کے دانے پالیتا ہے۔

العاملی کی ''بهجة المحافل'' (ص ۱۷۲) میں ہے نبی ﷺ کا ایک خیمہ ایسا تھا جس میں چالیس آدمی سما جاتے تھے۔

''المقالات السنية'' میں ہے:

جن حضرات نے سرخ چمڑے کا مربع خیمہ دیکھا ہے وہ روایت کرتے ہیں'

دوسرا بالوں سے تیار کردہ خیمہ جس میں چالیس لوگ آ جاتے تھے۔

یہ سرخ چمڑے کا تھا' اسے ابوجحیفہ پھر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

انتباہ

اس عنوان سے آپ جان گئے ہوں گے کہ نبی ﷺ سردی اور گرمی کو محسوس فرماتے تھے' متعدد احادیث کا یہی مقتضیٰ ہے۔ ''المواهب'' میں' البدر الزرکشی کا یہ قول مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ میں حرارت اور برودت معتدل تھی سو آپ گرمی اور سردی کو محسوس نہیں کرتے تھے۔ آپ اسی اعتدال میں رہتے تھے۔ مؤلف نے اس قول سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے: بدر زرکشی رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا ہے۔ المواہب کے شارح کہتے ہیں: کیونکہ یہ قول ان احادیث کے خلاف ہے جن میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ گرمی' سردی کو محسوس فرماتے تھے' ہجرت والی حدیث میں ہے جب دھوپ آ گئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ پر سایہ کیا' صحیح البخاری میں ہے کہ آپ جعرانہ میں تھے اور آپ پر کپڑا تھا جس سے آپ پر سایہ کیا گیا۔[۶۴۹] ابن مندہ اور بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: ہم گرمی اور سردی پر صبر نہیں کرتے۔[۶۵۰] امام احمد نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے گرم کھانے میں ہاتھ ڈال دیا تو آپ کی مبارک انگلیاں جل گئیں آپ نے فرمایا: حَسِ (اُف' دکھ کے وقت بولا جانے

۶۴۹ صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۷۸۹۔۱۸۴۷۔۴۹۸۵' مسلم: ۱۱۸۰' ابوداود: ۱۸۱۹' ترمذی: ۸۳۶' نسائی: ج ۵ ص ۱۳۰۔۱۳۲' دارقطنی ج ۲ ص ۲۳۱' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۲ ص ۲۵۴۔۶۵۵' ابن حبان: ۳۷۷۹' از یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ۔

۶۵۰ حسن حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۴ ص ۵۸۸' بیہقی ''الشعب'' از خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔

والاکلمہ)۔ اسے الحلوانی نے ''مولد الکبیر'' میں بیان کیا ہے۔[۶۵۱]

خیمہ نصب کرنے پر مامور خادم

سابقہ باب میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ ذمہ داری حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے تخلیہ کے وقت پردہ لگانے والے

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے سواری سے گرنے کے واقعہ میں مروی ہے پھر آپ سوار ہوئے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پردہ بنا دیا۔[۶۵۲]

ابن غازی نے ''حاشیہ'' میں المہلب سے نقل کیا ہے کہ اس روایت سے حکمران کے لیے اس کی قیام گاہ پر آڑ لگانے اور پردہ بنانے کا ثبوت ملتا ہے تا کہ اسے تخلیہ میسر ہو اور وہ حسب خواہش لوگوں سے ملاقات کرے۔

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت وردبن خالد بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ آپ نبی ﷺ کے صحابی ہیں اور فتح مکہ کے روز آپ نبی ﷺ کے میمنہ پر تھے۔

حرمِ رسالت کے امین (ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر امین)

''الاستیعاب'' میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات پر رسول اللہ ﷺ کے امین تھے۔[۶۵۳] ''البھجہ'' میں ابن ہشام سے مروی ہے کہ ۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا' ازواجِ مطہرات نے بھی ان سے حج کا اذن طلب کیا' آپ نے اجازت دی' ازواج مطہرات کجاووں پر نکلیں جن پر سبز رنگ کے پردے تھے' ان کے آگے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے' یہ حضرات کسی کو ازواجِ مطہرات کی سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

علی بن حرب نے ''فوائد'' میں از سفیان بن عیینہ از ابن ابی نجیح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد میری ازواج کی دیکھ بھال کرنے والا سچا نیک ہوگا۔[۶۵۴] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے کام کاج کے لیے نکلتے' ان کے ہمراہ حج کرتے اور ان کے کجاووں پر سبز

---

۶۵۱ حسن حدیث۔ احمد (المقاصد الحسنۃ' رقم: ۹' ص ۳۰) طبرانی (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۔۲۰) از خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔ ہیثمی نے کہا ہے: دونوں احادیث طبرانی نے روایت کی ہیں ان میں سے ایک حدیث کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ سخاوی نے ''المقاصد الحسنۃ'' (رقم: ۹' ص ۳۰) میں اس کے اسناد کو عمدہ قرار دیا ہے۔

۶۵۲ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۸۶۔۶۱۸۵' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۶۵۳ ''الاستیعاب'' علی ہامش ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۳۹۵' از زبیر بن بکار' بلا اسناد۔

۶۵۴ مرسل ضعیف حدیث۔

پردے ڈالتے اور ازواج مطہرات کو ایسی گھاٹی میں اتارتے جس میں کوئی سوراخ نہ ہوتا۔

''الطبقات''میں ابن سعد نے ابراہیم بن سعد کی اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حج کی اجازت دی' ان کو ایسے کجاووں پر سوار کیا جن پر سبز کپڑوں کے پردے تھے' ان کے ہمراہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا' حضرت عثمان اپنی سواری پر آگے آگے چلتے اور کسی کو ازواجِ مطہرات کے قریب نہ آنے دیتے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر پیچھے چلتے اور کسی کو قریب نہ آنے دیتے۔ اور ہر پڑاؤ پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اتارتے تھے۔[655]

''الطبقات''میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات کے آگے چلتے اور کسی کو ازواجِ مطہرات کے قریب نہ چھوڑتے اور نہ کسی کو ازواجِ مطہرات کی طرف دیکھنے کی اجازت دیتے تھے' لوگ حد نظر تک دور رہتے تھے' اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔

''طبقات ابن سعد''(ج ۸ص ۱۵۱) میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے آگے چلتے تھے جب کسی کو قریب ہوتے دیکھتے تو چیخ کر کہتے: دور ہٹو' اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات کے پیچھے چلتے اور قریب ہونے والے کو ڈانٹتے تھے۔ قدید میں لوگوں سے الگ پڑاؤ کیا ہر طرف سے درختوں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو گھیر رکھا تھا۔

حافظ سیوطی کی ''التوشیح''میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شروع میں ازواجِ مطہرات کو حج کی اجازت دینے میں توقف فرما رہے تھے' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آیت کریمہ ''وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ''(الاحزاب:۳۳) نے ازواجِ مطہرات کے لیے سفر کو حرام کر دیا ہے' پھر ان پر سفر کا جواز واضح ہو گیا تو اپنی خلافت کے آخری ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حج کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے ایام خلافت میں ازواجِ مطہرات کو حج کراتے تھے۔ بعض ازواج مطہرات نے آیت کریمہ کے ظاہر پر عمل کیا اور گھروں سے باہر نہ نکلیں' یہ حضرت زینب اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ انہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنے جانور کو حرکت نہیں دیں گی (کبھی سفر نہیں کریں گی)۔

سفرِ حج کے دوران ازواجِ مطہرات کی سواریوں کو ہانکنے والے

قاضی ابن بادیس نے ''شرح مختصر ابن فارس''میں ابوعمر سے نقل کیا ہے کہ حبشی غلام انجشہ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی سواریوں کی مہار تھام کر چلتے تھے یا ان کو ہانکتے تھے اور حدی خوانی کرتے تھے تاکہ اونٹ تیزی سے چلیں۔

---

[655] صحیح روایت۔''طبقات ابن سعد''ج ۸ص ۱۵۱' از سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

لشکر کے پڑاؤ کے لیے پانی اور گھاس والی جگہ کی تلاش اور انتخاب

مؤلف رقمطراز ہیں: مغربی افریقی ممالک میں سلطانی لشکر کے ایسے افراد کو انجینئر اور فرائکیہ کہا جاتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے واقعہ میں ہے جب رسول اللہ ﷺ ثنیۃ المرار سے گزرے' آپ نے فرمایا: یہاں پڑاؤ کر لو صحابہ کرام نے عرض کیا: اس وادی میں پانی نہیں ہے۔[656] قاضی ابن بادیس نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے کہ لشکر کے پڑاؤ کے لیے ایسی جگہ تلاش کی جائے اور ایسا مقام منتخب کیا جائے جس میں پانی اور گھاس موجود ہو۔

صحیح البخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے صحابہ کرام کنوئیں پر اترے۔[657] اس بارے میں حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی مشہور ہے۔[658]

پہرے دار

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہرے دار (سنتری)

اس بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میں آپ کی پہرے داری کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

سیرۃ ابن اسحاق میں ہے غزوۂ بدر کے روز حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے حضور ﷺ کے عریش پر پہرہ دیا' یعمری نے بھی دوسروں کی اتباع میں اسے مستحکم قول قرار دیا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عریش (سائبان' چھپر) کے دروازے پر انصار کے چند افراد کے ساتھ گلے میں تلوار حمائل کیے ہوئے حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے' تاکہ کسی دشمن کی آپ تک رسائی نہ ہو سکے۔[659]

خیبر میں یا خیبر سے مدینہ طیبہ کو واپسی کے راستہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف بسر کی' حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے پہرے داری کی۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ رات بھر گلے میں تلوار حمائل کیے آپ کے خیمہ کے گرد گشت کرتے رہے۔ صبح کو

---

656 ضعیف مرسل حدیث۔ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۳۰۹۔ ۳۱۰' از عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما۔

657 صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۱۵۱' احمد: ۱۸۴۲۸۔ ۱۸۴۹۲۳' از براء بن عازب رضی اللہ عنہ' یہ جملہ طویل حدیث کا ایک حصہ ہے۔

658 "السیرۃ النبویہ" ابن ہشام ج ۱ ص ۶۲۰' از ابن اسحاق از افراد بنوسلمہ۔ یہ سند ضعیف ہے' کیونکہ راوی مجہول ہیں' حاکم نے (ج ۳ ص ۴۲۶۔ ۴۲۷) اسے موصولاً ذکر کیا ہے لیکن اس کے سند میں غیر معروف راوی ہے۔ ذہبی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ ابن کثیر نے "البدایۃ والنہایۃ" ج ۳ ص ۲۶۷ میں اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' لیکن اس کی سند میں کلبی ہے جو متہم بالکذب ہے۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۱۷۵' تخریج "فقہ السیرۃ" غزالی ص ۲۲۴)

659 ضعیف حدیث۔ السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۶۲۰۔ ۶۲۱' از طریق عبداللہ بن ابی بکر از سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن ابی بکر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا درمیان راوی مجہول ہے' سو یہ حدیث ضعیف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایا: ابوایوب! تمہیں کیا ہوا؟ (ایسا کیوں کیا؟) انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس خاتون کی طرف سے آپ پر حملے کا خدشہ تھا' اس خاتون کا باپ اور شوہر آپ کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں' اور یہ حال ہی میں مسلمان ہوئی ہیں' سو مجھے خدشات نے گھیرا ہوا تھا۔

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! ابوایوب کی حفاظت فرما جس طرح اس نے رات بھر میری حفاظت کی۔[۶۶۰]

''علل الدارقطنی'' میں ہے مکہ مکرمہ میں مقام حجر (حطیم) میں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تلوار لے کر کھڑے رہے۔

''الاصابہ'' میں حضرت ادرع السلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں سنن ابن ماجہ سے یہ روایت نقل کی ہے حضرت ادرع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کی پہرہ داری کے لیے آیا۔[۶۶۱]

''الاصابہ'' ہی میں حضرت خشرم بن الحباب انصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں الطبری سے نقل کیا ہے کہ آپ نبی ﷺ کے پہرے دار (سنتری) تھے۔[۶۶۲]

رسول اللہ ﷺ کی غزوات پر روانگی

اور مدینہ طیبہ پر پہرہ داروں کا تقرر

ابن فتحون نے از اسحاق بن الصیف از عبد بن یوسف از اسماعیل بن عیاش از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: غزوۂ بدر کے موقع پر میں تیرہ سال کا تھا میں اس میں شریک نہیں ہوا' غزوۂ احد میں چودہ سال کا تھا میں لشکر کے ساتھ نکلا جب نبی ﷺ نے مجھے دیکھا مجھے کم سن سمجھ کر واپس بھیج دیا اور چند افراد کے ساتھ جن میں اوس بن ثابت' اوس بن عرابہ اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم بھی تھے مجھے مدینہ طیبہ کی پہرے داری پر مقرر فرما دیا۔[۶۶۳]

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' (ص ۲۲) میں حضرت اوس رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: آپ کے بارے

---

۶۶۰ ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳۹۔۳۴۰' بلا اسناد۔

۶۶۱ ضعیف حدیث۔ ابن ماجہ: ۱۵۵۹' از ادرع السلمی۔ ''الزوائد'' میں ہے صحاح ستہ میں ادرع السلمی سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کے اسناد میں موسیٰ بن عبیدہ کو منکر الحدیث' ضعیف' ثقہ نا قابل حجت کہا گیا ہے۔ ''الاصابہ'' (ج ۱ ص ۲۶ رقم: ۶۳) میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ابن مندہ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے' کیونکہ اس میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی ضعیف ہے۔ یہ واقعہ از زید بن اسلم از ابن الادرع بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم ''ضعیف ابن ماجہ'' (رقم: ۳۴۳) میں البانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

۶۶۲ الاصابہ ج ۱ ص ۴۲۸ (رقم: ۲۲۶۷) بحوالہ طبری' بلا اسناد۔

۶۶۳ ضعیف حدیث۔ الاصابہ ج ۱ ص ۸۰ (رقم: ۳۱۹) از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ اس کے اسناد میں مجہول راوی ہیں اور اسماعیل بن عیاش نے نافع سے نہیں سنا۔

میں بھی اسی طرح وارد ہے اور ابن ابی خیثمہ نے از عبد الوہاب بن نجدہ از اسماعیل بن عیاش از ابوبکر الہذلی از نافع روایت کیا ہے اس روایت میں حضرت زید بن ثابت اور عرابہ بن اوس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے' ممکن ہے یہ روایت محفوظ ہو۔[۶۶۴]

ان روایات سے علامہ الخزاعی کی تقصیر معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے "باب حراسة ابواب المدينة في زمن الهرج" میں کہا ہے: مجھے اس بارے میں نص نہیں ملی' حالانکہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں یہ دونوں کام ہوتے تھے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے (غزوات اور اس دوران شہر کی حفاظت پر مامور افراد کا تقرر)۔

نبی ﷺ کے لشکر کے پہرے دار (سنتری)

سیرت ابن اسحاق میں غزوۂ ذات الرقاع کے تذکرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک منزل پر پڑاؤ کیا اور ارشاد فرمایا: آج کی رات ہماری پہرہ داری کون کرے گا؟ مہاجرین اور انصار میں سے ایک ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! ہم یہ ذمہ داری نبھائیں گے' راوی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب وادی میں اترے اور یہ حضرات گھاٹی کے ناکے پر پہرہ دیتے رہے' یہ حضرت عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے۔ ابن اسحاق نے ان کا عجیب وغریب واقعہ ذکر کیا ہے۔[۶۶۵]

ابن اسحاق نے غزوۂ بنوقریظہ کے واقعہ میں بیان کیا ہے کہ جس رات کی صبح کو بنوقریظہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر قلعوں سے اترے تھے اس رات عمرو القرظی باہر نکلا اس کا گذر رسول اللہ ﷺ کے پہرہ داروں پر ہوا' حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان پہرہ داروں کے افسر تھے۔[۶۶۶]

صحیح البخاری میں حضرت عروہ سے مروی ہے کہ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبریں معلوم کرنے کے لیے نکلے' اس نے آگ دیکھی وہاں رسول اللہ ﷺ کے پہرے دار موجود تھے' پہرے داروں نے جناب ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔[۶۶۷]

"طبقات ابن سعد" میں حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے آپ کو تبوک کے عرصۂ قیام میں پہرے داری پر مقرر فرمایا تھا' آپ کا تبوک میں بیس روز قیام رہا۔

---

۶۶۴ ضعیف حدیث۔ الاصابہ ج ا ص ۸۰ (رقم: ۳۱۹) الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۷۳ میں عبد الوہاب بن نجدہ کا ذکر بغیر جرح وتعدیل کے آیا ہے' تاہم اس کا شمار مجاہیل میں ہوتا ہے۔

۶۶۵ حسن حدیث۔ "السیرۃ النبویہ" ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۸' از صدقہ از عقیل بن جابر۔۔۔۔۔ عقیل بن جابر مقبول راوی ہے۔ (التقریب: ۴۶۷۵)

۶۶۶ "السیرۃ النبویہ" ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۸' بلا اسناد۔

۶۶۷ مرسل حدیث۔ بخاری: ۴۲۸۰' از مرسل عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ طبرانی نے اسے موصولاً ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۶۴۔ ۱۶۷) اسحاق بن راھویہ نے بھی اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موصولاً نقل کیا ہے۔ (المطالب العالیہ: ۴۳۶۳) حافظ ابن حجر نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (صحیح السیرۃ النبویہ ص ۴۰۶' از ابراہیم العلی)

غزوۂ حنین میں حضرت انس بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پہرے دار تھے۔ ابوداؤد' نسائی' بغوی' طبرانی اور ابن مندہ نے از ابوتوبہ از معاویہ بن سلام از زید بن سلام روایت کیا ہے' انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے ابوسلام کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ ہم سے السلولی یعنی ابوکبشہ نے حدیث بیان کی ان سے سہل بن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: انہوں نے حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا' سفر دراز ہو گیا یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا اور نماز ظہر کا وقت آ گیا الخ۔ اس میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج رات ہماری پہرہ داری کون کرے گا؟ ابن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں' اس حدیث کے آخر میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: تم رات میں اترے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! میں صرف نماز پڑھنے اور قضائے حاجت کے علاوہ نہیں اترا' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو نے جنت کو واجب کر لیا اس کے بعد تمہارا (نفلی) عمل نہ کرنا تمہیں نقصان نہ دے گا۔[۶۶۸] حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں حضرت انس بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت نے نبی ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائی ہے۔ "سبل الھدی والرشاد" میں علامہ شامی نے ان کے نام ذکر کیے ہیں۔ البرھان الحلبی کہتے ہیں: اس موضوع پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے' مزید نام سامنے لائے جا سکتے ہیں۔

"سیرت ابن اسحاق" میں ۹ھ میں بنو ثقیف کے وفد کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آمد کے واقعہ میں ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اپنی باری پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے اونٹوں کی حفاظت پر مامور دیکھا' نبی ﷺ کے صحابہ باری باری ان اونٹوں کو چرایا کرتے تھے' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ثقفیوں کو دیکھا تو اونٹوں کو ان کے پاس چھوڑا اور خود بھاگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کی خوشخبری دینے گئے۔[۶۶۹]

انتباہ

صحابہ کرام آیت کریمہ: "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (المائدہ:۶۷) کے نزول سے پہلے دوران سفر آپ پر پہرہ دیتے تھے' جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی آپ نے صحابہ کو پہرہ داری سے روک دیا۔[۶۷۰]

یہ آیت کریمہ غزوۂ احد میں پیش آنے والے واقعہ کے منافی نہیں ہے (کہ اللہ کی حفاظت کے باوجود آپ زخمی کیوں ہوئے؟) کیونکہ یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی ہے یا حفاظت سے مراد قتل سے محفوظ فرمانا ہے۔ چنانچہ قطب الخیضری نے "خصائص" میں اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ (دیکھئے نسیم الریاض)

۶۶۸ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۲۵۰۱' نسائی' بغوی' ابن مندہ (الاصابہ ج ۱ص ۷۳' رقم: ۲۸۱)' طبرانی "الکبیر" ج ۶ص ۶۱۹' ۵ مسند الشامیین: ۲۸۶۴' از سہیل بن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ۔ فتح الباری ج ۸ص ۲۷ میں حافظ ابن حجر نے اس کے اسناد کو حسن اور "الاصابہ" میں اس کے اسناد کو صحیح کی شرط کے مطابق کہا ہے۔

۶۶۹ "السیرۃ النبویۃ" ابن ہشام ج ۲ص ۵۳۹' بلا اسناد۔

۶۷۰ تفصیل کے لیے دیکھئے "اسباب النزول" الواحدی: ۲۰۴' تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۷۳۔۷۴۔

رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چلنے والے خادم

''الاصابہ'' میں حضرت جبیلہ بن عامر البلوی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ رشاطی نے ابن الکلبی سے نقل کیا ہے' حضرت جبیلہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ حفاظت کے خیال سے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چلا کرتے تھے[671]

رسول اللہ ﷺ کے آگے شعر پڑھتے ہوئے چلنے والے صاحب

''سنن النسائی'' میں زیر عنوان ''حرم میں شعر خوانی اور امام کے آگے آگے چلنا''[672] یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب نبی ﷺ فتح مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے یہ شعر پڑھ رہے تھے: کفار کے بیٹو! حضور ﷺ کا راستہ خالی کردو[673]

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے' امام ترمذی نے اسے عمرۃ القضاء کا واقعہ بتایا ہے[674] اور کہا ہے کہ اس حدیث کے علاوہ دیگر روایات میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا آپ کے آگے شعر پڑھنا مروی ہے اور یہ اصح ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ میں شہید ہوگئے اور عمرۃ القضاء اس کے بعد ہوا ہے۔

نور النبراس میں ہے امام ترمذی کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ عمرۃ القضاء ذی القعدہ ۷ھ میں ہوا اور جنگ موتہ جمادی الاولی ۸ھ میں ہوئی۔

لشکر کے ہراول دستے (دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے والی جماعت)

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں حضرت سلیط بن سفیان الاسلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابوعمر سے نقل کیا ہے کہ آپ ان تین صحابہ میں شامل ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکوں کی نقل و حرکت کی خبر لینے بھیجا تھا[675]

---

۶۷۱ الاصابہ ج۱ ص۲۲۶ (رقم: ۱۰۹۶) بحوالہ ابن الکلبی بلا اسناد اور ابن الکلبی کذاب ہے۔

۶۷۲ سنن النسائی ج۵ ص۲۰۲-۲۰۳' کتاب المناسک: ۲۴' باب: ۱۰۹۔

۶۷۳ اس کے باقی اشعار یہ ہیں:

اليوم نضربكم على تنزيله ضربا يزيل الهمام عن مقيله ويذهل الخليل عن خليله

۶۷۴ صحیح حدیث۔ عبدالرزاق نے دو صحیح طرق سے روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق کے طریق سے اس حدیث کو ابویعلیٰ' طبرانی اور بیہقی نے ''الدلائل'' ج۴ ص۳۲۲-۳۲۳ میں روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج۷ ص۵۰۱) ترمذی: ۲۸۴۷ میں یہ روایت از عبدالرزاق از جعفر بن سلیمان از ثابت از انس رضی اللہ عنہ مروی ہے' امام ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب کہا ہے' نسائی ج۵ ص۲۰۲-۲۰۳' صحیح ابن حبان: ۲۰۲۰-۲۰۲۱' ابویعلیٰ: ۳۴۴۰' بیہقی ''السنن'' ج۱۰ ص۲۲۸' ابونعیم ''الحلیۃ'' ج۶ ص۲۹۲' حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری ج۷ ص۵۰۲)

۶۷۵ الاصابہ ج۲ ص۷۱ (رقم: ۳۳۱۸)

رسول اللہ ﷺ کے جاسوس

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بسبسہ رضی اللہ عنہ کو بطور جاسوس ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لینے کے لیے روانہ فرمایا۔[۶۷۶]

''الاصابہ'' (ج ۱ص ۱۴۷) میں آپ کا نام بُسَیْسَہ، بسبسہ اور بسبس تینوں طرح مذکور ہے۔

''الاصابہ'' ہی میں حضرت عدی بن ابی الزغباء الجہنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر آپ کو حضرت بسبسہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ابوسفیان کے قافلہ کی ٹوہ لینے کے لیے بھیجا یہ حضرات ساحل سمندر تک گئے۔ اسے ابن عقبہ نے ابن شہاب سے ذکر کیا ہے۔[۶۷۷] (ج ۴ص ۱۳۰)

''الاستیعاب'' میں اسی طرح مذکور ہے' البتہ وہاں ان کا نام بسبس بن عمرو الجہنی رضی اللہ عنہ آیا ہے۔

صحیح البخاری میں ہجرت کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قریش کی خبریں پہنچاتے تھے' عبداللہ نہایت ذہین نوجوان تھے وہ رات آپ کے پاس غار ثور میں گزارتے اور صبح سے پہلے واپس آجاتے اور دن قریش کے ساتھ گزارتے تھے۔[۶۷۸]

''سیرۃ ابن اسحاق'' میں ہے جب رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور وادی الصفراء کے قریب پہنچے آپ نے بنو ساعدہ کے حلیف حضرت بسبسہ بن عمرو الجہنی رضی اللہ عنہ اور بنو نجار کے حلیف حضرت عدی بن ابی الزغباء الجہنی رضی اللہ عنہ کو بدر کی طرف ابوسفیان بن حرب وغیرہ سے متعلق خبروں کی ٹوہ لینے کے لیے روانہ فرمایا۔[۶۷۹]

''سیرۃ ابن اسحاق'' (ج ۲ص ۶۵) ہی میں غزوۂ بدر کے تذکرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس اپنے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حالات کا جائزہ لینے کے لیے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بوڑھے عرب کے پاس پہنچے اس سے قریش اور محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں دریافت فرمایا' اس نے دونوں کے متعلق خبریں سنائیں اور بات پوری کرنے کے بعد پوچھا: آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے (بطور توریہ) فرمایا: پانی سے' پھر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی طرف لوٹ آئے اور آپ نے حضرت

---

۶۷۶ صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۹۰۱' احمد ج ۳ص ۱۳۶' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۶۷۷ مرسل ضعیف حدیث۔ راوی موسیٰ بن عقبہ از ابن شہاب الزہری (الاصابہ ج ۲ص ۲۰۷' رقم: ۵۴۸۲) حافظ ابن حجر نے کہا ہے: اسے کلبی نے از ابی صالح از ابن عباس رضی اللہ عنہما موصولاً روایت کیا ہے۔ کلبی کذاب ہے اور اس نے اس سند سے مروی ہر روایت کے کذب ہونے کا خود اعتراف کیا ہے۔

۶۷۸ بخاری: ۳۹۰۵' عبدالرزاق ''المصنف'' ۹۷۴۳' احمد ج ۶ص ۱۹۸' طبری ''تاریخ'' ج ۲ص ۳۷۵۔۳۷۸' ابن سعد ''الطبقات'' ج ۸ص ۲۵۰' بیہقی ''الدلائل'' ج ۲ص ۴۷۱۔۴۷۲' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۶۷۹ ''السیرۃ النبویہ'' ج ۱ص ۶۱۴' بلا اسناد۔

علی، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم وغیرہ کو بدر کی طرف مزید خبروں کے حصول کے لیے روانہ فرمایا۔[۶۸۰]

''الاستیعاب'' میں ہے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے بدر کی طرف روانگی سے قبل حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام کے راستہ کی جانب بطور جاسوس خبروں کے حصول کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ حضرات غزوۂ بدر کے بعد مدینہ طیبہ میں واپس آئے، رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت اور اجر میں ان کو حصہ مرحمت فرمایا۔[۶۸۱]

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت ابوتمیم الاسلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ انہوں نے عرج (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی) سے اپنے غلام مسعود بن ھنیدہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کیا، اس نے آپ کو قریش کے حملہ کرنے کی خبر دی اور ان کے لشکر کی تعداد، ان کی تیاری، ساز وسامان، گھوڑوں اور ہتھیاروں کے بارے میں پیشگی اطلاع فراہم کی۔

''الاستیعاب'' (ص ۱۱۵) میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو غزوۂ خندق میں قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا، حذیفہ رضی اللہ عنہ قریش کے کوچ کی خبر لائے۔

''سیرۃ ابن اسحاق'' میں ہوازن کے واقعہ میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں غور وخوض کے لیے جمع تھے جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے اجتماع کی خبر سنی، آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان میں جا کر رہیں، ان کے بارے میں معلومات اور ان کے عزائم کی خبر لائیں، حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ ان میں جا کر گھل مل گئے، معلومات حاصل کیں، ان کے عزائم معلوم کیے اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے جنگی منصوبے کی خبر دی۔[۶۸۲] ''المواھب'' اور اس کی شرح میں بھی اسی طرح مذکور ہے (دیکھیے ج ۳ ص ۲)۔

''الاصابہ'' میں امیہ بن خویلد کے تذکرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کو تنہا بطور جاسوس قریش کی طرف روانہ کیا۔ امیہ بیان کرتے ہیں: میں خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کی طرف آیا حالانکہ میں قریش کے جاسوسوں سے خوف محسوس کر رہا تھا، میں نے اوپر چڑھ کر خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی (کی لکڑی) سے نیچے اتارا۔[۶۸۳]

---

۶۸۰ ضعیف منقطع الاسناد۔ ''السیرۃ النبویہ'' ج ۱ ص ۶۱۶، از محمد بن یحیٰی بن حبان۔

۶۸۱ الاستیعاب ج ۲ ص ۲۲۰، بحوالہ واقدی بلا اسناد۔

۶۸۲ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۴۳۹۔۴۴۰، بلا اسناد۔

۶۸۳ ضعیف حدیث۔ ابن مندہ از طریق جعفر بن عون از ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ــــــ (الاصابہ ج ۱ ص ۱۲۸، رقم: ۵۵۱) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ''المغازی'' میں یہ واقعہ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے ان کے والد کے متعلق نہیں، علی بن المدینی نے ''العلل'' میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق امیہ سے نہیں عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ سے ہے۔
میں کہتا ہوں: یہ حدیث ضعیف ہے اس کے اسناد میں جعفر بن عون صدوق اور ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری ضعیف راوی ہے۔ (التقریب: ۱۴۸)

''الاصابہ'' ہی میں حضرت بشر بن سفیان العتکی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو قریش کے عزائم کی خبریں لانے کے لیے بطور جاسوس مکہ مکرمہ کی طرف روانہ فرمایا۔[۶۸۴]

اور حضرت جبلہ بن عامر البلوی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ آپ غزوۂ احزاب میں رسول اللہ ﷺ کے جاسوس تھے۔ اصابہ ہی میں حضرت خبیب بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں صحیح بخاری سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس افراد کے ساتھ آپ کو بطور جاسوس روانہ فرمایا' ان کے امیر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ تھے۔[۶۸۵] بعد ازاں ابن ابی شیبہ کی تخریج سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تنہا قریش کی طرف جاسوسی کے لیے روانہ کیا۔[۶۸۶]

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دشمن کے شہر سے خبروں کی ترسیل کے لیے جاسوس کا تقرر

''الاستیعاب'' (ص ۴۲۶) میں رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے' آپ نے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا' آپ رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کی خبریں لکھا کرتے تھے' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا: آپ کا مکہ میں تشریف لانا بہتر ہے۔[۶۸۷]

''الاصابہ'' میں حضرت انس بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن سعد سے منقول ہے کہ آپ اوطاس میں نبی ﷺ کے جاسوس تھے۔[۶۸۸]

امام (حکمران) کی طرف سے اپنے شہر میں جاسوس کا تقرر

''شمائل الترمذی'' میں ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے

---

۶۸۴ ضعیف روایت۔ حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' (ج۱ ص۱۵۱' رقم: ۶۶۲) میں کہا ہے: اسے خرائطی نے ''الھواتف'' میں از طریق عبداللہ بن العلاء از زہری۔۔۔۔۔ روایت کیا ہے اور عبداللہ بن العلاء مجہول ہے۔

۶۸۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۹۸۹۔۴۰۸۶' ابوداؤد: ۲۶۶۰۔۲۶۶۱' عبد الرزاق ''المصنف'': ۹۷۳۰' احمد ''المسند'' ج۲ ص۲۹۵۔۳۱۵' طیالسی: ۲۳۳۹' طبری ''تاریخ'' ج۲ ص۵۳۸۔۵۴۱' بیہقی ''الدلائل'' ج۳ ص۳۲۳۔۳۲۵' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(ملاحظہ کیجئے' صحیح السیرۃ النبویہ ص۲۳۹۔۲۴۰' رقم: ۳۹۵)

۶۸۶ صحیح حدیث۔ ابن ابی شیبہ از جعفر بن عمرو بن امیہ از والد خود۔ الاصابہ ج۱ ص۴۱۹' رقم: ۲۲۲۲۔

۶۸۷ ''الاستیعاب'' علی حاشیہ ''الاصابہ'' ج۳ ص۹۵' بلا اسناد۔

۶۸۸ الاصابہ ج۲ ص۷۳ (رقم: ۲۸۱) بلا اسناد۔

دوسرے لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔[۶۸۹]

"شرح الشفاء" میں ابن التلمسانی کہتے ہیں: یہ ممنوعہ تجسس نہیں ہے (جس تجسس کی قرآن مجید میں ممانعت ہے) بلکہ اس سے امام فاضل اور مفضول میں پہچان حاصل کر لیتا ہے اور وہ اس کے مطابق ان کے درجات مقرر کرتا ہے' یہ ممنوعہ غیبت نہیں بلکہ اس کا مطلب خیر خواہی کا حصول ہے۔

علامہ المناوی "الشمائل" پر لکھتے ہیں: یہ حکام کے لیے رہنما اصول ہے تاکہ وہ رعایا کے حالات اور ان کی خواہشات سے باخبر رہیں' بلکہ ایسے فقہاء' صالحین اور اکابر کے لیے ضروری ہے جن کے مقلدین' معتقدین اور متبعین بکثرت ہوں تاکہ وہ لوگوں کو ضرر سے بچاسکیں ورنہ فتنہ بڑھتے بڑھتے کبھی ناقابل اصلاح ہو جاتا ہے اور اس کا تدارک ممکن نہیں ہوتا۔

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں "باب الصبر علی الاذی" میں اس حدیث مبارکہ پر کہ "اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذاء دی گئی' انہوں نے صبر کیا"[۶۹۰] لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام (حکمران) اور اہل علم و فضل کے لیے اس چیز کا جواز ہے کہ وہ اپنے بارے میں خبریں حاصل کریں اور پھر قائل کو اس کے عواقب سے ڈرائیں۔[۶۹۱]

اسید بن موسیٰ نے کتاب "فضائل الشیخین" میں حُر کے متعلق روایت کیا ہے کہ وہ لوگوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاسوس تھے۔

عجیب و غریب واقعہ

علامہ الصالح ابو العباس احمد بن علی البوسعیدی کی کتاب "فوائد المناصحة فی فعل المصافحة" میں ہے: مجھے سیدی علی بن بلقاسم المطیوی نے خبر دی' کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ شیخ ابن غازی نے اپنے بعض ساتھیوں کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ ایک جمعرات سے دوسری جمعرات تک کے شہر میں ہونے والے تمام واقعات اور لوگوں کے تبصرے ان کو لکھا کریں' وہ ان کا مطالعہ کیا کرتے تھے' جمعرات کے روز شیخ تدریس کا سلسلہ معطل رکھتے تھے' شیخ کا یہ معمول اس ارشاد کی تعمیل میں تھا کہ "جو شخص اپنے دور کے تقاضوں کو نہیں پہچانتا الخ" اس لیے شیخ اہل زمان کی معرفت کی خاطر ایسا کرتے تھے۔

شیخ ابو علی الیوسی کی "المحاضرات" میں ہے امیر محمد الحاج الدلائی نے ان کو حافظ ابو العباس المقری کے بارے

---

۶۸۹ ضعیف حدیث۔ طبرانی "الکبیر" ج ۲۲ ص ۴۱۴' ابو نعیم "الدلائل" ص ۵۱۵۔۵۱۶' ترمذی "الشمائل": ۳۳۵' بیہقی "الدلائل" ج ۱ ص ۱۶۱۔ ۱۶۲۔۲۳۸۔۲۵۱' مختصر اور طویل۔ ابن سعد "الطبقات" ج ۱ ص ۴۲۲۔۴۲۵' حاکم ج ۳ ص ۶۴۰......... مجمع الزوائد (ج ۸ ص ۲۷۸) میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے: اس میں ایک نامعلوم الاسم راوی ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے "الاحادیث الطوال" میں اور ابن قتیبہ نے غریب الحدیث ج ۱ ص ۴۸۸۔۴۸۹ میں روایت کیا ہے۔

۶۹۰ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۱۵۰۔۳۴۰۵۔۴۳۳۵۔۴۳۳۶۔۶۰۵۹۔۶۱۰۰۔۶۲۹۱۔۶۳۳۶' مسلم: ۱۰۶۲' حمیدی: ۱۱۰' احمد ج ۱ ص ۳۸۰۔ ۴۱۱۔۴۴۱' ابو یعلی: ۵۱۳۳۔۵۲۰۶' از عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

۶۹۱ تفصیل کے لیے دیکھیں "فتح الباری" ج ۱۰ ص ۵۱۲۔

میں بتایا کہ انہوں نے مصر میں ایک دن مقرر کر رکھا تھا اور ایک شخص کو لباس اور خوراک وغیرہ کے بدلے یہ ذمہ داری سونپی ہوئی تھی کہ صبح ہوتے ہی شہر میں مسلسل گشت پر رہے' بازار' مساجد' سرائیں' کوچے ہر جگہ گھومے پھرے جب کہیں کوئی نئی بات سنے یا نیا واقعہ دیکھے رات کو اسے آ کر بتائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ابن غازی اور المقری کے دور میں اخبارات اور رسائل ہوتے تو وہ سب سے پہلے ان کا مطالعہ کرتے اور ان کے لیے یومیہ دس جرائد کا مطالعہ کرنا کسی کو لباس' خوراک اور دیگر ضرورتوں کی تکمیل کی اجرت پر رکھنے سے زیادہ آسان ہوتا۔ واللہ اعلم

ابوعبداللہ محمد المکی بن موسیٰ الناصری کی کتاب ''الدرر المرصعة فی صلحاء درعة'' میں امام ابوالعباس احمد بن محمد بن ناصر الدرعی کے تذکرہ میں ان کے بعض تلامذہ سے منقول ہے کہ شیخ لوگوں کے احوال کے متعلق بہت سوالات کرتے تھے اور یہ دریافت فرماتے: فلاں علاقے اور فلاں شہر میں کیا ہو رہا ہے؟ اس سلسلہ میں مجھ سے بھی بہت سوالات کرتے تھے' میں نے دل میں سوچا کہ شیخ کو ان خبروں سے کیا مطلب؟ اگر شیخ اس کے بجائے اپنی نماز' روزے اور تسبیحات میں مصروف رہتے تو اس سے بہتر ہوتا۔ پھر مختصر عرصہ کے بعد میری شیخ سے ملاقات ہوئی تو مجھ سے فرمایا: مؤمن اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں دریافت کرتا ہے۔ ان کے حالات معلوم کرتا ہے' خیر میں مصروف مسلمان بھائیوں کے لیے مزید آگے بڑھنے کی دعا کرتا ہے اور ان کو مبارک باد دیتا ہے' فقر اور شر میں مبتلا لوگوں کے لیے خیر اور رحمت کی دعا کرتا ہے۔

صاحب الدرر کہتے ہیں: عارف شعرانی کا بھی یہی موقف تھا۔

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا مؤذن اذان کہہ رہا ہے اور آپ لوگوں سے بازار کے نرخ اور شہر کی خبریں دریافت کر رہے ہیں۔ موسیٰ بن طلحہ ہی سے ایک اور روایت میں ہے میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ جمعہ کے خطبہ کے لیے باہر تشریف لاتے' منبر پر بیٹھتے مؤذن اذان کہتا اور آپ لوگوں سے بازار کے نرخ' لوگوں کی گزر بسر اور ان کے مریضوں کے بارے میں دریافت کرتے رہتے' جب مؤذن خاموش ہو جاتا آپ اپنے عصا کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیتے' پھر تھوڑی دیر بیٹھتے اس میں حسب سابق لوگوں سے سوال کرتے' پھر دوسرا خطبہ دیتے' نیچے اترتے اور مؤذن اقامت کہتا تھا۔

پسپائی پر آمادہ کرنے والے اور دشمن کی فوج میں انتشار پھیلانے والے

''المخذل'' کا مطلب ہے کسی کو پسپائی پر آمادہ کرنے والا یعنی اپنی سیاست اور چالاکی سے دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے والا۔

''الجمهرة'' میں ابن حزم نے حضرت نُعیم بن مسعود بن عامر الاشجعی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: آپ ہی نے غزوۂ احزاب میں کفار و مشرکین کی جمعیت کو منتشر کر دیا تھا۔ ''الاستیعاب'' میں ہے: آپ غزوۂ خندق

میں مسلمان ہوئے، بنوقریظہ اور مشرکین میں بداعتمادی پیدا کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروفریب کو پلٹ دیا۔ سیرت کی کتب میں آپ کی اس کارروائی کی عجیب وغریب تفصیل مذکور ہے[۶۹۲]

"طبقات ابن سعد" (ج۴ص۱۹) میں حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں یہ قصہ پوری تفصیل سے موجود ہے۔ "الاصابہ" میں ہے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خندق میں قریظہ اور غطفان کے درمیان اپنی تدبیر سے بداعتمادی پیدا کردی وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے اور مدینہ طیبہ کا محاصرہ اٹھا کر چل دیئے۔[۶۹۳]

"المواھب" میں رسول اللہ ﷺ کی فصاحت کے زیرعنوان آپ کا یہ ارشاد گرامی مذکور ہے کہ جنگ دھوکہ ہے[۶۹۴] اسے بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے جنگ کو دھوکے کا نام دیا ہے۔ (الحرب خدعۃ) صحیح مسلم میں "سمی" کا لفظ نہیں ہے۔

"خدعۃ" خاء کے زبر، زیر، پیش اور دال کے سکون کے ساتھ ہے، زیادہ مشہور خاء کی زبر ہے۔ ثعلب کہتے ہیں: یہ نبی ﷺ کی لغت ہے۔ دوسری لغت خُدعۃ ہے اور تیسری لغت خُدَعۃ ہے۔ یہ جملہ نبی ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا جب آپ نے غزوۂ احزاب میں حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قریش، غطفان اور یہود (بنوقریظہ) کے مابین اپنی تدبیر اور چالاکی سے باہم بداعتمادی اور انتشار پیدا کرنے کے لیے بھیجا۔ اور اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ خفیہ تدابیر لشکر کی کثرت سے زیادہ سودمند ہوتی ہیں۔

حضرت نعیم بن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ کا قصہ یہ ہے کہ وہ بنوقریظہ کے پاس آئے وہ بنوقریظہ کے دوست اور ہم نشیں تھے، ان سے کہا: تمہیں معلوم ہے مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ انہوں نے کہا: آپ نے سچ کہا ہے۔ نعیم بولے: قریش اور غطفان کا معاملہ تمہارے معاملہ جیسا نہیں ہے یہ تمہارا شہر ہے، یہاں تمہارے اموال اور خواتین ہیں، تم انہیں یہاں سے کہیں اور نہیں لے جاسکتے، رہے قریش اور غطفان وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے آئے ہیں، اور تم نے محمد (ﷺ) کے خلاف ہو کر ان سے تعاون کیا ہے، ان کے شہر، ان کے اموال اور ان کی خواتین کی حالت دوسری ہے، اگر یہ لوگ (جیت کر) لوٹ مار کریں گے تو اس کا اثر تم پر بھی پڑے گا اور اگر دوسری صورت ہوئی تو یہ اپنے اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تمہیں اس شخص (محمد ﷺ) کے رحم وکرم پر چھوڑ جائیں گے۔ اگر اس نے تمہیں تنہا پالیا تو تم اس سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لیے تم ان (قریش وغیرہ) کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ نہ لو تا آنکہ تم ان میں سے بعض بڑے اشراف کو اپنے پاس رہن (گروی) نہ رکھ لو۔ بنوقریظہ نے کہا: تم نے اچھا مشورہ دیا ہے۔

---

۶۹۲ ضعیف مرسل حدیث۔ السیرۃ النبویہ ج۲ص۲۲۹۔۲۳۰، از یحیٰی بن عباد بن عبداللہ بن زبیر از والدخود عباد مرسلاً۔ "الاستیعاب" علی ھامش "الاصابہ" ج۳ص۵۷۷، بلا اسناد۔

۶۹۳ الاصابہ ج۳ص۵۶۸(رقم:۸۷۷۹)

۶۹۴ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۲۸۔۳۰۲۹، مسلم: ۱۷۴۰، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اس باب میں بعض دوسرے صحابہ سے بھی احادیث مروی ہیں، تخریج کے لیے ملاحظہ کریں "جامع الاصول": ۱۰۵۴۔۱۰۵۶۔۸۸۷۵، تخریج عبدالقادر الارناؤوط۔

اس کے بعد نعیم قریش کے پاس آئے اور ان سے کہا: مجھے تم سے جو تعلق خاطر ہے اور محمد (ﷺ) سے میرا جو عدم تعلق ہے تمہیں سب معلوم ہے' مجھے ایک چیز معلوم ہوئی ہے' تمہاری خیر خواہی کی خاطر میں نے اسے تم تک پہنچانا ضروری سمجھا ہے' بات یہ ہے کہ یہود اپنے طرز عمل پر نادم ہیں' انہوں نے محمد (ﷺ) کے پاس پیغام بھیجا ہے کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہوں گے کہ ہم قریش اور غطفان کے بعض سرداروں کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کر دیں اور آپ ان کی گردنیں اڑا دیں' پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر باقی لوگوں کا خاتمہ کر دیں۔

پھر نعیم غطفان میں آئے اور ان سے بھی اسی طرح بیان کیا' قریش اور غطفان والوں نے دونوں طرف کے چند افراد کو عکرمہ کے ساتھ بنوقریظہ کے پاس بھیجا' بنوقریظہ نے کہا: ہم تمہارے ساتھ مل کر نہیں لڑ سکتے یہاں تک کہ تم اپنے چند سردار ہمارے پاس بطور ضمانت رہن رکھو' دونوں قبیلوں کے لوگوں نے کہا: نعیم نے درست بات بتائی تھی' انہوں نے بنوقریظہ کو کہلا بھیجا: ہم تمہیں اپنا ایک بندہ بھی نہیں دیں گے' بنوقریظہ نے کہا: نعیم نے یقیناً سچ کہا تھا۔[۶۹۵]

ابن بادیس نے کہا ہے کہ اس سے دشمن کے ساتھ دھوکے کا جواز نکلتا ہے اور یہ کہ مسلمانوں سے ضرر کو دور کرنے کے لیے حیلہ سازی کی جا سکتی ہے' کیونکہ آپ نے نعیم سے فرمایا: ان کو ہم سے منتشر کر دو اور تم ایسا کر سکتے ہو کیونکہ جنگ دھوکا ہے' جب دو مسلمانوں میں صلح کی غرض سے ان میں سے کسی کی خواہش کے بغیر ان کے ملاپ کے لیے اپنی طرف سے اچھی بات گھڑ لینا مباح ہے تو پھر دین الٰہی اور نبی مختار کی سنت کے اظہار کے لیے اہل حق کی حمایت اور ان کے خون کو رائیگاں جانے سے بچانے کے لیے کفار کے خلاف بطور جنگی چال دھوکہ اور فریب کیوں جائز نہ ہوگا۔ یہ تو عین امانت کی ادائیگی اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہوگی اس میں جھوٹ اور خیانت کا کیا کام؟

ابن ابی حاتم ''العلل'' میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے سریہ روانہ فرمایا' پھر ارشاد فرمایا: تم جھوٹ پر ایسے گرتے ہو جیسے پروانے آگ پر گرتے ہیں' بے شک ہر جھوٹ لامحالہ جھوٹ ہی لکھا جائے گا مگر یہ کہ آدمی جنگ میں (بطور چال) جھوٹ بولے کیونکہ جنگ دھوکہ ہے۔[۶۹۶]

''التوشیح'' میں ارشاد نبوی ''الحرب خدعة'' پر کہا ہے کہ یہ جنگ میں ہر حیلہ استعمال کرنے کا حکم ہے۔

ابن المنیر کہتے ہیں: مجموعی طور پر جنگ ایک دوسرے کو چالوں میں دھوکہ دینا ہے' آمنا سامنا کرنا نہیں ہے' کیونکہ دوبدو مقابلے میں کامیابی پرخطر ہوتی ہے جبکہ دھوکہ دہی پر مبنی چالوں سے کامیابی بلاخطر ہوتی ہے۔

علامہ ابوالحسن الدمشقی ''التوشیح'' کے اختصار میں لکھتے ہیں: مجھے قسطنطنیہ کے بعض علماء نے خبر دی کہ انہوں نے عیسائیوں سے کہا: ہم ہتھیاروں سے تم پر غالب آ گئے اور تم ہمارے بادشاہوں پر اپنے حیلوں اور راگ رنگ اور ممنوعات کے ارتکاب سے غالب آ گئے ہو' سو انہوں نے دین کو فاسد کرنے میں تمہاری پیروی کی ہے۔ انہوں نے

---

۶۹۵ ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۹۔ ۲۳۰' مرسل حدیث۔

۶۹۶ ابن ابی حاتم ''العلل'' ج ۱ ص ۳۳۳۔ ۳۳۴' ابوزرعہ نے کہا: معمر بن سلیمان کی حدیث اصح ہے۔

جواب دیا: کیا تمہارے پیغمبر (ﷺ) کی خبر صحیح نہیں ہے کہ جنگ دھوکہ ہے' ہم نے کہا: ہاں' انہوں نے کہا: تو ہم تمہارے طریقہ کے مطابق دھوکہ کے ذریعہ تم پر غالب آ گئے ہیں۔

چغل خور

''الاصابہ'' میں مسعود رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے عروہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں مسعود نام کے ایک صاحب تھے جن کی چغل خوری کی عادت تھی' غزوۂ احزاب کے موقع پر بنوقریظہ نے ان کو ابوسفیان کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم ہمارے پاس آدمی بھیجو تاکہ ہم مدینہ کی طرف سے محمد (ﷺ) پر حملہ کریں اور تم خندق کی طرف سے حملہ کرو' رسول اللہ ﷺ پر ہر دو طرف سے حملہ کی یہ خبر بڑی شاق گزری' آپ نے فرمایا: اے مسعود! ہم نے بنوقریظہ کی طرف یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ ابوسفیان کو پیغام بھیج کر ان سے آدمی منگوائیں' جب وہ لوگ بنوقریظہ کے پاس آ جائیں وہ ان کو ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ مسعود یہ خبر سن کر بے چین ہو گئے اور ابوسفیان کے پاس آ کر ماجرا سنایا' ابوسفیان نے کہا: بخدا محمد نے سچ کہا ہے اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' سو ابوسفیان نے بنوقریظہ کی طرف کسی فرد کو نہ بھیجا۔[697]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ واقعہ حضرت نعیم بن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم

بحری بیڑے کا استعمال

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بحری کشتیوں کا استعمال

کتب سیرت میں عہد نبوی میں صحابہ کرام کی طرف سے متعدد کشتیوں کے استعمال کا ذکر ملتا ہے' رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ میں حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کی طرف دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر روانہ فرمایا' نجاشی مسلمان ہو گیا اور سرزمین حبشہ میں موجود تمام صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا' ان کو دو کشتیوں میں روانہ کیا' یہ صحابہ کرام خیبر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے' حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ ان صحابہ کرام کے ساتھ وہ مسلم خواتین بھی شامل تھیں جن کے شوہر حبشہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ' ان کے بھائی اور ہم قوم افراد نے کشتی میں سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی' سمندر نے ان کی کشتی کو حبشہ کے ساحل پر جا پھینکا' یہ حضرات بھی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس حبشہ میں ٹھہر گئے' پھر یہ سب حضرات اکٹھے واپس آئے۔[698]

697۔ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف۔ ابن ابی شیبہ از عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (الاصابہ ج ۳ ص ۴۱۳' رقم: ۷۹۶۱)

698۔ صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۵۰۲۔ ۲۵۰۳' از ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ تفصیلاً۔

''المؤطا'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! ہم سمندر کا سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس کم مقدار میں پانی ہوتا ہے' اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیاسے رہ جائیں' کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیں؟ آپ نے فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے' اس کا مردہ حلال ہے۔[۶۹۹] یہ حدیث جامع ترمذی میں بھی ہے۔

نبی ﷺ نے خبر دی اور فرمایا: میری اُمت کے بعض لوگ راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لیے سمندر پر سوار ہوں گے بادشاہوں کی طرح تخت پر یا جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں۔ مؤطا کی روایت کے مطابق آپ نے یہ بات حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر میں ارشاد فرمائی' حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کریں وہ مجھے ان میں سے بنا دے۔ آپ نے فرمایا: تم پہلوں میں سے ہو' حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجاہدوں کے ساتھ سمندری سفر پر گئیں' جزیرۂ قبرص[۷۰۰] میں اتریں اور (فوت ہو کر) وہیں دفن ہوئیں۔[۷۰۱]

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی حدیث پر امام بخاری نے ''کتاب الجهاد'' میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ''باب غزوة المرأة فی البحر'' اور حدیث کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: میری امت کے بعض لوگ راہِ خدا میں بحر اخضر پر سوار ہوں گے' ان کی مثال ایسے ہو گی جیسے بادشاہ تختوں پر ہوں' حضرت بنت ملحان نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اللہ مجھے ان میں سے بنا دے' آپ نے فرمایا: تم پہلوں میں سے ہو پچھلوں میں سے نہیں ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام حرام نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی اور بنت قرظ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ) کے ساتھ سمندر میں سوار ہوئیں' واپسی پر اپنے جانور پر سوار ہوئیں' اس نے آپ کو گرا دیا جس سے آپ کی گردن ٹوٹ گئی اور آپ کا انتقال ہو گیا۔

حافظ ابن حجر نے ''مؤطا ابن وهب'' کے حوالہ سے ابن لہیعہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ

---

۶۹۹ صحیح حدیث۔ مالک ''المؤطا'' ج۱ ص۲۲' شافعی ج۱ ص۱۹' ابن ابی شیبہ ج۱ ص۱۳۱' احمد ج۲ ص۲۳۷۔۳۶۱' بخاری ''التاریخ الکبیر'' ج۳ ص۴۷۸' ابوداؤد: ۸۳' ترمذی: ۶۹' نسائی ج۱ ص۵۰۔۱۷۶' ابن ماجہ: ۳۸۶۔۳۲۴۶' دارمی ج۱ ص۱۸۶' ابن الجارود: ۴۳' بغوی: ۲۸۱' ابن خزیمہ: ۱۱۱' ابن حبان: ۱۲۴۳' حاکم ج۱ ص۱۴۰۔۱۴۱' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (ملاحظہ کیجیے تعلیق شیخ شعیب الارناؤط ''الاحسان'': ۱۲۴۳' ''تلخیص الحبیر'' ج۱ ص۹۔۱۲' ''نصب الرایہ'' ج۱ ص۹۵۔۹۹)

۷۰۰ جزیرۂ قبرص بیروت کے شمال مغرب میں تقریباً ۱۳۰ (ایک سوتیس) میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ جزیرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۸ھ میں فتح ہوا۔

۷۰۱ صحیح حدیث۔ مالک ''المؤطا'' ج۲ ص۴۶۴۔۴۶۵' از طریق مالک' بخاری: ۲۷۸۸۔۶۲۸۲۔۷۰۰۱' مسلم: ۱۹۱۲' ابوداؤد: ۲۴۹۱' نسائی ج۶ ص۴۰۔۴۱' ترمذی: ۱۶۴۵' ابن حبان: ۶۶۶۷' بغوی: ۲۷۳۰' بیہقی ج۹ ص۱۶۵۔۱۶۶' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔
(از طریق دیگر) بخاری: ۲۷۹۹۔۲۸۹۴' مسلم: ۱۹۱۲ (۱۶۱)' ابوداؤد: ۲۴۹۰' نسائی ج۶ ص۴۱' ابن ماجہ: ۲۷۷۶' احمد ج۶ ص۴۲۳' طبرانی ''الکبیر'' ج۲۵ ص۳۲۱' ابن حبان: ۴۶۰۸' بیہقی ج۹ ص۱۶۱' از ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا۔
(تفصیلات اور فوائد حدیث کے لیے ''فتح الباری'' ج۱۱ ص۷۳۔۸۱ ملاحظہ کریں)

رضی اللہ عنہ نے جہاد کے لیے سمندر کا سفر کیا۔ حافظ ابن حجر نے ''کتاب الجھاد'' کے ''باب رکوب البحر'' میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

''جامع العتبیہ'' میں ہے امام مالک نے کہا: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سمندر کے راستہ جہاد کے لیے سفر کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت نہ دی۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے ان سے اجازت مانگی انہوں نے بھی اس کی اجازت نہ دی' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اجازت کے لیے لکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں لکھا: اگر تم اپنی بیوی بچوں کے ساتھ سمندر کا سفر کرنا چاہتے ہو تو پھر میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی بنت قرظ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔

اس میں امام مالک کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما' دونوں کو امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خشکی کے راستہ کا اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بحری راستہ کا امیر بنایا تھا' جب یہ حضرات سفر کے اختتام پر میدان جنگ میں پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا' انہوں نے آنے سے انکار کر دیا' حضرت معاویہ نے قسم دے کر سختی سے حکم دیا کہ وہ بہر صورت آئیں' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے پاس نہ آنے کی قسم کھائی' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہلوا بھیجا تم سمندر کے ساحل تک آ جاؤ' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ساحل کے قریب آئے اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ان سے گفتگو کی' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: آپ آگے جائیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم واپس جا رہے ہیں۔

علامہ ابن رشد نے ''البیان و التحصیل'' میں کہا ہے کہ یہ ''موطا ابن وھب'' میں منقول ہے' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس لیے نہیں آئے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر نہیں کیا تھا یا شاید ان کے لیے وہاں تک جانا مشقت سے خالی نہ ہو اور جب انہوں نے صرف یہ مطالبہ کیا کہ ان کے قریب آ جاؤ تو انہوں نے اسے معمولی چیز سمجھا اور چلے گئے۔

المقریزی کی ''الخطط'' میں ہے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں بحری غزوہ نہیں ہوا۔ سب سے پہلے حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ غزوہ کے لیے سمندر میں سوار ہوئے' اس سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ بحرین کے گورنر رہ چکے تھے۔ انہوں نے اہل عجم کی طرف پیش قدمی کو پسند کیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اسلام کو عزت عطا فرمائے' انہوں نے اہل بحرین کو فارس کی طرف نکلنے کی دعوت دی' لوگ جلد نکل آئے' انہوں نے کئی لشکر ترتیب دیئے' ایک لشکر پر جارود بن المعلی کو' دوسرے پر سوار بن ہمام کو اور تیسرے لشکر پر المنذر بن ساوی کو امیر مقرر کیا' عام لوگوں پر خلید کو مقرر کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر ان کو سمندر کے راستے فارس کی طرف روانہ کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجاہدین کی ہلاکت کے اندیشہ سے کسی کو سمندر کے راستے جہاد کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

جب شام فتح ہوا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق اور اردن کے لشکر کے سالار تھے' انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ انہیں سمندر کے راستے جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت دی جائے (لیکن ان کو اجازت نہ ملی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں نے بحری جہاد کیا۔ سب سے پہلے حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے بحری جہاد کیا' انہوں نے بنو فزارہ کے حلیف عبداللہ بن قیس الحارثی کو بحری مہمات کا امیر مقرر کیا' انہوں نے سمندر اور ساحلی علاقوں کی پچاس جنگوں میں حصہ لیا اور کسی میں ناکام نہیں ہوئے۔[۷۰۲]

۳۴ھ میں جب قسطنطین بن ہرقل نے ہزار کشتیوں کے ساتھ اسکندریہ پر حملہ کیا' حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے دو سو یا اس سے کچھ زائد کشتیوں کے ساتھ اس سے مقابلہ کیا' ذات الصواری میں قسطنطین کو عبرت ناک شکست ہوئی اور اس کا لشکر مارا گیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ کو سمندر کے راستے جزیرۂ روڈس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

ہمارے شیخ ولی الدین ابن خلدون شروع شروع میں مسلمانوں کے بحری راستوں سے جہاد نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ابتدائے اسلام میں اہل عرب سمندری سفر کے ماہر نہ تھے۔ جب ان کی سلطنت مضبوط ہوگئی اور اہل عجم ان کے مطیع ہو گئے اور ہر طرف سے کاریگر اور ہنرمند افراد کی آمد شروع ہوئی ان میں بحری راستوں سے جہاد کا میلان پیدا ہوا' انہوں نے کشتیاں اور جہاز بنائے اور اپنے بحری بیڑے کو مجاہدوں اور اسلحہ سے بھر دیا اور سمندر پار بسنے والی کافر قوموں کو للکارا اور ان سے دو دو ہاتھ کیے' اس کام کے لیے مسلمانوں نے اپنے ان ممالک اور سرحدی علاقوں میں مراکز قائم کیے جو سمندر کے قریب یا ساحل سمندر پر واقع تھے' جیسے شام' افریقیہ' مغربی افریقہ اور اندلس وغیرہ۔

"الحلل السندسیة" میں شیخ ابوراس المعسکری حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے ارشاد نبوی: تم پہلوں میں سے ہو' پر لکھتے ہیں کہ بعد میں آنے والے پچھلوں میں سے ہیں اور ان میں وہ تمام مجاہد شامل ہیں جنہوں نے اندلس (اسپین) کے بحری جہاد حصہ لیا' مثلاً طریف' طارق بن زیاد' یوسف بن تاشفین' ان کا بیٹا علی' عبدالمومن بن علی' ان کا بیٹا' ان کا پوتا اور یعقوب بن عبدالحق۔ حضور ﷺ کو جوامع الکلم عطا فرمائے گئے۔ آپ نے اپنے ایک جملہ میں بحری جنگوں میں حصہ لینے والے تمام مجاہدوں کو پچھلوں میں داخل فرما دیا۔

حافظ ابو محمد بن حزم نے علماء اندلس کے فضائل پر مشتمل اپنے رسالہ میں کہا ہے: اگر ہمارے اندلس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی صرف یہی بشارت ہوتی جس میں آپ نے ہمارے مجاہدین اسلاف کی تعریف میں فرمایا کہ وہ بادشاہوں کی طرح اپنے تخت پر بیٹھے ہوں گے' ہم نے یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ان کی خالہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے' ہمارے لیے یہی شرف کافی تھا کہ اس کی طرف سبقت کرنے والا مسرور اور پیچھے رہنے والا رشک کناں نظر آتا ہے۔

---

۷۰۲ الاصابہ ج ۴ ص ۹۳ (رقم: ۶۳۳۹) 'طبری "التاریخ" ج ۴ ص ۳۱۷' واقعات ۲۸ھ۔

اگر کوئی یہ کہے کہ شاید اس سے رسول اللہ ﷺ کی مراد اہل صقلیہ اور کریت ہیں' اس سے حتمی طور پر اہل اندلس کو مراد لینا کس دلیل سے ثابت ہے؟ اہل تقویٰ کو اس قسم کی تاویلات کا سہارا لینا مناسب نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جوامع الکلم (جامع بات یا تقریر) اور فصل الخطاب (استدلال و بیان کی قوت) عطا فرمائے گئے اور آپ کو وحی کے بیان کرنے کا حکم دیا گیا' آپ نے اس متصل السند حدیث مبارکہ میں اپنی امت کے ایسے دو گروہوں کی خبر دی ہے جو جہاد کے لیے سمندر میں سفر کریں گے۔ ایک کے بعد دوسرا گروہ یہ سعادت حاصل کرے گا۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے اس گروہ میں شمولیت کے لیے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کے لیے اللہ سے دعا کریں تو آپ نے ام حرام رضی اللہ عنہا کو خبر دی کہ ان کا شمار کن مجاہدین میں ہے اور وہ پہلے گروہ کے مجاہدین ہیں اور آپ کی خبر حق اور سچ ہے۔ یہ حدیث آپ کے اعلامِ نبوت سے ہے' اس میں آپ نے ایک چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی خبر دی ہے' اس میں آپ کی رسالت کی دلیل اور برہان ہے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا قبرص کے غازیوں میں شامل تھیں' اپنے خچر سے گریں اور آپ کا وہاں انتقال ہوا' یہ پہلا غزوہ ہے جس میں مسلمان سمندر پر سوار ہوئے' اس سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ جزیرۂ قبرص کے مجاہدین وہ پہلے حضرات ہیں جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی ان میں شامل تھیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے علاوہ کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بیان و بلاغت عطا فرمائے تھے آپ نے دو گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک گروہ کو پہلا اور بعد میں آنے والے کو دوسرا گروہ قرار دیا' یہ باب اضافت اور ترکیب عدد سے متعلق ہے' منطق کا تقاضا ہے کہ پہلا' پہلا نہیں ہوتا جب تک دوسرا نہ ہو' پہلا دوسرے کی نسبت سے پہلا اور دوسرا پہلے کی نسبت سے دوسرا ہوتا ہے اور تیسرے کا ذکر دوسرے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ الخ مزید تفصیل ''نفح الطیب'' جلد ثانی میں ملاحظہ کیجیے۔ اس میں علامہ ابن حزم نے اس بحث کو دلائل سے واضح کیا ہے۔

''تاریخ الخمیس'' میں دیار البکری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لوگوں کے اعتراضات میں سے چھٹا اعتراض یہ بیان کیا ہے کہ ان کا خیال تھا کہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سمندر کو لوگوں کے لیے ممنوعہ علاقہ بنا دیا ہے' جس میں صرف ان کے تجارتی جہاز رواں رہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم وہ بحری تجارت کے بادشاہ تھے' کیونکہ آپ دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام دونوں میں مرفہ الحال اور وسیع تجارت کے مالک تھے اور سمندر میں بہ کثرت آپ کے تجارتی جہاز رواں رہتے تھے اور آپ اپنے تجارتی جہازوں کو صرف اپنے مال تجارت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تجارتی بحری بیڑہ تھا۔

''الاصابہ'' میں حضرت بسر بن ارطاۃ کے تذکرہ میں ہے آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں امیر البحر تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بحری سرگرمیاں وسیع ہو چکی تھی اور یہ باقاعدہ نظام کے تحت منضبط تھیں۔[۴۰۳]

۴۰۳ے الاصابہ ج ۱ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸ (رقم: ۶۴۲)

"صناجة الطرف فی تقدمات العرب" (ص ۳۲۷) میں ہے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کو بذریعہ سمندر سفر' تجارت اور دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کی اجازت دی تھی' مسلمانوں نے اپنی بحری ضروریات کی تکمیل کے لیے تجربہ کار ملاح بھرتی کیے' جہاز اور کشتیاں تیار کیں' یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں سترہ سو جہاز اور کشتیاں اسلحہ اور مجاہدین کے ساتھ سمندر پر گشت میں رہتے تھے۔

"تسریح الابصار فیما یحتوی لبنان من الآثار" (ص ۱۸۴) میں قس ہنری لامنس الیسوعی نے تاوفانوس مؤرخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے اموی خلیفہ تھے جنھوں نے سترہ سو بادبانی جہاز تیار کرائے' ان کی لکڑی لبنان کے پہاڑوں سے منگوائی تھی' ابھی اسے چند سال ہی گزرے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے سے بھی بڑا بحری بیڑہ تیار کروایا' جس میں شامل جہاز پہلے جہازوں سے تعداد اور پائیداری میں بڑھ کر تھے۔

انتباہ

علی بن حرب العراقی کی "کتاب البحار" کا حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں ذکر کیا ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھیے ج ۲ ص ۶۸' سلامہ العذری۔ [۴۰۴] بعض معاصرین کی اس موضوع پر مطبوعہ کتاب بنام "سفن الاسطول الاسلامی وتاریخها وانواعها واوصافها" بھی موجود ہے۔

منجنیق سازی

علامہ الخفاجی نے "نسیم الریاض" میں کہا ہے: منجنیق ایک ایسا آلہ ہے جس سے دشمن پر بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے' لکڑی کی بلند دیوار پر پھینکی جانے والی چیز رکھ دی جاتی پھر ایک لٹھ سے اس پر ضرب لگائی جاتی تھی' توپ اور بارود کی ایجاد سے قبل قدیم دور میں یہی آلہ دشمن کے قلعہ کی فصیل توڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

کتب سیرت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر منجنیق سے سنگ باری کی' ابن ہشام نے کہا: مجھ سے ثقہ راوی نے بیان کیا کہ اسلام میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجنیق استعمال کی۔[۴۰۵]

مؤلف کہتے ہیں: حافظ سیوطی نے بھی "اوائل" میں اسی پر جزم کیا ہے اور کہا ہے: اسلام میں سب سے پہلے غزوۂ طائف میں منجنیق استعمال کی گئی' ابن اثیر نے "الکامل" میں کہا ہے: اس کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔[۴۰۶]

---

[۴۰۴] حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" ج ۲ ص ۶۰ (رقم: ۳۳۴۷) میں کہا ہے: علی بن حرب نے اپنی کتاب "کتاب البحار" میں کہا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے' اسے رشاطی نے نقل کیا ہے۔

[۴۰۵] ضعیف روایت۔ "السیرۃ النبویہ" ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۳' اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں۔

[۴۰۶] بیہقی "السنن" ج ۹ ص ۸۴' بلا اسناد بحوالہ الواقدی۔

''نور النبراس''میں ہے اہل طائف پر منجنیق نصب کرنے والی حدیث مرسل ہے۔[۷۰۷] ترمذی میں بھی یہ حدیث مرسل مروی ہے' امام ترمذی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ لیکن بیہقی میں یہ حدیث ابوعبیدہ کی روایت سے موصولاً مروی ہے۔[۷۰۸]

''المیزان''میں عبداللہ بن خراش کے تذکرہ میں از عبداللہ از عوام از ابراہیم التیمی از والد خود از علی رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اہل طائف پر منجنیق نصب فرمائی تھی۔[۷۰۹]

مؤلف کہتے ہیں: منجنیق سازی' خندق کھودنا' قلعہ شکن مشینوں کی ایجاد جیسے آلات حرب سے اہل عرب نے متعارف کرایا ہے اور ان کو مدون و مرتب کیا ہے۔

ابن الاکفانی ''ارشاد القاصد''میں کہتے ہیں: آلاتِ حرب (جنگی ساز و سامان) کے علم ہی سے آلاتِ حرب کی صنعت فروغ پاتی ہے اور جنگی ساز و سامان کی ایجاد اور کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ جیسے منجنیقیں وغیرہ ہیں (آج کے دور میں میزائل' ایٹم بم اور دیگر مطلوبہ ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی کا علم ضروری ہے) اپنے علاقوں کے تحفظ اور دفاع کے لیے اور دشمنوں کے حملوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے یہ علم نہایت ضروری ہے۔ موسیٰ بن شاکر نے اس موضوع پر مفید کتاب رقم کی ہے۔

جاحظ نے ''البیان والتبیین''میں ذکر کیا ہے کہ حیرہ پر حکمران آخری قضاعی بادشاہ جذیمہ الابرش التنوخی نے سب سے پہلے منجنیق بنائی اور اسے قلعوں پر رکھا۔

دبابہ سازی

دبابہ ایک قدیم جنگی ہتھیار (قلعہ شکن مشین) جس کے اندر آدمی ہوتے اور قلعہ کی دیواروں میں سوراخ کر کے دیواروں کو توڑتے تھے۔ القاموس میں ہے دبابہ میں داخل ہو کر قلعہ کی بنیاد کو توڑ کر قلعہ کے اندر داخل ہوتے تھے اور دشمن پر ہلہ بولتے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا گھر نما ہتھیار تھا' قلعہ شکنی کے لیے استعمال ہوتا تھا' قلعہ شکنی کے ماہرین اس میں داخل ہو کر قلعہ کے قریب جاتے اور قلعہ کی دیوار میں نقب لگاتے تھے' تیروں سے بچنے کے لیے اس پر چھت ہوتی تھی۔

کتاب ''نفحة الحدائق والخمائل فی الابتداع والاختراع للاوائل''میں ہے اسلام میں سب سے پہلا دبابہ اس وقت بنایا گیا جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ فرمایا۔

---

[۷۰۷] ''سنن البیہقی'' ج۹ ص۸۴ میں ہے اسے ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے' اسی طریق سے بیہقی نے ''السنن'' میں از مکحول روایت کیا ہے یہ مرسل ضعیف روایت ہے۔

[۷۰۸] بیہقی ''السنن'' ج۹ ص۸۴ از ابوعبیدہ۔ ابوقلابہ نے اس حدیث کے راوی پر جرح کی ہے۔

[۷۰۹] ضعیف حدیث۔ ''المیزان'' ج۲ ص۴۱۳ (رقم:۴۲۸۷) میں ہے اسے ابن عدی نے از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے اس کے اسناد میں عبداللہ بن خراش بن حوشب اپنے چچا عوام بن حوشب سے راوی ہیں' دارقطنی نے اس کو ضعیف' ابوزرعہ نے لیس بشیء' ابوحاتم نے ذاہب الحدیث اور بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔

"طبقات ابن سعد" میں وفد ثقیف کے تذکرہ میں ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ طائف کے محاصرہ میں حاضر نہ تھے کیونکہ وہ دونوں جرش میں منجنیقوں اور دبابات وغیرہ کی تیاری اور طریق کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے گئے ہوئے تھے' جب یہ دونوں واپس لوٹے رسول اللہ ﷺ طائف کا محاصرہ اٹھا کر جا چکے تھے' انہوں نے بڑی منجنیق' دبابے اور چھوٹی منجنیقیں نصب کیں۔[10]

مؤلف کہتے ہیں: جرش' عمان کے قریب اردن کا شہر ہے۔

ابن الطلاع نے سیرت میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجنیق استعمال فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ دبابہ میں داخل ہو کر طائف کے قلعہ کی دیوار کو آگ لگانے کے لیے گئے۔[11]

دشمن کے درختوں کو جلانا اور کاٹ دینا

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بنونضیر کے کھجوروں کے درخت جلوا دیے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:[12]

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الحشر: ۵)

کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر انہیں کھڑا چھوڑ دیا تو یہ (سب) اللہ کے اِذن سے ہوا اور اس لیے کہ وہ نافرمانوں کو ذلیل کرے ۝

خندق کی کھدائی

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف لشکر جمع کر لیے' رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ملی تو آپ نے مدینہ طیبہ کے دفاع کے لیے خندق کھودی' مسلمانوں کے ساتھ نبی ﷺ بھی خندق کھودنے میں مصروف عمل رہے تاکہ مسلمانوں کو اجر کی ترغیب دیں۔[13]

ابن الجوزی نے "صفوۃ الصفوۃ" میں کثیر بن عبداللہ المزنی کی اپنے والد اور اپنے دادا سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی نشاندہی فرمائی اور دس افراد کے لیے چالیس ہاتھ کھدائی مقرر فرمائی' مہاجرین اور انصار میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھگڑا ہوا' آپ طاقتور شخص تھے' مہاجرین نے

---

[10] السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۴۷۸' بلا اسناد۔

[11] "السیرۃ النبویہ" ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۳' بلا اسناد۔

[12] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۳۱۔ ۴۸۸۴' مسلم: ۱۷۴۶ (۲۹) ابوداؤد: ۲۶۱۵' ترمذی: ۱۵۵۲۔ ۳۳۰۲' نسائی "التفسیر": ۵۹۳' واحدی "اسباب النزول": ۸۰۵' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ سیوطی "الدر المنثور" ج ۶ ص ۱۸۸ بحوالہ سعید بن منصور' عبد بن حمید' ابن المنذر' ابن جریر' بیہقی "الدلائل"۔

[13] السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۱۵۔ ۲۱۶' از یزید بن رومان ۔۔۔۔۔ مرسل ضعیف۔

کہا: سلمان ہم سے ہیں' انصار نے کہا: ہم سے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے۔[۱۴]

"سیرت ابن اسحاق" میں ہے رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی میں اپنا حصہ مقرر فرمایا اور بہ نفس نفیس کھدائی فرمائی۔ قریش کے شہ سوار خندق کے کنارے پر آ گئے اور خندق دیکھ کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ ایسی چال ہے کہ عرب اس سے ناواقف ہیں۔[۱۵]

"الاستیعاب" (ج ۲ ص ۵۷۲) میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا اور ابوسفیان نے یہ کہا تھا کہ یہ ایسی چال ہے کہ عرب اس چال سے ناواقف ہیں۔[۱۶]

"نفحۃ الحدائق" میں ہے اسلام میں سب سے پہلی خندق مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ نے کھودی ہے۔

علامہ سہیلی نے کہا ہے: جنگوں میں خندق کھود کر شہروں کا دفاع کرنا فارسیوں (ایرانیوں) کی چال تھی' اسی لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ ایرانی پہلے لوگ ہیں جنہوں نے خندق کھودی اور بخت نصر پہلا بادشاہ ہے جس نے سب سے پہلے کمین گاہیں تیار کروائیں۔

خندق کھودنے سے یہ دلیل ملتی ہے کہ دشمن سے بچاؤ کے لیے ہر ممکنہ تدبیر اختیار کرنا جائز ہے۔ اس میں اصل یہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ (الانفال: ۶۰)　　اور (اے مسلمانو!) تیار رکھو ان کے لیے (ہتھیاروں کی) قوت سے جس قدر تم میں استطاعت ہو۔

اس میں یہ عظیم ترین دلیل موجود ہے کہ جو ممالک وقت کے ساتھ ساتھ آگے نہیں بڑھتے اور پڑوسی ممالک کا جنگی ساز و سامان کی تیاری' فوجوں کی ترتیب اور تنظیم' صنعت و حرفت اور زراعت میں کا مقابلہ نہیں کرتے' وہ ان کے لیے لقمۂ تر ثابت ہوتے ہیں اور وہ آخر کار ان کی غلامی میں چلے جاتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم ﷺ ہر معاملہ میں احسن' بہترین اور نفع بخش طریق کار کا انتخاب فرماتے تھے' خواہ آپ کی قوم اس سے واقف ہوتی یا نہ ہوتی' اس پر عمل پیرا ہوتی یا نہ ہوتی۔ اسی لیے آپ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی

---

[۱۴] ضعیف روایت۔ طبرانی "الکبیر" ج ۶ ص ۶۰۴۰' از کثیر بن عبد اللہ المزنی۔ "مجمع الزوائد" ج ۶ ص ۱۳۰ میں ہیثمی نے کہا ہے اس اسناد میں کثیر بن عبد اللہ المزنی ہے' جس کو جمہور نے ضعیف اور ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں: بلکہ شافعی اور ابوداؤد نے اس کی کذب کی طرف نسبت کی ہے اور ترمذی کی تصحیح کا علماء نے رد کیا ہے اور اس تصحیح کو ناقابل اعتماد کہا ہے۔ ابن سعد "الطبقات" ج ۴ ص ۹۸' اور حاکم ج ۳ ص ۵۹۸ نے اس حدیث کو از کثیر بن عبد اللہ المزنی از والد خود از جد خود روایت کیا ہے۔

[۱۵] السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۱۶' بلا اسناد۔

[۱۶] "الاستیعاب" علی هامش "الاصابہ" ج ۲ ص ۵۸' بلا اسناد۔

اللہ عنہ سے فرمایا: جو جنگ کرے تو وہ اسی طرح جنگ کرے جیسے اس سے جنگ کی جائے۔[۱۷]

حافظ ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے عموم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آپ کو ترکوں سے جنگ کا حکم دیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ آپ کی امت عنقریب ترکوں (عیسائیوں' رومیوں) سے جنگ کرے گی اور یہ امر بھی واضح ہے کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے فارسی کمانیں ہی کارگر ثابت ہوتیں' لیکن اہل اسلام نے ان سے عربی کمانوں سے مقابلہ کیا جن کے تیروں کی رسائی کم تھی جو ان کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہوئیں' چنانچہ دشمن نے اپنے دور مار تیروں سے مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی' اس لیے ضروری ہوا کہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے ہتھیاروں کا ہونا ضروری ہے جو دشمن کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بعض مسلمانوں نے کہا: جب ہم اپنے دشمن کو ریشم پوش دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں خوف طاری ہوتا ہے' آپ نے فرمایا: تم بھی ان جیسا لباس پہنو۔ نبی ﷺ نے عمرۃ القضاء میں اپنے صحابہ کو رمل (دورانِ طواف مونڈھے ہلاتے ہوئے لپک کر چلنے) اور اضطباع (احرام کی چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) کا حکم دیا تاکہ مشرک ان کی قوت دیکھیں' رمل اور اضطباع پہلے مشروع نہ تھے' لیکن جہاد کے لیے ان کو مشروع فرمایا گیا۔

اس تقریر سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے لیے اس وصیت کی وضاحت ہو جاتی ہے جو انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو مرتدوں سے جنگ کے لیے روانہ کرتے وقت کی تھی کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہنا' تقویٰ پر کاربند رہنا' اپنے ساتھیوں پر نرمی کرنا' یہاں تک کہ فرمایا: جب تمہارا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ان کا انہی ہتھیاروں سے مقابلہ کرنا جو ہتھیار وہ تمہارے خلاف استعمال کریں تیر کا تیر سے' نیزے کا نیزے سے اور تلوار کا تلوار سے۔

''اقوم المسالک'' میں ہے اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس دور میں ہوتے تو یقیناً تیر و تلوار کے بدلے توپ' بم' آبدوز وغیرہ جدید اسلحہ کا ذکر فرماتے کہ آج کے دور میں جدید اسلحہ کے بغیر دشمن سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اس استعداد کا حصول ممکن نہیں جواز روئے شرع دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے' بلکہ مقابلہ کرنے کے لیے دشمن کے اسلحہ سے بہتر اسلحہ کی تیاری اور جدید ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کرنا لازم ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبدالقادر الکردودی الفاسی نے اس موضوع پر کتاب بنام ''کشف الغمة فی ان حرب النظام واجب علی هذه الامة'' لکھی ہے۔ یہ کتاب کارآمد مباحث پر مشتمل ہے' فاس سے شائع ہو چکی ہے۔

زرقانی ''شرح المختصر'' میں ''و تعلم'' کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے عز بن عبدالسلام سے نقل کرتے ہیں

[۱۷] ضعیف حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج ۵ ص ۴۵۱۳' از ابو الیابہ رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج ۵ ص ۳۲۷ میں کہا ہے اس میں محمد بن حجاج راوی ہے' جو بقول ابو حاتم مجہول ہے۔

کہ دورِ جاہلیت کی ہر چیز کی ممانعت نہیں ہے بلکہ جو چیز ہماری شریعت کے خلاف ہوگی اس سے روکا جائے گا' رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودی حالانکہ اہل عرب اس سے واقف نہ تھے' آپ نے عجمی کمانوں کی تعریف کی اور فرمایا: یہ تمہارے کمانوں سے زیادہ طاقتور ہیں۔

''سنن المهتدين ''میں المواق کہتے ہیں: میں لیبارٹریوں میں ماہرین اور کارکنوں کے گون استعمال کرنے پر بحث کرتا تھا جیسا کہ امام مالک نے چھتری کے بارے میں کہا ہے کہ چھتری اگرچہ سلف کے زیرِ استعمال نہیں رہی تاہم اس کا استعمال مباح ہے کیونکہ یہ گرمی' سردی سے بچاتی ہے' اس نظیر پر میں نے گون کے استعمال کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا' اس پر مجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا' میرا جواب یہ تھا کہ گون کا استعمال اگرچہ رومی لباس ہونے کے باعث عجمیوں سے مشابہت رکھتا ہے لیکن اس کے فوائد کے مقابلہ میں تشبہ کی حیثیت کا پہلو کمزور ہے۔ کیونکہ یہ ایسا لباس ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور ضرر سے بچا جاتا ہے۔

میرے نزدیک اس سلسلہ میں ائمہ کی قابل اعتماد نص موجود ہے اور وہ یہ کہ ہر وہ ملبوس یا چیز ممنوع نہیں ہے جس سے اہل عجم کام لیتے ہیں بلکہ صرف ایسی چیزیں ممنوع ہیں جن سے شریعت مطہرہ نے منع کر دیا ہے اور شرعی قواعد اس کے ترک پر دلالت کرتے ہیں' ہمیں اس دور میں کسریٰ کا اتباع کرنے والوں کے تشبہ سے منع کیا گیا ہے اور یہ نہی ان امور سے مختص ہے جو ہماری شریعت کے مقتضیٰ کے خلاف ہوں اور ان کے ہاں وہ روبعمل رہتے ہوں۔ رہے باقی امور جو اباحت یا مندوبیت وغیرہ کے درجہ میں جان کر کئے جائیں تو ہماری شریعت ایسے امور اور اعمال کا محض اس بناء پر ترک کرنے حکم نہیں دیتی کہ اہل عجم بھی یہ کام کرتے ہیں۔ کیونکہ شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن یافتہ امور میں تشبہ سے منع نہیں کرتی' حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کے گرد خندق کھودی حالانکہ یہ اہل عجم سے تشبہ تھا اور عربی لشکروں نے اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا اور وہ اس کا توڑ کرنے میں ناکام رہے۔ پھر ان کو معلوم ہوا کہ اس کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

اس موضوع پر میرے استاذ اور والد محترم کی کتاب ''تحديد الاسنة فى الذب عن السنة'' قابل مطالعہ ہے۔ ''الدر المختار'' (ج ۱ص ۴۳۸) پر علامہ ابن عابدین کے حواشی میں ''الذخیرہ'' سے منقول ہے کہ ہشام نے کہا: میں نے امام ابو یوسف کو لوہے کی کیلوں والی جوتیاں پہنے دیکھا تو پوچھا: کیا آپ اس لوہے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں' میں نے کہا: سفیان ثوری اور ثور بن یزید اس کو مکروہ جانتے تھے کیونکہ اس میں راہبوں سے تشبہ ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایسے نعلین استعمال فرماتے تھے جن میں بال نہ ہوتے' یہ بھی راہبوں کا پہناوا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ایسی صوری مشابہت جس کا تعلق بندوں کی بہتری سے ہو نقصان دہ نہیں ہے' کیونکہ ایسے جوتے پہنے بغیر دور دراز علاقوں کا سفر کرنا ممکن نہیں ہے۔

''المختصر'' میں زرقانی ''ونلتم عن بعضهم'' کے تحت لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اہل عرب کو اہل عجم کے تشبہ سے منع فرمایا' لیکن یہ کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ نے عجمیوں کے وفود کو اپنے لباس اور ہیئت میں آنے سے منع فرمایا ہو اور ان کو اہل عرب کی پوشش اور ہیئت میں حاضر ہونے کی ترغیب دی ہو۔ اسی حقیقت کے پیش نظر

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ دور جاہلیت کے وہ معمولات جن سے ہماری شریعت نے منع نہیں کیا ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسی لیے بطور صلہ رحمی لوگوں کا نیروز اور مہرجان کے موقع پر مباح سرگرمیوں میں شریک ہونا ممنوع نہیں ہے۔

امام مالک نے فرمایا ہے کہ لمبی ٹوپیاں پہننے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ یہ سلف صالحین کا لباس نہیں۔

ابوعمر کہتے ہیں: جب تک ممانعت ثابت نہ ہو اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

شیخ بنانی نے ٹوپیوں کے بارے میں امام مالک کے قول پر تحریف کا اشارہ دیا ہے اور امام مالک کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ سلف کا لباس ہے' ممکن ہے موضوع مختلف رہا ہو۔

انتباہ

شیخ ابوسالم العیاشی اپنی کتاب "الحکم بالعدل والانصاف" میں کہتے ہیں کہ المواق نے اپنی کتاب "سنن المھتدین" میں ان لوگوں کی شوکت پر ضرب لگائی ہے' جن کا خیال ہے کہ صدر اوّل میں نہ ہونے والا ہر کام بدعت ہے اور مشہور کے خلاف ہر کام ضلالت و گمراہی ہے۔ہم اپنے شیخ ابومحمد عبدالقادر الفاسی سے ہمیشہ سنتے تھے کہ المواق نے لوگوں پر آسانی کرنے کے قصد سے ایسا کہا ہے۔کیونکہ ابن الحاج نے "المدخل" میں بڑی سختی سے کام لیا ہے۔[۱۸] اور امت کے ایسے کثیر اعمال کو بدعت کے گھیرے میں ڈال دیا ہے جن کو وہ ذریعۂ قرب الٰہی جانتے ہیں۔دلیل یہ ہے کہ صدر اوّل میں یہ معمولات نہ تھے حالانکہ بعض ائمہ سے ایسے اقوال منقول ہیں' بسا اوقات سنت میں ان کی اصل بھی ملتی ہے اگرچہ ضعیف ہوتی ہے' اور وہ اعمال احادیث سے اخذ کیے گئے ہیں یا آپ ﷺ کے افعال میں سے کسی فعل سے ماخوذ ہیں' اگرچہ بعید وجہ سے ماخوذ ہیں ان پر بہرحال یہ بات صادق آتی ہے کہ یہ افعال رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ماخوذ ہیں' نسبت ادنیٰ چیز سے بھی واقع ہو جاتی ہے اور لوگوں کے اپنے اپنے انداز اور طور طریقے ہیں' سب کا مرجع حضور ﷺ کے افعال مبارکہ ہیں' قوی قول قوت اور صریح ارشاد پر مبنی ہوتا ہے اور ضعیف قول آپ کے ارشاد کے مفہوم اور بعید اشارات کا امین ہوتا ہے' ایسے مفاہیم اور اشارات آپ کے بعض کلمات اور افعال مبارکہ سے ماخوذ ہوتے ہیں' تمام مسائل میں مکمل گمراہی کا شکار صرف وہی شخص ہوتا ہے جو اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہر وسیلہ اور ہر رابطہ اور تعلق کو توڑ دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مال غنیمت کے نگران

اس عنوان کے تحت ان حضرات کا بھی ذکر ہے جنہوں نے مال غنیمت کو جمع کیا اس کی حفاظت کی یہاں تک

۱۸ے علامہ الفاسی کا یہ کہنا درست نہیں کہ ابن الحاج نے "المدخل" میں بڑی سختی سے کام لیا ہے۔بلکہ انہوں نے ان بدعات پر متنبہ کیا ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہیں اور گمراہوں کی ایجاد کردہ ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھئے "الحوادث والبدع" تالیف امام طرطوشی۔ "الباعث علی انکار البدع والحوادث" تالیف ابی شامہ المقدسی "الابداع فی النھی عن الابتداع" شیخ علی محفوظ "الامر بالاتباع والنھی عن الابتداع" امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کہ بدر کے دن اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

ابن اسحاق غزوۂ بدر کے بیان میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت پر مامور فرمایا۔[19]

ابن حزم نے "الجمهرة" (ص ۴۱۱۔۴۱۲) میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمیہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن مالِ غنیمت کا نگران مقرر فرمایا تھا۔

القضاعی نے "کتاب الانباء" میں کہا ہے: غزوۂ حنین میں چھ ہزار قیدی بنے، اور بے شمار اونٹ اور بکریاں بطور مالِ غنیمت ہاتھ آئے۔ ابن فارس[20] نے اپنی کتاب "مسند الزهری" میں سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے چھ ہزار عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا اور آپ نے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر فرمایا۔

یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قیدیوں اور مالِ غنیمت کو جعرانہ میں روکے رکھیں یہاں تک کہ آپ وہاں تشریف لے آئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مالِ غنیمت لکھنے والے

ابن عبدربہ "العقد الفرید" (ج ۲ ص ۱۴۴) میں لکھتے ہیں کہ حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے اموالِ غنیمت لکھا کرتے تھے۔

بوقت ضرورت مالِ غنیمت کو فروخت کرنے والے حضرات

علامہ ابوالقاسم خلف بن بشکوال امام مالک کی احادیث مسندہ کے متون میں واقع مبہم اسماء کی تفسیر پر مشتمل اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے برتن سونے یا چاندی کے عوض فروخت کر دیں، ان حضرات نے ہر تین کو چار کے عوض یا ہر چار کو تین کے عوض موجود پر فروخت کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم نے ایک منافع میں لیا۔[21]

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسی مجاہد کو ایک جنس کے تمام جانوروں کا ہبہ

حافظ ابن حجر نے حضرت لقیم الدجاج رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ جاحظ نے "کتاب الحیوان" میں

---

[19] السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۶۴۳، بلا اسناد۔

[20] ابن الفارس حافظ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن فارس نیشاپوری۔ امام بخاری نے اس سے روایت لی ہے۔

[21] معضل، ضعیف روایت۔

میں ذکر کیا ہے کہ حضرت لقیم رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خیبر میں اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی مدح کی' حضور ﷺ نے ان کو خیبر کی تمام مرغیاں بطور ہبہ عطا فرما دیں' اسی لیے ان کو لقیم الدجاج کہا گیا ہے۔[۲۲] اسے ابوعمرو الشیبانی اور المدائنی نے صالح بن کیسان سے ذکر کیا ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں: یہ قصہ سیرت ابن اسحاق میں ہے' لیکن وہاں ابن لقیم ہے ممکن ہے باپ اور بیٹے کا ایک جیسا نام ہو۔

خمس کے نگران

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں غنائم پر حضرت عبداللہ بن کعب بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ نگران تھے اور غزوۂ بدر کے علاوہ دیگر غزوات میں آپ رسول اللہ ﷺ کے خمس پر مقرر ہوتے تھے۔[۲۳]

صحیح مسلم کی کتاب الزکوۃ میں آل نبی ﷺ کو صدقہ پر عامل مقرر نہ کرنے کے ذکر میں حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اخماس (خمس کی جمع) پر نگران مقرر فرمایا تھا۔[۲۴] تفصیل کے لیے ''الاصابہ'' (ج۳ص۳۸۸' حدیث:۷۸۲۳) ملاحظہ کریں۔

فتح کی خوش خبری لانے والے حضرات

اس عنوان کے تحت خوش خبری ملنے پر قوم کا رسول اللہ ﷺ کو شہر سے باہر نکل کر راستہ میں ملنے اور مبارک باد دینے کا بھی ذکر ہے۔

ابن اسحاق نے غزوۂ بدر کے ذکر میں کہا ہے کہ فتح یابی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کے بالائی علاقہ (مدینہ طیبہ سے نجد کی سمت) کی طرف خوش خبری دینے کے لیے روانہ فرمایا۔

طبقات ابن سعد میں ہے اس سے بنو عمرو بن عوف' خطمہ اور وائل کے قبائل مراد ہیں' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان قبائل کو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی غزوۂ بدر میں فتح یابی کی بشارت سنانے گئے تھے۔ اور آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زیریں علاقہ میں (تہامہ کی جانب) خوش خبری سنانے کے لیے روانہ فرمایا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف لوٹے جب آپ مقام روحاء پر پہنچے' مسلمان آپ کو غزوۂ بدر میں فتح مندی پر مبارک باد دینے کو حاضر ہوئے۔[۲۵]

۲۲ے الاصابہ ج۳ص۳۳۱ (رقم:۷۵۶۰) بحوالہ ''کتاب الحیوان'' بلا اسناد' بے اصل روایت۔

۲۳ے ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج۲ص۳۱۴' بلا اسناد۔

۲۴ے مسلم:۱۰۷۲ (۱۶۸) از عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث' عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما۔

۲۵ے السیرۃ النبویہ ج۱ص۶۴۲۔۶۴۳۔ بلا اسناد۔

امام بخاری نے کتاب الجہاد میں "باب البشارة فی الفتوح" کے تحت روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو ذی الخلصہ کے بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا' اس کو کعبۃ الیمانیہ کہا جاتا تھا' اس میں ہے جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اسے منہدم کر دیا تو نبی ﷺ کو خوش خبری سنانے کے لیے آدمی بھیجا۔[۲۶]

اس کے بعد امام بخاری نے "باب ما یعطی للبشیر "[۲۷] کا عنوان قائم کر کے یہ ذکر کیا ہے کہ جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو توبہ قبول ہونے کی خوش خبری سنائی گئی' انہوں نے خوش خبری دینے والے کو دو کپڑے دیئے۔

سفر سے واپسی پر ضیافت کا اہتمام

امام بخاری نے کتاب الجہاد کے آخر میں اس عنوان کے تحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب سفر سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لاتے آپ اونٹ یا گائے ذبح فرماتے تھے۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ نے دو اوقیہ اور ایک یا دو درہم کے عوض ان سے اونٹ خریدا' جب آپ صرار (مدینہ طیبہ سے مشرقی جانب تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام) میں تشریف فرما ہوئے آپ نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا' گائے ذبح کی گئی اور صحابہ کرام نے اس سے تناول فرمایا۔[۲۸]

ابن بطال کہتے ہیں: اس میں حکمران اور سردار کی سفر سے واپسی پر اپنے ساتھیوں کی ضیافت ہے' سلف اسے مستحب سمجھتے تھے' اسے نقیعہ کہا جاتا ہے۔

المہلب سے منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے تھے۔

سفر سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی دعا

"المؤطا" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب غزوہ' حج یا عمرہ سے واپس تشریف

---

[۲۶] صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۲۰_۳۰۳۶_۳۰۷۶_۳۸۲۳_۴۳۵۵_۴۳۵۶_۴۳۵۷_۶۰۹۰_۶۳۳۳' مسلم: ۲۴۷۵_۲۴۷۶' ابوداؤد: ۲۷۷۲' نسائی "فضائل الصحابۃ": ۱۹۸' عمل الیوم واللیلۃ: ۲۵۴' ابن ماجہ: ۱۵۹' حمیدی: ۸۰۱' احمد ج ۴ ص ۳۶۰_۳۶۲' طبرانی: ۲۲۵۲_۲۲۵۳_۲۲۵۵ تا ۲۲۵۷' ابن حبان: ۷۲۰۱_۷۲۰۲' بیہقی "السنن" ج ۹ ص ۱۷۴' از جریر بن عبداللہ رضی اللہ۔

یاقوت نے "معجم البلدان" (ج ۲ ص ۳۸۳) میں کہا ہے: یہ قبیلہ دوس' خثعم اور بجیلہ وغیرہ کا بت خانہ تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اسے نذر آتش کر دیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۱_۷۲)

[۲۷] صحیح البخاری' کتاب الجہاد: ۵۶' باب: ۱۹۳' ج ۳ ص ۳۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔

حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ' بخاری: ۲۷۵۷_۲۹۴۷ تا ۲۹۵۰_۳۰۸۸_۳۵۵۶_۳۸۸۹_۳۹۵۱_۴۶۷۳_۴۶۷۶_۴۶۷۷_۴۶۷۸_۶۲۵۵' مسلم: ۲۷۶۹' احمد ج ۶ ص ۳۸۶_۳۹۰' ابوداؤد: ۲۲۰۲' نسائی ج ۲ ص ۵۳_۵۴' ابن حبان "الاحسان": ۳۳۷۰۔

[۲۸] صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۸۹' از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔

لاتے' ہر چڑھائی پر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر یہ کہتے تھے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر 'ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون' صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔[۲۹]

کسی بستی میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ کی دعا

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ نبی ﷺ جب خیبر کے قریب ہوئے' آپ نے فرمایا: ٹھہرو اور یہ دعا کی:

اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما اذرین فانا نسالک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما فیھا' ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا.

اے اللہ! اے سات آسمانوں اور جن چیزوں پر یہ سایہ فگن ہیں ان کے رب' اے سات زمینوں اور جو انہوں نے اپنے اوپر اٹھایا ہوا ہے ان سب کے رب' اے شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان سب کے رب' اے ہواؤں اور جن کو وہ اڑا رہی ہے ان سب کے رب' ہم تجھ سے اس گاؤں کی خیر اور اس کے باشندوں کی خیر کے سوالی ہیں اور ہم اس گاؤں کے شر اور اس کے رہنے والوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

پھر فرمایا: اللہ کا نام لو' آگے بڑھو۔[۳۰]

آپ جب بھی کسی بستی میں داخل ہوتے تھے یہ دعا کرتے تھے۔ امام نسائی نے از سہل بن مالک رضی اللہ عنہ ان کے والد سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: کعب احبار نے بیان کیا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو پھاڑا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ محمد رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی بستی کو دیکھ کر اس میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے یہی دعا کرتے تھے۔ الخ[۳۱]

---

[۲۹] صحیح حدیث۔ مالک "الموطا" ج ۱ ص ۴۲۱' از طریق مالک' احمد ج ۲ ص ۶۳' بخاری: ۱۷۹۷' مسلم: ۱۳۴۴' ابوداؤد: ۲۷۷۰' ابن حبان: ۲۷۰۷' بیہقی "السنن" ج ۵ ص ۲۵۹' از مالک از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

عبدالرزاق: ۹۲۳۵' احمد ج ۲ ص ۲۱' ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۶۱۔ ج ۱۲ ص ۵۱۹' مسلم: ۱۳۴۴' از عبداللہ بن عمر از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما' ترمذی: ۹۵۰' نسائی "عمل الیوم واللیلۃ": ۵۳۹' از ہر دو طریق مذکور۔

[۳۰] اسناد ضعیف' حسن حدیث۔ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۳۲۹' اسناد ضعف ابن اسحاق کے شیخ کی جہالت ہے۔ طبرانی از ابی معتب (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۴۔۱۳۵) علامہ ہیثمی کے بقول اس میں ایک نامعلوم الاسم راوی ہے۔

[۳۱] حسن حدیث۔ نسائی "عمل الیوم واللیلۃ": ۵۴۳' از سلیمان از ابی سہل مالک۔۔۔۔۔۔۔ نسائی "عمل الیوم واللیلۃ": ۵۴۴' ابن خزیمہ "صحیح": ۲۵۶۵' ابن حبان "الاحسان": ۲۷۰۹' حاکم ج ۱ ص ۴۴۶۔ ج ۲ ص ۱۰۰۔۱۰۱' بیہقی "السنن" ج ۵ ص ۲۵۲' از ابن وہب الخ۔ حاکم اور ذھبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ طبرانی "الکبیر": ۷۲۹۹' از سوید بن سعید از حفص بن میسرہ۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۱۰ ص ۱۳۵) میں اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے' سوائے عطاء بن ابی مروان اور اس کے والد کے اور یہ دونوں بھی ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے "تخریج الاذکار" ج ۵ ص ۱۵۴ میں اسے حسن کہا ہے۔ (تخریج الکلم الطیب' البانی: ۱۷۸)

البتہ ان کی روایت میں سات زمینوں کا ذکر ہے اور ابن اسحاق کی روایت میں صرف آسمانوں کے ساتھ سات مذکور ہے۔ کعب الاحبار نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو پھاڑا' آپ کی جب دشمن پر نظر پڑتی یہ دعا کرتے تھے۔

ابن عاث نے دوسرے طریقہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ مروی ہے: میں آپ سے ان کے اچھوں کی مؤدت کا طلب گار ہوں اور یہ کہ آپ ان کے بُروں سے میری حفاظت فرمائیں۔

اس سلسلہ میں "اذکار النووی" اور ابن علان المکی کی شرح اذکار اور حافظ ابن حجر کی طرف سے اذکار کی احادیث کی تخریج ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جزیرۃ العرب کے کفار کا طرزِ عمل

غزوۂ بنو النضیر وغیرہ کے ذکر میں حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق ہجرت کے بعد کفار کا طرزِ عمل تین قسم کا تھا:

(۱) پہلی قسم ان لوگوں کی تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ وہ آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور آپ کے خلاف دشمن کو پناہ نہیں مہیا کریں گے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے یہ معاہدہ تھا کہ وہ نہ آپ کے مددگار رہوں گے نہ آپ کے خلاف ہوں گے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے یہ معاہدہ تھا کہ اگر دشمن آپ پر حملہ آور ہو تو وہ آپ کی مدد کریں گے۔ یہ یہود کے تین گروہ تھے: بنو قریظہ' بنو النضیر اور بنو قینقاع' تینوں نے عہد شکنی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان پر غلبہ عطا فرمایا' بنو قریظہ قتل کیے گئے اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کو جلاوطنی کی سزا ملی۔

(۲) کفار کی دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے نبی ﷺ سے عداوت رکھی' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ان پر نصرت عطا فرمائی' مکہ فتح ہوا' ان کے بڑے بڑے رؤسا سرنگوں ہوئے اور حجۃ الوداع تک قریش کے تمام لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور سب آپ کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے تھے۔

(۳) دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی پر قائم تھے کہ آخر کار کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے' عرب کے بیش تر قبائل کی یہی پالیسی تھی' بعض اندرونِ خانہ نبی ﷺ کے غلبہ کے متمنی تھے جیسے خزاعہ' بعض اس کے برعکس تھے جیسے بنو بکر۔ بعض بظاہر آپ کے ساتھ اور بہ باطن آپ کے دشمنوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے' منافقین انہیں میں سے تھے وہ اسلام ظاہر کرتے تھے اور دلوں میں کفر رکھتے تھے۔

یہود میں سے سب سے پہلے بنو قینقاع نے عہد شکنی کی' پھر بنو النضیر نے اور بعد ازاں بنو قریظہ نے' رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے ایک ماہ بعد ان سے جنگ کی۔

حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" (ص ۹۸) میں کہا ہے کہ سیرت

نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اوس اور خزرج کے قبائل میں کوئی فرد ایسا نہ تھا جس نے ہاتھ یا زبان کے ذریعہ نبی ﷺ کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا ہو نہ ہی مدینہ طیبہ میں کسی کو ایسا کرنے کی ہمت تھی۔ ان میں سے کافر اور منافق یہ کام کرتے تھے کہ لوگوں کو نبی ﷺ کی اتباع سے باز رکھتے یا ان کو مدینہ طیبہ سے واپس مکہ مکرمہ لوٹ جانے پر مدد فراہم کرتے' اس طرح ان کی کوشش ہوتی کہ اہل ایمان میں انتشار پھیلے اور لوگ پھر سے کفر کی طرف لوٹ جائیں' وہ نبی ﷺ سے جنگ پر نہیں اکساتے تھے۔

سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے ہر صاحب علم پر واضح ہو جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے' اہل مدینہ میں سے کسی نے آپ سے جنگ نہیں کی' بلکہ انہوں نے آپ کے ساتھ معاہدے کیے' اوس اور خزرج کے تمام خاندان ان معاہدوں میں شریک تھے حتیٰ کہ یہودیوں نے بھی معاہدے میں شمولیت اختیار کی۔

حضور ﷺ ان کی ہر طرح دلجوئی کرتے اور ان سے مصالحت کرتے۔

جب نبی ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے' لوگوں کے متعدد طبقات تھے بعض مؤمن تھے اور وہ اکثریت میں تھے اور باقی اپنے سابقہ دین پر تھے اور غیر جانب دار تھے' رسول اللہ ﷺ ' آپ کے ہم قبیلہ مسلمان اور ان کے حلیف سب امن وسلامتی کے پیامبر تھے' جنگ جُو نہ تھے' یہاں تک کہ نبی ﷺ نے انصار کے سابقہ حلیفوں کو بھی ان کے حلف پر برقرار رکھا۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے' انصار کے گھرانوں میں سے کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں مسلمانوں کی جماعت موجود نہ ہو' صرف بنوخطمہ' بنوواقف اور بنووائل انصار کے ایسے بطون تھے جو سب سے آخر میں مسلمان ہوئے۔ مدینہ طیبہ کے اردگرد انصار کے حلیف قبائل تھے جو جنگوں میں انصار کا ساتھ دیتے تھے' نبی ﷺ نے انصار کو حکم دیا کہ ان سے اپنے حلف ختم کر دیں کیونکہ انصار کے حلفاء اور نبی ﷺ کے درمیان حالت جنگ تھی' اسی طرح دشمنانِ اسلام آپ سے حالت جنگ میں تھے۔ نبی ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے' وہاں ملے جلے عقائد کے لوگ تھے' مسلمان جن کو اسلام نے جمع کر دیا تھا اور ان میں قلعوں اور وادیوں والے بھی تھے۔ نیز اوس اور خزرج کے حلیف تھے' حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد پورے نظام کی اصلاح کی اور مختلف قبائل سے معاہدے فرمائے۔

ایسا بھی ہوتا کہ آدمی خود مسلمان اور اس کا والد مشرک ہوتا' اوس کے قبائل ایک دوسرے کے حلیف تھے' ان میں سے بعض بظاہر اسلام کا نام لیتے اور دلی طور پر اس کے خلاف ہوتے۔ اسلام آہستہ آہستہ انصار کے تمام قبائل اور ان کی ذیلی شاخوں میں پھیلتا رہا یہاں تک کہ ان میں کوئی ایسا فرد نہ رہا جو اعلانیہ کفر رکھتا ہو' بلکہ مؤمن تھے یا پھر منافق' انصار میں اسلام قبول نہ کرنے والا یہود کی طرح ان کے معاہدوں میں شامل رہتا بلکہ اس کا طرز عمل یہود سے بھی بہتر ہوتا کہ اس میں قومی عصبیت اثر دکھاتی تھی' ایسے افراد اپنے قبیلہ کا ساتھ دیتے اور ان کی جماعت سے نہ نکلتے' رسول اللہ ﷺ بھی ان سے درگذر فرماتے اور یہود سے زیادہ ان کی تکلیف دہ حرکتوں پر صبر فرماتے تھے کہ

آپ کو ان سے اسلام قبول کرنے کی امید ہوتی اور آپ کو یہ بھی خیال رہتا کہ ان کو سزا دینے کی صورت میں کہیں ان کے ہم قبیلہ مسلمانوں کے دل میلے نہ ہوں۔ آپ کا طرزِ عمل اس ارشادِ باری کا مظہر اور متبع تھا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِىٓ أَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ○ (آل عمران:۱۸۶)

بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال و جان میں اور تم ضرور سنو گے ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں' اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے ○

اپنے عہد کے کفار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ

آپ ﷺ کبھی ان پر سختی فرماتے کبھی نرمی' ان سے حسن سلوک فرماتے' جو رویہ مناسب ہوتا اور وقت کا تقاضا ہوتا آپ اسی طرح عمل فرماتے تھے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: نبی ﷺ پہلے پہل ان کی اذیتیں برداشت کرتے' ان کی تکلیفوں پر صبر فرماتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۲ صفر ۲ھ میں آپ کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

زہری فرماتے ہیں: قتال کی اجازت کی پہلی آیت سورۃ الحج کی درج ذیل آیت ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ○ (الحج:۳۹)

(جہاد کی) اجازت دے دی گئی ان مسلمانوں کو جن سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا' اور بے شک اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے ○

اسے امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علامہ ابوحیان "البحر" میں کہتے ہیں: آیت کریمہ میں ماذون (اجازت دادہ) یعنی قتال محذوف ہے' یقاتلون کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے اور اس اجازت کی علت یہ بیان کی گئی کہ ان پر ظلم ہوتا رہا۔ صحابہ کرام کبھی مار کھا کر' کبھی زخمی ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے' آپ ان سے فرماتے: صبر کرو کیونکہ مجھے قتال کا حکم نہیں دیا گیا۔[۴۳۲] یہاں تک کہ آپ نے ہجرت کی' پھر جنگ کی اجازت دے دی گئی حالانکہ پہلے ستر سے زائد آیات میں اس سے منع کیا گیا تھا۔

دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مناسب ترین وقت میں جہاد کو مشروع فرمایا' کیونکہ مسلمان پہلے مکہ میں تھے' مشرکوں کی تعداد زیادہ تھی اگر قلیل التعداد مسلمانوں کو دین کے باغیوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا جاتا تو ان کے لیے مشکل ہوتا' جب مسلمان مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آ گئے' حضور ﷺ کفار کے گھیرے سے بہ سلامت نکل آئے حالانکہ وہ آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے اور آپ مدینہ طیبہ میں سکون سے رہنے لگے' آپ کے ساتھیوں کی جمعیت بڑھ گئی اور وہ آپ کی مدد کو تیار ہو گئے' مدینہ طیبہ امن و سکون کا گہوارہ بن گیا اور آنے والوں کی پناہ گاہ ٹھہرا تو اللہ تعالیٰ

۴۳۲۔ واحدی "اسباب النزول" (۶۲۱) بلا اسناد۔

اس کا بے حد احترام کرتے ہوں تو تم بھی اس کا اکرام اور عزت کرو' اسے مرتبہ کے مطابق نشست دو اور عطیہ سے نوازو' یعنی اس کی مناسب تعظیم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور آزمائش اس کو ان چیزوں کا عادی بنا دیا ہے' جو اس کے خلاف کرے گا وہ اس کی توہین کرے گا اور اس پر جفا کرے گا اور اس کے دین کو فاسد کرے گا' کیونکہ توہین آمیز سلوک اس کے دل میں حسد' کینہ' بغض و عداوت کا باعث ہوگا' اور اس کو خون ریزی پر آمادہ کرے گا۔ اس کے اکرام میں اس کے شر سے بچاؤ ہے اس کے دین کی بقاء ہے' کیونکہ وہ دنیاوی عزت کا خواہش مند ہے اس کی آرزوئیں بڑی ہیں اور عظمت کی طلب اس میں رچ بس گئی ہے' جب آپ نے اس کی تحقیر کی تو آپ نے اس کے دین و دنیا تباہ کر دیئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم کے کریم سے عالم اور صالح مراد نہیں جیسا کہ بعض حضرات کا وہم ہے' کیونکہ حدیث مبارکہ میں اسے علم اور دین سے منسوب نہیں فرمایا۔

اس پس منظر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس سے کافر اور فاسق کا استثناء کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے: کیونکہ اس اکرام کا تعلق کسی دینی یا دنیوی مصیبت کے خوف سے ہے یا پھر اس کا تعلق فاعل یا مفعول کے ضرر سے ہے' بہرحال وجہ کوئی بھی ہو' جب کسی مصیبت یا آزمائش میں پڑنے کا اندیشہ ہو ایسا اکرام مشروع بلکہ واجب ہے۔ تاریخ میں ایسے ظالم اور فاسق حکمرانوں کا ذکر ملتا ہے جن سے اگر کسی نے عدم رغبت کا مظاہرہ کیا اور ان کی مجلس میں آمد و رفت نہ رکھی تو اس کی جان' مال اور عزت خطرے میں پڑ گئی پھر اگر اس آزمائش میں کسی نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو گئیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: میں مدارات کرنے والا نبی مبعوث کیا گیا ہوں۔[۳۶۷]

(بقیہ حاشیہ: ۳۵ے) از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ ابن ماجہ: ۳۷۱۲' ابن عدی ج ۱ ص ۱۷۸' ابو الشیخ "الامثال": ۱۳۴' بیہقی ج ۸ ص ۱۶۸' قضاعی "مسند الشہاب": ۷۶۱' البانی نے "سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ" ج ۳ ص ۲۰۴ میں سعید بن مسلمہ کو ضعیف اور باقی راویوں کو ثقہ کہا ہے' لیکن ابن عدی نے اس پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کی حدیث کو ترک نہ کرنے کی توقع رکھی ہے' بعد ازاں ابن عدی (ج ۱ ص ۲۹۵) نے محمد بن الفضل سے یہ حدیث روایت کر کے اس پر جرح کی ہے۔

از جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ طبرانی "الکبیر": ۲۲۶۶' ابو الشیخ: ۱۳۲' ابن عدی ج ۲ ص ۱۰۲' بیہقی ج ۸ ص ۱۶۸' خطیب "تاریخ" ج ۱۲ ص ۱۸۸' قضاعی: ۷۶۲' محمد بن محمد البز ار در حدیث ابن السماک ج ۱ ص ۱۷۸' از حصین بن عمر........(ان کے علاوہ دیگر کئی طرق حدیث ذکر کرنے' راویوں پر جرح و تعدیل کے بعد اور متعدد کتب احادیث کے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد مخرج علی محمد دندل رقمطراز ہیں) البانی نے اس حدیث کے کئی شواہد نقل کر کے کہا ہے: بہرحال ان تمام طرق کے باوجود اس حدیث کو صحیح تو کجا' حسن بھی نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس کے بعض طرق انتہائی ضعیف نہیں ہیں جس سے دیگر انتہائی ضعیف طرق کی تقویت کا سامان ہوتا ہے۔ خصوصاً بعض طرق کو حاکم اور عراقی نے صحیح قرار دیا ہے۔

۳۶ے موضوع حدیث۔ ابو سعید المالینی "الاربعین فی شیوخ الصوفیۃ" ج ۶ ص ۲۔ از عبید اللہ بن لؤلؤۃ الصوفی...... البانی نے "الضعیفۃ" (حدیث: ۶۹۵) میں اس کو موضوع کہا ہے۔ ابن لؤلؤۃ اور اس کا شیخ عمر بن واصل دونوں کی وجہ سے یہ حدیث قطعاً موضوع ہے۔ اس کے باوجود ان کی حدیث کو "الجامع الصغیر" میں بیہقی کی "شعب الایمان" کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ مناوی نے ان متہمین کی وجہ سے سیوطی کا تعقب کیا ہے۔ نیز یہ کہا ہے کہ اس کی سند میں مالک بن دینار زاہد ہے جسے ذہبی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے اسے ثقہ کہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کی کثیر تعداد تقویٰ اور ورع سے متصف ہونے کے باوجود ظالم حکمرانوں کے عطیات قبول کر لیتے تھے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے تھے' ان کا مطمح نظر صرف دین کی حفاظت اور مسلمانوں کے لیے نرمی کا حصول ہوتا تھا اور اس ظالم متکبر کے لیے شفقت پیش نظر رہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا مؤلفۃ القلوب کے ساتھ یہی رویہ تھا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تدبیر سے ناواقف اور ظاہر پر جمے رہنے والوں نے بڑی غفلت سے کام لیا ہے اور غلط انداز اپنا کر مشکلات کا شکار رہے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ. (الحج:۱۸) اور جس کو اللہ ذلیل کرے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

یہ بات ان کے پلے نہ پڑی کہ سنت نے اس کی وضاحت کردی ہے اور احسن طریقے سے یہ بیان کر دیا ہے کہ فتنہ و فساد سے بچتے ہوئے امن کے حصول کے لیے فاسق اور کافر کی اہانت کی جائے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ درجۂ کمال کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے کسی کی عزت اور تکریم کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کی خاطر کسی کی توہین کرے۔ اسی لیے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ درویش کے لیے مناسب ہے وہ اپنے پاس آنے والے ہر حکمران کی عزت کرے' کیونکہ حکمران اسی وقت کسی فقیر کے پاس حاضر ہوتا ہے جب تکبر اور خود بینی کو چھوڑ دیتا ہے اور خود کو اس فقیر سے کم تر سمجھتا ہے' ورنہ وہ اپنی رعایا کے کسی فرد کے پاس کیونکر آتا' مزید فرمایا: جو ہمارے پاس فقیر حقیر بن کر آئے گا ہم اس کی عزت کریں گے خواہ کوئی ہو' اگر وہ ظالم ہے تو ہم بھی گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں' اگر یہ سوءِ ظن ہے تو پھر ایک ظالم دوسرے ظالم کے لیے کھڑا ہوا ہے اور اس کی عزت و تکریم کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کفار قریش کے سرداروں سے نرمی فرماتے اور ان کی عزت کرتے تھے اور ان کو اونچا مقام و مرتبہ دیتے تھے کہ وہ عزت الٰہیہ کے مظاہر تھے۔

ایک ولی نے خواب میں دیکھا اس پر سبز حلّہ ہے اور انبیاء کرام اس کے سامنے ایستادہ ہیں' خواب دیکھنے والے ولی اس خواب سے پریشان ہو گئے' بعض عارفوں سے یہ خواب بیان کیا تو جواب ملا کہ انبیاء کرام کا ادب خلعت پہنانے والے کے لیے تھا' خلعت پہننے والے کے لیے نہ تھا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم جب سلطان اپنے کسی خادم کو خلعت سے نوازتا ہے سلطنت کے اکابرین اس کے اکرام میں کھڑے ہوتے ہیں۔[۳۷]

''الاکلیل'' میں آیت کریمہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ تو اس سے نرم بات کہیں اس امید پر کہ وہ نصیحت مان لے یا کچھ ڈرے ۝ (طٰہٰ:۴۴)

کے تحت لکھا ہے: ابن ابی حاتم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ

۳۷۔ ناقابل التفات نکتہ آفرینی۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کی کثیر تعداد تقویٰ اور ورع سے متصف ہونے کے باوجود ظالم حکمرانوں کے عطیات قبول کر لیتے تھے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے تھے' ان کا مطمح نظر صرف دین کی حفاظت اور مسلمانوں کے لیے نرمی کا حصول ہوتا تھا اور اس ظالم متکبر کے لیے شفقت پیش نظر رہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا مؤلفۃ القلوب کے ساتھ یہی رویہ تھا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تدبیر سے ناواقف اور ظاہر پر جمے رہنے والوں نے بڑی غفلت سے کام لیا ہے اور غلط انداز اپنا کر مشکلات کا شکار رہے ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ (الحج:۱۸) اور جس کو اللہ ذلیل کرے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

یہ بات ان کے پلے نہ پڑی کہ سنت نے اس کی وضاحت کر دی ہے اور احسن طریقے سے یہ بیان کر دیا ہے کہ فتنہ و فساد سے بچتے ہوئے امن کے حصول کے لیے فاسق اور کافر کی اہانت کی جائے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ درجۂ کمال کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے کسی کی عزت اور تکریم کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کی خاطر کسی کی توہین کرے۔ اسی لیے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ درویش کے لیے مناسب ہے وہ اپنے پاس آنے والے ہر حکمران کی عزت کرے' کیونکہ حکمران اسی وقت کسی فقیر کے پاس حاضر ہوتا ہے جب تکبر اور خود بینی کو چھوڑ دیتا ہے اور خود کو اس فقیر سے کم تر سمجھتا ہے' ورنہ وہ اپنی رعایا کے کسی فرد کے پاس کیونکر آتا' مزید فرمایا: جو ہمارے پاس فقیر حقیر بن کر آئے گا ہم اس کی عزت کریں گے خواہ کوئی ہو' اگر وہ ظالم ہے تو ہم بھی گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں' اگر یہ سوء ظن ہے تو پھر ایک ظالم دوسرے ظالم کے لیے کھڑا ہوا ہے اور اس کی عزت و تکریم کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کفار قریش کے سرداروں سے نرمی فرماتے اور ان کی عزت کرتے تھے اور ان کو اونچا مقام و مرتبہ دیتے تھے کہ وہ عزت الٰہیہ کے مظاہر تھے۔

ایک ولی نے خواب میں دیکھا اس پر سبز حلہ ہے اور انبیاء کرام اس کے سامنے ایستادہ ہیں' خواب دیکھنے والے ولی اس خواب سے پریشان ہو گئے' بعض عارفوں سے یہ خواب بیان کیا تو جواب ملا کہ انبیاء کرام کا ادب خلعت پہنانے والے کے لیے تھا' خلعت پہننے والے کے لیے نہ تھا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم جب سلطان اپنے کسی خادم کو خلعت سے نوازتا ہے سلطنت کے اکابرین اس کے اکرام میں کھڑے ہوتے ہیں۔[۳۷]

''الاکلیل'' میں آیت کریمہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (طٰہٰ:۴۴) تو اس سے نرم بات کہیں اس امید پر کہ وہ نصیحت مان لے یا کچھ ڈرے ۝

کے تحت لکھا ہے: ابن ابی حاتم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ

۳۷ے ناقابل التفات نکتہ آفرینی۔

اور حضرت ہارون علیہما السلام نے فرعون کو اس کی کنیت ابا مرہ سے خطاب کیا تھا۔[۳۸] اس میں کافر کو کنیت سے بلانے کا جواز ہے اور یہ کہ وعظ و نصیحت کے وقت ظالم سے نرم کلامی مستحب ہے شاید کہ وہ کفر سے باز آ جائے۔

نیز سورۂ مریم کی آیت کریمہ "سَلٰمٌ عَلَيْكَ" (مریم:۴۷) سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو ابتداءً کافر کو سلام کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔[۳۹]

"سیرۃ عمر" میں ہے شام کی فتح مکمل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رومی بادشاہ کے درمیان دوستانہ خطوط کا تبادلہ ہوا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ حضرت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے روم کے بادشاہ کی طرف سے مدینہ طیبہ میں آنے والے قاصد کے ہاتھ ہرقل کی بیوی ملکۂ روم کے لیے مدینہ طیبہ سے نفیس تحفہ روانہ کیا جواباً ملکۂ روم نے آپ کے لیے موتیوں کا نفیس ہار روانہ کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ہار ان سے لے کر بیت المال میں جمع کرا دیا۔ (کنز العمال)

"تاریخ ابن جریر الطبری" (حالات ۱۸ھ) میں ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے یہ تحفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاصد کے ذریعہ روانہ کیا تھا' ہرقل کی بیوی نے عورتوں کو جمع کر کے بتایا یہ تحفہ عرب کے بادشاہ کی بیوی نے بھیجا ہے جو ان کے نبی کی صاحبزادی ہیں' اس نے جواب میں خط لکھا اور بدلے میں ان کے لیے تحفہ بھیجا۔ حافظ ابن الجوزی نے "سیرۃ سیدنا عمر" میں اسے نقل کیا ہے۔

"الخطط المقریزیہ" (ج ۳ ص ۳۰۴) میں ہے کہ پہلی صدی میں اسامہ بن زید التنوخی مصری مصر کے خراج کے عامل تھے' انہوں نے موسیٰ بن وردان سے بیس ہزار دینار کی مرچ خریدی' ولید بن عبدالملک کے حکم سے یہ مرچ بادشاہِ روم کو بطور تحفہ بھیجی جانی تھی اور اسے مصر میں دار فلفل نامی جگہ میں اسٹور کیا گیا۔

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن علقمہ الخزاعی کی اپنے والد سے روایت نقل کی ہے کہ ان کو نبی ﷺ نے کچھ مال دے کر ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ اس مال کو قریش کے فقراء میں تقسیم کر دیں حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے آپ ان کی تالیف قلب چاہتے تھے' (علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:) میں نے مال ابوسفیان کے حوالہ کیا وہ کہنے لگے: ان سے (یعنی نبی ﷺ سے) بڑھ کر نیکی اور صلہ رحمی کرنے والا کس نے دیکھا ہے ہم ان سے جنگیں کرتے ہیں اور ان کے خون کے پیاسے ہیں اور وہ ہمارے پاس مال روانہ کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔[۴۰]

---

[۳۸] ضعیف بے اصل۔

[۳۹] کافر کو پہلے سلام کرنا جائز نہیں۔ امام نووی نے "الاذکار" (ص ۳۱۹) میں کہا ہے: ذمیوں کے متعلق اختلاف ہے ہمارے اصحاب کی اکثریت ان کو پہلے سلام کرنے کے عدم جواز کی قائل ہے۔ بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے' اگر ذمی یا کافر سلام کرے تو اس کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہے اس سے زائد نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود ونصاریٰ کو پہلے سلام نہ کرو۔ مسلم: ۲۱۶۷' ترمذی: ۱۶۰۲' ابوداود: ۵۲۰۵' احمد ج ۲ ص ۲۶۳۔ ۲۶۶۔ ۳۴۶۔ ۴۴۴۔ ۴۵۹۔ ۵۲۵۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل کتاب تم کو سلام کریں' تم کہو: "وعلیکم"۔

بخاری: ۶۲۵۸۔ ۶۹۲۶' مسلم: ۲۱۶۳' ابوداود: ۵۲۰۷' ترمذی: ۳۲۹۶' احمد ج ۳ ص ۹۹' نسائی "عمل الیوم واللیلۃ": ۳۸۵۔ ۳۸۷۔

[۴۰] ضعیف حدیث۔ ابن عساکر از عبد اللہ بن علقمہ الخزاعی از والد خود (کنز العمال ج ۵ ص ۴۲) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس روایت کو حافظ سیوطی نے "المجمع" میں اور ابن ہندی نے "کنز العمال" ج ۵ ص ۲۴۴ میں نقل کیا ہے۔

حنفیہ کی کتاب "الھدایہ" میں ہے نبی ﷺ نے اپنے یہودی ہمسائے کی عیادت فرمائی' حافظ ابن حجر ہدایہ کی احادیث کی تخریج میں کہتے ہیں: "الآثار" میں محمد بن الحسن نقل کرتے ہیں' ہمیں ابوحنیفہ (امام اعظم رضی اللہ عنہ) نے علقمہ بن مرثد سے انہوں نے ابن بریدہ سے انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی' حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے ہم سے فرمایا: اٹھو ہم اپنے یہودی ہمسائے کی عیادت کو جارہے ہیں' ہم اس کے پاس آئے' آپ نے اس سے فرمایا: اے فلاں! تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ پھر آپ نے اس پر تین بار شہادتین (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی) کو پیش کیا' اس کے والد نے اس سے کہا: بیٹے! گواہی دو' اس نے گواہی دی' آپ نے فرمایا: حمد ہے اس اللہ کی جس نے ایک جان کو جہنم سے آزاد فرمادیا۔[۴۱]

اس سند سے اس حدیث کو ابن السنی نے "عمل الیوم واللیلة" میں روایت کیا ہے' عبدالرزاق نے ابن ابی حسین کے مراسیل میں اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ نبی ﷺ نے اسے غسل اور کفن دیا' خوشبو لگائی اور اس پر نماز پڑھی۔[۴۲]

مؤلف کہتے ہیں: ہمارے جد محترم کا بھی ایسا ایک واقعہ فاس کے یہودی ملاح کے متعلق ہے۔

(بقیہ حاشیہ: ۴۰) ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (ج ۵ ص ۱۲۱) میں عبداللہ بن علقمہ کا بغیر جرح وتعدیل کے ذکر کیا ہے' اس کا شمار مجاہیل میں ہے۔

[۴۱] مخرج علی محمد وندل نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظیم فقہی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے روایت حدیث میں ان پر جرح کے اقوال نقل کیے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات احناف کی مستند کتب میں ان تمام بودے اعتراضات کے جوابات ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ (مترجم)

[۴۲] مرسل روایت۔ علماء جرح وتعدیل کے نزدیک مرسل ضعیف کی ایک قسم ہے۔

القسم السادس

عاملینِ زکوٰۃ' عشر' جزیہ وغیرہ

زکوٰۃ' عشر اور جزیہ کے محصلین

"الشفاء" میں قاضی عیاض کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں حجاز' یمن' تمام جزیرۃ العرب اور اس سے ملحق شام اور عراق کے علاقہ فتح ہو چکے تھے اور ان علاقوں سے اس قدر خمس' جزیہ اور زکوٰۃ و عشر وغیرہ صدقات لائے جانے لگے جو بہت کم بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے لائے گئے تھے اور مختلف علاقوں کے حکمرانوں نے آپ سے عارضی صلح اور جنگ بندی کے معاہدے کر لیے' رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کو کبھی دوسروں پر ترجیح دی نہ اپنے لیے کبھی درہم و دینار جمع فرمائے' بلکہ تمام اموال کو ان کے مصارف میں خرچ فرمایا اور اہل اسلام کو غیروں سے بے نیاز کر دیا اور ان کو قوت فراہم فرمائی۔ اس میں متعدد ابواب ہیں۔

جزیہ ذمی پر ٹیکس ہے گویا یہ اس کو قتل سے محفوظ رکھنے کے احسان کا بدلہ یا اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کرنے کی جزا ہے۔

حصولِ جزیہ میں نبی ﷺ کا طریقہ مبارکہ اور جزیہ دینے والے

"الاشراف" میں حافظ ابن المنذر رنے کہا ہے کہ امام شافعی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جزیہ پر مصالحت فرمائی تھی اس میں عربی اور عجمی سب شامل تھے اور آپ نے اہل یمن سے بھی جزیہ پر مصالحت فرمائی تھی ان میں عربی' عجمی سب شامل تھے۔

"التمھید" میں ابن عبد البر' ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق اہل کتاب میں سے سب سے پہلا جزیہ اہل نجران نے ادا کیا' یہ عیسائی تھے۔ پھر آپ نے اہل بحرین سے جزیہ قبول فرمایا یہ مجوسی تھے۔

صحیح البخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جزیہ وصول کرنے پر مقرر تھے[۴۳] اور سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ[۴۴]

عشر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم اور محصلینِ عشر

سنن ابی داؤد میں حرب بن عبید اللہ بن عمیر الثقفی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں' ان کے دادا نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے اسلام قبول کیا' آپ نے مجھے اسلام کی تعلیمات تعلیم فرمائیں اور اپنی قوم کے مسلمانوں سے صدقہ وصول کرنے کا طریقہ سکھایا' پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے صدقہ کے احکام کے سوا ہر بات یاد ہے' کیا میں ان سے دسواں حصہ (عشر) لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔[۴۵]

---

[۴۳] صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۱۵۸' از عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ۔

[۴۴] صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۳۰۳۸۔ ۳۰۳۹' از معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔

[۴۵] ضعیف حدیث۔ ابوداؤد: ۳۰۴۹' از حرب بن عبید اللہ بن عمیر ثقفی' اس کا اسناد ضعیف ہے۔ (ضعیف سنن ابی داؤد: ۶۶۳)

خراجی زمینوں کے ٹیکس وصول کرنے والے

"صحیح مسلم" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بنو النضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بطور فے عطا فرمائے' اس پر مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے' جن اموال پر مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے وہ خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے' آپ ان اموال میں سے اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے تھے جو باقی رہتا اسے آپ راہِ خدا میں جہاد کے لیے گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری پر صرف فرماتے تھے۔[۴۶]

"الاکمال" میں قاضی عیاض کہتے ہیں: طبری نے کہا ہے: تمام اموال فے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خوراک تھی کہ آپ اور آپ کے اہل و عیال بوقت حاجت اس سے کھائیں اور جو باقی بچے اس کو مسلمانوں کی تقویت کے لیے خرچ کریں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ان اموال کو بنو ہاشم کے فقراء پر اور ان کی شادی کے قابل خواتین کی شادیوں پر خرچ کرتے تھے۔

المازری کہتے ہیں: جس مال (زمین' جائیداد وغیرہ) کو اس کے مالک بغیر جنگ کے چھوڑ جائیں اور چلے جائیں ہمارے نزدیک اس میں خمس نہیں ہے' اسے مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کیا جائے۔ جس طرح نبی ﷺ بنو النضیر کے اموال میں خرچ فرماتے تھے۔

"الموطا" میں حضرت ابو سعید الخدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر پر عامل مقرر فرمایا وہ عمدہ قسم کی کھجوریں لائے' آپ نے دریافت فرمایا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے عوض اور دو صاع تین صاع کے عوض لیتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو' ملی جلی کھجوریں دراہم کے عوض بیچو پھر ان دراہم سے عمدہ کھجوریں خریدو۔[۴۷]

ابن بشکوال لکھتے ہیں: حدیث میں مذکور عامل حضرت سواد بن غزیہ الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عثمان بن حُنیف الانصاری رضی اللہ عنہ زمینوں کی پیمائش (سروے) اور ان کے ٹیکس کی وصول یابی پر مقرر تھے۔ آپ نے وہاں کے رہنے والوں پر خراج اور جزیہ مقرر کیا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کو بصرہ کا والی (گورنر) مقرر کیا تھا۔

ابو علی احمد بن عمر بن رُستہ کی تصنیف کی ساتویں جلد (ص ۱۰۴) میں بروایت اسماعیل بن مجالد بن سعید از والد خود از شعبی منقول ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو سواد عراق کی

---

[۴۶] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۹۰۴۔۳۰۳۳۔۴۸۸۵' مسلم: ۱۷۵۷ (۴۸)' ابوداود: ۲۹۶۵' ترمذی: ۱۷۱۹' نسائی "المجتبیٰ" ج ۷ ص ۱۳۲' "عشرۃ النساء فی الکبریٰ": ۳۰۵۔۳۰۶' التفسیر: ۵۸۸' از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

[۴۷] صحیح حدیث۔ مالک "الموطا" ج ۲ ص ۶۲۳' بخاری: ۲۲۰۱۔۲۲۰۲۔۲۳۰۲/۲۳۰۳' مسلم: ۱۵۹۳ (۹۵)' نسائی ج ۷ ص ۲۷۱۔۲۷۲' بغوی "شرح السنۃ": ۲۰۶۴' از ابو سعید الخدری' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما۔

پیائش کے لیے بھیجا' انہوں نے پیائش کی اور اسے تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب پایا اور انہوں نے ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز (قدیم زمانہ کا ایک پیمانہ) ٹیکس مقرر کیا۔ ابوعبید کہتے ہیں: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا پیائش کردہ علاقہ موصل کے سرحدی علاقوں سے عبادان کے ساحل سمندر تک' دجلہ کے مشرقی طول وعرض تک طویل تھا اور ارض حلوان کے پہاڑی علاقہ سے سرزمین عرب سے متصل علاقہ عذیب اور قادسیہ کے آخر تک پھیلا ہوا تھا۔

دوسروں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورے سواد کی پیائش کا حکم دیا تھا' اس کی طوالت قلب سے عبادان تک ایک سو پچیس فرسخ (فرسخ تین انگریزی میل کے برابر مسافت) اور اس کی چوڑائی حلوان کے آخر سے عذیب تک اسّی فرسخ تھی۔ اس کی پیائش تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی انہوں نے جنگلات والی زمین کے ہر جریب پر دو درہم اور آباد گھاس' سبزے والی زمین پر چھ درہم اور کھجوروں کے باغات والی زمین کے ہر جریب پر آٹھ درہم ٹیکس مقرر کیا اور پانچ لاکھ انسانوں پر ان کے طبقات کے لحاظ سے جزیہ مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس مد میں ایک کروڑ (اوقیہ) چاندی اور دو کروڑ اسّی لاکھ درہم لائے گئے۔

ابن الازرق کی "روض الاعلام" میں ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں نمازوں کا امام اور لشکروں کا والی' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو قاضی اور بیت المال کا نگران اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو وہاں کی زمینوں کی پیائش پر مقرر فرمایا تو آپ نے ان کے لیے ہر روز ایک بکری کا روزینہ مقرر فرمایا بکری کا ایک حصہ اور اس کے اندرونی اعضاء حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے لیے اور دوسرا حصہ مؤخر الذکر اصحاب کے لیے مقرر کیا' پھر فرمایا: میں نے ایسی بستی نہیں دیکھی جس سے ہر روز ایک بکری لی جائے مگر وہ جلد ویران ہو جاتی ہے۔

اس روایت کی اصل "طبقات ابن سعد" میں متعدد طریقوں سے منقول ہے البتہ اس کا آخری جملہ مروی نہیں ہے۔ اس سے ائمہ نے ان تمام افراد کے لیے روزینہ مقرر کرنے کا مسئلہ مستنبط کیا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی کسی مصلحت میں مصروف کار ہوں' وہ تعلیم کا شعبہ ہو' حکمرانی کی ذمہ داری ہو یا منصب قضاء وغیرہ ہو۔

امام غزالی "احیاء علوم الدین" میں کتاب الحلال والحرام میں کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کی بہتری اور تقویت کے کاموں میں مصروف رہتا ہو اور اس کے لیے روزی کمانے کا مشغلہ ان کاموں کے بگاڑ اور تعطل کا باعث بنتا ہو اسے بیت المال سے حسب ضرورت وظیفہ لینے کا حق ہے۔ مزید کہا: اس میں تمام علوم داخل ہیں یعنی ہر وہ علم جس کا تعلق دینی مصالح سے ہو جیسے علم فقہ' علم حدیث' علم تفسیر اور علم قراءت' اس میں استاد اور شاگرد سب داخل ہیں کیونکہ ان کی بیت المال سے کفالت نہیں ہوگی تو وہ ان علوم کا اکتساب نہیں کر سکیں گے۔

البرزالی نے القفصی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عمال کو لکھا: طالب علموں کے لیے وظائف جاری کرو اور ان کو فکر معاش سے آزاد کر دو۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ انسان یا تو دینی امور سے متعلق ہوتا ہے یا پھر دنیاوی مشاغل میں مصروف عمل رہتا ہے' علماء سے دین کی نگہداشت کا کام اور لشکروں سے دنیا کی نگہداشت کا کام لیا جاتا ہے' دین اور ملک دونوں جڑواں ہیں' ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مستغنی نہیں' مزید

کہا: طلبہ اور علماء کے وظائف میں قدر ضرورت کی شرط نہیں بلکہ ان کے غنا کے باوجود ان کو عطا کیا جائے' کیونکہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مہاجرین اور انصار کو ان کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود عطیات اور وظائف دیا کرتے تھے۔ ابن الازرق نے اس مسئلہ میں طویل ابحاث رقم کی ہیں۔

علامہ باجی حدیث مبارکہ: اپنی ازواج کے نفقہ اور اپنے عامل کی مدد کے بعد جو کچھ میں نے چھوڑا وہ صدقہ ہے[۴۸] کے تحت لکھتے ہیں: اس میں عامل سے ہر عامل مراد ہے خواہ وہ خلیفہ ہو یا کوئی اور' کیونکہ جو شخص بھی مسلمانوں کے امور کی نگہبانی اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت مطہرہ کی پاسداری میں مصروف ہے وہ آپ کا عامل ہے۔ اس لیے اس کی مدد ضروری ہے ورنہ وہ ضائع ہو جائے گا۔ (تنویر الحوالک' حافظ سیوطی)

علامہ القاکہی نے ''المناھج'' میں امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ بیت المال سے حافظ قرآن کے لیے سو دینار کا وظیفہ ضروری ہے۔ ''الاجوبة المھمة'' کے مؤلف نے حافظ سیوطی سے نقل کیا ہے کہ بچوں کو تعلیم دینے والے کے لیے مسلمانوں کے بیت المال سے سو دینار کا وظیفہ ہونا چاہیے' اگر بیت المال میں گنجائش نہ ہو تو پھر مسلمانوں کی جماعت پر یہ ضروری ہے۔ اگر مسلمانوں کی جماعت میں سکت نہ ہو تو پھر یہ سب کی ذمہ داری ہے کہ اس کا انتظام کریں۔ کیونکہ بچوں کی تعلیم فرض کفایہ ہے ہر ذمہ دار فرد پر اس کی ذمہ داری ہے۔

گزشتہ اوراق میں ''کیا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قاضیوں اور عاملوں کا وظیفہ مقرر ہوتا تھا'' کے زیر عنوان یہ بحث گزر چکی ہے۔

حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ سلف صالحین میں ایسے حضرات گزرے ہیں جو اس لیے تجارت کرتے تھے تا کہ ان لوگوں کی مدد کریں جو حدیث مبارکہ اور علم کی نشر و اشاعت میں مصروف تھے اور اس مصروفیت کے باعث اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لیے کسب معاش سے معذور تھے۔ حضرت ابن المبارک' حضرت فضیل بن عیاض سے فرماتے تھے: اگر آپ اور آپ کے ساتھی یعنی سفیان ثوری' سفیان ابن عیینہ' ابن علیہ اور ابن سماک نہ ہوتے میں تجارت نہ کرتا۔

عاملینِ زکوٰۃ

ابن اسحاق نے سیرت میں ذکر کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ان تمام علاقوں کی طرف اپنے عمال اور امراء روانہ فرمائے جو علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے اور انہوں نے تمام عمال اور امراء کے نام ذکر کیے۔

کلاعی نے سیرت میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۰ھ میں جب حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور آپ نے ۱۱ھ کے محرم کا چاند دیکھا' آپ نے عرب میں صدقات وصول کرنے والے روانہ فرمائے' کلاعی نے محصلین صدقات کی ایک جماعت ذکر کی ہے جن میں مشہور شخصیات حضرت عمر بن الخطاب'

[۴۸] صحیح حدیث مالک ''الموطا'' بروایت یحییٰ اللیثی ج ۲ ص ۹۹۳۔ اسی طریق سے بخاری: ۲۷۷۶۔ ۳۰۹۶۔ ۶۷۲۹' مسلم: ۱۷۶۰' ابوداؤد: ۲۹۷۴' ابن حبان: ۶۶۱۰' بیہقی ج ۶ ص ۳۰۲' از ابی الزناد از اعرج از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عدی بن حاتم الطائی اور حضرت زبرقان بن بدر تمیمی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

''الاصابہ'' میں حضرت ارقم بن ارقم زہری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے، طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تھا۔[۴۹] حضرت کافیہ بن سبع الاسدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اصابہ میں واقدی سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی قوم کے صدقات کی وصولی پر عامل مقرر فرمایا تھا۔[۵۰]

حضرت حذیفہ بن الیمان ازدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو قبیلۂ ازد کے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا۔[۵۱] ابن سعد نے ''مصدق'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ علامہ خطابی ''معالم السنن'' میں کہتے ہیں: ''مصدق'' عامل کو کہتے ہیں، المطالع میں ہے مصدق صدقہ لینے والے کو کہتے ہیں۔ ''نور النبراس'' میں ہے صدقہ دینے والے کو بھی مصدق کہا گیا ہے، البتہ ''مُصَّدِق'' صدقہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

''الاصابہ'' ہی میں حضرت کہل بن مالک الہذلی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہذیل کے صدقات پر عامل بنایا تھا۔ حضرت خالد بن البرصاء رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ ابوداؤد اور نسائی نے از طریق معمر از زہری از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوجہیم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو صدقات پر عامل بنایا۔[۵۲]

حضرت خالد بن سعید بن العاص الاموی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مذحج کے صدقات پر عامل مقرر فرمایا۔[۵۳]

حضرت حذیفہ بن عاصم العکلی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ ابن قانع نے سیف بن عمر از مستنیر بن عبداللہ بن عدس روایت کیا ہے کہ عدس اور خزیمہ رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کو احلاف پر والی مقرر فرمایا اور اس کے لیے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ تحریر محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے خزیمہ بن عاصم کے لیے ہے، میں نے تجھے

---

[۴۹] ضعیف حدیث۔ ابویعلیٰ: ۲۷۲۸، طحاوی ''شرح معانی الآثار'' ج ۲ ص ۷، طبرانی ''الکبیر'' ج ۱۱ ص ۱۲۰۵۹، از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اس کا ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سچا، لیکن نہایت کمزور حافظہ والا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۱) ابورافع رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس کی شاہد ہے۔ احمد ج ۶ ص ۸۔۱۰، ابوداؤد: ۱۶۵۰، ترمذی: ۶۵۷، نسائی ج ۵ ص ۱۰۷، ابن خزیمہ: ۲۳۴۴، ابن حبان: ۳۲۹۰۔

[۵۰] ضعیف حدیث۔ واقدی متہم بالکذب ہے۔

[۵۱] الاصابہ ج ۱ ص ۳۱۸ (رقم: ۱۶۴۸) بحوالہ ابن سعد۔

[۵۲] صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۴۵۳۴، نسائی ج ۸ ص ۳۵، ابن ماجہ: ۲۶۳۸، از عائشہ رضی اللہ عنہا (الاصابہ ج ۱ ص ۴۰۳، رقم: ۲۱۴۷)

[۵۳] الاصابہ ج ۱ ص ۴۰۷ (رقم: ۲۱۶۷)

تیری قوم پر صدقات وصول کرنے والا بنا کر بھیجا ہے' وہ نہ تجھے اپنی طرف مائل کریں نہ ظلم کریں[۵۴] اسے رشاطی نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ابوعمر نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

الاصابہ ہی میں حضرت رافع بن مکیث الجہنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ان کی قوم کے صدقات پر عامل مقرر فرمایا۔[۵۵]

حضرت سہل بن منجاب التمیمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں طبری سے نقل کیا ہے کہ آپ بنوتمیم سے صدقات کی وصولیابی پر نبی ﷺ کے عامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال تک وہ اسی پر مامور تھے۔

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں طبری سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے وصال کے سال ان کو ہوازن کے صدقات پر عامل بنایا تھا۔[۵۶]

حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کی قوم کے صدقات پر عامل بنایا تھا۔[۵۷]

حضرت متمم بن نویرہ التمیمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنوتمیم کے صدقات پر عامل مقرر فرمایا۔[۵۸]

حضرت مرداس بن مالک الغنوی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے نبی ﷺ نے ان کو ان کی قوم کے صدقات پر والی مقرر فرمایا۔[۵۹]

قیس کے والد ہیثم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے نبی ﷺ نے ان کو ان کی قوم کے صدقات کی وصولی پر عامل مقرر فرمایا۔[۶۰]

زمانۂ طاہرہ میں محصلین صدقہ کے عدل وانصاف کی روشن مثالیں

ابن سعد نے طبقات میں' حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ

۵۴؎ نہایت ضعیف روایت۔ ''الاصابہ'' (ج ۱ ص ۴۲۷۔ ۴۲۸' رقم: ۲۲۶۰) میں ہے' اس کو ابن قانع نے سیف بن عمر از مستنیر بن عبداللہ بن عدس روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے سیف بن عمر کو ضعیف اور ابن ابی حاتم نے متروک الحدیث کہا ہے (الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۲۷۸) اور مستنیر بن عبداللہ بن عدس کا تذکرہ کہیں نہیں ملا۔

۵۵؎ الاصابہ ج ۱ ص ۴۹۹ (رقم: ۲۵۴۷) بلاحوالہ۔

۵۶؎ الاصابہ ج ۲ ص ۴۹۶ (رقم: ۵۶۳۸) بحوالہ طبری۔

۵۷؎ الاصابہ ج ۳ ص ۳۵۷ (رقم: ۷۶۹۶)' ابن سعد از واقدی بہ سند منقطع۔

۵۸؎ الاصابہ ج ۳ ص ۳۶۰ (رقم: ۷۷۱۷) بحوالہ طبری۔

۵۹؎ ضعیف الاسناد۔ ابن شاہین از منذر بن محمد ۔۔۔۔۔۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۴۰۰' رقم: ۷۸۸۸) اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں۔

۶۰؎ ضعیف روایت۔ الاصابہ ج ۳ ص ۶۱۵ (رقم: ۹۰۲۵) میں اس حدیث کو محمد بن سلام الجمحی اور ابن قانع کے حوالہ سے از طریق عبد القاہر بن السری ۔۔۔۔۔۔ روایت کیا گیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' ج ۶ ص ۵۷ میں کہا ہے: عبدالقاہر کو یحییٰ بن معین نے صالح الحدیث کہا ہے۔

کا مقرر فرمودہ صدقہ کا عامل آیا، میں نے اس کے ہاتھ سے مکتوب لے کر پڑھا، اس میں لکھا تھا:
متفرق جانوروں کو جمع نہ کیا جائے اور جمع کو متفرق نہ کیا جائے (تاکہ صدقہ میں کمی بیشی ہو) ان کے پاس ایک شخص بڑی اونٹنی لے کر آیا (کہ اسے بطور صدقہ لیں) انہوں نے لینے سے انکار کر دیا، پھر دوسرا شخص اس سے کم تر اونٹنی لایا انہوں نے اسے قبول نہ کیا، پھر کہا: مجھے کون سا آسمان سایہ فراہم کرے گا اور کون سی زمین مجھے آرام دے گی، جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس حالت میں جاؤں کہ میں نے مسلمان سے اس کا بہترین اونٹ لے لیا ہو۔[61] (دیکھئے تذکرہ حضرت قرۃ بن دعموص النمیری رضی اللہ عنہ، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۱)

رسول اللہ ﷺ کے صدقات نگار

ابن حزم نے اپنی کتاب "جوامع السیرۃ" میں کہا ہے کہ صدقات لکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے کاتب حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے، اگر وہ نہ ہوتے یا معذرت کرتے حضرت جہم بن الصلت اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے "تلخیص الخبیر" میں قضاعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت جہم رضی اللہ عنہما صدقات کے اموال لکھا کرتے تھے۔

"الاصابہ" میں حافظ ابن حجر نے حضرت جہم بن سعد رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ علامہ قضاعی نے ان کا ذکر نبی ﷺ کے کاتبوں میں کیا ہے، حضرت جہم اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما صدقات کے اموال لکھا کرتے تھے۔ اسے علامہ قرطبی نے بھی اپنی تالیف "المولد النبوی" (ج ۱ ص ۲۶۶) میں ذکر کیا ہے۔

ابو زید العراقی کی "اختصار الاصابہ" میں ہے حضرت جہم بن سعد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جہم رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ صدقات کے اموال لکھتے تھے۔

مؤلف علامہ کتانی کہتے ہیں کہ حضرت جُہیم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بھی اسی طرح آیا ہے، حافظ ابن حجر نے اسی لیے حضرت جہم کے تذکرہ میں یہ نہیں کہا کہ حضرت جہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح مروی ہے کیونکہ وہ اس کے قائل نہیں، حافظ نے حضرت جہیم بن الصلت رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں تاریخ صمادحی کے حوالہ سے ان کا کاتب ہونا نقل کیا ہے۔[62] ظاہر ہے حضرت جہیم اور حضرت جہم رضی اللہ عنہ دو مختلف شخصیات ہیں۔

"صبح الاعشی" (ج ۱ ص ۱۱) میں علامہ قضاعی کی کتاب "عیون المعارف وفنون اخبار الخلائف" سے منقول ہے کہ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت جہم بن الصلت رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے لیے صدقات کے اموال لکھتے تھے اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے لیے کھجوروں کے درختوں پر موجود پھل کے تخمینے لکھتے تھے، اگر یہ روایات صحیح ہیں تو پھر یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں یہ دیوان مرتب ہو چکے تھے۔

---

[61] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۶۸، الاصابہ ج ۱ ص ۲۵۵ (رقم: ۱۲۵۳) بحوالہ قضاعی۔

[62] الاصابہ ج ۱ ص ۲۵۶، رقم: ۱۲۵۶، بحوالہ مغازی ابن اسحاق۔

کھجور کے درخت پر پھل کا تخمینہ لگانے والے

"صحیح مسلم" میں حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے، ہم وادی القریٰ میں ایک خاتون کے باغ کے پاس آئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس باغ کے پھل کا تخمینہ لگاؤ، ہم نے اس کا تخمینہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا تخمینہ دس وسق (ایک وسق ساٹھ نبوی صاع کا ہوتا ہے) لگایا۔ اور آپ نے اس کی مالکہ سے فرمایا: اس کو شمار کرنا (کہ کتنے وسق ہوا) یہاں تک کہ ہم انشاء اللہ تیرے پاس واپس آئیں، ہم آگے روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم تبوک میں پہنچ گئے۔ الحدیث[۶۳]

"صحیح البخاری" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی ﷺ نے اہل خیبر سے غلہ اور کھجوروں کی نصف پیداوار پر معاملہ فرمایا تھا، آپ اپنی ازواجِ مطہرات کو سو وسق عطا فرماتے تھے، اسّی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو۔[۶۴]

"الموطا" میں ہے نبی ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے وہ اپنے اور اہل خیبر کے حصہ کا تخمینہ لگاتے، پھر کہتے: اگر تم چاہو تو تم (چُن) لو اور تم چاہو تو میں (چُن) لوں، وہ اپنا پسندیدہ حصہ لے لیتے۔

حضرت سلمان بن یسار سے مروی ہے کہ یہود نے اپنی عورتوں کے زیورات جمع کر کے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھے اور کہا: یہ آپ کے لیے ہیں، آپ یہ زیورات لے لیں اور تقسیم میں چشم پوشی سے کام لیں (ہمارا حصہ آدھے سے زائد کر دیں)، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے یہودیو! بخدا تم میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مبغوض ترین مخلوق ہو، تمہاری یہ پیش کش مجھے تم پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی، تم نے مجھے جس رشوت کی پیش کش کی ہے یہ حرام ہے، ہم اس کو نہیں کھاتے، یہودیوں نے کہا: اسی (عدل وانصاف) سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔[۶۵]

نبی ﷺ کے عہد مبارک میں تخمینے کھجوروں، انگوروں اور غلے کے لگائے جاتے تھے۔ امام ابوداؤد نے "سنن" میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ وہ انگوروں کی بیلوں کے پھل کا تخمینہ لگائیں جس طرح کھجوروں کے پھل کا تخمینہ لگاتے ہیں اور یہ کہ انگوروں کی زکوٰۃ (عشر) کشمش کی صورت

---

[۶۳] صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۴۸۱۔۳۱۶۱، مسلم ج۴ص۱۷۸۶(۱۲)، احمد ج۵ص۴۲۴، ابن ابی شیبہ ج۱۴ص۵۳۹۔۵۴۰، ابوداؤد: ۳۰۷۹، ابن حبان: ۴۵۰۳، از ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ، یہاں مصنف نے اسے مختصراً روایت کیا ہے۔
اطرافِ حدیث: بخاری: ۱۸۷۲۔۳۷۹۱۔۴۴۲۲، مسلم: ۱۳۹۲۔ ج۴ص۱۷۸۵(۱۱)، بیہقی ج۴ص۱۲۲، از ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ (تخمینہ لگانے کے فوائد پر ملاحظہ کیجیے "فتح الباری" ج۳ص۴۰۶)

[۶۴] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۲۸۵۔۲۳۲۸۔۲۳۳۱۔۲۳۳۸۔۲۴۹۹۔۲۷۲۰۔۳۱۵۲۔۴۲۴۸، مسلم: ۱۵۵۱، ابوداؤد: ۳۰۰۸، ابن ماجہ: ۲۴۶۷، ترمذی: ۱۳۸۳، دارمی ج۲ص۲۷۰، احمد ج۲ص۱۷۔۲۲۔۳۷، عمر بن شبہ "تاریخ المدینۃ المنورۃ": ۵۲۱، شرح معانی الآثار ج۲ص۲۶۰۔۲۶۱، بیہقی "السنن" ج۶ص۱۱۳، از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

[۶۵] مرسل حدیث۔ مالک "الموطا" ج۲ص۷۰۳۔۷۰۴، از مراسیل سلیمان بن یسار۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

میں لیں جیسے تر کھجوروں کی زکوۃ (عشر) خشک کھجوروں میں لیتے ہیں[۶۶]

''الاصابہ'' میں حضرت زیاد بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ ابن مندہ نے زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اہل خیبر کے پاس پیداوار کے تخمینے لگانے کے لیے بھیجا تو انہوں نے کبھی ایک ڈھل کی بھی غلطی نہیں کی[۶۷] ابن مندہ نے کہا: اس روایت میں عبید بن اسحاق، قیس سے روایت میں تنہا ہیں۔

''الاصابہ'' ہی میں حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: نبی ﷺ نے ان کو تخمینہ لگانے کے لیے بھیجا تھا[۶۸]

حضرت صلت بن معدیکرب الکندی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے حضور ﷺ نے ان کو تخمینے لگانے پر عامل مقرر فرمایا تھا[۶۹]

حضرت فروہ بن عمرو بن ودقہ الانصاری البیاضی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں رکاز کے عنوان میں از معمر از حرام بن عثمان از فرزندان جابر از جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ انصار بنو بیاضہ سے فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ کی کھجوروں کے پھلوں کا تخمینہ لگانے کے لیے بھیجتے تھے[۷۰] دوسری سند سے روایت میں ہے کہ جب وہ باغ میں داخل ہوتے تو درختوں کے خوشوں کو گنتے پھر ان کو ایک دوسرے سے ضرب دیتے اور تخمینے میں غلطی نہ کرتے[۷۱]

(بقیہ حاشیہ: ۶۵ ←) موصولاً از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ابوداود: ۳۴۱۰۔۳۴۱۱' ابن ماجہ: ۱۸۲۰۔ ۲۴۶۸' احمد ج ۱ص ۲۵۰' ابویعلی: ۱۳۴۱' دارقطنی ج ۳ص ۳۷۔۳۸' طحاوی ''شرح معانی الآثار'' ج ۳ص ۱۱۳۔۲۴۶' شرح مشکل الآثار: ۲۶۷۰' طبرانی ''الکبیر'': ۱۲۰۶۲' ابوعبید ''الاموال'': ۱۹۱' بیہقی ''السنن'' ج ۶ص ۱۱۴۔۱۱۵' ابویوسف ''الخراج'' ص ۵۱۔

۶۶ ← ضعیف حدیث۔ ابوداود: ۱۶۰۳' ترمذی: ۶۴۴' دارقطنی: ۲۱۷' بیہقی ''السنن'' ج ۴ص ۱۲۲' از طریق محمد بن صالح التمار از ابن شہاب از سعید بن المسیب از عتاب رضی اللہ عنہ۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ میں کہتا ہوں: التمار کے سوا اس کے راوی ثقہ ہیں' حافظ ابن حجر نے ''التقریب'' میں اسے صدوق اور خطا کار کہا ہے۔ ابوداود نے کہا ہے: سعید بن المسیب کا عتاب رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ امام مالک' معمر اور عقیل نے اسے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ الخ' واللہ اعلم۔

۶۷ ← ضعیف حدیث۔ ابن مندہ از قیس بن ربیع از فراس از شعبی از زیاد بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ الاصابہ ج ۱ص ۵۵۸ (رقم: ۲۸۵۷)' ابن مندہ نے کہا: عبید بن اسحاق' قیس سے روایت میں متفرد ہے۔

۶۸ ← الاصابہ ج ۲ص ۸۶ (رقم: ۳۵۲۳) بلا اسناد۔

۶۹ ← ضعیف حدیث۔ ابن مندہ از صلت بن زبید بن الصلت المدنی۔۔۔۔۔۔ ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (ج ۴ص ۴۳۹) میں صلت بن زبید کو جرح و تعدیل کے بغیر ذکر کیا ہے۔ اس کا شمار مجاہیل میں ہے۔

۷۰ ← نہایت ضعیف حدیث۔ ''مصنف'' عبدالرزاق از معمر از حرام بن عثمان از ابن جابر از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔ الاصابہ ج ۳ ص ۲۰۴ (رقم: ۶۹۷۷)' ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (ج ۳ص ۲۸۲) میں کہا ہے: امام مالک نے حرام بن عثمان کو غیر ثقہ کہا ہے اور امام شافعی نے کہا ہے: حرام بن عثمان سے حدیث روایت کرنا حرام ہے۔

۷۱ ← ضعیف حدیث۔ ''مصنف'' عبدالرزاق از سلیمان بن شبل از رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"الاستبصار" میں حضرت ابوخیثمہ عامر بن ساعدہ رضی اللہ عنہ (آپ سہیل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں) کے تذکرہ میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو خیبر کی طرف پیداوار کا تخمینہ لگانے کے لیے بھیجا۔

اوقاف

"التنبیہ" میں ہے "وقف" مصدر ہے' زمین وغیرہ کو وقف کرنے کا معنیٰ ہے: اسے روک لینا' یہ مشہور لغت ہے۔ اسے حبس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس طرح موقوفہ چیز کو خاص مقاصد کے لیے روک لیا جاتا ہے اور اس کی منفعت کو اجرت یا غلہ دے کر ان مقاصد میں استعمال کرنے کے لیے مخصوص کر لیا جاتا ہے جن کے لیے اسے وقف کیا گیا ہے۔ اس میں واقف کے قول کا اعتبار ہوگا کہ اس نے اسے کتنی مدت کے لیے اور کن مقاصد کے لیے وقف کیا ہے سو اس میں ہمیشہ ہمیشہ کی شرط نہ ہوگی۔

وقف کرنا مندوب ہے اور عمل خیر ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیابی حاصل کر لو ۝ (الحج: ۷۷)

نبی ﷺ اور آپ کے بعد مسلمانوں نے وقف کیے ہیں یہاں تک کہ اوقاف مستحق افراد کے مفاد کے لیے اسلام میں عظیم ترین سرچشمہ بن گئے' اور یہ ذرائع آج بھی عالم اسلام کے ہر شہر میں آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

امام شافعی نے "الام" میں کہا ہے مہاجرین اور انصار کی بھاری تعداد کے صدقات ہمیں یاد ہیں' ان کی اولاد اور اہل خانہ کی کثیر تعداد نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ تاحیات ان صدقات سے کھاتے رہے' اسے عوام کی ایک جماعت نے دوسری جماعت سے نقل کیا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں اکثر جائیدادیں وقف سے تعلق رکھتی ہیں' جسے گزشتہ دور کے مسلمانوں نے وقف کیا ہے۔ (الام ج ۳ ص ۲۷۶)

"جامع ابن یونس" میں ہے نبی ﷺ نے نو کھجوروں کے باغات اپنے پاس رکھے' حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں شرکت اور شہادت کے وقت ان کی رسول اللہ ﷺ کے لیے وصیت کی تھی کہ حضور ﷺ ان کو جہاں مناسب خیال فرمائیں خرچ کریں' آپ نے بنونضیر کے اموال میں سے ان کو وقف فرما دیا تھا[۴۷۲]۔ سہیلی کہتے ہیں: یہ اسلام میں پہلا وقف تھا اور رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ کیا جائے گا۔

عمر بن شبہ نے "اخبار المدینۃ" میں ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صدقات حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ کے وہ اموال تھے جن اموال کی اس نے رسول اللہ ﷺ کے لیے وصیت کی تھی[۴۷۳]۔ تفصیل کے لیے "الاصابہ" میں حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ دیکھیں' علامہ سید سمہودی نے "الوفاء" (ص ۱۵۲)

(الاصابہ ج ۳ ص ۲۰۴' رقم: ۶۹۷۷) سلیمان بن شبل مجہول راوی ہے مجھے اس کا تذکرہ نہیں ملا۔ واللہ اعلم۔

۴۷۲ے الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۳' رقم: ۷۸۵۰ بحوالہ واقدی' بلاذری۔

۴۷۳ے مرسل ضعیف حدیث۔ عمر بن شبہ "تاریخ المدینۃ المنورۃ" ج ۱ ص ۱۱۰ (رقم: ۵۰۴) اس کے اسناد میں عبدالعزیز بن عمران ضعیف ہے' نیز یہ حدیث زہری کی مراسیل میں سے ہے۔

میں نبی ﷺ کے صدقات پر عنوان قائم کیا ہے اور اس میں حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اموال کا تذکرہ کیا ہے اور واقدی سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے الاعواف، برقہ، میثب، الدلال، حسنیٰ، الصافیہ اور مشربہ ام ابراہیم ۷ھ میں وقف فرمایا تھا۔[۷۷۴]

واقدی نے اپنی سند سے از عثمان بن کعب بن محمد بن کعب بن مالک روایت کیا ہے کہ احد کے دن حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں مارا جاؤں تو میرے اموال محمد ﷺ کے لیے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کو جہاں چاہیں خرچ کریں، یہ رسول اللہ ﷺ کے عام صدقات تھے۔[۷۷۵] (الوفاء)

صحیح البخاری میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے صدقہ کو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے حوالہ کر دیا تھا،[۷۷۶] یہ حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ کے باغات، بنونضیر کے کھجوروں کے درخت اور آپ کے لیے انصار کے عطیات تھے، خیبر اور فدک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہے جیسا کہ صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور فدک کسی دوسرے کے حوالے نہیں کیا۔[۷۷۷] پھر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تصرف میں رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان نے بطور جاگیر مروان کو دے دیئے اور یہ اس کی اولاد کے قبضہ میں باقی رہے۔

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکور الصدر باغات اس شرط پر حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے حوالہ کیے تھے کہ دونوں حضرات مل کا باہمی مشورہ سے اس میں تصرف کریں گے، معاملہ ان پر دشوار ہو گیا تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ان اموال کو تقسیم کر دیا جائے تا کہ ہر ایک اپنے اپنے حصہ میں حسب منشاء تصرف کر سکے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز نہ مانی، ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے گا کہ یہ میراث کی تقسیم ہے کیونکہ میراث میں چچا اور چچازاد کا حصہ برابر ہوتا ہے۔

---

۷۷۴ عمر بن شبہ "تاریخ المدینۃ المنورۃ" ج ۱ ص ۱۱۱ (رقم: ۵۰۵)

۷۷۵ نہایت ضعیف روایت۔ اسے واقدی نے روایت کیا ہے۔ زبیر بن بکار نے "اخبار المدینۃ" میں یہ روایت عثمان بن کعب سے روایت کی ہے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۳، رقم: ۷۸۴۹) واقدی متہم بالکذب ہے اور زبیر بن بکار کے اسناد میں محمد بن زبالہ جیسا شخص موجود ہے۔

۷۷۶ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۹۰۴-۳۰۹۴-۴۰۳۳-۴۸۸۵-۵۳۵۷-۵۳۵۸-۷۳۰۵، مسلم: ۱۷۵۷ (۴۸ تا ۵۰)، ابوداؤد: ۲۹۲۵، ترمذی: ۱۶۱۰، نسائی ج ۷ ص ۱۳۶-۱۳۷، احمد ج ۱ ص ۲۵-۴۸-۱۶۲-۱۶۴-۱۷۹-۱۹۱، عمر بن شبہ "تاریخ المدینۃ": ۵۶۳، بیہقی "السنن" ج ۶ ص ۲۹۷، بغوی "شرح السنۃ": ۲۷۴۸، التفسیر ج ۴ ص ۲۱۶، ابویعلیٰ ۲-۳-۴، طبری "التفسیر" ج ۲۸ ص ۳۸-۳۹، حمیدی: ۲۲، عبدالرزاق: ۹۷۷۲، ابن سعد ج ۲ ص ۳۱۴، ابن حبان: ۶۶۰۸، از مالک بن اوس بن الحدثان از عمر رضی اللہ عنہ۔

۷۷۷ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۹۲-۳۰۹۳-۳۷۱۱-۳۷۱۲-۴۰۳۵-۴۰۳۶-۴۲۴۰-۴۲۴۱-۶۷۲۵-۶۷۲۶، مسلم: ۱۷۵۹ (۵۲-۵۳)، ابوداؤد: ۲۹۶۸-۲۹۶۹، نسائی ج ۷ ص ۱۳۲، احمد ج ۱ ص ۹-۱۰، ج ۱ ص ۴-۶، عبد الرزاق: ۹۷۷۴، مروزی "مسند ابوبکر": ۳۵-۳۸، ابویعلیٰ: ۳۳، ابن حبان: ۴۸۲۳، عمر بن شبہ "تاریخ المدینۃ المنورۃ": ۵۴۸-۵۴۹، بغوی "شرح السنۃ": ۲۷۴۱، بیہقی "السنن" ج ۷ ص ۶۵، از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

انہوں نے اس خدشہ کے پیش نظر ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

قاضی عیاض نے "الاکمال" میں کہا ہے: ابوبکر البرقانی نے "صحیح" میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے نزاع کا واقعہ ذکر کیا ہے، پھر کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے، یہ اموال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہے، پھر بالترتیب حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی بن الحسین، حضرت حسین بن حسن، حضرت زید بن حسن اور حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کے قبضہ میں رہے، پھر بنوعباس اس کے متولی بن گئے۔

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے زیادہ مالدار شخص تھے اور ان کا پسندیدہ مال بیرُ حاء تھا یہ مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا، رسول اللہ ﷺ اس باغ میں تشریف لاتے اور یہاں کا میٹھا پانی نوش فرمایا کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ تم ہرگز نہ پاسکو گے نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز سے جسے تم پسند کرتے ہو۔ (آل عمران:۹۲)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ تم ہرگز نہ پاسکو گے نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز سے جسے تم پسند کرتے ہو۔ (آل عمران:۹۲)

اور میرا سب سے محبوب مال بیرحاء ہے، یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے اور میں اللہ کے نزدیک اس کی نیکی اور آخرت میں اس کے اجر کی توقع رکھتا ہوں، یارسول اللہ! آپ جہاں مناسب سمجھیں، اللہ کی توفیق سے اس کو رکھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واہ وا! یہ نفع بخش مال ہے، تم نے جو کہا ہے میں نے سن لیا ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ایسا ہی کروں گا، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ مال اپنے رشتہ داروں اور چچازادوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک روایت میں ہے حضرت ابوطلحہ نے یہ باغ حضرت اُبی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہما کو دے دیا وہ حضرت ابوطلحہ کے مجھ (انس رضی اللہ عنہ) سے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے[۷۷۸]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور روایت میں اس جملہ کے بعد "کہ میرا محبوب ترین مال بیرحاء ہے" مذکور ہے کہ یہ کھجوروں کا باغ تھا، رسول اللہ ﷺ اس باغ میں تشریف لاتے، سایہ میں آرام فرماتے اور اس کا پانی نوش فرماتے تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے میں اس کی نیکی اور آخرت میں اس کے اجر کی توقع رکھتا ہوں، یارسول اللہ! آپ اللہ کی توفیق سے اسے جہاں چاہیں رکھ دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واہ وا! ابوطلحہ، یہ نفع بخش مال ہے ہم نے اسے تمہاری طرف سے قبول کر لیا ہے، اور یہ تم کو لوٹا دیا ہے، اسے اپنے

۷۷۸ے صحیح حدیث۔ مالک "الموطا" ج۲ ص۵۹۵۔۵۹۶، بخاری: ۱۴۶۱۔۲۳۱۸۔۲۷۵۲۔۲۷۵۸۔۲۷۶۹۔۴۵۵۴۔۴۵۵۵۔۵۶۱۱، مسلم: ۹۹۸، احمد ج۳ ص۱۴۱۔۲۵۶، دارمی ج۲ ص۳۹۰، ترمذی: ۲۹۹۷، ابن خزیمہ "صحیح": ۲۴۵۵، ابن حبان: ۳۳۴۰، بیہقی ج۶ ص۱۶۴۔۱۶۵۔۲۷۵، بغوی "شرح السنۃ": ۱۶۸۳، از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

رشتہ داروں میں تقسیم کر دو پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ذوی الارحام رشتہ داروں میں صدقہ کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہما بھی ان میں سے تھے' حضرت حسان نے اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فروخت کر دیا' ان سے کہا گیا: آپ حضرت ابوطلحہ کا صدقہ بیچ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کیا میں ایک صاع کھجوریں ایک صاع دراہم کے عوض نہ بیچوں۔ یہ باغ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعمیر کردہ قصر بنوجدیلہ کی جگہ تھا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فروخت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اس باغ کا مالک بنادیا تھا' یہ ان پر وقف نہ تھا' یہ بھی ممکن ہے کہ وقف ہو اور بوقت ضرورت ان کو اپنا حصہ فروخت کرنے کی اجازت ہو۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس کے جواز کا قول کیا ہے۔

بیرحاء کی تعیین اور اعراب میں محدثین کا اختلاف ہے' بعض حضرات نے اس کی فضیلت کے پیش نظر اس پر مستقل کتاب لکھی ہے' علامہ سمہودی نے ''تاریخ المدینة'' میں اس پر الگ عنوان قائم کیا ہے۔

ابن رشد نے ''المقدمات'' میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ' حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمن بن عوف' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت زید بن ثابت' حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے (اپنی املاک کو) وقف فرمایا ہے۔

امام مالک سے کہا گیا کہ شریح وقف کو نہیں مانتے' انہوں نے فرمایا: شریح نے اپنے علاقوں کے مطابق بات کی ہے اس نے مدینہ طیبہ کو نہیں دیکھا' وہ یہاں رسول اللہ ﷺ کی ازواج' اصحاب اور عظیم القدر تابعین کے آثار دیکھتے' یہ سات باغات نبی ﷺ کے اوقاف ہیں' آدمی کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ مکمل معلومات کے بغیر کسی موضوع پر بات نہ کرے۔

ہارون الرشید کے دربار میں امام ابویوسف سے مناظرہ کے دوران امام مالک نے اسی دلیل کا سہارا لیا اور کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے اوقاف اور صدقات ہیں جو ہر دور میں سلف سے خلف میں (نسل در نسل) منتقل ہوتے آ رہے ہیں۔

امام ابوداؤد نے ''سنن'' میں ''باب فی الرجل یوقف الوقف'' کے تحت از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی' وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: مجھے زمین ملی ہے مجھے کبھی اس سے نفیس ترین مال نہیں ملا' آپ مجھے اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کی اصل روکے رکھو اور اس کی پیداوار کا صدقہ کر دو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اس شرط پر وقف کر دیا کہ اس کو فروخت کیا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی' اس کی آمدنی فقراء' رشتہ داروں' غلاموں کی آزادی' راہ خدا میں اور مسافروں کے لیے ہوگی۔ بشر کی روایت میں مہمان کا لفظ بھی آیا ہے۔ پھر اس پر سب کا اتفاق رہا کہ وقف کے متولی کے لیے اس میں سے معروف طریقہ سے کھانے میں کوئی

حرج نہیں ہے اور وہ اپنے دوست احباب کو بھی اس میں سے کھلا سکتا ہے' لیکن جمع نہ کرے۔ بشر کی روایت میں یہ جملہ زائد ہے کہ امام محمد نے کہا: جبکہ متولی اپنا مال بڑھانے والا نہ ہو۔[۷۷۹]

پھر امام ابوداود نے از طریق لیث' از یحییٰ بن سعید' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ میرے لیے عبدالحمید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا: بسم اللہ الرحمن الرحیم' یہ تحریر اللہ کے بندے عمر نے ثمغ کے متعلق قلم بند کی ہے' پھر نافع کی حدیث جیسا واقعہ لکھا' جس میں ہے: جبکہ متولی اپنا مال بڑھانے کے لیے جمع کرنے والا نہ ہو' اس کے بعد اس کا جو پھل بچے وہ سوالی اور محروم کے لیے ہے۔ آگے یہ قول ہے کہ ثمغ کا متولی اگر چاہے تو اس کے پھلوں سے کام کاج کرنے والا غلام خریدے۔ اسے معیقیب نے لکھا اور عبد اللہ بن الارقم اس کے گواہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ اللہ کے بندے عمر بن الخطاب امیر المومنین کی وصیت ہے اگر ان کو کوئی حادثہ پیش آ جائے ثمغ اور صرمہ بن الاکوع کا مال' اس میں موجود غلام' خیبر کے سو حصے' اس میں موجود غلام اور حضور ﷺ کی طرف سے عطا فرمودہ وادی کے سو حصے تا حیات حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے ہیں' پھر ان کے گھرانے کے عقل مندوں کے ہیں' اسے بیچا جائے نہ خریدا جائے' اسے حسب ضرورت سائل' محروم اور رشتہ داروں پر خرچ کیا جائے' اس کے متولی کے لیے اس میں حرج نہیں ہے کہ وہ کھائے یا کھلائے یا اس سے غلام خریدے۔[۷۸۰]

امام ابوداود نے وقف کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وثیقہ (دستاویز) ذکر کیا ہے' یہ دو وثیقے ہیں' عمر بن شبہ نے بھی ان کو ذکر کیا ہے' عبدالحمید نے یحییٰ بن سعد کے لیے دونوں وثیقے تحریر کیے۔ عمر بن شبہ نے ابوعثمان المدنی کا یہ قول بیان کیا ہے: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے متعلق تحریر ہے جسے میں نے آل عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی کتاب سے نقل کیا ہے' میں نے اسے حرف بحرف لکھا ہے۔ دوسری دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے دور خلافت میں تحریر کی گئی' وقف کے اس وثیقے کی کتابت معیقیب رضی اللہ عنہ نے کی وہ آپ کے دور خلافت میں آپ کے کاتب تھے' اس وثیقہ میں امیر المومنین کا جملہ بھی موجود ہے' ممکن ہے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پہلے انہوں نے زبانی وقف کیا ہو اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس کو تحریر میں لانا مناسب سمجھا ہو۔ ثَمغ یا بروایت نووی ثَمَغ' ابوعبید البکری کے بقول مدینہ طیبہ کی جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمین تھی۔

۷۷۹ے صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۷۳۷۔۲۷۷۲۔۲۷۷۳' مسلم: ۱۶۳۲' ابوداود: ۲۸۷۸' ترمذی: ۱۳۷۵' نسائی ج۶ص۲۳۰۔۲۳۱' ابن ماجہ: ۲۳۹۶' احمد ج۲ص۱۲۔۱۳۔۵۵' ابوعبید ''غریب الحدیث'' ج۱ص۱۹۳' طحاوی ج۴ص۹۵' دارقطنی ج۴ص۱۸۷تا۱۹۰' ابن حبان: ۴۹۰۱' بیہقی ''السنن'' ج۶ص۱۵۸۔۱۵۹' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۱۹۵' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' (ج۵ص۴۰۲) میں کہا: امام ترمذی نے کہا ہے: صحابہ کرام اور متقدمین اہل علم میں سے زمین وقف کرنے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ''عمدۃ القاری'' ج۱۴ص۲۴۔۲۵ ملاحظہ کیجئے)

۷۸۰ے صحیح حدیث۔ ابوداود: ۲۸۷۹' بہ اسناد سابق۔

مراصد الاطلاع میں ہے ثمغ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاگیر تھی جسے آپ نے وقف کر دیا تھا۔ بعض مغربی علماء نے اسے ثمغ کہا ہے۔ ''النہایہ'' میں ہے ثمغ اور صرمہ بن الاکوع مدینہ طیبہ کی دو مشہور جائیدادیں تھیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھیں' آپ نے ان کو وقف کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور الصرمہ سے کھجوروں کا معمولی ٹکڑا اور اونٹ مراد ہیں۔

اس وقف کے وثیقہ کی عبارت احسان پرمبنی ہے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس کی وصیت کرنا ہے۔ عمر بن شبہ کے ہاں از یزید بن ہارون از ابن عون روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقف کی حضرت حفصہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے لیے وصیت کی تھی' ان کے بعد آل عمر کے اکابرین کو اس وصیت میں داخل کیا تھا۔ دار قطنی کی عبید اللہ بن عمر سے روایت میں بھی اسی طرح مروی ہے' امام احمد کے ہاں از ایوب از نافع کی روایت میں آل عمر کے صاحب رائے کے الفاظ ہیں' گویا کہ انہوں نے پہلے اسے اپنے اہل خاندان میں سے صاحب رائے لوگوں کی نگرانی سے مشروط کیا پھر بوقت وصیت اسے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے معین کر دیا (کہ وہی اس کی نگران ہوں گی)' اسے عمر بن شبہ نے ابو غسان المدنی کے الفاظ میں اس طرح روایت کیا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقہ کے وثیقہ کی بعینہٖ نقل ہے جو میں نے آل عمر کے پاس موجود آپ کے مکتوب سے لی ہے اور میں نے اسے حرف بحرف نقل کیا ہے: یہ تحریر ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین نے ثمغ کے متعلق رقم کی ہے کہ تاحیات یہ حفصہ کے لیے ہے وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق اس کا پھل خرچ کریں اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر کے گھر والوں میں صاحب رائے لوگ اس کی نگرانی کریں گے۔

مؤلف کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس وصیت اور اس وقف میں اپنے اہل وعیال میں سے اقرب فالاقرب کی نگرانی کی وصیت نے مجھے عالم دنیا امام ابوعبداللہ محمد بن مرزوق التلمسانی شارح بردہ کی یاد دلا دی ہے۔ میں نے حافظ ابوالعباس احمد الونشریسی کے خط میں ان کی اس وصیت کے بعض نقل کردہ حصوں کا مطالعہ کیا ہے' اس میں ابن مرزوق نے اپنی کتب کو اپنی اولاد پر وقف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: ہر وہ چیز جو میرے اس کمرے میں موجود ہے جسے میں نے تین دن سے زیادہ نہیں چھوڑا اور جن چیزوں پر میری رہائش گاہ اب مشتمل ہے یعنی کتب' رسائل' تمام تالیفات' کتب کے اجزاء' لوگوں کو عاریۃً دی گئی کتب وغیرہ یہ سب کی سب اشیاء جو میرے کنٹرول میں ہیں میری اولاد کے ان افراد کے لیے وقف ہیں جو علم کے حصول اور علمی مشاغل میں مصروف عمل ہوں' خواہ ان کی علمی مشغولیت کسی بھی نوع کی ہو وہ ان تمام کتب کے مطالعہ سے نفع اندوز ہوں گے جو ان کی ضروریات کی تکمیل کرتی ہوں۔ البتہ ایسے صاحب علم لوگوں کے اژدہام کے وقت میری مذکر اولاد اور ان کی اولاد مقدم ہوگی' انہیں پہلے مطالعہ کا حق حاصل ہوگا' میری ذکور اولاد میں الاولیٰ فالاولیٰ' الاعلیٰ فالاعلیٰ کا اصول رہے گا اور میری کتب کی نگرانی کے فرائض الاقرب فالاقرب اور اعلم اور ادین فرد کی ذمہ داری ہوگی (یعنی جس کا رشتہ قریب ترین ہو اور جو سب سے زیادہ صاحب علم اور دین دار ہوگا وہی نگران اور متولی ہوگا) اگر کسی میں دونوں صفات یکجا نہ ہوں تو پھر

زیادہ دین دار بعد ازاں زیادہ امانت دار زیادہ صاحب علم پھر زیادہ قریبی رشتہ دار جو صاحب امانت ہو ان کا متولی اور نگران ہوگا' اگر ایسا فرد میسر نہ ہو تو پھر کوئی امانت دار فرد اس کا متولی اور نگران ہوگا۔

وقف کرنے والے صحابہ کرام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں' مسند احمد وغیرہ میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا صدقہ چالیس ہزار کو پہنچتا ہے اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار اشرفی کو پہنچتا ہے۔[۸۱]

علامہ نووی کی "تهذيب الاسماء" میں ہے علماء نے کہا ہے: اس سے ان کے مال کی زکوٰۃ مراد نہیں ہے بلکہ ان کے اوقاف مراد ہیں جن کو بطور صدقہ جاریہ آپ نے وقف فرمادیا تھا اور ان اوقاف کی پیداوار کی آمدنی چالیس ہزار دینار تک پہنچ جاتی تھی۔

"الام" میں امام شافعی بیان کرتے ہیں: مدینہ طیبہ کے والی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے صدقہ کا وثیقہ مجھے دکھایا اور بتایا کہ اس نے اسے آل ابی رافع سے لیا ہے' یہ ان کے پاس تھا' والی نے ان کو حکم دیا تو انہوں نے مجھے پڑھ کر سنایا۔

کبار صحابہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا وقف ثابت ہے۔ "طبقات ابن سعد" میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برادلیس' خیبر اور وادی القریٰ میں اوقاف چھوڑے جن کی آمدنی دو لاکھ دینار تھی' ان کی آمدنی صدقہ کی جاتی تھی۔

کبار صحابہ میں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا وقف ثابت ہے' ابن سعد نے "طبقات" میں آپ کے تذکرہ میں لکھا ہے: آپ نے مدینہ طیبہ میں ایک حویلی اپنی مطلقہ بیٹیوں کے لیے وقف کردی تھی اور آپ نے ایک تہائی جائیداد کی وصیت کی تھی۔

کبار صحابہ میں رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جائیداد وقف کی' حافظ محب الدین الطبری نے "ذخائر العقبیٰ" میں آپ کے تذکرہ میں آپ کی طرف سے مسجد نبوی کی توسیع میں اپنی حویلی وقف کرنے کا ذکر کیا ہے' حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حویلی مسجد نبوی کے پاس تھی' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع کا ارادہ کیا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنی حویلی مسلمانوں کی مسجد پر صدقہ کردی ہے۔ حافظ طبری نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ اس بارے میں "طبقات ابن سعد" میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملاحظہ کریں۔

وقف کرنے والے کبار صحابہ میں حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ "الاستبصار" میں ہے

۸۱ے ضعیف روایت۔ احمد (۱۳۶۷۔۱۳۶۸ از ترقیم شعیب الارناؤوط) از شریک از عاصم بن کلیب از محمد بن کعب القرظی۔۔۔۔۔۔ انقطاع کے باعث اس کا اسناد ضعیف ہے۔ محمد بن کعب القرظی کا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ شریک بن عبداللہ نخعی سوء حفظ کا شکار تھا۔ دولابی نے "الکنیٰ والاسماء" (ج ۲ ص ۱۶۳) میں اسے سابق اسناد سے شریک سے روایت کیا ہے' لیکن اس میں آخری جملہ نہیں ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ○ (البقرہ:۲۴۵)

کون ہے وہ شخص جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اسے بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے اور اللہ تنگی اور فراخی فرماتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے○

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ خود اور ان کے اہل خانہ اپنے باغ میں رہائش پذیر تھے' وہ اپنی اہلیہ کے پاس آئے اور اس سے کہا: اس باغ سے باہر نکل آؤ اسے میں نے اپنے رب کو بطور قرض دے دیا ہے' اور انہوں نے اپنا باغ فقراء پر صدقہ کر دیا۔[۸۲]

ساتویں مسلمان حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی وقف کرنے والے کبار صحابہ میں شامل ہیں۔ "طبقات ابن سعد" میں ہے آپ کا گھر مکہ میں کوہ صفا پر تھا' ابتدائے اسلام میں نبی ﷺ کی دعوت کا مرکز یہی مکان تھا' اسے دارالاسلام کہا جاتا تھا' آپ نے اسے اپنی اولاد پر وقف کر دیا اور یہ وثیقہ تحریر کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وثیقہ ہے جس کا ارقم نے فیصلہ کیا ہے کہ حرم محترم کے بلند حصہ صفا کا مکان بیچا جائے گا نہ اس میں میراث ہوگی (یہ وقف ہے)۔ ہشام بن عاص اور ہشام بن العاص کا فلاں غلام اس پر گواہ ہیں۔

یہ مکان آپ کی اولاد کے قبضہ میں رہا وہ اس وقف کے نگران اور متولی رہے وہ اس میں رہتے اور اس کا کرایہ لیتے تھے۔ جب ابوجعفر المنصور عباسی خلیفہ بنا اس نے یہ مکان ان سے چھین لیا اور جبر و ظلم سے کام لیتے ہوئے ان سے خرید لیا' کیونکہ انہوں نے منصور کے مقابلہ میں محمد نفس الزکیہ کا ساتھ دیا تھا۔[۸۳]

کبار صحابہ اور سادات اہل بیت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے دیگر وقف کرنے والوں میں حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے "الام" میں روایت کیا ہے کہ مجھے محمد بن علی بن شافع نے خبر دی' کہا: مجھے عبداللہ بن حسن بن حسین نے اہل بیت کے متعدد افراد سے خبر دی' میرا خیال ہے اس نے زید بن علی کا نام لیا تھا کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے اپنا مال بنو ہاشم اور بنو المطلب پر صدقہ کر دیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذکورہ خاندانوں پر اپنا مال صدقہ کیا اور اس میں دوسروں کو بھی شامل کر دیا۔[۸۴]

انتباہ

علامہ سیوطی نے "التوشیح" میں لکھا ہے کہ امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

۸۲ے صحیح حدیث۔ احمد ج ۳ ص ۱۴۶' طبرانی ج ۲۲ ص ۶۳ ۷' ابن حبان: ۱۵۹ ۷' حاکم ج ۲ ص ۲۰' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۹ ص ۳۲۳۔۳۲۴) میں کہا ہے: اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (واقعہ کی تفصیل مذکور الصدر کتب میں ملاحظہ کریں)

۸۳ے نہایت ضعیف روایت۔ حاکم ج ۳ ص ۵۰۲۔۵۰۳' از ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ' اس کے اسناد میں واقدی ہے جو محدثین کے نزدیک متہم بالکذب ہے۔

۸۴ے ضعیف منقطع الاسناد۔ اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں۔

اسلام میں سب سے پہلا وقف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔[۸۵] عمر بن شبہ نے عمر بن سعید بن معاذ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے اسلام میں پہلے وقف کے متعلق سوال کیا تو مہاجرین نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقف' اور انصار نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا وقف۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ وقف اسلام کے خصائص میں سے ہے' دورِ جاہلیت میں اوقاف نہ تھے۔ مؤلف کہتے ہیں: اس کی اصل امام شافعی کا یہ قول ہے: وقف اسلام کے ساتھ مختص امور میں سے ہے' مجھے یہ خبر نہیں ملی کہ جاہلیت میں کسی نے گھر یا زمین وقف کی ہو' کعبہ کی تعمیر اور زمزم کی کھدائی سے اس پر اعتراض نہ ہوگا' کیونکہ ان کا یہ عمل اظہار فخر کے لیے تھا نیکی کے حصول کے لیے نہ تھا۔ اسے نووی نے "ضوء الشموع" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ضوء الشموع کے مؤلف نے اپنے شیخ البلیدی سے زرقانی پر ان کے حواشی سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ حضرت خلیل علیہ السلام کا وقف ابھی تک باقی ہے' مصر اور اس کی جاگیریں رومی کنیسہ کے لیے وقف تھیں' شیخ امیر (مؤلف ضوء الشموع) نے اس کے بعد کہا ہے کہ امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں اوقاف کا ثبوت نہیں ہے' انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام اور گزشتہ اہل کتاب سے اوقاف کی نفی کا دعویٰ نہیں کیا۔

فائدہ

"مختصر خلیل" (ج ۴ص ۶۹) پر شہاب الدردیر کی شرح کے حواشی میں علامہ شمس محمد بن عرفہ الدسوقی المالکی المصری' شیخ المشائخ علامہ شمس محمد البلیدی المصری کے مختصر پر حاشیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ قیساریہ فاس میں ہزار اوقیہ سونا قرض کے لیے وقف تھا' لوگ اس میں برابر تانبے کی ملاوٹ کرتے رہے اور یہ ناکارہ ہوگیا۔

فاس کے فقہاء میں سے شیخ ابوعبداللہ التاودی بن سودہ' شرح التحفہ میں "اصول میں وقف جائز ہے" کے تحت لکھتے ہیں: قیساریہ فاس میں قرض کے لیے دراہم وقف تھے' لوگ بطور قرض دراہم لے جاتے اور ان میں تانبا ملا کر واپس کر دیتے یہاں تک کہ یہ دراہم ضائع ہوگئے۔

یہ روایات زمانہ قدیم میں ترقی کی دلیل ہیں' اس سے کاشت کار اور تاجر فائدہ اٹھاتے تھے' فقیر کی مدد کی جاتی اور صنعت کار کو تعاون فراہم کیا جاتا تھا' اس معاملہ میں ہم یورپ سے صدیوں تک آگے رہے' اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ اپنی کس مخلوق سے کیا کام لے گا۔

عمال سے جمع کردہ مال وصول کر کے بیت المال میں لانے والے

صحیح البخاری میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے خمس وصول کریں۔[۸۶] ابن اسحاق نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی

[۸۵] صحیح حدیث۔ احمد ج ۲ص ۱۱۴۔۱۵۶۔۱۵۷' بخاری: ۲۷۶۴۔۲۷۷۲' دارقطنی ج ۴ص ۱۸۷' ابن حبان: ۴۸۹۹' بیہقی "السنن" ج ۶ ص ۱۵۹' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ مسلم: ۱۶۳۳' ابن ماجہ: ۲۳۹۷' از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

[۸۶] صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۳۵۰' از بریدہ رضی اللہ عنہ۔

رضی اللہ عنہ کو اہل نجران کے صدقات جمع کرنے کے لیے بھیجا اور ان سے جزیہ لانے کا حکم دیا۔ ''الکامل'' کی تصریح کے مطابق یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔[۸۷] حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ ذمہ داری نبھا کر واپس آئے اور حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

''الاصابہ'' (ج ۱ص ۲۸۸) میں حضرت حاجب بن زرارہ الدارمی التیمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' نبی ﷺ نے ان کو بنو تمیم کے صدقات کے لیے بھیجا تھا۔[۸۸]

انتباہ

صحیح مسلم میں حجۃ الوداع کے قصہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صدقات کی وصولی کے بعد آنا مذکور ہے۔[۸۹] مسلم کے علاوہ بعض محدثین نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدقات کا عامل بنا کر نہیں بھیجا تھا بلکہ ان کو وہاں کا امیر بنا کر بھیجا تھا کیونکہ بنو ہاشم کو صدقات پر عامل بنانا جائز نہیں ہے۔ نسائی میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں علی کے ساتھ تھا جب نبی ﷺ نے ان کو صدقات پر امیر مقرر فرمایا تھا۔[۹۰] اس میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو امیر مقرر کیا گیا تھا' عامل نہیں بنایا گیا تھا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدقات کے احتساب کا والی مقرر فرمایا ہو یا حضور ﷺ نے ان کو صدقات کے مال سے وظیفہ نہ دیا ہو۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ حدیث میں ''سعایہ'' کا لفظ ہے' یہ لفظ مطلق ولایت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے سو اس سے خصوصاً صدقات کی ولایت مراد لینا بلا دلیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا بہ نفس نفیس جنگل میں صدقہ کے اونٹوں کو ملاحظہ فرمانا

مسند احمد (ج ۶ص ۱۱۲) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگل کی طرف صدقہ کے اونٹوں میں تشریف لے گئے' آپ نے میرے سوا اپنی ازواج کو ایک ایک اونٹ عطا فرمایا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے میرے علاوہ سب کو ایک ایک اونٹ عطا فرمایا ہے' آپ نے مجھے مشکل اونٹ عطا فرمایا جس پر سواری چھوڑ دی گئی تھی' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اس سے نرمی کرنا کیونکہ نرمی جب کسی چیز سے ملتی ہے اسے آراستہ کر دیتی ہے اور جب کسی چیز سے جدا ہوتی ہے اسے بدزیب کر دیتی ہے۔[۹۱]

---

[۸۷] السیرۃ النبویہ ج ۲ص ۶۰۰' بلا اسناد۔

[۸۸] الاصابہ ج ۲ص ۱۸۷ (رقم: ۴۰۷۲) بحوالہ ابن حبان ''المعمرین'' تذکرہ صفوان بن اسید التیمی۔ الاصابہ ج ۱ص ۲۷۳ (رقم: ۱۳۵۸) تذکرہ حاجب بن زرارہ الدارمی رضی اللہ عنہ۔

[۸۹] صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۲۱۸' از جابر رضی اللہ عنہ۔ مفصل تخریج کے لیے دیکھئے ''صحیح السیرۃ النبویہ'' ص ۵۳۰ حدیث: ۸۱۲' شیخ ابراہیم العلی۔

[۹۰] صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۱۷۹۷' نسائی ج ۵ص ۱۴۹۔۱۵۷۔۱۵۸' از براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

[۹۱] صحیح حدیث۔ احمد ج ۶ص ۱۱۲۔۱۲۵۔۱۷۱' ابن ابی شیبہ ج ۸ص ۵۱۰' مسلم: ۲۵۹۴ (۷۸)۔ (۷۹)' بخاری ''الادب المفرد'': ۴۶۹۔ ۴۷۵' ابوداؤد: ۲۴۷۸۔۴۸۰۸' بزار: ۱۹۶۲' ابن حبان: ۵۵۰' بغوی ''شرح السنۃ'': ۳۴۹۳' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

فطرۂ رمضان پر نگہبان کا تقرر

''سمط الجوهر الفاخر''میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا تھا۔

غنائم کو قبضہ میں لینے پر رسول اللہ ﷺ کے عامل

''سمط الجوهر الفاخر''میں ہے نبی ﷺ غنائم کو اپنے قبضہ میں لینے پر حضرت خزاعہ [92] بن عبدنہم المزنی رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے خُمس کے نگران

''سمط الجوهر الفاخر''میں ہے حضرت عبداللہ بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ جن کا تعلق بنو النجار کی شاخ بنو مازن سے تھا' خمس کے نگران تھے۔''الاستبصار''میں آپ کے تذکرہ میں ہے کہ آپ غزوۂ بدر میں شریک تھے اور اس غزوہ میں غنائم کے نگران تھے' آپ تمام غزوات میں شریک رہے اور نبی ﷺ کے خمس پر نگران ہوتے تھے۔

✿✿✿✿✿

---

[92] الاصابہ ج ا ص ۴۲۴ (رقم: ۲۲۴۸) میں خزاعی مرقوم ہے۔

القسم السابع

ماپ تول کرنے والے عامل اور ان سے متعلقہ امور

ماپ تول کرنے والے عامل

"صحیح مسلم" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے دو اوقیہ اور ایک یا دو درہم چاندی پر مجھ سے اونٹ خریدا' جب آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے' آپ نے مجھے اونٹ کی قیمت تول کر دی اور جھکتا ہوا تولا۔[۹۳]

"سنن النسائی" میں ہے آپ نے ترازو منگوائی' میرے لیے وزن فرمایا اور زیادہ عطا فرمایا۔ ابوداؤد میں ہے آپ نے وزن کرنے والے سے فرمایا: وزن کر اور جھکتا ہوا تول۔[۹۴] "الاستیعاب" میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے مالِ غنیمت سے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے ساتھ اس غزوہ میں شریک تھے' سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی' چاندی کا وزن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔[۹۵]

اشیائے خوردنی کے خازن

"صحیح البخاری" میں ہے نبی ﷺ بنو نضیر کے کھجوروں کے باغات (کا پھل) بیچتے اور اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کی خوراک رکھ لیتے۔ جامع الترمذی میں ہے آپ اپنے اہل کے لیے سال بھر کا نفقہ الگ کر لیتے تھے۔[۹۶]

مشہور روایت ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے یاد ہے نبی ﷺ نے مجھے اپنے کندھے پر بٹھایا اور صدقات کے کمرے میں داخل ہوئے' میں نے وہاں کی ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی' آپ نے ارشاد فرمایا: اسے پھینک دو' تجھے معلوم نہیں کہ محمد اور آل محمد ﷺ پر صدقہ حلال نہیں ہے' میں نے اسے اپنے منہ سے نکال دیا۔[۹۷]

یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب الزکوٰۃ میں "باب تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ" میں موجود ہے۔

---

[۹۳] صحیح حدیث۔ مسلم: ۷۱۵(۱۱۱)' احمد ج ۳ ص ۳۱۴' نسائی ج ۷ ص ۲۹۸' ابن حبان: ۴۹۱۱' از جابر رضی اللہ عنہ۔ بخاری: تعلیقاً ۲۷۱۸۔

[۹۴] حسن حدیث۔ احمد ج ۴ ص ۳۵۲' طیالسی: ۱۱۹۲۔۱۱۹۳' ابوداؤد: ۳۳۳۶۔۳۳۳۷' دارمی ج ۲ ص ۲۶۰' ترمذی: ۱۳۰۵' نسائی ج ۷ ص ۲۸۴' ابن ماجہ: ۲۲۲۰۔۲۲۲۱' ابن الجارود: ۵۵۹' ابن حبان: ۵۱۴۷' حاکم ج ۲ ص ۳۰' طبرانی: ۶۴۶۶۔۶۴۰۲' بیہقی ج ۶ ص ۳۲۔ ۳۳' از سوید بن قیس رضی اللہ عنہ۔

[۹۵] "الاستیعاب" علی ہامش "الاصابہ" ج ۲ ص ۱۹۰۔

[۹۶] صحیح حدیث۔ بخاری: ۵۳۵۷' از عمر رضی اللہ عنہ' تخریج گزر چکی ہے۔

[۹۷] صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۴۹۱۔۳۰۷۲' مسلم: ۱۰۶۹' عبدالرزاق: ۶۹۳۰' احمد ج ۲ ص ۴۴۴۔۴۷۶' طیالسی: ۲۴۸۲' دارمی ج ۱ ص ۳۸۶۔ ۳۸۷' علی بن الجعد "مسند": ۱۱۵۸' ابن حبان: ۳۲۹۴' بیہقی ج ۷ ص ۲۹' بغوی: ۱۶۰۵' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ماپنے والے

صحیح البخاری میں حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: اپنی خوردنی اشیاء (طعام) کو ماپ لیا کرو اس میں تمہارے لیے برکت دی جائے گی۔[۷۹۸]

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین نصف پھل اور غلہ پر بٹائی پر دی تھی، آپ اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کو ہر سال سو وسق نفقہ عطا فرماتے۔ اسی (۸۰) وسق کھجوریں اور بیس وسق جو۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص طعام (غلہ وغیرہ) خرید لے اسے ماپے بغیر نہ بیچے۔[۷۹۹]

امام بخاری نے کتاب البیوع کے "باب ما یستحب من الکیل" میں مذکورہ بالا حدیث ذکر کی ہے۔

"الفجر الساطع" میں کہا ہے: اس سے مراد ماپا ہوا طعام ہے، وزن کردہ اور شمار کردہ اشیاء خوردنی بھی اسی پر قیاس کی جائیں گی۔ اور ارشادِ گرامی: تمہارے لیے برکت دی جائے گی۔"[۸۰۰] پر کہا ہے کہ اس طعام میں برکت ہوگی، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ حدیث خریدے گئے طعام پر محمول ہے اور اس کے ماپنے میں برکت کا حصول شارع علیہ السلام کے حکم پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ہے۔

اس میں برکت کا حصول اندازے اور تخمینے سے سلامتی کی وجہ سے ہے، یا بسم اللہ پڑھنے سے یا شارع علیہ السلام کی فرمانبرداری اس برکت کا سبب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کہ انہوں نے طعام کو ماپ لیا تو وہ ختم ہو گیا۔[۸۰۱] بقول ابن منیر اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ آپ نے اپنے نفقہ کے لیے باقی ماندہ طعام کو ماپا تھا اور اس کی جانچ پڑتال کی تھی اور خرچ شدہ کو بہت سمجھا تھا تو برکت اٹھ گئی۔[۸۰۲]

---

۷۹۸ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۲۸، احمد ج ۴ ص ۱۳۱۔ ج ۵ ص ۴۱۴، ابن ماجہ: ۲۲۳۲، طبرانی "الکبیر" ج ۲۰ ص ۶۴۳۔ ۳۸۵۹، قضاعی "مسند الشہاب": ۶۹۸، ابونعیم "الحلیۃ" ج ۵ ص ۲۱۷، ابن حبان: ۴۹۱۸، بیہقی ج ۶ ص ۳۲، بغوی: ۳۰۰۰، از مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ۔

۷۹۹ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۳۲۔ ۲۱۳۵، مسلم: ۱۵۲۵، شافعی ج ۲ ص ۱۴۲، طیالسی: ۲۶۰۲، احمد ج ۲ ص ۲۷۰۔ ۳۵۶۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹، عبدالرزاق: ۱۴۲۱۱، ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۶۸۔ ۳۶۹، ابوداود: ۳۴۹۷، نسائی ج ۷ ص ۲۸۵، ترمذی: ۱۲۹۱، ابن ماجہ: ۲۲۲۷، ابن حبان: ۴۹۸۰، از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

۸۰۰ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۲۸، از مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ، تخریج گزر چکی ہے۔

۸۰۱ بخاری: ۶۴۵۱، از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۸۰۲ فتح الباری ج ۴ ص ۴۰۶۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں زیر استعمال اوزانِ شرعیہ کے نام

حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ماپ تول کے لیے دس اوزان اور پیمانے استعمال ہوتے تھے: درہم' دینار' مثقال' دانق[۸۰۳]' قیراط[۸۰۴]' اوقیہ[۸۰۵]' نش[۸۰۶]' نواۃ[۸۰۷]' رطل[۸۰۸] اور قنطار[۸۰۹]۔

درہم اور اس کا استعمال

مشہور مفسر وفقیہ ابو محمد عبد الرحمٰن ابن عطیہ[۸۱۰] ۶۱۶ھ میں دریافت کردہ سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ابوعبید القاسم بن سلام اپنے بعض شیوخ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دو قسم کے درہم رائج تھے: السوداء الوافیہ' اس درہم کا وزن آٹھ دوانق تھا اور الطبریہ اس کا وزن چار دانق تھا۔ اور لوگ چھوٹے اور بڑے دونوں دراہم کے اوسط کے اعتبار سے زکوٰۃ دیتے تھے۔

ابو العباس العزفی نے کہا ہے: ابو جعفر الداودی کہتے ہیں بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مقررہ (نشان زدہ) درہم نہ تھا' فاسد قول ہے' کیا اس محترم دور کے لوگ اصولِ دین کی ایک اصل سے ناواقف تھے اور ان کو اس کے بارے میں حکم معلوم نہ تھا' حالانکہ رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ' صدقات اور جزیہ وصول کرنے والوں کو روانہ فرماتے تھے' تو کیا عاملین صدقات وجزیہ مقررہ درہم کے بغیر وصول کرتے تھے' سو قائل کا یہ قول ان کے گمان پر مبنی ہے اور اس پر کوئی نص نہیں ہے۔

علامہ ابو عمر عبد البر اور قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اوقیہ کا دراہم سے وزن نامعلوم ہو اور پھر اس پر زکوٰۃ واجب ہو جب سونے اور چاندی کے وزن کا تعین نہیں ہوگا' زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی اور بیوع اور نکاح وغیرہ کا انعقاد کیسے ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قائل کا یہ قول وہم پر مبنی ہے کہ عبد الملک کے دورِ حکومت تک مقررہ درہم نہ تھا' حتیٰ کہ اس نے فقہاء کی رائے سے درہم کا تعین وتقرر کیا۔

---

۸۰۳ دانق' درہم کا چھٹا حصہ (القاموس ص ۱۴۱۱۔۱۱۴۲)

۸۰۴ قاموس (ص: ۸۸) میں ہے' مختلف شہروں میں اس کا وزن مختلف تھا' مکہ مکرمہ میں قیراط دینار کا ۲۴/۱ ہوتا تھا۔

۸۰۵ اوقیہ سات مثقال یا چالیس درہم کا ہم وزن۔ (قاموس ص ۱۷۳۱۔۱۷۳۲)

۸۰۶ نش نصف اوقیہ' بیس درہم۔ (القاموس ص ۷۸۳)

۸۰۷ نواۃ' عدد میں دس یا بیس' یا ایک اوقیہ سونا یا چار دینار یا پانچ درہم یا ساڑھے تین درہم کے ہم وزن۔ (قاموس: ۱۷۲۸)

۸۰۸ رطل' بارہ اوقیہ' ایک اوقیہ چالیس درہم۔ (قاموس ص ۱۳۰۰۔۱۳۰۱)

۸۰۹ قنطار' چالیس اوقیہ سونا یا بارہ سو دینار یا بارہ سو اوقیہ یا ستر ہزار اوقیہ یا اسّی ہزار درہم یا سونے یا چاندی کے سو رطل یا ہزار دینار کے ہم وزن۔ (قاموس: ۶۰۰)

۸۱۰ ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمٰن بن عطیہ المحاربی الغرناطی۔ احکام اور حدیث کے عالم' مشہور تصنیف "المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" وغیرہ۔ (الاعلام ج ۳ ص ۲۸۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ عبدالملک کے دورِ حکومت تک مسلمانوں نے اپنا سکہ نہیں ڈھالا تھا بلکہ مختلف قسم کے دراہم مروج تھے' ان میں فارسی' رومی' چھوٹے' بڑے' چاندی کے معین ٹکڑے جن پر نقش نہ تھے' یمنی اور مغربی ہر قسم کے دراہم مروج تھے' عبدالملک کے دور میں مسلمانوں نے رومی دراہم کے بجائے اپنے سکے جاری کر دیئے' جن کو اسلامی سکوں کا نام دیا گیا۔

علامہ نووی نے ''شرح المهذب'' میں کہا ہے کہ قابل اعتماد واعتقاد یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں رائج دراہم کا وزن اور مقدار معلوم اور معروف تھے' کیونکہ زکوٰۃ' صدقات وغیرہ حقوق اور مقادیر شرعیہ کا اس سے تعلق تھا' البتہ اس دور میں ایسے دیگر دراہم کا رائج ہونا جو وزن اور مقدار میں مقررہ درہم سے کم ہوں' بعید از قیاس اور ممنوع نہیں ہے۔ نبی ﷺ کے مقرر فرمودہ درہم ہی تمام شرعی مقادیر میں مستعمل تھا۔ یہ درہم چھ دوانق کا تھا اور دس درہم کے سات مثقال ہوتے تھے۔ صدر اول سے آج تک تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے' یہ جائز نہیں ہے کہ اہل علم کا رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور کے کسی معمول کے خلاف اجماع ہو۔

درہم اور دینار کی مقدار کے متعلق حافظ ابومحمد عبدالحق بن عطیہ ''کتاب الاحکام'' میں کہتے ہیں: ابن حزم نے کہا ہے: میں نے اس معاملہ میں پوری چھان بین کی ہے اور تمام قابل اعتماد مآخذ سے رجوع کیا ہے' سب کا اتفاق ہے کہ مکی سونے کا دینار مذکور الصدر دراہم سے دوسوا اٹھائیس دراہم کے برابر تھا۔

علامہ نووی ''شرح المهذب'' میں ابن حزم کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ابن حزم کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے: بغدادی رطل کا وزن ایک سوا اٹھائیس درہم سے قدرے زائد ہے اور وہ نوے مثقال کا ہے۔

(بحوالہ سبل الہدیٰ والرشاد)

ابوسعود القاسی صحیح بخاری کی کتاب النکاح میں ارشاد نبوی: ''سونے کی نواۃ (گٹھلی) کے ہم وزن''[۸۱۱] پر لکھتے ہیں: کہا گیا ہے' نواۃ سے مراد کھجور کی گٹھلی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کے ہاں وزن کی ایک مقدار کا نام تھا جس طرح دیگر اقوام کے پاس اوزان ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں سکے نہیں ڈھالے گئے' اسلام میں سب سے پہلے عبدالملک نے سکے ڈھلوائے' اس سے پہلے فارس اور روم کے سکے رائج تھے اور درہم چلتے تھے' عبدالملک نے فارس اور روم کے سکوں کا نصف نصف لے کر اس کے ہم وزن درہم تیار کیا۔

حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ ''قطع المجادلة فی تغير المعاملة'' میں کہا ہے خطابی نے کہا: نبی ﷺ کی تشریف آوری کے وقت اہل مدینہ دراہم میں معاملات کرتے تھے' اس کی دلیل بریرہ کی خریداری کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے: ''اگر تیرے مالک چاہیں تو میں ان کو یک مشت گن دوں (اور تمہیں آزاد کر دوں)''[۸۱۲]

---

۸۱۱ بخاری: ۲:۷۰۵' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۸۱۲ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۵۵۔ ۲۵۶۰۔ ۲۵۶۱۔ ۲۷۱۷' مسلم: ۱۵۰۴(۶)۔(۷)' احمد ج ۶ ص ۸۱۔ ۸۲۔ ۲۸۲' ابوداؤد: ۳۹۲۹' بیہقی ج ۱۰ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۳۸' از زہری از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

نبی ﷺ نے ان کی وزن کی طرف رہنمائی فرمائی اور اہل مکہ کے وزن کو سرکاری کسوٹی بنادیا' اہل مکہ کے درمیان رائج درہم کا وزن چھ دوانق تھا وہ اسی سے لین دین کرتے تھے اور تمام علاقوں میں یہی اسلامی درہم تھا' البتہ دینار اہل روم کے علاقوں سے لائے جاتے تھے۔ ابن عبدالبر نے "التمهيد" میں کہا ہے: دورِ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں دینار شام کے ہوتے تھے۔ حجازی عربوں میں رومی دینار رائج تھے' ان کو بلادِ روم کی ٹکسال میں ڈھالا جاتا تھا' ان پر بادشاہ کی صورت اور رومی زبان میں اس بادشاہ کا نام ہوتا تھا جس کے دورِ حکمرانی میں یہ دینار ڈھالے گئے تھے' درہم سرزمین عراق کے ہوتے تھے' تمام مشرقی علاقے کسریٰ کے کنٹرول میں تھے' ان پر کسریٰ کی تصویر اور فارسی میں اس کا نام ہوتا تھا۔

عزفی لکھتے ہیں خطابی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں دینار بلادِ روم سے لائے جاتے تھے اس لیے عرب ان کو ہرقلیہ کہتے تھے۔

ہر چند کہ دراہم و دینار پر بادشاہوں کی تصویریں ہوتیں' ابتدائے اسلام میں مسلمان ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے' درہم و دینار ان کی جیب یا کپڑوں میں ہوتے اور وہ ان کپڑوں میں نماز پڑھنے سے احتراز نہیں کرتے تھے۔

مؤلف کہتے ہیں: میں نے ۱۳۴۱ھ میں تطوان کی طرف اپنے سفر کے دوران ان میں سے ایک درہم دیکھا ہے اس پر ہرقل کی صورت نقش تھی' بعد ازاں میں نے ایک اور درہم خریدا جس پر قیصر کا نام اور اس کی صورت نقش تھی۔ شاید یہ ابتدائے اسلام کے دور کا کوئی قیصر ہو۔ "فتاوی الشهاب الفقیه احمد بن حجر الهیتمی" میں ہے فقہاء کی ایک جماعت نے فرنگیوں کے ملک سے لائے گئے دینار پاس رکھنے کا جواز ذکر کیا ہے' حالانکہ ان پر حقیقتاً یقیناً حیوان کی صورت نقش ہوتی ہے' ان کا استدلال یہ ہے کہ سلف صالحین کے دور میں یہ دینار لائے جاتے تھے اور عمامہ وغیرہ میں ان کو رکھنے سے منع نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ ان سے مقصود صورت نہیں نقدی ہوتی تھی اور ان سے صورت کا مٹانا مشکل یا ناممکن تھا۔

جب دیناروں پر صورت نقش ہونے کے باوجود ان کو پاس رکھنا جائز ہے تو پھر ایسے انگریزی کاغذ کا استعمال بھی بطریقِ اولیٰ جائز ہے' جس پر کسی حیوان کی صورت نقش ہو۔

"فتاوی الشهاب احمد الرملی الشافعی المصری" میں ہے ان سے ایسے دیناروں کے متعلق سوال کیا گیا جن پر حیوان کی مکمل تصویر ہو' کیا تصویروں والے کپڑے کی طرح انہیں پاس رکھنا حرام ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں ان کا پاس رکھنا حرام نہیں۔

ابن العراقی نے کہا: میرے نزدیک مصوّر رومی درہم کے استعمال سے نہیں روکا جائے گا کیونکہ خرچ کرنے اور لین دین میں اسے معمولی حیثیت حاصل ہوتی ہے' اس کی تکریم نہیں کی جاتی۔ سلف صالحین بغیر انکار اور ناگواری کے اس میں معاملات کرتے تھے۔ اسلامی دراہم تو معروف قول کے مطابق عبدالملک بن مروان کے دور میں رائج ہوئے۔

انتباہ

گذشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں سکے نہیں ڈھالے گئے' مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے سکے ڈھلوائے۔

ابن سعد نے ''طبقات'' میں محمد بن عمر الواقدی از عبدالرحمٰن بن ابی الزناد از والد خود روایت کیا ہے کہ ۷۵ھ میں عبدالملک بن مروان نے دراہم اور دینار ڈھلوائے۔ سب سے پہلے عبدالملک نے ٹکسال میں سکے ڈھلوائے اور ان پر نقش کیا[۸۱۳] ''اوائل العسکری'' میں ہے عبدالملک نے ان پر اپنا نام نقش کرایا۔ ابن عساکر نے مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ کھوٹ ملے سکے سب سے پہلے عبیداللہ بن زیاد نے ڈھلوائے۔ اسے سیوطی نے ''اوائل'' میں اور شامی نے ''سبل الھدی و الرشاد'' میں نقل کیا ہے۔

گذشتہ تقریر پر کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اسلامی سکے رائج نہ تھے' یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں علقمہ بن عبداللہ کی اپنے والد سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں رائج سکہ کے توڑنے سے منع فرمایا' مگر بوقت ضرورت[۸۱۴] ابن ماجہ نے اس حدیث کا یہ عنوان مقرر کیا ہے ''باب النھی عن کسر الدراھم والدنانیر'' اور سنن ابی داؤد کا عنوان ہے ''باب کسر الدراھم''۔ اسے امام احمد نے اور حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔

حافظ شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں اس حدیث کی تشریح میں کہا ہے: ایسے سکہ کو اس وقت توڑنے کی اجازت ہے جب اس میں کھوٹ شامل ہو اور توڑنے کی ممانعت میں دراہم' دنانیر سب سرکاری سکے شامل ہیں جو مسلمانوں کے لین دین میں رائج ہوں۔

محدث مدینہ منورہ الشیخ عبدالغنی بن ابوسعید دہلوی سنن ابن ماجہ پر اپنے حاشیہ ''انجاح الحاجۃ'' میں کہتے ہیں: حدیث میں دراہم وغیرہ کو توڑنے کی نہی تین شرائط پر مبنی ہے: (۱) وہ اسلامی سکہ ہو (۲) وہ سکہ رائج ہو (۳) اس میں مسلمانوں کا ضرر اور نقصان ہو۔ کفار کا سکہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے' اسی طرح غیر مروج یا کھوٹا سکہ اس میں داخل نہیں ہے۔ شیخ گنگوہی نے اس تقریر کو ''التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد'' میں نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے۔

اس بحث سے آپ جان گئے ہوں گے کہ یہ اس چیز کی صراحت ہے کہ مسلمانوں کے لیے عہد نبوی میں ڈھلے ہوئے سکے موجود تھے جن میں باہم لین دین ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دوست علامہ سید احمد بن محمد الحسینی الشافعی المصری کو جزائے خیر دے' انہوں نے ''نھایۃ الاحکام فیما للنیۃ من الاحکام'' (ص ۱۷۱) میں سنن ابی داؤد کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مسلمانوں کا سکہ معروف

---

۸۱۳ بوجہ واقدی ضعیف الاسناد۔ واقدی محدثین کے نزدیک متہم بالکذب ہے۔

۸۱۴ ضعیف الاسناد۔ ابوداؤد: ۳۴۴۹' ابن ماجہ: ۲۲۶۳' از علقمہ بن عبداللہ۔ شیخ البانی نے ''ضعیف سنن ابی داؤد'' (رقم: ۷۴۹) اور ''ضعیف سنن ابن ماجہ'' (رقم: ۴۹۵) میں اور شیخ عبدالقادر الارناؤوط نے ''جامع الاصول'' (رقم: ۹۵۰۴) میں اس کے اسناد کو ضعیف کہا ہے۔

اور مستعمل تھا' وہ اقوال جن میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں کا سکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ڈھالا گیا یا اس کے بعد کے ادوار میں ڈھالا گیا' قابل قبول ہو سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی مرجح موجود ہو' لیکن ایسا مرجح کہاں ہے؟ جرجی زیدان کی "تاریخ مصر الحدیث" کے ص ۱۳۸ پر ہے خلفاء راشدین کے دور میں ڈھالے گئے سکے تانبے کے تھے اور خاصے بڑے تھے' ان پر خط کوفی میں کلمہ شہادت نقش تھا اسلام میں چاندی کے سکے سب سے پہلے خلیفہ عبدالملک کے دور میں ڈھالے گئے' پھر ان پر نقش کیا گیا۔

شیخ محمد امین بن شیخ حسن الحلوانی المدنی اپنے رسالہ "نشر الهذيان من تاريخ جرجي زيدان" میں اس پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے کہتے ہیں: کسی صحیح روایت میں ثابت نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ خلفاء راشدین میں سے کسی نے سکے تیار کروائے ہوں۔ صبحی پاشا المورہ کی نقل کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سکے ڈھلوائے تھے۔ صبحی پاشا نے اس موضوع پر مجھے خط بھیجا' جس میں اس درہم کی صورت نقش تھی اور اس کو لسان الدین بن الخطیب کی "الاحاطة" سے منسوب کیا۔ لیکن جرجی زیدان کے مصوّر تینوں سکوں کا وجود اگر فرض کر لیں تب بھی ثابت نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان پر تاریخ نہیں ہے جو ان کی قدامت پر دلالت کرے' اور ان کے جھوٹے ہونے پر سب سے بڑی دلالت یہ ہے کہ ان میں سے ایک سکے پر انسان کی تصویر ہے' اسلامی دیانت اس کے حرام ہونے پر شاہد ہے' خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بارہ میں یہ سوچنا بھی سب سے بڑا کذب ہے کہ وہ سکے پر انسانی شکل بنوائیں گے۔ مزید براں یہ سکے انگریزی سکوں سے عمدہ اور خوبصورت ہیں۔

جرجی زیدان کے جواب کی غایت یہ ہے کہ اس نے یہ نقش افرنسی کی تالیف سے لیے ہیں اور تاریخ مصر کے ص ۲۶ پر اس پر گفتگو کی ہے۔ (دیکھئے "رد ريان على نشر الهذيان") گویا انہوں نے وہ روایت نہیں دیکھی جو شیخ حمزہ فتح اللہ المصری نے "المواهب الفتحية في علوم اللغة العربية" (ج ۱ ص ۱۵۲) میں "شرح العيني على البخاري" کے حوالہ سے المرغینانی سے نقل کی ہے کہ دراہم گٹھلی کی طرح ہوتے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کو گول بنایا گیا' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور وہ نہر کھدوائی جس کے بارے میں کہا گیا: جب اللہ کی نہر آئی معقل کی نہر باطل ہو گئی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسرویہ طرز کے دراہم ڈھلوائے۔ البتہ بعض میں آپ نے الحمد للہ' بعض میں محمد رسول اللہ اور بعض میں ایک طرف لا الہ الا اللہ وحدہ زیادہ کیا اور دوسری طرف عمر نقش کرایا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی' آپ نے دراہم پر اللہ اکبر نقش کرایا' جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران ہوئے انہوں نے ایسے دینار ڈھلوائے جن پر ان کی شبیہ تھی' جس میں وہ گلے میں تلوار حمائل کیے ہوئے تھے' جب مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت بن گئی' انہوں نے گول دراہم ڈھلوائے پھر حجاج نے ان کو تبدیل کر دیا۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد جب حکمرانی عبدالملک کے قبضہ میں آئی' اس نے ۷۶ھ میں دراہم اور دینار ڈھلوائے' نیز ان کی نگاہ مشہور مؤرخ تقی الدین المقریزی کی تالیف "رسالة النقود الاسلامية" پر نہیں گئی' انہوں نے "المواهب الفتحية" کی عبارت ذکر کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے

ایسے دینار ڈھلوائے' جن پر گلے میں تلوار حمائل کیے ان کی شبیہ نقش تھی' اور یہ ذکر کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جب حجاج کو سکے ڈھالنے کا حکم دیا' اس نے سکے ڈھالے اور مدینۃ الرسول ﷺ میں بھیجے' وہاں بعض صحابہ بقید حیات تھے انہوں نے کسی چیز کا انکار نہ کیا سوائے اس پر نقش صورت کے' حضرت سعید بن المسیب ان دیناروں سے خرید و فروخت کرتے تھے اور کسی چیز کو معیوب نہیں جانتے تھے۔ (ص ۵)

مصر کے وزیر المعارف شیخ علی بن مبارک پاشا کی تالیف ''خطط مصر'' میں اسی طرح مذکور ہے۔

(ج ۲۰ ص ۶)

شیخ عبدالغنی النابلسی نے ''الطریقة المحمدیه'' پر اپنی شرح میں المقریزی کا مذکورہ پورا کلام نقل کیا ہے اور اسے بطور دلیل ذکر کیا ہے۔ (ج ۲ ص ۴۹۹) ''وفیات الاسلاف'' (ص ۳۶۱) میں ہے اسلام میں ڈھالا گیا پہلا سکہ جو دریافت ہوا ہے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۲۸ھ میں بلادِ طبرستان کے قصبہ ہرتک میں ڈھالا گیا اور اس میں خط کوفی میں ''بسم الله ربی'' لکھا گیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۳۷ھ میں اس پر ''ولی الله'' اور ۳۸ھ' ۳۹ھ میں ''بسم الله ربی'' لکھا گیا' درہم میں ایک طرف خط کوفی میں ''الله احد ٥ الله الصمد ٥لم یلد ولم یولد ٥ولم یکن له کفوا احد ٥'' سورۃ اخلاص تھی اور درہم کے دائرے میں محمد رسول الله ارسله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون نقش تھا' دوسری طرف لا اله الا الله وحده لا شریک له نقش تھا اور دائرے میں ''یہ درہم ۴۰ھ میں بصرہ میں ڈھالا گیا'' مرقوم تھا۔ بعض درہموں پر ٹکسال کا نام دار ابجرد اور ۷۰ھ نقش تھا' بعض میں یزد ۷۱ھ نقش ہے اور خط کوفی میں ''بسم الله'' درج ہے' دوسری طرف فارسی خط میں عبداللہ بن الزبیر امیر المؤمنین نقش ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے مصعب بن الزبیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے حکم سے نقدی تیار کرائی۔ سعید بن المسیب اور ابوالزناد نے نقل کیا ہے کہ عبدالملک نے ۷۴ھ میں حجاج کو دراہم ڈھلوانے اور ملاوٹ شدہ سے خالص کو الگ کرنے کا حکم دیا۔ المدائنی نے ۷۵ھ کہا ہے' پھر تواح میں ۷۶ھ میں اسے ڈھالنے کا حکم دیا۔ میں نے اس درہم کو نہیں دیکھا' میں نے ثقہ لوگوں کی نقل کے مطابق اس کے اوصاف بیان کیے ہیں۔

پھر میں نے اس کا ماخذ مشہور کتاب ''تاریخ الوزیر جودت پاشا الترکی'' میں پایا' انہوں نے اسے ''تاریخ واصف آفندی'' سے اور واصف آفندی سے اسے سلاطینِ عرب کے حالات پر مشتمل تواریخ سے نقل کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۸ھ میں بڑے نقش والے سکے ڈھلوائے۔ بعض پر لا اله الا الله محمد رسول الله اور بعض پر لا اله الا الله اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام کندہ تھا۔ پھر کہا: بطور نقل ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کا سکہ نہیں ڈھلوایا۔ احتمال ہے کہ یہ روایت غلط ہوا سے طبرستان کے عمر نامی ترک حکمران نے اس نہج پر ڈھلوایا ہو۔ اس پر تاریخ فارسی میں لکھی ہوئی ہے جسے پڑھا نہیں جا سکا اور ہم نامی کی وجہ سے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب سکے سے اہل علم حضرات میں سے کوئی مطلع نہیں ہوا۔

اہل علم کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ عربی سکہ سب سے پہلے حجاج نے ڈھلوایا' لیکن ۱۲۷۶ھ میں اس فن پر جدید انکشاف نے اس کے خلاف ثابت کر دیا ہے' اس کا قصہ یہ ہے کہ جواد نام کا ایک ایرانی دار السعادۃ میں چاندی کا عربی سکہ لایا جو ۴۰ھ میں ڈھالا گیا تھا' میں نے صبحی پاشا آفندی کے پاس موجود قدیم اسلامی سکوں میں اسے دیکھا ہے' اس کی ایک جانب خط کوفی میں "الله الصمد ○ لم یلد ولم یولد ○ ولم یکن له کفوا احد ○" مکتوب ہے اور اوپر دائرے میں "محمد رسول الله ارسله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون" اور دوسری جانب "لا اله الا الله وحده لا شریک له" اور دائرے میں "یہ درہم بصرہ میں ۴۰ھ میں ڈھالا گیا" مکتوب ہے۔

بعض مؤرخین سے نقل کیا گیا ہے کہ سکے پر حضرت معاویہ اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہما کی اپنے تلواریں حمائل کیے ہوئیں شبیہیں تھیں' واصف آفندی نے بھی اسے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے' لیکن اس روایت کی نقل درجۂ صحت اور ثبوت کو نہیں پہنچی۔

لیکن میں نے ترتیب کے مطابق اموی دور میں ڈھالے گئے سونے اور چاندی کے تمام سکے دیکھے ہیں جو سال بسال ۷۲ھ سے ان کے حکومت کے خاتمہ کے سال ۱۳۲ھ تک ہیں ان میں کسی پر خلیفہ کا نام نہیں ہے۔

(مقدمہ تاریخ مذکور ص ۴۷۴)

ہمارے دوست کاتب کبیر جناب توفیق البکری الصدیقی المصری نے یورپی اور عربی مروجہ طریقہ کاروں کے بارے میں اپنی کتاب "صهاریج اللؤلؤ" (ص ۱۹۰) میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نقدی کی جگہ بوقت ضرورت چاندی اور چمڑوں کو بطور مبادلہ استعمال کرتے تھے۔ اس بارے میں ابوتمام کا ایک شعر بھی ہے۔

ہماری لائبریری میں کرنسی والے شعبہ میں ایسے دراہم موجود ہیں جن میں خط کوفی میں لا اله الا الله محمد رسول الله اور آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام مکتوب ہے' گہری نظر اور غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت کا انداز اور قدیم نقش واقعتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے ہیں اور یہ ان کا ڈھلوایا ہوا سکہ ہے۔

تکمیلی ابحاث

(۱) حافظ سیوطی کی "اوائل" میں ہے کہ بلادِ مغرب میں سب سے پہلے عبد الرحمٰن بن الحکم اموی نے تیسری صدی میں اندلس میں دراہم ڈھلوائے' اس سے پہلے وہ کھوٹ ملے دراہم سے لین دین کیا کرتے تھے' اسے ذہبی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور معروف سیرت نگار شامی نے "سبل الرشاد" میں نقل کیا ہے۔

عبد الرحمٰن بن الحکم سے مراد عبد الرحمٰن ثانی بن حکم بن ہشام بن عبد الرحمٰن اموی ہے۔ عبد الرحمٰن اوّل ۱۳۸ھ میں اندلس کے حکمران بنے تھے' بہرصورت اگر مغرب سے حافظ سیوطی کی مراد صرف اندلس ہے تو یہ درست ہے اور اگر ان کی مراد مغرب اقصیٰ یا افریقی ممالک ہیں تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ امام ادریس بن ادریس رضی اللہ عنہما نے اپنے دورِ خلافت میں سکے ڈھلوائے تھے اور یہ دوسری صدی ہجری کے آخر کی بات ہے۔ اس وقت تک عبد الرحمٰن بن الحکم حکمران نہیں بنے تھے۔ ہمارے نانا احمد بن عبد الحی الحلبی' الفاسی نے اپنی کتاب "الدر النفیس" کی فصل

۳۴ میں اس پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ امام ادریس بن ادریس کے درہم کے دائرہ میں "محمد رسول الله ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون" اور دائرہ میں محمد رسول اللہ کے نیچے دائرہ کے درمیان ادریس' ایک سطر میں محمد اور دوسری سطر میں رسول اللہ خط کوفی میں مکتوب ہے' دوسری جانب دائرہ میں بسم اللہ' یہ درہم ۱۹۸ھ میں ڈھلا' مکتوب ہے۔ (الدرالنفیس ص ۲۲۱' مطبوعہ فاس' ۱۳۱۴ھ)

بعد ازاں میں نے "تاریخ الخلفاء" میں دیکھا' حافظ سیوطی عبدالرحمٰن مذکور متوفی ۲۳۹ھ کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ پہلا اموی حکمران ہے جس نے اندلس میں شاندار اور باوقار حکومت قائم کی اور اسے خلافت وجلالت کی شان دی اور اس نے اپنے دور حکمرانی میں اندلس میں اپنی کرنسی جاری کی' اس سے پہلے یہاں ٹکسال نہیں تھی۔ اہل عرب اپنے مفتوحات میں اب تک مشرق سے لے جائے جانے والے دراہم سے لین دین کرتے تھے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ حافظ سیوطی اندلس کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور حضرت ادریس کا معاملہ افریقہ سے متعلق ہے۔

(۲) شیخ ابوسالم العیاشی اپنی کتاب "ارشاد المتسبب الى فهم معونة المكتسب" میں کہتے ہیں کہ سنی درہم میں نے اپنے شیخ سیدی عبدالواھب الفاسی کے پاس پایا' ان کو یہ درہم اپنے والد کے ورثہ میں ملا' اس پر خط کوفی میں لکھا ہے: اسے واسط میں ۱۰۹ھ میں ڈھالا گیا' یہ ہشام بن عبدالملک کا دور خلافت تھا۔ مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا سکہ عبدالملک بن مروان نے ڈھالا' اس کے بیٹے ہشام کے دور خلافت میں اس کی تحریر اور تحقیق میں پوری کوشش کی گئی' اس طرح یہ درہم اس دور کا ہو گا جب سکہ بہت عمدہ اور بہترین ہو چکا تھا۔

محترم العربی الفاسی نے ذکر کیا ہے اور وہ قابل اعتماد بزرگوں میں سے ہیں کہ انہوں نے فقہاء کے بیان کردہ درہم کی جانچ پڑتال کی تو اسے پچپن رتی کے برابر پایا۔ میں نے بھی پیتل سے اس کا ہم وزن درہم بنا کر اس کا موازنہ کیا ہے۔

ہمارے شیخ محترم عبدالوہاب نے میرے لیے درہم سے دینار شرعی کا وزن نکالا ہے' آپ اس معاملہ میں صاحب علم لوگوں کا مرجع ہیں۔

ابوالحسن بن باق الاندلسی نے اپنی تالیف میں ایسا طریق کار ذکر کیا ہے جس سے بآسانی شرعی اوزان کی تحقیق کی جا سکتی ہے اور اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے بھی کوئی قباحت نہیں لازم آتی۔

(۳) ہماری لائبریری میں اس موضوع پر نہایت نادر کتاب بنام "الدوحة المشتبكة فى ضوابط دار السكة" موجود ہے میں اس کے مؤلف سے واقف نہ تھا یہاں تک کہ مجھے دوسری بار ۱۳۲۷ھ میں وہاں ابوالجعد کا مجموعہ ملا' جس میں "العمل" کے شارح ابن ابی القاسم الرباطی کے خط میں مرقوم تھا کہ مذکور الصدر کتاب کے مؤلف امام ابوالحسن علی بن یوسف الحکیم ہیں۔

اس کتاب کے متعدد ابواب ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

تیسرا باب: معدنیات اور ان کی تخلیق کی کیفیت' معدنیات کا اخراج' حصول اور ان کے فوائد۔

چوتھا باب: (معدنیات میں) نفیس اور قیمتی پتھر اور ان کی خوبصورتی و رعنائی سے تیاری۔

پانچواں باب: درہم اور دینار ڈھالنے والا پہلا فرد' ٹکسال کے مقامات اور سکہ سازی کے ضوابط۔

چھٹا باب: خصوصاً ہمارے (مغربی افریقی ممالک کے) درہم و دینار کی مقدار۔

ساتواں باب: درہم و دینار سے باہمی لین دین اور ناپ تول۔

آٹھواں باب: درہم و دینار ساتھ رکھنے کا جواز۔

نواں باب: درہم و دینار راہِ خدا میں خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا وعدہ۔

دسواں باب: مفسدوں کی جانب سے ملاوٹ شدہ سکوں کی اقسام اور نام۔

چھٹے باب کی آخری فصل سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے دادا علی بن محمد الکومی الحکیم المدلونی' سلطان ابو یعقوب یوسف بن عبدالحق المرینی کے دورِ حکومت میں فاس کے ٹکسال کے ڈائریکٹر اور نگران تھے۔

پانچویں باب کی دوسری فصل میں اس پر بحث کی ہے کہ سب سے پہلے کس نے سکے ڈھالے اور سب سے پہلے فاس میں ٹکسال کس نے قائم کی۔ یہ صاحب ابو عبداللہ المہدی تھے' جن کا مؤحدین سے تعلق تھا۔ پھر بیان کرتے ہیں کہ فاس کے شہر میں ایک جانب اہل مغرب (افریقہ) اور اندلس (یورپ) کے لیے ٹکسال تھی' جسے خلیفہ ابوعبداللہ الناصر بن منصور الموحدی نے ٹکسال کے لیے مخصوص قصبہ میں ۶۰۰ ھ میں منتقل کر دیا' وہاں اس نے سکہ سازی کا خام مال اور تیار شدہ سکوں کے لیے بینک تیار کیا۔

(۴) حافظ سیوطی نے اس موضوع پر ''قطع المجادلة في تغيير المعاملة'' کے نام سے ایک جزء کے برابر رسالہ تالیف کیا ہے' اس کے شروع میں یہ ذکر کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے درہم اور دینار حضرت آدم علیہ السلام نے تیار کیے[815] اور اس کے آخر میں بطور سکہ رائج نقود کو کاٹنے کی ممانعت پر یہ اثر ذکر کیا ہے: ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن المسیب کا یہ قول روایت کیا ہے کہ درہم اور دینار کا کاٹنا زمین میں فساد پھیلانا ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: یہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی تقصیر ہے یہ اثر ''مؤطا محمد بن الحسن'' میں اس عنوان کے تحت موجود ہے ''باب ما يكره من قطع الدرهم والدينار'' روایت یہ ہے' ہمیں مالک نے خبر دی ان کو یحییٰ بن سعید نے سعید بن المسیب سے خبر دی کہ سعید بن المسیب نے فرمایا: چاندی اور سونے کا کاٹنا (بطور سکہ رائج اشرفی اور درہم کی کتر بیونت) زمین میں فساد پھیلانا ہے۔[816] امام محمد نے کہا: اس کا مطلب ہے' بغیر کسی خاص منفعت کے لیے درہم و دینار کا کاٹنا۔

علامہ تقی المقریزی نے اپنے رسالہ ''النقود الاسلامیه'' (ج ۵ ص ۱۰۰) میں ابن المسیب کے اس قول کو مسند سے نقل کیا ہے' وہ کہتے ہیں: ہم سے خالد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی' کہا: ہم سے مالک نے از ابن سعید بیان

815 یہ روایت کعب الاحبار کی اسرائیلیات میں سے ہے۔ ناقابل التفات۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں ''الاسرائیلیات فی الحدیث والتفسیر'' از ڈاکٹر ذہبی۔

816 صحیح الاسناد۔

کیا' پھر یہ قول ذکر کیا۔ "طبقات ابن سعد" میں یہ الفاظ ہیں: ان سے درہموں کو کاٹنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ زمین میں فساد پھیلانا ہے۔

حضرت سعید بن المسیب کے اس قول کے معنیٰ میں اختلاف ہے' ابوالحسنات لکھنوی کے حاشیہ میں ہے کاٹنے سے امام محمد کی مراد درہم و دینار کا توڑنا' اس کے نقش کا باطل کرنا اور اس میں ملاوٹ کرنا ہے۔ مؤطا کی شرح میں ملا علی القاری کا میلان بھی اسی طرف ہے' علامہ تقی المقریزی نے اثر مذکور کے بعد کہا ہے: اس سے درہم و دینار کا توڑنا مراد ہے۔

بیری زادہ نے شرح المؤطا میں کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں لین دین دراہم و دینار کے وزن سے نہیں بلکہ ان کی گنتی سے ہوتا تھا' بعض لوگ سونے چاندی کے ان سکوں کے کونے کاٹ لیتے تھے (اس طرح ان کے وزن میں کمی آجاتی تھی) اس سے منع کر دیا گیا۔

"النهاية" میں ابن الاثیر نے سنن ابی داؤد کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں رائج سکہ کو بلاضرورت توڑنے سے منع فرمایا ہے"[۸۱۷] ابن اثیر اس پر لکھتے ہیں: یعنی مروج درہم اور دینار کو بلاوجہ نہ توڑا جائے' البتہ وہ ناکارہ ہو چکا ہو یا اس کی صحت مشکوک ہو چکی ہو (تو اس کی اجازت ہے)۔ اس کی کراہت اس لیے ہے کہ اس میں اللہ کا اسم گرامی نقش ہوتا ہے اور یہ مال کا ضیاع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے دوبارہ سونے میں تبدیل کرنا ممنوع ہے' خرچ کے لیے ممانعت نہیں' ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتدائے اسلام میں لین دین وزن کے اعتبار سے نہیں' گنتی کے اعتبار سے تھا' بعض لوگ درہم یا دینار کے گوشوں کو کتر لیتے تھے اس لیے اس سے منع کیا گیا۔

نقدی کو کاٹنے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو اپنے پاس روک لیا جائے اور کاروبار میں نہ لگایا جائے' دولت کا ارتکاز ہونے لگے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں جنگ عظیم کے بعد دنیا بھر میں اس کی مثالیں سامنے آرہی ہیں۔ واللہ اعلم

(۵) حافظ سیوطی نے "قطع المجادلة" میں جس طرح ذکر کیا ہے کہ پہلا درہم اور دینار حضرت آدم علیہ السلام نے تیار کیا تھا' "الطريقة المحمدية" پر امام نابلسی کی شرح "المواهب الفتحية" میں بھی اسی طرح مذکور ہے کہ سب سے پہلا درہم اور دینار حضرت آدم علیہ السلام نے تیار فرمایا تھا' اور یہ بھی کہا ہے کہ درہم اور دینار کے بغیر معیشت درست نہیں ہوتی۔ ابونعیم کی "الحلية" میں از معاویہ بن عبداللہ الجعفری از کعب الاحبار اسی طرح منقول ہے' اسے الحلبی نے "الدر النفيس" میں ذکر کیا ہے' پھر میں نے الحصکفی کی روایت میں "مسند ابو حنيفه" میں یہ دیکھا امام ابوحنیفہ نے ابوسلیمان سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے سونے کے دینار تبّع نے ڈھلوائے اور چاندی کے دراہم تبع الاصغر کے تیار کروائے اور سب سے پہلے نمرود بن کنعان نے سکے ڈھلوائے اور لوگوں کو استعمال کے لیے دیے۔[۸۱۸]

---

۸۱۷ ضعیف حدیث' تخریج گزر چکی ہے۔

۸۱۸ سب اندازے ہیں' اسناد صحیح سے ثابت نہیں' غالباً اسرائیلیات میں سے ہیں۔

القاموس میں ہے تبابعہ (جمع تبع) یمن کے ان بادشاہوں کو کہتے ہیں: جو حمیر اور حضرموت پر حکمران رہے' مکہ مکرمہ میں دار التبابعہ وہ مقام ہے جہاں نبی ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (شرح المسند لابن ساطان ص ۲۷۸)

شرعی اوزان' ناپنے کے آلات اور نقود کے موضوع پر عظیم المرتبت علماء کی ایک جماعت نے الگ الگ کتب تالیف کی ہیں' ابو محمد الحسن بن ابی الحسن علی بن محمد بن عبد الملک بن القطان نے ۶۴۷ھ میں اس موضوع پر مقالہ لکھا۔ ابو محمد عبد الحق بن عطیہ' ابن المواق ابوبکر بن خلف الانصاری' ابو العباس بن البنا' ابو العباس العزفی (ان کی کتاب کا نام ہے "اثبات مالابد لمرید الوقوف علی حقیقة الدینار والدرهم والصاع والمد") علامہ تقی المقریزی (ان کا رسالہ شائع ہو چکا ہے) شیخ عبد الرؤف المناوی' ہمارے بعض مصری شیوخ کے استاذ شیخ مصطفیٰ الذہبی المصری اور شیخ عبد القادر الخطیب الطرابلسی المدنی ان علماء میں شامل ہیں' مؤخر الذکر دو مشائخ کے رسائل بھی طبع ہو چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارکہ میں زیرِ استعمال ناپنے کے پیمانوں کے نام

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ناپنے کے لیے مندرجہ ذیل پیمانے استعمال ہوتے تھے: مد' صاع' فرق' عرق اور وسق۔ "مد" پر امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: "باب صاع المدينة ومد النبي ﷺ وبركته وما توارثه اهل المدينة من ذلك قرنا بعد قرن"۔

"صاع" کے متعلق مؤطا میں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں فطر کی زکوٰۃ ہر مسلمان مرد' عورت' آزاد اور غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر فرمائی۔[۸۱۹]

"المشارق" میں ہے صاع اہل مدینہ کا مشہور پیمانہ ہے اس میں نبی ﷺ کے مُد سے چار مد ہوتے ہیں۔

"القاموس" میں الداؤدی سے اس کا یہ متفق علیہ معیار نقل کیا ہے کہ اوسط درجہ کے ہاتھ رکھنے والے آدمی کے دونوں ہاتھوں سے چار لپ ہوں۔ کیونکہ ہر مقام پر نبی ﷺ کا صاع دستیاب نہیں ہوتا۔

فیروز آبادی نے کہا ہے: میں نے اس کا تجربہ کیا اور اسے صحیح پایا" "لسان العرب" میں ہے نبی ﷺ کا صاع اہل مدینہ کے ہاں معروف مد سے چار مد کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے دور میں صاع نبوی موجود تھا' اگر یہ صاع اس عہد مبارک کا نہ تھا' تاہم اسی پیمانہ کے مطابق تھا۔

ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن مسعود الفجرونی کی "تنبیه الغافل" میں ہے صاع نبوی نبی ﷺ کے مُد سے چار مُد کے برابر ہے۔ ہمارے دور میں فاس شہر میں قباب' صاع ہے۔ اور یہی اہل شہر کا پیمانہ ہے۔ شیخ ابو القاسم الشاطبی کہتے ہیں: صاع ایک پیمانہ ہے' انسان چار مرتبہ دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر ڈالے تو مد ہوگا' مُد کا ماخذ غرناطہ کے مد ہیں۔

۸۱۹ صحیح حدیث۔ مالک' "المؤطا" ج ۱ ص ۲۸۴' از طریق مالک' شافعی ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۱' دارمی ج ۱ ص ۳۹۲' احمد ج ۲ ص ۶۳' بخاری: ۱۵۰۴' مسلم: ۹۸۴' ابوداؤد: ۱۶۱۱' ترمذی: ۶۷۶' نسائی ج ۵ ص ۴۸' ابن ماجہ: ۱۸۲۶' ابن خزیمہ: ۲۳۹۹-۲۴۰۰' ابن حبان: ۳۳۰۱' طحاوی ج ۲ ص ۴۴' بیہقی ج ۴ ص ۱۶۱ تا ۱۶۳' بغوی: ۱۵۹۳' از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

''المدونہ'' کے شارح الرجراجی نقل کرتے ہیں کہ ابو محمد بن ابی زید نے کہا کہ مشائخ سے اخذ کردہ بہترین تعریف یہ ہے کہ نبی ﷺ کے مد کی مقدار جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور تمام شہروں میں دستیاب ہے' وہ اوسط قد و قامت کے انسان کے دونوں ہاتھوں سے چارلپ ہیں' انگلیاں زیادہ کھلی ہوں نہ زیادہ ملی ہوئی۔ اہل ہند کے اہل حدیث مدینہ کے مُد اور صاع کے ہم مقدار پیمانہ کو اپنا پیمانہ قرار دیتے ہیں۔

میں نے ابوالعباس احمد بن عاشر السلوی الحافی کی نوٹ بک میں مد کے متعلق یہ ابیات پائے ہیں:

نبی ﷺ کے مد کے فضائل کسی ذہین کی فہم و فراست پر مخفی نہیں۔

وہ نبی جس کا چہرہ روشن چاند تھا جو ظلم اور سخت گمراہی کے دور میں لوگوں کے لیے ظاہر ہوا۔

آپ نے ہماری فضیلت اور پسندیدہ دین کی راہوں کی طرف رہنمائی فرمائی۔

ہم نے بلند کردار ہادی سے منقول جس علم سے پہلے استفادہ کیا ہے'

وہ یہ ہے کہ یہ مد یعنی زمزم والے نبی ﷺ کا مُد'

صدقۂ فطر میں نص جلی کے مطابق ایسے چار مد کفایت کریں گے۔

اور جب اللہ کے نام کی قسم کھالو تو کفارۂ قسم میں دس مد ہوں گے۔

عظیم القدر نبی ﷺ کے پیمانہ سے یہی علم مستفاد ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ مکیال' اوزان' درہم اور دینار کے متعلق علامہ الخزاعی کی کتاب میں مذکور مباحث سے زیادہ جامع اور سیر حاصل مباحث میں نے مشرق و مغرب میں اس موضوع پر تالیف کردہ کتب و رسائل میں نہیں دیکھیں۔ اگر ان کی کتاب میں صرف یہی ابحاث ہوتیں تو بھی یہ کتاب قابل اعتماد کتاب ہوتی۔ انہوں نے شرعی اوزان اور پیمانوں کے ناموں کے ذکر پر مشتمل باب میں متعدد فصول ذکر کی ہیں:

(۱) نبی ﷺ کا ارشاد: ''وزن اہل مکہ کا وزن ہے اور پیمانہ اہل مدینہ کا پیمانہ ہے''۔[۸۲۰]

(۲) نبی ﷺ کے عہد مبارک کے اوزان کی معرفت' ان کی مقدار اور یہ دس مقداریں ہیں۔

پھر درہم کے متعلق ان سات مسائل کا تذکرہ ہے:

(۱) درہم کے استعمال کا ذکر (۲) کیا درہم کی مقدار اور اندازہ معلوم تھا یا نہیں؟

(۳) درہم کی مقدار کی معرفت (۴) درہم میں رتیوں کی تعداد سے ان دو میں سے قابل ترجیح قول

(۵) دورِ جاہلیت اور اسلام میں اپنے اوزان میں جو کے دانوں کے استعمال پر دلیل۔

---

۸۲۰ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۳۳۴۰' نسائی ج ۵ ص ۵۴۔ ج ۷ ص ۲۸۴' طبرانی ''الکبیر'': ۱۳۴۴۹' ابونعیم ''الحلیۃ'' ج ۴ ص ۲۰' بزار: ۱۲۶۲' ابن حبان: ۳۲۸۳' بیہقی ''السنن'' ج ۶ ص ۳۱' ابوعبید ''الاموال'': ۱۶۰۷' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۰۶۳' طحاوی ''مشکل الآثار'' ج ۲ ص ۹۹' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

امام بغوی نے ''شرح السنۃ'' میں کہا ہے: حقوق اللہ جیسے زکوٰۃ' کفارات وغیرہ کی ادائیگی کے لیے مکی اوزان اور مدنی صاع کا اعتبار ہوگا۔ باقی معاملات میں کسی بھی شہر کے مقررہ وزن اور ماپنے کے پیمانے درست ہیں البتہ معاملہ کرتے وقت وزن اور ماپ کا تعین لازم ہے۔ تاکہ فساد کا اندیشہ اور ربا کا خدشہ نہ رہے۔

(۶) درہم شرعی کہنے کی وجہ تسمیہ۔

اس کے بعد علامہ خزاعی نے درہم اور مثقال کا ذکر کیا ہے‘ اس کی مقدار بیان کی ہے‘ قیراط‘ اس کا استعمال اور اس کی مقدار‘ نواۃ‘ اس کا استعمال‘ اس کی مقدار‘ رطل‘ اس کا استعمال‘ اس کی مقدار‘ قنطار‘ اس کا استعمال اور اس کی مقدار بیان کی ہے۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں استعمال ہونے والے پیمانے: مُد‘ صاع‘ فَرق‘ عرق اور وسق کا تذکرہ کیا ہے اور ان کا استعمال اور مقداریں بیان کی ہیں‘ اس کتاب کا یا اس کے اختصار کا مطالعہ کیجئے‘ ان میں سے ہر ہر عنوان ایک مستقل تالیف کا تقاضا کرتا ہے۔

اونٹ اور بکریاں لینا

ابن جماعہ نے ”**مختصر السیرۃ**“ میں ذکر کیا ہے کہ چوپایوں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اونٹنی تھی جس پر آپ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی‘ یہ اونٹنی آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے چار سو درہم میں خریدی۔ آپ کے پاس ثعلب نام کا ایک اونٹ تھا‘ غزوۂ بدر کے مال غنیمت سے آپ کو ابوجہل کا مہری اونٹ (سبک رفتار اونٹ جس کی تیز رفتاری کا کوئی اونٹ مقابلہ نہ کر پائے) ملا۔ مدینہ طیبہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر شام کے راستہ پر غابہ میں آپ کی بیس اونٹنیاں تھیں‘ ہر رات کو آپ کے لیے وہاں سے دو مشکیزے دودھ لایا جاتا تھا‘ آپ کی پندرہ دودھیل اونٹنیاں تھیں جن کو آپ کے غلام یسار رضی اللہ عنہ چرایا کرتے تھے۔ سات اونٹ تھے‘ آپ کے پاس متعدد بکریاں تھیں‘ ان میں سے سات بکریاں ام ایمن رضی اللہ عنہا چراتی تھیں اور باقی دوسروں کے پاس تھیں۔

چوپایوں پر نشان لگانے والے

امام بخاری نے ”**باب وسم الامام ابل الصدقۃ بیدہ**“ کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں صبح کو عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہما کو گھٹی ڈلوانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا‘ میں نے آپ کے ہاتھ میں داغ لگانے والا آلہ دیکھا‘ آپ اس سے صدقہ کے اونٹوں کو داغ (امتیازی نشان) لگا رہے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان کی والدہ کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی‘ میں بچے کو گھٹی ڈلوانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا‘ نبی ﷺ بکریوں کے باڑے میں تھے‘ ان کو داغ لگا رہے تھے‘ یہ سات یا اس سے زائد بکریاں تھیں‘ راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے کانوں پر داغ لگانے کا کہا تھا[۸۲۱]

مؤلف کہتے ہیں: ”**طبقات ابن سعد**“ (ج ۷ ص ۵۲) میں حضرت عکراش بن ذویب التمیمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے‘ میں نبی ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ لے کر حاضر ہوا‘ آپ نے اونٹوں پر صدقہ کے اونٹوں

۸۲۱ صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۵۰۲۔ ۵۵۴۲۔ ۵۸۲۴‘ مسلم: ۲۱۱۹‘ ابوداؤد: ۲۵۶۳‘ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

والا داغ لگا کر انہیں صدقہ کے اونٹوں میں شامل کرنے کا حکم فرمایا۔[۸۲۲]

امام (حکمران) کی مختص سرکاری چراگاہ

صحیح البخاری میں ہے: نبی ﷺ نے نقیع کو چراگاہ قرار دیا تھا۔[۸۲۳] ابوعبید القاسم بن سلام نے "کتاب الاموال" میں یہ اضافہ روایت کیا ہے: مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ چراگاہ مدینہ طیبہ سے بیس فرسخ کے فاصلہ پر وادی العقیق کے شروع میں ہے' یہ وہاں کی سب سے سرسبز وادی ہے۔ یہ ایک میل چوڑی ہے اس میں اس قدر گھنے درخت ہیں کہ سوار چھپ جاتا ہے۔ جب بغیر اضافت کے بقیع کہا جائے تب بھی یہی وادی مراد ہوتی ہے' بعض محدثین نے نقیع کہا ہے' نقیع ایک مقام ہے جہاں پانی جمع رہتا تھا اس لیے اسے نقیع کا نام دیا گیا۔

"الاصابہ" میں حضرت عیاض بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ بخاری اور ابن مندہ نے عبداللہ بن عیاض کی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ کے پاس بہز کا ایک شخص شہد لایا' آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ وہ عرض گزار ہوا: یہ میں آپ کے لیے تحفہ لایا ہوں' آپ نے اس کا تحفہ قبول فرمایا' اس نے عرض کیا: میرے لیے میرے خطۂ زمین کو چراگاہ مقرر فرما دیں' آپ نے اس کے لیے اسے چراگاہ قرار دیا اور تحریر عطا فرمائی۔[۸۲۴]

دیار بکری کی "تاریخ الخمیس" میں ہے جب طعنہ زنی کرنے والوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیے' ان کا پانچواں اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے مدینہ کے بازار کا ایک حصہ دوسروں کے لین دین کے لیے ممنوعہ علاقہ قرار دے دیا ہے' لوگوں کو وہاں سے خریداری کی اجازت نہیں ہوتی' تاآنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نمائندہ وہاں سے ان کے اونٹوں کے لیے چارہ نہ خرید لے۔ بر تقدیر صحت یہ اس پر محمول ہے کہ آپ نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے ایسا کیا تھا اور اسے چراگاہ کے حکم میں لے لیا تھا۔

۞۞۞۞۞

---

۸۲۲ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۵۲ از عکراش۔

۸۲۳ بخاری: ۲۳۷۰۔ ۳۰۱۳' از ابن عباس از صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہما۔

۸۲۴ حسن الاسناد کے مشابہ۔ اس حدیث کو بخاری نے "الادب المفرد" میں اور مسلم نے روایت کیا۔ ابن مندہ اور مطین نے بھی اسے از عبداللہ بن عیاض الثقفی از والد خود روایت کیا ہے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۴۹' رقم: ۶۱۳۶) مصنف کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ حدیث "صحیح البخاری" میں موجود ہے حالانکہ ایسا نہیں۔

القسم الثامن

دیگر تمام عمّال

رسول اللہ ﷺ کے اخراجات کے نگران

ابن جماعہ کی "مختصر السیرۃ" میں ہے حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اخراجات پر مقرر تھے۔

"سنن ابی داؤد" اور "بیہقی" میں عبداللہ الھوزنی سے مروی ہے میری حلب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' میں نے کہا: بلال! مجھے یہ بتاؤ رسول اللہ ﷺ کا خرچ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: آپ کے پاس کوئی چیز نہ تھی' آپ کی بعثت سے آپ کے وصال تک میں ہی آپ کے نفقہ کا نگران رہا۔ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی لباس کا محتاج مسلمان آتا' آپ مجھ کو حکم فرماتے' میں کسی سے قرض لے کر اس کے لیے چادریں خرید کر اسے پہناتا اور اسے کھانا کھلاتا تھا۔[۸۲۵]

"الاشراف" کی کتاب النفقات میں ابن المنذر نے اپنی سند سے از مسروق از عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے بلال! خرچ کر اور صاحب عرش سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔[۸۲۶]

حضرت مروان بن قیس الدوسی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اپنے دو غلاموں کے متعلق ان کی تقصیر اور ان غلاموں کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کے ذکر میں ہے' نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کا خرچ مقرر کرنے کا حکم دیا۔[۸۲۷]

"طبقات ابن سعد" میں حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: میں تیری زبان ضرور کاٹوں گا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب میں تجھے اس کی زبان کاٹنے کا حکم دوں' تم اسے حلہ (صاف اور نئے کپڑوں کا جوڑا' عمدہ پوشاک) دے دینا' پھر آپ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! اسے لے جا اور اس کی زبان کاٹ دے' حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے جانے لگے تو اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا میری زبان کاٹی جائے گی' اے مہاجرین کے گروہ! کیا میری زبان کاٹی جائے گی؟ اے مہاجرین! میری مدد کو آؤ' کیا میری زبان کاٹی جائے گی؟ اور بلال رضی اللہ عنہ اس کو کھینچ رہے تھے جب ان کی دہائی زیادہ ہوگئی' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے میں تجھے حلہ پہنا کر تیری زبان کو کاٹ دوں (تجھے خاموش کر دوں)' حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسے لے گئے اور حلہ دیا۔[۸۲۸]

---

۸۲۵ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۳۰۵۵' طبرانی "الکبیر": ۱۱۱۹' ابن حبان: ۶۳۵۱' بیہقی "دلائل النبوۃ" ج۱ ص ۳۴۸۔ ۳۵۱' از عبداللہ بن لحی الھوزنی از بلال رضی اللہ عنہ۔

۸۲۶ ضعیف روایت۔ طبرانی "الکبیر": ۱۰۲۰' از طریق مسروق از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۳ ص ۱۲۶) میں اس حدیث کو ذکر کر کے کہا ہے: اس میں قیس بن ربیع ہے جسے شعبہ اور ثوری نے ثقہ کیا ہے اس میں کلام ہے باقی راوی ثقہ ہیں۔

۸۲۷ نہایت ضعیف قریب الوضع۔ ابوبکر بن درید "الاخبار المنثورہ" از محمد بن عبد از ابن الکلبی از والد خود۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۴۰۴' رقم ۷۹۱۷) ابن الکلبی کا شمار کذابوں میں ہے۔

۸۲۸ مرسل حدیث۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۰۶' اس کے رجال مسلم کی شرط پر صحیح ہیں۔

''السیرۃ الشامیہ'' میں ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے اہل وعیال کے نفقہ کے ذمہ دار تھے اور بیت المال کے نگران تھے۔ المواہب پر شبراملسی کے حاشیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

''الاصابہ'' میں شاہ حبشہ نجاشی کے بیٹے ابو نیزر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے وہ آئے مسلمان ہوئے نبی ﷺ ان کے اخراجات کے کفیل تھے' آپ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کی کفالت میں رہے۔[۸۲۹]

امورِ مالیہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ وکیل

''سنن ابی داؤد'' میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے خیبر کی طرف جانے کا ارادہ کیا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا: جب تم میرے وکیل کے پاس آؤ اس سے پندرہ وسق لے لو' اگر وہ تم سے نشانی مانگے تو اس کی ہنسلی پر ہاتھ رکھ دینا۔[۸۳۰]

ابن فتحون نے ''الذیل'' میں حضرت مروان بن الجذع الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: آپ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے دو حصوں پر امین تھے۔ ''الاصابہ'' میں آپ کے تذکرہ میں یہ روایت ابن الکلبی سے منقول ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قیدیوں اور مالِ غنیمت کو روکے رکھنے کا حکم

''الاصابہ'' میں حضرت مسعود القاری رضی اللہ عنہ (منسوب بہ قارہ) کے تذکرہ میں ہے کہ آپ حنین کے دن اموالِ غنیمت کے نگران تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ قیدیوں اور مالِ غنیمت کو جعرانہ میں روکے رکھیں' اور یہ کہا ہے: اسے ابو عمر نے مختصراً ذکر کیا ہے' ابن الکلبی کے ''جمهرۃ'' میں ہے رسول اللہ ﷺ نے عمر بن القاری رضی اللہ عنہ کو غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت پر نگران مقرر فرمایا تھا۔[۸۳۱]

رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ کی غیر موجودگی میں مال خرچ کرنے والے

''سیرت ابن اسحاق'' میں فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجنے' وہاں لوگوں کی ہلاکت' اس پر حضور ﷺ کے دکھ کا اظہار کرنے کے بعد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

۸۲۹ ناقابل اعتماد روایت۔ عباس المبرد' الکامل' از ابو محلم محمد بن ہشام (الاصابہ ج ۴ ص ۱۹۹ رقم: ۱۱۷۰) ناقابل اعتبار طویل قصہ۔

۸۳۰ ضعیف حدیث۔ ابوداؤد: ۳۶۳۲' از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما (ضعیف سنن ابی داؤد: ۷۸۴) از البانی۔

۸۳۱ الاصابہ ج ۳ ص ۴۱۲' رقم: ۷۹۵۴۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے علی! ان لوگوں کی طرف جاؤ' ان کا معاملہ معلوم کرو اور جاہلیت کی تمام چیزیں اپنے پیروں سے روند ڈالو' حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا مال لے کر وہاں پہنچ گئے' انہوں نے ان کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا' ان کے جو اموال لے لیے گئے وہ ان کو واپس کیے' یہاں تک کہ ان کے کتے کے کھانے کے برتن کا بدل بھی دیا' ان کے خون اور مال سب کا معاوضہ دیا' پھر بھی ان کے پاس مال بچ گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فارغ ہو کر ان سے دریافت کیا: کیا تمہارا کوئی خون یا مال ایسا ہے جس کا معاوضہ نہ ملا ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں' فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا باقی ماندہ احتیاطاً تمہیں دیتا ہوں' تاکہ یہ اس نقصان کا معاوضہ ہو جو آپ کو اور تمہیں معلوم نہیں ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس آئے اور سارا واقعہ سنایا' آپ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا' اچھا کیا۔[832]

سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمرو الخزاعی کی اپنے والد سے روایت میں ہے ان کے والد نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے طلب فرمایا' آپ کا فتح مکہ سے قبل ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال بھیجنے کا ارادہ تھا' آپ نے مجھ سے فرمایا: ساتھی تلاش کرو۔[833]

علامہ کتانی کہتے ہیں: "الاصابہ" میں حضرت سعد بن زید بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو بنو قریظہ کے چند قیدیوں کے ساتھ روانہ کیا وہ ان کے بدلے میں نجد سے گھوڑے اور ہتھیار خرید کر لائے۔[834]

وفود کی آمد' ان کی رہائش گاہیں اور ان سے متعلقہ امور

سیرت ابن ہشام میں ہے ابن اسحاق نے کہا ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا اور غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لے آئے' ثقیف مسلمان ہو گئے اور بیعت کر لی' جزیرۃ العرب کے ہر حصہ سے آپ کے پاس وفود آنے لگے۔[835]

مجھ سے ابوعبیدہ نے بیان کیا یہ ۹ھ کا واقعہ ہے' اس سال کو وفود کا سال کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: اہل عرب اسلام قبول کرنے کے معاملہ میں قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جنگوں کے فیصلہ کے منتظر تھے' کیونکہ قریش لوگوں کے امام' ہادی' حرم کے رہائشی اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی خالص نسل تھے' عرب کے

832۔ معضل ضعیف روایت۔ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۴۳۰' از حکیم بن حکیم از ابو جعفر محمد بن علی۔

833۔ ضعیف روایت۔ بخاری "التاریخ" ۳۹/۱/۴' ابوداؤد: ۴۸۶۱' احمد ج ۵ ص ۲۸۹' ابن سعد ج ۴ ص ۲۹۶' از ابن اسحاق از عیسیٰ بن معمر از عبداللہ بن عمرو بن الفغواء الخزاعی از والد خود۔ "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ" (۱۲۰۵) میں البانی کہتے ہیں: یہ اسناد دو وجہ سے ضعیف ہے۔ (۱) جہالت۔ ذہبی نے "المیزان" میں کہا ہے: عبداللہ بن الفغواء مجہول ہے اور حافظ نے "التقریب" میں اس کو مستور الحال کہا ہے۔ (۲) ابن اسحاق کا عنعنہ۔

834۔ الاصابہ ج ۱ ص ۲۸ (رقم: ۳۱۵۸) بحوالہ سیرت ابن اسحاق (ج ۲ ص ۲۴۵) بلا اسناد۔

835۔ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۵۵۹' بلا اسناد۔

قائدین ان کی ان خصوصیات کے معترف تھے' انجام کار جب مکہ فتح ہو گیا' قریش آپ کے قریب ہو گئے اور اسلام پھیل گیا' اہل عرب جان گئے ان میں رسول اللہ ﷺ سے عداوت رکھنے اور جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے' وہ ہر طرف سے فوج در فوج آپ کے پاس حاضر ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔[۸۳۶]

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وفود کی رہائش گاہیں

السمہودی کی ''الوفاء'' (ج ا ص ۵۵۵) میں ہے ابن شبہ نے بنو زہرہ کی حویلیوں کے ذکر میں کہا ہے: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حویلیوں میں سے سب سے بڑی حویلی حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی تھی' اسے دار کبریٰ (بڑی حویلی) کہا جاتا تھا' ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہ مہاجرین کی پہلی حویلی تھی' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کو اسی حویلی میں ٹھہراتے تھے' اسے دار الضیفان (مہمان خانہ) بھی کہا جاتا تھا۔ بعض مہمانوں نے اس میں چوری کر لی' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی' اعرج کے خیال کے مطابق نبی ﷺ نے بہ نفس نفیس اس کی بعض تعمیرات میں حصہ لیا تھا۔[۸۳۷]

(خلاصۃ الوفاء ص ۱۸۲)

ابوالربیع الکلاعی نے ''الاکتفاء'' میں واقدی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے' حبیب بن عمرو ہم سے حدیث بیان کرتے تھے کہ ہم وفد سلامان رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے' ہم سات افراد تھے' ہم مسجد کے دروازہ پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ مسجد سے کسی کے جنازہ کے لیے باہر تشریف لا رہے تھے' ہم نے آپ کو دیکھ کر کہا: یارسول اللہ! سلام' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام' تم کون ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہم سلامان کی قوم ہیں' ہم آپ کے پاس اسلام پر بیعت کرنے حاضر ہوئے ہیں اور ہم اپنی پیچھے رہنے والی قوم کے نمائندے ہیں' رسول اللہ ﷺ اپنے غلام ثوبان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ان کو وفود کی رہائش گاہ میں ٹھہراؤ' ثوبان رضی اللہ عنہ ہمیں بڑی سی حویلی میں لے گئے' جس میں کھجور کے درخت تھے' وہاں عرب کے دوسرے وفود بھی ٹھہرے ہوئے تھے' یہ حضرت رملہ بنت الحارث النجاریہ رضی اللہ عنہا کی حویلی تھی۔[۸۳۸]

''الاصابہ'' میں حضرت حبیب بن عمرو رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں واقدی کی سند سے یہ قصہ مذکور ہے' اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ یہ واقعہ شوال ۱۰ھ کا ہے۔

ابن اسحاق نے بنو قریظہ کے واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف فیصلہ دیا ان کو رملہ بنت الحارث النجاریہ رضی اللہ عنہا کی حویلی میں قید کیا گیا۔

ابن فتحون نے ذکر کیا ہے کہ عیینہ بن حصن اور ان کے ساتھیوں پر مشتمل بنو تمیم کا وفد اسی حویلی میں ٹھہرا تھا۔

---

۸۳۶ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۵۶۰' بلا اسناد۔

۸۳۷ عمر بن شبہ'' تاریخ المدینۃ'' ج ا ص ۱۳۵ (رقم: ۵۹۴) بلا اسناد۔

۸۳۸ ناقابل اعتماد روایت۔ واقدی از محمد بن یحییٰ بن سہیل۔ الخ (الاصابہ ج ا ص ۳۰۸' رقم: ۱۵۹۲) واقدی متہم بالکذب ہے اور اس کے اسناد میں محمد بن یحییٰ بن سہل کے آباء سے روایت ہے' جو مجہول الاسم ہیں۔

الطبری نے ذکر کیا ہے کہ بنوکلاب کا تیرہ افراد پر مشتمل وفد بھی اسی حویلی میں اترا تھا۔

''الاصابہ'' میں دورِ جاہلیت کے مشہور شہسوار حضرت حارث بن عوف المزنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں واقدی نے از عبدالرحمٰن بن ابراہیم المدنی از شیوخ خود منقول ہے کہ بنومرہ کا تیرہ رکنی وفد حضرت حارث بن عوف کی قیادت میں آیا' اس وقت رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آ چکے تھے' یہ لوگ بنت الحارث کی حویلی میں ٹھہرے۔[۸۳۹]

''طبقات ابن سعد'' میں بنوحنیفہ کے وفد کے سلسلہ میں مذکور ہے' یہ لوگ رملہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی حویلی میں اترے' ان کی ضیافت میں صبح و شام ایک بار روٹی اور گوشت' ایک بار روٹی اور دودھ اور ایک بار روٹی اور گھی لایا جاتا تھا۔

''المواھب'' میں بنوحنیفہ کے وفد میں مسیلمہ کذاب کی آمد بھی مذکور ہے۔[۸۴۰] اس کی رہائش بنوالنجار کی ایک انصاری خاتون کی حویلی میں تھی' زرقانی کہتے ہیں کہ مُنْزَل بطور مصدر میمی اور مُنْزِل دونوں طرح جائز ہے۔ پہلی صورت میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا اور دوسری صورت میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوگا' یعنی نبی ﷺ یا آپ کے کسی صحابی نے ان کے اترنے کا حکم دیا۔ برہان نے اس لفظ کو زاء کے فتح کے ساتھ ضبط کیا ہے' اور میم کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ اگر اس کو مُنْزِل پڑھیں گے تو اس سے جگہ مراد ہوگی۔ الخ

حافظ ابن حجر نے کہا ہے: بنوالنجار کی انصاری خاتون رملہ بنت الحدث ہیں' جیسا کہ ابن سعد وغیرہ کے ہاں ہے۔ حدث کا نسب یہ ہے: حدث بن ثعلبہ بن حدث بن زید الانصاری' حضرت رملہ رضی اللہ عنہا کی حویلی وفود کے ٹھہرنے کی جگہ تھی' آپ صحابیہ ہیں اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔ (فتح الباری' مقدمہ) اس میں سہیلی کا رد ہے کیونکہ وہ اس کے برخلاف کہتے ہیں' زرقانی کا یہ کہنا کہ آپ کا نام رملہ بنت الحدث ہے' گذشتہ روایات کے خلاف ہے' وہاں آپ کے والد کا نام الحارث ہے۔ ''الاصابہ'' (ص ۸۴) میں خواتین کے تذکروں میں ہے کہ آپ کے والد کا نام دونوں طرح مروی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مہمان خانے تیار کروائے اور ان کے لیے راشن مقرر کیا' وہاں آٹا' ستو' کھجوریں اور ضرورت کی دوسری چیزیں موجود رہتیں' جن سے تنگ دست اور زادِ راہ سے محروم مسافروں کی مدد کی جاتی' مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں' اسی طرح شام اور حجاز کے درمیانی راستہ میں ایسے مہمان خانے بنا دیئے گئے تھے جن سے خالی ہاتھ رہ جانے والے مسافروں کو زادِ راہ فراہم کیا جاتا تھا۔ تفصیلات کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت ملاحظہ کریں۔

---

۸۳۹ ناقابل اعتماد منقطع الاسناد روایت۔ الاصابہ ج ۱ ص ۲۸۶ (رقم: ۱۴۶۰) میں ہے' از واقدی نے' از عبدالرحمٰن بن ابراہیم المدنی از شیوخ خود روایت کیا ہے اور ابراہیم کے شیوخ مجہول ہیں' سو یہ اسناد معضل ہے۔

۸۴۰ تاریخ المدینۃ المنورۃ ج ۱ ص ۳۰۴۔۳۰۵۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وفد کے لیے خیمہ کی رہائش گاہ

ابن اسحاق نے سیرت میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ رمضان کے مہینہ میں تبوک سے واپس تشریف لائے' اسی مہینہ میں ثقیف کا وفد حاضر ہوا' ان کی آمد کی حدیث میں یہ ذکر کیا ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے' ان کے لیے مسجد کے ایک گوشے میں خیمہ لگا دیا گیا' جیسا کہ ان کا گمان ہے حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھے۔[841]

''الاصابہ'' میں حضرت سعید بن ربیعہ الثقفی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں یہ واقعہ بیان کیا ہے اور اسے ابن مندہ سے منسوب کیا ہے۔[842] اصابہ ہی میں حضرت علقمہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں یونس بن بکیر کی تخریج سے زیادات المغازی میں علقمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں ثقیف کے وفد میں تھا' ہمارے لیے خیمہ لگایا گیا' بلال رضی اللہ عنہ ہمارے لیے نبی ﷺ کے پاس سے کھانا لاتے تھے[843] اور کہا ہے: اسے بغوی اور طبرانی نے یونس کے طریق سے روایت کیا ہے۔ المواھب کی شرح میں ''باب الوفود'' میں علامہ زرقانی نے کہا ہے: ان کے لیے مسجد کے ایک گوشہ میں خیمہ اس لیے لگایا گیا تا کہ وہ قرآن سنیں اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں۔

بعض صحابہ کے ہاں وفد کا قیام

''الدلائل'' میں قاسم بن ثابت السرقسطی حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ثقیف کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے احلاف کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرایا اور بنو مالک کو آپ نے ایک خیمہ میں ٹھہرایا' آپ ہر رات ہمارے پاس تشریف لاتے تھے۔[844] سنن ابی داؤد میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

---

841 السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۵۳۹۔۵۴۰ بلا اسناد۔

842 ضعیف روایت۔ ابن مندہ ج ۲ ص ۴۵۔۴۶ (رقم: ۳۲۵۸) از طریق ابراہیم المختار از ابن اسحاق از عیسیٰ بن عبد اللہ از سعید بن ربیعہ۔ اس میں ابن اسحاق مدلس ہے۔

843 ضعیف روایت۔ ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۵۰۲ (رقم: ۵۶۷۱) میں ہے اس روایت کو یونس بن بکیر نے ''زیادات المغازی'' میں از اسماعیل بن ابراہیم انصاری' عبد الکریم' علقمہ بن سفیان کی سند سے روایت کیا ہے۔
طبرانی نے ''الاوسط'' (۳۲۱' مجمع البحرین) اور ''الکبیر'' (ج ۷ ص ۶۷۰۰) میں از علقمہ بن سفیان بن عبد اللہ ثقفی از والد خود روایت کیا ہے۔ طبرانی نے ''الکبیر'' (ج ۱۸ ص ۹) ہی میں اسے علقمہ بن سفیان سے روایت کیا ہے' نیز بزار نے ''کشف الاستار'' (رقم: ۹۸۱) میں اور ''زوائد البزار'': ۸۳ میں اس کو روایت کیا ہے۔ مگر وہاں علقمہ بن سہیل ثقفی مذکور ہے۔ ''مجمع الزوائد'' (ج ۳ ص ۱۵۲) میں ہے مجھے کسی عبد الکریم نامی شخص کا صحابی سے سماع نہیں ملا اور اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ (مخرج نے حافظ ابن حجر ابن عبد البر کی جرح نقل کرنے کے بعد اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مترجم)

844 ضعیف روایت۔ ابوداؤد: ۱۳۹۳' ابن ماجہ: ۱۳۴۵' احمد ج ۴ ص ۶۔۳۴۳' طبرانی ''الکبیر'' ج ۱ ص ۵۹۹' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حافظ شامی نے اپنی سیرت کی کتاب میں اس کو ابن ابی خیثمہ از یحییٰ بن عبد اللہ بن اوس از اوس رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے۔

''طبقات ابن سعد'' میں ہے ثقیف کے وفد میں شامل احلاف حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے' حضرت مغیرہ نے ان کا اکرام کیا' اور وفد میں شامل بنو مالک کے افراد کے لیے نبی ﷺ نے مسجد میں خیمہ لگوایا' رسول اللہ ﷺ ہر رات کو نماز عشاء کے بعد ان کے ہاں تشریف لاتے' ان کے پاس کھڑے ہو کر ان سے باتیں کرتے' بار بار اپنے پیر بدلتے (کبھی ایک پیر پر اور کبھی دوسرے پیر پر کھڑے ہوتے تھے) اور قریش کا شکوہ کرتے اور اس جنگ کا ذکر فرماتے جو آپ کے اور قریش کے درمیان تھی۔[845]

''طبقات ابن سعد'' میں عبد القیس کے تذکرہ میں ہے کہ عبد القیس کے وفد نے اپنی سواریاں حضرت رملہ بنت الحدث رضی اللہ عنہا کی حویلی کے ساتھ سامنے بٹھائیں' وفد ایسا ہی کرتے تھے' رسول اللہ ﷺ دس روز تک ان کی ضیافت فرماتے تھے۔ ''الاصابہ'' میں وفد نجران کی آمد کا ذکر ہے جو نصاریٰ کے معزز افراد پر مشتمل چودہ رکنی وفد تھا' رسول اللہ ﷺ نے ان کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حویلی میں ٹھہرایا۔

''الاصابہ'' میں حضرت عبد الرحمٰن بن ابی مالک الہمذانی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے وہ نبی ﷺ کے پاس آئے' آپ نے ان کو حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرایا۔[846]

''الاصابہ'' ہی میں عرب کے ایک دانش ور حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ان کے نبی ﷺ کے پاس حاضر ہونے اور اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے' حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت مرحمت فرمائیں' یہ میری والدہ کے ہاں ٹھہریں' آپ نے فرمایا: ہاں۔[847]

''الاصابہ'' میں حضرت یزید بن عبید السلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن شاہین سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس آئے' آپ کے پاس بنو فزارہ کا وفد آیا' ان میں خارجہ بن حصین اور حارث بن قیس بھی شامل تھے' حارث وفد کے سب سے کم سن فرد تھے' یہ لوگ حضرت رملہ بنت الحرث رضی اللہ عنہا کی حویلی میں ٹھہرے' یہ حدیث مرسل ہے۔[848]

(بقیہ حاشیہ: ۸۴۴) عمر بن شبہ ''تاریخ المدینۃ'' (رقم: ۸۷۸۔ ۸۷۹) از اوس بن حذیفہ' عبد اللہ بن عبد الرحمٰن کی وجہ سے یہ روایت ضعیف الاسناد ہے اور عثمان بن عبد اللہ کو صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ (ضعیف ابی داؤد: ۲۹۷)

۸۴۵ ضعیف روایت۔ عمر بن شبہ ''تاریخ المدینۃ'': ۸۷۴' از مرسل زہری۔ سیرت ابن اسحاق ج ۲ ص ۵۳۷۔ ۵۴۳' واقدی ''المغازی'' ج ۳ ص ۹۶۲۔ ۹۷۳ (بلا اسناد) ابن سید الناس ''عیون الاثر'' ج ۲ ص ۲۲۸' ابن کثیر ''السیرۃ النبویہ'' ج ۴ ص ۶۵۲۔ ۶۶۶' ابن القیم ''زاد المعاد'' ج ۳ ص ۴۹۸۔ ۵۰۱' طویل روایت۔

۸۴۶ ضعیف روایت۔ ابن السکن از طریق سلیمان بن عبد الرحمٰن از خالد بن یزید از والد خود از جد خود عبد الرحمٰن۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۴۲۱' رقم: ۵۱۹۵)

۸۴۷ ضعیف منقطع الاسناد۔ ابن شاہین از طریق المدائنی از ابی معشر (الاصابہ ج ۳ ص ۲۵۴' رقم: ۷۱۹۴)

۸۴۸ ضعیف مرسل روایت۔ ابن شاہین ''الصحابۃ'' از مرسل یزید بن عبید السلمی ابو وجزہ (الاصابہ ج ۳ ص ۶۸۲' رقم: ۹۴۴۹)

"الاصابہ" میں حضرت ابوصفرہ الازدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں منقول روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اپنے ایام خلافت میں وفود کو اسی حویلی میں ٹھہراتے تھے۔[۸۴۹]

الاصابہ میں حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ صحیح مسلم میں ہے حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا انصار کی دولت مند اور نہایت سخی خاتون تھیں' راہ خدا میں بہت خرچ کرتیں' مہمان انہی کے ہاں ٹھہرتے تھے۔[۸۵۰]

"طبقات ابن سعد" میں ہے ایلہ کا حکمران یُحَنہ بن رؤبہ جب اہل شام' یمن اور بحرین کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا' آپ نے اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرانے کا حکم فرمایا۔[۸۵۱]

"در السحابة" میں حضرت عثمان بن قیس بن ابی العاص السہمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: آپ مصر کے پہلے قاضی تھے' آپ معزز فرد اور سخی تھے۔ "مرآۃ الزمان" میں ہے آپ ہی نے سب سے پہلے مصر میں لوگوں کی ضیافت کے لیے حویلی بنوائی۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وفود کے امور کے نگران

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ اور ثقیف کے وفد کے درمیان رابطہ افسر تھے۔

مؤلف کہتے ہیں: وفد کے ارکان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آنے والا کھانا اس وقت تک نہ کھاتے جب تک حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس میں سے تناول نہ کرتے۔ اسے زرقانی نے المواھب اللدنیه کی شرح میں نقل کیا ہے' اس میں ابن اسحاق کے حوالہ سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کے لیے رمضان کے دنوں میں سحری اور افطاری کا انتظام کرتے تھے' جن ایام میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزہ رکھا کرتے تھے اور نبی ﷺ نے اپنے غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کو بنو سلامان کے وفد کو اس حویلی میں ٹھہرانے کا حکم فرمایا جس میں وفود ٹھہرا کرتے تھے۔

"طبقات ابن سعد" میں وفد تجیب کے تذکرہ میں ہے نبی ﷺ نے ان کو خوش آمدید کہا' ان کو بہترین رہائش دی' ان سے اظہار محبت فرمایا اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ان کی بہترین ضیافت کریں اور ان کو عطیے دیں اور آپ نے ان کو دیگر وفود کے عطایا کے مقابلہ میں زیادہ عطیے مرحمت فرمائے۔[۸۵۲]

"طبقات ابن سعد" ہی میں ہے یمن کے ایک بادشاہ وائل بن حجر القَیل (حمیر کے بادشاہوں کا لقب) رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئے' آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے

---

۸۴۹ الاصابہ ج ۴ ص ۱۰۸۔۱۰۹' رقم: ۶۵۲۔

۸۵۰ صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۹۴۲' از فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۶۵' رقم: ۱۳۴۵)

۸۵۱ السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۵۲۵' بلا اسناد۔

۸۵۲ ابن سید الناس "عیون الاثر" ج ۲ ص ۲۴۶۔۲۴۸' بلا حوالہ۔ شرح المواھب ج ۴ ص ۵۰۔۵۱' ابن سعد ج ۱ ص ۳۲۳۔

وائل رضی اللہ عنہ کو حیرہ کی ایک حویلی میں ٹھہرایا۔[853] یہاں دونوں کے درمیان عجیب واقعہ ہوا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ''طبقات ابن سعد''۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وفود کو زادِ راہ کی فراہمی کا حکم

بیہقی نے حضرت نعمان بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بتایا: ہم چار سو افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا' آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عمر! قوم کو زادِ راہ دو' انہوں نے عرض کیا: میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں' میرا خیال ہے ان لوگوں کو کفایت نہیں کریں گی' آپ نے فرمایا: جاؤ ان کو زادِ راہ دو' وہ لوگوں کے ساتھ گئے ان کو ایک گھر میں داخل کیا پھر ان کو بالا خانے میں لے گئے' جب ہم وہاں داخل ہوئے' وہاں ہم نے سفید مائل بہ سیاہی اونٹ جیسی کھجوریں دیکھیں' قوم نے حسب ضرورت کھجوریں لے لیں' حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس بالا خانہ سے باہر نکلنے والا آخری فرد تھا' میں نے دیکھا کھجوروں کا ایک دانہ بھی کم نہ ہوا تھا۔[854]

(تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں' شرح المواھب ص ۴۳' وفود کا سفر)

وفود کے لیے رسول اللہ ﷺ کے عطایا

امام بخاری نے کتاب الجہاد میں ''جوائز الوفود'' کے زیر عنوان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے وصال کے وقت تین باتوں کی وصیت فرمائی' ان میں یہ بھی فرمایا کہ وفد کو عطیہ دو جیسے میں ان کو عطیہ دیتا تھا۔[855]

''طبقات ابن سعد'' (القسم الثانی' ج ۱ ص ۱۸) میں ہے رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کی طرف سے عمان کے گورنر حضرت فروہ بن عمرو الجذامی رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ اور نش چاندی عطیہ فرمائی۔ یہ پانچ سو درہم بنتے ہیں۔[856]

طبقات ہی میں ہے جب بنو تمیم کا وفد حاضر خدمت ہوا رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسی طرح عطیات دینے کا حکم فرمایا جس طرح آپ وفد کو عطیات سے نوازتے تھے۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ بنو نجار کی ایک خاتون نے کہا: میں اس روز وفد کو دیکھ رہی تھی وہ بلال رضی اللہ عنہ سے بارہ اوقیہ اور نش چاندی حاصل کر رہے تھے' میں نے ان کے سب سے چھوٹے لڑکے یعنی عمرو بن الاھتم رضی اللہ عنہ کو پانچ اوقیہ چاندی بطور عطیہ لیتے ہوئے دیکھا۔[857]

---

۸۵۳ الاصابہ ج ۳ ص ۶۲۸۔ ۶۲۹' رقم: ۹۱۰۰

۸۵۴ صحیح حدیث۔ احمد ج ۵ ص ۴۴۵' طبرانی ''مجمع الزوائد'' ج ۸ ص ۳۰۴ میں ہے اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

۸۵۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۰۵۳' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

۸۵۶ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۵۹۲' ابن سید الناس ''عیون الاثر'' ج ۲ ص ۲۴۴' ابن القیم الجوزیہ ''زاد المعاد'' ج ۳ ص ۶۴۶۔

۸۵۷ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۵۶۲۔ ۵۶۷' زاد المعاد ج ۳ ص ۵۱۲۔ ۵۱۴'' صحیح السیرۃ النبویہ'' شیخ ابراہیم العلی ص ۵۰۰۔

"طبقات ابن سعد" ہی میں وفد عبدالقیس کے بارے میں ہے جب یہ وفد نبی ﷺ کی خدمت میں آیا' آپ نے ان کو عطیات دینے کا حکم دیا اور عبداللہ الاشج رضی اللہ عنہ کو ان پر فضیلت دی اور ان کو بارہ اوقیہ اور نش چاندی عطا فرمائی۔[۸۵۸]

"المواھب" میں ہے وفد بھراء (یہ قضاعہ کا ایک قبیلہ ہے) تیرہ افراد پر مشتمل تھا' یہ کئی روز اقامت پذیر رہے' پھر یہ رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہوئے تو آپ نے ان کو عطیات دینے کا حکم فرمایا۔[۸۵۹] زرقانی کہتے ہیں: اس کی مقدار نہیں بتائی گئی۔

"المواھب" ہی میں تیرہ رکنی وفد غسان کا ذکر ہے' یہ لوگ مسلمان ہو گئے' نبی ﷺ نے ان کو عطیات مرحمت فرمائے اور یہ لوگ واپس چلے گئے۔[۸۶۰] قضاعہ کی ایک شاخ سلامان کا وفد سات افراد پر مشتمل تھا' حضور ﷺ نے ان کو عطیات دینے کا حکم دیا۔[۸۶۱] زرقانی ذکر کرتے ہیں ان میں سے ہر فرد کو پانچ اوقیہ چاندی دی گئی اور بلال رضی اللہ عنہ نے معذرت کی کہ آج ان کے پاس مال نہیں ہے' راوی کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: یہ کس قدر زیادہ اور کتنا پاکیزہ مال ہے۔

یمن کے قبیلہ ازد کی شاخ غامد کے وفد میں دس افراد تھے' انہوں نے اسلام کا اقرار کیا' آپ نے ان کو شرائع اسلام پر مبنی مکتوب عنایت فرمایا' حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ان کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان کو عطیات دیئے۔[۸۶۲] علامہ زرقانی نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ وفود کو عطیات سے نوازتے تھے' ان کی مقدار مخصوص نہ تھی' حسب حالت یہ عطیہ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا تھا' جتنا مال زیادہ ہوتا اس کے اعتبار سے عطیہ ہوتا' آپ نے پانچ' دس' بارہ اوقیہ اور اس سے زائد بھی عطیات دیئے ہیں۔

"طبقات ابن سعد" میں بنوحنیفہ کے وفد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے: جب انہوں نے اپنے علاقوں کو واپس جانے کا ارادہ کیا' نبی ﷺ نے ان کے ہر رکن کو پانچ اوقیہ چاندی دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمارا ایک ساتھی ہماری سواریوں کی نگہداشت اور ہمارے سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے بھی موجود ہے۔ حضور ﷺ نے اس کے لیے بھی ان لوگوں کے برابر عطیہ کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: تمہاری سواریوں اور سامان کا محافظ بھی تم سے بُرے مقام کا مالک نہیں' یہ آدمی مسیلمہ کذاب تھا۔[۸۶۳]

"الطبقات" میں اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے عطیات کا

---

۸۵۸ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ص ۵۷۵' زاد المعاد ج ۳ص ۶۰۵۔۶۰۶' صحیح السیرۃ النبویہ ص ۵۰۴۔

۸۵۹ زاد المعاد ج ۳ص ۶۵۵۔۶۵۶' از واقدی۔ ابن سید الناس "عیون الاثر" ج ۲ص ۲۵۱' شرح المواھب ج ۴ص ۵۶' ابن سعد ج ۱ص ۳۳۱۔

۸۶۰ شرح المواھب ج ۴ص ۶۱' طبقات ابن سعد ج ۱ص ۳۳۰' ابن سید الناس ج ۲ص ۲۵۶۔۲۵۷' زاد المعاد ج ۳ص ۶۶۹۔

۸۶۱ عیون الاثر ج ۲ص ۲۵۷' شرح المواھب ج ۴ص ۶۱۔۶۲' ابن سعد ج ۱ص ۳۳۲' زاد المعاد ج ۳ص ۶۶۹۔۶۷۰۔

۸۶۲ ابن سید الناس ج ۲ص ۲۵۷۔۲۵۸' شرح المواھب ج ۴ص ۶۳' ابن سعد ج ۱ص ۳۴۵' زاد المعاد ج ۳ص ۶۷۱۔

۸۶۳ طبقات ابن سعد ج ۱ص ۳۱۶' سیرت ابن ہشام ج ۲ص ۵۷۶۔۵۷۷' زاد المعاد ج ۳ص ۶۱۰۔۶۱۱۔

حکم دیا اور حضرت عبداللہ الاشج کو ان پر فضیلت دی' ان کو بارہ اوقیہ اور نش عطا فرمایا' یہ رسول اللہ ﷺ کا کسی وفد کے لیے سب سے زیادہ عطیہ تھا۔[۸۶۴] (سبل الہدیٰ والرشاد)

وفود سے ملاقات کے وقت رسول اللہ ﷺ کا عمدہ لباس زیب تن فرمانا

ابونعیم اور واقدی نے حضرت جندب بن مکیث الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی وفد آتا' آپ اپنا بہترین لباس زیب تن فرماتے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیتے تھے' میں نے دیکھا آپ کے پاس کندہ کا وفد آیا' آپ نے یمنی حلہ زیب تن فرمایا' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ایسے حلّے پہنے ہوئے تھے۔[۸۶۵] کنز العمال میں وفود کے بیان میں یہ روایت موجود ہے' طبقات ابن سعد میں حضرت جندب بن مکیث رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بھی یہ روایت مذکور ہے' ابن سعد کے شیخ' محمد بن عمر اسلمی' کتاب الوفود میں اسے لائے ہیں۔ ''**سبل الهدى و الرشاد**'' میں حافظ شامی کہتے ہیں: ابن سعد نے اس حدیث کے فوائد کو جمع نہیں کیا۔ ''**الاصابه**'' میں حضرت علقمہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملاحظہ کیجئے۔

مسافروں کے لیے سرائیں اور ہوٹل

بعض اہل علم نے اس ارشاد ربانی سے سرائے اور ہوٹل کا ذکر مستنبط کیا ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ ۔ ایسے گھروں میں جانا تم پر کچھ گناہ نہیں جو رہائشی نہ ہوں۔ (النور:۲۹)

اسے الروضی نے ''**شرح الانموذج**'' میں اور دیگر متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے۔

''**طبقات ابن سعد**'' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دار الرقیق اور بقول بعض دار الدقیق بنائی تھی' اس میں آٹا' ستو' کھجور' کشمش اور ضرورت کی دیگر اشیاء موجود ہوتیں' ان سے زادِ راہ سے محروم کی مدد کی جاتی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مہمان بھی اسی جگہ ٹھہرائے جاتے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں ایسا انتظام فرمادیا تھا جس سے مسافروں کی مدد کی جاتی' ان کو زادِ راہ فراہم کیا جاتا اور ایک منزل سے دوسری منزل تک سواری اور پانی کا بندوبست ہوتا۔ (ج ۳ ص ۲۰۳)

طبقات ابن سعد میں ہے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیانی راستہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عمارتیں بنانے کی اجازت طلب کی گئی' آپ نے ان لوگوں کو اجازت دی اور فرمایا: مسافر پانی اور سایہ کا زیادہ حق دار ہے۔
(ج ۳ ص ۳۰۰)

---

۸۶۴ صحیح السیرۃ النبویہ ص ۵۰۴ تا ۵۰۷

۸۶۵ ضعیف روایت واقدی متہم بالکذب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہسپتال اور خواتین نرسیں

''الصحاح''میں کہا ہے:''المارستان''ہسپتال کو کہتے ہیں' یہ لفظ معرب ہے۔زاہد العلماء ابوسعید نصر بن عیسیٰ نے کہا: سب سے پہلا ہسپتال بقراط نے قائم کیا' اس نے گھر کے قریب باغ میں مریضوں کے لیے ایک جگہ مختص کی ہوئی تھی جس میں اس کے خادم مریضوں کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ کرتے تھے۔

''صحیح مسلم''میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے غزوۂ خندق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قریش کے ایک شخص کا تیر لگا' رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا' آپ قریب رہ کر ان کی عیادت کرتے تھے۔[۸۶۶] ابن اسحاق نے سیرت میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں بنو اسلم کی خاتون رفیدہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو رکھا۔ رفیدہ رضی اللہ عنہا زخمیوں کا علاج کرتی تھیں' انہوں نے اپنی خدمات بیمار اور زخمی مسلمانوں کے لیے وقف کی ہوئی تھیں۔[۸۶۷]

یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہسپتالوں کے قیام پر ہمارے علم میں وسعت پیدا کرتی ہے' مسلمان حکمرانوں میں سب سے پہلا ہسپتال ۸۸ھ میں ولید بن عبد الملک نے بنایا' اس میں طبیب مقرر کیے اور ہسپتال کے اخراجات کے لیے رقم مختص کی' کوڑھیوں کو وہاں رکھنے کا حکم دیا اور وہاں سے جانے کی ممانعت کر دی' ان کے لیے اور نابینا افراد کے لیے روزینے مقرر کر دیئے۔

مؤلف کتاب کہتے ہیں: یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ولید نے سب سے پہلے شفاخانے قائم کرنے کی کوشش کی اور اسے جدید انداز اور وسعت دی اور اپنی شاہانہ حیثیت کے مطابق اس کے لیے دولت خرچ کی' ورنہ ''الاصابہ'' کی روایت کے مطابق حضرت رفیدہ انصاریہ یا اسلمیہ نے ابن اسحاق کی روایت کے مطابق غزوۂ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے پر ان کا علاج کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اسے رفیدہ کے خیمہ میں رکھو جو مسجد میں تھا تاکہ میں قریب رہ کر اس کی عیادت کروں' یہ خاتون زخمیوں کا علاج کرتی تھیں اور اس نے خود کو زخمی اور بیمار مسلمانوں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔[۸۶۸]

امام بخاری نے ''الادب المفرد''میں کہا ہے: ہم سے ابونعیم نے از ابن الغسیل از عاصم بن عمر بن قتادہ از محمود بن لبید حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: غزوۂ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اکحل (بازو کی ایک رگ) میں زخم لگا' کہا گیا: اسے رُفیدہ کے پاس منتقل کر دو یہ خاتون زخمیوں کا علاج کرتی تھیں' رسول اللہ ﷺ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتے تو دریافت فرماتے: تم نے کیسے صبح کی' تم نے کیسے شام کی (ان کی

---

۸۶۶ تخریج حدیث۔ بخاری:۴۶۳' ۲۸۱۳۔ ۳۹۰۱۔ ۴۱۱۷۔ ۴۱۲۲' مسلم:۱۷۶۹' ابوداود:۳۱۰۱' نسائی ج۲ص۴۵' ترمذی:۱۷۹۱' ابن ماجہ: ۱۷۷۱' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۸۶۷ السیرۃ النبویہ ج۲ص۲۳۹' بلا اسناد۔

۸۶۸ تخریج گزر چکی ہے۔ (الاصابہ ج۴ص۳۰۲' رقم۴۴۴)

تکالیف کے متعلق سوال فرماتے)‘ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کو اپنی کیفیت بتاتے۔[۸۶۹]

امام بخاری نے ”تاریخ“ میں اس روایت کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کے واقعہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ المستغفری نے اسے امام بخاری کی روایت سے اور ابوموسیٰ نے اس حدیث کو المستغفری کے طریق سے روایت کیا ہے۔[۸۷۰]

”الاصابہ“ میں حرف الکاف میں حضرت کعیبہ بنت سعید اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے‘ آپ حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔[۸۷۱]

معالج‘ حکیم‘ ڈاکٹر (طبیب)

ابن الجوزی نے ”صفوۃ الصفوۃ“ میں ہشام بن عروہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے امی! شعر کے بارے میں آپ کا علم میرے لیے باعث تعجب نہیں کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں جو لوگوں میں شعر کے سب سے بڑے عالم تھے‘ مجھے طب (علاج معالجہ‘ دوادارو) کے متعلق آپ کے علم پر تعجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنی آخری عمر میں بیمار ہوتے اور آپ کے پاس عرب کے تمام اطراف سے وفود آتے تھے‘ وہ آپ کو مختلف علاج بتاتے تھے‘ میں ان طریقوں سے آپ کا علاج کرتی تھی‘ اس طرح مجھے مہارت حاصل ہوئی۔[۸۷۲]

”الاصابہ“ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہشام بن عروہ کی اپنے والد سے روایت میں ہے کہ میں نے فقہ‘ طب اور شعر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔[۸۷۳]

ابوالحسن بن طرخان الحموی کی کتاب ”الاحکام النبویہ“ میں ہے نبی ﷺ صحت اور مرض ہر حالت میں اپنا علاج جاری رکھتے تھے‘ حالت صحت میں احتیاطی تدابیر اختیار فرماتے جیسے ورزش‘ کم کھانا‘ تازہ کھجور کو کھیرے‘ ککڑی یا خربوزے کے ساتھ ملا کر کھاتے[۸۷۴] اور یہ فرماتے کہ اس کی حرارت اس کی برودت کو اور اس کی برودت اس کی حرارت کا دفعیہ کرے گی۔[۸۷۵] ہر رات کو سوتے وقت اثمد سرمہ لگاتے۔[۸۷۶] شدید گرمی کے موسم میں نماز

۸۶۹ صحیح حدیث۔ بخاری ”الادب المفرد“ از محمود بن لبید رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۳۰۲‘ رقم: ۴۲۴)

۸۷۰ الاصابہ ج ۴ ص ۳۰۲۔ رقم: ۴۲۴۔

۸۷۱ الاصابہ ج ۴ ص ۳۹۶‘ رقم: ۹۲۹۔

۸۷۲ ”الاستیعاب“ علی ھامش ”الاصابہ“ ج ۴ ص ۳۵۸‘ احمد ج ۶ ص ۶۷‘ از ہشام بن عروہ از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ مقبول الاسناد حدیث۔ (الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۱۷۸)

۸۷۳ الاصابہ ج ۴ ص ۳۵۹۔ ۳۶۱‘ رقم: ۷۰۴۔

۸۷۴ صحیح حدیث۔ بخاری: ۵۴۴۹‘ مسلم: ۲۰۴۳‘ ابوداوٗد: ۳۸۳۵‘ ترمذی: ۱۸۴۵‘ ابن ماجہ: ۳۳۲۵‘ از عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ۔

۸۷۵ صحیح حدیث۔ ابوداوٗد: ۳۸۳۶‘ ترمذی: ۱۸۴۴‘ الشمائل ج ۱ ص ۲۹۶‘ از عائشہ رضی اللہ عنہا

۸۷۶ ضعیف روایت۔ ابوداوٗد: ۲۳۷۷‘ نعمان بن معبد بن ہوذہ راوی مجہول ہے۔ ابوداوٗد کہتے ہیں: مجھ سے یحییٰ بن معین نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے۔

ظہر میں تاخیر کرتے اور فرماتے: اسے ٹھنڈا کرو۔[۸۷۷]

حالت بیماری میں آپ کا علاج کرنا بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے' ان میں حضرت عروہ کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماریاں بڑھ گئیں' آپ کے پاس عرب وعجم کے معالج حاضر ہوتے' مختلف اشیاء کی خصوصیات بیان کرتے' ہم اس سے رسول اللہ ﷺ کا علاج کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں بیمار رہتے تھے' آپ کے پاس عرب کے ہر گوشے سے وفود آتے' وہ آپ کو مختلف چیزوں سے علاج بتاتے تھے' میں ان چیزوں سے آپ کا علاج کرتی تھی۔ اس سے ہمارا یہ مدعا ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ صحت اور مرض ہر حالت میں اپنا علاج معالجہ جاری رکھتے تھے' آپ نے خود اپنا علاج کیا اور متعدد احادیث صحیحہ کے مطابق علاج کرانے کا حکم دیا۔

''المواهب'' میں ہے رسول اللہ ﷺ غذاؤں اور ان کے طبعی اثرات کا خیال رکھتے اور طب کے قاعدہ کے مطابق ان کو استعمال فرماتے تھے' جب کسی غذائی چیز کی حرارت یا برودت درستی اور اعتدال کی محتاج ہوتی آپ اس کو اعتدال پر لانے اور اس کے مزاج کو قابل قبول بنانے کے لیے اس کا توڑ اور بدرقہ فرماتے تھے۔ مرکبات اور ادویات میں یہ عظیم بنیادی چیز ہے۔ ورنہ آپ بقدر ضرورت غذائی اشیاء استعمال فرماتے ان میں اسراف نہ کرتے (حد سے نہ بڑھتے)۔

ابو عبداللہ الکنسوس المراکشی کی تالیف ''الجیش العرمرم الخماسی'' کے آخر میں ہے سید المتوکلین ﷺ نے علاج معالجہ کو مشروع فرمایا ہے' آپ خود بھی علاج کرتے اور دوسروں کو بھی علاج کرانے کا حکم فرماتے' یہاں تک کہا گیا ہے: آپ کی وہ ہنڈیا جس میں آپ کی دوائیاں تیار کی جاتی تھیں' آگ سے نہ اترتی تھی۔

''سنن ابی داؤد'' میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں بیمار ہوا' نبی ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے' آپ نے میرے دو پستانوں کے درمیان ہاتھ رکھا' جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں پائی اور فرمایا: تمہیں دل کی تکلیف ہے' ثقیف کے بھائی حرث بن کلدہ کے پاس جاؤ وہ معالج آدمی ہے۔[۸۷۸] سنن ابی داؤد کے شارح کہتے ہیں: یعنی وہ ہر مرض کا معالج ہے یا خاص اس مرض کے علاج کا ماہر ہے۔

حافظ ذھبی نے ''التجرید'' میں حرث کے تذکرہ میں کہا ہے: کہا گیا ہے حرث نے حجۃ الوداع میں سعد رضی اللہ عنہ کا علاج کیا تھا' ابن سعد کی بلا سند روایت میں ہے کہ حرث ہر بیمار کو اپنے پاس آنے کو کہتے اور اس سے اس کی بیماری دریافت کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج۵ ص۳۷۲)

ابن طرخان نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حارث بن کلدہ کے کھانا کھانے کا واقعہ بیان کرنے کے

۸۷۷۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۵۳۳۔۵۳۴۔۵۳۶' مسلم: ۶۱۵' ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۲۴۔۳۲۵' احمد ج۲ ص۲۵۶۔۲۹۹' مالک ج۱ ص۱۶' عبدالرزاق: ۲۰۵۱' حمیدی: ۹۴۲' شافعی ج۱ ص۴۸' ابن ماجہ: ۶۷۷' ابن خزیمہ: ۳۲۹' ابن حبان: ۱۵۰۶' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

۸۷۸۔ ابوداؤد: ۳۸۷۵' بہ اسناد جید۔ حدیث کے آخر میں ہے: حضور ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کی سات عجوہ کھجوریں گٹھلیوں سمیت پیس کر ان کا لیپ لگانے کو فرمایا۔

بعد اور ان کا یہ قول ذکر کرنے کے بعد کہ ہم نے ایسا زہر کھایا ہے جو سال میں اثر کرے گا اور پھر دونوں کا ایک ہی دن میں انتقال ہوا۔ کہا ہے کہ حارث بن کلدہ طائف کے رہنے والے تھے' عرب کے فاضل اطباء میں شامل تھے۔ انہوں نے دورِ جاہلیت میں فارس کا سفر کیا' وہاں سے طب کی تعلیم حاصل کی اور اہل جندی سابور وغیرہ سے یہ علم حاصل کیا' انہوں نے اس پیشہ میں مہارت حاصل کی اور اہل فارس کے علاج سے کثیر دولت کمائی' لوگ ان کے علم اور مہارت کے معترف تھے اور بہ حیثیت معالج ان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی' پھر اپنے وطن کو لوٹ آئے اور عربوں میں ان کا چرچا ہوا' حارث نے اسلام کا زمانہ پایا' رسول اللہ ﷺ بیماروں کو ان کے پاس جانے کا فرماتے' وہ ان سے بیماری کے متعلق دریافت کرتے تھے۔

ابن القیم نے ''الھدی النبوی'' میں کہا ہے: حارث عرب کے معالج بلکہ سب سے بڑے طبیب تھے' وہ اپنی قوم کے بقراط تھے۔

ابن مندہ نے از طریق اسماعیل بن محمد بن سعد ان کے والد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے' نبی ﷺ نے ان کی عیادت کی اور فرمایا: مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ تجھے شفاء عطا فرمائے گا' پھر حارث بن کلدہ سے فرمایا: سعد کا علاج کرو۔[۸۷۹]

ابن ابی حاتم نے کہا: حرث کا مسلمان ہونا صحیح نہیں۔ ابن عبد البر نے ''الاستیعاب'' میں کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے کہ ماہر کافر ڈاکٹر اور معالج سے علاج کے سلسلہ میں مشورہ لینا جائز ہے۔

حافظ المنذری نے ''اختصار السنن'' میں وزیر ابوالحسن بن یوسف القفطی نے ''اخبار الحکماء'' میں ابن خلکان نے ''وفیات الاعیان'' میں ابن بادیس نے ''شرح المختصر'' میں علامہ خزاعی نے یہاں اور ائمہ کی جماعت نے اسے نقل کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔

''الاصابہ'' میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس میں ذمیوں سے علاج معالجہ میں مدد طلب کرنے پر دلالت ہے۔[۸۸۰]

اصابہ کی یہ عبارت ''حواشی المواھب'' میں نور علی الشبر املسی میں ان کے شیخ شمس الشوبری الشافعی کے واسطہ سے منقول ہے' وہ اس کے بعد لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ قول ائمہ کی اس نص کے منافی ہے جس میں انہوں نے ذمی سے علاج کرانے کو ناجائز کہا ہے' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دواء اور اس کے استعمال میں ذمیوں کی تقلید ممنوع ہے' یہاں مرض کی تشخیص نبی ﷺ نے خود فرمائی صرف دوا کی تیاری میں ان سے مدد طلب کی۔

''مسند احمد'' میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت اس بارے میں صراحت کے درجہ میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی ﷺ کی بیماریاں زیادہ ہو گئیں' آپ کے پاس عرب اور عجم کے اطباء آتے اور آپ کو ان بیماریوں کے علاج بتاتے' پھر ہم ان چیزوں سے آپ کا علاج کرتے تھے۔ شمس السفارینی نے ''غذاء الالباب'' (ج ۱ ص ۳۹۲) میں امام احمد کے حوالہ سے اسے اسی طرح ذکر

۸۷۹ صحیح حدیث۔ ابن مندہ از سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۲۸۸' رقم: ۱۴۷۵)

۸۸۰ الاصابہ ج ۱ ص ۲۸۸' رقم: ۱۴۷۵۔

کیا ہے۔

''طبقات ابن سعد ''میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار رہتے تھے' اہل عرب آپ کے لیے علاج تجویز کرتے' پھر آپ کا ان کی تجویز کردہ اشیاء سے علاج کیا جاتا' اہل عجم بھی آپ کے لیے دوائیاں تجویز کرتے تھے' پھر ان اشیاء سے آپ علاج کرتے تھے۔[۸۸۱] (القسم الثانی' ج ا ص ۱۱۶)

ابن طرخان کی ''الاحکام النبویہ ''کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول اسانید صحیحہ سے مروی ہے' دوسرے مقام پر ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ ہمیشہ علاج جاری رکھتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت اہل عجم کی اکثریت کافر تھی' اس کے باوجود نبی ﷺ ان کے بااعتماد آدمیوں پر بھروسہ فرماتے تھے' اس حدیث سے ہمیں یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ عجمی اطباء حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

اہل عجم خود بخود آتے تھے' کسی ضرورت کے تحت آتے تھے' کسی مطلب کے لیے آتے تھے یا سفیر بن کر آتے تھے' اس عبارت میں سب کے لیے گنجائش ہے۔

''المدارک ''میں قاضی عیاض نے شیخ ابواسحاق الجنبیانی کے تعارف میں کہا ہے کہ ابو یحییٰ القابسی نے کہا: جب ہم ان کے ہاں سے باہر نکلے ایک بچے کے ہاتھ سے جانور بھاگ نکلا' اس جانور کو اس نے ہمارے لیے پکڑا ہوا تھا' میں نے کہا: تم نے یہ جانور ایسے بچے کے حوالہ کر دیا جو اسے سنبھال نہیں سکتا تھا' اس طرح جانور ضائع ہو گیا' ابواسحاق نے مجھ سے کہا: تو نے بچے کی غیبت کی ہے' میں نے کہا: یہ غیبت نہیں' بلکہ حقیقت حال کا اظہار ہے' سنت میں اس کی اباحت کی دلیل ہے' وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے ایک خاتون نے نکاح کے بارے میں مشورہ لیا اور اس سلسلہ میں دو آدمیوں کے پیغام کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: رہے ابوجہم تو وہ اپنی گردن سے لاٹھی نہیں اتارتے (بہت پیٹتے ہیں) اور رہے معاویہ تو وہ مفلس شخص ہے اس کے پاس مال نہیں[۸۸۲] انہوں نے مجھ سے کہا: یہ دلیل درست نہیں کیونکہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے' نیز اس خاتون نے آپ سے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا مشورہ لیا تھا' ہمارا مسئلہ یہ نہیں ہے' بلکہ سنت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس دو نصرانی آئے جب وہ باہر نکلے تو آپ نے فرمایا: اگر یہ غیبت نہ ہوتی تو میں تم کو بتاتا ان میں سے زیادہ ماہر طبیب کون سا ہے؟[۸۸۳] ابوالحسن کہتے ہیں: مجھے اس سے پہلے ان کا نصرانی ہونا معلوم نہ تھا۔

ابن عرفہ نے اپنی تفسیر میں ارشاد ربانی ''وَلَا تَجَسَّسُوا ''(الحجرات:۱۲) کے تحت اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ احتمال ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہو دونوں طبیب مطلوبہ غرض کے متعلق برابر علم رکھتے ہیں' البتہ ان میں سے ایک بعض امراض اور ان کے علاج میں تخصص رکھتا ہے (اسپیشلسٹ ہے)' اس تخصص کا نہ ہونا کسی معالج

---

۸۸۱ طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۱۶' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۸۸۲ صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۴۸۰' مالک ج ۲ ص ۵۸۰' شافعی ''الرسالۃ'': ۸۵۶' از فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔

۸۸۳ غیر صحیح روایت۔ مجھے یہ حدیث کہیں نہیں ملی۔ واللہ اعلم

کے لیے باعث ضرر نہیں اور اس سے اس کی علاج معالجہ کی صلاحیت میں نقص نہیں آتا' دوسرے کا تخصص ذکر کر کے کسی معالج کا ذکر کرنا البتہ غیبت ہو سکتا ہے اور اگر کسی اسپیشلسٹ کا اس کے تخصص اور مہارت کے حوالہ سے ذکر کیا جائے تو ظاہر ہے یہ اس کی تعریف ہے' غیبت نہیں ہے۔

قاضی عیاض کے قابسی سے منقول قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے پاس دو نصرانی معالج حاضر ہوئے تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں حضرت معیقیب الدوسی کے تذکرہ میں محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے کوڑھی کے ساتھ کھانا کھانا روایت کیا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر معالج سے علاج دریافت فرماتے تھے[۸۸۴] یہ قصہ بالتفصیل کنز العمال ج ۵ ص ۱۹۱ میں موجود ہے۔

امام مالک' ابن ابی شیبہ' ابن جریر' الخرائطی نے ''مکارم الاخلاق'' میں اور بیہقی نے حضرت عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آئے' وہ بیمار تھیں اور ایک یہودی عورت ان پر دَم کر رہی تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر اللہ عزوجل کی کتاب سے دَم کرو۔

ابن جریر نے حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر دَم کر رہی تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے' آپ دم کرنے کو ناپسند کرتے تھے' آپ نے فرمایا: اس پر کتاب اللہ سے دم کرو۔

امام ابن مفلح الحنبلی نے اپنی کتاب ''الآداب الشرعیۃ الکبریٰ'' میں کافر اور ذمی سے علاج کرانے پر قائم کردہ فصل میں ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے' اگر نصرانی یا ذمی معالج ماہر' قابل اعتماد اور عادل ہو تو اس سے علاج کرانا جائز ہے' جس طرح اسے مال کا امین بنانا اور اس سے لین دین کرنا جائز ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ (آل عمران:۷۵)

اور (اے مخاطب!) اہل کتاب سے کوئی وہ ہے اگر تو اس کے پاس مال کا ڈھیر امانت رکھ دے تو وہ تجھے ادا کر دے گا۔

صحیح البخاری میں ہے ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ نے ایک یہودی[۸۸۵] کو بطور ماہر راہبر اجرت پر رکھا تھا'[۸۸۶] آپ نے اسے اپنی جان اور مال پر امین بنایا تھا' خزاعہ کے مسلم اور کافر سب رسول اللہ ﷺ کے راز دار تھے' مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حارث بن کلدہ سے علاج کرایا' حالانکہ وہ کافر تھا۔

جب کسی کے لیے مسلمان معالج سے علاج کرنا ممکن ہو یا کسی مسلمان کو امین بنانا اور اس سے لین دین ممکن ہو تو پھر مسلمان کو چھوڑ کر غیر مسلم سے رجوع کرنا مناسب نہیں ہے' لیکن بوقت ضرورت ایسا کرنا جائز ہے اور یہ

---

۸۸۴ ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج ۳ ص ۴۴۷' الاصابہ ج ۳ ص ۴۴۱' رقم: ۸۱۶۴۔

۸۸۵ صحیح البخاری: ۳۹۰۵ میں کفار کے دین پر ہونا مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔

۸۸۶ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۹۰۵' عبدالرزاق ''المصنف'': ۹۷۴۳' احمد ج ۶ ص ۳۴۶' طبری ''تاریخ'' ج ۲ ص ۳۷۵۔۳۷۸' ابن سعد ''طبقات'' ج ۸ ص ۲۵۰' بیہقی ''الدلائل'' ج ۲ ص ۴۷۱۔۴۷۲' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

یہودی اور عیسائی کی ممنوعہ دوستی میں داخل نہیں ہے' ان سے علاج کرانا اور اچھی طرح گفتگو کرنا بہتر ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُجَادِلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ إِلَّا ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ مِنْهُمْ ۔ (العنکبوت:۴۶)

اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر اسی طریقہ سے جو بہتر ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔

علامہ خطابی نے صلح حدیبیہ کے واقعہ میں کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے خزاعہ کے ایک شخص کو بطور جاسوس روانہ فرمایا اور اس کی خبر کو قبول کیا۔[۸۸۷] اس میں کافر ڈاکٹر کی طرف سے تشخیص کردہ بیماری کو قبول کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور قابل اعتماد' دیانت دار غیر مسلم ڈاکٹر سے علاج کرانے کا جواز ہے۔

حافظ ابن القیم کی "بدائع الفواد" میں ہے نبی ﷺ نے سفر ہجرت میں عبداللہ بن اریقط الدؤلی کو اجرت پر رہبر مقرر کیا حالانکہ وہ کافر تھا' اس میں یہ دلیل ہے کہ علاج' آنکھ میں دوائی ڈلوانے' تحریر' حساب اور عیوب کی نشاندہی میں کافر کی طرف رجوع جائز ہے' جبکہ اس کی دوستی برابری کی بنیاد پر نہ ہو' اس کا کافر ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اس پر کسی معاملہ میں بالکل بھروسہ نہ کیا جائے' کیونکہ راستہ کی رہنمائی سے زیادہ پرخطر کوئی چیز نہیں' خصوصاً ہجرت جیسے سفر میں۔

ابن مفلح نے بطور مثال المروزی سے نقل کیا ہے کہ میں (المروزی) ابوعبداللہ احمد بن حنبل کے پاس ایک نصرانی کو لے گیا وہ مختلف کتب کی خصوصیات بتانے لگے' آپ نے عبداللہ کو ان کتب کا نام لکھنے کو کہا' پھر مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے لیے وہ کتب خرید لوں۔

ابن ابی اصیبعہ نے "طبقات الاطباء" میں پہلی صدی ہجری کے عیسائی معالجوں کی ایک جماعت کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آنے والے مسلمان بادشاہ ان سے علاج کراتے تھے۔ ایک عیسائی طبیب ابوالحکم کے تذکرہ میں کہا ہے: یہ نصرانی معالج تھا' علاج کی متعدد اقسام کا عالم تھا' حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اس سے علاج کراتے تھے' اور اس سے اپنی مطلوبہ ادویات کی تیاری میں اعتماد کرتے تھے۔

اسی کتاب میں ابن اثال کے تذکرہ میں ہے یہ دمشق کے ممتاز اطباء میں سے تھا' یہ عیسائی تھا' جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق کے حکمران بنے' اسے اپنے علاج معالجہ کے لیے مقرر کر لیا' اس سے حسن سلوک کیا' وہ اس پر بہت بھروسہ اور اعتماد کرتے تھے اور رات دن اس کے ساتھ بات چیت کرتے رہتے تھے۔ ابن اثال مفرد اور مرکب ادویہ اور ان کی تاثیر سے واقف تھا اور ان کے زہریلے اثرات سے باخبر تھا' اسی لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا مقرب بنایا ہوا تھا۔ (عیون الانباء)

امام محمد بن عبدالقوی المرداوی الحنبلی نے اپنی منظوم کتاب "فی الآداب" میں اسی مسئلہ کی طرف اشارہ

---

۸۸۷ بخاری: ۲۱۷۸ تا ۲۱۸۱' عبدالرزاق: ۹۷۲۰' احمد ج ۴ ص ۳۲۸۔ ۳۳۱۔ ۳۳۴' ابوداؤد: ۲۷۶۵' طبری "تفسیر" ج ۲۸ ص ۷۱۔ ۹۷۔ ۱۰۱' بیہقی "السنن" ج ۵ ص ۲۱۵۔ ج ۷ ص ۱۷۰۔ ج ۹ ص ۱۴۴۔ ۲۱۸۔ ۲۲۱۔ ج ۱۰ ص ۱۰۹' "الدلائل" ج ۴ ص ۹۹۔ ۱۰۸' طبرانی "الکبیر" ج ۲۰ ص ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۸۴۲۔

کرتے ہوئے کہا ہے:

ذمی کو اپنے مال کی نگرانی پر امین بنانا یا تقسیم کی ذمہ داری سونپنا مکروہ ہے۔

اور بلا ضرورت ان سے علاج کرانا اور ان کی تیار کردہ دوائیوں کا استعمال مکروہ ہے۔

السفارینی اس کی تشریح میں کہتے ہیں کہ بوقت ضرورت ذمی سے علاج کرانا مکروہ نہیں ہے' کیونکہ ضرورت اس کی داعی ہے اور ان کے علاج میں ضرر کا اندیشہ وہمی ہے' چونکہ علت اور سبب معلوم ہے اس لیے ضرر کے اندیشہ سے اس ضرر سے چشم پوشی نہیں کی جائے گی جو عیاں ہے۔ (اور وہ بیماری ہے' جبکہ غیر مسلم سے علاج کرانے میں نقصان یقینی نہیں بلکہ وہمی ہے) بعد ازاں انہوں نے ابن مفلح کے حوالہ سے شیخ ابن تیمیہ کی گذشتہ تقریر نقل کی ہے۔ (شرح العارف النابلسی علی الطریقۃ المحمدیہ' ج ا ص ۲۳۶)

طبقات ابن جلجل میں ابو رمثہ رفاعہ کے بارے میں ہے یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں طبیب تھا' اور ماہر دست کار تھا۔[۸۸۸] "سنن ابی داؤد" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف طبیب کو بھیجا جس نے ان کی ایک رگ کاٹی۔[۸۸۹] ابن اسحاق کا قول گزر چکا ہے کہ حضرت رفیدہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا زخمیوں کا علاج کرتی تھیں اور انہوں نے اپنی زندگی مسلمان مریضوں اور زخمیوں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔

"الاصابہ" میں شمردل بن قباب الکعبی النجرانی کے تذکرہ میں خطیب سے بحوالہ "المتفق" ذکر کیا ہے کہ شمردل معالج تھے' رسول اللہ ﷺ طبی مسائل میں ان سے مذاکرہ فرماتے تھے' آخر میں ہے شمردل نے نبی ﷺ کے گھٹنے کو بوسہ دیا اور کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' آپ مجھ سے زیادہ طب جانتے ہیں۔[۸۹۰]

خطیب نے کہا اس کا اسناد محل نظر ہے' ابن الجوزی نے کہا اس کے راویوں میں مجاہیل ہیں۔

"الاصابہ" میں ضماد بن ثعلبہ الازدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ نبی ﷺ کے دوست تھے' عقل مند انسان تھے' علاج اور دم کرتے تھے۔[۸۹۱] علامہ ابن عبدالبر نے بھی "الاستیعاب" میں یہی بیان کیا ہے۔[۸۹۲]

ابن ابی اصیبعہ نے "طبقات الاطباء" کا ساتواں باب ان لوگوں کے ذکر کے لیے مختص کیا ہے جو ظہور اسلام کے وقت عرب وغیرہ میں بطور طبیب معروف تھے۔ اس میں انہوں نے حرث بن کلدہ' اس کے بیٹے نضر بن الحرث اور ابن ابی رمثہ التمیمی کا تذکرہ کیا ہے' ابو رمثہ کے متعلق کہا ہے: وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں طبیب تھے' ہاتھ سے (نبض دیکھ کر) امراض کا کھوج لگاتے تھے' ابو رمثہ بیان کرتے ہیں میں نبی ﷺ کی خدمت

---

۸۸۸ "الاستیعاب" علی هامش "الاصابہ" ج ۴ ص ۷۰' رقم: ۴۱۳۔

۸۸۹ صحیح الاسناد حدیث۔ ابو داؤد: ۳۸۶۴' از جابر رضی اللہ عنہ۔

۸۹۰ ناقابل اعتماد روایت۔ "الاصابہ" (ج ۲ ص ۱۵۵۔۱۵۶' رقم: ۳۹۲۰)

۸۹۱ "مسند مسدد" بلا اسناد۔ الاصابہ ج ۲ ص ۲۱۰' رقم: ۴۱۷۷۔

۸۹۲ "الاستیعاب" علی هامش "الاصابہ" ج ۲ ص ۲۱۷۔

میں آیا میں نے آپ کے دوشانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی' اور یہ بھی ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: تم رفیق ہو طبیب اللہ ہے[۸۹۳] سلمان بن حسان نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا یہ ہاتھ کا ساتھی ہے علم میں فائق اور برتر نہیں ہے' آپ کے ارشاد "طبیب اللہ ہے" سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

فائدہ

صدر اول میں حقنہ معروف تھا' ابونعیم نے سعید بن ایمن سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کو درد تھا لوگوں نے اسے حقنہ کرانے کا مشورہ دیا' اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے اسے ڈانٹ دیا' جب اس کا درد بڑھ گیا اس نے حقنہ کرالیا اور اس کو درد سے نجات مل گئی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تندرست دیکھا تو پوچھا: کیسے صحیح ہوئے؟ اس نے حقنے کا بتایا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر دوبارہ درد ہو تو پھر حقنہ کرالینا[۸۹۴] اسے علی متقی ہندی نے "کنز العمال" کی کتاب الطب میں بیان کیا ہے' اسے حقنہ کے زیر عنوان ذکر کیا ہے اور یہ استدلال کیا ہے کہ اہل عرب کے ہاں حقنہ جانا پہچانا تھا۔

ابن اصیبعہ کی "طبقات الاطباء" (ج ۱ ص ۱۱۱) میں ہے کسریٰ نے عرب طبیب حارث بن کلدہ سے پوچھا: کیا تم مجھے حقنے کا کہتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں' میں نے حکماء کی بعض کتب میں پڑھا ہے' حقنہ پیٹ کو صاف کرتا ہے اور اندرونی بیماریوں سے بچاتا ہے' تعجب ہے حقنہ لینے والا کمزور کیوں ہوتا ہے۔

اس سے آپ کو حطاب سے منقول شیخ علیش کے فتاویٰ (ج ۱ ص ۲۴۶) میں مذکور اس قول کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اہل عرب حقنہ سے واقف نہ تھے' یہ اہل عجم کا طریقہ تھا۔

مختصر ابن عبد الحکم میں ہے امام مالک سے حقنہ کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

الابہری کہتے ہیں: امام مالک نے یہ جواب اس لیے دیا کہ یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے اور اس میں لوگوں کا فائدہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کو مباح فرمایا ہے۔ (التوضیح)

دیار بکری کی "تاریخ الخمیس" میں ہے کٹ اور زخم کی وجہ سے جس نے سب سے پہلے انڈر وئیر استعمال کیا وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں' ان کو کٹ لگا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ کٹ' شگاف اور پھٹن جیسے زخم صحابہ کرام کے دور میں جانے پہچانے تھے۔

صحابہ کرام طب اور علاج کا کس قدر اہتمام کرتے تھے' اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جسے ابن جریر نے ام جمیلہ سے بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی' میں نے ان سے کہا: میں چہرے کی چھائیوں کا علاج کر رہی ہوں' اب مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے' میں چاہتی ہوں یہ علاج چھوڑ دوں' آپ کا کیا حکم ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہماری نبی ﷺ کے عہد مبارک میں یہ حالت تھی کہ کسی کی

---

۸۹۳ مجھے یہ حدیث کہیں نہیں ملی' بے اصل روایت۔

۸۹۴ ضعیف روایت۔ سعید بن ایمن نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

ایک آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ حسین ہوتی' اسے کہا جاتا اسے نکال دو اور اس کی جگہ دوسری (مصنوعی) آنکھ لگا لو اور دوسری کی جگہ پہلی کو لگا دو' اگر اس کو اس میں آسانی نظر آتی تو ہم اس میں حرج نہیں سمجھتے تھے' اگر یہ جھائیاں پھر پلٹ آئیں' تم بھی دوبارہ علاج کر لو' یہ مکمل ٹھیک نہیں ہوں گی۔[۸۹۵] (کنز العمال' کتاب الطب)

شریانوں کی جراحی کرنے والے

قبل ازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس طبیب کو بھیجا' جس نے ان کی شریان (نس) کی جراحی کی۔ اور ابن جلجل سے نقل ہو چکا ہے کہ ابو رمثہ ہاتھ سے مرض کی تشخیص کرتے تھے۔ "النہایہ" میں ہے "عِرق" شریان یا ورید ہے اور "عصب" پٹھے کو کہتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ معالج اپنی صواب دید کے مطابق علاج کرے۔

زخم پر داغ لگانے والے

"صحیح مسلم" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف طبیب کو بھیجا جس نے ان کی نس کو کاٹا پھر اس پر داغ دیا۔[۸۹۶]

"الاصابہ" میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں مصنف عبد الرزاق کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ لیلۃ العقبہ میں انصار کے نقیب حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے' ان کو پھوڑا تھا' آپ نے اس کو داغا۔[۸۹۷]

"سنن ابی داؤد" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے (دشمن کا) تیر لگنے کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم پر داغ دیا۔[۸۹۸]

صحیح مسلم میں ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ہاتھ کی نس میں تیر لگا تو نبی ﷺ نے ان کو تیر کے پھل سے داغ دیا' زخم پر ورم آ گیا تو آپ نے دوبارہ اس کو داغ دیا۔[۸۹۹]

ابن ماجہ کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رگ کو دو مرتبہ داغا۔[۹۰۰]

"طبقات ابن سعد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے داغ لگوایا

---

۸۹۵ مجھے اس حدیث کی سند نہیں ملی یقیناً یہ ضعیف روایت ہے۔

۸۹۶ صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۲۰۷ (۷۳)' از جابر رضی اللہ عنہ۔

۸۹۷ مرسل حدیث۔ عبد الرزاق از ابی امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۳۴' رقم: ۱۱۱) حاکم نے اسے انس رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت کیا ہے۔ ج ۴ ص ۴۱۷' یہ صحیح حدیث ہے۔

۸۹۸ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۳۸۶۶' از جابر رضی اللہ عنہ۔

۸۹۹ صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۲۰۸ (۷۰) از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما۔

۹۰۰ صحیح حدیث۔ ابن ماجہ: ۳۴۹۴' از جابر رضی اللہ عنہ۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لقوہ کی وجہ سے داغ لگایا گیا۔

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں: حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے داغا[۹۰۱] اس کی اصل صحیح البخاری میں ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نمونیہ کی وجہ سے داغا گیا[۹۰۲] ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو پھوڑے کی وجہ سے داغ دیا[۹۰۳]

حافظ ابن حجر نے کہا ہے: میں نے کسی صحیح اثر میں نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے داغ لگوایا ہو' صرف علامہ قرطبی نے طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے داغ لگوایا۔

الحلیمی نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: مروی ہے: حضور ﷺ نے زخم کی وجہ سے داغ لگوایا۔

صحیح البخاری میں یہ ثابت ہے کہ غزوۂ احد میں جب حضور ﷺ زخمی ہوئے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے آپ کے زخم کو خشک کیا[۹۰۴] یہ معروف داغنا نہیں ہے۔ ابن التین نے آپ کے داغ لگوانے پر اور ابن القیم نے ''الھدی'' میں داغ نہ لگوانے پر جزم کیا ہے۔

خطابی کہتے ہیں: نبی ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس لیے داغا تا کہ ان کے زخم سے خون بہنا بند ہو جائے' آپ کو اندیشہ ہوا کہ زیادہ خون نکل جانے سے کہیں سعد کی موت نہ واقع ہو جائے۔

داغ سے علاج خاص و عام میں جانا پہچانا ہے' اہل عرب بہت سی بیماریوں کا علاج داغنے سے کرتے ہیں' اسی لیے کہا جاتا ہے آخری علاج داغنا ہے' داغ دینا بھی علاج میں داخل ہے۔

زخم پر اللہ کا نام لینا اور لعابِ دہن لگانا

''الاصابہ'' میں کہیل الازدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ صحابی تھے' انہوں نے بیان کیا: لوگوں کو غزوۂ احد میں بکثرت زخم لگے' ایک آدمی نے نبی ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم راستے میں کھڑے ہو جاؤ' جب بھی تمہارے پاس سے کوئی زخمی گزرے تم کہو: بسم اللہ' پھر اس کے زخم پر تھوک دو[۹۰۵] الحدیث

اسے حسن بن سفیان نے اپنے مسند میں بروایت علقمہ بن عبداللہ از قاسم بن محمد نقل کیا ہے۔

---

۹۰۱ صحیح حدیث۔ مستدرک ج ۴ ص ۴۱۷' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے صحیح الاسناد حدیث کہا ہے۔

۹۰۲ صحیح حدیث۔ بخاری: ۵۷۱۹ تا ۵۷۲۱۔

۹۰۳ ترمذی: ۲۰۵۱' طحاوی ج ۲ ص ۳۸۵' از انس رضی اللہ عنہ' اس کے رجال ثقہ ہیں۔

۹۰۴ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۰۷۵' مسلم: ۱۷۹۰' احمد ج ۵ ص ۳۳۰۔۳۳۴' ابن ماجہ: ۳۴۶۴' از سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ۔

۹۰۵ منکر روایت۔ حسن بن سفیان' ''مسند'' از علقمہ بن عبداللہ از قاسم بن محمد۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۳۰۸' رقم: ۷۴۶۷) ابن ابی حاتم نے کہا ہے: قاسم بن محمد لیس بشیء ہے' ابوزرعہ سے قاسم بن محمد کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس کی احادیث منکر ہیں اور یہ ضعیف الحدیث ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۱۹)

طب سے ناواقف شخص کے لیے لوگوں کا علاج کرنا مباح نہیں

ابوداوٗد' نسائی اور دارقطنی نے از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود مرفوعاً روایت کیا ہے: جس شخص نے طب کا علم حاصل کیے بغیر علاج کیا وہ ضامن ہے۔ ابونعیم کی روایت میں ہے جس نے علاج کیا' حالانکہ وہ اس کا ماہر نہیں پھر کوئی جان چلی گئی یا اس سے کم نقصان ہوا تو وہ ضامن ہے[۹۰۶]

ابن طرحان نے کہا ہے: اس حدیث میں احتیاط اور لوگوں کی جانوں کی حفاظت ہے' اور یہ حدیث شرعی حکم کے ساتھ سیاسی حکم پر مبنی ہے' مطلب یہ ہے کہ جو شخص علاج معالجہ کا ماہر نہ ہو اس کی پریکٹس نہ رکھتا ہو' ماہرین طب کے ساتھ مشاورت نہ کرتا ہو اگر اس کے علاج سے کوئی شخص مرجائے تو معالج ضامن ہوگا۔

دورِ حاضر میں محکمۂ صحت کی طرف سے احتیاطی تدابیر

صحیحین وغیرہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب کسی علاقہ میں وبا ہو اور تم وہیں ہو تو اس علاقہ سے فرار نہ اختیار کرو اور جب تم سنو کہ فلاں علاقہ میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ[۹۰۷] حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی وجہ سے شام کی طرف اپنے سفر سے واپس آ گئے تھے' آپ کو وہاں وبا کے متعلق بتایا گیا' آپ نے اللہ کی حمد کی اور واپس آ گئے۔

ابن طرحان نے کہا ہے: طاعون والی زمین میں جانے سے رسول اللہ ﷺ کی ممانعت میں دو فائدے ہیں:

(۱) تاکہ تندرست آدمی بیماری کے جراثیم سے آلودہ فضا سے دور رہے اور بیماری سے محفوظ رہے۔

(۲) اس مرض میں مبتلا لوگوں سے دور رہے تاکہ ان کے لیے مزید مصیبت کا باعث نہ بنے۔

نبی ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: متعدی امراض والے مریض کے ساتھ رہنے میں ہلاکت ہے[۹۰۸]

حدیث مبارکہ میں ''قرف'' کا لفظ آیا ہے اس کی تفسیر بیمار سے زیادہ میل جول اور اس کے قرب سے کی گئی ہے۔

حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''وبا والے علاقہ میں نہ جاؤ'' ہلاکت میں پڑنے کی ممانعت کو ثابت کرتا ہے۔

ابوداوٗد میں حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے قریب سرزمین ابین ہے (یمن کے نواح میں ساحل سمندر کی طرف ایک بستی ہے) یہ ہماری کاشت کاری اور کھجوروں کی زمین ہے اور ہمارے غلہ کی تجارت کا مرکز ہے اور یہ کثیر الوبا جگہ ہے' یا کہا: اس کی وبا شدید

۹۰۶ حسن حدیث۔ ابوداوٗد: ۴۵۸۶' نسائی ج ۸ ص ۵۲-۵۳' ابن ماجہ: ۳۴۶۶' دارقطنی ج ۴ ص ۲۱۶' از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود۔

۹۰۷ بخاری: ۵۷۲۹' مسلم: ۲۲۱۹' از عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔

۹۰۸ ضعیف الاسناد۔ ابوداوٗد: ۳۹۲۳' از طریق یحییٰ بن عبداللہ بن بحیر' اس میں یحییٰ بن عبداللہ اور فروہ بن مسیک کے درمیان مجہول راوی ہے۔ (ضعیف سنن ابی داوٗد: ۸۴۶) از البانی۔

ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ بیماری کو گلے سے لگانا اور خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

علامہ خطابی اور ابن اثیر کہتے ہیں: اس کا تعلق بدفالی اور چھوت چھات سے نہیں بلکہ اس کا تعلق طب سے ہے' کیونکہ پاکیزہ فضا اور ہوا جسم کی صحت و تندرستی کے لیے سب سے زیادہ مددگار ہوتی ہے اور آب و ہوا کا فساد اطبا کے نزدیک جسم کے لیے سب سے زائد اور جلد ضرر رساں ہے' اور یہ سب اللہ کی مشیت اور اس کے اذن پر مبنی ہے۔

ابونعیم نے طب نبوی میں اسی سے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے کہ جب نبی ﷺ کی کسی زوجہ محترمہ کی آنکھیں دکھتیں' آپ اس کے پاس تشریف نہ لاتے تا آنکہ ان کی آنکھیں صحیح ہو جاتیں[909]

اس سلسلہ میں سلطان ابو العباس المنصور کا اپنے بیٹے کے نام مکتوب بہت عجیب ہے' سلطان نے اپنے بیٹے ابوفارس کو ۱۰۱۱ھ میں خط بھیجا' ان کا بیٹا مراکش میں ان کا نائب تھا' اس دوران سوس میں وبا پھیل گئی تھی' کہ جب تمہارے پاس سوس کے حاکم یا تمہارے خالہ زاد وغیرہ کی طرف سے مکتوب آئے۔ اسے مت پڑھو اور گھر میں نہ لے جاؤ بلکہ اسے اپنے کاتب کے حوالہ کرو' وہ اسے پڑھے اور اس کے مضمون سے تمہیں آگاہ کرے' چونکہ تمہارا کاتب تمہاری مجلس میں آتا ہے' تمہارے ساتھ میل ملاقات رکھتا ہے' اس لیے اسے کہو کہ وہ مکتوب کو کھولنے سے پہلے اسے تیز سرکہ میں ڈبوئے پھر اس کو پھیلا کر خشک کرے' تب اسے پڑھے اور اس کے مندرجات سے تمہیں آگاہ کرے' کیونکہ سوس سے تمہارے نام آنے والے خطوط اس قدر خفیہ نہیں ہوتے کہ ان کو تمہارے کاتب جیسے افراد سے چھپانا ضروری ہو۔

اہل یورب کا وبا سے تحفظ کے لیے اب یہی معمول ہے وہ اس کو قرنطینہ کہتے ہیں' اس کا مقصد بیماریوں سے بچاؤ اور صحت کی حفاظت ہے' تونس کے دو علماء ابوعبداللہ محمد المناعی المالکی اور شیخ ابوعبداللہ محمد بیرم الحنفی کے درمیان اس کی اباحت اور حصر کے بارے میں مباحثہ ہوا۔ اول الذکر نے اس کی حرمت میں اور مؤخر الذکر نے اس کے جواز میں کتاب لکھی' علامہ محمد بیرم نے اس پر کتاب و سنت کی نصوص سے استدلال کیا ہے۔

(رحلۃ الشیخ رفاعۃ الطہطاوی لباریز)

''ارشاد الساری'' میں سورۃ النساء کی آیت کریمہ ''خُذُوْا حِذْرَكُمْ'' (النساء:۷۱) کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ آیت کریمہ ایسی تمام اشیاء سے پرہیز پر دلالت کرتی ہے جن میں نقصان کا خدشہ ہو[910] اس سے معلوم ہوا کہ دواء سے علاج' وبا سے احتراز اور گرنے پر مائل دیوار کے نیچے بیٹھنے سے پرہیز لازم ہے۔

''الاستقصاء فی النازلۃ'' کے مؤلف نے اس احتیاط اور پرہیز کو اس امر سے مقید کیا ہے کہ جب ان میں شرعی طور پر خرابی لازم نہ آتی ہو۔ واللہ اعلم

نوٹ: خواتین نرسوں کے بارے میں آٹھویں قسم کے آخر میں نفیس روایات ملاحظہ کریں۔

---

۹۰۹ مجھے اس حدیث کی سند نہیں ملی' ابونعیم کی ''الطب النبوی'' پھر شائع نہیں ہوئی۔

۹۱۰ اس آیت میں صاحب ارشاد الساری کی دلیل نہیں' حافظ ابن کثیر نے ''تفسیر'' ج ۱ ص ۴۶۵ میں کہا ہے: اس میں اسلحہ سازی اور راہ خدا میں جہاد کے ذریعہ دشمنوں کو خوف زدہ کرنا مراد ہے۔

دانش ور' طبیب' فلسفی

''الاصابہ'' میں ابرھہ بن شرحبیل بن ابرہہ بن صباح الاصبحی الحمیری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں الرشاطی کی ''الانساب'' سے نقل کیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی' یہ شام کے دانشوروں میں شمار ہوتے تھے۔[۹۱۱]

الھمدانی نے اسے ''النسب'' میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی احادیث روایت کرتے تھے۔

حافظ ذہبی نے بھی ''التجرید'' میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ حافظ قطب الدین نے یہ زیادہ کیا ہے کہ آپ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

حافظ ابن حجر نے مشہور دانش ور اکثم بن صیفی التمیمی کا تذکرہ لکھا ہے اور ابن عبدالبر کے ان کا ذکر نہ کرنے پر رد کیا ہے۔[۹۱۲]

اور رسول اللہ ﷺ کی ان سے خط وکتابت ذکر کی ہے' اور خطیب سے نقل کیا ہے کہ وہ حکمت اور بلاغت سے متصف تھے۔

''الاصابہ'' میں الحکم بن سعید بن العاص کے تذکرہ میں مسند سراج سے منقول ہے کہ حکم حکمت کی تعلیم دیتے تھے[۹۱۳] نیز ''الاصابہ'' میں عرب کے دانش ور غیلان بن سلمہ الثقفی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملاحظہ کریں۔

''الشفاء'' پر ابن التلمسانی کے حواشی میں ہے کہ غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کسریٰ کے پاس گئے اور وہاں عجیب وغریب واقعہ ہوا' ایک روز کسریٰ نے ان سے پوچھا: تجھے اپنا کون سا بچہ زیادہ محبوب ہے؟ غیلان نے جواب دیا: کم سن یہاں تک کہ بڑا ہو جائے اور بیمار حتیٰ کہ تندرست ہو جائے اور غائب تا آنکہ وہ واپس لوٹ آئے۔ کسریٰ نے اس سے کہا: تم اور اس قسم کی گفتگو' یہ تو دانش وروں کی گفتگو ہے اور تم گنوار' اکھڑ' تندمزاج قوم کے فرد ہو' جن میں دانش وری نہیں ہے' تم کیا کھاتے ہو؟ کہا: گندم کی روٹی' کسریٰ نے کہا: یہ عقل گندم کی روٹی کا عطیہ ہے' دودھ اور کھجور کا ثمرہ نہیں۔ آپ شاعر بھی تھے' غزوۂ طائف کے موقع پر مسلمان ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔

حافظ برھان الدین الحلبی نے ''نور النبراس'' میں خطیب سے مرفوعا روایت کیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات تمہارے پاس دانش مند آدمی آئے گا' پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آ گئے۔ یہ روایت ''مسند احمد'' میں ہے۔[۹۱۴]

۹۱۱　الاصابہ ج۱ص۱۶' رقم: ۱۴۰۔ بحوالہ الرشاطی' بلا اسناد۔

۹۱۲　اموی ''المغازی'' از عم خود از عبداللہ بن زیاد۔ (الاصابہ ج۱ص۱۱۱' رقم: ۳۸۵) حافظ ابن حجر نے کہا: عبداللہ بن زیاد کا شمار متروکین میں ہوتا ہے۔

۹۱۳　بہ سبب مجاہیل ضعیف روایت۔ سراج ''مسند'' از ابوالسائب۔۔۔۔۔ (الاصابہ ج۱ص۳۴۵' رقم: ۱۷۷۷)

۹۱۴　بڑی تلاش کے باوجود مجھے مسند احمد میں یہ حدیث نہیں ملی۔ ہیثمی نے بھی ''مجمع الزوائد'' میں اسے ذکر نہیں کیا۔

ابونعیم نے کتاب معرفۃ الصحابۃ میں اور ابوموسیٰ المدینی نے احمد بن ابی الحواری کی حدیث میں ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: مجھ سے علقمہ بن یزید بن سوید الازدی نے حدیث بیان کی' انہوں نے کہا: مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سوید بن الحارث رضی اللہ عنہ نے روایت کیا' انہوں نے بیان کیا: میرے سمیت میری قوم کا سات رکنی وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے ہماری ہیئت اور وقار و تمکنت کو پسند فرمایا' آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ ہم نے کہا: ہم مؤمن ہیں' نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ہر قول کی حقیقت ہوتی ہے' تمہارے قول اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ ہم نے کہا: ہم میں پندرہ خصلتیں ہیں' پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ہمیں ایمان لانے کا حکم دیا ہے' پانچ وہ ہیں جن پر آپ نے ہمیں عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم دورِ جاہلیت سے کاربند ہیں' ہم ان پر عمل پیرا رہیں گے' اگر آپ ان کو ناپسند نہ فرمائیں۔ نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: وہ کون سے پانچ امور ہیں جن کا میرے قاصدوں نے تمہیں حکم دیا ہے؟ انہوں نے ایمان اور اسلام کے قواعد بیان کیے' آپ نے فرمایا: وہ کون سی پانچ خصلتیں ہیں جن پر تم دورِ جاہلیت سے کاربند ہو؟ ہم نے عرض کیا: (۱) راحت میں شکر (۲) مصیبت میں صبر (۳) قضاء پر رضا (۴) بوقت مقابلہ ثابت قدمی (۵) دشمنوں کے مصائب پر خوش نہ ہونا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: دانا ہو عالم ہو' اپنے عقل سلیم کی وجہ سے مقام نبوت کو سمجھتے ہو' پھر ارشاد فرمایا: میں تمہیں مزید پانچ باتیں بتاتا ہوں تاکہ تمہارے بیس خصائل مکمل ہوں' اگر تم اپنے بیان کردہ خصائل پر کاربند ہو تو (۱) جس چیز کو کھانا نہ ہو اس کو جمع نہ کرو (۲) جس میں رہائش نہ رکھنی ہو اس کی تعمیر نہ کرو (۳) جس چیز کو کل چھوڑ کر جانے والے ہو اس پر حسد نہ کرو (۴) اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف لوٹ کر جانا اور جس کے سامنے پیش ہونا ہے (۵) اور اس چیز کی طرف رغبت کرو جس کی طرف جانا اور جس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

یہ لوگ واپس چلے گئے' آپ کی وصیت کو محفوظ رکھا اور اس پر عمل پیرا رہے۔[915]

''المغنی'' میں العراقی نے کہا ہے: اسے ابونعیم نے الحلیہ میں' بیہقی نے الزھد میں اور خطیب نے تاریخ میں اسناد ضعیف کے ساتھ حضرت سوید بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

''مشیخة الانصاری'' میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ادباء' علماء اور حکماء اپنے صدق کی وجہ سے مقام نبوت کے قریب ہیں۔[916]

---

915 موضوع روایت۔ کیونکہ علقمہ بن یزید بن سوید کے متعلق ''المیزان'' (ج ۳ ص ۱۰۸' رقم: ۵۷۶۲) میں علامہ ذہبی نے کہا ہے: مجہول ہے' منکر روایات لاتا ہے جن سے استدلال نہیں ہوتا۔

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' (ج ۲ ص ۹۸' رقم: ۳۵۹۵) میں سوید بن الحارث کے تذکرہ میں ابواحمد العسکری کی نسبت سے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ رشاطی اور ابن عساکر نے دو اور طرق سے اسے احمد بن ابی الحواری سے نقل کیا ہے' اسے ابوسعید نیشاپوری نے بھی ''شرف المصطفیٰ'' میں ایک اور طریق سے احمد بن عبد الحواری سے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس روایت کو ابن القیم نے ''زاد المعاد'' (ج ۳ ص ۶۷۲) میں ابونعیم کی ''کتاب معرفۃ الصحابۃ'' اور حافظ ابوموسیٰ المدینی کے حوالہ سے مصنف کے بیان کردہ اسناد سے ذکر کیا ہے۔

916 زاد المعاد ج ۳ ص ۶۷۲۔

حافظ ابن حجر نے کہا: یہ حدیث ابونعیم کی "کتاب المعرفة" میں ابوسلیمان الدارانی کے طریق سے شام کے ایک زاہد سے جس کا انہوں نے نام لیا تھا' از والدخود از جدخود سوید مروی ہے۔

ذہبی نے "المیزان" میں کہا ہے: علقمہ بن یزید بن سوید از والدخود از جدخود غیر معروف ہے اس کی خبر منکر ہے' اس سے روایت نہیں کی جاتی۔

مؤلف کہتے ہیں: اگرچہ الاحیاء کے شارح نے اسے برقرار رکھا ہے اس میں افراط ہے۔ صواب "المغنی" میں عراقی کا قول ہے۔ الحلیہ میں' یہ حدیث ابوسلیمان الدارانی کے تذکرہ میں ہے۔ زرقانی نے "شرح المواهب" میں' ارشادِ گرامی "دانا ہو عالم ہو" پر کہا ہے: حضور ﷺ نے حکمت و دانائی کو علم پر مقدم کیا ہے کیونکہ حکمت و دانائی کا تعلق ان کے کمال عقل سے ہے' اور علم حُسن کی قبیح سے معرفت کا ذریعہ ہے۔

طبرانی نے اوسط میں شریح بن عبید الحضرمی سے مرسلاً روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا دانا (حکیم) عویمر (رضی اللہ عنہ) ہے[۹۱۷] یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ ان کے بارے میں ایک اور روایت میں ہے "ہر امت کا حکیم ہے اور اس امت کا حکیم (دانش ور) ابوالدرداء ہے"۔ القاوقجی نے "الذهب الابریز" میں کہا ہے: اس کا مطلب ہے حکمت کا عالم[۹۱۸]

"الاستبصار فی انساب الانصار" میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں آپ کے پُر از حکمت مشہور اقوال ذکر کیے ہیں: دنیا گدلی ہے اس سے ڈرنے والے ہی نجات پاتے ہیں' اس میں اللہ کی قدرت کی علامات ہیں' جاہل دنیا کے پیچھے لگتے ہیں اور صاحب علم اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں' اس کی علامات یہ ہیں کہ یہ مشتبہات سے ڈھانپی گئی ہے' حرص و ہوس کے پجاری اس میں دھنس اور پھنس جاتے ہیں' پھر آفات و مصائب کا سامنا کرتے ہیں' نصیحت حاصل کرنے والے اس سے نفع اندوز ہوتے ہیں' اس کے حلال میں بیماریوں کی آمیزش ہے اور اس کے حرام کے ساتھ بدانجامی منسلک ہے' دنیادار مشقت میں اور مفلس تھکاوٹ میں مبتلا ہوتا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: ہمیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی ملا ہے کہ: مسکین دنیادار کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں' وہ پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں' ان کے پاس زائد اموال ہوتے ہیں وہ ان کی نگرانی کرتے ہیں ہم بھی ان کے ساتھ دیکھتے ہیں' جب قیامت کا دن ہوگا ان پر اس کا حساب ہوگا اور ہم اس سے بری الذمہ ہوں گے۔

"المواهب الفتحية فی علوم اللغة العربية" (ج ا ص ۱۹۲) میں ہے جو شخص اہل عرب کے احوال اور اخلاق میں غور کرے گا اس کی سمجھ میں یہ بات یقیناً آ جائے گی' اہل عرب میں سید الانبیاء ﷺ کا ان کے سوا میں مبعوث نہ ہونا انوکھی چیز نہیں' ایسے ہی اس پر یہ واضح ہوگا کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اہل عرب دورِ جاہلیت میں فلسفہ سے ناواقف تھے' باطل قول ہے۔ کیونکہ ان کے اقوال اور احوال کی تلاش اور کھوج کے دوران ان کے ایسے پر حکمت اقوال ملتے ہیں جن سے حکماء کی عقلیں حواس باختہ ہو جاتی ہیں۔

---

۹۱۷ مرسل ضعیف روایت۔ طبرانی "الاوسط" مجھے "الاوسط" اور "مجمع الزوائد" میں یہ حدیث نہیں ملی۔ بسیونی زغلول نے "موسوعة اطراف الحدیث" میں اسے "کنز العمال" (حدیث: ۳۳۵۰۸) کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

۹۱۸ بسیونی زغلول "موسوعة اطراف الحدیث" بحوالہ "کنز العمال": ۳۳۵۰۷۔

صدر الشیرازی وغیرہ محققین نے ثابت کیا ہے کہ علوم عقلیہ یا سیاسیہ عمرانیہ کا صحیح فلسفہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں' ابتدائی دور میں اس کو مخالف قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس کو غلط سمجھا گیا اور اس کا غلط ترجمہ کیا گیا' جونہی اس کی صحیح ترجمانی ہوئی' دونوں میں موافقت پائی گئی۔

نجومیوں کا بیان

''الاصابہ'' میں ربیع بن زیاد الحارثی کے تذکرہ میں ہے جناب حسن بصری ان کے کاتب (محرر' کلرک) تھے' انہوں نے کہا: ان کے دور میں علم نجوم میں عرب و عجم میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا' ان سے فیصلہ کرنے پر اصرار کیا جاتا تو وہ ستاروں سے حساب لگا کر فیصلہ کرتے تھے[919]

تونس میں محکمہ خط و کتابت (دیوان انشاء) کے ڈائریکٹر شیخ حسین خوجہ نے اپنی کتاب ''بشائر الایمان فی فتوحات آل عثمان'' کے تتمہ میں تونس کے علامہ شیخ تویسم بن علی مؤلف ''سمط اللآلی'' کے تذکرہ میں کہا ہے: ان کے ایک رسالہ کا نام ہے: ''اصابة الغرض فی الرد علی من اعترض'' اس کا موضوع وقت اور ستارے ہیں' اور یہ بیان کیا ہے کہ اس کی سنت میں اصل ہے' پھر اس میں ان آثار کو ذکر کیا ہے[920] (ص ۱۰۳)

قیافہ شناس

''الاصابہ'' میں مجزز المدلجی الکنانی کے تذکرہ میں ہے کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں: نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے' میں نے آپ کو بہت خوش دیکھا' آپ کا چہرہ چمک رہا تھا' آپ نے فرمایا: مجزز المدلجی نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کو دیکھ کر کہا: یہ پاؤں ایک دوسرے سے ہیں[921]

ابن قتیبہ کی روایت میں ہے مجزز حضرت زید اور اسامہ کے پاس سے گزرا' انہوں نے اپنے سروں کو چھپایا ہوا تھا اور ان کے پاؤں ظاہر تھے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اگر مجزز کافر ہوتے حضور ﷺ شرعی حکم میں اس پر اعتماد نہ کرتے۔

اہل عرب میں علم قیافہ کی دو قسمیں تھیں: (۱) چلنے والے کے قدموں کے نشانات سے استدلال کرنے والے۔ (۲) نسب کی صحت اور بطلان کے لیے جسمانی وضع قطع سے استدلال کرنے والے۔

عربوں میں بعض قبائل اس فن میں بہت مشہور تھے' نشاناتِ قدم اور انسان کے نسب کے بارے میں ان کے

---

919 الاصابہ ج اص ۵۰۵' رقم: ۲۵۷۷' بلا حوالہ۔

920 اسلام جادوگری اور نجومی بننے کی نفی کرتا ہے' احادیث صحیحہ میں اس کے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ احادیث میں جادوگروں اور منجمین کی مذمت کی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے' ''فتح المجید فی شرح کتاب التوحید'' تالیف علامہ حسن عبد الرحمٰن' مطبوعہ دار الکتاب العربی۔

921 صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۵۵۵-۳۷۳۱-۶۷۷۰' مسلم: ۱۴۵۹' ابوداؤد: ۲۲۶۸' ترمذی: ۲۱۲۹' نسائی ج ۶ ص ۱۸۴' عبد الرزاق: ۱۳۸۳۳-۱۳۸۳۶' احمد ج ۶ ص ۸۲-۲۲۶' دارقطنی ج ۴ ص ۲۴۰' ابن حبان: ۴۱۰۲-۴۱۰۳' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

کسی فرد کا قول فیصلہ کن ہوتا تھا' بنو مدلج حضرت مجزز کا قبیلہ بھی ان قبائل میں سے تھا۔

علم قیافہ کی دوسری قسم میں بھی وہ قسم اوّل سے کم نہ تھے' ان کے پاس کسی آدمی اور بچے کو اس حال میں لایا جاتا کہ پیروں کے علاوہ ان کا پورا جسم ڈھکا ہوتا اور وہ نسب کا فیصلہ کرتے تھے' جیسا کہ مذکورہ بالا قصہ میں ہے۔ شریعت میں قیافہ شناسوں کے فیصلہ کو لغو قرار نہیں دیا' بلکہ نبی ﷺ اس سے راضی ہوئے اور اس کی بات کا اعتبار کر کے بہت خوش ہوئے۔

مفلوک الحال غیر متاھل فقراء کے لیے رہائش گاہیں اور موجودہ دور کی خانقاہیں

زوایا' زاویہ کی جمع ہے' یہ انزواء یعنی انقباض سے ماخوذ ہے' لوگوں سے الگ گوشہ نشینی اختیار کرنا' یا یہ زاویۃ البیت سے ماخوذ ہے یعنی گھر کا ایسا گوشہ جس میں وہ لوگوں سے دور اور چھپ کر رہے۔ اس کی ابتداء تیسری صدی کے صوفیاء نے کی' تابعین کے دور میں ان کو عباد کہتے تھے۔ گویا یہ اہل صفہ سے منسوب ہیں۔ اصحاب صفہ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں خود کو عبادات کے لیے وقف کر لیا تھا وہ اہل یا مال کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے ان کو اللہ کے اور مسلمانوں کے مہمان کہا گیا ہے۔ وہ صفہ میں رہتے تا کہ اس کے اوقاف سے رزق پائیں۔ یہ "بذل الکرامۃ لقراء المقامۃ" کے مؤلف کا قول ہے۔

"الخطط" (ج ۴ ص ۲۹۳) میں تقی المقریزی رقم طراز ہیں کہ زاویوں اور صوفیاء کی قیام گاہوں (رباط) کی اصل سنت میں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے ان فقراء صحابہ کے لیے جو غیر متاھل (غیر شادی شدہ) اور مفلوک الحال مفلس تھے' مسجد میں ایک مقام مختص فرمایا تھا جہاں یہ حضرات قیام پذیر ہوتے اور اہل صفہ کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔

صحیح البخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں تنگ دستی اور سختی کا تذکرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ان سے فرمایا: اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس بلاؤ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں: اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے' ان کا گھر بار اور مال متاع نہ تھا نہ وہ کسی کے پاس جاتے تھے' جب آپ کے پاس کہیں سے صدقہ آتا وہ ان کی طرف بھیج دیا جاتا' حضور ﷺ اس میں سے خود تناول نہ فرماتے اور جب آپ کے پاس کہیں سے ہدیہ آتا آپ وہ ہدیہ ان کے پاس بھیجتے' آپ خود بھی اس میں سے کچھ لیتے اور ان کو بھی اس میں شریک فرماتے تھے۔[۹۲۲]

مؤلف کہتے ہیں: علامہ الخزاعی نے مختصر سا تذکرہ کیا ہے' میں چاہتا ہوں اصحاب صفہ کے احوال' ان کی تعداد اور ان کے طعام وغیرہ کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کروں' قاضی عیاض نے کہا ہے: صفہ رسول اللہ ﷺ کی

---

۹۲۲ صحیح حدیث۔ بخاری: ۶۲۴۶_۶۴۵۲' احمد ج ۲ ص ۵۱۵' ترمذی: ۲۴۷۷' ھناد بن السری "الزھد": ۷۶۴' الفریابی "دلائل النبوۃ": ۱۶' ابو نعیم "الحلیۃ" ج ۱ ص ۳۳۸_۳۳۹_۳۷۷' ابن حبان: ۶۵۳۵' حاکم ج ۳ ص ۱۵_۱۶' بیہقی "الدلائل" ج ۶ ص ۱۰۱_۱۰۲' ابو الشیخ "اخلاق النبی ﷺ" ص ۷۷_۷۸' بغوی: ۳۳۲۱' ابن حجر "تغلیق التعلیق" ج ۵ ص ۱۶۹_۱۷۰' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

مسجد کے پچھلی جانب ایک سائبان تھا' مشہور قول کے مطابق اہل صفہ اسی سے منسوب ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں: تحویل قبلہ سے پہلے صفہ مسجد کی شمالی جانب تھا' جب تحویل قبلہ ہوئی اہل صفہ کے مقام کی جانب قبلہ کی سمت اونچی دیوار برقرار رہی' حافظ ابن حجر نے کہا ہے: صفہ مسجد نبوی کے آخر میں سائبان تھا' اسے ایسے مسافروں' اجنبیوں کے لیے تیار کیا گیا تھا جن کا کوئی ٹھکانہ ہوتا نہ اہل وعیال' اصحاب صفہ کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی' کوئی شادی کر لیتا یا سفر پر نکل جاتا۔ المجد' دارقطنی سے نقل کرتے ہیں صفہ مسجد کے پیچھے سائبان تھا۔ ''التوشیح'' میں ہے صفہ نبی ﷺ کے حجروں کے پیچھے ایک سایہ دار جگہ تھی' یہ ان اجنبیوں کی منزل تھی جن کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا نہ اہل وعیال' یہ جگہ مسجد کے آخر میں تھی' اب یہ جگہ مسجد اور حجرۂ منیفہ کے مقابل ہے اور صفہ اور حجرۂ مبارکہ دونوں مسجد کے اندر ہیں۔

نیز المجد نے کہا ہے: ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں قباء کے ذکر میں کہا ہے: کمرے کے آخر میں بلند جگہ ہے جسے عرفات کہتے ہیں اس سے صفہ میں داخل ہوتے ہیں' حضرت عمار اور سلمان اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم اصحاب صفہ میں سے ہیں' گویا یہ وہم ہے۔ واللہ اعلم (یعنی صفہ قباء میں نہیں بلکہ مسجد نبوی کے پاس ہے' اسے قباء میں ذکر کرنا وہم ہے)

علامہ سمہودی نے ''الوفاء'' میں کہا ہے: میرا خیال ہے قاضی عیاض کا مذکورہ بالا قول مشہور ترین اور یقینی قول ہے اور ابن جبیر نے ایک مرجوح یا مؤول قول نقل کیا ہے' ممکن ہے بعد ازاں اہل صفہ نے قباء کے علاقہ میں گھر بنا لیے ہوں اور وہ علاقہ دار الصفہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہو۔

ابن الجوزی کی 'تلبیس ابلیس'' میں ہے اصحاب صفہ فقراء تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے' ان کا گھر بار اور مال متاع نہ ہوتا' ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں سائبان بنایا گیا تھا۔

ابو نعیم نے ''الحلیة'' میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں اہل صفہ میں سے تھا جب شام ہوتی ہم رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوتے تھے' آپ ہر آدمی کو حکم فرماتے' وہ اصحاب صفہ میں سے ایک یا زائد افراد کو اپنے ساتھ (کھانا کھلانے کے لیے) لے جاتا' پھر اصحاب صفہ میں سے دس یا اس سے کم وبیش لوگ باقی رہتے' رسول اللہ ﷺ اپنا رات کو کھانا لاتے اور ان کے ساتھ مل کر تناول فرماتے تھے' جب ہم فارغ ہو جاتے' آپ فرماتے: مسجد میں سو جاؤ۔[923]

ابن شبہ نے روایت کیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو شخص مدینہ طیبہ میں آتا اگر اس کا کوئی واقف کار اور شناسا ہوتا تو وہ اس کے ہاں ٹھہرتا' جس کا کوئی واقف کار اور شناسا نہ ہوتا' وہ صفہ میں ٹھہرتا تھا۔ میں صفہ میں ٹھہرنے والوں میں سے تھا' میں ایسے دو اشخاص کا ساتھی تھا جن کو ہر روز رسول اللہ ﷺ کی کھجوروں سے دو مُد ملا کرتے تھے۔

---

923 ضعیف روایت۔ ابو نعیم ''الحلیة'' ج ۱ص ۳۵۲' از ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی ضعیف راوی ہے۔

ابن النجار نے کہا ہے: سیرت نگاروں نے روایت کیا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں نبی ﷺ کے مہمان دیکھے تو کہا: ہم ان مہمانوں کو انصار کے گھرانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور ہم آپ کے لیے ہر باغ سے کھجوروں کا خوشہ مقرر کر دیتے ہیں تاکہ آپ کے پاس آنے والے لوگوں کی خوراک کا مسئلہ حل ہو جائے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درست ہے' جب آپ کے پاس خوشے لائے جاتے' آپ ان کو مسجد کے دو ستونوں کے درمیان بندھی رسی پر لٹکا دیتے اور بیس یا اس سے زائد اصحاب صفہ ان میں سے کھا کر واپس جاتے' پھر اور آ جاتے اور اسی طرح کھا کر واپس چلے جاتے' جب رات ہوتی تو آپ ان کے لیے اسی طرح خوشے لٹکا دیتے تھے۔[924]

امام بخاری نے تقسیم اور مسجد میں خوشے لٹکانے کا عنوان رقم کیا ہے اور اس بارہ میں صریح حدیث ذکر نہیں اور اس حدیث کی طرح اشارہ کیا ہے جسے نسائی نے حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھا' مسجد میں ردی کھجوروں کا خوشہ لٹکایا گیا تھا' آپ اس خوشہ سے تناول فرمانے لگے اور فرمایا: اگر اس صدقہ کا مالک چاہتا تو اس سے اچھا اور بہتر صدقہ کرتا (یہاں معروف صدقہ مراد نہیں کیونکہ صدقہ آپ پر حلال نہ تھا)۔[925]

ابونعیم نے ''الدلائل'' میں نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مساکین کے لیے ہر باغ سے مسجد میں خوشہ لٹکانے کا حکم فرمایا' ایک اور روایت میں ہے اس کی حفاظت یا تقسیم پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مقرر تھے۔

(الوفاء ص ۳۲۳)

''الاصابہ'' میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کے والد کے تذکرہ میں ہے' ابونعیم نے ''الدلائل'' میں نقل کیا ہے انہوں نے بیان کیا: ہم صفہ میں تھے ہم بیس افراد تھے' ہم کو بھوک لگی اور میں اپنے ساتھیوں میں سب سے کم سن تھا' انہوں نے مجھے نبی ﷺ کے پاس بھیجا میں ان کی طرف سے بھوک کی شکایت لے کر گیا۔

''المواھب'' میں ہے نبی ﷺ اصحاب صفہ کو رات کو بلاتے اور ان کو اپنے صحابہ پر بانٹ دیتے (کہ وہ ان کو ساتھ لے جائیں اور کھانا کھلائیں) ایک گروہ آپ کے پاس باقی رہتا تھا۔[926] زرقانی کہتے ہیں: آپ مواسات اور مہربانی کے طور پر ایسا کرتے تھے۔

حدیث میں ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے خادم طلب کیا تو آپ نے فرمایا: میں تم کو خادم نہیں دوں گا درانحالیکہ میں اہل صفہ کو چھوڑ دوں' جن کے پیٹ (بھوک کی وجہ سے) کمر سے لگ چکے ہیں۔[927]

العقبانی کی ''تحفة الناظر'' میں ہے عزالدین نے کہا ہے: مسجد میں ان ضعفاء کو رات گزارنے کی اجازت دی گئی جو اس کی حرمت کو پائمال نہ کریں' اصحاب صفہ مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہاں رات گزارتے تھے۔

---

924 ابن النجار' اسناد نامعلوم۔

925 صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۱۶۰۸' نسائی ج ۵ ص ۴۳۔۴۴' ابن ماجہ: ۱۸۲۱' از عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ۔

926 ابونعیم ''الحلیۃ'' ج ۱ ص ۳۵۲' از ابوذر رضی اللہ عنہ' ضعیف روایت۔

927 صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۷۰۵' مسلم: ۲۷۲۷ (۸۰)' احمد ج ۱ ص ۱۳۶' ترمذی: ۳۴۰۸۔۳۴۰۹' نسائی ''عشرۃ النساء'': ۲۹۰' عبد اللہ بن احمد ''زوائد المسند'' ج ۱ ص ۱۲۳' ابن حبان: ۶۹۲۱۔۶۹۲۲' از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

ابن التلسانی نے ''الشفاء'' پر ''الکشاف'' سے نقل کیا ہے اصحاب صفہ تقریباً چار سو قریشی مہاجرین تھے' ان کا مدینہ طیبہ میں مسکن اور خاندان نہ تھا۔ وہ مسجد نبوی کے صفہ میں رہتے' رات کو قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور دن میں گٹھلیاں کوٹتے تھے' یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے روانہ کردہ ہر سریہ میں شامل ہوتے' شام کو جس مسلمان کے پاس فاضل خوراک ہوتی وہ ان کے پاس لے آتا تھا۔

حافظ ابن الجوزی ''تلبیس ابلیس'' میں کہتے ہیں: یہ حضرات ضرورت کے تحت مسجد میں بیٹھتے تھے' اور ضرورت ہی کے تحت صدقہ کھاتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فراخی عطا فرمائی' یہ اس ضرورت سے مستغنی ہو گئے اور مسجد کے صفہ سے نکل گئے۔

امام احمد بن قاسم الصومعی التادلی اپنی کتاب ''**اللباب فی معاملة الملک الوهاب**'' میں اصحاب صفہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ نے نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کو لازم کر لیا وہ تجارت' زراعت اور مال و متاع کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے' وہ نماز پڑھتے' پھر دوسری نماز کا انتظار کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد (ج ۳ ص ۷۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قراء قرآن مجید پڑھتے اور رات کو اس کا تکرار کرتے (دہراتے) دن کے وقت پانی بھر کر لاتے اور اسے مسجد میں رکھتے' ایندھن کی لکڑیاں لاتے' ان کو فروخت کر کے اہل صفہ اور فقراء کے لیے کھانا خریدتے تھے۔

استاذ صالح ابو عثمان سعید بن ابی جعفر احمد بن ابراہیم بن لیون التجیبی اپنے رسالہ ''**الانالة العلمیة**'' میں کہتے ہیں: صوفیہ میں غیر متاہل فقراء نے اہل صفہ ہی سے مساجد اور خانقاہوں میں تجرد اور قلتِ ذرائع معاش کی وراثت پائی ہے' لوگ فقراء کی اس صفت پر معترض ہوتے ہیں حالانکہ یہ سنت ہے۔ کیونکہ عرف شرع میں سنت وہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے برقرار رکھا یا اس پر عمل فرمایا یا اس کی تعلیم دی۔ حضور ﷺ اصحاب صفہ کے ساتھ احسان فرماتے' ان سے اُنس فرماتے اور ان کو کمائی کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔[۹۲۸]

''**صحیح مسلم**'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے' انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کے ہمراہ ایسے اشخاص کو روانہ فرمائیں جو ان کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں' آپ نے ان کے ساتھ ستر (۷۰) انصاری صحابہ کو روانہ فرمایا جن کو قراء کہا جاتا تھا' ان میں میرے ماموں حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے' یہ لوگ قرآن پڑھتے اور اس کا تکرار کرتے تھے' رات کے وقت یہ حضرات علم حاصل کرتے اور دن کو پانی لا کر مسجد میں رکھتے تھے' ایندھن کی لکڑیاں لاتے اور ان کو بیچ کر اہل صفہ اور فقراء کے لیے طعام خریدتے تھے۔ آپ نے ان ستر قراء کو ان لوگوں کے ساتھ بھیجا' ان لوگوں نے ان قراء کو راستہ ہی میں شہید کر دیا۔[۹۲۹]

۹۲۸　حافظ ابن الجوزی نے ''تلبیس ابلیس'' (ص ۱۸۳) میں لکھا ہے: یہ حضرات ضرورتاً مسجد میں بیٹھتے اور صدقہ کھاتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا وہ اس حالت سے نکل گئے۔

۹۲۹　صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۰۹۰' مسلم: ۶۷۷' احمد ج ۳ ص ۱۶۷۔۲۵۵' ابن سعد ''الطبقات'' ج ۲ ص ۵۱۔۵۴' بیہقی ''الدلائل'' ج ۳ ص ۳۳۸۔۳۴۴' طبرانی (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۲۶۔۱۲۷) از انس رضی اللہ عنہ۔

نبی ﷺ نے اصحاب صفہ کو صفہ میں رہنے سے منع نہیں فرمایا اور قراء کو ان کی خدمت سے نہیں روکا۔ بعد ازاں استاذ ابوعثمان نے صحیح البخاری کی سابقہ حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں کہا: صحیح یہ ہے کہ وہ فقراء اور غیر متاھل دنیاداری سے لاتعلق تھے وہ ذرائع معاش سے بے نیاز مسجد میں قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ آج بھی دنیاداری سے لاتعلق فقراء کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔[۹۳۰]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم مدینہ طیبہ میں آتے جس کا کوئی شناسا ہوتا وہ اس کے ہاں ٹھہرتا' ورنہ صفہ میں رہتا تھا' اصحاب صفہ میں چارسو کے قریب حضرات صحابہ رہتے تھے جن میں حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن ام مکتوم' حضرت صہیب' حضرت سلمان' حضرت خباب' حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل ایمان شامل ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات قرأت میں مصروف رہتے بلکہ عبادت کی طرف مائل رہتے تھے۔ یہ سب حضرات اصحاب صفہ میں سے تھے اور سب کے سب عبادت اور سنت (کی پیروی) میں تھے۔

مہاجرین اور انصار' قبائل اور خاندانوں سے منسلک تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ وابستہ کر دیا اصحاب صفہ کو رسول اللہ ﷺ نے صفہ سے منسلک کر دیا اور اس سے ان کو مربوط کر دیا' کیونکہ ان کی ملکیت میں کچھ نہ تھا' نہ ان کے رہائش کے لیے گھر تھے' نہ ان کی قبائل سے وابستگی تھی' سو وہ ایک قبیلہ کی طرح ہو گئے' یہی کیفیت آج کل کے فقراء کی ہے۔[۹۳۱]

انہی اصحاب صفہ اور فقراء میں سے بعض حضرات کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ (التوبہ:۹۲)	وہ اس حال میں لوٹے کہ ان کی آنکھیں اشک بار تھیں اس غم میں کہ وہ نہیں پاتے اس چیز کو جسے خرچ کریں ۝

یہ حضرات جہاد میں شرکت سے بوجہ ضعف قاصر تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ . (الانعام:۵۲)	اور ان (مساکین مومنین) کو دور نہ کیجئے جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ وحی نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ (عبس:۱-۲)	چیں بہ جبیں ہوئے اور (انہوں نے) منہ پھیرا ۝ اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا حاضر ہوا ۝

ان آیات سے اصحاب صفہ کے اوصاف معلوم ہوئے' جن کی دورِ حاضر کے فقراء پیروی کرتے ہیں۔ بقول شاعر:

۹۳۰ کہاں حضرات اصحاب صفہ اور کہاں نام نہاد متوکل اور اسلامی معاشرہ پر بوجھ' واصل الی اللہ ہونے کے دعوی دار' زہد و کرامات کے مدعی۔

۹۳۱ شیخ دور کی کوڑی لائے ہیں۔ چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک۔ وہ مجاہد فی سبیل اللہ' رسول اللہ ﷺ کے ناصر و مددگار اور یہ حضرات۔۔۔۔۔

اے اللہ کے قرب کے متلاشی! اہل صفہ کے علاوہ دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہو
ان کے متعلق نرم اور شفقت بھری بات کر کیونکہ وہ تقویٰ اور الفتِ باری تعالیٰ والے تھے

المحلی کی تفسیر کے تکملہ میں آیت کریمہ:

اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. جو اللہ کی راہ میں روکے گئے۔

(البقرہ: ۲۷۳)

کے تحت علامہ سیوطی کہتے ہیں: یہ آیت کریمہ اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[۹۳۲] یہ چار سو مہاجرین تھے' جو تعلیم قرآن اور لشکروں کے ساتھ جہاد میں جانے کے لیے تیار رہتے تھے"احصروا فی سبیل اللہ "کا مطلب ہے انہوں نے اپنی جانوں کو جہاد کے لیے وقف کر رکھا تھا۔"لا یستطیعون ضربا فی الارض "یعنی جہاد میں مصروفیت کی وجہ سے وہ تجارت اور دیگر معاشی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔

ابن لیون التجیبی نے اپنے رسالہ میں دوسرے مقام پر کہا ہے:"صحیح "میں ہے اصحاب صفہ نے ذرائع معاش نہیں اپنائے اور ذکر وفکر اور مسجد میں رہنے کے سوا کسی چیز میں مشغول نہیں ہوئے' قراء ان کی خدمت کرتے تھے اور نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ ان کو کھانا کھلاتے تھے' اور آپ نے ان سے فرمایا: اے اہل صفہ! تمہیں بشارت ہو۔ سو ذرائع معاش کا ترک ایسا طریقہ ہے جسے نبی علیہ السلام نے برقرار رکھا اور آپ نے ان کو ذرائع معاش اختیار کرنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ ان کو توکل کرنے کا حکم فرمایا۔[۹۳۳]

حافظ ابن حجر الہیتمی نے"شرح الھمزیۃ"میں صحابہ کرام کے حق میں کہا ہے:

"صحابہ دنیا سے دست بردار ہو گئے' انہوں نے دنیا کی طرف میلان اور رغبت نہیں کی"۔

زہد میں صحابہ کرام کی دو قسمیں ہیں: (۱) اکثریت نے دنیا کے حصول میں بالکل کوشش نہیں کی' وہ صرف علوم و معارف کی تحصیل اور ان کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ عبادات میں مگن رہے' انہوں نے اپنے وقت کا ہر لمحہ انہی کاموں میں لگا دیا (۲) باقی حضرات نے دنیا کو حاصل کیا لیکن وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خزانچی رہے اور اپنے مال و دولت کو راہِ خدا میں لٹاتے رہے۔

ابن لیون کی اس تقریر کو ابو عبداللہ زنبیر السلوی اور الصاوی وغیرہ نے اپنے حواشی اور تقاریر میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ذرائع معاش کو ترک کرنے والے صحابہ کو اصحاب صفہ تک محدود کر دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ اصحاب صفہ کے علاوہ صحابہ کرام کی اکثریت نے ذرائع معاش کو اپنایا اور سعی و عمل کے ذریعے دنیا کو حاصل کیا۔[۹۳۴] واللہ اعلم

---

۹۳۲ کسی مفسر نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے بلکہ حافظ ابن کثیر نے "تفسیر" ج ۱ ص ۲۸۴ میں کہا ہے: یہ آیت کریمہ ان مہاجرین کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہوئے اور ان کے پاس ذرائع آمدنی نہ تھے۔ نیز دیکھئے "جامع البیان" ابن جریر طبری ج ۳ ص ۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ۔

۹۳۳ آج کل کے صوفیہ کا اس سے استدلال درست نہیں' حقیقی توکل یہ ہے کہ معاش کے اسباب اور ذرائع کو اختیار کر کے اس کا انجام اللہ کے حوالہ کر دیا جائے۔ اسلام دین عمل ہے' ہر مسلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ کا فعال اور نافع فرد بنے۔

۹۳۴ یہ صحیح رائے ہے کیونکہ صحابہ کرام نے عمل اور ذریعۂ معاش کو ترک نہیں کیا۔

بعدازاں میں نے شیخ سلیمان الجمل کی اس مسئلہ میں "الھمزیۃ" پر بہترین تعبیر دیکھی' وہ اس مقام پر کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی اس بارے میں دو قسمیں تھیں' اکثر اہل صفہ کی طرح حصول دنیا کے ذرائع سے بالکل لاتعلق رہ کر علوم و معارف کے حصول اور عبادات میں معروف رہے اور ان کی کثیر تعداد نے اسباب کو حاصل کیا اور ان اسباب و ذرائع سے مال و دولت کو حاصل کیا۔

شیخ محمد بن عبدالرحمٰن الصومعی التادلی نے "الھمزیۃ" پر اپنی شرح میں لکھا ہے: بعض صحابہ نے اس سے بالکلیہ اعراض کیا اور علوم و معارف کی تحصیل میں مشغول رہے' اور بعض نے اس کی تحصیل میں کوشش کی اور بقدر نفع اس کو حاصل کیا تاکہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

میں نے اصحاب صفہ کے ذرائع معاش نہ اپنانے پر اس قدر نقول اس لیے ذکر کی ہیں کہ ان پر اس سلسلہ میں زبردست اعتراض کیا جاتا ہے' اور یہ کہ بعض صحابہ دینا کے حصول کے لیے سرگرداں رہے' یہ دونوں قول نص قرآن کی رو سے غلط ہیں اور ایسا معترض فی الواقع قرآن مجید کی تفہیم سے غافل ہے۔ قرآن مجید میں اصحاب صفہ کے بارہ میں ہے:

لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ ۡ (البقرہ:۲۷۳) وہ طاقت نہیں رکھتے زمین میں چلنے کی۔

"الدر المختار" پر شمس الدین ابن عابدین الحنفی الدمشقی کے حواشی میں المصفی سے منقول ہے کہ مسجد میں باتیں کرنے کے لیے بیٹھنے کی شرعاً اجازت ہے' کیونکہ اصحاب صفہ ہمیشہ مسجد میں رہتے تھے' وہیں سوتے تھے اور باہم باتیں کرتے تھے۔ سو کسی کے لیے اس سے منع کرنا جائز نہیں۔ (الجامع البرھانی) ممنوع یہ ہے کہ آدمی عبادت کی غرض سے نہیں بلکہ اپنے کسی مطلب کے حصول کے لیے مسجد میں داخل ہو اور وہاں باتوں میں مشغول رہے۔

علامہ علوان بن عطیہ الحموی کی کتاب "أس المقاصد فی تعظیم المساجد" میں ہے کہ بعض لوگوں نے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اصحاب صفہ کے مسجد میں باہم گفتگو کرنے سے مساجد میں بات چیت کرنے کی دلیل دی ہے' غور فرمایئے انہوں نے ان عظیم صحابہ کرام پر ان لوگوں کو قیاس کیا ہے جو اشرار سے تعلق رکھتے اور نہایت ردی خیالات کے حامل ہیں' کیا اصحاب صفہ کا مسجد نبوی میں اجتماع نفسانی خواہشات کی تکمیل اور شیطانی اخلاق' لہو ولعب' ہنسی مذاق اور دنیاوی گفتگو کے لیے ہوتا تھا؟

اصحاب صفہ کے اسماء گرامی' ان کے مناقب اور احوال پر ابن الاعرابی نے کام کیا ہے۔ السلمی نے اس موضوع پر "تاریخ اھل الصفۃ" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ الحاکم نے "الاکلیل" میں اور ابونعیم نے "الحلیۃ" میں سو اصحاب صفہ کا ذکر کیا ہے' ان میں سے ہر ایک نے ان اصحاب صفہ کا ذکر کیا ہے جن کا دوسروں نے ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن تیمیہ نے کہا اصحاب صفہ کی مجموعی تعداد ایک قول کے مطابق چار سو ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار سو سے زیادہ ہے۔ حافظ سیوطی نے چار سو اصحاب شمار کیے ہیں' تفسیر "الدر المنثور" میں بھی اسی طرح ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے "عوارف المعارف" میں اور الزمخشری نے "الکشاف" میں یہی بیان کیا ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نے "شرح الشفاء" میں کہا ہے کہ یہ قول اس روایت کے منافی نہیں کہ انہوں نے تمیں

کے قریب ایسے اصحاب صفہ کو نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جن کے پاس چادریں نہ تھیں (صرف تہبند تھے)۔

امام ابوالعباس احمد بن قاسم الصومعی التادلی ''**لب اللباب فی معاملة الملك الوهاب**'' میں اصحاب صفہ کے ذکر میں لکھتے ہیں: شروع میں اصحاب صفہ چالیس تھے' پھر ان کی تعداد چار سو ہو گئی' قتادہ نے کہا: اصحاب صفہ نو سو آدمی تھے۔ ''**سمط الجوهر الفاخر**'' میں ابونعیم کی ''**الحلية**'' کے حوالہ سے ایک سو سے زائد اصحاب صفہ کے نام مذکور ہیں انہوں نے تین ناموں کا اور اضافہ کیا ہے۔

علامہ خفاجی نے اصحاب صفہ کے تذکرہ کے آخر میں کہا ہے: اصحاب صفہ اللہ تعالیٰ کے منتخب اور پسندیدہ افراد ہیں' ان کو یہ مرتبہ مبارک ہو' ہم ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوالی ہیں کہ وہ ہمیں ان کی برکات میں شامل فرما دے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے میری زندگی کو دراز فرما دیا تو میں اصحاب صفہ کے تذکرہ پر کتاب لکھوں گا۔

وماذلك على الله بعظيم

اہم معاملات میں رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ

امام نسائی اور ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کے معاملات میں رات کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گفتگو فرماتے تھے۔[۹۳۵]

حافظ ابن حجر نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

۹۳۵ صحیح الاسناد: حدیث۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۰۔ ج ۱۰ ص ۵۲۰' احمد: ۱۷۵۔ ۱۷۸۔ ۲۲۸۔ ۲۶۵۔ ۲۶۷ (ترقیم شعیب الارناؤوط) ترمذی: ۱۶۹' نسائی ''الکبریٰ'': ۸۲۵۶' ابویعلیٰ: ۱۹۴۔ ۱۹۵' ابن خزیمہ ''صحیح'': ۱۱۵۶۔ ۱۳۳۱' ابن حبان ''الاحسان'': ۲۰۳۴' محمد بن نصر ''قیام اللیل'' ص ۵۰' از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

القسم التاسع

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صنعت وحرفت اور ان سے منسلک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

مقدمات

پہلا مقدمہ

حافظ ابن القیم نے ''الهدی النبوی'' میں کہا ہے: نبی ﷺ نے بیچا بھی ہے اور خریدا بھی اور آپ کی خریداری زیادہ ہے' آپ نے اجرت پر کام لیا ہے اور اجرت پر کام کیا ہے اور آپ کا اجرت پر کام لینا زیادہ ہے۔ آپ نے مضاربت کی' مشارکت کی' وکیل بنایا اور وکیل بنے اور آپ کا وکیل بننا زیادہ ہے' آپ نے ہدیہ دیا اور آپ کو ہدیہ پیش کیا گیا' آپ نے ہبہ فرمایا اور آپ کو ہبہ کیا گیا' آپ نے قرض لیا' عاریۃً لیا' عام اور خاص کے ضامن بنے' وقف فرمایا اور سفارش کی' کبھی آپ کی سفارش مان لی گئی اور کبھی نہ مانی گئی' اس پر آپ ناراض ہوئے نہ غصے کا اظہار کیا' آپ نے قسم کھائی اور قسم طلب فرمائی' بعض قسموں کا آپ نے کفارہ نہیں دیا اور بعض کا کفارہ ادا فرمایا' آپ نے مزاح کیا' توریہ فرمایا لیکن ہر حال میں حق فرمایا' یہی آپ کا اسوہ اور قابل اتباع نمونہ ہے۔

دوسرا مقدمہ

المواق نے ''سنن المهتدین'' میں کہا ہے: فقہ سے واضح ہوتا ہے کہ صنعت' تجارت اور فرض عین علم کے حصول سے زائد علم میں مشغول ہونا' علم طب حاصل کرنا سب شرعی اسباب میں سے ہیں' اس لیے جو شخص ان میں اخلاص نیت کے بغیر مشغول ہوا وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے' اگرچہ اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے تاہم اس کا اجر ختم ہو گیا' اگر اس کے حصول سے اس نے فرض کفایہ کی نیت کر لی تو وہ خیر کی طرف سبقت کرنے والا ہے اور اگر اس علم کے حصول سے اس کی نیت یہ ہے کہ وہ سوال کرنے سے بچ جائے گا تو پھر ایسا شخص میانہ روی اور اعتدال پر ہے۔

دوسرے مقام پر کہا ہے: میانہ رو وہ شخص ہے جس نے صنعت' تجارت' طب وغیرہ کا فرض عین سے زائد علم اس لیے حاصل کیا تاکہ حلال طریقہ سے ضرورت کے مطابق متاع دنیا حاصل کرے' بعض حضرات نے اسے بہترین سبب کہا ہے' بعض کا کہنا ہے کہ دف اور گانے بجانے سے دنیا کو حاصل کرنا میرے نزدیک علم اور دین کے ذریعہ دنیا کو حاصل کرنے سے پسندیدہ ہے۔[۹۳۶] (بحوالہ مختصر الرھونی)

''عمدة المطالب'' میں ہے: جس طرح علم کا طلب کرنا فرض ہے اسی طرح کسب کرنے کو طلب کرنا بھی لازم ہے' کسب کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) مستحب' اپنی ذات' اہل وعیال اور قرض ادا کرنے کے لیے بقدر کفایت کسب کرنا فرض ہے' اس سے زائد کمائی کرنا تاکہ فقراء کی مدد کر سکے اور عزیز وقریب کو فائدہ پہنچائے ایسا کسب مستحب ہے۔ یہ نفل عبادت کے لیے فارغ ہونے سے بھی افضل ہے۔ سب سے افضل کسب تجارت ہے' پھر صنعت وحرفت ہے' پھر طلب علم ہے۔ مزید کہا: اگر علماء ہنر سیکھ لیتے' فقر وفاقہ میں مبتلا نہ ہوتے نہ وہ لوگوں کے مال کو لالچ بھری نگاہوں سے دیکھتے۔ (بحوالہ ''هدایة الضال المشتغل بالقیل والقال'')

---

۹۳۶ منافقانہ اور گمراہانہ قول۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ توزی کا شاخسانہ۔
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

"شرح الزرقانی علی المؤطا" میں حدیث مبارکہ "کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا یہاں تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے سوائے اچھے طریقہ سے طلب کرو"[۹۳۷] کے تحت لکھا ہے کہ رزق کی طلب توکل کے منافی نہیں ہے۔

ترمذی اور حاکم کی صحیح قرار دادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ مرفوع حدیث میں ہے: اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے' وہ صبح کو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو شکم سیر[۹۳۸] امام احمد نے کہا: یہ حدیث رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے پر دلالت کرتی ہے' بیٹھے رہنے پر نہیں۔

امام احمد نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے کہا تھا: میں کوئی کام نہیں کروں گا' میرا رزق میرے پاس خود آئے گا۔ یہ شخص علم سے ناواقف اور جاہل ہے۔ کیا اس نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ میں رکھا ہے[۹۳۹] اور آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ پرندے صبح کو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو شکم سیر آتے ہیں (پورا دن رزق کی تلاش میں رہتے ہیں)۔ اور صحابہ کرام بحر و بر میں تجارت کرتے تھے' اپنے باغات اور کھیتوں میں کام کرتے تھے' ان کی زندگی ہمارے لیے قابل اتباع نمونہ ہے۔

تیسرا مقدمہ

العضد نے "صدر المواقف" میں کہا ہے: بعض اکابرین امت اور اخیار امت نے خبر مشہور "میری امت کا اختلاف رحمت ہے"[۹۴۰] کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے علوم کے حصول میں ان کی ہمتوں کا

---

۹۳۷ صحیح حدیث۔ ابونعیم "الحلیۃ" ج ۱۰ ص ۲۷' از ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔ اس باب میں حاکم' ابن حبان اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے' حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے' بزار نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے' ابن حبان' بزار اور طبرانی نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے' ابویعلیٰ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مختصر اور مطول احادیث روایت کی ہیں۔
(جامع الاصول: ۵۸۶۷)

۹۳۸ جید الاسناد حدیث۔ احمد ج ۱ ص ۳۰' ابن المبارک "الزھد": ۵۵۹' ترمذی: ۲۳۴۴' ابونعیم "الحلیۃ" ج ۱۰ ص ۶۹' ابن حبان "الاحسان": ۷۳۰' حاکم ج ۴ ص ۳۱۸' بغوی "شرح السنۃ": ۴۱۰۸' قضاعی "مسند الشھاب": ۱۴۴۴' از حیوۃ بن شریح از بکر بن عمرو از عبداللہ بن ہبیرہ از ابی تمیم الجیشانی از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ احمد ج ۱ ص ۵۲' ابن ماجہ: ۴۱۶۴' از طریق ابن وہب از ابن لہیعہ از ابن ہبیرہ۔۔۔۔

۹۳۹ حسن حدیث۔ احمد ج ۱ ص ۵۰۔۹۲' دیلمی: ۲۰۹۹' بخاری: تعلیقاً ج ۶ ص ۹۸ بہ صیغہ تمریض از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" ج ۶ ص ۹۸ میں اس کے دو راویوں پر جرح کی ہے لیکن اسنادِ حسن کے ساتھ اس کے مرسل شاہد کا ذکر کیا ہے' عراقی نے "الاحیاء" میں اسے صحیح' ابن حجر نے حسن اور ابن تیمیہ نے اجود کہا ہے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۵' بہ تحقیق الارناؤوط)

۹۴۰ بے اصل روایت۔ البانی نے "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ" (حدیث: ۵۷) میں کہا ہے: محدثین کو تمام تر کوشش کے باوجود اس کی سند نہیں ملی۔ حافظ سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ شاید ہمیں وہ کتاب نہیں ملی جس میں یہ حدیث درج تھی۔ لیکن یہ عذر لنگ ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ امت رسول اللہ ﷺ کی بعض احادیث کو ضائع (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اختلاف مراد ہے' کوئی فقہ کے حصول میں مگن ہے' دوسرا علم کلام کے حصول میں مصروف ہے۔ جیسے مختلف پیشوں کے لوگ ہیں تا کہ ہر ہنر اور پیشہ برقرار رہے اور دنیا کا نظام چلتا رہے۔

سید نے اس کی شرح میں کہا ہے: پیشوں کا یہ اختلاف بھی رحمت ہے' لیکن یہاں اس کو بطور دلیل ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھا مقدمہ

صحیح بخاری میں امام بخاری نے کتاب البیوع میں یہ عنوان ذکر کیا ہے: ''**باب ما ذکر فی الاسواق**'' فتح الباری میں اس عنوان کے تحت مذکور ہے ابن بطال نے کہا: اس عنوان کے ذکر سے امام بخاری کا ارادہ مارکیٹوں کی اباحت اور بازاروں میں شرفاء اور معززین کے داخل ہونے کے مباح ہونے کو بیان کرنا ہے۔ گویا امام بخاری نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کی شرط پر ثابت نہیں کہ بازار زمین کے بُرے ٹکڑے ہیں۔ اس حدیث کو احمد اور بزار نے اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین قطعاتِ زمین مساجد ہیں اور مبغوض ترین قطعاتِ زمین بازار ہیں۔[۹۴۱] اس کا اسناد حسن ہے' اسے ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔[۹۴۲] ابن بطال نے کہا یہ عمومی طور پر بازاروں کا حال ہے ورنہ بعض بازار ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مساجد سے زائد اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مؤلف علامہ کتانی کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس سے غافل رہے کہ یہ حدیث ''**صحیح مسلم**'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے اللہ کے ہاں محبوب ترین خطۂ زمین مساجد ہیں اور ناپسندیدہ

(سابقہ حاشیہ: ۹۴۰) کر چکی ہے حالانکہ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے۔
علامہ مناوی علامہ سبکی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کے ہاں معروف نہیں اور میں اس کی کسی صحیح' ضعیف اور موضوع سند سے واقف نہیں۔ شیخ زکریا انصاری نے ''تفسیر البیضاوی'' پر اپنے حواشی میں اس روایت کے مفہوم کو محققین علماء کے نزدیک ناقابل اعتبار کہا ہے۔ علامہ ابن حزم نے ''**الاحکام فی اصول الاحکام**'' (حدیث: ۶۴۱۵) میں اس کے حدیث نہ ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ قول فاسد ہے کیونکہ اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق اس کے برعکس ہوگا اور اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں' دوسرے مقام پر اس قول کو باطل مکذوب کہا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ'' ج ا ص ۱۴۲۔۱۴۳ ملاحظہ کریں۔

۹۴۱ حسن حدیث۔ احمد ج ۴ ص ۸۱' حاکم ج ا ص ۸۹۔۹۰' از جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ۔ ذہبی نے تلخیص میں ابن المبارک از عمرو بن ثابت از عبد اللہ بن محمد بن عقیل از محمد بن جبیر از والد خود اس کا شاہد ذکر کیا ہے۔ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی آئندہ احادیث بھی اس کی شاہد ہیں۔

۹۴۲ حسن حدیث۔ ابن حبان' ''الاحسان'': ۱۵۹۹' حاکم ج ا ص ۹۰' بیہقی ''السنن'' ج ۳ ص ۶۵' طبرانی ''الکبیر'' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔
علامہ ہیثمی نے کہا: اس میں عطاء بن السائب ہے یہ ثقہ ہے لیکن آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔
جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث اس کو تقویت فراہم کرتی ہیں۔

ترین خطہ ہائے زمین بازار ہیں[943] یہ حدیث امام مسلم کی افراد سے ہے' اسے امام بخاری نے روایت نہیں کیا ہے' جن حضرات نے اس کے خلاف کہا ہے' وہ صحیح نہیں۔

امام بخاری نے اس عنوان کے تحت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے بعد یہ قول نقل کیا ہے: کیا یہاں تجارت کے لیے بازار ہے؟ ان کو بتایا گیا: قینقاع کا بازار ہے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بازاروں میں خرید وفروخت نے مشغول رکھا۔[944] حافظ ابن حجر نے کہا ہے: امام بخاری کی مراد فقط بازاروں کا ذکر ہے اور یہ کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں بازار موجود تھے اور صاحب فضل وکمال صحابہ کرام روزگار کے حصول' بقدر کفایت روزی کی طلب اور لوگوں سے سوال کرنے سے بچنے کے لیے بازاروں میں آتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ .

اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر یقیناً وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

(الفرقان:۲۰)

ابن رشد نے "جامع البیان و التحصیل" میں صاحب فضل وکمال لوگوں کے بازاروں میں جانے اور خرید وفروخت کرنے پر عنوان رقم کیا ہے اور اس میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایسے صاحب فضل وکمال شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی ذاتی ضروریات کی خریداری کے لیے بازار میں جاتا ہے کیا یہ چیز اس کے شایانِ شان ہے؟ امام مالک نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں تشریف لے جاتے تھے' حضرت سالم بن عبداللہ (حضرت عمر کے پوتے) رات کے بازار (سوق الیل) میں ساتھیوں کے ساتھ بیٹھتے تھے' پہریداران کے ساتھیوں کے پاس سے گزرتے تو کہتے: اے ابوعمر! اپنے ساتھیوں کا خیال رکھنا' امام مالک سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ان کا مطلب تھا یہ لوگ کوئی غلط حرکت نہ کریں' بے فائدہ اور لغو کام نہ کریں۔

ابن رشد نے کہا: بازاروں میں آنے جانے کے لیے بطور دلیل اور حجت یہ ارشادِ ربانی کافی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ .

اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر یقیناً وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

(الفرقان:۲۰)

یہ مشرکین کے اس قول کی تردید ہے کہ:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ .

اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے ہیں۔

(الفرقان:۷)

---

۹۴۳ صحیح حدیث۔ مسلم: ۶۷۱' ابوعوانہ ج۱ص ۳۹۰' ابن حبان: ۱۶۰۰' بزار: ۴۰۸' بیہقی "السنن" ج۳ص ۶۵' بغوی: ۴۶۰' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (رقم الحدیث: ۱۲۹۳)

۹۴۴ بخاری ج۳ص ۹۷' باب: ۴۹' قبل از حدیث: ۲۱۱۸۔

بعض کتب میں پہرے داروں کے کلام کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ وہ حضرت سالم کے ساتھیوں کو ان کا احترام ملحوظ رکھنے اور ان کو تحفظ فراہم کرنے پر متوجہ کرتے تھے' یا اس کا یہ مطلب ہے کہ پہرے دار حضرت سالم سے کسی کے بارے میں دریافت کرتے' کیا یہ شخص بھی آپ کے ساتھیوں میں سے ہے؟ تاکہ وہ اس کی بھی لچے لفنگوں سے اسی طرح حفاظت کریں جس طرح آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔

پھر امام بخاری نے "بازاروں میں چیخ و پکار کی کراہیت" کا عنوان ذکر کیا ہے' الدمامینی نے اس عنوان پر ابن المنیر نے نقل کیا ہے کہ بخاری نے بازار کی اباحت پر کثیر عنوانات ذکر کیے ہیں' مذکورہ عنوان کے تحت ابن المنیر نے کہا ہے: امام بخاری تاجر اور کاشتکار تھے' مروی ہے ایک مرتبہ انہوں نے اپنا سامان پانچ ہزار پر بیچنے کا ارادہ کیا اور زبان سے اس کا اظہار نہ کیا' اس کے بعد ان کو کئی گنا زیادہ کی پیش کی گئی' انہوں نے کہا: نہیں' میں پہلی پیش کش پر مطمئن ہوں' گویا انہوں نے دل میں پیدا ہونے والے وسوسے پر بھی اپنے نفس کا محاسبہ کیا۔

علامہ کتانی (مؤلف کتاب) کہتے ہیں: اس پوری بحث سے جو مذکور ہوئی یا آئندہ سطور میں مذکور ہوگی' آپ کو "قانون" میں ابوعلی الیوسی کے اس قول کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہزاروں صحابہ چھوڑے' ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو بازار سے ایک قیراط کے عوض اپنی ضرورت کی چیز خرید سکتا حالانکہ وہ اللہ کے دین کے فقیہ تھے' مطلقاً ایسا کہنا اور سب صحابہ کرام کو اس میں شامل کرنا اور وہ ایسے عالم کی طرف سے نہایت عجیب و غریب چیز ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کی مراد اصحاب صفہ ہوں جنہوں نے اپنے نفوس کو عبادت اور تعلیم و تعلم کے لیے وقف کر دیا تھا۔ لیکن ان کی تعداد بھی ہزاروں میں نہ تھی اور اس کا سبب بیع و شراء سے ان کی جہالت اور عدم واقفیت نہ تھی بلکہ انہوں نے باقی (آخرت) کو فانی (دنیا) پر ترجیح دی تھی۔

"المدخل" میں ابن الحاج نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بازاروں میں تجارت کرتے اور باغات میں کام کرتے تھے' امام بخاری نے باب "کسب الرجل وعمله بیدیه" کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر کیے گئے انہوں نے فرمایا: میری قوم جانتی ہے میری کمائی میرے اہل و عیال کی کفالت کے لیے ناکافی نہیں ہے' میں مسلمانوں کے کاموں میں مشغول ہو گیا ہوں' اب آل ابوبکر اس مال (بیت المال) سے کھائیں گے اور میں مسلمانوں کے کام نپٹاؤں گا۔[۹۳۵]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اگرچہ بظاہر موقوف ہے لیکن اس اعتبار سے کہ آپ خلیفہ بنائے جانے سے پہلے اپنے اہل و عیال کے لیے کمائی کرتے تھے' یہ حدیث مرفوع ہوگی۔ اور اس کی مثال ایسے ہوگی جیسے کوئی صحابی کہے: ہم نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اسی طرح کرتے تھے۔

ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' نبی ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں بصریٰ کی طرف تجارت کے لیے گئے۔

صحیح البخاری کی کتاب البیوع کے شروع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ میرے

۹۳۵ بخاری: ۲۰۷۰' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

مہاجرین بھائیوں کو بازاروں میں خرید وفروخت مشغول رکھتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آئندہ سطور میں آ رہی ہے کہ صحابہ کرام اپنی ضروریات کے لیے کام کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۴ص ۳۵۷ مطبوعہ دارالریان)

امام بخاری نے ''باب التجارة في البر وغيره'' میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ ذکر کیا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید وفروخت غافل نہیں کرتی' اللہ کی یاد سے۔ (النور:۳۷)

پھر قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام خرید وفروخت کرتے' تجارت میں مشغول رہتے لیکن جب اللہ کے حقوق میں سے کسی حق کی آمد ہوتی تو تجارت اور خرید وفروخت ان کو ذکر الٰہی سے نہ روکتی' یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حق کو ادا کرتے۔ ''العمدة'' میں علامہ عینی نے کہا ہے: صحابہ کرام کا بیع وشراء میں یہی معمول تھا جونہی نماز کی اقامت ہوتی فوراً سب کام کاج چھوڑ کر نماز کے لیے چلے آتے تھے۔

اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس کلام سے ہوتی ہے جسے عبدالرزاق نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں تھے' نماز کے لیے اقامت ہوئی تو لوگوں نے اپنی دکانیں بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر مذکور الصدر آیت تلاوت کی۔

ابن بطال نے کہا: میں نے اس کی تفسیر میں دیکھا کہ وہ لوگ لوہار اور موچی وغیرہ تھے' ان میں کوئی ہتھوڑا اٹھاتا یا ستالی جوتے میں داخل کرتا' اتنے میں اذان کی آواز سنتا تو ستالی کو چمڑے سے نہ نکالتا اور ہتھوڑا نہ مارتا' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نماز کے لیے اٹھ جاتا تھا۔

حافظ ابن حجر نے قتادہ کا مذکورہ بالا کلام ذکر کرنے کے بعد کہا: مجھے یہ روایت موصولاً نہیں ملی' البتہ عبدالرزاق کے حوالہ سے مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موصولہ روایت ملی ہے' پھر عینی کی مذکور الصدر عبارت ہے۔

علامہ قسطلانی نے ''الارشاد'' میں کہا ہے: اسے تفسیر ابن کثیر کے مطابق ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے' حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ''الحلية'' میں سفیان ثوری سے منقول ہے کہ وہ حضرات خرید وفروخت کرتے تھے لیکن باجماعت نماز نہیں چھوڑتے تھے۔

امام بخاری نے ''باب الخروج في التجارة'' میں یہ آیت کریمہ درج کی ہے:

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (الجمعہ:۱۰)

اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ مجھے بازاروں میں خرید وفروخت نے مشغول رکھا۔ علامہ قسطلانی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ وہ اپنے اہل وعیال کے لیے روزی کمائیں اور لوگوں سے سوال کرنے سے بچیں' اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو غلو اور تکلف سے کام لیتے ہیں اور

تجارت کے لیے بازاروں میں نہیں جاتے اور اسے ممنوع قرار دیتے ہیں' البتہ ان کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ صدر اسلام کے برعکس آج کل چونکہ بازاروں میں منکرات کا غلبہ ہے اس لیے احتیاط لازم ہے۔

امام بخاری کے ایک باب کا عنوان اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ. (البقرہ: ۲۶۷) اپنی کمائی ہوئی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ کرو۔

علامہ قسطلانی نے مجاہد سے نقل کیا ہے اس سے مراد تجارت ہے۔

امام بخاری نے کتاب البیوع میں مندرجہ ذیل عنوانات قائم کیے ہیں: سنار کا ذکر' لوہار کا ذکر' درزی کا ذکر' پارچہ باف کا ذکر' بڑھئی کا ذکر' فتنہ وغیرہ میں ہتھیاروں کی بیع' عطر فروش اور مشک کی بیع' حجام کا ذکر' ایسے لباس کی بیع جس کا استعمال عورتوں اور مردوں کے لیے مکروہ ہے۔

ابن المنیر' ابن حجر' الدمامینی' العینی اور قسطلانی وغیرہ نے کہا ہے: ان عنوانات کو ذکر کرنے کا فائدہ اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں یہ پیشے موجود تھے اور آپ نے علم کے باوجود ان کو برقرار رکھا سو یہ ان پیشوں کے جواز پر گویا نص ہے' باقی ماندہ پیشے بھی ان پیشوں پر قیاس کیے جائیں گے۔

(فتح الباری ج ۴ص ۲۶۷' عمدۃ القاری ج ۵ص ۱۴۱' القسطلانی ج ۴ص ۳۱)

پانچواں مقدمہ

امام بخاری نے ''باب کسب الرجل وعمله بیده'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے افضل کسب کون سا ہے؟ الماوردی نے کہا: ذرائع آمدنی کے اصول تجارت' زراعت اور صنعت وحرفت ہیں' امام شافعی کے مذہب میں تجارت کو اطیب قرار دیا گیا ہے' حافظ ابن حجر کہتے ہیں: میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ زراعت اطیب (پاکیزہ ترین) ہے' کیونکہ یہ توکل سے قریب تر ہے' امام نووی نے حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس پر اعتراض کیا ہے' اس حدیث کو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے: کسی نے ہرگز ایسا طعام نہیں کھایا جو ہاتھ کی کمائی کے طعام سے بہتر ہو[۹۴۶]۔ پھر امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد (علیہ السلام) صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے[۹۴۷]۔

علامہ نووی کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ سب سے پاکیزہ ترین روزی کا ذریعہ ہاتھ سے کمائی ہے' کیونکہ اس میں انسانوں اور جانوروں سب کا فائدہ ہوتا ہے' اور عادۃً اس میں بغیر عوض کے کھایا جاتا ہے۔ جو ہاتھ سے کام نہیں کرتا اس کے لیے زراعت افضل ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ کام کاج اور روزی کمانے کے ذرائع کے مختلف مراتب ہیں' حالات اور افراد کے اعتبار سے فضیلت بدلتی ہے[۹۴۸] یعنی کسی کے

---

[۹۴۶] بخاری: ۲۰۷۲' از مقدام رضی اللہ عنہ۔

[۹۴۷] بخاری: ۲۰۷۳۔ ۳۴۱۷۔ ۴۷۱۳' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[۹۴۸] فتح الباری ج ۴ص ۳۵۶۔

لیے تجارت افضل ہے کسی کے لیے زراعت اور صنعت و حرفت افضل ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ہنر کی فضیلت اس وقت ہے جب وہ امر مباح ہو' لہو و لعب اور غلط کام نہ ہو' اس سے کسر نفسی پیدا ہو' آدمی سوال کی ذلت سے بچے اور دوسروں کا دست نگر اور محتاج نہ رہے۔

الشرح الجلی میں ہے تجارت کو افضل کہا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تجارت کی ہے' زراعت نہیں کی' لیکن یہ بات محل نظر ہے' تفصیل آگے آ رہی ہے۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون سا کسب افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام اور ہر مبرور بیع۔[949] اس روایت کو علامہ تبریزی نے مشکوٰۃ میں مسند احمد کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری نے اسے بزار کے حوالہ سے نقل کیا ہے' اور ''ہاتھ کے کام'' کی تشریح میں زراعت یا تجارت یا کتابت یا صنعت کو ذکر کیا ہے۔

دوسرے مقام پر کہا ہے: تجارت کی سب سے افضل قسم کپڑے کی تجارت ہے' پھر عطر کی تجارت ہے۔

تجارت اور تاجروں کے متعلق متعدد احادیث مروی ہیں' ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سچا' امانت دار' مسلمان تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ حاکم نے کہا: یہ روایت صحیح ہے اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔[950]

ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: سچا' امانت دار تاجر انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا اور یہ بہترین ساتھی ہیں۔[951] امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے' حاکم نے کہا: یہ حسن کی مراسیل میں سے ہے۔

''الترغیب'' میں اصبہانی نے اور ''الفردوس'' میں دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے' سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے ہوگا۔[952]

---

949 شواہد کے باعث صحیح حدیث۔ ''مجمع الزوائد'' ج ۴ ص ۶۰ میں ہے اس روایت کو احمد ج ۴ ص ۱۴۱' بزار: ۱۲۵۷ اور طبرانی نے ''الکبیر'': ۴۴۱۱ اور ''الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔ اس میں مسعودی ثقہ اور مختلط کے سوا احمد کے سب رجال صحیح ہیں۔ میں کہتا ہوں: اسے طبرانی نے ''الاوسط'' (ج ۱ ص ۱۳۵) اور حاکم (ج ۲ ص ۱۰) نے بھی روایت کیا ہے' اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے' یہ اس روایت کا صحیح شاہد ہے' معجم الطبرانی الکبیر ج ۲۲ ص ۵۱۹۔

950 ضعیف روایت۔ ابن ماجہ: ۲۱۳۹' حاکم ج ۲ ص ۶' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ ''مجمع الزوائد'' میں ہے' اس کے اسناد میں کلثوم بن جوشن القشیری ضعیف ہے۔ اصل حدیث کو ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ البانی نے ''ضعیف سنن ابن ماجہ'' (حدیث: ۴۶۵) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ تاہم ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے لیے باعث تقویت ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

951 ضعیف حدیث۔ ترمذی: ۱۲۰۹' حاکم ج ۲ ص ۶' از ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں ابوحمزہ عبداللہ بن جابر کو ابن حبان کے سوا کسی نے ثقہ نہیں قرار دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی گزشتہ حدیث اس کی شاہد ہے اس لیے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (جامع الاصول: ۲۳۹' ضعیف الجامع: ۲۵۰۱)

952 موضوع روایت۔ اصبہانی ''الترغیب والترہیب'' (ص ۲۰۴' مصورۃ الجامعۃ الاسلامیہ): ۷۰۶۷' دیلمی ج ۲ ص ۴۸' از ابوجعفر محمد بن محمد بن حفص' یحییٰ بن شعیب' حمید طویل از انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔

البانی ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ'' (حدیث: ۳۴۰۵) میں کہتے ہیں: یہ اسناد موضوع ہے اس کی آفت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن النجار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: سچے تاجر کو جنت کے دروازوں سے نہیں روکا جائے گا۔[۹۵۳]

''التیسیر'' میں علامہ مناوی کہتے ہیں: بلکہ وہ جس دروازہ سے چاہے گا داخل ہوگا' کیونکہ اس نے تجارت سے اپنی ذات کو' دوسرے فریق کو اور عام مخلوق کو نفع پہنچایا۔

القضاعی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: بزدل تاجر محروم اور باہمت تاجر روزی پاتا ہے۔[۹۵۴] مناوی کہتے ہیں: اس حدیث مرفوع کا اسناد حسن ہے۔

سعید بن منصور نے سنن میں نعیم بن عبدالرحمٰن الازدی اور یحییٰ بن جابر الطائی سے مرسلاً روایت کیا ہے ''رزق کے دس میں سے نو حصے تجارت میں ہیں اور دسواں حصہ مویشیوں (یعنی ان کے بچوں) میں ہے''۔[۹۵۵] مناوی کہتے ہیں: اس کے راوی ثقہ ہیں۔

امام ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ اپنے رسالہ ''فی مدح التجار و ذم عمل السلطان'' میں کہتے ہیں: مسلمانوں کو علم ہے اللہ کی مخلوق میں سب سے بہترین' اللہ کے بندوں میں سے اس کے پسندیدہ ترین' اللہ کی وحی کے امین کا تعلق تاجر گھرانہ سے تھا' یہی ان کی گذر اوقات کا ذریعہ اور قابل اعتماد کاروبار تھا' یہ ان کے بزرگوں کا پیشہ اور بعد میں آنے والوں کا ذریعۂ معاش تھا' ان کا تعارف تجارت کے حوالہ سے تھا' اسی لیے یمن کی کاہنہ نے کہا تھا: ''للہ الدیار ولقریش التجار'' قریش کا نام تجارت سے مشتق ہے۔ تقریش ان کا معزز نام اور اشرف نسب ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اس نام کو شہرتِ دوام بخش دی ہے اور ان کو اپنی محکم وحی اور تنزیل میں اسی نام سے مخصوص فرمادیا ہے' ان کا عکاظ کا بازار تھا جس کے متعلق ابوذویب کہتا ہے:

جب عکاظ میں خیمے لگائے گئے' خرید و فروخت شروع ہوئی اور ہزاروں جمع ہوئے۔

نبی ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کا کچھ حصہ بطور تاجر بسر فرمایا اور خرید و فروخت میں مصروف رہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۔ اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(الانعام:۱۲۴)

(بقیہ حاشیہ:۹۵۲) یحییٰ بن شعیب ہے' حاکم' ابوسعید النقاش اور ابونعیم نے کہا: یہ ثوری وغیرہ سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔ خطیب نے کہا: یہ باطل احادیث روایت کرتا ہے' منذری نے اس حدیث کو ''الترغیب'' (رقم:۲۶۵۶) میں ضعف کے اشارہ کے ساتھ اصبہانی وغیرہ سے روایت کیا ہے۔

۹۵۳ ضعیف روایت۔ ابن نجار از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ''ضعیف الجامع الصغیر'' سیوطی:۲۵۰۳۔ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

۹۵۴ ناقابل اعتماد۔ قضاعی ''مسند الشہاب'' (رقم:۲۴۳)' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ شیخ حمدی کہتے ہیں: اس کے اسناد میں محمد بن منصور تستری کذاب ہے' ایک اور راوی علی بن حسین بن اسماعیل کے حالات نامعلوم ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس لیے مناوی کا اسنادہ حسن کہنا غیر حسن ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۵۵ ضعیف روایت۔ سعید بن منصور از نعیم بن عبدالرحمٰن الازدی اور یحییٰ بن جابر الطائی مرسلاً۔ ''ضعیف جامع الصغیر'':۲۴۳۴' یہ روایت ضعیف ہے۔ البانی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پسندیدہ دین' بہترین خلق اور صالح اعمال سے حظ وافر عطا فرمایا اور تجارت میں خصوصی مہارت عطا فرمائی' آپ کی بیع وشرا میں شہرت کے پیش نظر مشرکوں نے کہا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ (الفرقان:۷)

اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ (الفرقان:۲۸)

اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر یقیناً وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

اور یہ خبر دی کہ آپ سے پہلے تشریف لانے والے انبیاء علیہم السلام صنعت وتجارت سے وابستہ تھے۔ مزید تفصیل کے لیے مجموعہ رسائل الجاحظ مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ کا مطالعہ کریں۔

دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: میں تم کو تاجروں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں' کیونکہ یہ آفاق میں ٹھنڈک پہنچانے والے ہیں اور زمین میں اللہ کے امین ہیں[۹۵۶] یہ روایت دیگر کسبوں پر تجارت کی فضیلت میں صراحت ہے۔

امام حافظ ابوبکر احمد بن محمد الخلال نے اس موضوع "**الحث علی التجارۃ**" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اسے ابن سلیمان الروانی نے "صلۃ" میں حرف جیم میں ذکر کیا ہے۔

کثیر علماء نے اس حدیث صحیح سے استدلال کیا ہے: کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی' پھر اس میں سے پرندہ یا انسان یا جانور کھاتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے[۹۵۷] زراعت اس لیے سب سے افضل کسب ہے کہ اس کا فائدہ متعدی ہوتا ہے (مثلاً درخت لگایا ہے تو بڑے عرصہ تک اس کا پھل یا سایہ ملتا رہتا ہے) اور متعدی فائدہ محدود فائدہ سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے: حق یہ ہے کہ حالات اور اشخاص کے اعتبار سے فضیلت تبدیل ہوتی ہے۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ تجارت' زراعت اور صنعت کی ایک دوسرے پر فضیلت حالات کے تقاضوں پر مبنی ہے' اگر غذائی اجناس کی زیادہ ضرورت ہو تو زراعت افضل ہے' اگر راستوں کے پرخطر ہونے کے باعث تاجروں کی آمد ورفت محدود ہو جائے تو تجارت افضل ہے اور صنعت وحرفت کے بغیر چارہ کار نہ رہے تو صنعت افضل ہے۔ یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے ورنہ "**الاحیاء**" اور "**جمع الجوامع**" وغیرہ کی تصریح کے مطابق یہ سب فرض کفایہ ہیں۔

امام غزالی لکھتے ہیں: ہر وہ علم جس کے بغیر دنیاوی امور درست نہ ہوں اس کا حصول فرض کفایہ ہے۔ جیسے طب' حساب' تمام پیشے اور سیاست۔

---

۹۵۶ مجھے یہ روایت کہیں نہیں ملی یقیناً یہ ناقابل اعتماد ہے۔

۹۵۷ صحیح حدیث۔ بخاری: ۶۰۱۲' مسلم: ۱۵۵۳' ترمذی: ۱۳۸۲' از انس رضی اللہ عنہ۔

چھٹا مقدمہ

علامہ ابوعمر بن عبدالبر نے ''الکافی'' میں کہا ہے اجماعی طور پر ممنوعہ کسب یہ ہیں: سود' طوائف کی کمائی' حرام کمائی' رشوت' نوحہ کرنے کی اجرت' کہانت اور غیب دانی کے دعویٰ پر اجرت' آسمانی خبریں بتانے کی اجرت' بانسری اور دیگر سازوں کی اجرت' لہو ولعب پر اجرت اور تمام باطل' غلط اور حرام کاموں کا معاوضہ۔ (تفسیر القرطبی)

ساتواں مقدمہ

''الشرح الجلی'' میں شہاب البربیر دورِ حاضر میں لوگوں کی تجارت پر غالب اشیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۔ میں تاجروں کو نشہ میں بدمست دیکھتا ہوں' وہ اس مستی سے افاقہ نہیں پاتے' ہماری رات ان کی وجہ سے تاریک ہوگئی اور آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے' نفع نقصان کا دشمن ہے' نقصان ہی ان کی طرف آ رہا ہے' ان کی تجارت سچائی سے گھاٹا پاتی ہے اور دوغلی پالیسی سے بڑھتی ہے۔

مزید کہتے ہیں:

۔ میرے دور کے لوگوں نے دوسری چیز کو چھوڑ دیا ہے اور اس پر نادم نہیں ہوئے' جب انہوں نے تجارت یا لہو ولعب کو دیکھا اس کی طرف پلٹ پڑے۔

مزید کہتے ہیں:

۔ اے تاجر! تو ہمیشہ نفع کا امیدوار رہا اور برابر خسارہ پاتا رہا' ہر گھڑی اللہ کی عبادت' لہو ولعب اور تجارت سے بہتر ہے' اس کی عبادت کر جب تک زندہ رہے اور اس آگ سے ڈر جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

شہاب البربیر کہتے ہیں: آیت کریمہ:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا . اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل (تماشا) دیکھا اس کی طرف تیزی سے چل دیئے۔ (الجمعہ:۱۱)

ایسی تجارت کی مذمت پر محمول ہے جو انسان کو امورِ دین سے غافل کر دے' اس کی توجہ امورِ آخرت سے پھیر دے اور اسے دنیا کے حصول میں منہمک کر دے جیسا کہ اس آیت کا اگلا جملہ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

''اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا'' . (الجمعہ:۱۱) اس کی طرف تیزی سے چل دیئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ گئے۔

اگر تجارت ان برائیوں سے مبرا ہو تو پھر تجارت ممدوح ہے مذموم نہیں ہے۔ بخاری کی حدیث ''تاجر فاجر ہیں''[۹۵۸] بھی اسی پر محمول ہے۔ اسی طرح یہ احادیث ''جب یہ امت زراعت کرنے لگے گی ان سے نصرت چھین

۹۵۸ حسن حدیث۔ احمد ج ۳ ص ۴۲۸' طحاوی ''مشکل الآثار'' ج ۳ ص ۱۲' حاکم ج ۲ ص ۶۔ ۷' از طریق ہشام الدستوائی از یحییٰ بن ابی کثیر۔۔۔۔۔۔ حاکم نے کہا: صحیح الاسناد ہے' ذہبی نے حاکم کی موافقت اور معمر نے مخالفت کی ہے اور یحییٰ بن ابی کثیر از زید بن سلام۔۔۔۔۔۔ یہ حدیث نقل کی ہے' احمد ج ۳ ص ۴۴۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۔ ۷۔ ج ۸ ص ۳۶' بحوالہ احمد اور طبرانی' اور کہا ہے: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

لی جائے گی'' [959] اور ''ذلت گائیوں کے دُموں میں ہے''۔ [960] بظاہر زراعت کی مذمت میں ہیں' لیکن یہ ایسی زراعت پر محمول ہیں کہ جس میں مشغولیت مسلمان کو کلیۃً جہاد سے دست بردار کرادے' کیونکہ ایسی حالت میں دشمن ان کے علاقوں پر حملہ آور ہوں گے' یہ تیاری کے بغیر ہوں گے' سو یہ ذلیل و خوار ہوں گے اور فتح و نصرت سے محروم رہیں گے۔ لیکن جب زراعت اور دشمن سے مقابلہ کی تیاری دونوں میں کوتاہی نہیں کریں گے تو سنت کے پیروکار رہیں گے کیونکہ بہترین مؤمن وہ ہے جو آخرت کے لیے دنیا کو نہ چھوڑے اور نہ آخرت کو دنیا کے لیے چھوڑے' بلکہ دونوں سے اپنا حصہ لے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا. (القصص:۷۷) اور دنیا (کے رزق) سے اپنا حصہ نہ بھول۔

شیخ رفاعہ طہطاوی نے اپنی کتاب ''مناهج الالباب المصرية في مباهج الآداب العصريه'' (ص ۵۱) میں' دو اشعار لکھتے ہیں:

اگر تم علو مرتبہ کے خواہش مند ہو تو ہنر سیکھو اس سے تمہاری آبرو محفوظ رہے گی

سائل بن کر اپنی آبرو کو مجروح نہ کرو' اہل علم کے لیے سوال کرنا عیب ہے۔

اس کی دلیل ''الرحمة في الطب والحكمة'' میں احنف بن قیس کا یہ قول ہے جسے علی متقی ہندی نے نقل کیا ہے کہ عاقل شخص کے لیے مناسب نہیں ایسے علم کو چھوڑ دے جو اس کے معاد کے لیے نفع بخش ہو' نہ ایسے ہنر کو ترک کر دے جو دینی اور دنیاوی امور میں اس کا معاون و مددگار ہو' طب ایسا علم ہے جس سے انسان کی اپنی ذات اور جسم سے بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ مزید تفاصیل کے لیے دیکھئے: ''رسالة كشف الزور والبهتان من صناعة بني ساسان''۔

آٹھواں مقدمہ

بسا اوقات بعض جاہل عبادت گزار یہ کہہ کر کمائی کرنے سے دست بردار ہو جاتے ہیں کہ حرام کا غلبہ ہو چکا ہے۔ ''المرقاة'' میں ملا علی القاری کہتے ہیں: واضح رہے اس دور میں اکثر حالات میں حلال نہیں پایا جاتا' سالک اتنی کمائی کرے جس سے اس کی زندگی محفوظ رہے اور بھوک سے موت کا شکار نہ بنے۔ ایک ظریف شاعر کہتا ہے:

جاہلوں نے بغیر علم کے مجھے کہا: حرام مال چھوڑ دے قناعت کر

جب مجھے حلال مال نہیں ملے گا اور حرام نہیں کھاؤں گا میں تو بھوک سے مر جاؤں گا۔

لیکن انسان کے لیے ضروری ہے کہ حرام اور مشتبہ مال کے درجات کا خیال رکھے' جب حلال سے قریب تر

---

959 موضوع۔ بے اصل روایت۔

960 حسن حدیث۔ ابوداؤد: ۳۴۶۲' بیہقی ج ۵ ص ۳۱۶' دولابی ''الکنی'' ج ۲ ص ۶۵' از اسحاق بن ابی عبدالرحمن از عطاء الخراسانی از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ احمد ج ۲ ص ۲۸' طبرانی ''الکبیر'' ۳/ ۲۰۷/ ۱' از ابی بکر بن عیاش از اعمش از عطاء بن ابی رباح از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ احمد: ۵۰۰۷' از شہر بن حوشب از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ یہ حدیث مبارکہ زراعت کے خلاف نہیں بلکہ زراعت میں حد سے زیادہ مگن ہونے کے خلاف ہے۔ کیونکہ دیگر احادیث میں زراعت اور شجرکاری کی فضیلت اور ترغیب مروی ہے' دیکھئے احمد ج ۳ ص ۱۸۳۔۱۸۴۔۱۹۱' طیالسی: ۲۰۶۸' بخاری ''الادب المفرد'': ۴۷۹ (ملخصا)۔

مال پائے حلال سے بعید تر مال کو نہ کھائے' یہاں تک کہ بعض مشائخ نے کہا ہے: مضطر (بھوک سے جاں بلب) جب مردہ بکری کو پائے تو مردہ گدھے سے نہ کھائے' جب مردہ گدھے کو پائے تو مردہ کتے سے نہ کھائے' جب مردہ کتے کو پائے تو مردہ خنزیر سے نہ کھائے۔ اشیاء کو مساوی قرار نہ دے جیسا کہ بعض احمق فقہاء کا قول ہے: حلال وہ ہے جو ہم نے حلال کیا اور حرام وہ ہے جو ہم سے حرام ہے۔

اگر آپ کمائی کے ذرائع کے بارہ میں تفصیل کے جویا ہیں تو کتاب ''البرکة فی فضل السعی والحرکة'' کا مطالعہ کریں' یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے:

باب اوّل: کھیتی باڑی' زراعت' پھل' شجر کاری اور نہریں کھودنے کی فضیلت' اس میں متعدد فصول ہیں۔

باب دوم: دھاگے' سوت کی فضیلت' اس باب میں بھی متعدد فصول ہیں۔

باب سوم: (کتاب میں یہ باب مذکور نہیں ہے۔ مترجم)

باب چہارم: طب اور اس کے فوائد میں وارد آثار

باب پنجم: چالیس احادیث' ان میں سے ہر حدیث میں برکت کا لفظ آیا ہے' اس میں متعدد فصول ہیں۔

باب ششم: اذکار اور دعائیں

باب ہفتم: احوال اور ادوار کے اعتبار سے اذکار اور ادعیہ' اس باب میں بھی کئی فصول ہیں۔

یہ بہت عمدہ کتب ہے' میں بڑی شدت سے اس کتاب کے مؤلف کے نام کا متلاشی رہا' یہاں تک کہ ہمارے شیخ ابوعلی حسین بن محمد بن حسین الحبشی الباعلوی نے مکہ مکرمہ میں مجھے بتایا کہ اس کتاب کے مؤلف کا نام محمد بن عبد الرحمٰن بن عمر الاصابی الحبشی الیمنی ہے' ان کا سن ولادت ۷۱۲ھ اور سن وفات ۷۸۲ھ ہے۔ شیخ نے ہمیں ان کی بہت سی تالیفات کے متعلق بتایا' تفصیل کے لیے ہمارا سفر نامۂ حجاز دیکھیں۔

علامہ شہاب البربیر نے اپنی کتاب ''الشرح الجلی علی انواع المتاجر والحرف والصنائع'' میں دو مقام پر تفصیلی بحث میں زراعت' تجارت' ٹیلرنگ' پارچہ بافی' رنگریزی' دھلائی' گوشت فروشی اور باورچی وغیرہ پر کلام کیا ہے' یہ لائق مطالعہ اور مفید کتاب ہے' اس موضوع پر شیخ رفاعہ طہطاوی نے اپنی کتاب ''مناهج الالباب المصرية فی مباهج الآداب العصرية'' میں عمدہ ابحاث رقم کی ہیں' یہ اس موضوع پر بہترین کتاب ہے اور دورِ حاضر کے افراد کے لیے نہایت مفید ہے۔

اسی طرح ہمارے عم محترم مؤرخ و عالم ابومحمد المامون بن عمر الکتانی نے ابن فارس لغوی کے ان دو بیتوں کی شرح میں ''هداية الضال'' لکھی ہے:

جب تم کسی ایسی حاجت کے لیے قاصد بھیجنا چاہو جس میں تم جکڑے جا چکے ہو'
تو تمام قاصدوں کو ایک طرف کر و صرف وہی قاصد بھیجو جس کو درہم کہا جاتا ہے۔

نواں مقدمہ

وہ معروف ہنر اور پیشے جن سے اہل اسلام نے کام لیا ہے' علماء کی ایک جماعت نے اس موضوع پر قلم اٹھایا

ہے' دورِ صحابہ کے آخر میں قدیم زبانوں میں تحریر کردہ بعض کتب کا خالد بن یزید بن معاویہ الاموی نے ترجمہ کیا۔

(بحوالہ ابن ابی الحدید)

اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب امام ابوعثمان عمرو بن الجاحظ التوفی ۲۵۵ھ کی کتاب ''الاخطار والمراتب والصناعات'' ہے' ان کی ایک اور کتاب ''کتاب غش الصناعات'' ہے۔ ''روضۃ الاعلام'' میں منقول ان کے بعض دشمنوں کے قول کے مطابق اس کتاب نے لوگوں کے اموال کو فاسد کر دیا ہے۔ اور اس کتاب میں جاحظ نے لوگوں کو ملاوٹ' کھوٹ اور خیانت پر برانگیختہ کیا ہے۔

اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ ''فی مدح التجار وذم عمل السلطان'' مطبوعہ مصر بھی ہے۔

شیخ ابوالفضل جعفر بن علی الدمشقی نے اس موضوع پر ''الاشارۃ الی محاسن التجارۃ'' لکھی ہے' اس کتاب میں انہوں نے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنے کا طریقہ اور اس کی پہچان بتائی ہے اور ملاوٹ کرنے والوں کی ملاوٹ سے خبردار کیا ہے۔ یہ رسالہ بھی مصر سے شائع ہو چکا ہے۔

شیخ شہاب الدین محمد بن حسن بن الصائغ الدمشقی التوفی ۷۲۰ھ نے صنائع اور فنون پر ہزار اشعار پر مشتمل قصیدہ میمیہ لکھا ہے۔

شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی الخیر الارمیونی الحسنی المالکی کی اس موضوع پر کتاب کا نام ہے ''النجوم الشارقات فی بعض الصنائع المحتاج الیھا فی بعض الاوقات'' یہ کتاب تقریباً پانچ رسائل کی ضخامت میں پچیس ابواب پر مشتمل ہے' مجھے یہ کتاب الجزائری صحرا میں بوسعادۃ کے زاویہ میں ملی۔

اس سلسلہ میں ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن سعید بن اسماعیل السعدی الہروی کی کتاب ''الصناع من الفقہاء والمحدثین'' کا ذکر امام حافظ ابوسعید عبدالکریم السمعانی المروزی نے اپنی کتاب ''فی الانساب'' میں حرب سین میں کیا ہے اور کہا ہے: میں نے ان کی بہترین تصنیف بنام ''کتاب الصناع من الفقہاء والمحدثین'' دیکھی ہے' میرا خیال ہے اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ (ص ۲۹۸' فوٹو اسٹیٹ) امام ابن الحاج نے ''المدخل'' میں کثیر تعداد میں دستکاریاں اور ہنر بیان کیے ہیں اور ان پر بحث کی ہے۔

فقیہ صوفی ابوالعباس احمد بن عجیبۃ التطوانی نے اپنی مخصوص تالیف میں کہیں مختصر اور کہیں شرح وبسط کے ساتھ مسلمان کے لیے ان پیشوں کے اپنانے میں نیات کا ذکر کیا ہے۔

ابتدائے اسلام میں لوگ بیع وشراء کے احکام اور سود سے بچنے کے طریقے جانے بغیر تجارت نہیں کرتے تھے

امام شافعی نے ''الرسالۃ'' میں اور امام غزالی نے ''الاحیاء'' میں اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ مکلف کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کام میں اللہ کا حکم جانے بغیر ہاتھ ڈالے۔ علامہ قرافی نے ''الفروق'' میں کہا ہے: جو شخص

بیع کرے اس پر یہ جاننا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع میں اس کے لیے کس چیز کو معین اور مشروع فرمایا ہے' اجارہ اور مضاربت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اجارہ اور مضاربت سے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام سیکھیں۔ نماز پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس نماز کے متعلق اللہ کے حکم کو جانتا ہو۔

اس قاعدہ پر قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے:

إِنِّىٓ أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِى بِهِۦ عِلْمٌ ۖ . (ھود:۴۷) میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز طلب کروں جس کا مجھے علم نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مجھے اس سوال کے جواز کا علم نہ تھا' اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام پر اس سوال پر عتاب ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کو کشتی میں سوار کرنے کا سوال کیا تھا۔ ان کا سوال بیٹے کی حالت سے واقفیت سے قبل تھا' یعنی ایسا سوال کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ عتاب اور جواب دونوں اس پر دلالت کرتے ہیں کہ انسان جس کام کو شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو' پہلے اس کے بارے میں علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۚ . (الاسراء:۳۶) اور (اے مخاطب!) اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نامعلوم کی اتباع سے منع فرمایا' سو کسی چیز کو بغیر علم کے شروع کرنا جائز نہیں ہے' ہر حالت میں علم کا طلب کرنا واجب ہے' نبی ﷺ کا ارشاد ہے: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔[۹۶۱]

امام شافعی فرماتے ہیں: طلب علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔

فرض عین علم آپ کی موجودہ حالت کے بارے میں آپ کا علم ہے (اگر آپ تجارت' زراعت' صنعت سے وابستہ ہیں ان کا علم' نماز' روزہ' حج وغیرہ میں ہیں تو ان کا علم) اور فرض کفایہ اس کے ماسوا کا علم ہے۔

ابوالحسن علی بن یوسف الحکیم الفاسی کی کتاب ''الدوحة المشتبكة في ضوابط دار السكة'' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عجمی لوگ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کیے بغیر ہمارے بازار میں داخل نہ ہوں۔ یعنی ان کو بیوع کے احکام معلوم ہوں اور اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہوں' اس کی اصل رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے فعل میں ہے کیونکہ آپ ہر شخص کو اس سے متعلق احکام اور ذمہ داریوں کی تعلیم دیتے تھے۔

---

۹۶۱ ابن الجوزی ''العلل المتناهية'' ج ۱ص ۶۴' قضاعی ''مسند الشہاب'' ۱۷۴:۱' از ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ اگرچہ اس کے اسناد میں اسماعیل بن عمر البجلی اور عطیہ العوفی ضعیف راوی ہیں تاہم یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت علی' ابن مسعود' ابن عمر' ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے' اور بقول عراقی بعض ائمہ نے اس کے بعض طرق کو صحیح کہا ہے۔ حافظ المزی نے کہا: اس کے طرق اس کو حسن کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں۔ البتہ لوگوں کے زبان زد ''ومسلمة'' کے لفظ کی کوئی اصل نہیں۔ ابن الجوزی نے ''العلل المتناهية'' ج ۱ص ۵۷ اور قضاعی نے حدیث: ۱۷۵ میں اس حدیث کو انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اس کے اسناد میں مثنی بن دینار ہے' عقیلی نے اس کی حدیث کو محل نظر کہا ہے۔ ابن الجوزی نے ''العلل المتناهية'' ج ۱ص ۵۷۔۶۶ میں انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث چودہ طرق سے روایت کی ہے' پھر اس پر گفتگو کی ہے۔

الحاجی نے ''شرح مختصر ابن ابی جمرہ'' میں کہا ہے: ہمارے علماء نے کہا: جب تک کوئی شخص خرید و فروخت کے احکام کا عالم نہ ہو' اس کے لیے بیع وشراء کرنا اور بازار میں بیٹھنا جائز نہیں ہے' ایسے شخص کو تجارت سے متعلق فرائض وواجبات اور ذمہ داریوں کا علم ہونا ضروری ہے' انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ امام مالک نے ''کتاب القراض'' میں یہی کہا ہے۔

''المدونہ'' میں ہے میں اس کے لیے مضاربت کو پسند نہیں کرتا' جو حرام کو حلال قرار دے یا جو حرام سے حلال کا امتیاز نہ کرسکے خواہ وہ مسلمان ہو' مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ بازار سے ان لوگوں کو نکال دے جو تجارت کے احکام سے ناواقف ہیں۔

ابن رشد کی ''المقدمات'' میں اور ''الشبراخیتی علی المختصر'' میں بھی اسی طرح ہے۔ القباب کہتے ہیں: کسی شخص کے لیے بیع وشراء کے احکام جانے بغیر بازار میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیع وشراء کے احکام سے ناواقف لوگوں کو بازار سے اٹھا دیتے تھے۔

ابوعبداللہ ابن الحاج ''المدخل'' میں لکھتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایسے شخص کو درے سے مارتے تھے جو تجارت کے احکام جانے بغیر بازار میں بیٹھتا تھا اور فرماتے: جو شخص سود کے بارے میں نہیں جانتا وہ ہمارے بازار میں نہ بیٹھے۔ امام مالک نے ایسے شخص کو بازار سے نکال دینے کا حکم دیا جو بازار کے احکام سے ناواقف ہو' تاکہ وہ لوگوں کو سود نہ کھلائے۔ میں نے سیدی ابومحمد کو یہ ذکر کرتے سنا کہ انہوں نے محتسب کو بازاروں میں گشت کرتے دیکھا وہ دکان پر کھڑا ہوتا اور دکان دار سے اس کے سامانِ تجارت کے متعلق احکام دریافت کرتا کہ ان میں سود کس طرح شامل ہو جاتا ہے اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ اگر وہ صحیح جواب دیتا تو اسے دکان داری کرنے دیتا ورنہ اسے دکان سے نکال دیتا اور کہتا: میں تجھے مسلمانوں کے بازار میں نہیں رہنے دوں گا تو مسلمانوں کو سود اور ناجائز چیزیں کھلائے گا۔

''نھج البلاغۃ'' میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے بغیر فقہ کے تجارت کی وہ سود کی مصیبت میں پڑا۔ ابن الحدید نے اس کی شرح میں کہا ہے: کیونکہ بیع کے مسائل اور دین کے مسائل باہم مشتبہ ہیں ان میں صرف فقیہ ہی فرق کرسکتا ہے۔ (ج۴ص۲۷۹)

ابوطالب المکی کی ''قوت القلوب'' میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازاروں میں گشت لگاتے تھے' بعض تاجروں کو درہ سے مارتے اور فرماتے: ہمارے بازاروں میں علم شریعت کا ماہر ہی بیچے' ورنہ تو سود ہے خواہ وہ اسے کھائے یا چھوڑ دے۔

بعض متاخرین نے ترمذی کے حوالہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ہمارے بازار میں دین میں مہارت رکھنے والے کے سوا کوئی بیع نہ کرے۔[۹۶۲] میں نے اسے جامع ترمذی اور سیوطی کی جامعین میں نہیں پایا' البتہ میں نے

۹۶۲ مشابہ بالحسن حدیث۔ ترمذی: ۴۸۷' از عمر رضی اللہ عنہ موقوفاً۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس حدیث پر علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے: تاکہ تاجر کو حرام' حلال اور تجارت سے متعلق دیگر ضروری امور کا علم ہو اور تجارت صحیح اسلامی تجارت ہو' مسلم اور غیر مسلم سب مطمئن ہوں اور اس میں دھوکہ فریب اور ملاوٹ نہ ہو۔

اسے "کنز العمال" میں ترمذی کے حوالہ سے پایا۔ (کنز العمال ج۱ص ۲۱۸)

"تنبیه المغترین" میں ہے امام مالک امراء کو حکم دیتے وہ تاجروں اور عوام الناس کو ان کے پاس جمع کرتے' آپ جب کسی شخص کو معاملات کے احکام اور حلال وحرام کی معرفت سے ناواقف پاتے' اسے بازار سے اٹھا دیتے اور اس سے فرماتے: پہلے بیع وشراء کے احکام سیکھو پھر بازار میں بیٹھو اگر تم عالم نہیں ہو گے سود کھاؤ گے۔

علامہ زرقانی نے "شرح المختصر" میں حربی زمین میں تجارت کی تشریح میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ جب تک تاجر خرید وفروخت کے احکام نہ سیکھیں ان کی کسی معاملہ میں گواہی جائز نہیں ہے۔

"البریقة المحمودیة فی شرح الطریقة المحمدیه" میں شیخ ابوسعید الخادمی الحنفی لکھتے ہیں: تاجر کے لیے لازم ہے کہ وہ بیوع کی صحت' فساد' بطلان' حلال اور حرام اور سود وغیرہ کے احکام سیکھے (اسے معلوم ہو بیع کب صحیح' کب فاسد' کب باطل' کن صورتوں میں حلال' کن صورتوں میں حرام اور کب سود میں شامل ہو جاتی ہے)۔

"التتارخانیه"[۹۶۳] میں "السراجیه"[۹۶۴] سے منقول ہے کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ تجارت میں مشغول ہو جب تک وہ بیع وشراء میں جائز اور ناجائز امور کو نہ جانتا ہو۔

اور "البزازیه"[۹۶۵] سے منقول ہے کہ جب تک کوئی شخص کتاب البیوع کو حفظ نہ کر لے تجارت میں مشغول نہ ہو' گزشتہ دور میں تاجر دورانِ سفر عالم کو ساتھ رکھتے تھے اور بیع وشراء کے مسائل اور معاملات میں اس سے رجوع کرتے تھے۔ ائمہ خوارزم سے منقول ہے کہ تاجر کے لیے فقیہ دوست ضروری ہے۔

شیخ ابوسالم العیاشی بیوع کے بارے میں اپنی نظم میں لکھتے ہیں:

بازار میں اس وقت تک ہرگز نہ بیٹھو جب تک تم کو بیع میں حلال اور حرام کا علم نہ ہو
اسی طرح خریداری میں ہے' ان تمام اشخاص پر لازم ہے جو اس سے منسلک ہوں
اپنے لیے' دوسرے کے لیے اتنا علم ہو جس سے بیع وشراء میں تصرف کا حکم معلوم ہو
تمہارا ناواقف کو مال دینا یہ مضاربت کی ایسی قسم ہے جو حرام ہے۔

ابو زید التلمسانی کے اشعار بیوع ابن جماعة التونسی میں اس طرح مذکور ہیں:

شریعت میں تجارت کے لیے بیٹھنا حلال نہیں جب تک بیع کے احکام کو نہ جانتا ہو
تمام بازاروں کا یہی حال ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے
اسی طرح ہر علم کا معاملہ ہے ناواقفیت سے کوئی کام کرنا حلال نہیں ہے
خصوصاً قاضی کا گواہوں کے ساتھ معاملہ ہے' اس میں عموم ہے وعید سے بچو

---

۹۶۳ فتاویٰ تتارخانیہ' تالیف عالم بن العلاء الحنفی' متوفی ۷۸۶ھ اس کتاب کو "زاد المسافر فی الفروع" بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں "المحیط البرهانی" "الظهیریة" اور "الخانیة" وغیرہ کتب سے مسائل جمع کیے گئے ہیں۔

۹۶۴ "السراجیة" علم میراث کی کتاب' تالیف سراج الدین محمد بن محمد السجاوندی۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۴ھ نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۹۶۵ "البزازیة" تالیف محمد بن شہاب بن یوسف الکردری' مشہور البزازی' متوفی ۸۲۸ھ' یہ کتاب مذہب حنفیہ کی معتمد کتاب ہے۔

یہ جائز نہیں کہ آپ ایسے شخص کو مال سپرد کریں جو حلال وحرام سے واقف نہیں
یہ حکم مضاربت' بیوع اور تمام احکام میں مشروع ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں کہ تجارت کے بارے میں سمجھ بوجھ اور تجارت کے مسائل سے واقفیت کا حکم آج کے دور کے دفاتر اور کامرس کالجوں' یونیورسٹیوں کی اصل اور بنیاد ہے اور ان مدارج کی تکمیل کے بعد ٹریڈ لائسنس کا حصول بھی اسی مطلوبہ مہارت کا ثبوت ہوتا ہے۔

تجارت کو عوام الناس اور مخلوط لوگوں کے لیے چھوڑنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحابہ پر سختی

''العتبیۃ'' میں ہے امام مالک نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجارت کو لازم رکھو یہ غلام تم کو تمہارے دنیاوی امور میں آزمائش میں نہ ڈالیں۔ اشہب نے کہا: قریش تجارت کرتے تھے اور عرب تجارت کو حقیر سمجھتے تھے۔

(از ''البیان والتحصیل'')

ابن الحاج کی ''المدخل'' میں ہے: مروی ہے اپنی خلافت کے ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں گئے' آپ نے وہاں نبطیوں (غیر عرب مخلوط لوگ) کا غلبہ دیکھا' آپ غمگین ہوئے' جب لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے آپ نے ان کو یہ بتایا اور تجارت چھوڑنے پر ملامت کی' لوگوں نے کہا: فتوحات کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بازار سے مستغنی کر دیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا اگر تم اسی روش پر رہے (تجارت سے دست بردار ہو گئے) تمہارے مردان کے مردوں کے اور تمہاری عورتیں ان کی عورتوں کی محتاج ہوں گی۔

سلف صالحین میں سے بعض حضرات جب نبطیوں کو حصول علم میں مصروف دیکھتے تو روتے تھے' اس لیے کہ جب علم نااہل کی دسترس میں ہو تو مفاسد کا راستہ کھل جاتا ہے۔

''المصباح'' میں ہے نبطی سوادِ عراق کے لوگوں کو کہا جاتا تھا پھر اس لفظ کا استعمال عوام الناس اور مخلوط لوگوں کے لیے ہونے لگا۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اس امت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست صدق پر مبنی ہے' کیونکہ مسلمانوں نے جب پسندیدہ مشروع طریقوں اور کامیاب طرز تجارت کو ترک کیا' اسے غیروں نے اچک لیا جھپٹ لیا اور امت دوسروں کی محتاج ہو گئی۔ ہمارے مردان کے مردوں کے اور ہماری عورتیں ہر چیز میں ان کی عورتوں کی محتاج ہو گئیں۔ سوئی دھاگہ جیسی معمولی چیز سے قیمتی سے قیمتی چیز تک کے لیے ہم ان کے دست نگر ہو گئے۔

ابن الحاج نے سلف کی جس شخصیت کا نام لیے بغیر ذکر کیا وہ سفیان ہیں جب انہوں نے ان نبطیوں کو حدیث کی کتابت کرتے دیکھا' ان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور یہ چیز ان پر گراں گزری' خطیب نے محمد بن عبدالوہاب العسکری سے نقل کیا ہے کہ میں نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا: ابوعبداللہ! ہم دیکھتے ہیں آپ پر ان کا علم کی کتابت کرنا گراں

گزرتا ہے' فرمایا: علم اہل عرب اور اشراف لوگوں کے لیے تھا' جب علم ان سے نکل کر عوام الناس اور کم درجہ کے لوگوں میں آیا انہوں نے دین کو بدل دیا۔

خطیب نے سفیان بن حسین سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: اعمش کے پاس بعض حبشی جمع ہوئے اور حدیث بیان کرنے کی درخواست کی' انہوں نے انکار کر دیا' ان سے کہا گیا: ابو محمد! اگر آپ ان سے حدیث بیان کر دیتے؟ انہوں نے جواب دیا: خنزیروں کو موتیوں کے ہار کون پہناتا ہے۔ سید سمہودی نے "جواهر العقدين" میں کہا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ حکمت نااہل کے سپرد نہ کی جائے۔

صحابہ کرام کا صبح کے وقت تجارت کے لیے نکلنے کو ترجیح دینا

جامع ترمذی میں ایک باب کا عنوان ہے: "ما جاء في التبكير بالتجارة" اس میں اس سند سے یہ حدیث روایت کی ہے: یعقوب بن ابراہیم الدورقی' ہشیم' یعلیٰ بن عطاء از عمارہ بن حدید از صخر الغامدی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میری امت کے صبح سویرے کے کاموں میں برکت عطا فرما۔

حضرت صخر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کوئی سریہ یا لشکر روانہ فرماتے' ان کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے تھے۔ حضرت صخر رضی اللہ عنہ تاجر آدمی تھے' جب بھی اپنا تجارتی مال روانہ کرتے' دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ کرتے تھے' اس کی برکت سے آپ صاحب ثروت ہو گئے اور کثیر مال کے مالک بن گئے۔[۹۶۶] امام ترمذی کہتے ہیں: اس باب میں حضرت علی' حضرت بریدہ' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں اور حضرت صخر الغامدی رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے' ہمیں اس حدیث کے علاوہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث معلوم نہیں ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: حضرت صخر رضی اللہ عنہ کی مذکور حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے' حافظ المنذری نے اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا ہے' بیس کے قریب صحابہ کرام نے اس

۹۶۶ ضعیف الاسناد۔ عمارہ بن حدید کو ابن حبان "الثقات" ج ۵ ص ۲۴۱' کے سوا کسی نے ثقہ نہیں قرار دیا۔ ابن المدینی نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ ابو یعلیٰ بن عطاء کے علاوہ کسی نے اس سے حدیث روایت کی ہو۔ ابو زرعہ نے اس کو غیر معروف اور ابو حاتم نے مجہول کہا ہے۔ احمد ج ۳ ص ۴۱۷۔ ۴۳۱۔ ج ۴ ص ۳۹۰' ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۵۱۶' سعید بن منصور: ۲۳۸۲' ابو داؤد: ۲۶۰۶' ترمذی: ۱۲۱۲' ابن ماجہ: ۲۲۳۶' بغوی "الجعدیات": ۲۵۵۷' طیالسی: ۱۲۴۶' دارمی ج ۲ ص ۲۱۴' طبرانی: ۷۲۷۶' ابن حبان "الاحسان": ۴۷۵۴۔ ۴۷۵۵' بغوی "شرح السنۃ": ۲۶۷۳' از صخر الغامدی رضی اللہ عنہ۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ حدیث کا پہلا حصہ "اے اللہ! میری امت کے صبح سویرے کے کاموں میں برکت عطا فرما" اس کے متعدد شواہد ہیں" زوائد المسند" ج ۱ ص ۱۵۳ تا ۱۵۶' ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۵۱۷' از علی رضی اللہ عنہ۔ اس کا اسناد عبد الرحمٰن بن اسحاق کے ضعف کے باعث ضعیف ہے۔ ابن ماجہ: ۲۲۳۸' طبرانی: ۱۳۳۹۰' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ ضعیف الاسناد۔ طبرانی: ۱۲۹۶۶' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ طبرانی: ۱۰۴۹۰' از ابن مسعود رضی اللہ عنہ' از کعب بن مالک ج ۱۹ ص ۱۵۶' از بریدہ' انس' جابر' عبد اللہ بن سلام' عمران بن حصین' نواس بن سمعان رضی اللہ عنہم سب اسناد ضعیف لیکن بہ حیثیت مجموعی حدیث صحیح۔

حدیث کو روایت کیا ہے۔(تفصیل کے لیے "فتح الباری" کی کتاب الجہاد کا "باب الخروج بعد الظہر" ملاحظہ کریں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کسب معاش کے لیے لوگوں کو محنت پر آمادہ کرنا

عنقریب اہل یمن کے لیے یہ ارشاد مذکور ہوگا: توکل یہ ہے کہ آدمی نے بیج زمین میں ڈالا اور اللہ پر بھروسہ کیا۔ابن الجوزی نے کتاب مناقب عمر میں' محمد بن سیرین کی اپنے والد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں مغرب میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا' حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے میرے پاس کپڑوں کی چھوٹی سے گٹھڑی تھی' حضرت عمر نے پوچھا: آپ کے پاس یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: کپڑوں کی گٹھڑی ہے' میں (سیرین) اسے بازار میں لے جاتا ہوں اور خرید و فروخت کرتا ہوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے گروہِ قریش! یہ اور اس جیسے لوگ تم پر تجارت میں غلبہ نہ حاصل کر لیں' کیونکہ تجارت ایک تہائی حکمرانی اور امارت ہے۔اسی کتاب میں حسن بصری سے مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے تین مرتبہ کسی چیز کی تجارت کی اور اسے اس میں نفع نہ ہوا تو وہ کسی دوسری چیز کی تجارت کرے۔اکیدر العارضی سے منقول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہنر سیکھو عنقریب ایسا دور آئے گا تم کو ہنر کی ضرورت پیش آئے گی۔

"کنز العمال "میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قول مروی ہے: اگر یہ بیوع نہ ہوں تم لوگوں کے محتاج ہو جاؤ۔"المناقب "میں بکر بن عبداللہ سے مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا ذریعۂ معاش جس میں قدرے گھٹیا پن ہو وہ لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے۔ذکوان کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اونٹ خریدے تو بڑا اور موٹا تازہ خریدے' اگر اس میں نفع نہیں پائے گا اس کی سواری سے تو محروم نہ ہوگا۔

ابن الجوزی نے "تلبیس ابلیس "اور "مناقب عمر "میں خوات التیمی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے گروہِ فقراء! اپنے سر اونچے رکھو' راستہ واضح ہے' خیر میں سبقت کرو اور مسلمانوں کے محتاج ہو کر ان پر بوجھ نہ بنو۔

"العقد الفرید "میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کوئی رزق کی طلب سے ہرگز نہ بیٹھے اور یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما۔حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوتی' اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ رزق عطا فرماتا ہے اور آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (الجمعہ: ۱۰)

پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو ○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آدمی کا حسب و نسب اس کا مال' کشادہ دلی اور فیاضی' اس کا دین اور مروت اس کا خلق ہے۔

ابن ماجہ نے از طریق عبد الملک بن عمیر از عمرو بن حریث از برادرِ خود سعید بن حریث رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے گھر بیچ کر اس کی قیمت اس گھر جیسی چیز میں نہ لگائی' اس کو اس میں برکت نہیں دی جائے گی ۔[۹۶۷]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں ہنر مند نوجوان کی قدر و منزلت

ابن الجوزی نے ''تلبیس ابلیس'' اور ''مناقب عمر'' میں محمد بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی نوجوان پسند آتا' آپ دریافت کرتے اسے کوئی ہنر آتا ہے؟ اگر کہا جاتا نہیں' تو فرماتے: یہ میری نظروں سے گر گیا۔

غزوہ میں شرکت اور روزی کمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ترجیح

ابن الجوزی نے ''تلبیس ابلیس'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: میرا روزی کمانے کی دوڑ دھوپ میں مر جانا مجھے راہِ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے (تاکہ مجھے کسی کے سامنے دستِ سوال نہ دراز کرنا پڑے)۔

القسم التاسع کی ابتداء سے یہاں تک وہ ابواب اور مقدمات اختتام پذیر ہوئے جن کا علامہ الخزاعی نے ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں سے علامہ الخزاعی کے مذکور ابواب شروع ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور بعد کے عظیم القدر تاجر صحابہ کرام

ان تاجروں کے سرخیل رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' ابن عبد البر نے ''الاستیعاب'' میں اور ابن قتیبہ نے ''المعارف'' میں زہری کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے ایک سال قبل بُصریٰ کی طرف تجارت کے لیے گئے' ان کے ساتھ حضرت نعیمان اور بدری صحابی حضرت سویبط بن حرملہ رضی اللہ عنہما بھی تھے' حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ زادِ راہ کے نگران تھے۔[۹۶۸]

''الاصابہ'' میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مشہور تاجر تھے'

---

۹۶۷ ضعیف روایت۔ ابن ماجہ: ۲۴۹۰' از سعید بن حریث رضی اللہ عنہ۔ ''الزوائد'' میں ہے' سعید بن حریث کی حدیث کے اسناد میں اسماعیل بن ابراہیم کو بخاری اور ابوداؤد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے' ابن ماجہ میں اس کی صرف یہی ایک روایت ہے صحاح ستہ کی باقی پانچ کتب میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: ابن ماجہ: ۲۴۹۱ میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی شاہد ہے' اس کے اسناد میں یوسف بن میمون کو احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن اس سے یہ حدیث حسن ہوگئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

۹۶۸ ''الاستیعاب'' علی حاشیۃ ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۲۴۳۔ ۲۵۷' تذکرہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت ان کے پاس چالیس ہزار تھے' وہ اس مال سے غلاموں کو آزاد کراتے اور مسلمانوں کی مدد کرتے تھے' یہاں تک کہ باقی ماندہ پانچ ہزار کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی' جب فوت ہوئے ان کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ تھا۔[۹۲۹]

ابن عساکر نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بُصریٰ کی طرف بغرضِ تجارت گئے' رسول اللہ ﷺ سے آپ کا قرب اور آپ کی امتیازی حیثیت تجارت میں مانع نہ ہوئی' اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو تجارت سے بڑی محبت تھی اور تجارت کے ذریعہ حصول رزق کو بہت پسند کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قدر قرب' محبت اور امتیازی حیثیت کے باوجود ان کو تجارت کے لیے سفر سے منع نہیں فرمایا۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے تجارت کو پسند فرمانے کی وجہ سے تجارت کو پسند کرتے تھے۔

ابن سعد بیان کرتے ہیں: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر کیے گئے' آپ صبح کو سر پر کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے بازار کی طرف بیچنے کے لیے روانہ ہوئے' راستہ میں ان کو حضرت عمر بن الخطاب اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما ملے' پوچھا: کیا کرنے چلے ہیں آپ تو مسلمانوں کے والی بن گئے ہیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے روزینہ مقرر کر دیتے ہیں' اور انہوں نے آپ کے لیے ہر روز بکری کا ایک حصہ مقرر کر دیا۔ صحیح البخاری پر حواشی میں ابن زکری لکھتے ہیں: ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے مصالح میں مشغول ہو وہ وظیفہ لے سکتا ہے' جیسے جج' مفتی اور مدرس وغیرہ۔

عظیم القدر تاجر صحابہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں' صحیح البخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آپ سے اجازت طلب کرنے اور واپس چلے جانے والے واقعہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا: مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد "اگر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر اندر آنے کی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ" مخفی رہا مجھے تجارت کے لیے بازاروں کی مصروفیت نے مشغول رکھا۔

سعید بن منصور' عبد بن حمید' ابن المنذر اور بیہقی نے "**شعب الایمان**" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: راہِ خدا میں جہاد کے علاوہ مجھے دور دراز مقام کا وہ سفر پسند ہے جس میں' میں اونٹ کے کجاوے پر سوار اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کروں' اور آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ (المزمل:۲۰)	اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے' اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے۔

کبار صحابہ کرام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تجارت کے تذکرہ پر سلف صالحین کی کتب شاہد ہیں' ابن سعد نے "**الطبقات**" میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت اور اسلام میں تاجر تھے' آپ اپنا مال مضاربت پر دیتے تھے۔ علاء بن عبد الرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان

۹۲۹ الاصابہ ج۲ ص۳۴۳ (رقم: ۴۸۱۷) از مصعب زبیدی از طریق اسامہ بن زید بن اسلم از والد خود۔

رضی اللہ عنہ نے نفع میں نصف حصہ پر اپنا مال بطور مضاربت دیا۔

"مقدمات ابن رشد" میں ہے اسلام میں سب سے پہلی مضاربت الحرقہ کے آزاد کردہ غلام یعقوب کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مضاربت ہے' اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی مقرر کیا جو بازار سے ان لوگوں کو اٹھا دیتا تھا جو تجارت کی فقہ سے ناواقف ہوتے' ان لوگوں میں یعقوب بھی شامل تھا' یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بغیر ڈھلی ہوئی چاندی کا تھیلا دیا اور فرمایا: اس کو بیچو نفع آدھا آدھا ہوگا' اور یہ بھی کہا: جب تمہارے پاس اعتراض کرنے والا آئے تو کہنا: یہ مال عثمان کا ہے' میں نے مضاربت پر لیا ہے' اس نے یہی کہا تو اسے بازار سے نہیں نکالا گیا' پھر یہ دو تھیلے لے کر آئے' ایک میں اصل مال اور دوسرے میں منافع تھا۔

ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تاجرہ تھیں' مالدار خاتون تھیں' شام کی طرف اپنا تجارتی مال بھیجا کرتی تھیں' آپ کا سامان تجارت لے جانے والا قافلہ قریش کے عام قافلہ کے برابر ہوتا تھا' آپ لوگوں کو اجرت پر رکھتیں اور مال مضاربت پر دیتی تھیں' جب نبی ﷺ ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ان کا تجارت کا مال لے کر روانہ ہوئے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: میں آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں دوگنا دوں گی' رسول اللہ ﷺ بُصریٰ کے بازار میں ان کا مال لے گئے' یہ سامان فروخت کیا اور وہاں سے دوسرا سامان خرید کر لائے اور پہلے کی بہ نسبت دوگنا منافع لائے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مقررہ منافع کا دوگنا دیا۔[970]

(طبقات ابن سعد)

ان تاجر صحابہ میں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بھی ہیں' ابن عبدالبر کہتے ہیں: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تجارت میں قسمت کے دھنی تھے' آپ سے کہا گیا: آپ نے تجارت میں یہ سب کچھ کیسے پایا؟ فرمایا: میں نے کبھی دھوکہ دہی سے کام نہیں کیا اور نفع کو نہیں لوٹایا اور اللہ جسے چاہتا ہے برکت سے نوازتا ہے۔[971] ابن عبدالبر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے جو ان کو خراج دیتے تھے۔[972]

ان عظیم تاجر صحابہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں' صحیح البخاری میں حضرت عبدالرحمٰن سے مروی ہے جب ہم مدینہ منورہ میں آئے' رسول اللہ ﷺ نے میرے اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم کی (ہمیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا)' حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے کہا: میں انصار کا سب سے مالدار شخص ہوں' میں اپنا آدھا مال آپ کو دیتا ہوں اور میری بیویوں کو دیکھ لو جو آپ کو پسند آ جائے' میں اسے طلاق دیتا ہوں' عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لینا' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور پوچھا: کیا یہاں تجارت کے لیے بازار ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا راستہ بتایا۔ صبح کو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بازار میں گئے' شام کو مال بیچ کر کچھ منافع لائے' پھر وہ اسی

---

970 "السیر والمغازی" ابن اسحاق ص ۸۱-۸۲ (مطبوعہ دار الفکر) الاصابہ ج ۴ ص ۲۸۱' رقم: ۳۳۴' الروض الانف ج ۱ ص ۲۱۲-۲۱۳

971 "الاستیعاب" "علی ہامش" "الاصابہ" ج ۱ ص ۵۸۴۔

972 الاستیعاب ج ۱ ص ۵۸۴' اوزاعی از نہیک بن بریم از مغیب بن سمی از کعب رضی اللہ عنہ۔

طرح بازار میں آتے جاتے رہے' کچھ عرصہ کے بعد اس حالت میں آئے کہ ان پر زردی کا نشان تھا' رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ عرض کیا: جی ہاں[973] ابن عبدالبر کہتے ہیں: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے خوش قسمت تاجر تھے اور تجارت کے ذریعہ بہت مال کمایا' آپ نے اپنی جس زوجہ کو بیماری میں طلاق دی تھی اس کو آٹھویں حصہ کی تہائی میں تراسی ہزار ملے تھے۔ ابن عیینہ کہتے ہیں: اس سے آپ کی میراث کے آٹھویں حصہ کی چوتھائی پر مصالحت ہوئی تھی۔

ان تاجر صحابہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سعد بن عائذ المؤذن رضی اللہ عنہ بھی ہیں ''الاصابہ'' میں ان کے تذکرہ میں ہے آپ سلم کے درخت کے پتوں کی تجارت کرتے تھے' ان پتوں سے چمڑے رنگے جاتے تھے۔ اسی لیے آپ کو سعد القرظ (کیکر سے مشابہ ایک درخت جسے عربی میں سلم کہتے ہیں) کہا جاتا ہے۔ علامہ بغوی نے روایت کیا ہے انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں تنگ دستی کی شکایت کی' حضور ﷺ نے ان کو تجارت کرنے کا حکم دیا' وہ بازار میں گئے اور سلم کے پتے خرید کر بیچے' ان میں ان کو نفع ہوا' انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو یہ تجارت جاری رکھنے کا حکم دیا۔[974]

حضرت منقذ بن عمرو الانصاری المدنی رضی اللہ عنہ تاجر صحابہ کرام میں سے ہیں' ابن اسحاق نے محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: میرے نانا حضرت منقذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سر میں پہنچنے والی آفت کی وجہ سے ان کی زبان کمزور ہوگئی اور ان کی عقل میں فرق آ گیا وہ تجارت نہیں چھوڑتے تھے اور ہمیشہ دھوکہ کھاتے تھے' نبی ﷺ کو ان کی حالت بتائی گئی تو آپ نے حضرت منقذ سے فرمایا: جب تم بیچو تو کہو: دھوکہ نہ ہوگا اور تم جو بھی سامان بیچو گے اس میں تم کو تین راتوں کا اختیار ہوگا (یعنی دھوکہ کی صورت میں تم اس عرصہ میں اپنا سامان واپس لے سکو گے)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب لوگوں کی کثرت ہوئی' آپ بازار میں خرید وفروخت کرتے' جب گھر والوں کے پاس جاتے' وہ ان کو ملامت کرتے تو حضرت منقذ رضی اللہ عنہ اپنا بیچا ہوا مال یہ کہہ کر واپس لے آتے کہ نبی ﷺ نے مجھے تین راتوں کا اختیار دیا ہے۔[975] (تفصیل کے لیے دیکھئے ''تہذیب النووی'')

''الاصابہ'' (ج۴ص۱۸۲) میں حضرت ابو معلق الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' آپ اپنا اور دوسروں کا سامانِ تجارت لے کر دور دراز علاقوں میں تجارت کے لیے جایا کرتے تھے' آپ متقی' عبادت گزار اور مستجاب الدعوات تھے۔[976]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہما بھی تجارت پیشہ تھے ''سراج

---

973 صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۴۸۔ ۳۷۸۰' از عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ' الفاظ میں قدرے تغیر کے ساتھ۔

974 ضعیف روایت بہ سبب مجاہیل۔ بغوی از قاسم بن الحسن بن محمد بن عمرو بن حفص۔۔۔۔۔ (الاصابہ ج۲ص۲۹' رقم: ۳۱۷۱)

975 ضعیف روایت۔ دارقطنی ''السنن'' ج۳ص۵۵۔۵۶' بخاری ''التاریخ الاوسط'' ابن ابی شیبہ (التعلیق المغنی علی الدارقطنی ج۳ ص۵۵۔۵۶) از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ اس کے اسناد میں محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

976 ضعیف روایت۔ ابن ابی الدنیا ''مجابی الدعوۃ'' از عیسیٰ بن عبداللہ التیمی از فہر بن زیاد الاسدی از موسیٰ بن وردان از کلبی از حسن از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ یہاں مشہور مفسر کلبی کے علاوہ مجہول کلبی مراد ہے' سو یہ روایت ضعیف ہے۔

الملوک ''میں علامہ طرطوشی لکھتے ہیں: جب بصرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان صاحبزادوں کو بیت المال کا مال دیا انہوں نے اس سے سامان خرید کر اس سے منافع حاصل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے تمام منافع واپس لینا چاہا تو انہوں نے حضرت عبید اللہ کی طرف رجوع کیا' انہوں نے فیصلہ دیا کہ آدھا منافع ان دو صاحبزادوں کا ہوگا' باقی نصف کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں داخل کر دیا۔

ابن رشد نے ''المقدمات'' میں کہا ہے کہا جاتا ہے: اسلام میں یہ پہلی مضاربت تھی۔ یہ مشہور واقعہ ''المؤطا'' میں مذکور ہے۔ ''الشبر خیتی علی المختصر'' میں مضاربت کے باب میں ہے: نبی ﷺ نے بعثت سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے مضاربت پر کام کیا ہے' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے بھی مضاربت پر کام کیا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں مذکور ہوا ہے اسلام میں سب سے پہلے الحرقہ کے آزاد کردہ غلام یعقوب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مضاربت پر کام کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تاجر صحابہ میں شامل ہیں۔ ''سراج الملوک'' میں ہے امام مالک نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کے مال کے دو حصے کر کے ان کا نصف حصہ بیت المال میں داخل کر لیتے تھے' آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مال کے بھی دو حصے کیے اور ان سے پوچھا: تمہارے پاس یہ مال کہاں سے آیا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جانوروں نے بچے دیئے اور تجارت سے ملا ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ تاجر صحابی ہیں' آپ مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس نبی ﷺ کے سفیر بن کر گئے تھے۔ ''طبقات ابن سعد'' میں ہے آپ نے موت کے وقت چار ہزار اشرفیاں' دراہم' گھر اور دیگر اشیاء بطور میراث چھوڑیں۔ آپ اشیائے خوردنی وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۔

ان تاجروں میں غزوۂ خیبر کے تاجر بھی شامل ہیں' سنن ابی داؤد کے ''باب التجارة فی الغزو'' میں حضرت عبید اللہ بن سلیمان سے مروی حدیث میں ہے نبی ﷺ کے ایک صحابی نے ان سے حدیث بیان کی کہ جب ہم نے خیبر کو فتح کر لیا اور قیدی اور مال و متاع بطور غنیمت حاصل ہو گئے لوگ اپنے غنائم کو بیچنے لگے' رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تو ایک آدمی نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! آج مجھے جتنا منافع ملا ہے' اس وادی کے لوگوں میں سے کسی کو آج اتنا منافع نہیں ملا' آپ نے فرمایا: تیرے لیے خرابی ہو تجھے کتنا منافع ملا ہے؟ اس نے کہا: میں برابر بیچتا اور خریدتا رہا' یہاں تک کہ مجھے تین سو اوقیہ چاندی کا نفع ہوا' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تجھ کو کسی شخص کے لیے اس سے زیادہ نفع بخش چیز بتاتا ہوں' اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: نماز کے بعد دو رکعت ادا کرنا[۹۷۷]
علامہ المنذری اس حدیث کے بارے میں خاموش رہے۔

ابن ماجہ نے خارجہ بن زید کی حدیث سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: میں نے ایک آدمی کو دیکھا' اس نے

---

۹۷۷ ضعیف روایت۔ ابوداؤد: ۲۷۸۵' یکے از اصحاب نبی ﷺ ''ضعیف سنن ابی داؤد' حدیث: ۵۹۳ میں البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

میرے والد سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جو غزوہ میں جاتا ہے اور اس میں خرید و فروخت اور تجارت کرتا ہے' انہوں نے جواب دیا: ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے' ہم خرید و فروخت کرتے تھے حضور ﷺ ہمیں دیکھتے تھے' منع نہیں فرماتے تھے۔[۹۷۸]

اس حدیث میں غزوہ میں تجارت کے جواز کی دلیل ہے' اور یہ کہ اس کے باوجود غازی مال غنیمت کا اور ثواب کامل کا مستحق ہے' اگر غزوہ میں تجارت مجاہد کے اجر میں نقصان کا موجب ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو بیان فرماتے' آپ نے اسے بیان نہیں فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا' سو یہ اجر میں کمی نہ ہونے پر دلالت ہے۔ بقول شوکانی اس کی تائید دورانِ حج تجارت کے جواز سے بھی ہوتی ہے' کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے جب سفر حج میں ایک جماعت نے تجارت نہ کرنے سے تنگی محسوس کی' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ تم پر کوئی گناہ نہیں (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں۔ (البقرہ:۱۹۸)

خرید و فروخت کو تجارت کا نام دینے کی اصل

''اوائل السیوطی'' کی کتاب البیوع کی ابتداء میں ہے کہ ابن ماجہ اور طبرانی نے حضرت قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اسے دلاّلی کہتے تھے' رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے تو آپ نے ہمیں اس سے حسین ترین نام دیا' آپ نے فرمایا: اے تاجروں کے گروہ! بیع میں قسم اور لغوگوئی ہوتی ہے' اس کو صدقہ سے ملاؤ۔[۹۷۹] طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ سب سے پہلے نبی ﷺ نے ہمیں تاجروں کا نام دیا۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: حافظ شامی نے ''سبل الرشاد'' میں اسے احمد اور سنن اربعہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ''مشکوۃ المصابیح'' میں اسے صرف سنن اربعہ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں اس حدیث پر یہ عنوان ذکر کیا ہے ''باب التجار وتسمية النبي ﷺ بذلک'' اور کہا: اس باب میں الیمان اور رفاعہ سے بھی احادیث مروی ہیں' اور قریظہ کی حدیث حسن صحیح ہے' ہم اس حدیث کو اس کے سوا نہیں جانتے۔

ابن ماجہ نے اس حدیث پر سنن میں یہ عنوان ذکر کیا ہے ''باب التوقي في باب التجارة'' ہم سے محمد بن عبداللہ بن نمیر نے حدیث بیان کی' ان سے ابومعاویہ نے از اعمش از شقیق از قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ سے یہ

۹۷۸۔ نہایت ضعیف روایت۔ ابن ماجہ ۲۸۲۳' از خارجہ بن زید۔ ''الزوائد'' میں بوصیری نے اس کے اسناد کو علی بن عروہ البارقی اور سعید بن داؤد کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ البانی نے بھی ''ضعیف سنن ابن ماجہ'': ۶۲۰ میں اسے نہایت ضعیف کہا ہے۔

۹۷۹۔ صحیح حدیث۔ احمد ج ۴ ص ۶۔۲۸۰' ابوداؤد: ۳۳۲۶۔۳۳۲۷' ترمذی: ۱۲۲۲۔۱۲۲۳' ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نسائی ج ۷ ص ۱۴۔۱۵۔۲۴۷' ابن ماجہ: ۲۱۴۵' ابن الجارود ''المنتقی'': ۵۵۷' طیالسی: ۱۳۱۱' طبرانی ۹۰۴ تا ۹۲۱' حاکم ج ۲ ص ۵ مع تصحیح' بیہقی ج ۵ ص ۲۶۵۔۲۶۶' از قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ

حدیث بیان کی۔ پھر کہا: ہم سے یعقوب بن حمید بن کاسب نے ان سے یحییٰ بن سلیم الطائفی نے از عبداللہ بن عثمان بن خثیم از اسماعیل بن عبید بن رفاعہ از والد خود از جد خود حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکلے' لوگ بکثرت خرید وفروخت کرنے لگے' آپ نے ان کو پکار کر فرمایا: اے تاجروں کا گروہ! جب انہوں نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں اور اپنی گردنیں اونچی کیں' آپ نے فرمایا: تاجر قیامت کے دن فاجر اٹھائے جائیں گے مگر جو اللہ سے ڈرا' نیکی کی اور سچ بولا۔[980]

صاحب ''لمعات'' نے کہا ہے: تجارت کرنے والے کے لیے تاجر نام دلاّلی سے اچھا ہے کیونکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تجارت مقام مدح میں مذکور ہے' بائع اور مشتری کے درمیان دلاّل اس کے تابع ہے' کبھی دلال امانت اور دیانت سے ہٹ جاتا ہے۔ آپ نے ان سب کو تجار کہا' کیونکہ بیچنے والے اور خریدنے والے دلاّل سب ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں' تاجر بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

ملا علی قاری مشکوۃ کی شرح میں کہتے ہیں کہ دلاّل آج بھی بائع اور مشتری کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہوتے ہیں اور بیع کی تکمیل میں حصہ لیتے ہیں۔ ''سمسار'' اصل میں کسی چیز کی دیکھ بھال کرنے والے نگران کو کہتے ہیں' اب یہ لفظ دلاّل کے لیے بولا جانے لگا ہے۔ کبھی نگران کو بھی سمسار کہتے ہیں۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہمارے پہلے نام سے اچھا نام عطا فرمایا (ہمیں سمسار کی بجائے تاجر کہا)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرف عام میں تاجر کا نام دلاّل سے بہتر ہے۔ اس کے بہتر ہونے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ سماسرہ کا اطلاق آج کل ٹیکس اور محصول وصول کرنے والے پر ہوتا ہے' شاید رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ نام اس کو دیا جاتا ہو جس (تاجر) میں نقص ہو۔

اس سلسلہ میں علامہ قرطبی نے بہترین بات کہی ہے کہ تجارت راس المال میں نفع کے حصول کے لیے تصرف سے عبارت ہے' سمسرہ بھی اسی طرح ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں متعدد مرتبہ تجارت کا بطور مدح ذکر فرمایا ہے' ارشاد فرمایا:

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ. (الصف:۱۰) کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں۔

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (النساء:۲۹) تجارت تمہاری آپس کی رضامندی سے۔

تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ (الفاطر:۲۹) ایسی تجارت جو ہرگز نقصان والی نہیں ۝

شاید کہ اس آیت کریمہ سے بھی یہی ارادہ فرمایا:

[980] حسن حدیث بشواھد۔ بخاری ''الادب المفرد'' ترمذی' ابن ماجہ۔ اس کے اسناد میں اسماعیل بن عبید (یا عبید اللہ) کے سوا سب راوی ثقہ ہیں' اسماعیل بن عبید کو صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ عبد الرزاق: ۲۰۹۹' دارمی ج ۲ ص ۲۴۷' ترمذی: ۱۲۱۰' ابن ماجہ: ۲۱۴۶' طبرانی ''الکبیر'': ۴۵۳۹۔ ۵۳۴۰۔ ۵۳۴۱۔ ۵۳۴۳' ابن حبان: ۴۹۰۹' حاکم ج ۲ ص ۶' بیہقی ج ۵ ص ۲۶۶' از متعدد طرق۔ از عبد اللہ بن عثمان خثیم۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کا شاہد طبرانی (حدیث: ۱۲۴۹۹) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۷۲) نیز عبد الرحمٰن بن شبل کی گذشتہ حدیث بھی اس کی شاہد ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿النور:۳۷﴾

وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کرتی اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے اور زکوۃ دینے سے وہ اس دن سے خائف ہیں جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں ○

تجارت کا نام ذکر فرما کر اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ تاجر ان اوصاف سے موصوف ہوں' نیز اس ارشاد ربانی میں بھی اسی جانب اشارہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ (التوبہ:۱۱۱)

بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جان و مال کو ان کے لیے جنت کے بدلے میں خرید لیا۔

''المدخل'' میں ہے بازار کو سوق اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں سامانِ تجارت کا چلن ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پارچہ فروش (کلاتھ مرچنٹ)

بزاز کپڑا بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ ''بز'' کپڑے کی ایک قسم ہے۔ ''المصباح'' میں ہے گھریلو سامان میں سے صرف کپڑوں کو ''بز'' کہتے ہیں' صحیح البخاری میں ایک عنوان ہے ''باب التجارۃ فی البز وغیرہ''۔ ابن العربی نے کہا ہے: امام بخاری نے کپڑوں کی تجارت پر عنوان قائم کر کے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو متاع دنیا میں وسعت کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں: پرانا کپڑا اور تن ڈھانپنے کے لیے صرف ایک کپڑا کافی ہے۔

خطیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: کپڑے کی تجارت کو لازم رکھو کیونکہ کپڑے کا تاجر اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ خوشحالی اور خیر میں ہوں[981]۔

طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ اہل جنت کو تجارت کی اجازت دے تو وہ کپڑے اور عطر کی تجارت کریں گے۔ (جمع الجوامع)[982]

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے' ابن قتیبہ نے ''المعارف فی صنائع الاشراف'' میں کہا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے۔ ابن عبد البر نے کہا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں نو سو پچاس (۹۵۰) اونٹ دیئے اور پچاس گھوڑے دے کر ہزار کو پورا کیا۔ قتادہ سے مروی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے دیئے تھے یہ سب کپڑے کی تجارت سے حاصل کیا ہوا مال تھا' ان کی یہی تجارت تھی۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کے تاجر تھے' ابن قتیبہ نے ''المعارف'' میں اور ابن الجوزی

---

۹۸۱ نہایت ضعیف۔ خطیب ''تاریخ بغداد'' ج ۱۰ ص ۱۵۲' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں عبد اللہ بن مروان بن ابی عصمہ کو خطیب نے بغیر جرح و تعدیل کے ذکر کیا ہے' نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مجہول الاسم پوتا راوی ہے۔

۹۸۲ ضعیف روایت۔ طبرانی ''الصغیر'' از ابن عمر رضی اللہ عنہما (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۶۳) عبد الرحمن بن ایوب السکون الحمصی کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

نے "تلبیس ابلیس" میں کہا ہے: آپ پارچہ فروش تھے۔

زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے' انہوں نے سفیان بن عیینہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی کپڑے کی تجارت یومیہ ہزار وافیہ تھی۔ وافی دینار کا وزن ہے' یہ فارسی دینار جس کو بغلیہ کہا جاتا ہے اس کا ہم وزن ہے۔

"الاصابہ" (ج ۲ ص ۱۰۰) میں حضرت سوید بن قیس العبدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں سماک بن حرب کی ان سے روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے ایک شلوار خرید فرمائی۔ اسے احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے' ان سے مروی ایک اور روایت میں ہے میں اور مخرمہ العبدی مقام ہجر سے کپڑا لائے' ہم مکہ میں آئے' ہم منیٰ میں تھے رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے' آپ نے شلوار کے دام کیے' ہم نے شلوار آپ کو بیچی' آپ نے اس کی قیمت دی اور وزن کرنے والے سے فرمایا: جھکتا ہوا تولو۔[۹۸۳]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کے تاجر تھے' اسے ابن الجوزی نے "التلقیح" میں ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ منورہ میں کلاتھ مارکیٹ

ابویعلیٰ الموصلی نے نہایت ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بازار میں داخل ہوا' آپ پارچہ فروشوں کے پاس تشریف فرما ہوئے اور چار درہم میں شلوار خریدی' بازار والوں کے پاس وزن کرنے والا تھا' آپ نے اس سے فرمایا: وزن کر اور جھکتا ہوا تول۔ وزن کرنے والے نے کہا: میں نے ایسی بات پہلے کسی سے نہیں سنی۔[۹۸۴]

علامہ زرقانی "شرح المواھب" میں کہتے ہیں: "بز" کپڑوں کو یا کپڑوں سمیت دوسرے گھریلو سامان کو کہتے ہیں' اس کا بیچنے والا بزاز ہے (قاموس)۔

ابوسعید نیشاپوری نے "کتاب شرف المصطفیٰ" میں اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ کی تجارت کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

---

۹۸۳ حسن الاسناد۔ بوجہ سماک بن حرب' احمد ج ۴ ص ۳۵۲' ابوداؤد: ۳۳۳۶' ترمذی: ۱۳۰۵' نسائی ج ۷ ص ۲۸۴' ابن ماجہ: ۲۲۲۰' دارمی ج ۲ ص ۲۶۰' طیالسی: ۱۱۹۲' ابن الجارود: ۵۵۹' ابن حبان: ۵۱۴۷' حاکم ج ۲ ص ۳۰' بیہقی ج ۶ ص ۳۲۔۳۳' طبرانی: ۶۴۶۶' از سماک بن حرب از سوید بن قیس رضی اللہ عنہ۔ ہجر یمن کا ایک شہر ہے۔

۹۸۴ نہایت ضعیف الاسناد حدیث۔ بوجہ عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی ضعیف الحافظ' ابن حبان نے "المجروحین" ج ۲ ص ۵۰ میں کہا ہے: یہ ثقہ راویوں سے موضوعات روایت کرتا ہے' مدلس ہے۔ بخاری کے بقول منکر الحدیث ہے' اس حدیث کو ابویعلیٰ: ۶۱۶۲' اور ابن حبان نے "المجروحین" ج ۲ ص ۵۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ہیثمی "مجمع الزوائد" ج ۵ ص ۱۲۱۔۱۲۲ میں یہ حدیث ذکر کر کے کہتے ہیں: اس کو ابویعلیٰ نے اور طبرانی نے "الاوسط" میں روایت کیا ہے۔ اس میں یوسف بن زیاد المصری ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں: سوید بن قیس العبدی رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث اس کی شاہد ہے۔ (تخریج)

عطر فروش

امام بخاری نے ''صحیح البخاری'' کی کتاب البیوع میں ''باب العطار وبیع المسک'' کا عنوان ذکر کیا ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اچھے ساتھی اور بُرے ساتھی کی مثال مُشک فروش اور لوہار کی دھونکنی جیسی ہے' آپ مشک فروش سے مشک خریدیں گے ورنہ اس کی خوشبو کو تو پائیں گے' لوہار کی دھونکنی تیرا گھر جلائے گی یا تیرا کپڑا جلائے گی یا تو اس سے بدبو پائے گا۔[985]

الثعالبی نے ''کتاب التمثیل والمحاضرة'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر میں تاجر ہوتا تو عطر کی تجارت کے سوا کسی دوسری چیز کی تجارت کو اختیار نہ کرتا' اگر مجھے اس سے نفع نہ ملتا اس کی خوشبو تو ملتی رہتی۔

علامہ عینی کہتے ہیں: عطار خوشبو بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں کہتے ہیں: بخاری کی اس روایت میں مُشک کا ذکر ہے' انہوں نے عنوان میں عطر فروش کہا ہے گویا کہ انہوں نے مشک اور عطر کو باہم ملایا ہے کیونکہ دونوں بہترین خوشبوئیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وزن کرنے والے

مسند ابویعلیٰ الموصلی کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بازار والوں کے پاس وزن کرنے والا تھا' نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: تول اور جھکتا ہوا تول۔ یہ حدیث طبرانی کی ''المعجم الاوسط'' میں بھی ہے' امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ابن زیاد ہے' بقول علامہ سیوطی ابن زیاد اور اس کا شیخ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ ''شرح الشفاء'' میں علامہ خفاجی نے کہا ہے: اس روایت کا ضعف اس کے موافق دیگر روایات کے باعث جاتا رہا۔

رسول اللہ ﷺ کا وزن کرنے والے کے لیے فرمانا ''وزن کر اور جھکتا ہوا تول'' قیمت کے بارے میں ہے یعنی ترازو کے جس پلڑے میں درہم رکھے ہیں ان کو جھکتا ہوا تول' کہا جاتا ہے: پورا لے اور جھکتا ہوئے دے۔

ابوعبداللہ العقبانی التلمسانی کی کتاب ''تحفة الناظر وغنية الذاكر في حفظ الشعائر وتغيير المناكر'' میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو زعفران تول رہا تھا اور جھکتا ہوا تول رہا تھا' آپ نے فرمایا: عدل و انصاف کے ساتھ وزن پورا کر' پھر اس کے بعد جتنا چاہے جھکا دے' گویا آپ نے اسے حسب معمول برابر تولنے کا حکم دیا کہ ایسا کرنا لازم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا: اے اہل عجم! تم ان دو چیزوں کو پورا کرو' ان میں کمی کی وجہ سے تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں' وزن اور ناپ۔

---

985 صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۰۱۔۵۵۳۴' مسلم: ۲۶۲۸' احمد ج ۴ ص ۴۰۴۔۴۰۵' ابن معین ''تاریخ'' ج ۳ ص ۳۸' ابن حبان: ۵۶۱۔۵۷۹' بغوی ''شرح السنة'': ۳۴۸۳' قضاعی ''مسند الشہاب'': ۱۳۸۰' از ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

آپ نے اہل عجم کو خاص طور پر اس لیے کہا کہ عجمی ناپ اور تول کے دونوں پیمانے استعمال کرتے تھے' حرمین میں ایسا نہ تھا' اہل مکہ وزن کرتے اور اہل مدینہ ناپتے تھے۔

مذکورہ بالا حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ ہر آدمی سے اس کے پیشہ کے اعتبار سے گفتگو فرماتے تھے اور اسے وہ طریقے تعلیم فرماتے جس سے اس کی خوشحالی میں اضافہ ہو' اس پیشہ کے آداب اور احکام سے آگاہ فرماتے تھے۔

''النفس الیمانی ''میں یمن کے عظیم القدر مفتی اور بے بدل عالم نے اپنے شیخ عبدالصمد الجاوی کے تذکرہ میں اسی اصل کو ذکر کیا ہے کہ ان کے شیخ کا طریقہ تھا جب بھی کوئی طالب ان کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ اس سے تفصیلی حالات معلوم کرتے تھے' جب ان کو معلوم ہوتا کہ اس طالب کے عادات و اطوار خوب ہیں اور اس میں فلاں اچھی خصلت ہے' وہ اس کی اس خصلت اور خوبی کی تعریف و توصیف کرتے اور اسے اس کے آداب و احکام سے آگاہ کرتے تا کہ وہ اس پر ثابت قدم رہے' اور اسے مکمل بصیرت حاصل ہو۔ مفتی یمن اپنے بارے میں لکھتے ہیں: میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ برابر مجھے فتویٰ کے آداب سے آگاہ فرماتے رہے' مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سوال پر اکتفا نہ کرے بلکہ اسے مکمل معلومات حاصل ہوں تا کہ اس کا جواب صحیح پس منظر کا عکاس ہو' یہی دینی مصلحت کا تقاضا ہے' اسے تجربہ کار عقول پہچانتے ہیں۔

طبرانی اور ابویعلیٰ کی سابقہ حدیث کا تتمہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے چار درہم میں شلوار خریدی' بازار میں وزّان (وزن کرنے والا) تھا' آپ نے اس سے فرمایا: وزن کر اور جھکتا ہوا تول۔ آپ نے شلوار لی' میں اسے اٹھانے کے لیے آگے بڑھا تو آپ نے فرمایا: چیز کا خریدار اپنی خرید کردہ چیز کو اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے' اگر وہ کمزور ہو اسے نہ اٹھا سکے تو اس کا مسلمان بھائی اس کی مدد کرے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ شلوار پہنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں' سفر میں گھر میں' رات میں اور دن میں' مجھے ستر کا حکم دیا گیا ہے اور میں نے اس سے بڑھ کر ستر پوشی کرنے والی چیز نہیں پائی۔

ابن القیم نے ''الھدی ''میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس پر جزم کیا ہے کہ نبی ﷺ نے شلوار زیب تن فرمائی ہے۔ خفاجی نے ''شرح الشفاء ''میں کہا ہے کہ اس بارہ میں ابن القیم کے استدلال کو یہ کہہ کر غلط قرار دینا درست نہیں کہ آپ نے شلوار خریدی ہے مگر پہنی نہیں۔ یہ دور کی کوڑی لانے والی بات ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوران محاصرہ شلوار پہنی ہوئی تھی۔

اس حدیث میں شلوار کی قیمت چار درہم مروی ہے۔ ''الاحیاء ''میں تین درہم مذکور ہے۔

صرّاف (منی چینجر)

عہد رسالت مآب ﷺ کے صرّاف

''صحیح البخاری''میں ابوالمنہال سے مروی ہے میں سونے چاندی کے تبادلے کا کام کرتا تھا' میں نے حضرت زید بن ارقم اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا' انہوں نے فرمایا: ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تجارت کرتے تھے' ہم نے رسول اللہ ﷺ سے صرف (تبدیلی سکہ' تبادلۂ رقم) کے بارہ میں سوال کیا' آپ نے فرمایا: اگر دست بدست ہو تو حرج نہیں ہے' اگر ادھار ہو تو صحیح نہیں ہے' صَرف سونے کی چاندی کے ساتھ بیع ہے[۹۸۶] (کتاب البیوع ج ۳ ص ۶) (کیونکہ اس دور میں سونے اور چاندی کے سکے رائج تھے)۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ بازار بڑا ہو گیا اور اس پر ایک نگران کی ضرورت پیش آئی۔ دیار بکری نے ''تاریخ الخمیس''میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لوگوں کے اعتراض اور ناراض ہونے کے ذکر کے بعد کہا ہے: لوگوں کا یہ دعویٰ کہ آپ نے حارث بن حکم کو مدینہ منورہ کے بازار کا نگران بنا دیا تھا تاکہ وہ اوزان چیک کریں' دو یا تین روز کے بعد انہوں نے گٹھلیوں کے تاجروں سے تمام گٹھلیاں اپنے لیے خرید لیں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک یہ معاملہ پہنچا تو آپ نے اسے بُرا جانا اور آپ نے حارث کو معزول کر دیا۔ مروی ہے کہ آپ نے حارث کو دو درہم یومیہ پر یہ ذمہ داری سونپی تھی۔

عنبر اور پارے کی تجارت

''عون المعبود علی سنن ابوداؤد''کے مؤلف نے ذکر کیا ہے زعفران' عنبر' مشک اور عود یہ چاروں چیزیں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں موجود تھیں' حضور ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام ان کو استعمال کرتے تھے' آپ کے وصال کے بعد بھی یہ چیزیں مسلمانوں میں مستعمل رہیں' پھر یہ ذکر کیا کہ نسائی نے محمد بن علی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: کیا نبی ﷺ خوشبو لگاتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں' مردانہ خوشبو جیسے مشک' عنبر اور عود[۹۸۷] (ج ۲ ص ۲۲۸)

''طبقات ابن سعد''میں محمد بن علی سے مروی ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے امی! کیا رسول اللہ ﷺ خوشبو استعمال فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: مردانہ خوشبو' میں نے پوچھا: مردانہ خوشبو کیا ہے؟

---

۹۸۶ بخاری: ۲۰۶۰-۲۰۶۱-۲۱۸۰-۲۱۸۱-۲۴۹۷-۲۴۹۸-۳۹۳۹-۳۹۴۰' مسلم: ۱۵۸۹-۱۵۹۰' نسائی ج ۷ ص ۲۸۰' از براء بن عازب' زید بن ارقم رضی اللہ عنہما۔

۹۸۷ نسائی ج ۸ ص ۱۵۱' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

فرمایا: مشک اور عنبر۔

"طبقات" ہی میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے لیے مشک کا ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا: کیا یہ سب سے عمدہ خوشبو نہیں ہے۔[988] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب دھونی لیتے کافور کو عود پر ڈال کر دھونی لیتے اور فرماتے: رسول اللہ ﷺ اسی طرح دھونی لیتے تھے۔[989]

"طبقات ابن سعد" ہی میں ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے جب نجاشی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ان کا نکاح کیا' اپنی عورتوں کو حکم دیا ان کے پاس جو بھی عطر ہو' ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجیں' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: دوسرے دن میرے پاس عود' ورس' عنبر اور زباد کی کثیر مقدار جمع ہو گئی میں ان تمام خوشبویات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی' آپ میرے پاس یہ خوشبویات ملاحظہ فرماتے اور مجھے لگائے ہوئے دیکھتے' اس پر اعتراض نہ فرماتے تھے۔[990]

علامہ خفاجی نے "شفاء الغلیل" میں نقل کیا ہے کہ غالیہ (مشک وعنبر سے تیار کردہ خوشبو) کا ذکر حدیث میں آیا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی کو غالیہ لگاتی تھی۔[991]

جاحظ نے کہا: مرکب عطر تمام تر عربی ہیں مثلاً غالیہ' شاھریہ' خلوق' لخلخۃ' قطر اور دریرہ۔

"الاصابہ" میں عمرو بن کریب الطائی کے تذکرہ میں ہے آپ صاحب علم وفہم تھے' ان کا بیٹا شبیب مشہور شاعر تھا' اس نے کوفہ پر حجاج کی گورنری کے دور میں اس قافلہ کو لوٹ لیا تھا جس میں اونٹوں پر تاجروں کا عنبر اور پارہ وغیرہ بار تھا۔ اسے ابن الکلبی نے ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں عمرو بن کلاب کے تذکرہ میں کہا ہے: یہ فہم وفراست کے مالک تھے' انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے عمال کے بارہ میں اشتعال دلایا تھا۔

جب ہندی تاجر مشک کا نافہ لایا' وہ ان کی مانگوں میں بہنے لگا

اسے ابراہیم بن الحسن نے "غریب" میں از طریق ابن اسحاق از یعقوب بن عتبہ از کوثر بن زفر' حدثنی ابو المختار' وحدثنی عمرو ذکر کیا ہے۔

سونے کی کان کھودنے کا بیان

"الاصابہ" میں ابوحصین السلمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے: اسے بغوی نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ واقدی نے از عبداللہ بن یحییٰ از عمر بن الحکم از جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ابوحصین السلمی کان کا سونا لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئے۔ پھر طویل حدیث ذکر کی۔[992]

---

۹۸۸ حسن الاسناد بوجہ خلید بن جعفر۔ بقیہ راوی ثقہ ہیں (التقریب) "طبقات ابن سعد" ج ۱ ص ۳۰۶۔

۹۸۹ ضعیف الاسناد بوجہ ابن لہیعہ۔ "طبقات ابن سعد" ج ۱ ص ۳۰۶۔

۹۹۰ ابن سعد از طریق اسماعیل بن عمرو بن سعید الاموی۔ الاصابہ ج ۴ ص ۳۰۵۔۳۰۶' رقم: ۴۴۴۔

۹۹۱ ابن الاثیر "النہایۃ فی غریب الحدیث" ج ۳ ص ۳۸۲' از عائشہ رضی اللہ عنہا' بلا اسناد بلاحوالہ۔

۹۹۲ ضعیف روایت۔ بغوی از واقدی از عبداللہ بن یحییٰ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۳' رقم: ۲۸۱) واقدی متہم بالکذب ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: ابن سعد نے "الطبقات" (ج ۴ ص ۹) میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ "التجرید" میں ہے ابوالحصین السلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کان کا سونا لائے۔ اسے ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے ابو حصین کہا ہے (بغیر ال کے' الحصین' حصین)۔

نیزوں کے تاجر

"الاستیعاب" میں ہے حضرت نوفل بن الحرث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نیزوں کے تاجر تھے' غزوۂ بدر میں انہوں نے اپنی رہائی کے عوض ایک ہزار نیزے دیئے تھے۔

"طبقات ابن سعد" (ج ۴ ص ۳۱) میں ہے غزوۂ بدر میں جب نوفل بن الحارث قیدی بنائے گئے' نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اپنے فدیہ میں جدہ میں موجود اپنے نیزے دو۔ انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں' پھر انہوں نے اپنی رہائی کے عوض ہزار نیزے دیئے۔ انہوں نے غزوۂ حنین میں نبی ﷺ کی تین ہزار نیزوں سے مدد کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوالحارث! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے مشرکوں کی پیٹھیں توڑ رہے ہیں۔[۹۹۳]

اشیائے خوردنی کے بیوپاری

"صحیح مسلم" میں حضرت سالم بن عبداللہ کی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے' ان کے والد نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں کو اس بات پر مارا جاتا تھا کہ وہ اندازے سے طعام خرید کر اسے اپنے ٹھکانوں میں منتقل کرنے سے پہلے وہیں بیچ دیں۔[۹۹۴]

مزید تفصیل کے لیے "طبقات ابن سعد" میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملاحظہ کریں۔

تاجر بچے

"الاصابہ" میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں ہے بغوی نے حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرے' وہ بچوں کے ساتھ چیزیں بیچ رہے تھے' آپ نے دعا دی: اے اللہ! اس کی بیع اور اس کے سامانِ تجارت میں برکت عطا فرما۔[۹۹۵]

---

۹۹۳ ابن سعد از طریق اسحاق بن عبداللہ بن حارث بن نوفل۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۵۷۷ رقم: ۸۸۲۶)

۹۹۴ صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۰۲۷ (۳۸) از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

۹۹۵ ضعیف روایت۔ بغوی از قواریری از عبداللہ بن داؤد از قطر بن خلیفہ۔۔۔۔۔۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۸۹ رقم: ۴۵۹۱) مجھے قطر بن خلیفہ کے حالاتِ زندگی نہیں ملے۔ (دندل)

''الاصابہ'' ہی میں لجلاج العامری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابوداؤداور نسائی نے ''الکبریٰ'' میں ان سے روایت کیا ہے کہ ہم لڑکے بازاروں میں کام کرتے تھے[996]

شکر کی تجارت

دارقطنی نے ''الافراد'' میں ہشام بن حسان از محمد بن سیرین کے طریق سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: ایک تاجر مدینہ منورہ میں شکر لے کر آیا' اس کے گاہک نہ لگے' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو یہ خبر ملی تو آپ نے اپنے میر منشی کو حکم دیا کہ تاجر سے شکر خرید کر لوگوں میں بانٹ دیں۔ (الاصابہ)

جڑی بوٹیوں کے تاجر

ابن رشد نے بڑی عمر والے کی رضاعت کی تحریم کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم تو طبیب ہو' ابن زمنین نے اسے نقل کر کے اس کی تفسیر میں کہا ہے: وہ جڑی بوٹیاں بیچتے تھے' گویا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس مشغولیت کو عدم علم کا سبب قرار دیا۔ (شرح ابی علی بن رحال علی المختصر)

عطر فروش خواتین

''الاصابہ'' میں اسماء بنت مخربہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ ان کا بیٹا عباس بن عبداللہ بن ربیعہ یمن سے ان کے لیے عطر بھیجتا تھا اور وہ اسے فروخت کرتی تھیں۔

''الاستبصار فی انساب الانصار'' میں حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں: اسماء بنت مخربہ مدینہ طیبہ میں عطر بیچا کرتی تھیں' یہ ام عباس بن عبداللہ بن ابی ربیعہ ہیں' یہ میرے پاس عطر لے کر آئیں' میرے متعلق دریافت کیا' میں نے اپنا سلسلۂ نسب بتایا' کہنے لگی: تم اپنے سردار (ابوجہل) کے قاتل کی بیٹی ہو؟ میں نے کہا: ہاں میں اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں' اسماء نے کہا: مجھ پر حرام ہے کہ میں اپنے عطر سے تجھے کچھ بیچوں' میں نے کہا: میرے اوپر بھی تیرے عطر سے کچھ خریدنا حرام ہے' میں نے تیرے عطر سے زیادہ بدبودار عطر نہیں دیکھا' یہ بات میں نے اس کو غصہ دلانے کے لیے کہی تھی۔ ابن سعد نے ''الطبقات'' میں ان کے تذکرہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے' اس میں حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ جب اس نے میری شیشی میں عطر ڈالا اور میری سہیلیوں کی طرح میرے لیے وزن کیا تو ۔۔۔۔ الخ

''الاصابہ'' میں حولاء نامی عطر فروش خاتون کے تذکرہ میں ہے کہ ابوموسیٰ نے ابوالشیخ کے طریق سے اپنی

[996] صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۴۴۳۵ از خالد بن لجلاج۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۳۲۸' رقم: ۵۷۴۸)

سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں حولاء بنت ثویب نام کی عطر فروش خاتون تھیں۔

سائب بن الاقرع کی والدہ ملیکہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے' وہ عطر فروخت کرتی تھیں۔

زراعت اور شجر کاری

علامہ خزاعی نے اسلام کی نظر میں زراعت کی اہمیت اور صحابہ کرام کے زراعت میں توجہ اور دلچسپی کے باعث زراعت کا عنوان ذکر کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے کثیر التعداد آیات میں ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو زراعت اور نباتات کی صورت میں انسانوں کو دستیاب ہیں' اور اللہ جل مجدہٗ الکریم نے ضروریاتِ زندگی پیدا کرنے والے کی حیثیت سے اپنا ذکر فرمایا ہے' ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ (الانعام:۹۹)

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز نکالی' پھر ہم نے اس سے سبز کھیتی پیدا کی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے نیچے اوپر چڑھے ہوئے۔

یعنی پانی سے ہر چیز اُگی اور ہم نے پانی سے سبزہ نکالا جس سے ہم اوپر تلے چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں جیسے گندم' جَو' چاول' باجرہ' جوار اور مکی کے خوشے ہوتے ہیں' خوشوں کے تمام دانے اسی طرح ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ. (الانعام:۱۴۱)

اور وہی ہے جس نے پیدا کیے باغ چھپریوں پر چڑھائے ہوئے۔

زمین پر پھیلنے والی بیلیں جیسے انگور' کدو' کھیرے' ککڑی' خربوزے' تربوز وغیرہ کی بیلیں۔ ''وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ'' (الانعام:۱۴۱) اور بغیر چھپریوں پر چڑھائے ہوئے۔ جو اپنے تنے پر کھڑے ہوتے ہیں جیسے کھجور' گندم' جَو' مکی' جوار' باجرہ وغیرہ اور تمام درخت ہیں۔

مزید ارشاد فرمایا:

وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ. (الانعام:۱۴۱)

اور کھجور اور کھیتی کہ مختلف ہیں اس کے کھانے۔

یعنی اس کے پھل اور اس کا مزہ مختلف ہوتا ہے۔ ترش' کڑوا' میٹھا' ردی اور بہترین۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ. (الرعد:۴)

اور زمین کے مختلف قطعے ہیں پاس پاس۔

اس دوسرے سے قریب' ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں' لیکن ان کی فصلوں اور باغات میں فرق ہوتا ہے' کہیں انگور ہیں' کہیں لہلہاتی فصلیں ہیں پھر سب کے ذائقے اور پھل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ''وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ'' (الرعد:۴) اصل ایک ہے' لیکن اوپر متعدد کھجور کے درخت ہیں ان کے پھلوں کے ذائقے اور شکل و

صورت مختلف ہے۔

سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ ٱلزَّرۡعَ وَٱلزَّيۡتُونَ وَٱلنَّخِيلَ وَٱلۡأَعۡنَٰبَ وَمِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَةٗ لِّقَوۡمٖ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (النحل:۱۱)

اس (پانی) سے تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل، بے شک اس میں نشانی ہے غور وفکر کرنے والوں کے لیے ۝

سورۃ السجدہ میں فرمایا:

أَوَلَمۡ يَرَوۡاْ أَنَّا نَسُوقُ ٱلۡمَآءَ إِلَى ٱلۡأَرۡضِ ٱلۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِهِۦ زَرۡعٗا تَأۡكُلُ مِنۡهُ أَنۡعَٰمُهُمۡ وَأَنفُسُهُمۡۚ أَفَلَا يُبۡصِرُونَ ۝ (السجدہ:۲۷)

اور کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی بھیجتے ہیں پھر اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں، تو کیا وہ نہیں دیکھتے ۝

سورۃ یٰسٓ میں ارشاد ہے:

وَءَايَةٞ لَّهُمُ ٱلۡأَرۡضُ ٱلۡمَيۡتَةُ أَحۡيَيۡنَٰهَا وَأَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبّٗا فَمِنۡهُ يَأۡكُلُونَ ۝ (یٰس:۳۳)

اور مردہ زمین (بھی) ان کے لیے نشانی ہے جسے ہم نے زندہ کیا اور اس سے ہم نے غلہ نکالا تو اس سے وہ کھاتے ہیں ۝

سورۂ قٓ میں فرمایا:

وَنَزَّلۡنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ مُّبَٰرَكٗا فَأَنۢبَتۡنَا بِهِۦ جَنَّٰتٖ وَحَبَّ ٱلۡحَصِيدِ ۝ (قٓ:۹)

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا تو اس سے ہم نے باغ اگائے اور غلہ کھیتی کا ۝

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد فرمایا:

وَٱلۡأَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡأَنَامِ ۝ فِيهَا فَٰكِهَةٞ وَٱلنَّخۡلُ ذَاتُ ٱلۡأَكۡمَامِ ۝ وَٱلۡحَبُّ ذُو ٱلۡعَصۡفِ وَٱلرَّيۡحَانُ ۝ (آیت:۱۰تا۱۲)

اور (اسی نے) زمین (بچھا کر) رکھی مخلوق کے لیے ۝ اس میں میوے ہیں، اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں ۝ اور غلہ بھوسے والا اور خوشبودار پھول ۝

سورۃ النباء میں فرمایا:

لِّنُخۡرِجَ بِهِۦ حَبّٗا وَنَبَاتٗا ۝ وَجَنَّٰتٍ أَلۡفَافًا ۝ (آیت:۱۵۔۱۶)

تاکہ ہم اس کے سبب (زمین سے) غلہ اور سبزہ نکالیں ۝ اور گھنے باغ ۝

سورۂ عبس میں ارشاد ہے:

فَلۡيَنظُرِ ٱلۡإِنسَٰنُ إِلَىٰ طَعَامِهِۦٓ ۝ أَنَّا صَبَبۡنَا ٱلۡمَآءَ صَبّٗا ۝ (آیت:۲۴۔۲۵)

تو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے ۝ کہ ہم نے خوب پانی بہایا ۝

سورۃ الکہف میں فرمایا:

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ (آیت:۳۲)

اور انہیں دو مردوں کا حال سنایئے کہ ان میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے اور (ان کے چاروں طرف) کھجوروں (کی باڑ) سے ہم نے انہیں ڈھانپ دیا اور ان دونوں (میں سے ہر ایک) کے درمیان ہم نے کھیتی رکھی ۝

امام الجصاص الحنفی ''احکام القرآن'' میں آیت کریمہ:

هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا. (ھود:۶۱)

اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں آباد کیا۔

کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس میں زراعت' شجر کاری اور عمارات سازی سے زمین کو آباد رکھنے کے وجوب پر دلالت ہے۔(ج ۳ص ۱۶۵)

''صحیح مسلم'' میں ہے نبی ﷺ حضرت ام مبشر الانصاریہ رضی اللہ عنہا کے کھجوروں کے باغ میں داخل ہوئے اور ارشاد فرمایا: مسلمان کوئی درخت نہیں لگاتا نہ کھیتی کاشت کرتا ہے پھر اس سے انسان' چوپایہ یا کوئی اور جاندار چیز کھاتی ہے مگر یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔[۹۹۷] صحیح البخاری میں اسے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے[۹۹۸] اور اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے' ''باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منه''۔

قرطبی' بزار اور ''الحلیة'' میں ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات چیزوں کا اجر بندے کو قبر میں بھی ملتا ہے' کسی نے علم سکھایا' نہر بنائی' کنواں کھودا' کھجور کا درخت لگایا' مسجد تعمیر کی' مصحف (قرآن مجید) چھوڑا یا ایسا بیٹا چھوڑا جو اس کی موت کے بعد اس کے لیے استغفار کرتا ہے۔[۹۹۹] ابونعیم نے کہا: یہ حدیث اس حدیث صحیح کے خلاف نہیں ہے جس میں ''الامن صدقة جارية'' کے الفاظ ہیں' یہ حدیث صدقہ جاریہ کی تفصیل کی جامع ہے۔

منذری نے کہا ہے: ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح حدیث روایت کی ہے۔[۱۰۰۰]

---

۹۹۷ صحیح حدیث۔ مسلم:۱۵۵۲' حمیدی:۱۲۷۴' طیالسی:۱۲۹۵' احمد ج ۳ص ۳۹۱' ابویعلی:۲۲۱۳۔۲۲۴۵' بیہقی ج ۶ص ۱۳۷۔۱۳۸' از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔

۹۹۸ صحیح حدیث۔ بخاری:۲۳۲۰۔۶۰۱۲۔۱۵۵۳' احمد ج ۳ص ۱۴۷۔۱۸۸۔۲۲۹۔۲۴۳' ترمذی:۱۳۸۲' بیہقی ج ۶ص ۱۳۷' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' ج ۵ص ۳ میں کہا ہے: اس سے زراعت اور پھل دار درخت لگانے کا ثبوت ملتا ہے اور ان نام نہاد زاہدوں کی تردید ہوتی ہے جو اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ البتہ اس شغل میں اتنی مصروفیت کہ امور دین سے غفلت ہو باعث نفرت ہے۔

۹۹۹ ضعیف روایت۔ ابونعیم ''الحلیة'' ج ۲ص ۳۴۳۔۳۴۴' بزار (مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۶۷) از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ابونعیم نے کہا: یہ حدیث ابونعیم از العزرمی کی وجہ سے غریب ہے' علامہ ہیثمی نے کہا: اس میں محمد بن عبیداللہ العزرمی ضعیف ہے۔

۱۰۰۰ ضعیف روایت۔ ابن ماجہ:۲۴۲' ابن خزیمہ ''صحیح'' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (الترغیب والترہیب ج ۱ص ۱۲۴) ابن المنذر نے اس کے اسناد کو حسن اور ہیثمی نے غریب کہا ہے۔ اس کے راوی مرزوق میں اختلاف ہے۔ یہ لین الحدیث ہے۔ (التقریب:۶۵۷۵)

حاکم نے "التوکل" میں ابن ابی الدنیا نے "الامثال" میں عسکری نے اور "المجالسة" میں دینوری نے حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یمن کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی' آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: توکل کرنے والے' آپ نے فرمایا: تم جھوٹے ہو تم متوکل نہیں ہو' متوکل تو وہ شخص ہے جو زمین میں بیج ڈالتا ہے اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔[1001]

"مسند عمر بن عبد العزیز" میں ہے ابن شہاب نے کہا: عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مجھ سے کہلوایا کہ میرے پاس سعد بن خالد بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا ہے: امیر المؤمنین! مجھے الشدید کی جاگیر عطا فرمادیں کیونکہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ملی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص کوئی درخت لگاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے درختوں اور پھلوں کی تعداد کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے' کیا آپ نے یہ حدیث سنی ہے؟ میں نے کہا: ہاں' اور عطاء بن یزید نے گواہی دی کہ انہوں نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے اسے سنا ہے' وہ اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے تھے۔[1002]

احمد اور طبرانی نے مسلم بن بدیل کے طریق سے از ایاس بن زہیر از سوید بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے حضرت سوید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ آدمی کا بہتر مال گھوڑے کی سدھائی ہوئی بچھیری یا اصلاح یافتہ کدال ہے۔[1003]

"المختار" میں ہے "ابر نخلة" کا مطلب ہے کھجور کے درخت کو قلم لگانا اور اس کی درستی کرنا۔

صحیح البخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ ایک روز گفتگو فرما رہے تھے آپ کے پاس بدوی بیٹھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اہل جنت میں سے ایک شخص اللہ تعالیٰ سے کاشتکاری کی اجازت مانگے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا جنت میں تیری ہر مطلوبہ چیز نہیں ہے؟ وہ عرض کرے گا: ہے' لیکن میں فصل لگانا

[1001] منقطع الاسناد ہونے کی وجہ سے ضعیف روایت۔ معاویہ بن قرہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۸ص ۳۷۸' سیر اعلام النبلاء ج ۵ص ۱۵۳) اس حدیث کو حاکم' ابن ابی الدنیا' العسکری (الامثال) اور دینوری نے "المجالسة" میں روایت کیا ہے۔ مجھے مستدرک حاکم میں یہ حدیث نہیں ملی۔ حیرت ہے مصنف نے چند صفحات پہلے یہ حدیث مرفوعاً نقل کی ہے اور یہاں موقوفاً نقل کر رہے ہیں۔

[1002] بہ سبب شواہد حسن حدیث۔ احمد ج ۶ص ۴۴۴' از ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔ "مجمع الزوائد" (ج ۴ص ۶۷) میں ہے' اسے احمد نے روایت کیا ہے' اس کے ایک راوی عبداللہ بن عبدالعزیز کو مالک اور سعید بن منصور نے ثقہ اور ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے' اس کے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔ میں کہتا ہوں مسلم: ۱۵۵۲ میں جابر رضی اللہ عنہ سے اور بخاری ج ۲ص ۶۰' مسلم: ۱۵۵۳' اور ترمذی: ۱۳۸۲ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث اس کی شاہد ہیں۔

[1003] مرسل ہونے کے سبب ضعیف۔ ابوعبید "غریب الحدیث" ج ۱ص ۳۴۹' احمد ج ۳ص ۴۶۸' طبرانی: ۶۴۷۰۔ ۶۴۷۱' دولابی ج ۲ ص ۱۷' الاستیعاب ج ۲ص ۶۸۱' بخاری "التاریخ الکبیر" ج ۲ص ۱۴۴' قضاعی "مسند الشہاب": ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱ (علی محمد دندل نے حافظ ابن حجر کی "تخریج احادیث الکشاف" ج ۲ص ۱۵۵' اور "الاصابہ" ج ۳ص ۲۳۰ کے حوالہ سے اس حدیث کی فنی حیثیت پر بحث نقل کرنے کے بعد متعدد حوالوں سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور حدیث کے اسناد پر بحث کرتے ہوئے بہ سبب ارسال اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ مترجم)

چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس نے جلدی کی اور بیج ڈالا' پودے تیزی سے بڑھے' اس کی کٹائی ہوئی اور پہاڑوں کی طرح اس کی ڈھیریاں تیار ہو گئیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! بس کر کوئی چیز تجھے سیر نہیں کرتی۔ اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ایسا شخص قریشی یا انصاری ہی پائیں گے کیونکہ یہی لوگ کاشتکار ہیں' ہم کاشتکار نہیں' رسول اللہ ﷺ اس کی بات پر ہنس دیئے۔[۱۰۰۴]

الحبشی نے کتاب ''البرکة'' میں کہا ہے اس حدیث کے فوائد میں بعض یہ ہیں: یہ حدیث زراعت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے' مہاجرین اور انصار زراعت کرتے تھے' کیونکہ اعرابی نے کہا: آپ اسے انصاری یا مہاجر ہی پائیں گے' یہ بڑی دلیل ہے کیونکہ مہاجرین اور انصار اس امت کے افضل افراد ہیں اور وہ زراعت پیشہ تھے۔

عارف فاسی نے ''تشنیف المسامع'' میں کہا ہے: مشہور یہ ہے کہ انصار کاشتکار تھے اور قریش تجارت پیشہ تھے' کاشتکار نہ تھے کیونکہ ان کی زمین کھیتی باڑی والی زمین نہ تھی۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اصل کے اعتبار سے یہ صحیح ہے' ورنہ ہجرت کے بعد مہاجرین صحابہ نے کاشتکاری کی اور تجارت بھی کی۔ سو مذکور الصدر حدیث اپنے حال پر ہے۔

امام ابوداؤد نے ''مراسیل'' میں حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے مرسلاً روایت کیا ہے کھیتی لگاؤ کیونکہ کھیتی مبارک ہے اور اس میں کدال کا بکثرت استعمال کرو۔ دوسری روایت میں ہے اے گروہ قریش! تم چوپائیوں کو محبوب رکھتے ہو ان میں کمی کرو کیونکہ تم ایسے علاقہ کے باسی ہو جہاں بارش کم ہوتی ہے' کھیتی باڑی کرو کیونکہ کھیتی مبارک ہے اور اس میں کدال کو بکثرت استعمال کرو۔[۱۰۰۵] اسے ابوداؤد اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

الدیلمی نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے معیشت کو پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے کھیتی اور بکریوں میں برکتیں رکھ دیں۔

صحیح البخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میرے انصاری بھائیوں کو اپنے اموال میں کام کاج مشغول رکھتا تھا۔[۱۰۰۶] علامہ قسطلانی کہتے ہیں: اموال سے مراد کاشتکاری اور شجرکاری ہے۔

صحیح البخاری ہی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر والوں کو کھیتی یا پھلوں کی نصف پیداوار پر کام کرنے پر مقرر فرمایا تھا۔[۱۰۰۷] امام بخاری نے اس کا یہ عنوان رقم کیا ہے ''باب المزارعة مع الیهود''۔ صحیح البخاری ہی میں ہے نبی ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سو وسق عطا فرماتے تھے' اسی (۸۰) وسق کھجوریں

[۱۰۰۴] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۳۴۸۔ ۷۵۱۹' احمد ج ۲ ص ۵۱۱۔ ۵۱۲' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[۱۰۰۵] ضعیف مرسل روایت۔ مراسیل ابی داؤد' از علی بن حسین۔ (ضعیف الجامع الصغیر: ۱۹۸) ضعیف حدیث۔ البانی۔

[۱۰۰۶] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۴۷' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[۱۰۰۷] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۲۸۵۔ ۲۳۲۸۔ ۲۳۲۹۔ ۲۳۳۱۔ ۲۴۹۹۔ ۲۷۲۰۔ ۳۱۵۲۔ ۴۲۴۸' مسلم: ۱۵۵۱' ابوداؤد: ۳۰۰۸' ابن ماجہ: ۲۴۶۷' ترمذی: ۱۳۸۳' دارمی ج ۲ ص ۲۷۰' احمد ج ۲ ص ۱۷۔ ۲۲۔ ۳۷' عمر بن شبہ ''تاریخ المدینة'': ۵۲۱' طحاوی ''معانی الآثار'' ج ۲ ص ۲۶۰۔ ۲۶۱' بیہقی ج ۶ ص ۱۱۳' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

اور بیس وسق جَو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کی زمینیں تقسیم کیں تو نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا وہ چاہیں تو پانی اور زمین کا حصہ لیں اور چاہیں تو حسب سابق نفقہ لیں، بعض ازواج مطہرات نے زمین لینا پسند فرمایا اور بعض نے وسق، حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما ان ازواجِ مطہرات میں سے تھیں جنہوں نے زمین لی تھی۔[۱۰۰۸]

علامہ قسطلانی کہتے ہیں: اس حدیث میں زراعت اور تجارت کا جواز ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے خیبر کے یہود کو کاشتکاری پر برقرار رکھا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی وہ اسی پر برقرار رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلاوطن کر دیا۔ ابن خزیمہ اور ابن المنذر نے بھی یہی کہا ہے، ابن خزیمہ نے اس حدیث کی تشریح میں ایک جزء تصنیف کیا ہے جس میں اس موضوع پر وارد احادیث کی علتیں بیان کی ہیں۔

علامہ الحبشی کہتے ہیں: اس حدیث کے فوائد میں سے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما جیسی افضل ازواج مطہرات کا زمین کو اختیار کرنا ہے، وہ اس میں کاشت کرواتی تھیں۔ امام بخاری نے کہا: حضرت علی، حضرت سعد اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے کاشت کاری کی۔

علامہ الحبشی کہتے ہیں کہ کثیر تصانیف میں علماء نے کاشت کاری کو فرض کفایہ میں شمار کیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر دینی اور دنیاوی امور درست نہیں ہو سکتے، اگر سب لوگ کاشت کاری سے دست بردار ہوں تو سب گنہگار ہوں گے۔ (البرکۃ)

ملا علی القاری مشکوٰۃ کی شرح میں حدیث مبارکہ "یہ ہل جس قوم کے گھر میں داخل ہوتا ہے اس میں ذلت کو داخل کرتا ہے"[۱۰۰۹] کی تشریح میں لکھتے ہیں: صحیح البخاری میں یہ حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ہمارے بعض علماء نے کہا ہے: اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ زراعت ذلت کا سبب ہے، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ زراعت مستحب ہے اس سے لوگوں کا مفاد وابستہ ہے اور حدیث مبارک میں ہے: زمین کے مخفی خزانوں سے خیر طلب کرو۔[۱۰۱۰] آپ نے یہ اس لیے ارشاد فرمایا تاکہ صحابہ کرام آباد کاری میں مشغول ہو کر جہاد نہ ترک کر دیں، پھر

۱۰۰۸ احمد ج۲ ص۲۲ عمر بن شبہ "تاریخ المدینۃ": ۵۳۳۔ از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ باسنادِ حسن۔

۱۰۰۹ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۳۲۱ بغوی "شرح السنۃ": ۲۰۶۰ از ابوامامہ الباھلی رضی اللہ عنہ۔
حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" ج۵ ص۷ میں اس حدیث اور زراعت وشجر کاری کی فضیلت میں مروی سابقہ حدیث میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے: اس مذمت کے دو محمل ہیں: (۱) اس کے سبب اپنی ذمہ داریاں اور فرائض فراموش کر دے (۲) اس میں حد سے زیادہ اشتغال ہو جائے۔

۱۰۱۰ ضعیف الاسناد حدیث۔ اس کے ایک راوی ھشام بن عبداللہ کے متعلق ابن حبان نے "المجروحین" (ج۳ ص۹۱) میں کہا ہے: یہ ہشام بن عروہ سے بے اصل حدیث روایت کرتا ہے، جب یہ کسی روایت میں متفرد ہو تو اس سے استدلال مجھے پسند نہیں ہے، پھر یہ حدیث ذکر کی۔ ابویعلی: ۴۳۸۴ از طریق ھشام بن عبداللہ از ھشام بن عروہ از والد خود از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ "مجمع الزوائد" (ج۴ ص۶۳) میں ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کو ابویعلی نے اور طبرانی نے "الاوسط" میں روایت کیا ہے، اس کے راوی ہشام بن عبداللہ کو ابن حبان نے ضعیف کہا ہے۔

ان پر دشمن غالب آ جائے' اس سے بڑھ کر ذلت اور کیا ہو گی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو دشمن سے قریب رہتے ہوں' کیونکہ اگر ان لوگوں نے جہاد چھوڑ کر کھیتی باڑی کو اپنا لیا تو دشمن ان پر غلبہ حاصل کر کے ان کو ذلیل کر دے گا۔

''النھایة'' میں ابن الاثیر حدیث مبارک ''ہل کی پھال (کدال وغیرہ) جس قوم کے گھر میں داخل ہوئی وہ ذلیل ہوا'' کے تحت لکھتے ہیں یعنی جب مسلمان کھیتی باڑی اور زراعت میں مگن ہو جائیں گے جہاد کو ترک کر دیں گے تو حکمران کے مطالبات اور ٹیکس ان کو ذلیل کر دیں گے۔ اس کے قریب یہ حدیث ہے: عزت گھوڑوں کی پیشانی میں اور ذلت گایوں کی دموں میں ہے۔ الفتنی نے ''مجمع بحار الانوار'' میں کرمانی سے حدیث مذکور پر یہ تقریر نقل کی ہے کہ حاصل یہ ہے اس میں دنیاوی ذلت اور اخروی عزت ہے' کیونکہ اس میں تر جگر رکھنے والوں کے لیے فائدہ ہے (ہر جاندار اس سے نفع یاب ہوتا ہے) اور صحیح قول کے مطابق یہ سب سے افضل کسب ہے۔

''شرح المشکوة'' میں علامہ طیبی سے منقول ہے کہ ذلت کی وجہ نفس میں بزدلی اور ہمت میں کمی کا پیدا ہونا ہے اور حکمرانوں کے حقوق کا لازم ہونا ہے (ٹیکس' لگان وغیرہ) اگر وہ جہاد کو ترجیح دیتے ان کو بہ کثرت رزق ملتا اور فراخی سے عطیات حاصل ہوتے۔

''مقدمة العبر'' میں ابن خلدون نے کہا ہے کہ کھیتی باڑی کمزور بدویوں کا ذریعۂ معاش تھا اور اس کے دو سبب تھے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اسے اپنانے والا ذلت اور حقارت سے مخصوص ہو جاتا ہے' حدیث میں ہے نبی ﷺ کسی انصاری کے گھر میں ہل کی پھال دیکھ کر فرمایا: یہ جس قوم کے گھر میں داخل ہوئی اسے ذلت میں داخل کر دیا۔ لیکن امام بخاری نے اس سے بکثرت مشغولیت مراد لی ہے اور یہ کہ کاشت کار زیردست ہوتا ہے اور حکمران وغیرہ زبردستوں کی حکم برداری پر مجبور ہوتا ہے۔

ابن الازرق نے ''بدائع السلک'' میں اس کے بعد کہا ہے کہ اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ انسان کاشتکاری میں مشغولیت کے باعث دفاع وطن سے غافل ہو جاتا ہے' حالانکہ وطن کی آزادی ہی اس کی عزت وحمایت کی ضامن ہوتی ہے' جیسا کہ امام بخاری کی توجیہ سے واضح ہو رہا ہے۔ اس کی شہادت امام احمد کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کردہ یہ حدیث دے رہی ہے: جب تم بیع عینہ کرو گے' گایوں کی دُمیں پکڑو گے' زراعت پر راضی ہو گے اور جہاد چھوڑ دو گے' اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹو۔[۱۵۱]

علامہ قسطلانی نے کہا ہے: سب سے پہلے ذمی کاشتکاری کرتے تھے' فتوحات کے بعد صحابہ کرام نے ان جیسے کام کو ناپسند کیا۔

''فتح الباری'' میں ہے امام بخاری نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور شجرکاری اور کاشت کاری کی فضیلت میں وارد سابقہ حدیث میں دو طرح جمع کرنے کا اشارہ کیا ہے (۱) اس مذمت کا تعلق اس سے ہے کہ

---

۱۵۱ ضعیف حدیث۔ ابوداؤد: ۳۴۶۲' اس حدیث کے ایک راوی اسحاق بن اسید کو ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (ج ۴ ص ۵۴۷) میں اس حدیث کے مناکیر میں شمار کیا ہے۔ احمد ج ۲ ص ۸۴' بزار' ابویعلی۔ ابن حجر کے بقول اس کی سند ضعیف ہے۔

انسان اس میں اتنا مشغول ہو جائے کہ جن چیزوں کی محافظت مطلوب ہے وہ ان کو ضائع کر دے۔ (۲) یا یہ مذمت اس پر محمول ہے کہ آدمی مامور حفاظت سے غافل نہ ہو مگر اس میں حد سے زیادہ مشغولیت بڑھا لے۔

سیرت کی کتابوں میں ہے نبی کریم ﷺ کو باغات میں بیٹھنا اور ان میں نماز پڑھنا پسند تھا۔

"**فتح الباری**" میں ہے ابن سعد اور ابن المنذر نے اسناد صحیح کے ساتھ از مسروق از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے' آپ فرماتی ہیں: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض موت میں مبتلا ہوئے' آپ نے فرمایا: ان چیزوں کو دیکھو جو امیر بننے کے بعد میرے مال میں داخل ہوئی ہیں اور ان کو میرے بعد خلیفہ کے پاس بھیج دینا' جب آپ فوت ہو گئے' ہم نے دیکھا ایک حبشی غلام ہے جو آپ کے بچوں کو اٹھاتا تھا اور پانی لانے والا اونٹ ہے جو آپ کے باغ کو سیراب کرتا تھا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا باغ تھا اور آپ اس کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

امام سخاوی نے کہا ہے: نبی ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال میں کثرت کی دعا فرمائی تھی: اے اللہ! اس (انس) کے مال اور اولاد کو کثرت عطا فرما۔[۱۰۱۲] یہ مویشیوں کی کثرت اور کھیتی اور درختوں کی کثرت کی دعا تھی۔ کیونکہ "**صحیح مسلم**" میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان بھی درخت لگاتا ہے یا کھیتی کاشت کرتا ہے پھر اس سے انسان یا جانور کھاتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ انصار کے اکثر اموال یہی تھے' اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا باغ سال میں دو بار پھل دیتا تھا اور اس باغ میں ایک خوشبودار پودا تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

"**طبقات ابن سعد**" (ج ۴ ص ۴۴) میں حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ کا عجیب وغریب قصہ مذکور ہے' جو کبار صحابہ کرام کی زمین' غلہ اور پھلوں کے اہتمام اور دلچسپی پر دلالت کرتا ہے۔ مسلم بن ابراہیم' حارث بن عبید' ابوعمران الجونی کی سند سے مروی ہے نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو ایسی زمین بطور جاگیر عطا فرمائی جس میں کھجور کا ایک ایسا جھکا ہوا درخت موجود تھا جس کی اصل حضرت ربیعہ کی زمین میں اور شاخیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زمین میں تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ درخت میرا ہے اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ درخت میرا ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جلدی کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی جلدی سے لپکتے ہوئے پیچھے آ گئے' نبی ﷺ نے اس درخت کا فیصلہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دیا' راوی کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے' نبی ﷺ نے درخت کی شاخوں کا فیصلہ اس کے حق میں دیا جس کی زمین میں درخت کی اصل اور جڑ تھی۔[۱۰۱۳] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گریہ کرنے کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کو اس پر افسوس ہو رہا تھا کہ ان کو یہ موٹی سی بات سمجھ میں نہ آئی اور ایسے درخت پر اپنا حق جتایا جس میں ان کا حق نہ تھا اور تصفیہ کے لیے یہ معاملہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

[۱۰۱۲] صحیح حدیث۔ بخاری: ۶۳۳۴-۶۳۴۴-۶۳۷۹-۶۳۸۰-۶۳۸۱' مسلم: ۲۴۸۰' ترمذی: ۳۸۲۹' طیالسی: ۱۹۸۷' ابویعلیٰ: ۳۲۲۸- ۳۲۳۹' ابن حبان: ۷۱۷۸' طبرانی ج ۲۵ ص ۳۰۳' بغوی "شرح السنۃ": ۳۹۹۰' از ام سلیم رضی اللہ عنہا۔

[۱۰۱۳] ضعیف مرسل روایت۔ ابوعمران الجونی صحابی نہیں ہیں۔ ابن سعد از ابوعمران الجونی مرسلاً۔

"خطط المقریزی" (ج ۱ص ۱۵۴) میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کے پاس زمین تھی پھر اس نے تین سال تک اسے غیر آباد چھوڑ دیا اور دوسرے لوگوں نے اس کو آباد کرلیا تو وہ اس زمین کے زیادہ حق دار ہیں۔ "صناجة الطرف فی تقدمات العرب" میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور یہ زائد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیج قلزم کے ذریعہ آبپاشی کے لیے دریائے نیل کا پانی عرب علاقوں تک پہنچا دیا' جس طرح فرعونوں اور دیگر قدیم حکمرانوں کے دور میں تھا۔ اور آپ نے مصر کی لگان کا ایک تہائی حصہ پلوں' نہروں اور آبپاشی کے نظام کی اصلاح کے لیے مختص کر دیا۔ (ص ۳۰۶)

مؤلف کہتے ہیں: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فراہم کردہ جغرافیائی نقشوں کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے محصول کا ایک تہائی حصہ آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے پلوں کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی کے لیے مختص فرما دیا۔

تفصیل کے لیے "القسم العاشر العلمی" ملاحظہ کریں' اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ زراعت کی بحالی اور تقویت اور کاشتکار کی فلاح و بہبود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات میں سے ہے۔

"تاریخ ابن جریر" وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں آیا ہے آپ نے عمال کو حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں میں اسلامی لشکر کے کسی فرد کو کھیتی باڑی کرنے یا کاشتکاری کرانے کی اجازت نہ دی جائے اور ان علاقوں میں ان کو جاگیریں نہ دی جائیں' اس کی مندرجہ ذیل وجوہ تھیں:

(۱) تاکہ مسلمان ذمیوں اور معاہدین کی اراضی میں ان کے مزاحم نہ ہوں اور ذمیوں وغیرہ پر ان کا ذریعۂ معاش تنگ نہ ہو جائے۔

(۲) فتوحات کے دوران اسلامی لشکر زمینوں کی آبادکاری میں مصروف نہ ہوں اور وہ جنگ کی سختی سے راحت کے حصول میں مگن نہ ہوں اور مجاہد قوم جہاد سے دست بردار نہ ہو جائے۔

(۳) زمینیں اپنے مالکوں کے تصرف میں رہیں اور ان کے حصول سے فوجی اور انتظامی مصارف پورے ہوتے رہیں اور فوجیوں کے لیے جاگیریں نہ بنیں۔

"العتبیة" میں ہے امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جس کے پاس زمین ہو وہ اسے آباد کرلے اور جس کے پاس مال ہو وہ اس کی اصلاح کرلے' ایسا حکمران آ سکتا ہے جو صرف اپنے پسندیدہ افراد کو عطیات دے۔

"البیان والتحصیل" میں ابن رشد نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے اموال کی حفاظت کرنے کی تلقین اس لیے فرمائی تاکہ وہ امام کے عطیات پر انحصار کرکے اپنے اموال کو ضائع نہ کر دیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے[۱۴۰۱] اور یہ مال کا ضیاع ہے۔

[۱۴۰۱] احمد ج ۴ص ۲۴۹' بخاری: ۷۔۱۴۷۷' مسلم ج ۳ص ۱۳۴۱ (۱۳)' ابن حبان: ۵۷۱۹' طبرانی "الکبیر" ج ۲۰ص ۹۰۰' از مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔

''المدونہ'' اور ''العتبیہ'' میں ہے دو صحابہ کرام میں زمین کے بارے میں جھگڑا تھا' اپنے دورِ خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیگر حضرات کے ساتھ تصفیہ کے لیے سوار ہوئے' جب آپ روانہ ہوئے تو ایک شخص نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کے بارہ میں فیصلہ فرمادیا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: میں اس معاملہ کو نہیں دیکھوں گا جس کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دے دیا ہے' اور آپ واپس پلٹ گئے۔

ابن رشد نے ''البیان والتحصیل'' میں کہا ہے: یہ جھگڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی زرعی جاگیروں کے درمیان پانی کی نالی اور اس کی دیوار کے متعلق تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو وکیل مقرر کیا' یہ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا' صبح کو آپ مہاجرین اور انصار کے ساتھ اپنی سواریوں پر موقع کی طرف روانہ ہوئے اور یہ اطلاع ملنے پر کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مقدمہ پر فیصلہ دے چکے ہیں واپس ہو گئے' جب حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی' انہوں نے فرمایا: تم ابھی طلحہ رضی اللہ عنہ کو جا کر کہو: یہ نالی تمہاری ہے تمہارا جو جی چاہے اس سے کام لو' حضرت عبداللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا وہ بہت خوش ہوئے' پھر اپنی چادر اور جوتے منگوائے اور میرے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خوش آمدید کہا اور فرمایا: پانی کی یہ نالی اب تمہاری ہے جس طرح چاہو اسے اپنے کام میں لاؤ' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے قبول کیا اب مجھے آپ سے کام ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا کام ہے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میری یہ خواہش ہے کہ آپ میری یہ زرعی جاگیر اس میں موجود غلاموں' جانوروں اور آلات سمیت قبول فرمالیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے قبول کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور دونوں حضرات گلے ملے اور چلے گئے' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم ان حضرات میں سے زیادہ سخی اور کریم کون تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہوں نے پانی کی نالی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دی یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے اتنی اہم زرعی زمین ان کے حوالہ کر دی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی باڑی صحابہ کرام کے مشاغل میں شامل تھی' اور اس کو اس قدر اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما جیسے اصحاب میں تنازعہ پیدا ہو گیا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی اہمیت ہی کے پیش نظر اپنے بھتیجے کو اس پر وکیل مقرر فرمایا' اور اس تنازعے کا فیصلہ کرنے کے لیے خلیفۃ المسلمین بہ نفس نفیس مہاجرین اور انصار کے ساتھ روانہ ہوئے۔

سید سمہودی کی ''الوفاء'' میں ہے مدینہ طیبہ اور اس کے قرب و جوار میں بہت سے چشمے تھے ان کی نبی ﷺ کے وصال کے بعد تجدید کی گئی' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا بہت اہتمام کیا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں مدینہ کی اراضی میں بکثرت غلہ پیدا ہونے لگا۔ الواقدی نے ''کتاب الحرة'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ کے دور میں مدینہ طیبہ میں کثیر تعداد میں اون فروش تھے' حضرت معاویہ مدینہ طیبہ اور اس کی شاداب وادیوں سے

ڈیڑھ لاکھ وسق مختلف بیج کاشت کرتے تھے اور ایک لاکھ وسق گندم حاصل کرتے تھے۔ (ج۲ص۱۵۲)

"الکشاف" میں ارشادِ ربانی "وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا" (ھود:۶۱) کے تحت جار اللہ الزمخشری نے کہا ہے: اور اس نے تم کو آباد کرنے کا حکم دیا ہے' آبادکاری کی متعدد اقسام ہیں: واجب' مندوب' مباح اور مکروہ۔

فارس کے بادشاہوں نے کثیر تعداد میں نہر کھدوائیں اور درخت لگائے اور رعایا پر ظلم وستم کرنے کے باوجود طویل عرصہ تک حکمران رہے' اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے اس دور کے ایک نبی علیہ السلام نے اس بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: انہوں نے میرے شہروں کو آباد کیا جس میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی (اس لیے ان کی حکمرانی برقرار رہی)۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اپنی زندگی کے آخری دور میں زمینوں کی آبادکاری شروع کی تو ان کو کہا گیا اب اس کا فائدہ؟ انہوں نے فرمایا: مجھے اس کام پر شاعر کے اس قول نے برانگیختہ کیا ہے:

وہ جوان جواں مرد نہیں جس سے روشنی حاصل نہ ہو اور زمین میں اس کی جواں مردی کے نشانات نہ ملیں

"الکشاف" میں اس کے شاعر کا نام مذکور نہیں ہے۔ "ربیع الابرار" میں دو مقام پر اس کو ذکر کیا ہے' بارھویں روضہ میں ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں مکہ میں کھجوروں کے درخت لگوائے' ان سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے ان درختوں کا پھل کھانے کی خواہش میں ان کو نہیں لگایا بلکہ مجھے الاسدی کا یہ قول یاد آیا کہ وہ جوان جواں مرد نہیں۔ الخ

تیرھویں روضہ میں ہے ایک معزز ومحترم شخصیت نے اپنے بیٹے سے کہا: دنیا میں اپنے اچھے آثار چھوڑ اور شاعر کی بات سن: وہ جوان جواں مرد نہیں۔۔۔۔۔۔ (الطریفۃ والتالدۃ)

کتاب "حسن الصناعة في البحث عن الزراعة" میں ہے اپنی مملوکہ زرعی زمین کی اصلاح کے لیے وصیتوں میں سے ایک وصیت وہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروّت کے بارے میں سوال کیا گیا' انہوں نے فرمایا: مروّت اللہ کا خوف اور اپنی مملوکہ جائیداد' کاروبار کی حفاظت ہے۔

حضرت قیس بن حازم نے اپنے بیٹوں سے کہا: اپنے مال کی اصلاح کو لازم رکھنا کیونکہ یہ کریم کی عزت ہے اور اس سے انسان بخیل سے مستغنی رہتا ہے۔ عتبہ بن ابی سفیان نے اپنے اموال اپنے غلام کے سپرد کرتے ہوئے کہا: میرے چھوٹے سے مال کی دیکھ بھال کر وہ یہ بڑا ہو جائے گا اور بڑے کو ضائع نہ کرنا ورنہ وہ چھوٹا ہو جائے گا۔

"شرح الحطاب وابی علی بن رحال علی المختصر" میں ہے شیخ یوسف بن عمر نے کہا: جس کا درخت ہو اور وہ اس کی دیکھ بھال نہ کرے اسے اس کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا جائے گا' اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو گنہگار ہو گا۔

الجزولی نے بھی یہی کہا ہے اور مزید یہ کہا ہے کہ اس درخت کو اس کے حوالہ کر دو جو اس کے تمام پھل کے عوض اس کی دیکھ بھال کرے۔ (باب النفقات)

امام ابن حزم اندلسی نے کہا ہے: جان لو راحت' لذت' سلامتی' عزت اور اجر کاشتکاروں اور کاشت کاری میں

ہے۔

''کشف الظنون''میں بعض علماء سے منقول ہے کہ اگر اللہ کے بندوں کو زمین کی آباد کاری میں اللہ کی خوشنودی اور رضا کا علم ہو جائے تو زمین کی کوئی جگہ ویران نہ رہے۔

مؤلف کہتے ہیں: میں نے زراعت کے موضوع پر جب اس قدر طویل بحث کی اور ان لوگوں کا رد کیا جن کا کہنا تھا کہ اسلام زراعت سے منع کرتا ہے' مجھ سے بعض یورپین علماء نے کہا: قرآن مجید میں آلۂ زراعت اور کسان پر لعنت مذکور ہے' میں نے کہا: تم نے غلط کہا ہے' قرآن مجید میں اس کے برعکس آیا ہے اور میں نے اسے بعض آیات دکھائیں تو اسے بڑی حیرت اور تعجب ہوا۔

مسلمانوں کی کاشت کاری اور زمین سے پانی کے حصول وغیرہ پر کئی تصانیف ہیں' مثلاً کرخی' ابوحنیفہ الدینوری کی ''کتاب النبات والشجر'' چھٹی صدی کے ابوزکریاء یحییٰ بن محمد بن العوام الاندلسی الاشبیلی کی ''کتاب فی الفلاحۃ'' جو مدرید سے دو اجزاء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ساٹھ سے زائد یونانی' رومی اور عربی کتابوں سے استفادہ کیا ہے' اور اشبیلیہ کے قریب زرعی زمینوں کے عملی کام سے ان کو مطابقت دی ہے۔

اس موضوع پر شیخ عبدالغنی النابلسی الدمشقی کی کتاب ''علم الملاحۃ فی علم الفلاحۃ'' دمشق سے چھپ چکی ہے۔ ابن وحشیۃ الکلدانی کی کتاب ''الفلاحۃ النبطیۃ'' ہے' عباسی خلیفہ المستعین باللہ نے بغداد میں بعلبکی طبیب قسطا بن لوقا کو یونانی کتب کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا' اس کی کتاب ''الفلاحۃ الیونانیۃ'' کا سریانی سے عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ اہل اندلس نے اس موضوع پر بڑی تعداد میں بہترین کتب تالیف کی ہیں ان میں بعض ہماری لائبریری میں موجود ہیں۔

موچی کا پیشہ

ابن سعد نے ''الطبقات'' میں اور ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ آپ دست کار خاتون تھیں' چمڑہ رنگتیں' اس کو سیتیں اور اس کی آمدنی راہِ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں[1015]

حافظ سیوطی کی ''التوشیح'' میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ (ص ۱۵۰)

پھلوں کے تاجر

ابن فتحون نے صحابہ کرام کے بارے میں اپنی کتاب میں حضرت نبہان رضی اللہ عنہ کو پھلوں کا تاجر بیان کیا ہے اور آپ کا پھل خریدنے کا قصہ ذکر کیا ہے۔

''الاصابہ'' میں سمویہ یا سیما البلقاوی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ نصرانی تھے' مدینہ طیبہ میں تجارت

[1015] الاصابہ' ج ۴' ص ۳۱۳-۳۱۴' رقم: ۴۷۰۔

کی غرض سے آئے' مسلمان ہو گئے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ آپ بلقاء سے مدینہ طیبہ میں گندم لائے' آپ بیان کرتے ہیں: ہم نے گندم بیچ کر پھل خریدنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ہمیں منع کر دیا' ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ یہ سستے طعام کے بدلے مہنگی کھجوریں خرید رہا ہے' ان کو چھوڑ دو[۱۰۱۶] (کھجوریں خریدنے دو)۔

فائدہ:

''فتح الباری'' میں ہے مدینہ منورہ کی کھجوروں کی بے شمار اقسام ہیں' شیخ ابو محمد الجوینی نے ''الفروق'' میں ذکر کیا ہے کہ ان کی مدینہ منورہ میں موجودگی کے دوران ان کو خبر ملی کہ لوگوں نے امیر کے حکم پر صرف کالی کھجوروں کی ساٹھ سے زائد اقسام گنوائیں' جبکہ سرخ کھجوریں اہل مدینہ کے ہاں کالی کھجوروں سے بہت زیادہ ہیں۔

مدینہ طیبہ میں غلہ وغیرہ کتنی مسافت سے لایا جاتا تھا

شام کے علاقہ بلقاء سے مدینہ طیبہ کے لیے غلہ لایا جاتا تھا جیسا کہ ''الاصابہ'' کی سابقہ عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔ امام بخاری نے کتاب البیوع میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ شام سے اشیائے خوردنی (طعام) کا قافلہ آ گیا' لوگ قافلہ کی طرف گئے یہاں تک کہ نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ افراد باقی رہے' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:[۱۰۱۷]

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○ (الجمعہ:۱۱)

اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل (تماشا) دیکھا اس کی طرف تیزی سے چل دیئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ گئے' فرما دیجئے جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل (تماشے) اور تجارت سے بہتر ہے' اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے○

آٹا' تیل اور شہد شام سے مدینہ طیبہ لایا جاتا تھا جیسا کہ عنقریب مذکور ہو گا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ عرب کا بازار بن گیا تھا' دور دور سے سامان تجارت یہاں لایا جاتا تھا اور اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ''الاصابہ'' میں نبہان الانصاری کا تذکرہ دیکھئے' علامہ سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلہ وغیرہ مصر سے بذریعہ بحر احمر مدینہ طیبہ میں منگوایا۔

۱۰۱۶ نہایت ضعیف حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج ۷ ص ۲۵' ۶۷۵ از سیمویہ۔ ''مجمع الزوائد'' (ج ۴ ص ۹۹) میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے: اس کے اسناد میں ایسی جماعت ہے جن کے حالات زندگی مجھے نہیں ملے۔ الاصابہ (ج ۳ ص ۱۰۴' رقم: ۳۶۳۵) میں حافظ ابن حجر نے اس کو ابن قانع اور ابن مندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱۰۱۷ صحیح حدیث بخاری: ۹۳۶-۲۰۵۸-۲۰۶۴-۴۸۹۹' مسلم: ۸۶۳ (۳۶) ترمذی: ۳۳۱۱' نسائی ''التفسیر'': ۶۱۳' واحدی ''اسباب النزول'': ۸۱۹' از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما۔ حافظ سیوطی نے ''الدر المنثور'' (ج ۶ ص ۲۲۰) میں اس حدیث کو سعید بن منصور' ابن سعد' ابن ابی شیبہ' احمد' عبد بن حمید' ابن جریر' ابن المنذر' ابن مردویہ اور بیہقی کی ''السنن'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: یہ غلہ اس خلیج کے ذریعہ لایا گیا جو مصر کی فتح کے بعد کھودی گئی اس کی لمبائی فسطاط سے سویز تک تھی' اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھدوایا تھا اور خلیج امیر المؤمنین کے نام سے مشہور ہوئی' یہ نہر بحر احمر' بحر ہند اور مصر کے درمیان رابطہ کا عظیم ذریعہ بنی۔

''**خطط المقریزی**'' میں اس کی کھدائی کا یہ سبب بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ منورہ میں قحط پڑا' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مدد کے لیے غلہ روانہ کیا' اس بڑے قافلہ کا پہلا اونٹ مدینہ طیبہ میں اور آخری اونٹ مصر میں تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر خلیج کو کھولنے کا حکم دیا تاکہ اونٹوں کے بجائے بحری راستہ سے نقل وحمل میں آسانی ہو' ابھی سال نہیں گزرا تھا کہ اس میں جہاز چلنے لگے اور اس راستہ سے حرمین شریفین کی ضروریات پوری ہونے لگی' پھر یہ نہر ریت سے اٹ گئی اور بنوامیہ کے آخری دور میں بند ہوگئی۔ تفصیلات کے لیے ''**الخطط المقریزیہ**'' اور ''**الخطط التوفیقیہ**'' ملاحظہ کیجئے ان میں اس خلیج پر سیر حاصل بحث ہے۔

مؤخر الذکر نے ج۹ص۱۲۰ میں الکندی کی ''**کتاب الجند العربی**'' سے نقل کیا ہے کہ اسے ۲۳ھ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ کی مدت میں کھدوایا تھا' اس میں جہاز رواں ہوئے اور ساتویں ماہ میں حجاز میں سامان پہنچ گیا' پھر ابن الطویر سے نقل کیا ہے کہ اس کی مسافت پانچ روزہ ہے' دریائے نیل کی کشتیوں میں یہاں سامان اتارا اور چڑھایا جاتا تھا اور بحر قلزم تک پہنچایا جاتا تھا اور بحر قلزم سے حجاز سے لایا جانے والا سامان مصر وغیرہ پہنچایا جاتا تھا' یہ تاجروں کا راستہ تھا۔

انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ نہر عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے عہد تک کھلی رہی۔ جب محمد نفس زکیہ نے حجاز میں غلبہ حاصل کر لیا' منصور نے اپنے مصری گورنر کو خلیج کو پاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ حجاز کو خوراک کی فراہمی منقطع ہو جائے' اسے پاٹ دیا گیا اور یہ بھولی بسری ہوگئی' یہاں تک کہ ہزار برس کا عرصہ گزر گیا' پھر اسے خدیو مصر اسماعیل نے ۱۸۷۹ء میں کھدوایا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خلیج کے کھلنے پر اس خدشہ کا اظہار کیا تھا: کہ دو سمندروں کے درمیان یہ رابطہ رومیوں (عیسائیوں) کو لشکر کشی پر آمادہ کر سکتا ہے اور وہ حجاز پر حملہ آور ہو سکتے ہیں' اسی لیے علی مبارک نے (ج۱۹ص۱۲۴) کہا ہے کہ اس نہر کے کھلنے کی وجہ سے مصر پر حملوں کے ایسے دروازے کھل گئے جن کا روکنا کسی کے بس میں نہ تھا' دوسرے علماء نے کہا: خلیج سویز کا کھلنا مشرقی ممالک کے لیے سب سے بڑی آفت ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر راضی ہو ان کا اندازہ کتنا درست تھا۔

فائدہ

اگر آپ اس بحث میں غور وفکر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آخر میں جب مسلمان بحری علوم میں پختہ کار ہو چکے تھے ان کو بحری سفر اور بحری راستوں سے تجارت کرنے کی اجازت دی' آپ سے یہ نقل کہ آپ نے لوگوں کو سمندر میں سفر کرنے کی ممانعت کی' اس وقت کی بات ہے جب مسلمان بحری علوم سے بے بہرہ تھے' جونہی وہ اس علم میں ماہر ہوئے' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ تیار کرایا۔ (ابن خلدون' المقریزی)

قاضی ابن الازرق کی ''**بدائع السلک**'' میں ہے ابن المناصف نے سمندر میں سفر کرنے سے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کی ممانعت کا یہ عذر پیش کیا ہے کہ اس وقت تک عرب سمندر کے احوال سے ناواقف تھے اور سمندر سے متعلق علوم میں مہارت کے بعد آپ نے نہریں' خلیج اور کھاڑیاں کھدوائیں اور ان کو استعمال میں لائے۔ یہ بحث لکھنے کے بعد میں نے ''الاصابہ'' میں حضرت علقمہ بن مجزز المدلجی کے تذکرہ میں الطبری سے منقول یہ روایت پائی کہ ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علقمہ کو حبشہ کی طرف ایک لشکر میں بھیجا یہ لشکر حادثہ کا شکار ہو گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تہیہ فرما لیا کہ کسی کو سمندر کے سفر میں نہیں بھیجیں گے۔ اس ممانعت کا یہی سبب تھا' گویا آپ نے غرقابی کے آگے بند باندھا تھا۔[۱۰۱۸]

بعدازاں آپ کے پوتے اور آپ کے آثار کو زندہ کرنے والے عمر بن عبدالعزیز نے امت کے لیے یہ منشور عام جاری کیا جو ان کی مملکت کے لیے گویا اساسی قانون کا درجہ رکھتا تھا کہ بحری سفر بھی ہمارے نزدیک بری سفر کی طرح ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ. (الجاثیہ:۱۲)

اللہ ہے جس نے دریا کو تمہارے کام میں لگا دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور اس لیے کہ تم اس کا رزق تلاش کرو۔

انہوں نے ہر خواہش مند کو بحری تجارت کی اجازت دے دی اور اس کے متعلق لوگوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ بحر اور بر سب اللہ کے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے بندوں کے لیے مسخر فرما دیا ہے' وہ ان میں اللہ کا فضل تلاش کریں' سو وہ اللہ کے بندوں اور ذرائع رزق کے درمیان حائل نہ ہوئے۔ (فضائل عمر بن عبدالعزیز' از ابن عبدالحکیم)

چمڑے کی دباغت کے لیے خام مال کے تاجر

ابن عبدالبر نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام سعد بن عائذ مؤذن کے تذکرہ میں کہا ہے: آپ سعد القرظ کے نام سے مشہور تھے' ان کو القرظ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ جس چیز کی تجارت کرتے اس میں نقصان ہوتا تھا' انہوں نے قرظ کی تجارت کی اس میں نفع پایا پھر انہوں نے قرظ کی تجارت کو لازم کر لیا۔[۱۰۱۹]

''القرظ'' درخت کے پتے ہیں جن سے چمڑا رنگا جاتا ہے۔ مختار الصحاح میں ہے قرظ درخت سَلَم کے پتے جن سے دباغت کا کام لیا جاتا ہے' ایک قول کے مطابق قرظ شاہ بلوط درخت کا چھلکا ہے' سَلَم کے مادہ میں کہا ہے یہ کانٹے دار درخت ہے اس کا واحد سلمہ ہے۔ قاضی نے ''المشارق'' میں کہا ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قرظ اس لیے کہا گیا کہ آپ قرظ کی تجارت کرتے تھے۔

''الاصابہ'' میں ہے البغوی نے از قاسم بن الحسن بن محمد بن عمر بن حفص بن عمرو بن سعد القرظ اپنے آباء سے

۱۰۱۸ الاصابہ ج ۲ ص ۵۰۶ رقم: ۵۶۷۷' بحوالہ طبری از واقدی۔ پھر ابن سعد از ہشام بن الکلبی از والد خود۔ اس کے دونوں راوی واقدی اور ابن الکلبی متہم بالکذب ہیں۔

۱۰۱۹ ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۵۴۔

روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں تنگدستی کی شکایت کی' حضور ﷺ نے ان کو تجارت کرنے کا حکم دیا' آپ بازار میں گئے کچھ قرظ کے پتے لے کر بیچے اس میں نفع ہوا۔ انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے سعد کو اس کی تجارت لازم رکھنے کا حکم فرمایا۔[۱۰۲۰]

شیخ الطیب بن کیران نے العراقی کی الفیہ کی شرح میں کہا ہے: اس سے معلوم ہوا آدمی کو جس ذریعہ سے رزق ملے وہ اسے لازم رکھے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دستکار خاتون تھیں' چمڑہ رنگ کر بیتیں اور صدقہ کر دیتی تھیں۔

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: جس دن حضرت جعفر اور ان کے ساتھی (غزوۂ موتہ میں) شہید ہوئے' رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے' میں اس وقت چالیس چمڑے رنگ چکی تھی اور آٹا گوندھ چکی تھی[۱۰۲۱] الخ

کھالوں کی رنگائی

''الاصابہ'' میں ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کی باندی خلیسہ کے تذکرہ میں ہے' ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طائفی کھالوں کی دباغت کا کام کرتی تھیں[۱۰۲۲]

ایندھن کی لکڑیاں بیچنے والے

ابن رشد نے ''البیان و التحصیل'' میں جامع ترمذی اور سنن النسائی میں مروی یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک انصاری صحابی فاقہ کی شکایت کرنے لگا' پھر کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں ایسے گھرانے سے آیا ہوں میرے خیال میں میری واپسی تک ان میں سے کوئی فاقہ کشی سے مر جائے گا' آپ نے فرمایا: جاؤ گھر میں جو چیز پاؤ لے آؤ' وہ گیا اور گھر کا بوریا (دری) لے آیا' عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بوریا ہے اس کا بعض حصہ وہ نیچے بچھاتے ہیں اور بعض لپیٹ لیتے ہیں اور یہ پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں مجھ سے ایک درہم میں کون لیتا ہے؟ ایک صاحب نے کہا: میں' آپ نے فرمایا: درہم سے زیادہ میں کون لے گا؟ اس شخص نے کہا: میں دو درہم میں لیتا ہوں' آپ نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں تمہاری ہوئیں' پھر اس شخص کو بلا کر فرمایا: ایک درہم کا اپنے گھر والوں کے لیے کھانا خریدو اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر لاؤ' وہ یہ کام کر کے آیا تو آپ نے فرمایا: اس وادی میں جاؤ' کوئی خاردار اور خشک ایندھن کی لکڑی نہ چھوڑو اور میرے پاس دس دن کے بعد آنا' اس

[۱۰۲۰] ضعیف روایت' اس کے اسناد میں حفص بن عمرو بن سعد القرظ کے آباء مجہول ہیں۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۹' رقم ۳۱۷۱)

[۱۰۲۱] ناقابل اعتماد اسناد۔ بوجہ محمد بن عمر الواقدی کذاب۔ ''طبقات ابن سعد'' ج ۸ ص ۲۲۰' از اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔

[۱۰۲۲] الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۸' رقم: ۳۵۰' اس حدیث کے اسناد میں علیکہ بنت الکمیت اور اس کی دادی دونوں مجہول الحال ہیں۔

نے ایسا ہی کیا، پھر اس نے آ کر کہا: آپ نے مجھے جس کام کا حکم دیا تھا اس میں برکت دی گئی ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے کہ تیرے چہرے میں سوال کرنے کا نکتہ ہو یا سوال کرنے کی خراش ہو۔[۱۰۲۳]

دلاّل

صحیحین میں، طاؤس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تاجروں سے منڈی سے باہر ملاقات کرنے سے منع فرمایا اور اس سے کہ شہری دیہاتی کے لیے بیع کرے۔[۱۰۲۴] صحیح البخاری میں ابن طاؤس کی اپنے والد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس ارشادِ گرامی کہ شہری دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے، کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا: اس کا دلاّل نہ بنے۔[۱۰۲۵]

علامہ کتانی کہتے ہیں: ''الفجر الساطع'' میں ہمارے شیخ نے کہا ہے: یہاں دلاّل سے مراد بائع اور مشتری دونوں سے اجرت لے کر خرید وفروخت کرنے والا ہے، جیسے دکانوں مارکیٹوں میں دلاّل بیٹھے ہوتے ہیں۔

''فتح الباری'' میں ہے السماسرہ اصل میں کسی چیز کی محافظت اور اس کی دیکھ بھال کرنا ہے، پھر اس سے دوسرے کے لیے خرید وفروخت کرنے والا مراد لیا جانے لگا۔

''القاموس'' میں ہے السمسار بہ معنیٰ دلاّل ہے، شمس الدین ابن الطیب الفاسی نے القاموس کے حواشی میں کہا ہے: اس سے دلاّل مراد ہے کیونکہ یہ خریدار کی بیچنے والے تک رہنمائی کرتا ہے۔ ''معالم السنن'' میں خطابی نے اور دوسروں نے کہا ہے: یہ عجمی لفظ ہے۔ مصنف اس سے غافل رہے۔ دلاّلی اور اس کے احکام پر ابوالعباس الابیانی التونسی نے کتاب تالیف کی ہے۔

پارچہ باف

''صحیح البخاری'' میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک خاتون بُردہ تیار کر کے لائیں، کہا جانتے ہو بُردہ کیا ہے؟ دھاری دار چادر، یہ بھی کہا گیا ہے: مربع سیاہ چادر، صحابہ نے کہا: یہ بُنی ہوئی چادر خوب ہے، اس کے کنارے بنے ہوئے تھے، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بُنا ہے اور آپ کو پہنانے کے لیے لائی ہوں، نبی ﷺ نے اس کو لے لیا۔[۱۰۲۶] الحدیث

۱۰۲۳۔ ضعیف روایت۔ ابوداود: ۱۶۴۱، ترمذی: ۱۲۱۸، نسائی ج۷ص۲۵۹، بیہقی ج۷ص۲۵، از انس رضی اللہ عنہ۔ ''ضعیف سنن ابی داوٗد'' (رقم: ۳۶۰) میں البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ''مشکوٰۃ'': ۱۸۵۱۔

۱۰۲۴۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۵۸۔۲۱۶۳۔۲۲۷۴، مسلم: ۱۵۲۱، از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

۱۰۲۵۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۶۳۔

۱۰۲۶۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۹۳، از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: امام بخاری نے کتاب البیوع کے باب النساج میں یہ حدیث ذکر کی ہے علامہ عینی نے کہا: خاتون کا یہ کہنا: میں نے اسے بُنا ہے اس کے پارچہ باف ہونے پر دلالت نہیں کرتا' امام بخاری نے یہ حدیث ابواب الجنائز میں "باب من استعد للكفن" میں بھی روایت کی ہے۔

"الاحیاء" میں' کتاب الفقر والزھد کے آخر میں' حضرت سنان بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے لیے اونی جبہ تیار کیا جس کا کنارہ سیاہ تھا' جب آپ نے اسے زیب تن فرمایا تو ارشاد فرمایا: دیکھو یہ کس قدر عمدہ اور حسین ہے' ایک بدوی نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! یہ جبہ مجھے عطا فرما دیں۔ راوی کہتے ہیں: آپ سے جس چیز کا سوال کیا جاتا آپ اس میں بخل نہیں فرماتے تھے' آپ نے وہ جبہ اعرابی کو عطا فرما دیا اور اپنے لیے دوسرا جبہ بُننے کا حکم فرمایا' یہ جبہ ابھی کھڈی پر تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

العراقی نے "الاحیاء" کی احادیث کی تخریج میں کہا ہے: اس حدیث کو طیالسی اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے[۱۰۲۷] "الاحیاء" کے کثیر نسخوں میں سنان بن سعد واقع ہے یہ غلط ہے۔ حافظ نے اسے "الاصابہ" میں نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اس سے "الطرق الحكمية" میں حافظ ابن القیم کے قول کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مدینہ طیبہ میں کوئی پارچہ باف نہ تھا بلکہ یمن اور شام وغیرہ سے کپڑے آتے تھے جنہیں خرید کر اہل مدینہ پہنتے تھے۔ خصوصاً گذشتہ واقعہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اس خاتون کی بُنی ہوئی چادر زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے تو کسی صاحب نے اس کی تعریف کی' آپ نے وہ چادر اسے عطا فرما دی۔ حافظ ابن حجر نے "الفتح الباری" کے ابواب الجنائز میں کہا ہے: طبرانی کے ہاں زمعہ بن صالح کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے دوسری چادر تیار کرنے کا حکم فرمایا اور چادر تیار ہونے سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

ابوداؤد الطیالسی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے وصال فرمایا اور آپ کا اونی جبہ کھڈی پر تھا' ابوالشیخ نے حضرت سہل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: نبی ﷺ کے لیے چتکبرا اونی جبہ سیا گیا' آپ نے اسے زیب تن فرمایا۔

حافظ ابن الجوزی کی "تلبیس ابلیس" میں ہے حضرت زبیر بن العوام' عمرو بن العاص اور عامر بن کریز رضی اللہ عنہم ریشم فروش تھے' یعنی اون اور ریشم سے کپڑے تیار کراتے تھے۔

درزی

"خیاط" درزی کو کہتے ہیں' علامہ عینی نے "عمدة القاری" میں کہا ہے: "حناط" گندم فروش کو اور "خیاط"

۱۰۲۷ ضعیف روایت۔ طبرانی: ۵۹۱۹۔ ۵۹۲۰' طیالسی از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۱۳۱' رقم ۳۷۹۹) ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۵ ص ۱۳۱) میں اس حدیث کو طبرانی سے روایت کیا ہے' اس کے ایک راوی زمعہ بن صالح کو بعض نے ضعیف اور بعض نے ثقہ کہا ہے' باقی راوی ثقہ ہیں۔

درخت سے جھاڑے ہوئے پتے بیچنے والے کو کہتے ہیں۔عیسیٰ بن ابی عیسیٰ انہی میں سے ہیں یہ پہلے درزی تھے پھر پتے فروش بن گئے۔

''طبقات ابن سعد''میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں: نبی ﷺ گھر کے کام کاج کیا کرتے تھے' بہت مرتبہ آپ سلائی کر لیتے تھے۔[1028]

ابن قتیبہ کی کتاب''المعارف''میں ہے کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے نبی ﷺ کو کعبہ کی چابی پیش کی تھی درزی تھے' اسے ابن درید نے''الوشاح''میں ذکر کیا ہے۔

میں (علامہ کتانی) کہتا ہوں: اسی طرح ابن الجوزی کی''تلبیس ابلیس''میں ہے ابن عساکر اور خطیب نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے' نیک مردوں کا کام سلائی اور نیک خواتین کا کام سوت کاتنا ہے۔[1029]

''صحیح البخاری''میں ہے ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے کی دعوت کی' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس دعوت طعام میں گیا۔امام بخاری نے کتاب البیوع میں اس پر''باب الخیاط''کا عنوان ذکر کر کے مذکور الصدر حدیث روایت کی ہے۔[1030]

علامہ عینی نے''عمدة القاری''میں کہا: علامہ الخطابی نے کہا ہے: اس سے سلائی پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے اس میں ان کا رد ہے جو درزی کی اجرت کو باطل کہتے ہیں کیونکہ یہ نظر آنے والے اعیان اور صفات معلومہ کی حامل نہیں ہے اور اس صنعت کی وہ حیثیت نہیں جو امام بخاری کی ذکر کردہ دیگر صنعتوں کی ہے جیسے لوہار' سنار اور بڑھئی' کیونکہ ان صنعتوں میں کاریگر کسی نہ کسی چیز کو ڈھالتا' تیار کرتا اور بناتا ہے جیسے لوہار' بڑھئی اور سنار' ان کی صنعت الگ سے اور نمایاں ہوتی ہے دوسرے سے مختلط نہیں ہوتی (مطلب یہ ہے کہ تمام صنعتوں میں تیار کردہ چیز کی اپنی حیثیت ہوتی ہے لیکن سلائی میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کپڑا مالک کا ہوتا ہے اور سلائی کا کپڑے کے بغیر الگ کوئی وجود نہیں ہوتا) اور درزی عمومی طور پر اپنے دھاگہ سے سلائی کرتا ہے' یہاں صنعت میں صرف دھاگہ بطور آلہ استعمال ہوتا ہے' ان میں سے ایک میں تجارت کا اور دوسرے میں اجارہ کا مفہوم ہے اور دونوں باہم ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا (سوئی دھاگے کے بغیر اور دھاگہ سوئی کے بغیر سلائی میں کام نہیں آتا)۔ موچی اور رنگریز (رنگائی کرنے والا) بھی اسی زمرے میں آتے ہیں' موچی دھاگے سے سلائی کرتا ہے اور رنگریز کپڑے پر رنگ چڑھاتا ہے (رنگ سے کوئی چیز وجود میں نہیں لاتا)۔قیاس کی رو سے یہ سب فاسد ہیں' لیکن نبی ﷺ نے ابتدائے اسلام میں ان پیشوں پر اجرت کو اسی طرح مروج پایا تو آپ نے اس میں تبدیلی نہیں فرمائی کیونکہ اگر

[1028] بوجہ ارسال ضعیف روایت۔زمعہ بن صالح الجندی راوی ضعیف ہے۔(التقریب:۲۰۴۰)

[1029] موضوع روایت۔خطیب''تاریخ''ج۹ص۵' ابن الجوزی''الموضوعات''ج۲ص۱۵۹' از ابوداؤد نخعی از ابی حازم از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ابن الجوزی نے اسے غیر صحیح کہا ہے' ابوداؤد نخعی کا نام سلیمان بن عمرو تھا' ابن المدینی نے ان کو وضاع کہا ہے۔

[1030] صحیح حدیث۔بخاری:۵۳۷۹۔۵۴۲۰۔۵۴۳۳۔۵۴۳۶۔۵۴۳۷۔۵۴۳۹' مسلم:۲۰۴۱' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔امام ابوحنیفہ''الفقہ الاکبر''ص۲۲۷۔(مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' مع تخریج دندل)

ان سے تبدیلی کا تقاضا کیا جاتا تو لوگوں کے لیے دشواری پیدا ہوتی (مفت میں سلائی' رنگائی وغیرہ کا کام کون کرتا اور کیونکر کرتا)۔ سو یہ پیشے قیاس کی دسترس سے نکل گئے اور ان پر عمل از روئے شفقت جاری اور صحیح ہے۔

بڑھئی

نبی ﷺ کے منبر کے ذکر میں بڑھئی کے نام میں اختلاف مذکور ہو چکا ہے' جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سات افراد اس پیشہ سے منسلک تھے' جنہوں نے منبر نبوی کی تیاری میں حصہ لیا تھا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بڑھئی غلام کو یہ کہنا کہ "لوگوں کے لیے کام کرو" بھی مذکور ہو چکا۔ اور یہ کہ نبی ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجنیق سے سنگ باری کی (منجنیق بھی لکڑی سے تیار کی جاتی تھی) اور یہ بھی کہ صحابہ کرام دبابہ کے نیچے طائف کے قلعہ کی دیوار کو جلانے کے لیے حملہ آور ہوئے تھے (دبابہ بھی لکڑی سے تیار کیا جاتا تھا) یہ اسلام میں پہلا دبابہ تھا' ان تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں بڑھئی کا کام کرنے والے موجود تھے اور یہ پیشہ لوگوں میں مروج تھا۔

بچوں کے جھولے

"الاصابہ" میں نبی ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے اسماعیل سدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے فرمایا: ابراہیم نے گہوارے کو بھر لیا تھا[۱۰۳۱] (صحت مند بچے تھے)۔ اس روایت میں یہ دلالت ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں جھولے ہوتے تھے اور ان کے کاریگر بھی موجود تھے۔

سیرت اور میلاد کی کتب میں نبی ﷺ کے جھولے کا بھی ذکر آیا ہے' علامہ شہاب الحلوانی نے "**المولد الکبیر**" میں کہا ہے: "**مهد**" (جھولہ) مولود کا کھٹولہ جس میں اسے لٹا کر ہلاتے رہتے ہیں تا کہ بچہ سو جائے' مجاز مرسل کے طور پر بچے کے بستر کو بھی مہد کہتے ہیں۔

"الوفائق" میں ہے ابن ابی ذیب نے خلیفہ منصور سے سخت گفتگو کی اور کہا: اے امیر المومنین! بخدا میں آپ کو اپنے بیٹے مہدی کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں' بعد میں سفیان ثوری کی ان سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا: ابو الحرث! آپ نے اس جبار (منصور) سے ایسے انداز میں گفتگو کی کہ ہم خوش ہو گئے' لیکن آپ کی یہ بات ہمیں ناگوار گزری کہ آپ نے اس کے بیٹے کو مہدی (ہدایت یافتہ) کہا' ابن ابی ذیب نے جواب دیا: اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے' ہم سب مہدی ہیں' ہم سب مہد (جھولے) میں رہے ہیں (مہدی سے میری مراد جھولے والا تھی)۔

حافظ سیوطی کی "**الخصائص الکبری**" میں ہے ابن الطراح نے کہا: میں نے ابوعبداللہ محمد بن معلی الازدی

۱۰۳۱ـ الاصابہ ج ا ص ۹۴' رقم: ۳۹۸' از اسماعیل سدی از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

کی کتاب ''الترقیص'' میں دیکھا ہے' حضرت حلیمہ سعدیہ جب رسول اللہ ﷺ کو بہلاتی تھیں یہ شعر پڑھتی تھیں:

یارب! جب تو نے اسے زندگی عطا کی ہے اسے بقاعطا فرما' اسے رفعتوں اور بلندیوں پر چڑھا

اور اس سے دشمنوں کی لغو و بے ہودہ باتوں کو دور فرما۔

''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب حضور ﷺ کے بچپنے میں آپ کو بہلاتے ہوئے کہتے تھے:

محمد بن عبدم:

بہترین عیش میں زندگی گزارو۔ بلند و بالا شان اور عزت و رفعت کی چھاؤں میں۔

''الاصابہ'' میں شیماء بنت حارث کے تذکرہ میں محمد بن المعلی الازدی کی کتاب ''الترقیص'' سے نقل کیا ہے کہ شیماء نبی ﷺ کو بہلاتے ہوئے کہتی تھی:

اے ہمارے رب! ہمارے لیے محمد (ﷺ) کو باقی رکھ' یہاں تک کہ میں آپ کو کھرو جوان دیکھوں

میں آپ کو اطاعت یافتہ سردار دیکھوں' اس کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل و رسوا کر۔

اور ان کو تا ابد باقی رہنے والی عزت عطا فرما۔

ابو عروہ الازدی جب یہ شعر پڑھتے تو کہتے: اللہ تعالیٰ نے شیماء کو کتنا حسین شرف اجابت بخشا ہے۔[1032]

مشروبات کے لیے لکڑی کے پیالے بنانے والے

''سیرت ابن اسحاق'' میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے' ابورافع بیان کرتے ہیں: میں لکڑی کے پیالے بناتا تھا اور ان کو زمزم کے گڑھے میں تراشتا تھا۔ ''طبقات ابن سعد'' میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

سُنار

علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری'' میں کہا ہے: ''صَوَّاغ'' ڈھلائی کرنے والے کو کہتے ہیں اور صُواغ' صَائغ کی جمع ہے سنار۔ علامہ قسطلانی نے کہا ہے: صواغ کا معنی ہے: زیور بنانے والا۔ امام بخاری نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے ''باب ما قیل فی الصواغ'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا ارادہ کیا تو میں نے بنو قینقاع (یہودِ مدینہ کا یک قبیلہ) کے ایک آدمی سے وعدہ لیا کہ وہ میرے ساتھ جائے گا اور ہم اذخر (گھاس کی ایک قسم) لائیں گے' میں اسے ساروں کے پاس بیچ کر اپنی شادی کے ولیمہ کی تیاری میں مدد لینا چاہتا تھا۔[1033]

''صحیح البخاری'' میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر جب

[1032] الاصابہ ج ۴ص ۳۴۴' رقم: ۶۳۳۔

[1033] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۸۹۔ ۲۳۷۵۔ ۳۰۹۱۔ ۴۰۰۳۔ ۵۷۹۳' از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے درختوں کے کاٹنے اور نباتات کی تحریم بیان فرمائی تو عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اذخر کو مستثنیٰ فرمادیں یہ ہمارے سناروں کے کام آتی ہے اور ہم اس سے اپنے گھروں کی چھتیں بنانے میں مدد لیتے ہیں۔[1034]

علامہ کتانی کہتے ہیں: حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پر کہا ہے کہ اس سے غیر مسلم سنار سے معاملہ کرنے کا جواز نکلتا ہے اور یہ کہ بوقت ضرورت کسی بھی پیشہ اور ہنر کو اپنایا جا سکتا ہے، خواہ اس پیشہ کو عمومی طور پر گھٹیا اور پست ہمت لوگ اپناتے ہوں۔ شاید مصنف نے اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: سب سے جھوٹے لوگ سنار ہیں۔[1035] یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے، اسے امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

پھر حافظ ابن حجر نے کہا: امام بخاری کی اس ترجمہ سے غرض زرگری کے پیشہ کا ذکر ہے اور یہ کہ نبی ﷺ نے اس پیشہ کو برقرار رکھا ہے۔ "الاصابہ" میں ابن حجر نے ابورافع الصواغ (سنار) کا تذکرہ کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ ابراہیم الحربی نے "غریب الحدیث" میں سند جید سے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطور مزاح مجھ سے فرماتے تھے: سنار سب لوگوں سے جھوٹا ہوتا ہے آج کل کہتا رہتا ہے۔

بدرالدمامینی نے صحیح البخاری میں "باب الصواغ" کے زیر عنوان ابن المنیر سے نقل کیا ہے کہ زرگری کے معاملہ میں یہ تنبیہ ہے کہ یہ اچھا پیشہ ہے، اس پیشہ سے تعلق رکھنے والوں سے از روئے دین اور از روئے مروّت اجتناب درست نہیں ہے، یہ صنعت بکثرت فساد کا شکار اس لیے ہوگئی کہ اس میں یہود وغیرہ جیسے پست ذہنیت کے لوگ داخل ہوگئے ہیں، سو اس صنعت سے وابستہ ہونے والا مذمت اور طعن و تشنیع کا حق دار ہے نہ ہی وہ درجۂ عدالت سے گرتا ہے، آخر میں کہا ظاہر یہ ہے کہ اہل عرب کے نزدیک وہ پیشہ گھٹیا اور پست شمار ہوتا تھا جس سے وابستہ افراد نیچ اور مروّت میں پست ہوتے تھے، یہ ہر علاقہ اور اس کے عُرف کا معاملہ ہے۔ ہمارے مالکی اصحاب میں سے ابن محرز نے کہا ہے: گھٹیا پیشوں سے وابستہ افراد کی گواہی رد نہیں کی جائے گی، جیسے خاکروب، چمڑے رنگنے والا، سینگی لگانے والا اور جولاہا، البتہ جو شخص راضی خوشی ایسا پیشہ اختیار کر لیتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں وہ اس سے مستثنیٰ

[1034] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۹۰، از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

[1035] موضوع روایت۔ طیالسی "مسند" ج ۱ص ۳۶۲، از ہمام از فرقد سبخی از یزید بن عبداللہ بن شخیر از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔ ابن ماجہ: ۲۱۵۲، احمد ج ۲ص ۲۹۲۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵، ابوسعید بن الاعرابی "معجم" ج ۲ص ۸۷، از ہمام۔ اس کے اسناد میں فرقد سبخی ہے، ابوحاتم نے اس کو لین الحدیث کہا ہے، بخاری کے بقول اس کی حدیث میں مناکیر ہیں۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے "العلل" (ج ۲ص ۲۷۸) میں از طریق یحیٰ بن سلام از عثمان بن مقسم از نعیم بن مجمر، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ابوحاتم نے اس حدیث کو کذب کہا ہے، ابن معین اور جوزجانی نے عثمان کو کاذب کہا ہے۔

اس حدیث کو ابن عدی (ج ۲ص ۳۱۶) نے تیسرے طریق سے از محمد بن یونس الکدیمی ....روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ کدیمی کا ضعف محتاج بیان نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ کدیمی کے کذاب اور وضاع ہونے کا اشارہ ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱۴۴)

ہے کیونکہ یہ چیز اس کی عقل کے فتور پر دلالت کرتی ہے۔(المصابیح)

نقاش

ابن ابی حاتم نے "العلل" میں عقیلی کے طریق سے عبداللہ بن محمد بن عقیل کی اپنی والدہ سے روایت نقل کی ہے' ان کی والدہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ عقیل کے پاس تشریف لائے' آپ نے عقیل کو وہ انگوٹھی عطا کی جو نجاشی نے آپ کو بطور تحفہ بھیجی تھی' یہ ابھرے ہوئے گول ٹکڑے کی طرح تھی' رسول اللہ ﷺ نے اس میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین لکھیں۔[1036] ابن ابی حاتم نے کہا: میرے والد نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ اور عقیلی' ابن عبداللہ بن محمد بن عقیل ہے اور اس کی حدیث ناقابل اعتبار ہے۔

"العلل" ہی میں ہے میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا جسے قاسم بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عقیل نے از عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کو چاندی کی انگوٹھی بطور ہدیہ روانہ کی اس میں تصویر تھی' نبی ﷺ نے اس کے چاروں طرف قل ھو اللہ احد' قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس لکھوائی۔ میرے والد نے کہا: یہ حدیث منکر ہے اور قاسم متروک الحدیث ہے۔

میں (علامہ کتانی) کہتا ہوں: محدثین کے ہاں کبھی حدیث فرد پر بھی نکارت کا معنوی ارادہ کر کے منکر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔[1037]

بہرحال اس بارے میں احادیث موجود ہیں کہ آپ کی انگوٹھی پر آپ کا اسم گرامی نقش تھا جس سے آپ بادشاہوں وغیرہ کی طرف بھیجے جانے والے خطوط پر مہر لگاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ نقش مدینہ منورہ میں بنایا گیا اور یقیناً یہ نقش کسی نقاش ہی نے بنایا ہوگا۔

الکلاعی کی "الاکتفاء" میں ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ابولؤلؤ نقاش' لوہار اور بڑھئی تھا۔

سونے کی ناک کی تیاری

"الاصابہ" میں حضرت ضحاک بن عرفجہ السعدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن مندہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ الکلاب کی جنگ میں آپ کی ناک ضائع ہوگئی' نبی ﷺ نے آپ کو سونے کی ناک لگانے کا حکم دیا۔[1038]

[1036] منکر حدیث۔ عقیلی کی حدیث لیس بشیء ہے۔

[1037] حافظ ابن کثیر نے "اختصار علوم الحدیث" (ص ۸۲) میں کہا ہے: منکر شاذ کی طرح ہے اگر اس کے راوی ثقات کے مخالف روایت کریں تو منکر مردود ہے۔ احمد شاکر نے "الباعث الحثیث" میں اس کی تشریح میں کہا ہے کہ غیر عادل و ضابط راوی کے تفرد والی روایت منکر اور مردود ہے۔ اگرچہ اس کا غیر اس حدیث کی روایت میں اس کے خلاف نہ روایت کرے کیونکہ ایسے راویوں کا تفرد غیر مقبول ہے۔

[1038] الاصابہ ج ۲ ص ۲۰۷' رقم: ۴۱۶۸۔ ابن مندہ از طریق عبداللہ بن عواذہ از عبدالرحمٰن بن طرفہ از ضحاک بن عرفجہ رضی اللہ عنہ۔ مجھے عبد اللہ بن عواذہ کے حالات نہیں ملے لیکن ابوداؤد اور ترمذی کی از ابوالاشہب آئندہ روایت اس کی مؤید ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: روایت میں اسی طرح آیا ہے[۱۰۳۹] اور مشہور یہ ہے کہ جن کی ناک ضائع ہوئی وہ عرفجہ رضی اللہ عنہ تھے۔ "الاصابہ" (ج ۳ ص ۲۸۴) میں طرفہ بن عرفجہ کے تذکرہ میں بھی یہی مذکور ہے۔

حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث "جامع الترمذی" میں ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: متعدد اہل علم سے مروی ہے انہوں نے اپنے دانت سونے سے بندھوائے' نبی ﷺ نے اس جانب اشارہ فرمایا' کیونکہ سونے کی خاصیت یہ ہے اس میں بدبو نہیں پیدا ہوتی۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: ابوداؤد نے "سنن" میں اس حدیث پر یہ عنوان رقم کیا ہے: "باب ما جاء في ربط الاسنان بالذهب" پھر یہ حدیث نقل کی کہ جنگ کلاب میں حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کی ناک کٹ گئی' انہوں نے چاندی کی ناک لگالی وہ بدبودار ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو سونے کی ناک لگانے کا حکم دیا۔

میں (علامہ کتانی) کہتا ہوں: یہ چیز اہل عرب کی اس صنعت میں مہارت اور باریک بینی پر دلالت کرتی ہے' وہ اس میں دیگر اقوام پر تقدم رکھتے ہیں' کیونکہ سونے کی ناک کی تیاری اور اسے اپنے مقام پر فٹ کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ابن سعد نے "الطبقات" میں روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں کو سونے سے بندھوایا تھا' اس سے معلوم ہوتا ہے وہ لوگ دانتوں کی سرجری اور دندان سازی جیسی جدید تکنیک سے واقف تھے' جیسا کہ البستانی نے "دائرة المعارف" میں حرف سین (ج ۱۰ ص ۱۲۵) میں ذکر کیا ہے۔

اور اس قول کا مردود ہونا بھی واضح ہوگیا کہ یونانی اور لاطینی شعراء کے قصائد میں دندان سازی کا ذکر آیا ہے (اور اہل عرب اس علم سے ناآشنا تھے)۔

ہوا سے چلنے والی چکی کی ایجاد

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری عرصہ کا واقعہ ہے' اس وقت تک صحابہ کرام کی کثیر تعداد موجود تھی۔ شہاب المرجانی کی "وفيات الاسلاف" (ص ۳۳۵) میں ہے: اہل عرب نے ہوا سے چلنے والی چکی ایجاد کی' ہوا متعدد بکسوں میں سے گزر کر اسے رواں رکھتی تھی' یہ ۲۹ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے۔

مصور

امام بخاری نے "صحیح البخاری" میں یہ عنوان رکھا ہے "باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح وما يكره من ذلك" اس عنوان کے تحت سعید بن ابوالحسن سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ

[۱۰۳۹] حسن حدیث۔ ابوداؤد: ۴۲۳۲ تا ۴۲۳۴' ترمذی: ۱۷۷۰' احمد ج ۵ ص ۲۳' از طریق عبدالرحمن بن طرفہ از جد خود عرفجہ بن اسعد۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ صرف عبدالرحمن بن طرفہ سے ہم اس کو جانتے ہیں' دورِ جاہلیت کی مشہور جنگ الکلاب کی تفصیل جاننے کے لیے علامہ آلوسی کی کتاب "بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب" ج ۲ ص ۷۲' ملاحظہ کریں۔

عنہما کے پاس تھا' آپ کے ہاں ایک آدمی نے آ کر کہا: اے ابن عباس! میں ایسا انسان ہوں کہ میرا ذریعہ معاش ہاتھ کی کمائی ہے' میں یہ تصویریں بناتا ہوں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو تصاویر بنانے کی ممانعت والی حدیث بیان کر کے فرمایا: اگر تمہارے لیے تصاویر بنائے بغیر چارۂ کار نہیں تو پھر ان درختوں کی اور ان چیزوں کی تصاویر بناؤ جن میں روح نہیں ہے۔[1040]

امام ملک العلماء علاؤ الدین بن مسعود کاسانی حنفی کی کتاب "بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" (ج ۱ ص ۱۷۷) میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے مصور کو تصویر سازی سے منع فرمایا' اس نے کہا: میں کیا کروں میرا ذریعہ معاش یہی ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تمہارے لیے بغیر اس کے چارۂ کار نہیں تو پھر تم درختوں کی تصویریں بناؤ۔ اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو دور سے نظر نہ آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ بت پرست اس قدر چھوٹے بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے اور اس میں نص وارد ہے کہ جب تصویر بستر پر قبلہ کی پچھلی جانب ہو یا نمازی کے پیروں کے نیچے ہو تو اس پر نماز مکروہ نہیں بلکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ مروی ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی میں دو مکھیاں بنی ہوئی تھیں' یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی پائی گئی اس کے نگینہ پر دو شیروں کی تصویر تھی جو درمیان میں موجود آدمی کو چاٹ رہے تھے۔

"مواکب ربیع" میں ہے حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی کے نقش پر دو شیروں کی تصویر تھی جو آپ کو چاٹ رہے تھے تاکہ آپ اپنے رب کی نعمت کو فراموش نہ کریں۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو یہ انگوٹھی نہر سوس کی کھدائی میں آپ کی قبر سے ملی' یہ علاقہ بصرہ اور فارس کے درمیان واقع ہے اور اہواز کا ایک پرگنہ ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے' حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کو قبر سے نکال کر آپ کو کفن دیا' نماز جنازہ پڑھی' پھر نہر سوس میں آپ کو دفن کر دیا۔[1041] یہ انگوٹھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوبُردہ کے ہاتھ میں رہی۔ (ص ۱۹۲)

عارف نابلسی کی "شرح الطریقۃ المحمدیۃ" (ج ۲ ص ۳۰۸) میں "الکافی" سے منقول ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر دو مکھیاں بنی ہوئی تھیں' حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی پر شیر اور شیرنی کی تصویر تھی جن کے درمیان لڑکے کی تصویر تھی جسے وہ چاٹ رہے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر غمگین ہوئے اور آپ کے آنسو نکل آئے' اس کا سبب یہ تھا کہ شیر خوار دانیال علیہ السلام کو جھاڑی میں ڈال دیا گیا تھا' اللہ تعالیٰ نے شیر کو ان کی حفاظت پر مامور کر دیا اور شیرنی آپ کو دودھ پلاتی تھی اور دونوں آپ کو چاٹتے تھے' حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی پر یہ نقش بنوا کر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔[1042]

۱۰۴۰ صحیح حدیث۔ احمد ج ۱ ص ۳۴۱۔ ۳۵۰' ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۸۴۔ ۴۸۵' بخاری: ۵۹۶۳' مسلم: ۲۱۱۰ (۱۰۰)' نسائی ج ۸ ص ۲۱۵' طبرانی: ۱۲۹۰۰' ابن حبان: ۵۸۴۸' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

۱۰۴۱ تاریخی طور پر غیر ثابت روایت۔ صرف اندازہ اور زیب داستان۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۲ غالباً اس کا تعلق اسرائیلیات سے ہے' اسناداً غیر ثابت روایت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک ایسا چولہا تھا جس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی تصویریں بنی تھیں' حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دستیاب ہوئی' آپ نے یہ انگوٹھی حضرت ابوموسیٰ کو دے دی' آپ کی انگوٹھی پر ان تصاویر کا پس منظر یہ تھا کہ بخت نصر بادشاہ کو کہا گیا' ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تمہاری بادشاہی کی تباہی کا سبب ہوگا' اس نے بچوں کا قتل عام شروع کر دیا' جب حضرت دانیال علیہ السلام پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے آپ کو اس امید پر جھاڑی میں ڈال دیا کہ شاید آپ قتل ہونے سے بچ جائیں' اللہ تعالیٰ نے شیر اور شیرنی کو آپ کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ جیسا کہ ''النهاية'' اور ''الفتح الباری'' میں ہے۔

پھر ''البحر'' سے ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اگر دراہم و دنانیر (کرنسی) پر تصویر ہو تو کیا اس سے ملائکہ گھر میں داخل نہیں ہوتے؟ قاضی عیاض نے کہا: یہ تصویریں ملائکہ کے دخول سے مانع نہیں اور احادیث مخصصہ ہیں' ثوری نے عموم کا قول کیا ہے' الصمیزلی میں ہے جب تصاویر ڈھکی ہوئی ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ''الخلاصه'' اور ''جامع الفتاوی'' میں بھی اسی طرح ہے۔ ''خزائن الفتاوی'' میں ہے اگر امام کے ہاتھ میں تصاویر ہوں اور وہ امامت کرے تو اس کی امامت مکروہ نہیں ہے۔ ''التفاریق'' میں ہے اگر کسی نے ایسے گھر کو منہدم کر دیا جس میں رنگ سے تصاویر بنی ہوئی تھیں تو وہ گھر کی قیمت اور تصاویر کے رنگ کے علاوہ دوسرے رنگ کی قیمت کا بھی ضامن ہوگا۔

علامہ مناوی نے ''شرح الشمائل'' کے ''باب الخاتم'' میں ابن جماعہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے اس مقام پر خطا کی ہے جس نے کہا ہے: حضور ﷺ کی انگوٹھی میں آدمی کی تصویر تھی' علامہ مناوی نے کہا: خطا کا اطلاق مناسب نہیں ہے۔

زین العراقی نے کہا ہے: حدیث مرسل یا معضل یا آثار موقوفہ سے آپ کی انگوٹھی پر تصویر کا نقش مروی ہے۔ رہی حدیث مرسل یا معضل تو امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل نے ان کو انگوٹھی دکھائی اور ان کا خیال تھا کہ حضور ﷺ اسی سے مہر لگاتے تھے اس میں شیر کی تصویر تھی۔ معمر نے کہا: میں نے اپنے بعض ساتھیوں کو دیکھا' انہوں نے اسے پانی میں دھو کر وہ پانی پی لیا۔ یہ حدیث مرسل ہو یا معضل قابلِ حجت نہیں ہے۔[۱۰۴۳]

موقوف روایات یہ ہیں ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کی انگوٹھی میں دو سارسوں کے آمنے سامنے کی تصویر تھی ان کے درمیان میں ''الحمد لله'' مکتوب تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش شیر تھا' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش تلوار حمائل کیے ہوئے شخص کی تصویر تھی۔

زین العراقی نے کہا: یہ موقوف روایات قابلِ استدلال نہیں ہیں' بعض صحیح نہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ

۱۰۴۳ یہی حق ہے' کیونکہ مراسیل اور معاضیل محدثین کے نزدیک قابل حجت نہیں' یہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔

کے اثر کے علاوہ سب میں کوئی نہ کوئی علت موجود ہے اور تصاویر کی ممانعت میں مشتمل احادیث صحیحہ کے معارض ہیں۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی اور اس میں موجود آدمی کی تصویر کا ذکر "طبقات ابن سعد" (ج ۶ ص ۵) میں بھی آپ کے تذکرہ میں مروی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ان الفاظ میں مذکور ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی میں بھیڑیے یا لومڑی کا نقش تھا۔ (طبقات ج ۷ ص ۱۱) قاضی شریح کے تذکرہ میں ہے ان کی انگوٹھی میں دو شیر نقش تھے جن کے درمیان درخت تھا نیز ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ان کی انگوٹھی میں سارس کا سر یا پھندے کے درمیان سارس کا نقش تھا۔ (طبقات ج ۶ ص ۱۴۶) عظیم المرتبت امام ضحاک بن مزاحم کے تذکرہ میں ہے ان کی انگوٹھی چاندی کی تھی جس کا نگینہ شیشے جیسا تھا اور اس میں پرندے کی صورت نقش تھی۔[۱۰۴۴]

شیخ حمزہ فتح اللہ المصری کی کتاب "المواهب الفتحية في علوم اللغة العربية" (ج ۱ ص ۲۵۳) میں ہے، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے دینار ڈھلوائے ان پر حضرت معاویہ کی تلوار حمائل کیے ہوئے تصویر تھی۔

لیکن علامہ الوزیر جودت پاشا ترکی نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں کہا ہے: بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ سکے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تلواریں حمائل کی ہوئی تصویریں تھیں، واصف آفندی نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور اپنی تاریخ میں درج کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سکہ پر اپنی تصویر نقش کرائی تھی جس میں انہوں نے تلوار حمائل کی ہوئی تھی۔ لیکن یہ روایت درجۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ (عربی ترجمہ ص ۲۷۰) مزید تفصیل کے لیے القسم الاوّل میں تکیہ اٹھانے والوں کا باب ملاحظہ کریں۔

"رحلة الحافظ ابي القاسم التجيبي" میں ان کی سند سے مذکور روایت میں ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے، اہل کتاب نے آپ کو کھانے کی دعوت دی، آپ نے دعوت کا مقام پوچھا تو بتایا: دعوت گرجا میں ہے، آپ نے وہاں جانا ناپسند فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ لوگوں کے ساتھ چلے جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور کھانا کھایا، اور آپ ان تصویروں کو دیکھ کر فرمانے لگے: اگر امیر المؤمنین یہاں آ کر کھانا کھا لیتے تو کوئی حرج کی بات نہ تھی۔ بعینہٖ یہی واقعہ "کتاب ذم الموسوسين وذم الوسوسة" میں امام موفق الدین ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے۔[۱۰۴۵] (ص ۱۹، مطبوعہ مصر)

حنابلہ کی معتبر اور بڑی کتاب "شرح كشف القناع على متن الاقناع" میں شیخ منصور بن ادریس الحنبلی یہ متن ذکر کرنے کے بعد کہ "جب مدعو ایسی تصویروں والا پردہ دیکھے جس پر حیوانات کی تصاویر ہوں اور اس کے لیے ان تصاویر کا مٹانا یا ان کا سر کاٹنا ممکن ہو تو ایسا کرے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہاں بیٹھنا مکروہ ہے مگر یہ کہ اسے ہٹا دیا

[۱۰۴۴] آثار غیر صحیحہ۔

[۱۰۴۵] تاریخی طور پر ثابت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ شام میں تشریف نہیں لے گئے۔ یہ روایت معضل ہے۔ ابن قدامہ المقدسی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کئی مجاہیل ہیں۔

جائے'' لکھتے ہیں: ''الانصاف'' میں ہے: مذہب یہ ہے کہ حرام نہیں' کیونکہ مروی ہے نبی ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے' آپ نے کعبہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویر دیکھی جن کے سامنے فال کے تیر تھے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو مارے ان کو معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کبھی بھی فال کے تیروں سے فال نہیں لی۔[۱۰۴۶] اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے' نیز گرجا گھروں اور کلیساؤں میں داخل ہونا حرام نہیں ہے اور ان میں تصاویر ہوتی ہیں اور فرشتوں کا تصاویر والے گھر میں داخل نہ ہونا[۱۰۴۷] اس گھر میں جانے کو حرام نہیں قرار دیتا' جس طرح اگر کسی گھر میں کتا موجود ہو تو وہاں جانا حرام نہیں ہے۔ ایسے ساتھیوں کے ساتھ رہنا جن کے پاس گھنٹی ہو حرام نہیں باوجودیکہ ملائکہ یہاں نہیں آتے۔ البتہ ایسے شخص کو سزا دینے اور زجر و توبیخ کرنے کے لیے اس کی دعوت کو قبول نہ کرنا مباح ہے۔

بعض مصری مصنفین نے لکھا ہے: عباسی دور میں اہل عرب نے دیواروں پر تصاویر بنانے میں بڑی شہرت حاصل کی اور منقش باتصویر کتب تالیف کیں' ہم نے تیسری صدی ہجری کی ایک قدیم کتاب دیکھی ہے جس کے مؤلف نے نابغۂ روزگار مشاہیر کی تصاویر بنائی تھی' اس کے بعد ہم نے چوتھی' پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کی متعدد باتصویر کتب دیکھیں' جس نے اندلس کی تاریخ پڑھی ہے اس کو علم ہو گا کہ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے عدیم المثال محل قصر الزہراء بنوایا' اس میں اپنی باندی زہراء کو رکھا اور محل کو اسی کے نام سے موسوم کیا' اور مصورانہ خط میں محل کے دروازہ پر اس کی تصویر نقش کرائی۔[۱۰۴۸]

الشریف ابوعبداللہ الجرجانی اپنی کتاب ''النقط علی الخطط'' میں کہتے ہیں: عباسی خلیفہ آمر باحکام اللہ نے لکڑی کا پل بنوایا جس پر آئل پینٹ سے شعراء کی تصاویر بنوائیں اور ان شعراء کو بلا کر ان سے استدعا کی کہ ہر شاعر اس کی تعریف میں شعر کہے اور اپنی تصویر کے سر کے پاس اسے لکھ دے' ہر تصویر کے ایک طرف نہایت نفیس سنہری کارنس بنوایا' جب آمر اس پل پر آیا اور اس نے اشعار پڑھے تو بہت خوش ہوا اور اس نے حکم دیا: ہر کارنس پر مہر کردہ تھیلی رکھ دی جائے جس میں پچاس اشرفیاں ہوں اور ہر شاعر جا کر اپنی تھیلی لے لے' متعدد شعراء اس میں شامل تھے۔[۱۰۴۹] اندلس کے شہر غرناطہ میں الحمراء کی چھتوں میں ایسی تصویروں کا پتہ چلتا ہے جس میں منصف (جج) عربی انداز میں بیٹھے ہیں' یہ تصاویر آٹھویں صدی ہجری کی معلوم ہوتی ہیں۔

[۱۰۴۶] صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۶۰۱۔ ۳۳۵۲۔ ۴۲۸۸' عبدالرزاق ''المصنف'': ۱۹۴۸۵' ابوداؤد: ۲۰۲۷' احمد ج ۱ ص ۳۶۵' طبرانی ''الکبیر'': ۱۱۸۴۵' ابن حبان ''الاحسان'': ۵۸۶۱' بیہقی ''السنن'' ج ۵ ص ۱۵۸' بغوی ''شرح السنۃ'': ۳۸۱۵' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[۱۰۴۷] بخاری: ۳۲۲۵' مسلم: ۲۱۰۶ (۸۳۔۸۴)' ترمذی: ۲۸۰۴' نسائی ج ۷ ص ۱۸۵۔۱۸۶' ابن ماجہ: ۳۶۴۹' ابن حبان: ۵۸۵۵' از ابوطلحہ رضی اللہ عنہ۔

[۱۰۴۸] سقوط اندلس کا ایک بڑا سبب یہی طاؤس و رباب' راگ و رنگ کی محافل اور یہ لایعنی مشاغل تھے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو اس ملک سے ہاتھ دھونے پڑے اور بے دردی سے قتل ہونا پڑا۔

[۱۰۴۹] ان روایات سے مصنف تصاویر اور نقش و نگار کی اباحت کا اشارہ کرتے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ دلائل سے تصاویر کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ المستعان۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اندلس کے ججوں کی تصویروں کے فوٹوگراف میں نے خود دیکھے ہیں' پیرس کی لائبریری میں جانے والے ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ اس نے وہاں چھٹی اور ساتویں صدی کے ایک ماہر فلکیات کی تاریخ کی ایسی کتاب دیکھی ہے جس میں کثیر مسلمان مشاہیر کی تصاویر موجود ہیں' ان تصاویر میں نبی ﷺ کی تصویر بھی موجود تھی۔[۱۰۵۰] ظاہر ہے یہ حقیقی نہیں خیالی تصویر ہوگی۔

المقریزی نے "الخطط" میں کتاب "ضوء النبراس وانس الجلاس فی اخبار المزوقین من الناس" کے بارے میں نقل کیا ہے یہ کتاب مصوروں کے طبقات کے بارے میں لکھی گئی ہے۔

مشہور طبیب الزہراوی نے سرجری کے موضوع پر ۵۸۴ھ میں کتاب لکھی اس میں آلات جراحی کی پوری مہارت سے تصویریں دی ہیں' ان میں سے بعض آلات دور جدید کے بعض آلات جراحی جیسے ہیں (گویا یہ زہراوی کے آلات جراحی کا چربہ ہیں)۔ تفصیل کے لیے دیکھئے "دائرۃ المعارف الوجدیہ" مادہ کتب۔

میں نے دمشق میں شیخ اکبر محی الدین ابن العربی اور ولی الدین ابن خلدون کی دستی تصویریں دیکھی ہیں۔ مؤخر الذکر تصویر میرے پاس موجود ہے اسے میں نے اسپین کے شہر اسکوریال سے حاصل کیا ہے۔ واللہ اعلم

چراغ جلانے اور کشتیوں وغیرہ کی پالش کے لیے چربی کا استعمال

صحیح البخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا ہے' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! مرے ہوئے جانور کی چربی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو پالش کیا جاتا ہے' کھالوں کو تر کیا جاتا ہے اور لوگ چراغ جلانے میں استعمال کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں وہ حرام ہے' پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے جب ان پر چربی کو حرام کیا گیا انہوں نے اسے پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔[۱۰۵۱]

ملا علی القاری نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے کہ اس سے کشتیوں کے تختے پالش کیے جاتے ہیں۔ علامہ نووی کہتے ہیں: اس کی بیع حرام ہے لیکن اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہی صحیح ہے' جمہور کے نزدیک اس سے فائدہ حاصل کرنا بالکل جائز نہیں ہے کیونکہ ممانعت عموم پر مبنی ہے البتہ اس سے رنگا ہوا چمڑا خاص کر لیا گیا ہے (مردار کے رنگے ہوئے چمڑے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے)۔ ہمارے مذہب کے

۱۰۵۰ یہ سب اس فلکی کا دجل وفریب اور شیطان کی دسیسہ کاریاں ہیں وہ کسی کو فلکیات کے علم سے کسی کو جادو اور علم نجوم کے ذریعے سیدھے راستہ سے بہکاتا رہتا ہے ہدایت کے بعد صرف گمراہی باقی رہتی ہے۔

۱۰۵۱ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۲۳۶، ۴۲۹۶، ۴۶۳۳' مسلم: ۱۵۸۱' ابوداؤد: ۳۴۸۶' ترمذی: ۱۲۹۷' نسائی ج ۷ ص ۳۰۹، ۳۱۰' ابن ماجہ: ۲۱۶۷' ابن الجارود: ۵۷۸' ابن حبان: ۴۹۳۷' بیہقی "السنن" ج ۹ ص ۳۵۴، ۳۵۵' بغوی "معالم التنزیل" ج ۲ ص ۱۳۹' از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔

علامہ بغوی کہتے ہیں: اس میں ہر اس حیلے کے بطلان کی دلیل ہے جو حرام تک لے جائے' نام اور شکل بدلنے سے حرام حلال نہیں ہوتا۔

مطابق صحیح یہ ہے کہ زیتوں کے تیل اور گھی وغیرہ جیسے نجس تیلوں سے چراغ وغیرہ جلا کر نفع حاصل کرنا جائز ہے' ان سے صابن بنایا جاسکتا ہے' نجس شہد' شہد کی مکھی کو کھلایا جا سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک خریدار کو بتا کر نجس تیل بیچنا جائز ہے۔

دودھ فروش

ابوبکر بن ابی مریم کہتے ہیں: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی باندی دودھ بیچتی تھی اور اس کی قیمت حضرت مقدام رضی اللہ عنہ لیتے تھے' آپ سے کہا گیا: سبحان اللہ! آپ دودھ بیچتے اور اس کی قیمت لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: البتہ لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ان کو صرف دینار اور درہم نفع دے گا۔[1052] یہ حدیث احمد کے حوالہ سے مشکوٰۃ میں مذکور ہے' ملا علی القاری نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے: علامہ طیبی سے اس حدیث کا یہ معنیٰ منقول ہے کہ لوگوں کو صرف کمائی کرنا ہی فائدہ دے گا' اگر وہ اسے ترک کریں گے تو حرام میں مبتلا ہوں گے۔

مروی ہے کہ کسی صاحب علم سے کہا گیا: ذریعۂ معاش اپنانا تجھے دنیا کے قریب کر دے گا' انہوں نے جواب دیا: اگر اس نے مجھے دنیا سے قریب کر دیا تو اس سے محفوظ بھی کر لیا' سلف صالحین کہتے تھے: تجارت کرو' کسب کرو کیونکہ تم ایسے دور میں ہو کہ جب تم میں سے کوئی محتاج ہو جائے تو سب سے پہلے اپنے دین کو کھاتا ہے (دین سے لاتعلق ہو جاتا ہے)۔

حضرت سفیان ثوری کے بارے میں ہے ان کے پاس مال تھا وہ اسے الٹ پلٹ کرتے اور کہتے: اگر یہ دینار نہ ہوتے تو بنو عباس (عباسی خلفاء) مجھے رومال بنا لیتے' یعنی رومال کی طرح میرے ذریعہ اپنے میل صاف کرتے۔

لوہار

''**صحیح البخاری**'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہوئے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رضاعی باپ تھے' کیونکہ ان کی اہلیہ ام بردہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا۔[1053]

''**الاستیعاب**'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے

[1052] ضعیف روایت۔ احمد ج ۴ص ۱۳۳' از طریق ابی بکر بن ابی مریم از مقدام بن معدی کرب۔ ''التقریب'' (رقم: ۸۰۰۳) میں کہا ہے: ابی بکر بن ابی مریم کی کتب چوری ہوگئی تھیں جس سے اس کی روایات مختلط ہوگئیں۔ ضعیف راوی۔

[1053] صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۳۰۳' از طریق بخاری' بغوی ''شرح السنۃ'': ۱۵۲۸' از قریش بن حیان از ثابت از انس رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کے اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو چومنے کا ذکر ہے اور حضور ﷺ کے سامنے آپ کے صاحبزادے کے جاں بحق ہونے کا تذکرہ ہے۔

واقعہ میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا' جب ہم وہاں پہنچے' ابو سیف اپنی بھٹی کو دھونک رہا تھا اور گھر دھوئیں سے بھر گیا تھا' میں نبی ﷺ کے آگے جلدی جلدی چل کر گیا اور ابو سیف رضی اللہ عنہ کو جا کر کہا: ابو سیف! یہ کام بند کرو' رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں' انہوں نے بھٹی کو دھونکنا بند کر دیا۔[1054]

امام بخاری نے ''صحیح البخاری'' میں یہ عنوان قائم کیا ہے' ''باب ذکر القین والحداد''۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ''قَین'' قاف کے زبر سے ہے' ابن درید نے کہا: قین اصل میں لوہار ہے' پھر عرب ہر کاری گر کو قین کہنے لگے۔ الزجاج نے کہا: قین نیزوں کے پھل تیار کرنے والے کاریگر کو کہتے ہیں اور قین لوہار ہے۔ گویا امام بخاری نے دونوں اقوال کا خیال رکھتے ہوئے قین اور حداد ذکر کیا ہے اور اس عنوان کے تحت روایت کردہ حدیث میں صرف قَین کا ذکر ہے' گویا انہوں نے حکم میں اشتراک کی وجہ سے حداد (لوہار) کو قین سے ملحق کر دیا ہے۔[1055]

امام بخاری نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں قبل از اسلام لوہار تھا' میرا العاص بن وائل پر قرض تھا' میں اس کے پاس قرض مانگنے گیا تو اس نے کہا: میں تمہیں اس وقت تک نہ دوں گا جب تک تم محمد (ﷺ) سے کفر نہ کرو گے' میں نے کہا: میں کفر نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے موت دے پھر زندہ کرے[1056] (یعنی کبھی بھی ایسا نہ کروں گا)۔

علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری''[1057] میں کہا ہے مقاتل نے کہا: حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عاص کے لیے کچھ زیورات تیار کیے تھے' جب ان کی اجرت طلب کی تو اس نے کہا: تم کہتے ہو' جنت میں ریشم' سونا' چاندی اور لڑکے ہوں گے۔ حضرت خباب نے کہا: ہاں۔ عاص نے کہا: پھر میں تم کو وہیں دوں گا۔ واحدی' کلبی اور مقاتل نے کہا ہے: حضرت خباب رضی اللہ عنہ قَین تھے۔ علامہ عینی نے کہا: حدیث میں ہے جب لوہار عادل ہو تو اس کا پیشہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں۔

ابو العتاہیہ کہتا ہے:

سنو! تقویٰ ہی عزت اور کرم ہے' دنیا سے تیری محبت ذلت اور مفلسی ہے
آزاد' متقی کے لیے یہ چیز نقصان دہ نہیں کہ وہ جولاہا ہے یا سینگی لگانے والا

''الاصابہ'' (ص ۲۷) میں حرث بن کلدہ کے آزاد کردہ غلام ازرق بن عقبہ الثقفی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' آپ حضور ﷺ کے محاصرۂ طائف کے دوران مسلمان ہوئے اور آپ لوہار اور قین تھے۔[1058]

[1054] صحیح حدیث۔ مسلم: ۲۳۱۵' احمد ج ۳ ص ۱۹۴' ابوداؤد: ۳۱۲۶' ابن حبان: ۲۹۰۲' بیہقی ''السنن'' ج ۴ ص ۶۹' از سلیمان بن المغیرہ از ثابت از انس رضی اللہ عنہ۔

[1055] فتح الباری ج ۴ ص ۳۷۳۔

[1056] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۹۱۔ ۲۲۷۵۔ ۲۴۲۵۔ ۴۷۳۲۔ ۴۷۳۳۔ ۴۷۳۵' مسلم: ۲۷۹۵ (۳۵۔ ۳۶)' ترمذی: ۳۱۶۲' نسائی ''التفسیر'': ۳۱۶۲' احمد ج ۵ ص ۱۱۰۔ ۱۱۱' طبرانی ''الکبیر'' ج ۴ ص ۶۶۔ ۶۷' ابن جریر ج ۱۶ ص ۹۱' واحدی ''اسباب النزول'': ۶۱۰' از خباب بن الارت رضی اللہ عنہ۔

[1057] واحدی ''اسباب النزول'': ۶۱۲۔

[1058] الاصابہ ج ۱ ص ۲۹' رقم: ۸۱۔

شیخ الکتی کی ''الاجوبۃ المھمۃ ''میں ہے اسلامی مملکت میں لوہے اور چاندی کی صنعت کی بنیاد اس وقت پڑی' جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کیا' قیدیوں میں تمیں قین شامل تھے' یہ لوگ کاری گر' دلاّل اور لوہار تھے' نبی ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کو مسلمانوں میں رہنے دو تا کہ مسلمان ان کی کاریگری سے فائدہ اٹھائیں اور دشمنوں کے خلاف جہاد میں ان سے تقویت حاصل کریں' ان کو مسلمانوں میں رہنے دیا گیا' پھر جس نے اس پیشہ میں مہارت حاصل کر لی اس کو صانع (کاری گر) اور معلم کہا جانے لگا اور جو اپنے سابقہ پیشہ ہی پر برقرار رہے (مزید جستجو اور مہارت حاصل نہ کی) ان کو قین کا نام دیا گیا' اس دن سے یہ لوگ حکمرانوں اور سرداروں کے محتاج رہے۔

''الاصابہ ''میں بشر بن قیس التمیمی کے تذکرہ میں ہے کہ ابن شاہین نے بشر بن قیس سے روایت کیا ہے کہ وہ اور ان کا بیٹا رحیم زنجیر میں بندھے ہوئے لائے گئے' نبی ﷺ نے فرمایا: اے بشر! اس زنجیر کو کاٹ دو تم پر قسم نہیں ہے' انہوں نے زنجیر کاٹ دی اور مسلمان ہو گئے۔[1059]

علامہ کتانی کہتے ہیں: حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری ''میں کتاب الجہاد کے ''باب الاساری فی السلاسل ''میں ''الاصابہ ''میں ابن شاہین کے حوالہ سے مذکور اس روایت سے غافل رہے' کیونکہ انہوں نے ابراہیم الحربی سے ایسی روایت نقل کی ہے جو زنجیر کے حقیقی وجود کی نفی کرتی ہے (حالانکہ ابن شاہین کی مذکورہ روایت میں اس کا ثبوت ہے)۔

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں سورۃ آل عمران کی آیت کریمہ: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. (آل عمران: ۱۱۰) کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں کے لیے بہترین لوگ وہ ہوں گے جو اپنے گلوں میں زنجیریں ڈالے ہوئے آئیں گے یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔[1060]

نبی ﷺ کی تعمیراتی سرگرمیاں

ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں مسجد قباء تعمیر کی اور اس کی بنیاد رکھی۔ علامہ سہیلی نے ''الروض الانف ''میں کہا ہے: حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد قباء کی بنیاد رکھی' سب سے پہلے قبلہ کی جانب آپ ہی نے بنیادی پتھر رکھا' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پتھر لائے اور انہوں نے دوسرا پتھر رکھا' پھر حضرت عمر پتھر لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے برابر رکھا' پھر لوگوں نے بنیاد اٹھانی شروع کی[1061] اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد نبی ﷺ نے بنائی ہے۔

[1059] ضعیف روایت۔ الاصابہ ج اص ۱۵۴۔۱۵۵ (رقم: ۶۷۴)' حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ حدیث اسناد ضعیف سے مروی ہے۔

[1060] صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۵۵۷' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً۔

[1061] حاکم ''المستدرک'' ج ۳ ص ۱۳' از سفینہ مولی رسول اللہ ﷺ۔ اسے امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ ذہبی نے بھی یہی کہا ہے اور اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔

رؤساء اور بادشاہوں کی جانب سے علمی' دینی اور قومی اداروں کا سنگ بنیاد رکھنے کی اصل

اس سلسلہ میں گذشتہ عنوان کے تحت نقل کردہ روایت پر نظر ڈال لی جائے۔

امام کی طرف سے مسجد کی جگہ اور سمت قبلہ کا تعین

''الاصابہ'' (ج ۲ ص ۳۲) میں حضرت اسامہ الجہنی کے تذکرہ میں ہے کہ الباوردی نے از طریق معاذ بن عبداللہ بن خبیب از شخصے از اسامہ الجہنی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: میری رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے بازار میں ملاقات ہوئی' میں نے دریافت کیا: رسول اللہ ﷺ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ صحابہ نے کہا: آپ کسی قوم کے لیے مسجد کی نشاندہی کرنے تشریف لے جا رہے ہیں۔[۱۰۶۲]

''الاصابہ'' (ج ۲ ص ۲۱۱) ہی میں حضرت جابر بن اسامہ الجہنی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے امام بخاری نے ''تاریخ'' میں اور ابی عاصم اور طبرانی وغیرہ نے اسامہ بن زید از معاذ بن عبداللہ بن خبیب از جابر بن اسامہ الجہنی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے' میری بازار میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی' آپ کے صحابہ بھی آپ کے ہمراہ تھے' میں نے ان سے سوال کیا: آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: آپ کی قوم کے لیے مسجد کی جگہ کی نشاندہی فرمانے جا رہے ہیں' میں واپس آیا تو میری قوم کے لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مسجد کی جگہ کو نشان زد کر دیا اور قبلہ کی سمت ایک لکڑی گاڑ دی ہے۔[۱۰۶۳]

امام کا کسی کو مسجد کے لیے جگہ متعین کرنے پر مقرر فرمانا

''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن عمیر السدوسی کے تذکرہ میں ہے ان کے دادا نبی ﷺ کی طرف سے پانی کا برتن لائے' حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: جب تم اپنے علاقہ میں پہنچو اس پانی کو اس جگہ پر چھڑکو اور اس جگہ پر مسجد بناؤ۔[۱۰۶۴] (طبرانی فی الاوسط)

[۱۰۶۲] ضعیف روایت۔ الباوردی ''الصحابۃ'' (الاصابہ ج ۱ ص ۳۲' رقم: ۹۳) اسناد میں مجہول راوی ہے۔

[۱۰۶۳] ضعیف روایت۔ طبرانی ''الکبیر'' ج ۲ ص ۱۷۸۶۔۱۷۸۷۔۲۰۷۷' الاوسط ۱/ ۵۸/ ۲ (مجمع البحرین)' عمر بن شبہ ''تاریخ المدینۃ'': ۱۹۳۔۱۹۴' از جابر بن اسامہ الجہنی رضی اللہ عنہ۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ج ۲ ص ۱۵ میں کہا ہے: اس حدیث کو طبرانی نے ''الکبیر'' اور ''الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔ اس کے راوی معاذ بن عبداللہ بن خبیب کے حالات مجھے نہیں ملے۔

[۱۰۶۴] ضعیف روایت۔ طبرانی ''الاوسط'' (الاصابہ ج ۲ ص ۳۵۵' رقم: ۴۸۶۶)' از طریق عبداللہ بن المثنی از عمرو بن شقیق از عبداللہ بن عمیر السدوسی.........

اس کے اسناد میں عمرو بن شقیق ہے' ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' ج ۶ ص ۲۴۰ میں بغیر جرح وتعدیل کے ذکر کیا ہے۔ سو یہ مجاہیل میں سے ہے۔

مسجد نبوی شریف

"صحیح البخاری" وغیرہ میں ہے ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ نے بنوالنجار سے ان کی نماز پڑھنے کی جگہ کے بارے میں فرمایا: تم اپنا یہ باغ ہمیں قیمتاً دے دو' انہوں نے کہا: بخدا! ہم اس کی قیمت اللہ ہی سے لیں گے۔ پھر مسلمانوں نے مسجد کے قبلہ کی جانب کھجوروں کے تنے گاڑ دیئے اور دائیں بائیں پتھروں کی دیواریں چن دیں' پتھر لاتے ہوئے وہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔[۱۰۶۵]

ابن اسحاق نے کہا: مسجد کی تعمیر میں نبی ﷺ نے خود بنفس نفیس شرکت کی تاکہ مسلمانوں کو مسجد کی تعمیر میں رغبت دیں۔

ابن جماعہ نے ذکر کیا ہے نبی ﷺ نے مسجد بنانے کا حکم دیا' اسے اینٹوں سے بنایا گیا' اس کے پہلوؤں کی دیواریں پتھروں کی تھیں' ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی۔ اس کا طول اور عرض سو' سو ہاتھ کا تھا' یہ مربع شکل کی تھی' تین ہاتھ تک اس کی بنیاد پتھروں کی تھی' اوپر اینٹیں استعمال کی گئی تھیں۔

مسجد نبوی شریف کی تین بار تعمیرات

"الفجر الساطع" میں "باب بناء المسجد" میں ابن عطیہ کی تفسیر سے منقول ہے: نبی ﷺ نے تین مرتبہ مسجد تعمیر فرمائی۔ (۱) اینٹوں کا ردہ اس طرح لگایا کہ ایک اینٹ کے آگے ایک اینٹ تھی (ایک اینٹ کی دیوار تھی) (۲) چوڑائی میں ڈیڑھ اینٹ والی دیوار تھی (۳) چوڑائی میں دو اینٹ کی دیوار تھی۔ اہل عرب پہلی قسم کی تعمیر کو سمیط' دوسری کو ضفرہ اور تیسری کو الانثی والذکر کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے رہائشی مکانات

مسجد شریف کی تعمیر کے بعد نبی ﷺ نے مسجد کے بازو میں اینٹوں سے مکانات بنوائے' ان کی چھتیں کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں کی تھیں' ان کی چاردیواری اینٹوں کی تھی' شہتیروں کے لیے اندر لوہے کی روکیں لگائی گئی تھیں جن کو گارے اور اونی ٹاٹوں سے لیپ دیا گیا' ہوا کے لیے دروازے اور روشن دان رکھے گئے تاکہ ہوا کے آنے جانے میں سہولت ہو اور نقل و حرکت میں آسانی رہے' وقت کی بچت ہو اور مقصد تک رسائی جلد ممکن ہو' حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے متصل تھا' اس کا ایک دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ ابن زبالہ کے اس قول سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے گھروں کے درمیان راستہ تھا' ان کے گھر قریب تھے جس کی وجہ سے وہ باہم گفتگو کر لیتی تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا گھر حضرت

[۱۰۶۵] صحیح حدیث۔ احمد ج۳ ص۲۱۱۔۲۱۲' طیالسی: ۲۳۳۶' ابوعوانہ ج۱ ص۳۹۷' بخاری: ۴۲۸۔۱۸۶۸۔۲۱۰۶۔۲۷۷۱۔۲۹۷۹۔۳۹۳۲' مسلم: ۵۲۴۔ ابوداؤد: ۴۵۳' نسائی: ۷۰۳' ابویعلیٰ: ۴۱۸۰' ابن حبان: ۲۳۱۹' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے جنوب مشرق میں آل عمر کے گھر کی کھڑکی کے دائیں جانب تھا۔ ان کے پیچھے دیگر ازواجِ مطہرات کی رہائش گاہیں تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی کھڑکی اپنے والد ماجد کی رہائش گاہ کے قریب تھی' آپ اس کھڑکی سے ان کی خیر خبر معلوم کرتے رہتے تھے۔

علامہ سہیلی نے "الروض الانف" میں کہا ہے: نبی ﷺ کے نو گھر تھے' بعض کھجور کی ٹہنیوں سے بنائے گئے تھے اور ان پر گارے کا لیپ چڑھا دیا گیا تھا' ان کی چھتیں بھی کھجور کی ٹہنیوں کی تھیں اور بعض گھر پتھروں کو اوپر تلے رکھ کر بنائے گئے تھے' ان کی چھتیں بھی کھجور کی ٹہنیوں کی تھیں' ہر گھر میں ایک کمرہ تھا جو عرعر کی لکڑی کے ساتھ نمدے سے تیار کیا گیا تھا۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ نو رہائش گاہیں تھیں' یقیناً ان کے ساتھ قضائے حاجت کی جگہ' گھریلو ساز و سامان رکھنے کا مقام' باورچی خانہ' ملاقاتیوں کا کمرہ اور اپنی اہلیہ کے شب باشی کے لیے بھی آپ کا کمرہ ہو گا۔ اگر آپ اور آگے بڑھیں تو ہتھیار رکھنے کی جگہ' سفر سے متعلق سامانِ ضرورت رکھنے کی جگہ' جانوروں' گھوڑوں' بکریوں اور گدھوں کے باڑے وغیرہ تمام چیزیں آپ کی ملکیت میں تھیں' اسی طرح بیت المال کے لوازم' مہمان خانے' جیل' دوا خانے اور اصحاب صفہ کا ٹھکانہ وغیرہ جیسی دیگر ضروریات کے لیے بہت سی عمارتوں کی ضرورت تھی اور یہ چیزیں موجود تھیں کیونکہ ان لوازمِ زندگی اور ضروریات کے لیے کثیر التعداد عمارتیں ضروری تھیں' آج کل اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں' ان کا خیال ہے کہ نبی ﷺ کی رہائش گاہیں نہایت تنگ اور معمولی سی تھیں' ذرا سوچیے مذکورہ بالا چیزوں کی ضرورت تو اسلامی مملکت کی بنیادی ضرورت تھی اور آپ نے مدینہ طیبہ میں دس سال سے زائد عرصہ بسر فرمایا اور اسلامی مملکت کا رقبہ لاکھوں مربع میل تک وسیع ہو گیا' اس وقت تک ان عمارتوں میں کس قدر توسیع ہوئی ہو گی؟ اس دوران غزوات اور سرایا ہوئے اور مختلف علاقوں میں نگران (طلایہ گرد) دستے روانہ کیے گئے' بے شمار وفود آئے' ملکی' غیر ملکی مہمان اور سفراء کی آمد و رفت رہی' کیا یہ سب کچھ بغیر انتظام اور انصرام کے ہوا اور ان کے لیے ضروری عمارتیں اور دیگر لوازم موجود نہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے چبوترے کی تعمیر

علامہ ابو محمد بن حبان نے "اخلاق النبی ﷺ" میں حضرت ابو ہریرہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے نبی ﷺ اپنے اصحاب میں تشریف فرما ہوتے' اجنبی شخص آتا وہ آپ کو نہ پہچانتا اور آپ کے متعلق دریافت کرتا' ہم نے آپ سے اس چیز کی اجازت طلب کی کہ ہم آپ کے لیے ایک مخصوص جگہ بنا دیں تاکہ ناواقف شخص کو آپ کے بارے میں معلوم ہو جائے' پھر ہم نے آپ کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا' آپ وہاں تشریف فرما ہوتے اور ہم آپ کے دائیں بائیں بیٹھتے تھے۔[1066]

"صحیح مسلم" کی "کتاب الایمان" میں جبریل علیہ السلام کی آمد کے قصہ میں یہ حدیث مذکور

[1066] صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۴۶۹۸' نسائی ج ۸ ص ۱۰۱۔۱۰۲' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ہے۔[۱۰۶۷] علامہ خزاعی نے اسے ابن حبان کے حوالہ سے ذکر کیا ہے' یہ ان کی بھول اور غفلت ہے' یہ چبوترہ کہاں تھا؟ مسجد نبوی میں آج کل یہاں اسطوانۃ الوفود ہے یہ چبوترہ وہیں تھا' مسجد نبوی کی تواریخ میں ہے کہ اس ستون کو اسطوانۃ الوفود کہنے کی وجہ یہی ہے کہ آپ عرب کے وفود سے اسی جگہ ملاقات فرماتے تھے۔

علامہ السمہودی نے ''الوفاء'' میں اور سید جعفر البرزنجی نے ''النزھۃ'' میں اس پر بحث کی ہے۔

اسلام میں پہلے معمار

''نفحۃ الحدائق والخمائل فی ذکر الابتداع والاختراء الاوائل'' میں ہے اسلام میں سب سے پہلے معمار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔

تعمیرات میں صحیح قواعد کا خیال رکھا جائے' رسول اللہ ﷺ کی ہدایت

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں اپنی سند سے بہز بن حکیم کی اپنے والد اور دادا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ بیمار ہو جائے اس کی عیادت کرو' اگر وہ فوت ہو جائے اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ' اگر وہ تم سے قرض مانگے اس کو قرض دو' اگر وہ ننگا ہو اس کا ستر ڈھانپو' اگر اسے خیر ملے تو اس کو مبارک باد دو' اگر اس پر مصیبت آ پڑے اس کی تعزیت کرو' اپنا گھر اس کے گھر سے اونچا نہ بناؤ کہ اس کی ہوا (کا راستہ) بند ہو جائے اور اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے اسے ایذا نہ دو مگر یہ کہ چمچہ بھر سالن اس کے لیے بھی بھیج دو۔[۱۰۶۸]

امام بیہقی نے کہا: اس کا اسناد ضعیف ہے اور اس کے شواہد میں ابن عدی نے ''الکامل'' میں' از طریق عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود اسے مرفوعاً روایت کیا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے گھر کے سامنے بلند عمارت نہ بناؤ جس سے تم اس تک آنے والی ہوا کو روک لو مگر اس کی اجازت سے۔[۱۰۶۹]

حافظ سیوطی کی کتاب ''کوکب الروضۃ'' کے آخری صفحات دیکھئے۔ اور گزشتہ اوراق میں تعمیرات کے بارے میں آپ ﷺ کی ہدایات اور مہارت کے متعلق باب کا مطالعہ کریں آپ کو نہایت نفیس اور عمدہ معلومات حاصل ہوں گی۔

رسول اللہ ﷺ کا مسجد ضرار کو منہدم کروانا

اس مسجد کو مسجد ضرار کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس کی بنیاد ضرر پر رکھی گئی تھی' یہ بارہ منافق تھے جنہوں نے یہ مسجد

[۱۰۶۷] صحیح حدیث۔ مسلم: ۹' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' اس میں آخری جملہ نہیں ہے۔

[۱۰۶۸] ضعیف روایت۔ طبرانی ''الکبیر'' ج ۱۷ص ۱۰۱۴' از معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ۔ ''مجمع الزوائد'' ج ۸ص ۱۶۵ میں ہیثمی نے اس کے راوی ابوبکر الہذلی کو ضعیف کہا ہے۔

[۱۰۶۹] ضعیف روایت۔ الخرائطی ''مکارم الاخلاق ومعالیھا'': ۱۰۴' ابن عدی ''الکامل'' از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود۔

بنائی تھی' نبی ﷺ نے ان سے اس مسجد میں نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا" آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو اس مسجد کی تعمیر کی غرض سے آگاہ فرمایا گیا کہ ان لوگوں کا مقصد اہل ایمان میں تفریق پیدا کرنا اور ان کا ارادہ رسول اللہ ﷺ پر طعن ہے تاکہ مسلمان اختلاف کا شکار ہوں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ (التوبہ:۱۰۷)

اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور کمین گاہ بنانے کے لیے اس شخص کی جو پہلے سے جنگ کر رہا ہے اللہ اور اس کے رسول سے' اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں○

نزولِ وحی کے بعد حضور ﷺ نے اس مسجد کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا اور وہاں کوڑی بنانے کا حکم دیا' جہاں مردار' غلاظت اور کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا۔ اور آپ نے حضرت مالک بن الدخشم اور حضرت معن بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا: تم اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں' اسے منہدم کردو اور آگ لگادو۔

ایک روایت میں ہے آپ نے حضرت مالک' معن' ان کے بھائی اور بغوی کی روایت کے مطابق حضرت عامر بن السکن اور حضرت حمزہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہم کو بھیجا' مسجد ضرار کو جلا کر زمین کے برابر کردیا گیا۔ اس میں موجود منافق بھاگ گئے' جب آپ (غزوۂ تبوک کے بعد) مدینہ طیبہ میں تشریف لائے' آپ نے یہ جگہ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو گھر بنانے کے لیے عطا فرمائی' انہوں نے عرض کیا: میں یہاں گھر نہیں بناؤں گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ایسا ایسا نازل فرمایا ہے' آپ یہ جگہ ثابت بن اقرن رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادیں کیونکہ ان کا گھر نہیں ہے' حضور ﷺ نے یہ جگہ ان کو عطا فرمادی' اس گھر میں ان کے ہاں کسی بچے کی ولادت نہیں ہوئی یہاں تک کہ کسی کبوتر اور مرغی کے بھی چوزے نہیں ہوئے۔[۱۰۷۰]

ابن المنذر نے ابن جبیر' ابن جریج اور قتادہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہاں ایک جگہ کو کھودا گیا تو وہاں سے دھواں نکلتا دکھائی دیا۔

تفسیر الواحدی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور عام مفسرین سے منقول ہے کہ مسجد ضرار بنانے والے بارہ اشخاص تھے' ابن اسحاق[۱۰۷۱] اور اس کے بعد سہیلی' العمری وغیرہ نے ان کے نام بیان کیے ہیں۔ (شرح المواہب) اس سلسلہ میں گذشتہ اوراق میں حدود کی بحث ملاحظہ کریں۔

۱۰۷۰ ضعیف روایت۔ طبری' جامع البیان': ۱/۲۰۰۷' از طریق ابن اسحاق از زہری' یزید بن رومان' عبد اللہ بن ابی بکر وغیرہ۔ واحدی "اسباب النزول": ۵۲۷' طبری ج ۱۱ص ۱۹' از طریق علی بن ابی طلحہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اس علی کا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے۔

۱۰۷۱ "السیرۃ النبویہ" ابن ہشام ج ۱ص ۵۲۲۔ ۵۲۳۔

ابن خویز منداد نے ''احکام القرآن'' میں مسجد ضرار والی آیت میں کہا ہے: یہ آیت کریمہ مساجد میں ضرر رسانی سے ممانعت کی متضمن ہے اور یہ کہ مساجد کی تعمیر کا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں ہونا چاہیے ہمارے اصحاب نے کہا ہے: کسی مسجد کے نمازیوں کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کے پہلو میں دوسری مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ ایسی مسجد کا منہدم کرنا واجب ہے اور اس کی تعمیر کو روکنا لازم ہے' البتہ اگر آبادی بہت ہو اور ایک مسجد میں نمازی نہ سما سکیں تو دوسری مسجد بنائی جا سکتی ہے۔

اسی طرح ایک شہر میں دو جامع مسجدوں کا مسئلہ ہے' اگر شہر کی ایک جامع مسجد میں نمازی نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں تو دوسری مسجد کی تعمیر سے روکنا واجب ہے' اگر کسی نے دوسری مسجد میں نماز جمعہ ادا کی' اس کی نماز جائز نہیں ہوگی۔

قاضی ابو الولید ابن رشد کی ''البیان والتحصیل'' میں ہے امام مالک سے ایسے قبیلہ کے بارہ میں سوال کیا گیا جن کی نماز کے لیے مسجد موجود ہے' پھر ایک شخص اس کے قریب دوسری مسجد بنانا چاہتا ہے' کیا یہ درست ہے؟ امام مالک نے جواب دیا: ضرار میں خیر نہیں خصوصاً مساجد میں' البتہ اگر کوئی مسجد لوگوں کی بہتری اور خیر کے ارادہ سے بنائی جائے تو اس میں حرج نہیں ہے' لیکن نقصان پہنچانے میں خیر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''والذين اتخذوا مسجدا ضرارا'' اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی ضرر پہنچانے کے لیے۔ کسی چیز کے ضرار میں خیر نہیں ہے۔

دو مسجدوں میں سے دوسری مسجد کے متعلق بقول ابن رشد امام مالک نے فرمایا: جس نے کسی مسجد کے قریب پہلی مسجد کے نمازیوں کو ضرر پہنچانے کے لیے اور ان کی جماعت کو منتشر کرنے کے لیے مسجد بنائی تو یہ سب سے عظیم ضرر ہے۔

کیونکہ دین سے متعلق ضرر جان اور مال کے ضرر سے شدید تر ہوتا ہے' خصوصاً مسجد کے معاملہ میں جو دین کے ستون نماز کی ادائیگی کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (آیات ۱۰۷ تا ۱۱۰)

اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور کمین گاہ بنانے کے لیے اس شخص کی جو پہلے سے جنگ کر رہا ہے اللہ اور اس کے رسول سے' اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ۝ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں' البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں' اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند

فرماتا ہے O تو کیا جس نے اللہ سے ڈرنے اور اس کی
رضا پر اپنی عمارت (مسجد) کی بنیاد قائم کی وہ اچھا ہے یا
وہ شخص جس نے ایسے گڑھے کے کنارے پر اپنی عمارت
کی بنیاد رکھی جو گرنے کے قریب ہے تو وہ اسے لے کر
جہنم کی آگ میں گر پڑا اور اللہ ظلم کرنے والی قوم کو
ہدایت نہیں دیتا O ان کی وہ عمارت جو انہوں نے بنائی
(گرنے کے) شک وشبہ کی وجہ سے ہمیشہ ان کے دلوں
میں کھٹکتی رہے گی' مگر یہ کہ ان کے دل پارہ پارہ ہو
جائیں' اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے O

دوسری مسجد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد" لا تقم فيه ابدا " (آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں) غور وفکر کا تقاضہ کرتا ہے' اگر معلوم ہو جائے کہ دوسری مسجد کی تعمیر سے اس کے بانی کا ارادہ نقصان پہنچانا اور جماعت میں تفریق ڈالنا ہے تو اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں' ایسی مسجد کو جلانا اور منہدم کر دینا واجب ہے اور اس مقام کو کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنا دیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار سے معاملہ فرمایا تھا۔ اور اگر دوسری مسجد کے بانی کا ارادہ نقصان پہنچانے کا نہ ہو بلکہ وہ اس تعمیر سے قرب خداوندی کا دعویٰ دار ہو لیکن اس مسجد کا وجود پہلی مسجد والوں کے لیے ضرر رساں ہو تو اسے منہدم نہیں کیا جائے گا' اسے جائے نماز بنا کر اس میں نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ البتہ اگر نمازیوں کی کثرت کے باعث وہاں نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آ جائے یا پہلی مسجد منہدم ہو جائے تو وہاں نماز پڑھی جائے گی۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: ان نصوص پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے اس زاویہ (خانقاہ) کو جلانے کا حکم دیا' جسے کتانی فقراء کی جماعت میں تفریق پیدا کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ شاویہ میں قبیلہ احزاب کے اس زاویہ کو جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صالح اعمال کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

تعمیراتی کام کے لیے ماہر کا انتخاب

علامہ ابوبکر بن فتحون نے اپنی کتاب" ذيل الاستيعاب "میں کہا ہے حضرت قیس بن طلق الحنفی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے' آپ اپنی مسجد بنا رہے تھے وہ بھی اس کام میں شامل ہو گئے' نبی ﷺ نے ان کے ذمہ گارے کی تیاری لگا دی کیونکہ آپ نے دیکھا وہ یہ کام اچھے طریقہ سے کرتے ہیں۔

علامہ کتانی کہتے ہیں:" الاصابه "میں حضرت طلق بن علی الیمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے' ان کی یہ حدیث " السنن "میں ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مٹی اس کے قریب کرو کیونکہ یہ گارا بنانا جانتا ہے[1072]

[1072] الاصابہ ج ۲ ص ۲۳۲' رقم: ۴۲۸۳۔

''طبقات ابن سعد'' میں ان کے تذکرہ میں ہے حضرت طلق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اپنی مسجد بنا رہے تھے' مسلمان بھی آپ کے ساتھ شریک تھے' مجھے گارا تیار کرنے میں مہارت تھی' سو میں بیلچہ لے کر گارا تیار کرنے لگا' رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھتے رہے اور فرمایا: یہ حنفی گارے والا ہے۔

علامہ خزاعی نے ابن فتحون کے حوالہ سے جس حدیث کو ذکر کیا ہے اسے ابن حبان نے ''صحیح'' میں حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' حضرت طلق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا' میں نے گارا بنانے کے لیے بیلچہ لیا' آپ کو گویا میرا کام پسند آ گیا' آپ نے ارشاد فرمایا: حنفی اور مٹی کو چھوڑ دو' یہ تم سب میں اچھا گارا بناتا ہے۔[۱۰۷۳]

ابن رشد کی ''البیان والتحصیل'' میں امام مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر پر کھڑے ہوئے' آپ نے اس کی اینٹوں کو گڈمڈ دیکھ کر ان کو درست کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند فرماتا ہے جب بندہ کوئی کام کرے تو اسے اچھے اور مکمل طریقہ سے کرے۔[۱۰۷۴]

مؤلف کتاب علامہ کتانی کہتے ہیں: اب یہاں سے تعمیرات سے متعلق عنوانات کے اختتامی ابواب شروع ہوتے ہیں۔

(۱) اس کی ابتدا ہم شیخ ابو محمد عبدالقادر الفاسی کے قول سے کرتے ہیں' انہوں نے صحیح البخاری پر اپنی تعلیق میں راوی کے قول ''نبی ﷺ نے بھنی ہوئی بکری نہیں کھائی'' پر کہا ہے: نبی ﷺ اس طرح نہیں کرتے تھے' آپ کو جو کچھ بآسانی میسر آ جاتا خواہ وہ بھنی ہوئی بکری ہو یا کھانے کی کوئی اور چیز' آپ اسے تناول فرما لیتے تھے۔ کھانا پلیٹ میں ہوتا یا دستر خوان پر' آپ تکلف نہ فرماتے۔ اسی طرح آپ کی رہائش گاہوں اور دیگر عمارتوں کا معاملہ تھا۔

(۲) عوالیٔ مدینہ میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا نقشہ کیسا تھا؟

حافظ ابن الابار مدفون تونس نے ''تکمیل الصلة البشکوالیة'' میں محمد بن حزم بن بکر التنوخی الطلمنکی معروف با بن المدینی کے تذکرہ میں کہا ہے کہ وہ عرصۂ دراز تک محمد بن مسرہ کے ساتھ رہے۔ حج کے سفر میں بھی ابن المدینی ان کے ساتھ تھے' حج کے سفر سے واپسی کے بعد بھی ابن المدینی نے محمد بن مسرہ کی صحبت کو لازم رکھا' ابن المدینی بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مسرہ مدینہ طیبہ میں اقامت کے دوران نبی ﷺ کے آثار کو

۱۰۷۳ قوی الاسناد حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'': ۸۲۴۲' ابن حبان: ۱۱۲۲' دارقطنی ج۱ ص ۱۴۸۔۱۴۹' بیہقی ج۱ ص ۱۳۵' از قیس بن طلق از والد خود۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج۲ ص۹) میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اس کو احمد اور طبرانی نے ''الکبیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں' امام احمد نے اس روایت کو ''المسند'' میں مسند طلق میں روایت نہیں کیا شاید کسی اور جگہ ذکر کیا ہوگا۔ طبرانی نے اس حدیث کو مندرجہ ذیل دو طریقوں سے روایت کیا ہے: از ایوب بن عتبہ از قیس بن طلق از والد خود۔ الحازمی نے ''الاعتبار'' (ص ۴۵) میں اس حدیث کو از طریق لوین از محمد بن جابر از عبداللہ بن بدر از طلق بن علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے' درمیان میں قیس بن طلق نہیں ہے۔

۱۰۷۴ صحیح حدیث۔ بیہقی ''شعب الایمان'' (الجامع الصغیر: ۱۸۸۰) از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۱۱۳)

تلاش کرتے رہتے تھے' اہل مدینہ میں سے کسی صاحب نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ حضور ﷺ کی باندی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا پتہ بتایا' وہ وہاں گئے انہوں نے دیکھا وہ مدینہ طیبہ کے مشرق میں باغات میں گھرا ہوا چھوٹا سا خوبصورت گھر تھا' اس کا طول وعرض برابر تھا' اس کے درمیان میں دیوار تھی' دیوار کے ساتھ موٹی لکڑی تھی' جس کی مدد سے اوپر کشادہ جگہ پر چڑھتے تھے' اس پر دو کمرے اور سائبان تھا جو موسم گرما میں نبی ﷺ کی نشست گاہ تھا' ابن المدینی کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ کو دیکھا اس نے دونوں کمروں' سائبان اور اس گھر کے ہر گوشہ میں نماز پڑھی' نماز کے بعد بالشت سے ان دو کمروں کو ناپنے لگے' سفر حج کے بعد جب کہ وہ پہاڑ میں مقیم تھے مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ یہ گھر جو تم دیکھ رہے ہو یہ بغیر کسی کمی بیشی کے لمبائی چوڑائی میں اس گھر کے مطابق ہے۔ (مخطوطہ ۶۳۰ھ تقریباً' التکملة العتیقة' اس کا پہلا حصہ پیرس سے شائع ہو چکا ہے)

(۳) اس میں نبی ﷺ کی مرفہ الحالی' آپ کے جود وکرم اور بے مثال عطایا کا ذکر ہے' جس کا مقابلہ کوئی سخی سے سخی بادشاہ نہیں کر سکتا۔

حافظ سخاوی نے ''الشفاء'' میں قاضی عیاض سے نقل کیا ہے نبی ﷺ کو زمین کے خزائن اور ملکوں کی کنجیاں عطا کی گئیں' آپ کے لیے مال غنیمت کو حلال کیا گیا جو اس سے قبل کسی کے لیے حلال نہ تھا' آپ کی حیات طیبہ میں حجاز' یمن' عرب کے تمام علاقے' جزیرۃ العرب سے متصل شام اور عراق کے علاقے فتح ہو گئے' ان علاقوں سے خمس' جزیہ اور صدقات اس قدر آئے جو صرف چند بادشاہوں کو ملے ہوں گے' کئی ملکوں کے سربراہوں نے آپ سے صلح کر لی' اس کے باوجود آپ نے اپنی ذات کو ترجیح نہیں دی اور اس مال سے ایک درہم نہ لیا بلکہ سب مال اس کے مصارف میں خرچ فرمایا' دوسروں کو غنی کر دیا اور مسلمانوں کو اس مال کے ذریعہ طاقت ور بنا دیا۔ ارشاد فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اس میں سے ایک دینار رات کو میرے پاس رہے' سوائے اس دینار کے جسے میں قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں۔[۱۰۷۵]

آپ مال فے اور اپنے مختص حصہ میں سے اپنے اہل وعیال کی اور اپنی سال بھر خوراک رکھتے باقی راہِ خدا میں گھوڑوں اور اسلحہ کی خریداری میں لگا دیتے تھے۔

روایات سے ثابت ہے آپ نے مال فے میں سے اپنے چار اصحاب میں ایک ہزار اونٹ تقسیم فرما دیئے' اپنے عمرہ کے سفر میں سو اونٹنیاں ساتھ لے گئے اور ان کو نحر فرما کر مساکین کو کھلا دیا' ایک اعرابی کو آپ نے بکریوں کا ریوڑ عطا فرما دیا' خیبر کے اموال سے صحابہ کرام کی جماعت کو کثیر مال عطا فرمایا' فدک' قریظہ اور بنونضیر خالصتاً آپ کے لیے تھے' صحابہ کرام کی ایک جماعت صاحب حیثیت اور مال داروں پر مشتمل تھی۔ جیسے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ بن عبیداللہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات آپ کے حکم پر ہر وقت جان اور مال خرچ کرنے پر تیار رہتے تھے۔ آپ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا تمام اثاثہ لے کر حاضر ہوئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصف مال لائے'

۱۰۷۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۳۸۹۔ ۶۴۴۵۔ ۷۲۲۸' مسلم: ۹۹۱' احمد ج ۲ ص ۲۶۷۔ ۵۳۰' ابن ماجہ: ۴۲۳۱' ابن حبان: ۳۲۱۴' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر کی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ نے توجہ دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کیے۔

ابوالشیخ اور ابن سعد نے از طریق علی بن زید از اسحاق بن عبد اللہ بن الحرث بن نوفل از والد خود روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ستائیس اونٹنیوں کے عوض حلہ خرید کر زیب تن فرمایا[1076] ابن سعد کی روایت میں اوقیہ کا لفظ ہے' اس کے رجال ثقات ہیں لیکن علی اور اسحاق میں کلام ہے۔

''طبقات ابن سعد'' میں ابن سیرین کے طریق سے مروی ہے نبی ﷺ نے حلہ یا کپڑا انتیس اونٹنیوں کے عوض خریدا[1077] (القسم الثانی ج۱ص ۱۵۵)

''طبقات'' ہی میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ذی یزن کے لیے تیار کردہ حلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔ حکیم بن حزام اس وقت مشرک تھے' انہوں نے یہ حلہ پچاس دینار میں خریدا تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم مشرک سے ہدیہ نہیں لیتے لیکن چونکہ تم نے روانہ کیا ہے ہم اس کو قیمتاً لیں گے' تم نے اسے کتنے کا خریدا ہے؟ انہوں نے کہا: پچاس دینار کا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قیمت وصول کر لی' پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا اور جمعہ کے خطبہ کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے' جب رسول اللہ ﷺ نیچے اترے آپ نے حلہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو پہنا دیا۔[1078]

عارف نابلسی نے ''شرح الطریقة المحمدیه'' میں اپنے والد شیخ اسماعیل کی ''الدرر'' پر شرح سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ ایک روز باہر تشریف لائے آپ پر ایک ہزار درہم کی چادر تھی۔ کبھی آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور آپ پر چار ہزار درہم مالیت کی چادر ہوتی۔ (ج۲ص ۳۶۴) اسی طرح الخادمی نے اس کی شرح میں فقہ حنفی کی معروف کتاب ''التتار خانیه'' سے نقل کیا ہے۔ (ج۳ص ۳۶)

ابن مندہ اور المستغفری نے روایت کیا ہے کہ عبدالعزیز بن سیف بن ذی یزن الحمیری نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کئی حلّے بطور ہدیہ پیش کیے' نبی ﷺ نے ان میں سے ایک حلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا' یہ حلہ بیس اونٹوں کے بدلے فروخت ہوا[1079] تفصیل کے لیے ''الاصابه'' میں عبدالعزیز کا تذکرہ ملاحظہ کریں۔

[1076] ضعیف الاسناد روایت۔ ابن سعد ''الطبقات'' اس کے اسناد میں علی بن زید بن جدعان ہے' ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (ج۶ص ۱۸۶-۱۸۷) میں امام احمد سے نقل کیا ہے: یہ قوی نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ حجت نہیں ہے۔
اس کے اسناد میں ایک اور راوی اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث بن نوفل کو ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (ج۲ص ۲۲۷) میں بغیر جرح وتعدیل کے ذکر کیا ہے۔

[1077] مرسل ابن سعد ''الطبقات'' ج۱ص ۱۵۵۔

[1078] حسن حدیث۔ ابن سعد ''الطبقات'' ج۴ص ۴۸۔ از حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ۔ اس کے ایک راوی عبید اللہ بن المغیرہ کو ''التقریب'' (رقم: ۴۳۴۳) میں صدوق کہا گیا ہے۔

[1079] ضعیف الاسناد حدیث۔ اس میں متعدد مجاہیل ہیں۔ اس حدیث کو مستغفری اور ابن مندہ نے از ابراہیم بن عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز بن المسفر بن عقیر بن زرعہ بن سیف بن ذی یزن روایت کیا ہے۔ (الاصابہ ج۲ص ۴۲۸' رقم: ۵۲۴۲)

''الاصابہ'' ہی میں حضرت ہانی بن حبیب الداری کے تذکرہ میں الرشاطی سے نقل کیا ہے کہ داریوں کا وفد حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور رسول اللہ ﷺ کو ایسی قبا ہدیہ کی جس پر سونے کا کام تھا' آپ نے یہ قبا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی' انہوں نے یہ قبا ایک یہودی کو آٹھ ہزار میں فروخت کر دی۔[1080]

''ارشاد الساری'' میں ''باب مناقب ابی بکر'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ پر چالیس ہزار درہم خرچ کیے۔ نبی ﷺ کی عطا اس ہستی کی عطا تھی جسے فقر و فاقہ کا خدشہ نہ تھا' آپ نے کئی افراد کو سو' سو اونٹ عطا فرمائے' سو اونٹ حاصل کرنے والے کثیر لوگوں میں حضرت ابوسفیان' ان کا بیٹا حضرت معاویہ اور حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ برھان الحلبی نے ان افراد کو شمار کیا ہے اور کہا ہے: یہ ساٹھ (۶۰) مؤلفۃ القلوب تھے۔ ''تخریج احادیث الشفاء'' میں شیخ قاسم بن قطلو بغا نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ آپ نے صفوان بن امیہ کو پہلے سو اور پھر سو اونٹ عطا فرمائے۔

ابن فارس نے اپنی کتاب ''اسماء النبی ﷺ'' میں ذکر کیا ہے فتح خیبر (صحیح فتح حنین ہے' مترجم) کے ایام میں ایک خاتون آپ کے پاس آئیں اس نے آپ کے ہوازن میں ایام رضاعت کے زمانہ سے متعلق اشعار کہے' آپ نے ان (ہوازن) سے حاصل کردہ واپس فرما دیا[1081] اور ان کو عطائے کثیر سے نوازا حتیٰ کہ یہ عطا پانچ کروڑ کی مالیت تک جا پہنچی ابن دحیہ نے کہا: یہ جود و سخا کی انتہاء ہے اس قدر جود و سخا کبھی سننے میں نہیں آئی۔

''الشفاء'' اور اس کی شرح میں ہے آپ نے ہوازن کے قیدی واپس کر دیئے جن کی تعداد چھ ہزار تھی[1082] ان میں عورتیں اور بچے شامل تھے' مال غنیمت اس کے علاوہ تھا' مالِ غنیمت میں چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی' ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ ابن فارس نے ہوازن کے لیے آپ کی عطا کی مالیت پانچ کروڑ بیان کی ہے' ایک قول کے مطابق اس کی مالیت چھ کروڑ تھی۔

ابن حجر المکی نے ''المنح المکیۃ'' میں کہا ہے: قیدی عورتوں اور بچوں کی تعداد چھ ہزار تھی' اونٹ چوبیس ہزار' بکریاں چالیس ہزار سے زائد اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت میں شامل تھی۔

''المقالات السنیۃ'' میں ہے:

آپ نے ہوازن کے قیدیوں کی بھاری تعداد واپس فرما دی' جب آپ کے جود و کرم نے عطا و سخا کا مظاہرہ کیا'

[1080] الاصابہ ج ۳ ص ۵۹۵ (رقم: ۸۹۱۸) از رشاطی بلا اسناد۔

[1081] ''صحیح السیرۃ النبویۃ'' ابراہیم العلی: ۴۱۰ ص ۲۵۱۔

[1082] احمد ج ۶ ص ۲۷۷' حاکم ج ۴ ص ۲۶' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (بلا تبصرہ حاکم و ذہبی) ابن اسحاق ''السیرۃ النبویۃ'' مصطفےٰ ج ۲ ص ۲۹۴' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۴ ص ۶۱' ''الفتح الربانی'' ج ۱۴ ص ۱۰۹۔۱۱۰ میں ساعاتی نے کہا ہے: اس کی سند جید ہے۔ ابوداؤد: ۲۹۳۱' بہ سند حسن۔

آپ کی توجہ کے طالب ہو کر جب ان کا کہنے والا کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم پر احسان اور کرم فرمایئے
ہم نعمتوں کے انکار کے وقت ان پر مشکور ہوتے ہیں اور ہمارا شکر یہ بڑھتا رہتا ہے کبھی ختم نہیں ہوتا'
اے وہ بہترین شخص جس کی سواری سے کمیت' اصیل گھوڑے سخت جنگ کے دوران حملہ کرتے ہوئے اترا کر چلتے ہیں'
ہم آپ سے ایسے عفوودرگذر کے امیدوار ہیں جو لوگوں کی نامعقول باتوں کی پردہ پوشی کردے' اے ٹھنڈے میٹھے پانی کے گھاٹ!
آپ درگزر فرمائیں' اللہ آپ کو اس پر قیامت کے دن عفوودرگذر سے نوازے' جبکہ انسان ندامت میں ہوں'
ان خواتین پر احسان فرمائیں جنہوں نے آپ کو بچپن میں دودھ پلایا تھا' آپ مخلوق میں ان کی حفاظت کے زیادہ حق دار ہیں'
اس وقت آپ نے کس قدر منت لگائی اور انعام فرمائے اور آپ کے احسان کے فیض عام کتنا اظہار ہوا
آپ نے ان کو پانچ کروڑ عطا فرمائے' یہ دن آپ کے فیض عام کی وسعت کا دن تھا
یہ آپ کی ایسی جودوسخا تھی کہ کسی صاحب جودوسخا نے آج تک ایسی سخاوت اور کرم کا مظاہرہ نہیں کیا'
قیصر و کسریٰ بھی آپ کی عطا کو نہیں پہنچتے' آپ کو کمی کا کوئی خدشہ اور اندیشہ نہ تھا'
آپ نے پردہ دار خواتین' طویل القامت جی دار تیغ زن مرد (آزاد کیے) اور ہزاروں نعمتیں عطا فرما رہے تھے۔

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کے پاس بحرین (بصرہ اور عمان کے درمیان علاقہ) سے مال لایا گیا' آپ نے فرمایا: اسے مسجد میں ڈال دو۔ دراہم کی صورت میں لایا جانے والا یا باہر سے لایا جانے والا یہ سب سے زائد مال تھا (یہ اس کے منافی نہیں کہ خیبر میں آپ کو اس سے زائد ملا تھا) آپ مسجد کی طرف تشریف لائے' مال کی طرف توجہ نہ فرمائی' جب نماز ادا کر چکے مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے' جو بھی نظر آیا اسے عطا فرمایا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا: یارسول اللہ! مجھے عطا فرمائیں' میں نے (غزوۂ بدر کے موقع پر) اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے' آپ نے فرمایا: لے لو' انہوں نے اپنے کپڑے میں بھر لیا اور اسے اٹھا نہ سکے' کہنے لگے: یارسول اللہ! کسی کو حکم دیں اسے میرے اوپر رکھ دے' آپ نے فرمایا: نہیں' عرض کیا تو پھر آپ ہی اٹھوالیں' آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت عباس نے اس میں کچھ کم کر دیا پھر اٹھانے لگے نہ اٹھا سکے' پھر درخواست کی: یارسول اللہ! کسی کو حکم دیں مجھ سے اٹھوالے' آپ نے فرمایا: نہیں' کہا: آپ ہی اسے اٹھوالیں' آپ نے فرمایا: نہیں' انہوں نے اس میں سے اور کم کر دیا پھر اسے اپنے کندھے پر ڈال دیا۔ ابن کثیر کہتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ دراز قد' طاقت ور انسان تھے' چالیس ہزار کے قریب دراہم اٹھا کر چلے' رسول اللہ ﷺ ان کو برابر دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے' آپ ان کے حرص پر تعجب فرما رہے تھے' آپ وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک ایک درہم باقی رہا۔[۱۰۸۴]

۱۰۸۴۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۳۱۶۵' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے یہ ایک لاکھ درہم تھے' حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے یہ رقم بحرین کے خراج کی مد میں بھیجی تھی' یہ پہلا مال تھا جو آپ کی خدمت میں لایا گیا تھا۔

حضور ﷺ کبھی مال فقراء پر خرچ فرماتے' کبھی محتاجوں پر' کبھی راہِ خدا میں اور کبھی غیر مسلموں اور نومسلموں کی تالیف قلوب پر خرچ فرماتے تھے۔ ایسی عطا فرماتے کہ قیصر وکسریٰ بھی ایسی عطا سے عاجز رہیں' خود فقراء جیسی زندگی بسر فرماتے تھے اور کبھی اپنے شکم پر پتھر باندھتے تھے' آپ فراخی اور تنگی ہر حال میں گزر بسر فرماتے تھے اور یہ چیز مذکور الصدر اقوال اور احوال کے منافی نہیں ہے۔

''فتح الباری'' میں ہے طبری نے کہا: آپ کی حالتِ فقر عذر یا تنگدستی کے باعث نہ تھی۔ ''شعب الایمان'' میں حلیمی کا یہ قول منقول ہے کہ آپ کی عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کا ایسا وصف نہ بیان کیا جائے جو لوگوں کے نزدیک کم تر ہو اس لیے حضور صلی اللہ عیہ وسلم کو فقیر نہیں کہا جائے گا' بعض حضرات آپ پر زہد کے اطلاق کے بھی انکاری ہیں' قاضی عیاض نے ''الشفاء'' میں ذکر کیا ہے اور ان سے تقی السبکی نے نقل کیا ہے کہ فقہاء اندلس نے صالح الطلیطلی کے قتل اور سولی پر لٹکانے کا فتویٰ دیا' اس نے نبی ﷺ کو یتیم کا نام دیا اور یہ کہا کہ آپ کا زہد اختیاری نہیں اضطراری تھا' اگر آپ عمدہ غذاؤں پر قادر ہوتے تو تناول کرتے۔

شیخ بدر الدین الزرکشی نے اسے شیخ تقی الدین السبکی سے نقل کیا ہے' اور انہوں نے ''التوشیح'' کہا ہے نبی ﷺ مال کے اعتبار سے بالکل فقیر نہ تھے نہ ہی آپ کی حالت فقیرانہ تھی' بلکہ آپ غنی ترین انسان تھے' اپنے ذاتی اخراجات اور اہل وعیال کے اخراجات کے لیے آپ کے پاس وسائل کی کمی نہ تھی' آپ کی دعا تھی: اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ۔[۱۰۸۴] اس سے دل کی عاجزی مراد ہے' وہ مسکینی مراد نہیں جس میں آدمی ایک ایک لقمے کا محتاج ہوتا ہے' جو اس کے خلاف کہتا ہو وہ سخت غلطی پر ہے۔

اسے ''المواهب'' میں علامہ قسطلانی نے نقل کیا ہے' علامہ زرقانی نے ''الشفاء'' کی شرح میں کہا ہے: یہ نہایت عمدہ اور بہترین توجیہ ہے' مشہور قول ''الفقر فخری وبه افتخر'' کے بارے میں حافظ ابن حجر' العراقی اور حافظ ابن تیمیہ نے کہا ہے: یہ باطل' موضوع ہے۔[۱۰۸۵]

بعض ہم عصر علماء نے کہا ہے: اگر ہم اس قول کو بالفرض درست تسلیم کرلیں[۱۰۸۶] تو اس کا مطلب ہے کہ فقر پر فخر اور اسے مالداری پر ترجیح ابتدائے اسلام اور ہجرت کے فوراً بعد کا معاملہ ہے' اس وقت مالداری اور ثروت ممکن نہ تھی اور یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ راہِ خدا میں فقر وفاقہ معراج زندگی ہے اور اپنے ملک اور وطن کی خاطر

۱۰۸۴ حسن بشواہد۔ ترمذی: ۲۳۵۳' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے۔
ابن ماجہ: ۴۱۲۶' از ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں ابو المبارک مجہول اور یزید بن سنان ضعیف راوی ہے۔ حاکم ج ۴ ص ۳۲۲' حاکم اور ذہبی دونوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بیہقی ''شعب الایمان'': ۱۰۵۰۶۔

۱۰۸۵ موضوع حدیث۔ ابن تیمیہ ''الموضوعات'' ص ۴۷ رقم: ۱۴۔ سخاوی ''المقاصد الحسنہ'': ۷۴۵۔ شیخ ابن تیمیہ نے اس روایت کو جھوٹ اور حافظ ابن حجر نے باطل' موضوع کہا ہے۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۸۷) العجلونی۔

۱۰۸۶ موضوع کو فرض کرنا چہ معنی دارد؟

ایسے مصائب برداشت کرنا موجب فخر و شرف ہوتا ہے اور بانیانِ ملک کے لیے تنگی اور ترشی میں زندگی بسر کرنا باعثِ افتخار ہوتا ہے۔

بعد میں جب بکثرت فتوحات ہوئیں' خلفاءِ راشدین کے پاس کثیر مال جمع ہونے لگا' خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اتنا مال آیا کہ آپ اس وقت خوف زدہ ہو گئے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پانچ لاکھ درہم لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال میں اتنا مال جمع ہونے لگا کہ سالانہ چالیس ہزار اونٹ سامان لانے لگے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۱۸) چالیس ہزار اونٹ پورے ساز و سامان اور خدمت گاروں سمیت یقیناً بڑی چیز ہے۔ وسیع مالداری اور عظیم مملکت کی علامت ہے۔

''طبقات ابن سعد'' ہی میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر روز اپنے دستر خوان کے لیے بیس اونٹ نحر کرتے تھے۔ (ج ۳ ص ۲۲۷) یہ بھی فراخ دستی اور خوش حالی کی دلیل ہے۔ آج کے کسی بڑے سے بڑے حکمران کے لیے بھی ممکن نہیں کہ اس کا دستر خوان اتنا وسیع ہو کہ روزانہ بیس جوان اونٹوں کا گوشت پیش کیا جائے۔ یقیناً اللہ ہی مالک' قیوم اور فتاح ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ . اللہ لوگوں کے لیے رحمت سے جو کچھ کھولے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ (الفاطر:۲)

اب ہم نبی ﷺ کے عہد مبارک میں موجود دیگر پیشوں کے ذکر کی طرف آتے ہیں۔

رنگائی کا کام کرنے والے (رنگریز)

''سنن ابن ماجہ'' میں ابواب التجارات کے باب الصناعات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے جھوٹے لوگ رنگریز اور سنار ہیں۔[۱۰۸۷] ''النھایہ'' میں ہے یہ لوگ وعدوں کے ذریعہ ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے چکنی چپڑی باتیں کرنے والے اور بول بچن دینے والے لوگ مراد ہیں' جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔

درآمد کنندگان

''سنن ابن ماجہ'' میں ''باب الحکرۃ والجلب'' میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: باہر سے مال لانے والا رزق پانے والا اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔[۱۰۸۸]

۱۰۸۷ موضوع حدیث۔ ابن ماجہ: ۲۱۵۲' تخریج قبل ازیں گزر چکی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱۴۴)

۱۰۸۸ ضعیف حدیث۔ ابن ماجہ: ۲۱۵۳' حاکم ج ۲ ص ۱۱' از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ ذہبی نے ''التلخیص'' میں علی بن سالم کو اور بوصیری نے ''الزوائد'' میں اس حدیث کے دوسرے راوی علی بن زید بن جدعان کو ضعیف کہا ہے۔ العقیلی نے اسے ''الضعفاء الکبیر'' میں نقل کیا ہے۔ البانی نے ''ضعیف سنن ابن ماجہ'': ۴۷۱ میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

ابن قیم الجوزیہ کی ''الطرق الحکمیۃ'' میں ہے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں جو غلہ فروش باہر سے غلہ لاتا اس سے خواہش مند خود جا کر خریدتے' درمیان میں دلال نہ ہوتے تھے' اسی لیے حدیث میں آیا ہے: باہر سے مال لانے والا رزق پانے والا ہے اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔

شام سے بحری راستہ سے تجارت کرنے والے صحابہ کرام

امام بخاری نے کتاب البیوع میں کہا ہے: ''باب التجارۃ فی البحر'' مطر نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں' قرآن مجید میں حق ہی مذکور ہے' پھر یہ آیت تلاوت کی:

وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ. (النحل: ۱۴)

اور (اے مخاطب!) سمندر میں تو کشتیاں دیکھتا ہے جو پانی چیر کر اس میں چلتی ہیں اور (یہ) اس لیے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔

مجاہد نے کہا: ہوا کشتیوں کو چلاتی ہے اور سمندری ہوا کا مقابلہ بڑی بڑی کشتیاں اور بحری جہاز ہی کر سکتے ہیں۔[۱۰۸۹]

ابن الجوزی نے ''تلبیس ابلیس'' میں سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ' حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما اور دیگر شام سے بحری تجارت کرتے تھے۔ ابن القیم نے ''بدائع الفوائد'' میں امام احمد کے حوالہ سے یہی ذکر کیا ہے۔ (ج ۴ص ۴۷) مزید تفصیل کے لیے گذشتہ اوراق میں بحری بیڑے کا عنوان ملاحظہ کریں۔

چمڑے کو رنگنے والا (دباغ)

ابن الورید نے ''الوشاح'' میں باب الصناعات میں دباغ کے زیر عنوان الحرث بن صبیرہ رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا ہے۔ ''الاستیعاب'' میں ہے ابو وداعہ الحارث بن صبیرہ بن سعید بن سعد بن سہم رضی اللہ عنہ اور ان کا بیٹا فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔[۱۰۹۰]

کھجور کے پتوں سے ٹوکریاں اور چٹائیاں بنانے والے (الخواص)

حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کا یہی پیشہ تھا' مدائن کی گورنری کے دوران بھی آپ ٹوکریاں اور چٹائیاں بنا کر گزر بسر کرتے اور کہتے تھے: مجھے وظیفے کے بدلے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زندگی بسر کرنا زیادہ محبوب ہے۔[۱۰۹۱] (الاستیعاب)

[۱۰۸۹] صحیح البخاری ج ۳ص ۹ ''باب التجارۃ فی البحر'' (۱۰) رقم: ۲۰۶۳ سے قبل۔

[۱۰۹۰] ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج ۴ص ۲۱۸۔

[۱۰۹۱] ''الاستیعاب'' علی ھامش ''الاصابہ'' ج ۲ص ۵۶۔۶۱۔

''الاصابہ'' میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ جب آپ کو وظیفہ ملتا آپ اسے صدقہ کر دیتے اور کھجور کے پتوں سے چٹائیاں بناتے اور اس کی آمدنی سے گزر بسر کرتے تھے[۱۰۹۲]

تیراک

''الاصابہ'' میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام احمر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابن مندہ نے عمران النخلی کے طریق سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام احمر سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں: ہم غزوہ میں گئے میں کسی وادی یا نہر سے لوگوں کو پار کرانے لگا' نبی ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: آج کے دن تو تم کشتی ہو[۱۰۹۳] اسے المالینی نے ''النخلی'' کے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔

امام حافظ ابومہدی عیسیٰ بن سلیمان الرعینی الاندلسی المالقی نزیل دمشق نے اپنی کتاب ''الجامع لما فی المصنفات الجوامع' من اسماء الصحابۃ الاعلام اولی الفضل والاقدام'' میں اپنی سند سے رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے فرمایا: میں ایک غزوہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا ہم کسی وادی یا نہر سے گزرے' میں لوگوں کو پار کرانے لگا' نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: آج تو تم کشتی بنے ہوئے ہو[۱۰۹۴]

''الاصابہ'' میں حضرت سعد بن عبادہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ آپ دورِ جاہلیت میں عربی میں لکھتے تھے' بہترین تیراک اور تیر انداز تھے' آپ کو کامل کہا جاتا تھا[۱۰۹۵]

''الاصابہ'' ہی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں ہے بیت اللہ سیلاب میں گھر گیا تو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے تیر کر طواف کیا[۱۰۹۶]

فائدہ

سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے مدینہ میں (ایام طفولیت میں) بنوعدی بن النجار کے کنوئیں میں خوب تیرنا سیکھا۔ زرقانی نے ''شرح المواہب'' میں کہا ہے: حافظ سیوطی نے اس سے نبی ﷺ کے تیراک ہونے پر استدلال کیا ہے' اس سے انہوں نے اپنے ان معاصرین کا رد کیا ہے جو آپ کے تیراک ہونے کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں: حضور ﷺ نے سمندر کا سفر نہیں کیا اور حرمین

۱۰۹۲۔ ''الاصابہ'' ج۲ ص۶۲۔۶۳' رقم: ۳۳۵۷' تذکرہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

۱۰۹۳۔ ضعیف حدیث۔ ابن مندۃ' المالینی' ''المؤتلف'' از طریق عمران النخلی از احمر مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (الاصابہ ج۱ ص۲۳' رقم: ۵۰) ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (ج۶ ص۳۰۰) میں عمران النخلی کو بلا جرح وتعدیل ذکر کیا ہے۔

۱۰۹۴۔ الاصابہ ج۲ ص۵۸' رقم: ۳۳۳۵۔

۱۰۹۵۔ الاصابہ ج۲ ص۳۰' رقم: ۳۱۷۳۔

۱۰۹۶۔ ابن ابی الدنیا' از طریق لیث بن مجاہد (الاصابہ ج۲ ص۳۱۰۔۳۱۱' رقم: ۴۶۸۲)۔

میں سمندر (دریا) نہیں ہے۔

حافظ سیوطی نے کہا ہے: ابن القاسم البغوی اور ابن عساکر نے مرسلاً اور ابن شاہین نے موصولاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر شخص اپنے ساتھی کی طرف تیرے۔ نبی ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف تیر کر گئے یہاں تک کہ ان سے معانقہ کیا اور فرمایا: میں اور میرا ساتھی' میں اور میرا ساتھی۔[۹۷] (السیرۃ الحلبیۃ' مع الرسالۃ العلمیۃ للتجیبی ج ا ص ۱۹۲)

ابن مندہ نے از طریق اسماعیل بن عیاش از سلیم بن عمرو الانصاری از بکر بن عبد اللہ بن ربیع الانصاری روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو تیراکی اور تیراندازی سکھاؤ۔[۹۸]

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں بکر بن عبد اللہ اور اسماعیل کے تذکرہ میں کہا ہے: یہ جب کسی دوسرے شہر کے راوی سے روایت کریں وہ روایت ضعیف ہوتی ہے اور یہ روایت ایسی ہی ہے اور اس کا شیخ غیر معروف ہے۔

(ج ا ص ۱۸۰)

اس حدیث کو ''الجامع الصغیر'' میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے ''اپنی اولاد کو تیراکی اور تیراندازی سکھاؤ' عورت کا بہترین تفریحی مشغلہ سوت کاتنا ہے اور جب تجھے والدین بلائیں تو ماں کو جواب دو''۔[۹۹] اسے ابن مندہ نے ''المعرفۃ'' میں' ابوموسیٰ نے ''الذیل'' میں اور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں بکر بن عبد اللہ بن ربیع الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ المناوی نے ''التیسیر'' میں کہا ہے: اس حدیث کا اسناد ضعیف ہے لیکن اس کے شواہد ہیں۔ ''الجامع'' میں یہ حدیث ان الفاظ سے بھی مروی ہے ''اپنی اولاد کو تیراکی اور تیراندازی اور عورت کو سوت کاتنا سکھاؤ''۔[۱۰۰] اسے بیہقی کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ''التیسیر'' میں تیراکی کے بارے میں کہا ہے: یہ ہلاکت سے بچانے والی چیز ہے۔ فتح القدیر میں ہے ابوہاشم العوفی سے کہا گیا: آپ کہاں مصروف تھے؟ کہا: ایسی تعلیم میں مصروف تھا جو بھولتی نہیں اور کوئی جاندار اس سے مستغنی نہیں ہے' کہا گیا: وہ کیا ہے؟ کہا: تیراکی' کیونکہ ایسے حضرات تو موجود ہیں جن سے لکھا جاتا ہے لیکن ایسے لوگ نہیں ہیں جن سے تیرنا سیکھا جائے۔

نسائی' بزار' بغوی' باوردی' طبرانی' ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم القراب نے اپنی کتاب ''فضل الرمی'' میں' ابونعیم' بیہقی اور الضیاء نے عطاء بن رباح سے روایت کیا ہے عطاء کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت جابر بن عمیر الانصاری رضی اللہ عنہم کو دیکھا باہم تیراندازی کا مقابلہ کررہے تھے' ان میں سے ایک تھک کر

---

[۹۷] ضعیف حدیث۔ مرسل اور موصول دونوں حالتوں میں ضعیف ہے۔

[۹۸] ضعیف حدیث۔ از عبد اللہ بن الربیع۔ (الاصابہ ج ا ص ۱۶۴' رقم: ۷۲۹)۔

[۹۹] ضعیف حدیث۔ ابن مندہ ''المعرفۃ'' ''ابوموسیٰ'' ''الذیل'' ''دیلمی'' ''الفردوس'' از بکر بن عبد اللہ بن الربیع الانصاری۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۳۷۲۶۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۳۸۷۶)

[۱۰۰] نہایت ضعیف حدیث۔ بیہقی ''شعب الایمان'' از عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۳۷۲۷۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۳۸۷۷)

بیٹھ گئے تو دوسرے نے کہا: تم سست پڑ گئے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ذکرِ الٰہی کے ماسوا ہر شے لغو اور بھول ہے سوائے چار کاموں کے: نشانہ بازی، گھوڑے کی تربیت، اپنے اہل کے ساتھ دل لگی اور تیراکی سیکھنا۔[۱۱۰۱]

اسحاق بن ابراہیم القراب نے مکحول کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شام والوں کو لکھا: اپنی اولاد کو تیراکی اور شہ سواری سکھاؤ۔

القراب نے سلیمان التیمی سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی تیراک اور تیرانداز ہو۔[۱۱۰۲]

اس سلسلہ میں ''الدر المنثور'' میں آیت کریمہ: وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ . (الانفال:۶۰) کی تفسیر میں حافظ سیوطی کا رسالہ ''الباحۃ فی فضل السباحۃ'' اور ''الاکلیل'' میں سورۂ یوسف کی آیت کریمہ: إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ . (یوسف:۱۷) کی تفسیر ملاحظہ کیجئے۔ اس میں دوڑ کے مقابلوں، جسمانی ورزشوں، سواری کے جانوروں کی تربیت اور دیگر تمام ضروری مشقوں کا ذکر شامل ہے۔

پانی کی خرید و فروخت

''الاصابہ'' میں بیر رومہ کے مالک رومۃ الغفاری کے تذکرہ میں ابوسلمہ بشر بن بشیر الاسلمی کی اپنے والد سے روایت میں ہے، جب مہاجرین مدینہ طیبہ میں آئے انہیں وہاں کا پانی پسند نہ آیا، بنوغفار کے ایک شخص کا چشمہ تھا جسے بیر رومہ کہتے تھے، وہ ایک مُد کے عوض پانی کا مشکیزہ دیتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اسے جنت کے چشمہ کے بدلہ میں میرے ہاتھ بیچ دو۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے اور میرے اہل و عیال کا اس کے علاوہ کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے اسے پینتیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔[۱۱۰۳]

۱۱۰۱ جید الاسناد حدیث۔ نسائی ''عشرۃ النساء'' (ج۲ ص۴۷)، ابونعیم ''احادیث ابی القاسم اصم'' ص۱۷۔۱۸، طبرانی ''الکبیر'': ۱۷۸۵، از جابر بن عبد اللہ، جابر بن عمیر رضی اللہ عنہما۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج۵ ص۲۶۹) میں کہا ہے: اس حدیث کو طبرانی نے ''الاوسط'' (حدیث:۲۲۹) ''مجمع البحرین'' اور ''الکبیر'' میں اور بزار (حدیث:۱۷۰۴) نے روایت کیا ہے، عبد الوہاب بن بخت کے علاوہ طبرانی کے راوی صحیح کے راوی ہیں، عبد الوہاب بھی ثقہ ہے۔

۱۱۰۲ ضعیف حدیث۔ قراب از سلیمان التیمی مرسلاً۔

۱۱۰۳ ضعیف حدیث۔ بغوی، ''ابن شاہین'' (الاصابہ ج۱ ص۵۴۰، رقم:۲۷۷۱) طبرانی ''الکبیر'' ج۲ ص۱۲۲۶، از طریق ابان۔ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج۳ ص۱۲۹) میں کہا ہے: اس کے اسناد میں عبد الاعلیٰ بن عبد المساور ضعیف راوی ہے۔

شکار اور شکار کی اقسام

کتوں سے شکار کرنے والے

''صحیح البخاری ''میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: ہم شکاری لوگ ہیں' کتوں کے ذریعہ شکار کرتے ہیں' آپ نے ارشاد فرمایا: جب تو نے تربیت یافتہ کتا چھوڑا اور اللہ کا نام لیا تو اس نے جس شکار کو تیرے لیے روک لیا اسے کھا لے' اگر کتے نے اس میں سے کھایا ہے تو پھر مت کھانا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے شکار اپنے لیے روکا ہے' اور اگر تیرے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کا کتا بھی شامل ہو جائے تو مت کھانا[۱۱۰۴]

باز سے شکار کرنے والے

''جامع الترمذی ''میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے باز سے شکار کرنے کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: جس شکار کو اس نے تیرے لیے روکا اسے کھا لے[۱۱۰۵]

نیزہ سے شکار کرنے والے

''صحیح مسلم ''میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے' مکہ مکرمہ کے راستہ میں وہ اپنے محرم ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے وہ خود غیر محرم (بغیر احرام کے) تھے' انہوں نے گورخر کو دیکھا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا: مجھے میرا چابک دے دو' انہوں نے انکار کر دیا' پھر نیزہ دینے کو کہا: انہوں نے وہ بھی نہ دیا (کیونکہ وہ حالت احرام میں تھے)' ابوقتادہ نے نیزہ لیا اور گورخر کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا' اسے ذبح کیا' نبی ﷺ کے بعض اصحاب نے اس کا گوشت کھایا اور بعض نے نہ کھایا' پھر یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: یہ کھانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے تم کو کھلایا۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی ہے؟ انہوں نے کہا: اس کی ایک ٹانگ ہے' رسول اللہ ﷺ نے اسے لے کر تناول فرمایا[۱۱۰۶]

۱۱۰۴ صحیح حدیث۔ بخاری: ۵۴۷۷۔۵۴۸۷' مسلم: ۱۹۲۹' ابوداؤد: ۲۸۴۷' ترمذی: ۱۴۶۵' نسائی ج ۷ ص ۱۸۰ تا ۱۸۲' ابن ماجہ: ۳۲۱۵' طیالسی: ۱۰۳۱۔۱۰۳۲' احمد ج ۴ ص ۲۵۸' ۳۷۷۔۳۸۰' طبرانی ''الکبیر'' ج ۱۷ ص ۲۰۲ تا ۲۰۵' ابن حبان: ۵۸۸۱' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۷۷۲' از عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔

۱۱۰۵ صحیح حدیث۔ ترمذی: ۱۴۶۷' از عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔

۱۱۰۶ صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۸۲۳۔۲۹۱۴۔۵۴۹۰۔۵۴۹۲' مسلم: ۱۱۹۶' شافعی ج ۱ ص ۳۲۱' عبد الرزاق: ۸۳۳۸' حمیدی: ۴۲۴' احمد ج ۵ ص ۳۰۱' ترمذی: ۸۴۷' نسائی ج ۵ ص ۱۸۲' طحاوی ''مشکل الآثار'' ج ۲ ص ۷۳' ابن حبان: ۳۹۷۵' بغوی ''شرح السنۃ'': ۱۹۸۸' از ابی قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ۔

تیر سے شکار

''صحیح مسلم'' میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی ﷺ سے شکار کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب تو تیر پھینکے تو اللہ کا نام لے' پھر اگر تم شکار کو تیر کے ذریعہ مرا ہو دیکھو تو کھالو' اگر شکار پانی میں گرے تو مت کھانا کیونکہ تجھے نہیں معلوم یہ تیرے تیر سے مرا ہے یا پانی میں گرنے سے مرا ہے۔[۱۱۰۷]

معراض کا شکار

''معراض'' تیر کا درمیانی موٹا حصہ' ایک قول کے مطابق اس کی ایک طرف لوہا لگا ہوتا ہے' جس سے شکار کرتے ہیں۔ ''صحیح مسلم'' میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی ﷺ سے معراض سے شکار کے بارے میں دریافت کیا' آپ نے فرمایا: جب شکار کو تیر کی سائیڈ جا کر لگے (نوک نہ لگے) اور شکار مر جائے' اسے مت کھانا کیونکہ وہ وقیذ ہے[۱۱۰۸] (یعنی وہ مردار ہے کہ اس سے خون نہیں نکلا ہے)۔

ہاتھ سے شکار

''صحیح مسلم'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم جا رہے تھے' ہمیں ایک خرگوش نظر آیا' میں نے دوڑ کر اس کو پکڑ لیا' میں اسے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا' انہوں نے اسے ذبح کیا' پھر میں اس کی ران اور ران کا بالائی حصہ نبی ﷺ کی خدمت میں لایا' آپ نے اسے قبول فرمالیا۔[۱۱۰۹]

دیگر آلات سے شکار

ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں ارشاد ربانی:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ. (المائدہ:۹۴)

اے ایمان والو! اللہ کچھ (ایسے) شکار سے تمہیں ضرور آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے۔

۱۱۰۷ صحیح حدیث۔ بخاری:۱۷۵-۲۰۵۴-۵۴۷۵-۵۴۷۶-۵۴۸۳-۵۴۸۷ مسلم:۱۹۲۹ (۲ تا ۷) ابوداؤد:۲۸۴۷-۲۸۴۹-۲۸۵۰' ترمذی: ۱۴۶۹' نسائی ج ۷ ص ۱۷۹-۱۸۰' ابن ماجہ:۳۲۱۳' حمیدی:۹۱۴-۹۱۵-۹۱۷' احمد ج ۴ ص ۲۵۶ تا ۲۵۸-۳۷۷-۳۷۹-۳۸۰' دارمی ج ۲ ص ۸۹' ابن حبان:۵۸۸۰' از عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔

۱۱۰۸ تخریج گزر چکی ہے۔

۱۱۰۹ صحیح حدیث۔ مسلم:۱۹۵۳' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

کی تفسیر میں لکھا ہے: ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کا ذکر خصوصاً اس لیے فرمایا ہے کہ شکار میں زیادہ تر ہاتھ ہی کام میں آتے ہیں' اس میں ہاتھوں سے تیار کردہ جال اور پھندے وغیرہ سب داخل ہیں۔

ابوالفتح کشاجم نے ''کتاب الصائد و الطرائد'' میں شکار کے لیے ان ذرائع کا ذکر کیا ہے جن سے شکار تک رسائی ہوتی ہے اور وہ آلات بیان کیے ہیں جن سے شکار کو دھوکہ دیا جاتا ہے اور جن آلات سے شکار کیا جاتا ہے اس قسم کے مختلف آلات ذکر کیے ہیں۔

شکار کے لیے ممنوعہ علاقے اور ممنوعہ اوقات

''الاصابہ'' (ج ۲ص ۲۰۸) میں حضرت ضرار بن الازور الاسدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو بنو اسد کی طرف شکار کی ممانعت کے لیے بھیجا تھا۔[۱] (آج کل بھی مخصوص علاقوں اور مخصوص اوقات میں بعض جانوروں کے شکار کی ممانعت ہوتی ہے)۔

سمندر کے شکاری

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۔ (المائدہ:۹۶)

دریا میں شکار کرنا اور دریا کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلی) تمہارے لیے حلال ہے' تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔

سورۃ الفاطر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِن كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۔ (الفاطر:۱۲)

اور دونوں سمندر یکساں نہیں یہ (ایک) میٹھا ہے بہت میٹھا' اس کا پینا نہایت خوش گوار ہے اور یہ (دوسرا) نمکین سخت کڑوا ہے اور تم ہر ایک میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور نکالتے ہو زیور جسے تم پہنتے ہو۔

''صحیح مسلم'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا' ہمارے امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے' ہم قریش کے قافلہ کے منتظر تھے' آپ نے زادِراہ کے طور پر ہمیں کھجوروں کا ایک تھیلا دیا' راوی بیان کرتے ہیں: ہم ساحل سمندر پر گئے ہمارے سامنے بڑے ٹیلے جیسی کوئی چیز تھی' ہم اس کے پاس آئے وہ مردہ مچھلی تھی جسے عنبر کہا جاتا ہے' ہم وہاں ایک ماہ ٹھہرے ہم تین سو افراد تھے یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ اس کے آنکھ کے گڑھے سے گھڑوں کے ذریعہ چکنائی نکالتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تیرہ آدمی اس کی آنکھ میں بٹھائے اور اس کی پسلی کو سیدھا کیا پھر ہم میں سے سب سے لمبے آدمی کو سب سے بڑے

[۱] الاصابہ ج ۲ص ۲۰۸-۲۰۹' رقم: ۴۱۷۲۔

اونٹ پر بٹھایا تو وہ اس کے نیچے سے گزر گیا' ہم نے بطور زادِ راہ اس کا گوشت لیا' جب ہم مدینہ طیبہ میں آئے' نبی ﷺ کو واقعہ سنایا' آپ نے فرمایا: وہ رزق تھا' اگر تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے تو ہمیں کھلاؤ' ہم نے اس کا گوشت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا' آپ نے اسے تناول فرمایا[۱۱۱۱]

علامہ کتانی کہتے ہیں: ''طبقات ابن سعد ''میں ہے نبی ﷺ نے ایلہ کے قریب مقنا کے یہود کو مکتوب بھیجا جس میں مرقوم تھا: تمہارے اوپر کھجوروں کی پیداوار کی چوتھائی ہے اور تمہارے مچھیروں کے شکار کی چوتھائی (جزیہ) ہے[۱۱۱۲]

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب ''منح المنة فی التلبس بالسنة'' (ص ۳۳) میں کہا ہے: نبی ﷺ مرغی اور شکار کیے ہوئے پرندہ کا گوشت تناول فرماتے تھے' اسے خریدتے تھے نہ اس کا شکار کرتے تھے' آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کے لیے شکار کر کے لایا جائے اور آپ اس کو تناول فرمائیں۔

انتباہ

متاخرین کی کتب میں شکار اور اس کے احکام پر مشتمل بہترین نظم امام ابو اسحاق ابراہیم بن عبد الجبار بن احمد الفجیجی کی ہے' جو ''دوحة الناشر'' وغیرہ میں موجود ہے' اس کے اوّلین اشعار ہیں:

لوگ مجھے شکار کے بارے میں ملامت کرتے ہیں' حالانکہ شکار انسان کے لیے متعدد فائدہ بخش چیزوں کا جامع ہے'

پہلی چیز حلال کھانا ہے' کتاب اللہ کی نصوص اس کے مقامات ہیں۔ (حلال کھانے کا حکم دیا گیا ہے)

اس میں جسم کی صحت ہے' نگاہ کی درستی ہے اور دوڑ دھوپ یہ چوتھی خوبی ہے۔

پھر رذالت سے بُعد اور ہمت کی سچائی ہے اور قیل وقال کا دروازہ بند کرنا' یہ ساتویں خوبی ہے۔

اس سے آدمی کی عزت سلامت رہتی ہے اور اس کا دین محفوظ رہتا ہے' یہ نواں فائدہ ہے۔

اس میں اہل فضل اور دیندار لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور اس میں ان کے لیے یاد دہانی کے مواقع ہیں'

اس سے نفس کی خوشی اور جود وسخا پروان چڑھتی ہے اور گھبراہٹ کا شکار آدمی صبر سے مانوس ہوتا ہے

جوان آدمی بڑھاپے کے غموں سے نجات پاتا ہے اور بڑھاپے کی جلدی آمد کا قلع قمع ہوتا ہے۔

دورانِ شکار زخمی ہونے سے شجاعت ملتی ہے' اس میں کئی قسم کی نفیس خوبیاں پوشیدہ ہیں۔

جیسے رعایا کا انتظام وانصرام اور گمشدہ مویشیوں کی تلاش اور حملہ آور دشمن سے اپنی حفاظت'

لشکر کی تدبیر' دشمن پر اچانک حملہ' لوگوں کے سرداروں اور مشکل امور کا شکار اور ان پر غلبہ'

اس سے انسان کا جسم اور دماغ بُرے اخلاق اور فضول معاملات سے پاک صاف ہوتے ہیں

۱۱۱۱ صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۹۳۵ (۱۷)' ابوداؤد: ۳۸۴۰' نسائی ج ۷ ص ۲۰۸۔۲۰۹' احمد ج ۳ ص ۳۱۱۔۳۱۲' طیالسی: ۱۷۴۴' عبد الرزاق: ۸۶۶۸' ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۸۱' ابویعلیٰ: ۱۹۲۰۔۱۹۵۴' ابن حبان: ۵۲۶۰' از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔

۱۱۱۲ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۷۶۔

کمزور آدمی اس کی بدولت علاج سے مستغنی ہو جاتا ہے' اس سے بڑھ کر کوئی چیز غم اور بیماری کو دور کرنے والی نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا مشہور ارشادِ گرامی ہے: سفر کرو' صحت اور غنیمت حاصل کرو گے۔

مفلوج' ماندہ' نظر انداز کیے ہوئے اور دنیا سے بیزار لوگ کبھی ماہر قوم میں نہیں دیکھے گئے

شکار ذکاوت اور اس کی کارکردگی میں اضافہ کر دیتا ہے اور یہ عقل مندی کی بات ہے

اس میں نفس ہر مقصود اور خواہش کو پالیتا ہے اور ہر مباح اس سے حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ نفیس قصیدہ ہے[۱۱۱۳] اس کے مؤلف نے اس کا نام "روضۃ السلوان" رکھا ہے' گیارھویں صدی ہجری کے مشہور عالم علامہ ابو محمد القاسم بن محمد بن عبد الجبار الفجیجی نے اس کی بہت عمدہ شرح لکھی ہے جو اوسط درجہ کی ایک جلد کے برابر ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور ایک بدوی کے درمیان تحائف کا تبادلہ

رسول اللہ ﷺ کا زاہر نامی ایک بدوی سے تعلق تھا وہ دیہات سے آپ کے لیے بطور تحفہ عمدہ پھل اور سبزیاں لایا کرتا تھا' رسول اللہ ﷺ اسے شہر کی اچھی اچھی چیزیں تحفہ میں عطا فرماتے تھے۔ "الشمائل" وغیرہ میں ہے حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے: زاہر ہمارا دیہاتی اور ہم اس کے شہری ہیں[۱۱۱۴] یعنی جب ہم اس کو یاد کرتے ہیں ہمارا دل اس کو دیکھ کر پرسکون ہو جاتا ہے اور ہم اس سے اس طرح استفادہ کرتے ہیں جس طرح آدمی اپنے دیہات کے پھلوں اور نباتات سے استفادہ کرتا ہے تو گویا اس طرح وہ ہمارا دیہات ہے۔ جب ہمیں دیہات سے کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمارے لیے لے آتا ہے اور ہمیں دیہات کے سفر سے بچالیتا ہے اور ہم اس کے شہری ہیں یعنی اسے ہم سے وہ چیزیں مل جاتی ہے جن کی اسے شہر سے ضرورت ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے اس جملہ پر سکوت اختیار کیا ہے کیونکہ انعام دینے والے کے لیے انعام اور عطیہ کا ذکر مناسب نہیں ہوتا۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ یہاں کسی عطیہ پر احسان کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کی طرف رہنمائی ہے کہ تحفہ کے بدلہ میں اسی جیسا یا اس سے بہتر تحفہ دو۔

ابن سلطان نے شرح الشمائل میں کہا ہے: منعم کے انعام کا ذکر مبہم رکھنے کے باوجود اس کا تذکرہ اس لیے فرمایا تاکہ حسن معاملہ میں فریقین ایک دوسرے کے تحائف میں کمی نہ کریں اس میں امت کو آپ کی سیرت کے حوالہ سے حسن معاملہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

۱۱۱۳ لیکن اس قصیدہ کے بعض اشعار عروض وقوافی کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

۱۱۱۴ صحیح حدیث۔ عبد الرزاق "المصنف": ۱۹۶۸۸' از طریق عبد الرزاق' احمد ج ۳ ص ۱۶۱' ترمذی "الشمائل": ۲۳۹' ابو یعلی: ۳۴۵۶' بزار: ۲۷۳۵' ابن حبان: ۵۷۹۰' بیہقی "السنن" ج ۶ ص ۱۶۹۔ ج ۱۰ ص ۲۴۸' بغوی: ۳۶۰۴' از ثابت البنانی از انس رضی اللہ عنہ۔ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۹ ص ۳۶۸۔۳۶۹) میں کہا ہے: اس حدیث کو احمد' ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے بھی "الاصابہ" ج ۱ ص ۵۲۳ میں اس کو صحیح کہا ہے۔

ابو یعلیٰ نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ایک صاحب گھی اور شہد کا مشکیزہ نبی ﷺ کو بطور تحفہ پیش کرتے' جب گھی یا شہد کا مالک رقم کا تقاضا کرتا وہ اسے نبی ﷺ کے پاس لے آتے اور کہتے: اس کے سامان کی قیمت ادا فرمایئے' نبی ﷺ تبسم فرماتے اور اسے سامان کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیتے۔[۱۱۱۵]

محمد بن عمرو بن حزم کی حدیث میں ہے وہ مدینہ طیبہ میں جب بھی کوئی عمدہ چیز دیکھتے اس میں سے کچھ خرید لیتے' پھر آ کر کہتے: یارسول اللہ! یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے' جب اس چیز کا مالک قیمت کا تقاضا کرتا وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آتے اور عرض کرتے: اسے قیمت عطا فرمادیں' حضور ﷺ فرماتے: کیا تم نے اسے بطور تحفہ مجھے نہیں دیا تھا؟ وہ کہتے: میرے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہیں ہے' حضور ﷺ ہنس دیتے اور اس کے مالک کو قیمت ادا کرنے کا حکم فرماتے۔[۱۱۱۶]

ابن سلطان کہتے ہیں: یہ اس صحابی کی رسول اللہ ﷺ سے کمال محبت کی دلیل ہے' وہ جب بھی کوئی عمدہ اور نادر چیز دیکھتے اسے خرید کر آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے تھے' ان کی نیت یہ ہوتی کہ وہ اس کی قیمت خود ادا کریں گے لیکن جب مجبور ہو جاتے تو اس کے مالک کو آپ کی خدمت میں لے آتے تھے۔ جیسے مکاتب غلام بوقت مطالبہ اپنے مالک کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ فعل حق وصدق پر مبنی ہے اور اس میں سچے مزاح کی ملونی ہے۔ تفصیل کے لیے ''الاصابہ'' اور ''اسد الغابہ'' میں' حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملاحظہ کیجئے۔

باغات میں کام کرنے والے صحابہ کرام

''صحیحین'' وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے تھے لوگ کہتے ہیں: کیا وجہ ہے مہاجرین اور انصار میری طرح حدیثیں بیان نہیں کرتے' میں تمہیں بتاتا ہوں میرے انصار بھائیوں کو اپنی زمینوں میں کام کاج مشغول رکھتا تھا اور میرے مہاجرین بھائیوں کو بازاروں میں خرید وفروخت مشغول رکھتی تھی۔[۱۱۱۷]

علامہ کتانی کہتے ہیں: سید سمہودی نے ''جواہر العقدین'' میں دارقطنی کے حوالہ سے ابن ابی عمر کے طریق سے ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں: میں نے عبدالرحمٰن بن ابی اسحاق المدینی سے سنا' وہ بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا تو پوچھا: ابوالحسن کہاں ہیں؟ آپ کو بتایا گیا وہ اپنی زمین (کھیتوں) میں گئے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ان کے پاس چلتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کام میں مصروف پایا تو کچھ دیر ان کے کام میں ان کا ہاتھ بٹایا پھر باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: امیر المؤمنین! یہ بتایئے اگر آپ کے پاس بنواسرائیل کے لوگ آئیں اور ان میں سے ایک شخص آپ سے کہے: میں اللہ کے رسول علیہ السلام کا چچا زاد ہوں' کیا آپ کے دل میں اس کی

[۱۱۱۵] ضعیف مرسل حدیث۔ مجھے ''مسند ابویعلی الموصلی'' اور ''مجمع الزوائد'' میں یہ حدیث نہیں ملی۔

[۱۱۱۶] مرسل ضعیف حدیث۔ ''مجمع الزوائد'' (ج۹ص۳۶۹) میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[۱۱۱۷] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۴۷' مسلم: ۲۴۹۲' از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

قدر ومنزلت ہوگی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کے رسول ﷺ کا بھائی اور چچازاد ہوں۔ راوی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر اتار کر بچھا دی اور کہا: اللہ کی قسم! جب تک ہم بیٹھے ہیں آپ اس چادر پر بیٹھیں گے' حضرت علی رضی اللہ عنہ ملاقات کے اختتام تک اس چادر پر تشریف فرما رہے۔

سید سمہودی کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ اس حسن سلوک کی خبر دینا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں ان کے کھیت تک آئے اور ان کے ساتھ مل کر کام کیا' حالانکہ آپ امیر المؤمنین تھے' اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے نبی ﷺ کے قرابت دار تھے۔ جب گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے چچازاد اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود دوسروں پر قدر ومنزلت رکھتے ہیں تو اس کی قدر ومنزلت کا اندازہ لگائیں جو ہمارے نبی ﷺ سے اس قدر قرب رکھتے ہیں۔

''ارشاد الساری'' میں محی السنہ سے منقول ہے ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو اخروٹ کو پودا لگاتے دیکھا تو کہا: آپ یہ پودا لگا رہے ہیں حالانکہ آپ بہت بوڑھے ہیں اور یہ پودا اتنے اتنے عرصہ کے بعد پھل دیتا ہے؟ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا اس میں کیا نقصان ہے کہ اس کا اجر مجھے ملے اور اس کا پھل دوسرے کھائیں۔

زمین بٹائی پر دینے والے صحابہ کرام

''الاصابہ'' میں حضرت جبر بن عتیک الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ ابن مندہ نے آپ کے حالات میں حجاج بن ارطاۃ از ابراہیم بن مہاجر از موسیٰ بن طلحہ روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جبر' حضرت سعد اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ اپنی اراضی چوتھائی یا تہائی پیداوار پر بٹائی پر دیتے تھے۔[1118]

زیر زمین پانی کی نشاندہی کرنے اور اسے نکالنے والے

''الاصابہ'' میں حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی کے تذکرہ میں ہے ان کو نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا' حضور ﷺ نے ان پر لعاب دہن ڈالا وہ اسے چوسنے لگے' آپ نے ارشاد فرمایا: یہ سیراب کرنے والا ہے' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جس زمین کا انتخاب کرتے اس سے پانی نکلتا تھا' اسے ابن عبدالبر نے بیان کیا ہے۔[1119] حافظ ابن حجر نے کہا ہے: سب سے پہلے انہوں نے میدانِ عرفات میں حوض بنائے اور ان کی طرف پانی جاری کیا۔

۱۱۱۸ ضعیف حدیث۔ ابن مندہ (الاصابہ ج ۱ ص ۲۲۱' رقم: ۱۰۶۶) اس کے اسناد میں حجاج بن ارطاۃ ہے۔ یہ کثیر الخطا اور مدلس ہے۔ (التقریب: ۱۱۲۲)

۱۱۱۹ ''الاستیعاب'' علی حاشیہ ''الاصابہ'' ج ۲ ص ۳۵۹' بلا اسناد۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: زیر زمین پانی کی نشاندہی کرنے کے علم کو علم ایافہ کہتے ہیں' بعض علامات سے اور مٹی کو سونگھ کر اس علم کا ماہر زیر زمین پانی کی سطح کے بارے میں اندازہ لگاتا ہے' کبھی بعض نباتات یا بعض حشرات الارض کی نقل و حرکت سے اسے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے' یہ فہم و فراست پر مبنی علم ہے۔

اپنی پیٹھ پر پانی لانے والے سقے

ابو عمر بن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں حضرت ابو عقیل صاحب صاع رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

پیٹھ پر وزن اٹھانے والے

''سنن النسائی'' میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیتے' ہم میں سے جو صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ پاتا' وہ بازار میں جا کر اپنی پیٹھ پر وزن اٹھا کے اور اس کی مزدوری لے کر آتا تھا۔[۱۱۲۰]

حجام اور سینگی لگانے والے

حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ' جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ابو ہند انصار کا آدمی ہے' تم اس کو رشتہ دو اور اس کا نکاح کر دو۔[۱۱۲۱] ابن اسحاق نے سیرت (ج ۲ ص ۷۷) میں ذکر کیا ہے آپ رسول اللہ ﷺ کے فصد لگانے والے تھے۔ نبی ﷺ کے ایک حجام حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ تھے ان کی حدیث مؤطا میں ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: علامہ سہیلی نے ''الروض الانف'' میں کہا ہے: حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ بنو حارثہ کے غلام تھے' آپ کا نام نافع یا ایک قول کے مطابق میسرہ تھا' آپ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔

''الاصابہ'' میں حضرت خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں مذکور ہے انہوں نے مدینہ منورہ میں اور اس کے بعد عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے سر کا حلق کیا تھا[۱۱۲۲] (استرے سے سر کے بال صاف کیے تھے)۔

حضرت خراش بن مالک رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ''الاصابہ'' میں ہے کہ علی بن سعید العسکری نے کہا: انہوں نے نبی ﷺ کو پچھنے لگائے جب فارغ ہوئے تو کہا: اس سے بڑا امین کون ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی

۱۱۲۰ صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۲۲۷۲۔ ۴۶۶۸۔ ۴۶۶۹' مسلم: ۱۰۱۸' نسائی ج ۵ ص ۵۹' ابن ماجہ: ۴۱۵۵' از ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ۔

۱۱۲۱ ضعیف حدیث۔ ابن جریج' ابو احمد' حاکم از طریق محمد بن عمرو از ابی سلمہ از ابی ہند۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۱۱)

۱۱۲۲ ضعیف حدیث۔ ابن السکن از طریق محمد بن سلیمان مشمول از حرام بن ہشام از امیہ از خراش بن امیہ (الاصابہ ج ۱ ص ۴۲۱' رقم: ۲۲۲۳) اس حدیث کے اسناد میں مجاہیل اور ضعفاء ہیں۔ نیز دیکھیے تذکرہ خراش بن امیہ ''الاصابہ'' ج ۴ ص ۱۱۴' رقم: ۶۸۲۔

رگیں اس کے لوہے کے ٹکڑے کے حوالہ کر دیں[۱۱۲۳]"التجرید" میں ہے شاید خراش تابعی ہے۔

حضرت سالم حجام رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں "الاصابہ" میں ابو عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو پچھنے لگائے اور پھر اس خون کو پی لیا[۱۱۲۴] حضرت معمر بن نضلہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ان سے منقول ہے انہوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے سر کے پاس کھڑا ہوا میرے پاس آپ کے سر کا حلق کرنے کے لیے استرا تھا' آپ نے فرمایا: اے معمر! اللہ کے رسول نے تجھے اپنے دونوں کانوں کی لوؤں پر قدرت بخشی ہے۔ میں نے کہا: یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں' پھر میں نے آپ کے سر کا حلق کیا[۱۱۲۵]

"الاصابہ" ہی میں ابو رحیمہ یا ابو رخیمہ کے تذکرہ میں ہے ابو نعیم نے ذکر کیا ہے اور اسے از طریق روح بن جناح از عطاء از نافع از حسن از ابی رحیمہ روایت کیا ہے' حضرت ابو رحیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو پچھنے لگائے' آپ نے مجھے ایک درہم عطا فرمایا[۱۱۲۶] اس کی سند میں ضعف ہے۔

امام بخاری نے "کتاب البیوع" میں حجام کے زیر عنوان حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے[۱۱۲۷] "فتح الباری" میں ہے ابن المنیر نے کہا: یہ عنوان حجامت (پچھنے لگانے) کے پیشہ کی تصویب کے لیے نہیں کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے جو اسے خاص کر رہی ہے۔ اگرچہ پچھنے لگانے والے کی اجرت نہیں روکی جائے گی۔ نہی کا تعلق اس کا پیشہ اختیار کرنے والے سے ہے پچھنے لگوانے والے سے نہیں ہے' ان میں فرق یہ ہے پچھنے لگوانا ضرورت مند کی ضرورت ہے حجام کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس پیشہ کے علاوہ کوئی اور پیشہ اختیار کر سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ابن المنیر کی اس تقریر کے بعد کہا ہے: اگر تصویب سے ان کی مراد اس پیشہ کی تحسین اور اس کا مندوب ہونا ہے تو پھر ابن المنیر کی تقریر صحیح ہے اور اگر اس پیشہ کا جواز مراد ہے تو پھر ان کی توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ضرورت کے تحت یہ پیشہ اختیار کرنا جائز ہے' اور بوقت ضرورت پچھنے لگانے والے اور ضرورت مند میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ کسی پیشہ کا گھٹیا ہونا اس کے غیر مشروع اور ناجائز ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ جمعدار کا کام پچھنے لگانے والے سے بھی بُرا ہے لیکن اگر سب لوگ اس پیشہ کو ترک کر دیں تو نقصان میں پڑ جائیں[۱۱۲۸] (صفائی کا سارا نظام خراب ہو جائے)۔

۱۱۲۳ ضعیف حدیث۔ علی بن سعید العسکری از طریق محمد بن اسحاق۔۔۔۔۔ (الاصابہ ج۱ ص۴۲۲' رقم: ۲۲۳۶) حافظ ابن حجر نے "التجرید" کے حوالہ سے کہا ہے: شاید خراش بن مالک تابعی ہیں۔ اس کا ایک راوی عبداللہ بن بجیرہ مجہول ہے۔ (وندل)

۱۱۲۴ ضعیف حدیث۔ ابن مندہ از طریق یوسف بن صہیب' از ابو الحجاف از سالم (الاصابہ ج۳ ص۶' رقم: ۳۰۵۱) ابو الحجاف مجہول راوی ہے۔

۱۱۲۵ ضعیف حدیث۔ یعقوب بن محمد زہری' بغوی از محمد بن ابراہیم مولیٰ بنو زہرہ از ابن لہیعہ (الاصابہ ج۳ ص۴۳۹۱' رقم: ۸۱۵۴) اس کے اسناد میں از روئے حفظ ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

۱۱۲۶ بہ وجہ انقطاع نہایت ضعیف حدیث۔ ابو نعیم از طریق روح بن جناح از عطاء از نافع از حسن از ابی رحیمہ۔ (الاصابہ ج۴ ص۶۸۔۶۹' رقم: ۴۰۳) ۔ روح بن جناح ضعیف ہے اور حسن کا ابی رحیمہ سے سماع نہیں' یہ روایت منقطع ہے۔

۱۱۲۷ بخاری: ۲۱۰۲۔ ۲۲۱۰۔ ۲۲۷۷۔ ۲۲۸۰۔ ۲۲۸۱۔ ۵۶۹۶' مسلم: ۱۵۷۷' مالک "الموطا" ج۲ ص۹۷۴' ابوداؤد: ۳۴۲۴' ترمذی: ۱۲۷۸۔

۱۱۲۸ فتح الباری ج۴ ص۳۸۰۔

گوشت فروش (قصاب)

"صحیح البخاری" میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک انصاری نے جن کی کنیت ابوشعیب تھی' اپنے قصاب نوکر سے کہا: میرے لیے پانچ افراد کا کھانا بناؤ' کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ سمیت پانچ افراد کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔[۱۱۲۹]

علامہ کتانی کہتے ہیں: "جامع الترمذی" میں یہ حدیث 'لحام" کے لفظ سے مروی ہے' جس کا معنیٰ گوشت فروش ہے' مختلف پیشوں کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ مبالغہ کے صیغہ میں ہوتے ہیں کیونکہ کسی بھی پیشہ سے متعلق شخص اس کام کو بار بار تسلسل کے ساتھ انجام دیتا رہتا ہے۔

"الاصابہ" میں حضرت خالد بن اسید بن ابی العاص الاموی کے تذکرہ میں ابن درید سے منقول ہے کہ آپ قصاب تھے۔[۱۱۳۰] حضرت کرام کے تذکرہ میں ہے آپ مدینہ کے کوچہ کے مشہور قصاب تھے' اسے عمرو بن شبہ نے ذکر کیا ہے[۱۱۳۱] حافظ ابن الجوزی کی "التلقیح" میں ہے حضرت زبیر' حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہم گوشت فروشی کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ صحیح البخاری میں ہے نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے قربانی کے جانوروں کی نگرانی کریں اور ان کا گوشت اور کھالیں تقسیم کر دیں۔[۱۱۳۲]

رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں کم تر پیشے

طبرانی نے از طریق عبدالرحمٰن بن عثمان الوقاصی از ابن المنکدر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: میں نے اپنی خالہ فاختہ بنت عمرو کو غلام دیا ہے اور اسے کہا ہے اس کو قصاب' سنار اور حجام (پچھنے لگانے والا) نہ بنانا۔[۱۱۳۳] حافظ ابن حجر نے حضرت فاختہ کے تذکرہ میں کہا ہے: الوقاصی ضعیف ہے۔ لیکن علامہ ذہبی نے "التجرید" میں کہا ہے: فاختہ رضی اللہ عنہا کو نبی ﷺ نے غلام عطا فرمایا اور اس سلسلہ میں حدیث روایت کی۔ "سنن ابی داؤد" میں ہے: میں نے اپنی خالہ کو غلام ہبہ کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اسے اس میں برکت ملے گی' اور میں نے اس سے کہا ہے کہ اسے پچھنے لگانے والے' سنار اور قصاب کے حوالہ نہ کرنا۔[۱۱۳۴]

۱۱۲۹ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۰۸۱۔ ۲۴۵۶۔ ۵۴۳۴۔ ۵۴۶۱ از ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ۔

۱۱۳۰ الاصابہ ج۱ ص ۴۰۱ رقم: ۲۱۴۴

۱۱۳۱ الاصابہ ج۳ ص ۲۸۹ رقم: ۷۳۸۷

۱۱۳۲ صحیح البخاری: ۱۷۱۶ از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

۱۱۳۳ ضعیف روایت۔ طبرانی "الکبیر" ج۲۴ ص ۴۳ ۱۰۷ از جابر رضی اللہ عنہ۔ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج۴ ص ۹۳) میں کہا ہے: اس میں عثمان بن عبدالرحمٰن الوقاصی متروک راوی ہے۔

۱۱۳۴ ضعیف روایت۔ ابوداؤد: ۳۴۳۰ از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ اس میں محمد بن اسحاق مدلس ہے۔ ضعیف سنن ابی داؤد: ۷۴۱' ضعیف الجامع الصغیر: ۲۰۹۸' یہ روایت ضعیف ہے۔ البانی۔

ابوالحسن سندھی نے "مسند احمد" کے حاشیہ میں کہا ہے کہا گیا ہے: آپ نے قصاب اور پچھنے لگانے والے کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ یہ لوگ نجاست سے آلودہ رہتے ہیں اس سے بچ نہیں سکتے۔ رہا سنار تو اسے اس لیے ناپسند فرمایا کہ ان کے کام میں ملاوٹ ہوتی ہے' یہ سونے اور چاندی کی صنعت سے وابستہ ہوتا ہے' کبھی یہ سونے چاندی کے برتن بناتا ہے اور کبھی مردوں کے لیے زیور تیار کرتا ہے حالانکہ یہ حرام ہے۔ یا اس لیے کہ سنار بکثرت وعدے کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ القاوقجی کی "الذهب الابریز" میں ہے اس میں ان پیشوں کے گھٹیا اور خسیس ہونے کا اشارہ ہے۔[۱۱۳۵]

باورچی

"الشمائل" میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' میں نے نبی ﷺ کے لیے ہنڈیا پکائی۔[۱۱۳۶] "الاستیعاب" میں ہے رسول اللہ ﷺ کے غلام ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لیے کھانا پکاتے تھے۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث "شمائل الترمذی" اور "جامع الدارمی" میں ہے۔

"الاصابہ" (ج ۱ ص ۱۴۶) میں حضرت بُریل رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن شاہین سے منقول ہے حضرت بُریل السہالی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ مکہ میں ایک آدمی کے پاس آئے جو آپ کے صحابہ کے لیے کھانا بناتا تھا' اسے آگ کی لپٹ نے تکلیف دی تھی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد تجھے جہنم کی گرمی ہرگز نہیں پہنچے گی۔[۱۱۳۷]

خزیرہ (قیمہ اور آٹے سے تیار کردہ کھانا) کی تیاری

"الاصابہ" میں حضرت خولہ بنت قیس الانصاریہ الخزرجیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ابن مندہ کے حوالہ سے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے میں نے آپ کے لیے خزیرہ تیار کیا' جب میں نے خزیرہ پیش کیا تو آپ نے ہاتھ بڑھایا وہ گرم تھا' آپ نے ہاتھ پیچھے کر لیا' پھر فرمایا: اے خولہ! ہم گرمی اور سردی پر صبر نہیں کرتے[۱۱۳۸] (برداشت نہیں کرتے)۔

۱۱۳۵ یہ اشارہ کہاں سے ملا' جبکہ دونوں احادیث ضعیف ہیں۔

۱۱۳۶ حسن حدیث۔ احمد ج ۳ ص ۴۸۴۔۴۸۵' دارمی ج ۱ ص ۲۲' ترمذی "الشمائل": ۱۷۰' طبرانی "الکبیر" ج ۲۲ ص ۸۴۲' ۸۴۲ از ابوعبید مولی رسول اللہ ﷺ۔ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۸ ص ۳۱۱) میں کہا ہے: اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے شہر بن حوشب کے' اس کو بھی کئی ایک نے ثقہ کہا ہے۔

۱۱۳۷ ضعیف حدیث۔ ابن شاہین از طریق بقیہ از ابوعمر السُّلفی از بریل السہالی (الاصابہ ج ۱ ص ۱۴۶' رقم: ۶۴۴) حافظ ابن حجر نے کہا: ابن مندہ بریل کی صحابیت کے قائل نہیں' ابونعیم نے کہا ہے: بریل کو صحابہ میں ذکر کرنا وہم ہے' ابن موکولا نے بریل کی بجائے نزیل کہا ہے۔

۱۱۳۸ ضعیف حدیث۔ ابن مندہ از طریق قیس بن نعمان بن رفاعہ از معاذ بن رفاعہ بن رافع از خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۹۳' رقم: ۳۷۵) ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (ج ۸ ص ۲۴۷) میں معاذ بن رفاعہ کو بغیر جرح وتعدیل کے ذکر کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نبی ﷺ کے لیے خزیرہ تیار کر کے لائی' میں نے حضرت سودہ سے کہا: نبی ﷺ میرے اور سودہ کے درمیان تھے: کھاؤ' انہوں نے انکار کر دیا' میں نے پھر کہا: کھاؤ' انہوں نے منع کر دیا' میں نے ان سے کہا: کھاؤ ورنہ میں اسے تمہارے چہرے پر مل دوں گی' انہوں نے پھر انکار کر دیا' میں نے خزیرہ ہاتھ میں لے کر ان کے چہرہ پر مل دیا' رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے' پھر آپ نے اپنی ران مجھ پر رکھ کر سودہ سے فرمایا: تم اس کے چہرہ پر مل دو' انہوں نے میرے چہرے پر خزیرہ مل دیا' حضور ﷺ ہنس دیے۔[۱۱۳۹] اسے ابن غیلان نے الہاشمی کی حدیث سے روایت کیا ہے اور سیرت نگاروں نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔

''المواهب'' میں ہے خزیرہ قیمہ سے تیار کیا جاتا ہے یا گوشت کے بڑے ٹکڑوں کو پانی کی زیادہ مقدار میں پکایا جاتا ہے جب یہ پک کر کھانے کے قابل ہو جاتا ہے اس پر آٹا ڈالا جاتا ہے۔ القاموس میں ہے حریرہ' میدہ کو دودھ یا چکنائی میں پکایا جاتا ہے۔

الفاکہی المکی کی ''مناهج الاخلاق السنية'' میں ہے نبی ﷺ نے خزیرہ تناول فرمایا' اس کی تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ قیمے میں بہت سا پانی ڈال کر اسے پکایا جاتا ہے' جب پک جائے تو اس پر آٹا چھڑکا جاتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی بعض ازواج کی موجودگی میں آپ کی خدمت میں خزیرہ پیش کیا تھا اور پھر خوش طبعی کا واقعہ پیش آیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آٹے اور گھی کا حلوہ ہوتا ہے لیکن یہ پتلا ہوتا ہے۔ ''جوهرة الغواص'' میں ہے خزیرہ بھوسی سے اور حریرہ دودھ سے تیار کیا جاتا ہے۔ ''موجبات الرحمة'' کے مؤلف نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

گوشت بھوننے والے

''سنن النسائی'' میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں رسول اللہ ﷺ کے لیے گوشت بھونتا تھا۔[۱۱۴۰]

روٹی بنانے والے

''الاصابه'' میں حضرت مرداس المعلم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ابوزید الدبوسی نے کتاب الاسرار میں بلاسند روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ مرداس المعلم کے پاس سے گزرے تو فرمایا: پتلی بڑی روٹی بنانے سے اور کتاب اللہ پر شرط سے بچو۔[۱۱۴۱] حافظ ابن حجر کہتے ہیں: میں اس روایت کی سند سے واقف نہیں ہوں۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اگر یہ خبر ثابت ہو[۱۱۴۲] تو پھر اس سے ''الطرق الحكمية'' میں حافظ ابن القیم کے اس

۱۱۳۹ حسن الاسناد حدیث۔ ابو یعلیٰ: ۴۴۷۶' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ''مجمع الزوائد'' (ج ۴ ص ۳۱۵-۳۱۶) میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس کے اسناد میں محمد بن عمرو حسن الحدیث ہے۔

۱۱۴۰ صحیح حدیث۔ مسلم: ۳۵۷' از ابورافع رضی اللہ عنہ۔

۱۱۴۱ الاصابہ ج ۳ ص ۴۰۱' رقم: ۷۸۹۶' بلا اسناد۔

۱۱۴۲ بلا سند روایت سے کیسے ثابت ہوگا؟

قول کا رد ہوگا کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ میں روٹی فروخت نہیں ہوتی تھی' کیونکہ ان کے ہاں آٹا گوندھنے والے اور اجرت پر روٹی پکانے والے نہیں تھے' اسی طرح پسا ہوا آٹا اور روٹی بیچنے والے نہ تھے بلکہ اہل مدینہ غلہ خرید کر اس کو پیس کر گھروں میں اس کی روٹیاں بناتے تھے۔ (ص ۲۳۳)

نبی ﷺ کی روٹی کی ٹکیاں (پیڑے) بڑی ہوتی تھیں یا چھوٹی؟

''المواهب'' اور اس کی شرح میں میں نے تلاش کیا کہ نبی ﷺ کی روٹی کے پیڑے بڑے ہوتے تھے یا چھوٹے؟ جستجو اور تلاش کے باوجود مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملا' البتہ دیلمی کے ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعا مروی ہے کہ آپ ﷺ نے روٹی کی ٹکیاں چھوٹی بنانے کا حکم دیا اور فرمایا: روٹی چھوٹی بناؤ ان کی تعداد بڑھاؤ' تمہیں اس میں برکت دی جائے گی۔[۱۱۴۳] ابن الجوزی نے ''الموضوعات'' میں اسے ''واہ'' (کمزور' بے بنیاد) قرار دیا ہے اور کہا ہے: اس کی سند میں جابر بن سلیم متہم ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے: برکت چھوٹی ٹکیہ میں ہے۔[۱۱۴۴] اور نسائی سے اس کا جھوٹ ہونا نقل کیا ہے۔

لیکن بزار اور طبرانی نے ''الکبیر'' میں سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (حافظ ابن حجر) اور علامہ نورالدین الہیثمی نے کہا ہے: اس سلسلہ میں ابوبکر ابن مریم کی روایت ہے جو خلط ملط کرتا ہے جبکہ اس کے باقی راوی ثقہ ہیں' یہ حدیث حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے: گذارہ کے لائق اپنا کھانا بناؤ تمہیں اس میں برکت دی جائے گی۔[۱۱۴۵] ''النهاية'' میں ہے اوزاعی سے آٹے کی چھوٹی ٹکیاں منقول ہیں' اسی طرح بزار نے ابراہیم بن عبداللہ کی روایت سے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے۔ علامہ سخاوی نے بھی ''المقاصد'' میں چھوٹی ٹکیوں کا اشارہ کیا ہے۔

''فتح الباری'' میں ہے اشیائے خوردنی (غلہ وغیرہ) کا ماپنا مستحب ہے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اپنے طعام کو ماپ لو اس میں تمہیں برکت دی جائے گی۔[۱۱۴۶] کہا گیا مسند البزار میں ہے طعام کو ماپنے سے مراد چھوٹی ٹکیاں بنانا ہے' مجھے یہ روایت ملی نہ اس کے خلاف ملا ہے۔

ملا علی القاری کی موضوعات میں زرکشی سے منقول ہے کہ حدیث: چھوٹا لقمہ لیں اور اسے خوب چبائیں' کے

۱۱۴۳ موضوع حدیث۔ ابن الجوزی ''الموضوعات'' ج ۲ ص ۱۹۵ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ابن الجوزی کہتے ہیں: یہ موضوع حدیث ہے اور یہ جابر بن سلیم کی کارستانی ہے۔ ابوالفتح الازدی نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

۱۱۴۴ موضوع حدیث۔ ابن الجوزی ''الموضوعات'' ج ۲ ص ۱۹۵ تعلیقا۔ ابوعبدالرحمن النسائی نے اس حدیث کو کذب کہا ہے۔

۱۱۴۵ ضعیف حدیث۔ بزار' طبرانی از ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۵)۔ علامہ ہیثمی نے اس کے ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم کو مختلط کہا ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

۱۱۴۶ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۱۲۸' احمد ج ۴ ص ۱۳۱۔ ج ۵ ص ۴۱۴' ابن ماجہ: ۲۲۳۲' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۰ ص ۶۴۳۔ ۳۸۵۹' ابن حبان ''الاحسان'' : ۴۹۱۸' قضاعی ''مسند الشہاب'': ۶۹۷۔ ۶۹۸' ابونعیم ''الحلیۃ'' ج ۵ ص ۲۱۷' بیہقی ''السنن'' ج ۶ ص ۳۲' بغوی ''شرح السنۃ'': ۳۰۰۰' از مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ۔

متعلق امام نووی نے کہا: یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ابن العماد کی نظم میں کھانے اور طعام کے آداب میں ہے:

محدثین نے کہا ہے: کھانے کے چبانے اور چھوٹا لقمہ لینے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ صحت کی نفی صحت کے ماسوا کو لازم نہیں کرتی۔ پھر "المواھب" میں کہا ہے: شاید ابواسحاق ابراہیم المتبولی کے دستر خوان پر چھوٹی ٹکیہ والی روٹیوں کی یہی دلیل ہے' جس طرح شیخ ابو العباس البدوی اور سادات وفائیہ اس سے استناد کرتے ہیں۔[۱۴۷]

کتب فقہ حنبلی میں شیخ منصور البھوتی الحنبلی کی کتاب "شرح المنتھی" میں ہے امام احمد سے منقول ہے بڑی روٹی میں برکت نہیں ہے۔ معمر نے ذکر کیا ہے ابواسامہ کے پاس کھانا لایا گیا' انہوں نے روٹی کے ٹکڑے کر دیئے' امام احمد نے کہا: تاکہ یہ معلوم نہ ہو انہوں نے کتنا کھایا ہے۔

"المواھب" میں علامہ قسطلانی کے کلام پر "المقالات السنیة" کے مؤلف نے بھی اشارہ کیا ہے' انہوں نے حدیث: اپنی روٹیاں چھوٹی بناؤ اس میں تمہیں برکت دی جائے گی[۱۴۹] ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

ضعیف اسناد کے ساتھ حدیث مروی ہے جسے اوزاعی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے

کہ اس سے مراد چھوٹے پیڑے ہیں' اسے بزار نے بھی ابراہیم بن عبداللہ سے نقل کیا ہے۔

ابوالندب عبداللہ اس کے والد ہیں' بعض اہل علم وحکمت کے نزدیک وہ جنید ہیں

کہ اس سے مراد چھوٹی ٹکیہ ہے۔ شاید صاحب فہم وفراست عارف کے پاس اس کی سند ہوگی۔

شیخ طریقت ابوالعباس جیسے ثابت قدم حضرات کے دستر خوان پر چھوٹی روٹیاں ہوتی تھیں۔

اسی طرح احمد البدوی پھر "المواھب" کے شارح اور سادات وفائیہ کا معمول تھا۔

بعض حفاظ حدیث نے اس کی تلاش کی ہے کہ حضور ﷺ کی روٹی کا سائز کیا تھا'

حضور ﷺ کی روٹی کی ٹکیا بڑی ہوتی تھی یا چھوٹی؟ ان کو کتب میں تفصیل نہ ملی'

سوائے اس کے کہ روٹی کو چھوٹا رکھو کا ارشاد اور گذارہ کے لائق کھانا تیار کرو۔

اسے دیلمی نے بعض راویوں سے روایت کیا ہے اور آپ کی یہ حدیث کمزور اسناد سے مروی ہے۔

انتباہ

"طبقات ابن سعد" (ج ۸ ص ۳۶۲) میں کوفہ کی تابعی خاتون تملک کے تذکرہ میں ہے انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا' انہوں نے فرمایا: جب تم روٹی پر چھری رکھو تو اللہ کا نام لے کر اسے کھاؤ' اس سے معلوم ہوا کہ روٹی کو چھری سے کاٹتے تھے۔

---

۱۴۷ احادیث موضوعہ سے استدلال اور ان پر عمل پیرائی کی مثال' لیس بعد الحق الا الضلال۔

۱۴۸ موضوع احادیث کی بنیاد پر اس قسم کے اشعار درج کرنے کا فائدہ؟

کنگھی چوٹی کرنے والی خاتون

ابن فتحون نے کہا ہے: ام زفر رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنگھی چوٹی کرتی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ام زفر نبی ﷺ کے پاس آتی، آپ اس کا اکرام کرتے اور فرماتے: یہ خدیجہ کی زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی۔[۱۱۴۹]

سیرت ابن اسحاق میں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں یا خیبر سے واپسی کے راستہ میں حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب عروسی گزاری، حضرت ام سُلیم بنت مِلحان رضی اللہ عنہا نے ان کو سنوارا اور ان کی کنگھی چوٹی کی تھی۔[۱۱۵۰]

علامہ کتانی کہتے ہیں: ''طبقات ابن سعد'' میں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت وحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خریدا تو ان کو حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تاکہ وہ ان کے پاس عدت گزاریں اور عدت کے بعد وہ ان کا بناؤ سنگھار کر کے ان کو تیار کریں۔

''الاصابہ'' میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہن آمنہ بنت عفان بن ابی العاص کے تذکرہ میں ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ دورِ جاہلیت میں ماشطہ (کنگھی چوٹی کرنے والی) تھی[۱۱۵۱] اور شبرہ بنت صفوان قرشیہ کے بارے میں ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ ماشطہ تھی، مکہ میں خواتین کا بناؤ سنگھار کرتی تھی۔

''الاصابہ'' میں حضرت ام رعلہ القشیریہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں المستغفری سے منقول ہے کہ آپ فصیح و بلیغ خاتون تھیں، حضور ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہم دادیاں ہیں اپنے خاوندوں کے پھولوں (بیٹوں، پوتوں) کا محل اور نانیاں، ہمارا لشکر میں کوئی حصہ نہیں، ہمیں ایسی چیز تعلیم فرمائیں جو ہمیں اللہ کے قریب کر دے، اس میں یہ بھی ہے کہ میں بناؤ سنگھار کرنے والی عورت ہوں، دولہنوں کو ان کے خاوندوں کے لیے سنوارتی ہوں، کیا یہ گناہ ہے، میں اس سے کنارہ کش ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا: اے ام رعلہ! تم ان کو سنوارتی رہو اور مزین کرتی رہو[۱۱۵۲] الخ

ایک اور روایت میں ہے نبی ﷺ اس پر تعجب فرماتے تھے۔ ''التجرید'' میں ہے، ام رعلہ القشیریہ، ایک کمزور سند والی حدیث میں ان کا ذکر آیا ہے۔

''فتح الباری'' میں ''باب ذکر القین والحداد'' میں ہے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اس قول ''قینت عائشۃ'' کا مطلب ہے میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا بناؤ سنگھار کیا۔ خلیل نے کہا: تقیین کا معنی ہے:

[۱۱۴۹] حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' (ج ۴ ص ۴۵۳، رقم: ۱۲۷۵) میں کہا ہے: اس روایت کو عبدالغنی بن سعید نے ''المبھمات'' میں اور زبیر بن بکار نے معضلاً کے از شیخ اہل مکہ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ہر حال میں ضعیف ہے۔

[۱۱۵۰] ''السیرۃ النبویہ'' ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳۹۔۳۴۰۔

[۱۱۵۱] الاصابہ ج ۴ ص ۲۲۵، رقم: ۱۲، از ابن الکلبی بلا اسناد۔

[۱۱۵۲] الاصابہ ج ۴ ص ۴۴۹۔۴۵۰، رقم: ۱۲۶۹، موضوع روایت۔

تزئین' مغنیہ کو قنیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مزین ہو کر رہتی ہے۔

تتمہ

امام ابوداؤد نے ''سنن'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' آپ فرماتی ہیں: میری والدہ کی خواہش تھی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے پہلے فربہ اندام ہو جاؤں' انہوں نے ہر چیز آزمائی لیکن کامیاب نہ ہوئیں' یہاں تک کہ انہوں نے مجھے تر کھجوروں کے ساتھ ککڑی کھلائی جس سے میں ٹھیک ٹھاک فربہ (موٹی) ہو گئی[۱۵۳]

خواتین کو لڑوانے والی عورت

''الاصابہ'' میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی باندی حُمیدہ کے تذکرہ میں ہے کہا گیا ہے: یہ خاتون ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں جاتی تھی اور ان میں باہم غلط فہمیاں پیدا کر کے ان میں لڑائی کراتی تھی' نبی ﷺ نے اسے تعزیر لگانے کا حکم دیا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے اس کے خلاف دعا کی سو یہ مر گئی' لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کا بیٹا اشہب نبی ﷺ کے وصال کے ایک مدت بعد پیدا ہوا[۱۵۴] شاید حضور ﷺ کی دعا سے اسے ایسا مرض لگا ہو جو تا حیات باقی رہا ہو اور موت کا سبب بنا ہو۔

''الاصابہ'' میں دوسرے مقام پر ہے' اس کا بیٹا اشعب الطامع اس پر فخر کرتا تھا' اسے کہا گیا: برباد ہو جائے کیا ایسی باتوں پر بھی کوئی فخر کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: اگر میری ماں ازواجِ مطہرات کی نگاہوں میں قابل بھروسہ خاتون نہ ہوتی تو وہ اس کی بات کیوں مانتیں؟

خاتون کا کسی مرد سے یہ عندیہ لینا کہ وہ فلاں خاتون سے شادی میں دلچسپی رکھتے ہیں؟

''الاصابہ'' میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں یعلی کی بہن نفیسہ بنت امیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا معزز مالدار خاتون تھیں' جب وہ بیوہ ہو گئیں قریش کا ہر معزز شخص ان سے نکاح کا خواہش مند تھا' جب رسول اللہ ﷺ ان کا سامانِ تجارت لے کر گئے اور کثیر مال لائے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ کا عندیہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا' میں نے نبی ﷺ سے کہا: آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: میں خالی ہاتھ ہوں' میں نے کہا: اگر آپ کو مال دار' صاحب جمال اور ہم کفو خاتون نکاح کی پیش کش کرے تو؟ آپ نے فرمایا: وہ کون ہے؟ میں نے کہا: خدیجہ رضی اللہ عنہا'

---

[۱۵۳] ابوداؤد: ۳۹۰۳' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اس کے اسناد میں محمد بن اسحاق مدلس ہے نیز عنعنہ ہے۔

[۱۵۴] الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۵' رقم: ۳۰۵۔

آپ نے ہاں کر دی۔[۱۱۵۵]

”طبقات ابن سعد“ میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں یہ روایت موجود ہے۔

غزوات میں خواتین نرسوں کی شرکت اور جنگ میں شریک دلیر خواتین

”الاصابہ“ میں حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں ابی عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ بعض غزوات میں شرکت کی۔

امام بخاری‘ نسائی اور ابومسلم الکجی نے حضرت ربیع رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوتیں‘ ہم لوگوں کو پانی پلاتیں‘ ان کی خدمت کرتیں اور شہداء اور زخمیوں کو مدینہ طیبہ کی طرف منتقل کرتی تھیں۔[۱۱۵۶]

”الاصابہ“ میں حضرت رفیدہ الانصاریہ یا اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ابن اسحاق سے منقول ہے کہ جب غزوۂ خندق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے‘ نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو مسجد میں نصب رفیدہ کے خیمہ میں رکھو تاکہ میں قریب رہ کر ان کی عیادت کروں۔ حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا زخمیوں کا علاج کرتی تھیں‘ اور انہوں نے اپنی خدمات زخمی اور کمزور مسلمانوں کے لیے وقف کر رکھی تھیں‘ امام بخاری نے بھی ”الادب المفرد“ میں یہی نقل کیا ہے۔ (تخریج گزر چکی ہے)

حضرت کعیبہ بنت سعد الاسلمیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ابن سعد سے منقول ہے ان کا مسجد میں خیمہ تھا جہاں وہ بیماروں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں‘ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب غزوۂ خندق میں تیر سے زخمی ہوئے انہی کے پاس لائے گئے‘ وہ ان کے زخم کا علاج کرتی رہیں‘ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ غزوۂ خیبر میں آپ نے نبی ﷺ کے ساتھ شرکت کی‘ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مال غنیمت میں سے آدمی کا حصہ دیا۔

(تخریج گزر چکی ہے)

حضرت لیلیٰ الغفاریہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے آپ غزوات میں نبی ﷺ کے ہمراہ جاتیں‘ زخمیوں کا علاج اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔[۱۱۵۷] ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذہ الغفاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے‘ وہ کہتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ سے مانوس تھی‘ میں سفر میں آپ کے ساتھ جاتی‘ مریضوں کی دیکھ بھال اور زخمیوں کا علاج کرتی تھی۔ لیکن ”التجرید“ میں ہے لیلیٰ الغفاریہ کے غزوات میں زخمیوں کا علاج کرنے والی خبر باطل ہے۔[۱۱۵۸]

۱۱۵۵ ضعیف حدیث۔ اس حدیث کو واقدی نے (الاصابہ ج ۴ ص ۲۸۲‘ رقم: ۳۳۵) ام سعد بن الربیع کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں۔

۱۱۵۶ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۸۸۲۔ ۲۸۸۳۔ ۵۶۷۹‘ از ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا۔

۱۱۵۷ الاصابہ ج ۴ ص ۴۰۲‘ رقم: ۹۷۴‘ از ابن عبدالبر۔

۱۱۵۸ الاصابہ ج ۴ ص ۴۰۲

علامہ کتانی کہتے ہیں: ''الاصابہ'' میں خبر باطل کی تفصیل موجود ہے۔''الاصابہ'' ہی میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں واقدی سے مروی ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا غزوۂ احد میں شریک ہوئیں' آپ مجاہدوں کو پانی پلاتیں تھیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں' آپ نے غزوۂ خیبر میں بھی شرکت کی۔[۱۵۹] حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی باندی اور آپ کی انا تھیں۔

ام زیادۃ الاشجعیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے آپ ان چھ خواتین میں شامل تھیں جو غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کے ساتھ تھیں' راوی نے کہا: نبی ﷺ کو خبر ملی تو آپ نے ہم سے دریافت کروایا کہ ہم کس کی اجازت سے لشکر کے ساتھ نکلی ہیں؟ ہم نے آپ کے چہرۂ انور پر غصہ کے آثار دیکھے' ہم نے کہا: ہمارے پاس دوائیاں ہیں جن سے ہم زخمیوں کا علاج کریں گی' ہم تیر لا کر دیں گی اور ستو تیار کریں گی۔ الحدیث اس روایت میں ہے آپ نے ان کے لیے کھجوروں کا حصہ مقرر فرمایا تھا۔[۱۶۰] اسے ابوداؤد' نسائی اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت ام سنان الاسلمیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے ام سنان کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی طرف نکلنے کا ارادہ فرمایا میں نے آپ کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! میں آپ کے ساتھ جاؤں گی' میں مشکیزے سیوں گی' مریضوں اور زخمیوں کا علاج کروں گی اور کجاووں کی دیکھ بھال کروں گی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی برکت سے نکلو' تمہاری ساتھیوں نے بھی اس بارے میں مجھ سے بات کی ہے' میں نے تیرے قبیلہ کی اور دیگر خواتین کو اجازت دی ہے' اگر تم چاہو تو اپنے قبیلہ کے ساتھ رہو اور چاہو تو ہمارے ساتھ رہو' میں نے کہا: میں آپ کے ساتھ رہوں گی' آپ نے فرمایا: پھر تم میری اہلیہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ رہو' میں ان کے ساتھ رہی۔[۱۶۱]

''الاصابہ'' میں حضرت ام کبشہ القضاعیہ اور حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ الانصاریہ رضی اللہ عنہما کا تذکرہ ملاحظہ کریں۔

علامہ محمد بن یوسف شامی نے اپنی سیرت کی کتاب میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مریضوں اور بیماروں کی تیمارداری اور علاج معالجہ کی مصلحت کے تحت بعض اوقات خواتین کو ساتھ لے گئے اور بعض اوقات منع فرما دیا' اس میں انہوں نے الطبرانی کے حوالہ سے حضرت لیلیٰ الغفاریہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ذکر کیا ہے' پھر یہ ذکر کیا ہے کہ طبرانی نے رجال صحیح کے ساتھ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم انصار کی عورتوں کو غزوہ میں ساتھ لے جاتے تھے' ہم پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔[۱۶۲]

---

[۱۵۹] الاصابہ ج ۴ ص ۴۳۲۔ ۴۳۳' رقم: ۱۱۳۵' از واقدی۔

[۱۶۰] ضعیف حدیث۔ ابوداؤد: ۲۷۲۹' احمد ج ۵ ص ۲۷۱۔ ج ۶ ص ۳۷۱' از حشرج بن زیاد۔ بیہقی ج ۶ ص ۳۳۳۔ ضعیف الاسناد حدیث۔ اس میں رافع بن سلمہ اور حشرج بن زیاد بقول ذہبی وغیرہ غیر معروف ہیں۔ لیکن ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔
(ارواء الغلیل: ۱۲۳۸)

[۱۶۱] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲۷' ناقابل اعتماد اسناد۔ اس کے اسناد میں محمد بن عمر واقدی متہم بالکذب ہے۔

[۱۶۲] صحیح حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۵ ص ۳۰۲' از ام سلیم رضی اللہ عنہا۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج ۵ ص ۳۲۴) میں اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔

مزید ذکر کیا کہ طبرانی نے "المعجم الکبیر" اور "المعجم الاوسط" میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا جن کا تعلق قبیلہ بنو عذرہ قضاعہ سے تھا، روایت کرتی ہیں، ام کبشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! مجھے فلاں فلاں لشکر کے ساتھ نکلنے کی اجازت دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: یارسول اللہ! میں جنگ نہیں کرنا چاہتی، میں تو زخمیوں اور مریضوں کے علاج کے لیے جانا چاہتی ہوں، آپ نے فرمایا: اگر یہ نہ کہا جائے کہ فلاں لشکر کے ساتھ گئی ہے تو میں تمہیں اجازت دے دیتا لیکن تم بیٹھ جاؤ۔[۶۳] حافظ محمد بن یوسف شامی نے صرف اتنا ذکر کیا ہے، ہم نے جو تفصیل ذکر کی ہے گویا وہ ان کو میسر نہیں ہوئی۔ الحمد للہ

امام بخاری نے کتاب الجہاد میں یہ ابواب ذکر کیے ہیں: **باب جهاد النساء**، **باب غزوة المرأة في البحر**، **باب حمل الرجل امرأته في الغزو دون بعض نسائه**، **باب مداواة النساء الجرحى في الغزو**، **باب رد النساء الجرحى والقتلى**. اور اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ احد کے دن جب لوگ نبی ﷺ سے بھاگ گئے، میں نے حضرت عائشہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا، انہوں نے پائنچے چڑھائے ہوئے تھے، ان کی پازیبوں کی جگہ نظر آرہی تھی، وہ اپنی کمر پر مشکیزے لا رہی تھیں، پھر واپس جاتیں، ان کو بھر کر لاتیں اور لوگوں کے مونہوں میں خالی کر دیتی تھیں[۶۴] (زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں)۔

امام عبدالرزاق نے معمر کے طریق سے زہری سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: خواتین غزوات میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوتیں اور مجاہدوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔[۶۵]

امام ابوداود نے حشرج بن زیاد کے طریق سے ان کی دادی سے روایت کیا ہے کہ وہ غزوۂ حنین میں نبی ﷺ کے ساتھ نکلیں۔ اس میں ہے نبی ﷺ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ہم اون کاتیں گی، راہ خدا میں مدد کریں گی، زخمیوں کا علاج کریں گی، تیر لا کر دیں گی اور ستو پلائیں گی۔ (تخریج گزر چکی ہے)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے غزوۂ حنین کے دن خنجر لیا اور کہا: میں نے خنجر اس لیے لیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا میں اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔[۶۶]

"**الاصابہ**" میں حضرت ام عمارہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ میں نے احد کے دن دائیں اور بائیں جدھر بھی دیکھا اپنے سامنے اسے (ام عمارہ کو) لڑتے ہوئے دیکھا۔[۶۷]

---

[۶۳] صحیح حدیث۔ طبرانی "الکبیر" ج ۲۵ ص ۴۳۱، الاوسط: ۲۲۸ (مجمع البحرین)، ابن سعد "الطبقات" ج ۸ ص ۳۰۸، از ام کبشہ العذریہ رضی اللہ عنہا۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۵ ص ۳۲۴) میں کہا ہے: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

[۶۴] صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۸۸۰۔ ۲۹۰۲۔ ۳۸۱۱۔ ۴۰۶۴، مسلم: ۱۸۱۱، احمد ج ۳ ص ۱۰۵۔ ۲۵۶۔ ۲۸۶، از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

[۶۵] زہری کی طرف اس کا اسناد صحیح ہے۔

[۶۶] صحیح حدیث۔ مسلم: ۱۸۰۹، احمد ج ۳ ص ۱۹۰، ابن سعد "الطبقات" ج ۸ ص ۴۲۵، از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ صحیح السیرة النبویہ ص ۴۴۶، از ابراہیم العلی۔

[۶۷] الاصابہ ج ۴ ص ۴۷۹، رقم: ۱۴۲۶، از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ حدیث حسن۔

"العتبیۃ" میں ہے امام مالک نے کہا: خواتین غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتی تھیں وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔ ابن رشد نے "البیان والتحصیل" میں کہا ہے کہ پرامن لشکر کے ساتھ غازیوں کی خدمت کے لیے عورتوں کے ساتھ جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

"الفجر الساطع" میں ہمارے شیخ بیہقی نے "ہم زخمیوں کا علاج کریں گی" کے جملہ پر کہا ہے: علامہ قرطبی نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ وہ زخمیوں کے لیے ادویہ تیار کریں گی اور انہیں استعمال کریں گی اور مردوں کے ان اعضاء کو نہیں چھوئیں گی جن کا چھونا ان پر حرام ہے۔ پھر یہ خواتین عمر رسیدہ ہوتی تھیں' ان کے لیے چہرہ کھولنا جائز تھا' جوان عورتیں حجاب میں ہوتی تھیں' اہل عرب خواتین میں یہ اوصاف تھے کہ وہ ذمہ دار' دلیر اور جرأت وعفت میں نمایاں مقام رکھتی تھیں' خصوصاً صحابہ کرام کی خواتین اس وصف سے وافر حصہ رکھتی تھیں۔ حالتِ اضطرار میں ان کے لیے زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج معالجہ جائز تھا' کیونکہ ضرورت کے وقت ممنوعہ چیزیں مباح ہوتی ہیں۔ ابن زکری نے کہا: اس سے معلوم ہوا بوقتِ ضرورت آدمی اجنبی عورت سے علاج کرا سکتا ہے۔

شیخ عبدالغنی النابلسی نے "شرح الطریقۃ المحمدیہ" میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما جب مکہ میں بیمار ہوئے' انہوں نے دوا دارو کے لیے بوڑھی خاتون (بطور نرس) مقرر کی وہ ان کے پیر سہلاتی تھی اور ان کے سر سے جوئیں نکالتی تھی۔

تاجر خواتین

بعض تاجر خواتین کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے' بعض کا ذکر اب آ رہا ہے۔ "الاصابہ" میں حضرت قَیلہ الانماریہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ابن ماجہ کے حوالہ سے ہے میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں خرید و فروخت کرنے والی عورت ہوں۔[۱۱۶۸] الحدیث

"طبقات ابن سعد" (ج ۸ ص ۲۳۸) میں حضرت قیلہ ام بنو انمار سے مروی ہے وہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ مروہ پر اپنے عمرہ سے حلال ہونے کے لیے آئے' میں اپنے عصا کے سہارے آئی اور آپ کے پاس بیٹھ گئی' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں خرید و فروخت کرنے والی (تاجر) عورت ہوں' کبھی میں کسی سامان کو خریدنا چاہتی ہوں تو اس کے اپنے ارادہ سے کم دام لگاتی ہوں پھر بڑھاتی چلی جاتی ہوں یہاں تک کہ اپنے ارادہ کے مطابق قیمت پر اسے خرید لیتی ہوں اور کبھی میں سامان کی اپنے ارادہ سے زیادہ قیمت لگاتی ہوں پھر کم کرتے کرتے اپنی خواہش کے مطابق اسے فروخت کرتی ہوں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیلہ! ایسا نہ کیا کرو' جب تم کسی چیز کو اپنی معین قیمت پر خریدنا چاہو تو اسے وہ قیمت بتا دو' وہ تمہیں دے یا نہ دے اور جب کوئی چیز فروخت کرنا چاہو تو اس کو

۱۱۶۸ ضعیف حدیث۔ بخاری "التاریخ" ج ۴ ص ۲/ ۱۴۸ تعلیقاً۔ ابن ماجہ: ۲۲۰۴' ابن سعد "الطبقات" ج ۸ ص ۳۱۱' از یعلی بن شبیب از عبداللہ بن عثمان بن خثیم از قیلہ ام بنو انمار' یہ اسناد ضعیف اور منقطع ہے۔ (دندل) بوصیری نے "الزوائد" (ج ۲ ص ۱۳۶) میں کہا ہے: المزی نے "الاطراف" میں ابن خثیم از قیلہ کو محل نظر کیا ہے۔ ذہبی نے "الکاشف" میں کہا ہے: قیلہ ام رومان سے ابن خثیم نے مرسلاً روایت کیا ہے۔ نیز یعلی بن شبیب بھی لین الحدیث ہے۔ (التقریب)

وہی دام بتاؤ جو تم نے لینے ہیں خواہ وہ خریدے یا منع کر دے۔

قاضی العقبانی کی ''تحفۃ الناظر'' میں ہے یہاں اشکال ہے کہ خواتین اور دلالی (تجارت) میں کوئی جوڑ نہیں کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے' اس کے باوجود عورت کے لیے تجارت کی اباحت منقول ہے اور یہ کہ خاوند اسے بغرض تجارت نکلنے سے منع نہیں کر سکتا' تجارت اور اس کے اسباب و ذرائع کے لیے عورت کے لیے ایسے آدمی سے معاملہ کرنے کی پابندی نہیں جو قابل اعتماد ہو بلکہ وہ نفع کے حصول کے لیے ہر مرد سے تجارتی معاملہ کر سکتی ہے ورنہ تجارت کا کیا فائدہ؟

پھر انہوں نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ عورت کے لیے تجارت کے مباح ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خود تجارتی امور سر انجام دے بلکہ وہ قابل اعتماد امانت دار شخص کو اس کام پر مقرر کر سکتی ہے خواہ وہ اس کا محرم ہو یا غیر محرم۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ اسے بغرض تجارت باہر نکلنے سے منع نہیں کیا جائے گا اسے ''الحادی'' میں ''المجموعۃ'' سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض شیوخ نے کہا: خاوند عورت پر تجارت کا دروازہ نہیں بند کر سکتا۔ کتاب الوصایا میں الوثائق المجموعہ میں یہی مذکور ہے۔

''الرسالۃ'' پر ابویحییٰ التازی کی شرح میں ہے عورت کو بازاروں میں بیع و شراء سے منع کیا جائے گا' البتہ گھر میں اس کے لیے خرید و فروخت جائز ہے' آدمی وہاں جا سکتے ہیں لیکن وہ پسِ پردہ خرید و فروخت کرے گی اور اس کے لیے وہ شوہر کی اجازت کی محتاج نہیں ہے۔

دایہ خاتون

''طبقات ابن سعد'' میں نبی علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے ان کی دایہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نبی علیہ السلام کی باندی سلمیٰ رضی اللہ عنہا تھیں' ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو خوش خبری سنائی تو آپ نے اسے غلام عطا فرمایا۔ حضرت سلمیٰ ہی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی میت کو غسل دینے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی تھی۔[۱۶۹]

''الاصابہ'' میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے ان کی دایہ حضرت صفیہ کی باندی سلمیٰ تھی وہ آپ کے بچوں کو دودھ پلاتی اور بچے کی ولادت سے پہلے آپ کی دیکھ بھال کرتی تھی۔[۱۷۰]

''الاصابہ'' میں حضرت سوداء رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ایسے اسناد سے جس میں مجہول راوی ہے' مروی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے وقت آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دایہ تھیں۔[۱۷۱]

۱۶۹۔ ''الاستیعاب'' علی ہامش ''الاصابہ'' ج ۱ ص ۱۴۱۔

۱۷۰۔ الاصابہ ج ۴ ص ۲۸۱۔۲۸۳' رقم: ۳۳۵۔

۱۷۱۔ ''الاصابہ'' (ج ۴ ص ۳۳۷۔۳۳۸' رقم: ۷۰۳) میں حافظ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ ان سے بھی ایک حدیث بہ اسناد مجہول مروی ہے۔

لڑکیوں کا ختنہ کرنے والی خاتون

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کا ختنہ کرتی تھیں' نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: بالکل کم کاٹو نہ بہت زیادہ' کیونکہ یہ (طریق کار) چہرہ کو زیادہ پرکشش کرنے والا ہے اور خاوند کو زیادہ لذت دینے والا ہے[۱۱۷۲] (یعنی یہ چہرے کی رونق اور خون کو بڑھانے والا اور ہمبستری میں زیادہ اچھا ہے)۔

دودھ پلانے والی خواتین

''الاستیعاب'' میں ہے بنوعدی بن النجار کی حضرت ام بردہ بنت المنذر بن زید رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا' حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ (حضرت ماریہ قبطیہ) رضی اللہ عنہا نے ان کو ایک بار دودھ پلایا' پھر حضرت ام بردہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ کر دیا وہ آپ کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا[۱۱۷۳] (حضرت ام بردہ رضی اللہ عنہا حضرت براء بن اوس بن خالد رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں)۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: ''الاصابہ'' میں بھی اسی طرح ہے' اس کے بعد لکھا ہے ابوموسیٰ نے کہا: مشہور یہ ہے کہ حضرت ام سفیان رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا' شاید دونوں نے آپ کو دودھ پلایا ہو[۱۱۷۴]

مجلس نبوی میں عورتوں کی نمائندہ خاتون

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن الانصاریہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ''الاستبصار'' کے حوالہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں پیچھے رہنے والی مسلمان خواتین کی قاصد ہوں' وہ یہی کہتی ہیں جو میں کہوں گی اور ان کی رائے وہی ہے جو میری رائے ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے' ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی اتباع کی' ہم خواتین پردہ نشین ہیں' گھروں میں بیٹھنے والی' مردوں کی شہوات کا محل اور ان کی اولاد کو اٹھانے والیاں' لوگوں کو جماعت کی فضیلت حاصل ہے وہ جنازوں میں حاضر ہوتے ہیں اور جب وہ جہاد کے لیے نکلتے ہیں ہم ان کے اموال کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کی اولاد کی دیکھ بھال کرتی ہیں' یارسول اللہ! کیا ہم ان کے اجر میں شریک ہوتی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ

۱۱۷۲ صحیح حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'': ۸۱۳۷' حاکم ج ۳ ص ۵۲۵' ابن عساکر ج ۸ ص ۲۰۶/ ۱' از ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۷۲۲۔

۱۱۷۳ ''الاستیعاب'' علی هامش ''الاصابہ'' ج ۴ ص ۴۳۶۔

۱۱۷۴ الاصابہ ج ۴ ص ۴۳۴۔۴۳۵' رقم: ۱۱۵۴۔

ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے اپنے دین کے بارے میں اس خاتون کے سوال سے بہتر سوال سنا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں' یارسول اللہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسماء تم واپس جاؤ اور اپنے پیچھے رہنے والی خواتین کو بتاؤ کہ اپنے شوہر کے حقوق زوجیت بحسن وخوبی ادا کرنے والی' اس کی رضامندی کی طلب گار اور خاوند کی موافقت میں چلنے والی تمہارے ذکر کردہ ہر عمل میں برابر کی شریک ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتی ہوئی واپس گئیں' وہ رسول اللہ ﷺ کی اس خوشخبری سے بہت خوش تھیں۔[۱۱۷۵]

سوت کاتنے والی خواتین

ابونعیم نے ''المعرفة'' میں حضرت عبداللہ بن ربیع الانصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: اپنے بیٹوں کو تیراکی اور تیراندازی سکھاؤ اور مؤمن خاتون کا گھر میں بہترین کھیل سوت کاتنا ہے۔[۱۱۷۶]

ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: اپنی عورتوں کو لکھنا سکھاؤ نہ ان کو بالا خانوں میں بٹھاؤ اور فرمایا: مؤمن مرد کا بہترین کھیل تیراکی اور مؤمن عورت کا بہترین کھیل سوت کاتنا ہے۔[۱۱۷۷]

دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: خاتون کا بہترین کھیل چرخہ ہے۔[۱۱۷۸] اور یہ حدیث گزر چکی ہے: نیک مردوں کا کام خیاطۃ (ٹیلرنگ' درزی ہونا) ہے اور نیک خواتین کا کام چرخہ کاتنا ہے۔[۱۱۷۹]

الخطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: اپنی عورتوں کی مجالس کو چرخے سے مزین کرو۔[۱۱۸۰]

ابن عساکر نے محمد بن بکار السکسکی کے طریق سے موسیٰ بن عقبہ سے انہوں نے الفیلی سے' انہوں نے حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں داخل ہوا' میں نے دیکھا ان کے ہاتھ میں چرخہ ہے وہ سوت کات رہی ہیں' میں نے کہا: میں جب بھی آپ کے پاس آتا ہوں آپ

۱۱۷۵ ''الاستیعاب'' علی ہامش ''الاصابہ'' ج ۴ ص ۲۳۷-۲۳۸' بلا اسناد' بلا حوالہ۔

۱۱۷۶ ضعیف حدیث۔ ابن مندہ ''المعرفۃ'' ''ابوموسیٰ'' ''الذیل'' دیلمی ''الفردوس''۔ (ضعیف الجامع الصغیر: ۳۲۷۶' سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۳۸۷۶)

۱۱۷۷ موضوع حدیث۔ ابن عدی ''الکامل'' ج ۲ ص ۱۵۳' ابن الجوزی ''الموضوعات'' ج ۲ ص ۲۶۷' از طریق جعفر بن نصر.......... ابن الجوزی نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں۔ ابن حبان نے کہا: جعفر بن نصر ثقات سے خود ساختہ روایات نقل کرتا ہے۔ ابن عدی نے کہا: یہ ثقات سے باطل احادیث روایت کرتا ہے۔ (میزان الاعتدال: ۱۵۴۱' لسان المیزان ج ۲ ص ۱۳۱)

۱۱۷۸ دیلمی ''فردوس الاخبار'' رقم: ۲۷۰۲' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ' بلا اسناد' موضوع حدیث۔

۱۱۷۹ ضعیف حدیث۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱۰۹)

۱۱۸۰ موضوع حدیث۔ ابن عدی ج ۶ ص ۱۳۰' خطیب ''تاریخ'' ج ۵ ص ۲۸۰' از طریق محمد بن زیاد الیشکری.......... ''المیزان'' میں ہے: محمد بن زیاد کذاب' وضاع ہے۔ ابن الجوزی نے خطیب کے حوالہ سے اس حدیث کو ''الموضوعات'' ج ۲ ص ۲۷۷ میں اور حافظ سیوطی نے ''اللآلی'' (ج ۲ ص ۱۷۹) میں ذکر کیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱۹)

کے ہاتھ میں چرخہ دیکھتا ہوں' انہوں نے فرمایا: یہ شیطان کو بھگاتا ہے اور وسوسوں سے بچاتا ہے' مجھے یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں عظیم ترین اجر والی وہ ہوگی جو زیادہ مشقت والا کام کرنے والی ہوگی[۱۱۸۱]

ابن عساکر نے از محمد بن یزید بن مروان از زیاد بن عبد اللہ القرشی روایت کیا ہے کہ میں ہند بنت المهلب بن ابی صفرہ کے ہاں گیا یہ حجاج بن یوسف کی بیوی تھی' میں نے دیکھا وہ چرخے سے سوت کات رہی ہے' میں نے کہا: آپ سوت کات رہی ہیں حالانکہ آپ امیر کی بیوی ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے زیادہ مشقت اور محنت کا کام کرنے والی سب سے زائد اجر والی ہو گی اور چرخہ کاتنا شیطان کو دور کرتا ہے اور وسوسوں سے بچاتا ہے[۱۱۸۲]

حاکم نے ''المستدرک'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کو بالا خانوں میں نہ بٹھاؤ اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ' ان کو چرخہ کاتنا سکھاؤ[۱۱۸۳] حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' اسے بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حاکم کے طریق سے روایت کیا ہے۔

ابن سعد نے ام صفیہ خولہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' وہ کہتی ہیں: ہم عورتیں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور حکمرانی میں مسجد میں جایا کرتی تھی' کبھی ہم میں سے کوئی عورت مسجد میں چٹائیاں بنتی تھی' سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں مسجد سے نکال دیا۔ حافظ سیوطی نے اس عنوان پر ''الاجز الجزل فی الغزل'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔ علامہ کتانی کہتے ہیں: میرے پاس یہ رسالہ موجود ہے اور یہاں میں نے اس کی تلخیص دی ہے۔

گانے والے

عیدین میں گانے والوں کا ذکر

صحیحین میں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: حبشی عید کے دن مسجد میں رقص کر رہے تھے' نبی ﷺ نے مجھے بلایا' میں حضور ﷺ کے شانہ پر سر رکھ کر ان کا کھیل دیکھنے لگی' یہاں تک کہ میں خود ان کو دیکھنے سے واپس آئی[۱۱۸۴] (حضور ﷺ میری خاطر کھڑے رہے جب میرا جی بھر گیا تو میں واپس آئی)۔

۱۱۸۱ موضوع حدیث۔ اسناد میں مجاہیل ہیں۔

۱۱۸۲ موضوع حدیث' مرسل روایت' نیز اسناد میں مجاہیل ہیں۔

۱۱۸۳ موضوع حدیث۔ خطیب ''تاریخ'' ج ۴ص ۲۲۴' حاکم' ابن الجوزی ''الموضوعات'' ج ۲ص ۲۷۳۔۲۷۴' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔
ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں' تعجب ہے حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو صحیح میں ذکر کیا ہے' ابو حاتم بن حبان نے کہا: محمد بن ابراہیم شامی' شام کے محدثین پر احادیث وضع کرتا تھا' بغیر اطمینان کے اس سے روایت حلال نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ''اللآلی المصنوعۃ'' ج ۳ص ۱۶۸' ''تنزیہ الشریعۃ'' ج ۲ص ۲۰۹' ''الفوائد المجموعۃ'': ۱۲۶۔۱۲۷

۱۱۸۴ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۵۴' ۴۵۵' ۵۱۹' ۵۲۳۶' مسلم: ۸۹۲(۱۸۔۲۰)' عبد الرزاق: ۱۹۷۲۱' نسائی ج ۳ص ۱۹۵۔۱۹۶' بیہقی ''السنن'' ج ۷ص ۹۲' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

صحیحین ہی میں مروی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آئے' ان کے پاس دو لڑکیاں منٰی کے ایام میں گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے چہرہ پر کپڑا ڈالے ہوئے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے کپڑا ہٹا کر فرمایا: ابوبکر! ان کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں۔[185]

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی ہر چیز میں نے دیکھی ہے سوائے ایک چیز کے' رسول اللہ ﷺ کے لیے عید الفطر کے دن دف بجا کر گایا جاتا تھا۔ جابر نے کہا: یہ کھیل ہے۔[186]

ابن ماجہ نے حضرت عیاض الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے انبار میں عید منائی اور فرمایا: میں تمہیں دف بجا کر گاتے ہوئے نہیں دیکھتا جس طرح (عید کے دن) رسول اللہ ﷺ کے پاس دف بجا کر گایا جاتا تھا۔[187]

طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں: عید الفطر کے روز میرے پاس حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لڑکی دف کے ساتھ شعر پڑھتی ہوئی آئی تو میں نے اسے ڈانٹا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! اسے چھوڑ دو' ہر قوم کی عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔[188]

امام مسلم نے حضرت عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے میرے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے' انصار کی لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں اوس وخزرج کے درمیان ہونے والی جنگ یوم بعاث کے متعلق اشعار گا رہی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ گانے والی لڑکیاں نہ تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطانی گیت' یہ عید کا دن تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہے اور یہ ہماری عید (کا دن) ہے۔[189] امام بخاری کی روایت میں "مزمور" کی جگہ "مزمارۃ" کا لفظ ہے۔

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن حبیب العامری البغدادی نے سماع کے بارے میں اپنی کتاب میں کہا ہے: جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول شیطانی مزمار (گیت) سے استدلال کیا ہے اس نے خطا کی اور کئی اعتبار سے غلط فہمی کا شکار ہوا ہے۔ اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول سے تمسک کیا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے

---

[185] صحیح حدیث۔ بخاری: ۹۴۹۔۹۵۰۔۲۹۰۶۔۲۹۰۷' مسلم: ۸۹۲ (۱۷۔۱۹)' احمد ج ۶ ص ۳۳۔۱۲۷' نسائی ج ۳ ص ۱۹۵' ابن حبان: ۵۸۶۸۔۵۸۵۹' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

[186] صحیح حدیث۔ احمد ج ۳ ص ۴۲۲' ابن ماجہ: ۱۳۰۳' از قیس بن سعد رضی اللہ عنہ۔

[187] صحیح حدیث۔ ابن ماجہ: ۱۳۰۲' از عیاض اشعری رضی اللہ عنہ۔ بوصیری نے "الزوائد" میں کہا ہے: اس اسناد کے رجال ثقہ ہیں۔ صحاح ستہ میں عیاض اشعری رضی اللہ عنہ سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔

[188] نہایت ضعیف روایت۔ طبرانی "الکبیر" ج ۲۳ ص ۵۵۸' از ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۲ ص ۲۰۶) میں کہا ہے: اس کے اسناد میں وازع بن نافع متروک راوی ہے۔

[189] صحیح حدیث۔ مسلم: ۸۹۲ (۱۶)' از عائشہ رضی اللہ عنہا' مفصل تخریج گزر چکی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کو رد فرمایا۔ اور ان بچیوں کو ڈانٹنے سے منع فرمایا' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا اشارہ پا کر اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

اب اس کو شیطانی گیت قرار دینے کا قائل حضور ﷺ کی برقرار رکھی ہوئی چیز سے روگردانی کر رہا ہے اور ایسی چیز کی طرف متوجہ ہے جس کا احتمال ہی نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں حلّت ثابت ہوتی ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے اسے شیطانی گیت کا نام دینا درست نہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس چیز کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھیں جسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے انجام دیا گیا ہو اور آپ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو اسے برقرار رکھا ہو' جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ علم ہے کہ نبی ﷺ کسی باطل چیز کو برقرار نہیں رکھتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول اور طرز عمل کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے دف بجانے اور شعر خوانی کو ان مباح کاموں میں سے سمجھا جن میں عبادت نہیں ہے' وہ دل ہی دل میں حضور ﷺ کی تعظیم' منصب رسالت کے احترام و احتشام کے پیش نظر ایسے فعل سے خوف زدہ ہوئے جو صورتاً لعب سے مشابہ ہے اور یہ خیال کیا کہ ایسے موقع پر ذکر اور عبادت میں مشغولیت اولیٰ ہے' سو آپ نے بچیوں کو بارگاہِ رسالت کے احترام کے پیش نظر ڈانٹا تھا اس عمل کو حرام سمجھ کر نہیں ڈانٹا تھا۔

نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی کو دو وجہ سے رد کر دیا:

(۱) آپ شریعت میں مباح چیز کے حرام ہونے کا اعتقاد نہ رکھیں' تاکہ امت کے لیے وسعت اور نرمی کا پہلو برقرار رہے اور بعض مخصوص اوقات میں مباح لہو و لعب کی اجازت باقی رہے۔

(۲) شارع علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ اور امت کے لیے مکارم اخلاق اور وسعتِ قلب کا مظاہرہ فرمایا' تاکہ ان کے قلوب بعض مباحات کے ذریعے راحت پائیں اور اس طرح وہ تازہ دم ہو کر خوش دلی سے عبادت کے معمولات میں پھر سے مصروف ہوں۔ جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول "کیا قرآن اور شعر؟" کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا: گھڑی بھر یہ اور گھڑی بھر یہ۔[۱۱۹۰]

کیا عہد نبوی میں گھنگرو والے دف تھے؟

(کیا صحابہ کرام نے سارنگی اور تانت سنی ہے)

علامہ الخزاعی یہاں کہتے ہیں: مجھے دورانِ مطالعہ ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ نبی ﷺ کے گھر میں لڑکیاں جو دف بجاتی تھیں ان میں گھنگرو ہوتے تھے یا نہیں؟ تاہم ابوحامد (امام غزالی) کا ایسے دف کے

۱۱۹۰ مجھے یہ حدیث ان الفاظ میں نہیں ملی' البتہ دوسرے الفاظ سے یہ حدیث درج ذیل کتب میں موجود ہے: مسلم: ۲۷۵۰' ترمذی: ۲۴۵۴' جامع الاصول ج ۱ ص ۳۱۵۔۳۱۷' حدیث: ۹۷۔

استعمال کو جائز قرار دینا جس میں گھنگرو لگے ہوں اس کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ عہد نبوی میں ایسے دف زیر استعمال تھے' اسی لیے امام غزالی نے اسے مباح کہا ہے[۱۹۱]

علامہ کتانی کہتے ہیں کہ میں نے علامہ التلمسانی کی شرح المنتہٰی "المنهل الاصفى" میں یہ پایا ہے کہ اہل عرب اپنے دفوں میں گھنگرو استعمال کرتے تھے' تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث مبارکہ "اور لڑکیاں دف بجا رہی تھیں"[۱۹۲] کے تحت ان کا قول کہ دف گول ہوتا تھا یا گھنگرو والا؟

علامہ کمال الادفوی نے "الامتاع" میں کہا ہے: جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں دف بغیر گھنگرو کے ہوتے تھے' اس کا دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس دور میں دف بغیر گھنگرو کے ہوتے تھے تب بھی بات نہیں بنے گی کیونکہ دلیل تب ہوتی جب یہ مذکور ہوتا کہ دف پر گھنگرو تھے پھر آپ نے منع فرمایا۔

شیخ ابو المواہب التونسی نے آلات کے سماع کی اباحت کے موضوع پر مشتمل اپنی تالیف میں ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کی ایک جماعت نے سارنگی سنی ہے' ان صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت عبداللہ بن جعفرؓ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ' حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ شامل ہیں۔ اسے قاضی ابن الحاج نے "شرح المرشد" کے حواشی میں ان سے نقل کیا ہے[۱۹۳]

حافظ شوکانی کے رسالہ "ابطال دعوى الاجماع على تحريم مطلق السماع" میں ہے: استاذ ابو منصور البغدادی الشافعی نے سماع کے متعلق اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ گانا سننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور اپنی باندیوں سے گانا سننے کو مباح سمجھتے تھے اور ان سے تانت پر گانے سنتے تھے' یہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ ہے۔

امام الحرمین نے "النهاية" میں اور ابن ابی الدم نے کہا ہے: ثقہ مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سارنگی نواز باندیاں تھیں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے ہاں آئے ان کے بازو میں سارنگی پڑی تھی' انہوں نے پوچھا: اے رسول اللہ کے صحابی! یہ کیا ہے؟ یہ کہہ کر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے سارنگی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو تھما دی' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قدرے سوچنے کے بعد کہا: یہ شامی ترازو ہے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس میں عقلیں تولی جاتی ہیں[۱۹۴]

---

۱۹۱ خدا جانے علامہ خزاعی اس کی اباحت کہاں سے نکال لائے۔ حالانکہ یہ حرام ہے کسی نے بھی اس کو مباح نہیں کیا۔ (وندل)

۱۹۲ صحیح حدیث۔ بخاری: ۴۰۰۱۔ ۵۱۴۷' ابوداود: ۴۹۲۲' ترمذی: ۱۰۹۰' ابن ماجہ: ۱۸۹۷' احمد ج ۶ ص ۳۵۹۔ ۳۶۰' طبرانی "الکبیر" ج ۲۴ ص ۶۹۹' ابن حبان: ۵۸۷۸' از ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا۔ اس حدیث میں دفوں پر گھنگھرو کی دلیل نہیں ہے' نامعلوم التلمسانی نے یہ دلیل کہاں سے لی ہے۔

۱۹۳ پناہ بخدا! صحابہ کرام اور یہ فاسقانہ مشغلہ' خدا جانے ابو المواہب التونسی یہ بہتان کہاں سے تراش لائے۔

۱۹۴ بلاسند روایات۔ غالباً کتب تصوف سے منقول افتراءات۔

نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ کی مُغنّیات کے نام

قبل ازیں حدیث میں گزر چکا ہے کہ "انصار کی دو لڑکیاں گانا گا رہی تھیں"۔ "الفجر الساطع" میں کہا ہے یہ عبداللہ بن ابی اسم کی دو کمسن لڑکیاں تھیں' ایک کا نام حمامہ تھا۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نام حمامہ تھا' اسے ابن فلیح نے ابن ابی الدنیا سے از ہشام از والدِ ہشام از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے۔ (دیکھئے الاصابہ' تذکرہ حمامہ)

"الاصابہ" ہی میں ارنب مدینہ طیبہ کی مغنیہ کے بارے میں ہے: ہم نے امالی المحاملی سے تیسرے جزء میں از طریق ابن جریج روایت کیا ہے' ہمیں ابوالاصبغ نے خبر دی کہ ان کو جمیلہ مغنیہ نے بتایا: اس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غناء (گانا) کے بارے میں پوچھا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک انصاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زیر کفالت لڑکی سے شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تو نے اپنی دلہن کو رخصت کر دیا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں' آپ نے فرمایا: تو نے اس کے ساتھ گانا گانے والی کو بھیجا کیونکہ انصار اس کو پسند کرتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا' نہیں آپ نے فرمایا: زینب کو بلوا بھیجتیں' یہ خاتون مدینہ طیبہ میں مغنیہ تھیں۔

حافظ محمد بن طاہر المقدسی نے "کتاب الصفوۃ" میں المحاملی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ جمیلہ نے ان کو خبر دی' اس نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے گانے کے بارے میں پوچھا' انہوں نے فرمایا: ایک انصاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زیر کفالت لڑکی سے شادی کی' پھر سابقہ قصہ جیسا قصہ ذکر کیا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: زینب کو بلا لیتیں' وہ مدینہ طیبہ کی مغنیہ تھی[۱۱۹۵] اس سلسلہ میں حضرت فُریعہ بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما کا تذکرہ ملاحظہ کریں۔

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" کی کتاب النکاح میں ان عورتوں کے متعلق حدیث کی تشریح میں جو دلہن کو اس کے خاوند کے پاس بھیجتی تھیں اور اس کو برکت کی دعا دیتی تھیں' یہ جملہ نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کیونکہ انصار کو لہو (سامانِ تفریح' دف وغیرہ) پسند ہے۔[۱۱۹۶]

حضرت ابن عباس[۱۱۹۷] اور جابر[۱۱۹۸] رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے: انصار کی قوم میں غزل (کا شوق) ہے۔

۱۱۹۵ الاصابہ ج ۴ص ۳۲۰' رقم: ۵۰۳' ناقابل اعتبار روایت' مجاہیل الاسناد۔ ابن طاہر "کتاب الصفوۃ" از طریق محاملی از زبیر بن خالد از صفوان بن ہبیرہ ــــــ اس کے اسناد میں زہیر بن خالد مجہول الحال ہے۔ صفوان بن ہبیرہ کو ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (ج ۴ص ۴۲۵) میں شیخ کہا ہے۔ اس کے ایک اور راوی ابوالاصبغ کو "الجرح والتعدیل" (حدیث: ۳۳۳۱۹) میں مجاہیل میں شمار کیا گیا ہے' جمیلہ مغنیہ بھی مجہول الحال ہے۔

۱۱۹۶ صحیح حدیث۔ بخاری: ۵۱۶۲' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۱۱۹۷ حسن لغیرہ حدیث۔ ابن ماجہ: ۱۹۰۰' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کی شاہد ہے۔

۱۱۹۸ احمد ج ۳ص ۳۹۱۔ ج ۴ص ۷۸' بزار: ۱۳۳۲' ابن الجوزی "تلبیس ابلیس": ۱۸۸ (ص ۲۵۷)' از جابر رضی اللہ عنہ۔ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۴ص ۲۸۹) میں کہا ہے: اس کے اسناد میں اجلح الکندی کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے' تاہم اس میں ضعف ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں' ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث اس کی شاہد ہیں' سو یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم

المحاملی کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں مغنیہ کا نام زینب ہے[۱۱۹۹] اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں عیدین کے موقع پر ان کے ہاں گانے والی دوسری لڑکی کا نام زینب معلوم ہو گیا' جبکہ پہلی لڑکی کا نام حمامہ تھا' جسے ہم ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے اسناد حسن کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں۔ چونکہ ہمیں حمامہ کے ساتھ گانے والی دوسری لڑکی کا نام نہیں ملا' اس لیے ممکن ہے یہ دوسری لڑکی زینب ہو۔

علامہ کتانی (مؤلف کتاب) کہتے ہیں: علامہ خزاعی نے یہاں "المشارق" سے یہ جملہ نقل کرنے کے بعد کہ "دو لڑکیاں گا رہی تھیں" کہا ہے کہ وہ لڑکیاں گانے والی نہ تھیں کہ وہ گا گا کر اشعار پڑھتی ہوں' اور وہ اس پیشہ سے منسلک نہ تھیں بلکہ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جس طرح لڑکیاں اور آدمی خلوت میں کچھ نہ کچھ گنگنا لیتے ہیں اور اشعار پڑھتے ہیں' اسی طرح وہ گنگنا رہی تھیں۔ اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عربی شعر خوانی کے اسلوب سے ہٹ کر عجمی موسیقی اور گانے کی رعایت سے نہیں گا رہی تھیں۔

حافظ ابن الجوزی نے "تلبیس ابلیس" میں کہا ہے: ظاہر ہے یہ لڑکیاں کم سن تھیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کم سن تھیں' آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کم سن لڑکیوں کو کھیلنے کے لیے بھیجتے تھے' پھر اس واقعہ کا تذکرہ کیا اور کہا ہے کہ وہ لڑکیاں مغنیہ نہیں تھیں اور ان کا گانا کیف و مستی پیدا کرنے والا نہ تھا' نہ ان کے دف آج کل کے دف جیسے تھے۔ (ص ۲۴۰)

امام نووی نے "شرح مسلم" میں کہا ہے: راوی کا قول "وہ لڑکیاں گانے والی نہ تھیں" اس جملے کا مطلب ہے گانا ان کی عادت تھا نہ وہ گانے والی مشہور تھیں۔ قاضی عیاض نے کہا ہے: ان کا گانا جنگی ترانوں اور شجاعت و غلبہ پر فخر کے اظہار پر مشتمل تھا۔ اس طرح کا گانا لڑکیوں کو بُرائی پر مائل نہیں کرتا اور ایسا گانا گانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ یہ صرف بلند آواز سے شعر کہنا ہے' اس کا تعلق پیشہ ور گانے والوں یا گانے والیوں سے نہیں ہے[۱۲۰۰] "الارشاد" میں علامہ قسطلانی نے بھی یہی تقریر کی ہے۔

گانوں کے مضامین

گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا کہ انصار کی لڑکیاں جنگ بعاث کے متعلق اشعار گا رہی تھیں' بعاث ایک قلعہ کا نام ہے جس کے پاس اوس و خزرج کے مابین جنگ ہوئی تھی۔

علماء و مشائخ کے سرخیل استاذ ابو النجاۃ سالم بو حاجب المکی التونیسی نے صحیح البخاری پر اپنی تعلیقات میں کہا ہے: اللہ تعالیٰ امام بخاری کو عید کے روز مخصوص کھیل (لعب) کا ذکر لانے پر جزائے خیر دے' اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ ہر وہ تفریحی مشغلہ جو عید کے روز اظہار مسرت کے لیے ہو لازم ہے کہ شرعی مصلحت سے خالی نہ ہو' تاکہ اس کا لہو باطل میں شمار نہ ہو اور وہ ممنوعہ کھیلوں کے دائرہ میں نہ آئے۔

۱۱۹۹ تخریج گزر چکی ہے' مجاہیل الاسناد' ناقابل اعتماد روایت۔

۱۲۰۰ غناء کی حرمت پر مبنی کلام و برحق ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے "تلبیس ابلیس" ابن الجوزی ص ۲۵۹-۲۶۲ "حکم الاسلام فی الغناء" محمد الحامد' "رسالۃ الغناء" ابن القیم "حکم سماع الغناء" ابو بکر جابر۔

اس میں امت کے اصول تمدن کے اس اصل عظیم کی جانب اشارہ ہے کہ خوشی اور مسرت کے موقعوں پر ایسے تفریحی مشاغل ہوں جن سے دلوں میں دین اور وطن سے محبت کا جذبہ پروان چڑھے۔ مکارم اخلاق تک رسائی ہو اور ان مشاغل اور ان کے مشاہدہ میں مشغول انسان پر یہ مشہور مثال چسپاں نہ ہو کہ ''وہ جھاگ کی آڑ میں اصل مشروب کو پی جاتا ہے''۔

امام بخاری نے یہاں اس حدیث کی جانب اشارہ کیا ہے جس میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ابن آدم کا ہر لہو باطل ہے سوائے تین کے' گھوڑے کی تادیب واصلاح' تیر اندازی اور بیوی سے دل لگی کرنا۔[1201]

اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جزائے خیر سے نوازے انہوں نے دو لڑکیوں کے گانے اور حبشیوں کے مسجد میں رقص والی احادیث کو یکجا کر دیا ہے' کیونکہ جنگ بعاث کے گیت جرأت اور دلیری کو مہمیز کرتے ہیں اور حبشیوں کا رقص جسمانی حرکات میں تیزی اور پھرتی کی تعلیم دیتا ہے اور جنگ میں دونوں چیزیں جرأت اور پھرتی ضروری ہوتی ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ جنگی مشقیں علوم کی تعلیم ہے اور تعلیم کا شمار کھیل میں نہیں ہوتا' امام بخاری نے اس کو کھیل (لعب) کا نام کیوں دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ ابن حجر نے اس کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہ صوری طور پر کھیل کے مشابہ ہیں' جیسے باہم تیر اندازی کا مقابلہ کرنے والوں میں بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو تیر سے زخمی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک دوسرے کو چیلنج ہوتا ہے خواہ وہ باپ بیٹے کیوں نہ ہوں۔

ولیمہ' نکاح میں گانے کا ذکر

صحیح البخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے ایک دلہن کو انصاری شخص کے پاس بھیجا' نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تمہارے ساتھ لہو نہیں تھا انصار کو لہو پسند ہے۔[1202]

علامہ کتانی کہتے ہیں: امام احمد' حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ابن حبان کے ہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: نکاح کا اعلان کرو۔[1203] ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ زائد ہے: اور نکاح پر دف بجاؤ۔[1204]

[1201] ضعیف حدیث۔ طبرانی ''الاوسط'' از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج۵ص۲۶۹) میں کہا ہے: اس کے ایک راوی سوید بن عبدالعزیز کو امام احمد نے متروک کہا ہے۔

[1202] صحیح حدیث۔ تخریج گزر چکی ہے۔

[1203] احمد' عبد اللہ بن احمد ''المسند'' ج۴ص۵' بزار: ۱۴۳۳' ابو نعیم ''الحلیۃ'' ج۸ص۳۲۸' ابن حبان: ۴۰۶۶' حاکم ج۲ص۱۸۳' بیہقی ج۷ص۲۸۸' از عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج۴ص۲۸۹) میں کہا ہے: اس حدیث کو احمد' بزار اور طبرانی نے ''الکبیر'' اور ''الاوسط'' میں روایت کیا ہے' احمد کے راوی ثقہ ہیں۔

[1204] ضعیف حدیث۔ ابن ماجہ: ۱۸۹۵' بیہقی ج۷ص۲۹۰' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اس کی سند میں خالد بن الیاس متروک الحدیث ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں کہا ہے: دف بجانے کے حکم سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہ حکم عورتوں سے مختص نہیں' لیکن اس کا اسناد ضعیف ہے' احادیث قویہ میں صرف خواتین کے لیے اس کی اجازت مروی ہے' لہٰذا اس میں مردوں کو شامل نہ کیا جائے' کیونکہ مردوں کو عورتوں کے تشبہ سے منع کیا گیا ہے اور اس ممانعت میں عموم ہے۔

ابن حاطب کی مذکورہ حدیث کے متعلق عبدالحق نے ''الاحکام'' میں کہا: ترمذی کے غیر نے کہا ہے یہ صحیح ہے۔[1205]

نسائی نے عامر بن سعد سے روایت کیا ہے کہ میں ایک شادی میں قرظہ بنت کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے پاس گیا' وہاں لڑکیاں گا رہی تھیں' میں نے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں' اہل بدر میں سے ہیں' آپ کے پاس گانا ہو رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر چاہو تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر سنو چاہو تو چلے جاؤ' ہمیں شادی بیاہ میں اس کی رخصت دی گئی ہے۔[1206]

''الاصابہ'' (ص ۲۱۷) میں حضرت ثابت بن یزید الانصاری کے تذکرہ میں ہے کہ الباوردی اور ابو نعیم نے از طریق ابی اسحاق از عامر بن سعد روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں: میں حضرت قرظہ بنت کعب' حضرت ثابت بن یزید اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم کے ہاں داخل ہوا' ان کے پاس گانے والی لڑکیاں اور چیزیں تھیں' میں نے کہا: آپ ایسا کر رہے ہیں حالانکہ آپ صحابی ہیں' انہوں نے جواب دیا: ہمیں شادیوں میں اس کی رخصت دی گئی ہے۔

''الاصابہ'' میں حضرت علی بن ہبار الاسدی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں یہی مذکور ہے' حضرت معبد بن قیس رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ ابن السکن نے ان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے' میری شادی تھی' آپ نے فرمایا: کیا کوئی لہو (کھیل تماشا) ہے؟[1207]

امام بخاری نے ''الصحیح'' میں ''باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة'' کے زیر عنوان حضرت رُبیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ میری شادی میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے' لڑکیاں دف بجا کر غزوۂ بدر میں میرے شہید آباء کے محاسن بیان کرنے لگیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: اسے چھوڑو وہی کہو جو تم کہہ رہی تھیں۔[1208]

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں ان لڑکیوں کے بارے میں کہا ہے: مجھے ان کے نام معلوم نہیں ہوئے۔

[1205] ترمذی: ۱۰۸۸ (حسن کہا ہے)' نسائی ج ۶ ص ۱۲۷' ابن ماجہ: ۱۸۹۶' احمد ج ۳ ص ۴۱۸۔ ج ۴ ص ۲۵۹' حسن حدیث۔ (ارواء الغلیل: ۱۹۹۴)

[1206] اسناد صحیح' راوی ثقہ۔ نسائی ج ۶ ص ۱۳۵' از عامر بن سعد۔

[1207] ''الاصابہ'' (ج ۳ ص ۴۴۰' رقم: ۸۱۰۲) میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ابو علی بن السکن نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ مسند احمد بن سنان الواسطی میں یہ روایت از سماک بن حرب از معبد بن قیس مروی ہے' سماک کا معبد بن قیس سے سماع نہیں' سو یہ حدیث مرسل ہے۔

[1208] حسن حدیث۔ بزار از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ''مجمع الزوائد'' (ج ۸ ص ۱۲۹) میں اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔

حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے دو لڑکیاں گا رہی تھیں (جب کہ مذکور الصدر روایت میں جمع کا صیغہ آیا ہے) ممکن ہے گانے والی دو ہی ہوں اور باقی لڑکیاں ان کا ساتھ دے رہی ہوں یا وہ صرف دف بجا رہی ہوں۔ یہ لڑکیاں شہداء بدر کے اوصاف بیان کر رہی تھیں اور ان کی سخاوت' شجاعت وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد: جو کچھ کہہ رہی تھیں تم وہی کہو' اس میں تعریف سننے کے جواز کا اشارہ ہے اور یہ کہ جب تک مرثیہ میں غلو نہ کیا جائے اس کا سننا بھی جائز ہے۔

طبرانی نے "الاوسط" میں اسنادِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ ایک شادی میں انصار کی خواتین کے پاس سے گزرے وہ گا رہی تھیں:

اس نے دلہن کو مینڈھا دیا ہے جو باڑے میں کھنکھارتا ہے اور تیرا شوہر جنگل میں ہے اور کل کی بات جانتا ہے۔

حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: کل کیا ہوگا اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

المہلب نے کہا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے نکاح کا دف اور مباح گانوں سے اعلان کیا جائے' امام شادی میں شرکت کر سکتا ہے اگرچہ اس میں مباح کھیل تماشا ہو' آدمی کی اس کے سامنے تعریف کرنا جائز ہے جبکہ یہ تعریف ان اوصاف کی نہ ہو جو اس میں موجود نہ ہوں۔

ابن التین نے اس کی نرالی توجیہ کی ہے وہ کہتے ہیں: آپ نے اپنی مدح سے اس لیے منع فرمایا کہ آپ کی مدح حق ہے اور نکاح میں لہو مطلوب ہے' چنانچہ جب لہو میں حق داخل ہوا آپ نے اس سے روک دیا' لیکن اگر آپ حدیث کا پورا مضمون ذہن میں لائیں تو ابن التین کی تردید ہوتی ہے۔ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے اگر لڑکیاں مرثیے ہی گاتی رہتیں آپ ان کو منع نہ فرماتے۔ آپ نے ان کو اس لیے منع فرمایا کہ انہوں نے آپ کی مبالغہ آمیز تعریف کی اور آپ کے لیے علم غیب کا اطلاق کیا' حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ. (النمل:٦٥)	فرما دیجئے (بذات خود) غیب نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کے سوا۔
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ. (الاعراف:١٨٨)	فرما دیجئے میں اپنی جان کے لیے خود کسی نفع کا مالک نہیں اور نہ کسی نقصان کا مگر (اس کا) جو اللہ چاہے اور اگر (تعلیم حق کے بغیر) میں غیب جانتا تو یقیناً (بذاتِ خود) بہت بھلائی جمع کر لیتا۔

نبی ﷺ نے تمام غیوب کی اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے خبر دی ہے' آپ بالذات غیب کے عالم نہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن:٢٦-٢٧)	(وہ) غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا ۝ مگر جنہیں پسند فرما لیا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

سفر سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کا استقبال

مشہور روایت ہے حضور ﷺ کی آمد پر انصار کے بچوں نے دف پر گا گا کر یہ اشعار کہے:

طلع البدر علینا　من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　ما دعا للہ داع[1209]

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے' آپ کی آمد پر یہ اشعار کہے گئے' اسے بیہقی نے "الدلائل" میں اور ابوبکر المقری نے "کتاب الشمائل" میں ابن عائشہ سے روایت کیا ہے' الطبری نے "الریاض" میں ابوالفضل الجمحی سے ذکر کیا ہے کہ میں نے ابن عائشہ کو میرا خیال ہے اپنے والد سے یہ روایت کرتے سنا ہے۔ اسے الحلوانی نے صحیحین کی شرط پر روایت کیا ہے۔ نیز "المواھب" اور اس کی شرح ج ا ص ۷ ۱۴۱ دیکھئے۔

"المواھب" میں غزوۂ تبوک کے تذکرہ میں ہے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب آئے' لوگ آپ کے استقبال کے لیے نکلے' عورتیں' بچے اور بچیاں کہتے تھے: طلع البدر علینا. بعض راویوں کو وہم ہوا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ یہ گیت رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے موقع پر گایا گیا' حالانکہ یہ خیال درست نہیں' کیونکہ ثنیات الوداع شام کی جانب ہیں' یہ پہاڑیاں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آنے والے مسافر کی راہ میں نہیں آتیں' شام کی طرف سے سفر کرنے والا ان کو اپنی راہ میں پاتا ہے۔

علامہ زرقانی نے کہا: ولی العراقی کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ممکن ہے مدینہ طیبہ کے ہر جانب ایسی پہاڑیاں ہوں جہاں تک لوگ الوداع کرنے جاتے ہوں اور ان کو ثنیۃ الوداع کہتے ہوں' اس سے دونوں روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے ورنہ ثنیات الوداع کے جانب شام ہونے کی صورت میں روایات میں تطبیق ممکن نہیں ہے اور ان استقبالیہ اشعار کو متعدد مرتبہ کہنے میں کوئی مانع نہیں ہے' ایک مرتبہ بوقت ہجرت اور دوسری مرتبہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر یہ اشعار کہے گئے۔ اس طرح ابن عائشہ جیسے ثقہ راوی کو غلط قرار دینا بھی لازم نہیں آئے گا۔

تفصیل کے لیے دیکھیں "فتح الباری" ہجرت اور غزوۂ تبوک کے واقعات اور "زاد المعاد"۔

المطرزی نے "الیواقیت" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جب نبی ﷺ مدینہ منورہ

[1209] حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (ج ۷ ص ۲۶۱-۲۶۲) میں کہا ہے: ابن سعد نے "شرف المصطفیٰ" میں از طریق عبید اللہ ابن عائشہ منقطعاً روایت کیا ہے کہ بچوں اور بچیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری پر یہ اشعار کہے تھے۔ اس کی سند معضل ہے۔ شاید یہ اشعار آپ کے تبوک سے واپسی پر کہے گئے۔

"زاد المعاد" میں ابن القیم الجوزیہ نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کی خواتین' بچوں اور لڑکوں نے رسول اللہ ﷺ کی تبوک سے واپسی پر استقبال کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے۔ ہجرت کے موقع پر ان اشعار کا ذکر وہم ہے۔ کیونکہ ثنیات الوداع شام کی جانب ہیں' مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آنے والوں کے راستہ میں نہیں آتیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے "الاحادیث الموضوعۃ" ابن تیمیہ (ص ۴۱-۴۲' رقم: ۱۹)

میں تشریف لائے انصار کی لڑکیوں نے دف بجا کر اور یہ شعر گا کر آپ کا استقبال کیا:

نحن جوار من بني النجار یا حبذا محمد من جار

امام ترمذی نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے سنا: رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں گئے جب واپس تشریف لائے ایک حبشی لونڈی نے آ کر کہا: یارسول اللہ! میں نے منت مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بخیر و عافیت واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجا کر گاؤں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اگر تو نے منت مانی ہے تو دف بجاؤ ورنہ نہیں؛ وہ دف بجانے لگی۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[۱۲۱۰]

''قوت المغتذي علی جامع الترمذي'' میں تورپشتی کا قول ہے: آپ ﷺ نے اسے اپنے سامنے دف بجانے کی اس لیے اجازت دی کہ اس نے نذر (منت) مانی تھی، اس کی منت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے آپ کے بسلامت واپس آنے کو اللہ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت قرار دیا تھا، اب یہ معاملہ لہو سے نکل کر حق بن گیا اور مکروہ سے مستحب بن گیا۔

ساتھیوں کے لیے گانا اور رسول اللہ ﷺ کا سکوت

ابوالفرج الاصبہانی نے کتاب ''آداب السماع'' میں اس سند سے روایت کیا ہے: عبداللہ بن شبیب، اسماعیل بن ابی اویس، ابواویس از حسین بن عبداللہ از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قلعہ کے پاس سے گزرے، اس وقت ان کے پاس ان کے ساتھیوں کی دو قطاریں تھیں اور ان کی باندی گا رہی تھی، جب رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچے وہ یہ کہہ رہی تھی:

کیا آپ مجھے بُرا بھلا کہیں گے، آپ پر کوئی حرج نہیں اگر میں شوخ اشعار پڑھوں۔

رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔[۱۲۱۱] یہ قصہ ابن عبدربہ نے ''العقد الفريد'' میں ذکر کیا ہے، علامہ کتانی کہتے ہیں: ''الاصابہ'' میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ام ولد حضرت سیرین رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے، ابونعیم نے از طریق بشر بن محمد المؤدب از ابی اویس از حسین بن عبداللہ از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے پاس دو قطاروں میں ان کے ساتھی بیٹھے تھے اور ان کی باندی سیرین ان کے لیے گا رہی تھی۔ آپ نے ان کو حکم دیا نہ ان کو منع فرمایا۔[۱۲۱۲] ابن وہب نے اسے ابی اویس سے اسی طرح روایت کیا ہے، لیکن کہا ہے: اور باندی لَے میں گا رہی تھی۔

۱۲۱۰ ترمذی: ۳۶۹۰۔

۱۲۱۱ اسناد نامعلوم۔ میرے خیال میں موضوع۔ عبداللہ بن شبیب کو ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (ج۵ ص۸۳-۸۴) میں بلا جرح و تعدیل ذکر کیا ہے۔ اسماعیل بن ابی اویس کو یحییٰ بن معین نے صدوق، ضعیف العقل کہا ہے۔ حسین بن عبداللہ کے متعلق امام احمد نے کہا ہے: اس کے ہاں منکر چیزیں ہیں اور یحییٰ بن معین نے ''الجرح والتعدیل'' (ج۳ ص۵۷) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

۱۲۱۲ موضوع، مظلم الاسناد روایت۔ ابونعیم از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ (الاصابہ ج۴ ص۳۳۹، رقم: ۶۰۹)

سماع اور گانے کے موضوع پر علماء کی ایک جماعت نے کتب تحریر کی ہیں' جن میں سے بعض حضرات درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابن قتیبہ' کتاب ''الرخصۃ فی السماع''

(۲) امام ابومنصور التمیمی البغدادی

(۳) حافظ ابومحمد بن حزم الاندلسی

(۴) حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد بن حبیب العامری البغدادی

(۵) ''السنن الکبریٰ'' میں علامہ شعرانی لکھتے ہیں: امام حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی نے کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے سماع کی تحریم کے قائل حضرات کے اقوال کا رد کیا ہے اور اس حدیث کے ناقلین پر جرح کی ہے جس میں سماع کی تحریم کا وہم پیدا ہوتا ہے اور ان حفاظ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ان راویوں پر جرح کی ہے اور علامہ مقدسی نے احادیث صحیحہ سے سماع' بانسری' دف اور تانت کی اباحت کا استدلال کیا ہے[۱۲۱۳] اور دف کو سنت قرار دیا ہے۔

شیخ القوصی بن عبدالغفار القوصی نے کہا ہے: میں نے اسے حافظ شرف الدین الدمیاطی کے سامنے پڑھا' انہوں نے مجھے حافظ ابوطاہر السلفی الاصبہانی سے اس کی اجازت دی' الاصبہانی نے اس کا مصنف سے سماع کیا اور کہا کہ تانت کے سماع اور بلبل اور ھزار (ایک خوش الحان پرندہ) کی آواز اور ہر خوش آواز پرندے کی آواز سننے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح پرندوں کی آواز سننا مباح ہے اسی طرح تانتوں کی آواز سننا بھی مباح ہے[۱۲۱۴]

علامہ المقدسی کی مذکورہ تالیف نادر الوجود' سیر حاصل ابحاث پر مشتمل بہترین کتاب ہے' مجھے الجزائری علاقہ میں بوسعادۃ کے زاویہ میں اس کا نسخہ دیکھنے کا موقعہ ملا۔

(۶) محمد بن عمر بن محمد البستی المعروف الدراج کی کتاب ''الکفایۃ والغناء فی احکام الغناء''۔

(۷) امام مؤرخ ابوالفضل کمال الدین جعفر الادفوی الشافعی کی کتاب ''الامتاع باحکام السماع'' میرے پاس یہ کتاب ایک جلد میں موجود ہے' یہ سماع کے موضوع پر بے نظیر کتاب ہے' اس کتاب میں مندرجہ ذیل حضرات کو بھی اسی مسلک سے منسوب کیا گیا ہے:

(۸) شیخ ابوالقاسم القشیری

(۹) شیخ تاج الدین الفرازی

(۱۰) شیخ عزالدین بن عبدالسلام

(۱۱) شیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے سماع کے جواز میں ''کتاب الاخیر باقتناء السوانح'' لکھی ہے۔ امام

۱۲۱۳ وہ احادیث صحیحہ کہاں ہیں جن کا ابن طاہر المقدسی نے دعویٰ کیا ہے؟ موسیقی کی اباحت سے متعلق تمام روایات ناقابل اعتماد ہیں اور موسیقی سے شغف حرام ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے ''کشف الغطاء عن حکم سماع الغناء'' ابن القیم الجوزیہ' ''الاعلام بان العزف والغناء حرام'' شیخ ابوبکر جابر الجزائری۔

۱۲۱۴ قیاس باطل۔ بلبل اور خوش گلو پرندوں کی آوازیں سننا مباح ہے' جبکہ تانت وغیرہ کے سماع کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے۔

اسنوی نے الادفوی کی کتاب کے بارے میں "طبقات الشافعیہ" میں کہا ہے: یہ نفیس کتاب ہے اس میں بہت سی باتوں کی خبر دی ہے۔ حافظ شوکانی نے اس کے متعلق کہا: اس موضوع پر اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی۔

علامہ کتانی کہتے ہیں: اس موضوع پر میں نے اس کتاب کی نظیر دیکھی نہ کسی دوسری کتاب میں اس سے اعلیٰ بحثیں اور روایات دیکھیں۔

(۱۲) استاذ ابوالمواہب التونسی کی کتاب "فرح الاسماع برخص السماع"۔

(۱۳) امام ابوالفتوح احمد الغزالی کی کتاب "بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم مطلق السماع"۔

(۱۴) حافظ ابوعبداللہ محمد بن علی کی کتاب "تحریم مطلق السماع"۔

(۱۵) قاضی ابوعیسیٰ عبدالرحیم گجراتی القاموس کے خطبہ کے شارح کا ایک اور رسالہ ہے۔ یہ چاروں رسائل ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں۔

(۱۶) استاذ عبدالغنی النابلسی کی کتاب "ایضاع الدلالات فی سماع الآلات" یہ کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

(۱۷) علامہ العارف ابوزید عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ العیذروس الیمنی المصری کی کتاب "تشنیف الاسماع ببعض اسرار السماع"۔

(۱۸) حافظ ابن رجب الحنبلی کی کتاب "نزهة الاسماع فی مسألة السماع"

ہمارے ماموں ابوالمواہب کی کتاب "مواهب الارب المبرأة من الجرب فی السماغ وآلات الطرب"۔

(۱۹) شیخ جعفر بن ادریس الکتانی کی یہ کتاب ایک جلد پر مشتمل ہے اور ابوالعباس نے اس کا اختصار کیا ہے۔

(۲۰) تصنیف احمد بن الخیاط الزکاری الفاسی' یہ کتاب فاس سے چھپ چکی ہے۔

حافظ شوکانی نے اپنے رسالہ "بطلان الاجماع علی تحریم مطلق السماع" میں کہا ہے: گانا اور گانے کا سماع صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' جیسا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' جیسا کہ الماوردی اور صاحب "البیان" نے نقل کیا ہے اور الرافعی نے بیان کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ' اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' جیسا کہ ابن قتیبہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ' اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت بلال' حضرت عبداللہ بن الارقم اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم' اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' صحیح البخاری میں اسے روایت کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' اسے ابن طاہر نے نقل کیا ہے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ' اسے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما' اسے عبدالبر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما' اسے ابوطالب المکی نے نقل کیا ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ' اسے ابوالفرج الاصبہانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما' اسے زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے۔

حضرت غرضہ بن کعب رضی اللہ عنہ' اسے ابن قتیبہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ' اسے صاحب ''الاغانی'' نے روایت کیا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ' اسے ابوطالب المکی نے بیان کیا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' اسے الماوردی نے نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت ربیع رضی اللہ عنہما' ان کا ذکر صحیح البخاری میں ہے۔[۱۲۱۵]

بعض سلف کا علم موسیقی سے شغف

''الانیس المطرب فیمن لقیته من ادباء المغرب'' کے مؤلف نے ادیب ابوعبداللہ محمد البوعصامی کے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے خبر دی کہ صدر اول میں علم موسیقی علم کے قدر دانوں میں موجود تھا اور عظیم القدر علماء اور اشراف اس سے شغف رکھتے تھے۔[۱۲۱۶] اسحاق بن ابراہیم الموصلی کو علوم میں بڑا رسوخ حاصل تھا لیکن ان کی شہرت علم موسیقی کے ماہر کے طور پر ہوئی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے علماء کے لیے ایک دن مقرر کیا اور علماء کو شرف باریابی بخشا اور یہ حکم دیا کہ مختلف علوم کے ماہرین کو الگ الگ حاضر کیا جائے' چنانچہ علماء مختلف علوم وفنون میں مہارت کے حوالہ سے جماعت در جماعت باریاب ہونے لگے' اسحاق بن ابراہیم الموصلی ہر جماعت کے ساتھ باریاب ہوا اور ہر جماعت کے ساتھ انعام واکرام سے نوازا گیا' اس نے چوبیس مرتبہ شاہی عطاء سے حصہ پایا۔

(ص ۱۶۳)

علامہ کتانی فرماتے ہیں: ''الاصابہ'' میں ابوالاسود الدؤلی کے تذکرہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے' ابوالاسود کا شمار تابعین' شعراء' فقہاء' محدثین' اشراف' شہسواروں' امراء' نحویوں' حاضر جوابوں' شیعوں' گنجوں' گندہ دہنوں اور بخلاء میں کیا گیا ہے۔

۱۲۱۵ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہما ہی نے منقول حدیث صحیح ہے۔

۱۲۱۶ صدر اسلام میں کون سے علماء اور اشراف موسیقی سے شغف رکھتے تھے؟

رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کو گانا سنانے والی باندی

امام نسائی نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اسے پہچانتی ہو؟ میں نے کہا: نہیں' اے اللہ کے نبی! آپ نے فرمایا: یہ بنو فلاں کی گانے والی باندی ہے' یہ تمہیں گا کر سنائے' پھر اس نے ام المؤمنین کے لیے گایا۔[۱۲۱۷]

علامہ کتانی کہتے ہیں: امام نسائی نے ''سنن'' میں اس حدیث کو ''باب اطلاق الرجل لزوجته سماع الغناء والضرب بالدف'' میں درج کیا ہے۔ علامہ الادفوی نے ''الامتاع'' میں کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔ حافظ الشوکانی کا بھی یہی قول ہے' ادفوی نے کہا: یہ حدیث طبرانی کی ''المعجم الکبیر'' میں بھی موجود ہے۔ یہ حدیث مردوں اور عورتوں کے لیے غناء کی اباحت پر قوی دلیل ہے۔ ''قینة'' کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ گانا اس باندی کا پیشہ تھا کیونکہ ''قینه'' کا مشہور معنی یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ازراہِ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا عندیہ معلوم فرمایا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی استدعا نہیں کی تھی بلکہ آپ ﷺ ہی نے سلسلۂ کلام کی ابتداء فرمائی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں باندی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گانا سنانا' گانے کی اباحت کی صریح دلیل ہے۔

علامہ کتانی فرماتے ہیں: حدیث کا باقی ماندہ حصہ یہ ہے کہ جب اس باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے گانا گایا' نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان نے اس کے نتھنوں میں پھونکا ہے۔ نامعلوم علامہ الخزاعی نے یہاں سنن النسائی کی اس حدیث کا باقی ماندہ حصہ کیوں ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم[۱۲۱۸]

گانا اور بآواز بلند شعر خوانی

ابوعمر بن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں اور ابن قدامہ نے ''الاستبصار'' میں مشہور صحابی حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے' انہوں نے بیان کیا: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کے لیے نکلے' ہمارے کارواں میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ لوگوں نے مجھ سے ضرار کے اشعار سنانے کو کہا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ضرار کے نہیں اپنے اشعار سناؤ' حضرت خوات

۱۲۱۷ حسن حدیث۔ نسائی' احمد ج ۳ ص ۴۴۹' طبرانی ''الکبیر'': ۶۶۸۶' از سائب بن یزید رضی اللہ عنہ۔ ''مجمع الزوائد'' (ج ۸ ص ۱۳۰) میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے: احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۱۲۱۸ تاکہ پڑھنے والا غناء کے سماع کی اباحت میں غلط فہمی کا شکار ہو جائے' یہ درحقیقت تدلیس اور حقائق کی پردہ پوشی ہے' اس میں اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی خوشنودی کا خیال نہیں رکھا گیا۔

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں برابر گاتا رہا تا آنکہ سحر کا وقت ہو گیا' تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خوات اب چپ ہو جاؤ' اب سحر ہو گئی ہے۔[1319]

اس روایت کو "الاصابہ" میں سراج کی تاریخ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے۔[1320]

صحیح البخاری میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنا زخمی شکار اٹھایا اور وہ بہ آواز بلند شعر خوانی کر رہے تھے۔

"ارشاد ابن غازی" میں ابن بطال سے منقول ہے کہ گانے کی یہ قسم بدویوں میں رائج ہے' وہ بلند آواز سے شعر پڑھتے ہیں۔

علامہ طبری نے کہا: گانے کی یہ قسم بالاجماع مطلقاً مباح ہے' یہ گانے کی وہی قسم ہے جسے دو لڑکیوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں گایا تھا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: سوار کا بہترین زادِ راہ بہ آواز بلند گانا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گانا سوار کے سفر کا توشہ ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس حالت میں دیکھا گیا کہ آپ اپنی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھے بلند آواز سے گا رہے تھے۔

علامہ طبری کہتے ہیں: یہ باآواز بلند شعر خوانی ہے۔ آج کل اس فعل کو سماع اور اس کے فاعل کو مسمع کہا جاتا ہے۔ گذشتہ دور میں اسے مغنی کہا جاتا تھا۔ ابن غازی نے اسے قوال مسمع کہا ہے۔

القاموس میں ہے "المغبرہ" وہ لوگ ہیں جو لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہیں' ان کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو فانی سے باقی کی طرف راغب کرتے ہیں۔

"کشف القناع علی متن الاقناع" میں اس عبارت کے بعد حنابلہ کی عظیم القدر کتب کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ایسے ورد پر بدعت یا حرمت کا اطلاق ممنوع ہے' کیونکہ یہ اونٹ وغیرہ سواری کے جانور کے لیے حدی خوانی کی طرح ہے (سو اس میں ترنم اور لے ممنوع نہیں ہے)۔

ابراہیم بن عبداللہ القلانسی نے نقل کیا ہے کہ امام احمد نے صوفیہ کے بارے میں فرمایا: میرے علم میں ان سے افضل قوم نہیں ہے۔[1321] ان سے کہا گیا: یہ کلام سنتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا: ان کو چھوڑ دو وہ ایک گھڑی اللہ تعالیٰ کی معیت سے فرحت حاصل کرتے ہیں' ان سے کہا گیا: ان میں سے بعض اس حالت میں مر جاتے ہیں اور بعض بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ امام احمد نے یہ آیت تلاوت کی:

1319 ضعیف روایت۔ اس میں متعدد مجاہیل ہیں۔ "الاستیعاب" علی حامش "الاصابہ" ج ۱ص ۴۴۶۔ ۴۴۸' از خلف بن قیس از ابوالحسن علی بن محمد بن اسماعیل الطوسی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

1320 سراج "تاریخ" از طریق ضمرہ بن سعید از قیس بن ابی حذیفہ از خوات بن جبیر (الاصابہ ج ۱ص ۴۷۵' رقم: ۲۲۹۸) اس روایت کا اسناد مظلم ہے۔

1321 میرے خیال میں امام احمد سے یہ نقل صحیح نہیں ہے' ان سے تو صوفیہ کے مروجہ وجد' سماع اور اعمال محرمہ کی مذمت ثابت ہے۔ دیکھئے "تلبیس ابلیس" ص ۲۶۱۔ ۲۶۳۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۝ اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا وہ گمان (بھی) نہ کرتے تھے ۝ (الزمر:۴۷)

دلہن کی رخصتی کے وقت کا گیت

''الاصابہ'' میں حضرت فارعہ بنت ابی امامہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے جس رات میں ان کی رخصتی ہوئی' نبی ﷺ نے ان کی رخصتی کے وقت یہ شعر پڑھنے کا حکم دیا:

اتيناكم اتيناكم فحيونا نحييكم

ابن الاثیر نے المعافی بن عمران کے طریق سے ان کی تاریخ کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: ہم نے انصار کی ایک یتیم لڑکی کو اس کے شوہر کے پاس بھیجا' جب ہم واپس آئے' نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ ہم نے کہا: ہم نے دلہن کو دولہا کے حوالہ کیا اور واپس آ گئے' آپ نے فرمایا: انصار کے لوگوں کو غزل پسند ہے۔ اے عائشہ! تم نے یہ کیوں نہ کہا:

اتيناكم اتيناكم فحيونا نحييكم[۱۲۲۲]

''الاصابہ'' میں حضرت ام نُبیط رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں مرفوعاً یہ دلچسپ قصہ مذکور ہے جسے میں اپنی مربوط سند کے ساتھ موصولاً ذکر کرنا چاہتا ہوں' از عبداللہ بن درویش السکری الدمشقی' از عبدالرحمن بن محمد بن عبدالرحمن الکوبری' از مصطفیٰ الرحمتی' از شیخ عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی' از نجم الدین محمد بن بدر الدین الغزی العامری' از والد خود از شیخ الاسلام زکریاء الانصاری' از شیخ الحفاظ ابن حجر' از فاطمہ بنت المنجا' از سلیمان بن حمزہ' ابونصر الشیر ازی' اسماعیل بن یوسف بن مکتوم' از ابویعمر حمزہ بن علی بن الحسن' از قاسم بن ابی العلاء' از یزید بن محمد بن عبدالصمد' از عتبہ بن الزبیر (یکے از اولاد کعب بن مالک) از محمد بن عبدالخالق از عبدالرحمن بن نبیط' از والد خود نبیط' از جابر از جدہ خود ام نبیط رضی اللہ عنہا' حضرت ام نبیط رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم نے بنونجار میں سے اپنی ایک لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس بھیجا' میں رخصتی میں بنونجار کی خواتین کے ساتھ تھی' میں دف بجاتے ہوئے کہتی جاتی تھی۔

اتيناكم اتيناكم فحيونا نحييكم

ولولا الذهب الاحمر ماحلت بواديكم

حضرت ام نبیط رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ام نبیط! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' ہمارے قبیلہ بنونجار کی دلہن کو ہم اس کے دولہا کے پاس پہنچانے جا رہے ہیں' آپ نے فرمایا: تم کیا کہہ رہی تھیں؟ میں نے اپنے الفاظ دہرائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کہو:

۱۲۲۲ طبرانی ''الاوسط'' (مجمع الزوائد ج۴ص ۲۹۸) ابن الاثیر (الاصابہ ج۴ص ۳۷۴' رقم: ۸۲۰) از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ علامہ ہیثمی نے کہا: اس کے راوی رَوّاد بن الجراح کو احمد' ابن معین اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور اس میں ضعف ہے۔

ولو لا الحنطة السمراء ما سمنت عذاراكم[۱۲۲۳]

حافظ ابن حجر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے' اسے ابن مندہ نے نقل کیا ہے اور ابن الاثیر نے اسے از ابو البرکات ابن عساکر از محمد بن الجلیل بن فارس از ابو القاسم بن ابی العلاء نقل کیا ہے' ہمارے شیخ نے یہ روایت انہی سے سماعت کی ہے۔

ابونعیم نے کہا: اس کا ذکر ان کے تذکرہ میں گزر چکا ہے' ابونعیم نے آپ کا نام نائلہ بنت الحسحاس ذکر کیا ہے۔ میں نے آپ کا تذکرہ حرف نون میں کیا ہے' لیکن ابونعیم نے اس کا ذکر چھوڑ دیا حالانکہ یہ روایت ان کی شرط کے مطابق تھی۔

نبی ﷺ کی آمد کی خوشی میں حبشیوں کا نیزوں سے کھیل

امام ابوداؤد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے' حبشی لوگوں نے آپ کی آمد کی خوشی میں اپنے نیزوں سے کھیلنے کا مظاہرہ کیا اور کرتب دکھائے۔[۱۲۲۴]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلنے والی لڑکیاں

''المواهب'' میں ہے رسول اللہ ﷺ انصار کی لڑکیوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلنے کے لیے بھیجتے تھے۔ (بخاری' مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لڑکیوں کے ساتھ گڑیاؤں سے کھیلنا

''صحیح البخاری'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نبی ﷺ کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی' میری سہیلیاں میرے پاس کھیلنے کے لیے آتی تھیں' جب رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لاتے وہ چھپ جاتی تھیں' پھر آپ ان کو میرے پاس بھیجتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔[۱۲۲۵]

''المشارق'' میں ہے حدیث میں لفظ ''البنات'' سے مراد گڑیائیں ہیں جن سے بچے کھیلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے ''الفتح الباری'' میں کہا ہے: اس حدیث سے گڑیائیں بنانے کے جواز پر استدلال کیا گیا

۱۲۲۳ ابن مندہ' ابن الاثیر (الاصابہ ج ۴ ص ۵۰۱۔۵۰۲' رقم: ۵۲۷ے) از ام عبید رضی اللہ عنہا۔ حافظ ابن حجر نے اس کو حدیث غریب کہہ کر اس کے ضعف کا اشارہ کیا ہے۔

۱۲۲۴ صحیح حدیث۔ عبد الرزاق: ۱۹۷۲۳' از معمر از ثابت از انس رضی اللہ عنہ۔ از طریق عبد الرزاق' ابوداؤد: ۴۹۲۳' احمد ج ۳ ص ۱۶۱' عبد بن حمید: ۱۳۳۹ (منتخب)' ابویعلی: ۳۴۵۹' بغوی: ۳۷۶۸۔

۱۲۲۵ صحیح حدیث۔ بخاری: ۶۱۳۰' مسلم: ۲۴۴۰' ابوداؤد: ۴۹۳۱' نسائی ج ۶ ص ۱۳۱' احمد ج ۶ ص ۱۶۶۔۲۳۳' ابن حبان: ۵۸۶۳' بیہقی ''السنن'' ج ۱۰ ص ۲۱۹' عبد الرزاق: ۱۹۷۲۲' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

ہے کیونکہ بچیاں ان سے کھیلتی ہیں' اور یہ حدیث تصویروں کی عمومی ممانعت سے گڑیوں کے استثناء پر دلالت کرتی ہے۔ قاضی عیاض نے اسے قطعی قرار دیا ہے اور اسے جمہور سے نقل کیا ہے' جمہور علماء نے لڑکیوں کے لیے گڑیوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے تاکہ بچپن ہی میں ان کو گھریلو امور اور اولاد کی دیکھ بھال کی تربیت حاصل ہو جائے۔ بعض علماء نے اسے منسوخ کہا ہے۔[۱۲۲۶]

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے' آپ اپنی گڑیوں سے کھیل رہی تھیں' گڑیوں کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا' آپ نے فرمایا: عائشہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: یہ حضرت سلیمان کا گھوڑا ہے۔ نبی ﷺ ان کی اس بات سے ہنسنے لگے[۱۲۲۷] امام احمد نے کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

صحیح البخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ سے شادی کے وقت گڑیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامان میں شامل تھی۔ السفارینی کی نقل کے مطابق ابن حزم کا قول ہے: بچوں کے لیے شکل وصورت والی گڑیا سے کھیلنا جائز ہے دوسروں کے لیے جائز نہیں' اس کے علاوہ تصویریں حرام ہیں مگر یہ کہ وہ کپڑے میں نقش ہوں۔ نیز السفارینی نے "**الاحکام السلطانیہ**" میں سے محاسب کی فصل سے نقل کیا ہے کہ گڑیوں سے معاصی کا ارادہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا مقصد بچیوں کو اولاد کی دیکھ بھال کی تربیت ہوتا ہے۔ اس تدبیر کے باعث اسے ذی روح کی تصویر اور بتوں کی عبادت کی معصیت سے الگ قرار دیا گیا ہے' البتہ معصیت کے قریب تر ہونے کی وجہ سے اس میں غور وفکر کیا جائے گا' اگر گڑیوں کے اس کھیل سے مطلوب مذکور الصدر مصلحت ہے تو یہ صحیح ہے ورنہ غلط ہے کیونکہ ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔

المرداوی کہتا ہے: ۔

بچی کے لیے گڑیا خریدنا حلال ہے' بغیر سر والی مانگ اور سر والی گڑیا سے روک
شکل وصورت والی گڑیا مت خرید' اپنے اور بچی کے مال میں سے کسی سے بھی نہیں۔

لیکن ہمارے مذہب میں توسع ہے' "**الفجر الساطع**" میں غیر ذی روح تصاویر کی بیع اور اس میں کراہیت کے عنوان کے تحت مذکور ہے: علماء نے بچیوں کی گڑیوں کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے' انہوں نے گڑیاں بنانے اور خریدنے کو جائز کہا ہے اور حضور ﷺ کے اسوہ میں تبدیلی نہیں کی کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں کو برقرار رکھا کہ اس میں بچیوں کی اولاد کے بارے میں تربیت ہوتی ہے' البتہ امام مالک نے اسے مکروہ قرار دیا ہے کہ آدمی اپنے بیٹے کے لیے گڑیا خریدے کیونکہ بیٹوں کے لیے گڑیوں سے کھیلنا مروت کے خلاف ہے' تاہم گڑیوں سے کھیلنے کو انہوں نے مکروہ نہیں کہا۔ قاضی عیاض نے ان کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور علامہ آبی نے اسے برقرار رکھا ہے۔

علامہ آبی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "میں گڑیوں سے کھیلتی تھی" پر قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا

۱۲۲۶ فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۲۷۔

۱۲۲۷ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۴۹۳۲' ابن حبان: ۵۸۶۴' بیہقی "السنن" ج ۱۰ ص ۲۱۹' احمد ج ۶ ص ۵۷' طبرانی ج ۲۳ ص ۲۷۹' ابن سعد ج ۸ ص ۶۶' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

ہے کہ اس حدیث میں گڑیوں سے کھیلنے کا جواز ہے' تصویر بنانے کی ممانعت سے گڑیا کی تخصیص ہے' کیونکہ اس کھیل سے بچپن ہی میں عورتوں کی گھریلو امور کی دیکھ بھال اور اولاد کے بارے میں تربیت ہوتی ہے اور علماء نے گڑیوں کی خرید و فروخت کو جائز کہا ہے۔

نبی ﷺ کے سامنے مسجد نبوی میں حبشیوں کا رقص

حبشی لوگ اپنے نیزوں کے ساتھ مسجد نبوی میں کھیلنے لگے' نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا کھیل دکھانے لگے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے شانہ پر اپنا چہرہ رکھا ہوا تھا۔

اس روایت کو امام بخاری نے متعدد ابواب میں نقل کیا ہے' کتاب النکاح میں اسے ''باب نظر المرأة الی الحبش ونحوهم من غير ريبة'' کے تحت روایت کیا ہے۔

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حبشی رسول اللہ ﷺ کے سامنے رقص کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''محمد عبد صالح'' رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ کہہ رہے ہیں: محمد عبد صالح۔[۱۲۲۸]

''جامع الترمذی'' کے الفاظ ہیں: نبی ﷺ کھڑے ہوئے' حبشی لوگ رقص کرنے لگے اور بچے ان کے اردگرد جمع ہو گئے' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! آؤ' دیکھو' میں نے اپنی ٹھوڑی رسول اللہ ﷺ کے شانہ پر رکھ کر آپ کے شانہ اور سر انور کے درمیان سے ان کو دیکھنے لگی' آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارا دل نہیں بھرا' کیا تمہارا دل نہیں بھرا؟ میں نے کہا: نہیں' نہیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن' صحیح' غریب کہا ہے۔ (ترمذی: ۳۶۹۱)

علامہ زرقانی نے ''شرح المواهب'' (ج ۴ ص ۳۱۱) میں کہا ہے: شاید کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا نیزوں سے کھیل اس لیے دکھایا تاکہ وہ اسے ذہن نشین کر لیں اور بعد ازاں لوگوں تک اسے منتقل کریں۔ اس کی اصل ابن بطال کا یہ قول ہے کہ ممکن ہے آپ نے حضرت عائشہ کو حبشیوں کا نیزوں سے کھیل اس لیے دکھایا ہو تاکہ اس بارہ میں سنت معلوم ہو' اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کو اس کے متعلق علم حاصل ہو' ابن بطال کا یہ قول ''الاحیاء'' کے شارح نے نقل کیا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث میں رقص کی اباحت پر قوی ترین دلیل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو اپنی اس حالت رقص پر برقرار رہنے کی ترغیب فرمائی۔ اسے المواق نے ''سنن المهتدين'' میں اور الونشریسی نے ''المعيار'' میں نقل کر کے برقرار رکھا ہے۔ مسند احمد کی روایت سے آپ جان چکے ہیں کہ حبشی دوران رقص ''محمد عبد صالح'' کہہ رہے تھے' اس پر مجازاً توسع سے کام لیتے ہوئے کھیل کا نام لیا گیا ہے' ورنہ حضور ﷺ کے ذکر پر کھیل کا نام صحیح نہیں ہے بلکہ یہ واقعیت اور سنجیدگی ہے۔ تفصیل کے لیے ''الاحیاء'' کی کتاب السماع ملاحظہ کریں۔

قرآن مجید کو دف وغیرہ کے ساتھ پڑھنے سے بچنا واجب ہے' کیونکہ دف وغیرہ جیسے امور صورۃً لہو و لعب

[۱۲۲۸] صحیح حدیث۔ احمد ج ۳ ص ۱۵۲' ابن حبان: ۵۸۷۰' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ' تخریج گزر چکی ہے۔

ہیں اور قرآن مجید سراسر واقعیت اور سنجیدگی ہے' سو حق محض کو عوام الناس کے نزدیک لہو ولعب سے معروف چیز سے ملانا جائز نہیں ہے' خواص کے نزدیک بھی یہ لہو ہی کی ایک صورت ہے اگرچہ وہ اس کو بہ نظر لہو نہیں دیکھتے' اس لیے شادی وغیرہ میں دف پر قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما کے گھر میں داخل ہوئے ان کے پاس لڑکیاں گا رہی تھیں' آپ نے ایک لڑکی سے گانے کے طور پر یہ کہتے سنا: ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' تو آپ نے ارشاد فرمایا: اسے چھوڑ دو وہی کہو جو تم کہہ رہی تھیں[۱۲۲۹] یہ جملہ آپ کی نبوت کی شہادت ہے لیکن آپ نے ڈانٹ کر اس سے منع فرمادیا اور لہو ولعب پر مشتمل سابقہ کلام کہنے کو فرمایا' کیونکہ یہ جملہ واقعیت پر مبنی تھا اور سنجیدگی کا متقاضی تھا سو آپ نے اُسے لہو ولعب سے نہ ملانے دیا' جب نبوت کی شہادت پر مشتمل کلام کو دورانِ لہو ولعب پڑھنے سے منع فرمادیا تو ایسی حالت میں قرآن مجید کی قرأت بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی اور بطور احترام اس سے احتراز واجب ہوا۔ علامہ ابن التین السفاقسی نے بھی صحیح البخاری پر اپنی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔

''الارشاد الساری'' میں علامہ قسطلانی نے حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے اس قصہ میں ارشادِ نبوی ''دعی ھذہ وقولی'' پر لکھا ہے: کیونکہ غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا (اس لیے آپ نے اس جملہ سے منع فرمادیا)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لہو ولعب (کھیل تماشے) کے دوران آپ کا ذکر خیر ممنوع ہو اس لیے آپ نے روکا ہو کیونکہ آپ کا منصب جلیل القدر اور رفیع الشان ہے' اس کے ذکر کے لیے سنجیدہ محافل اور مجالس ضروری ہیں۔

ہم یہاں کہتے ہیں: اگر حبشیوں کا فعل صرف کھیل تماشا ہوتا تو آپ ان کو ''محمدٌ عبدٌ صالحٌ'' کہنے سے منع فرمادیتے' لیکن آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا بلکہ برقرار رکھا اور ان کو اس کے جاری رکھنے پر ترغیب دی' گویا اس ذکر سے انہوں نے عبادت وطاعت اور اللہ اور اس کے رسول کے لیے اظہارِ مسرت کا قصد کیا تھا' اسی لیے آپ نے ان کو اس سے نہیں روکا' ان کے فعل پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور اپنی خوشنودگی اور رضامندی سے نوازا۔

''الشفاء'' میں ہے سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک سنتے ہی ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔

شیخ ابی السعود الفاسی کہتے ہیں: نبی ﷺ کا ذکر صرف ثواب کے ارادہ سے کرنا حلال ہے' راحت' کشادگی' سکھ' چین اور خوشی ومسرت کے مواقع پر آپ کا ذکر کرنا آپ کی عظمتِ شان کے خلاف ہے (کہ اس وقت عموماً لہو و لعب' کھیل تماشہ ہوتا ہے)۔

حافظ ابن حجر نے ''الفتح'' میں کہا ہے: صوفیہ کی ایک جماعت نے اس حدیث سے رقص اور آلاتِ لہو سے سماع کے جواز پر استدلال کیا ہے جمہور نے اس پر اعتراض کیا ہے' ان کا کہنا ہے: مطلقاً یہ قول درست نہیں کیونکہ حبشیوں کا نیزوں سے کھیلنا جنگوں میں نیزہ بازی کی مشق تھی' اس پر لہو ولعب میں رقص کو قیاس کرنا اور اس سے

۱۲۲۹۔ صحیح حدیث تخریج گزر چکی ہے۔

استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ ارادوں کے اختلاف سے احکام بدل جاتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ صوفیاء کا رقص لہو ولعب (کھیل تماشا) نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہمارے شیخ ابوعبداللہ محمد الفضیل الشبیہی نے "الفجر الساطع" میں اس پر کہا ہے: صوفیہ کا رقص سے لہو ولعب کا مطلقاً ارادہ نہیں ہوتا' ان کا ارادہ ذکر پر یکجائی' دل و جان کے ساتھ ذکر پر رجوع اور تمام اعضاء اور جوارح کا ذکر میں منہمک ہونا ہے۔ اور یہ صحیح قصد اور ارادہ ہے۔ کیونکہ ذاکر کو ہر حالت میں ذکر کی کثرت کی ترغیب دی گئی ہے' چونکہ دورانِ ذکر ان کا رقص ایک صحیح مقصد کے لیے ہوتا ہے سو ان کے استدلال پر اعتراض درست نہیں ہے۔[۱۲۳۰]

میں (علامہ کتانی) کہتا ہوں: صوفیہ کے رقص کی غایت یہ ہے کہ وہ حالتِ قیام میں ذکر کر رہے ہوتے ہیں اور یہ نصِ قرآن سے ثابت ہے' قرآن مجید میں ہے:

﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)۔ (النساء:۱۰۳)

رہا ان کا جھومنا اور ہلنا تو یہ صحابہ کرام سے منقول ہے۔[۱۲۳۱] چنانچہ ابونعیم نے "الحلیۃ" میں' حضرت فضیل بن عیاض سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے دائیں بائیں جھومتے تھے جس طرح سخت آندھی میں درخت آگے پیچھے جھومتا ہے۔[۱۲۳۲]

اس سلسلہ میں ہمارے شیخ اور والد محترم کی رقص کے متعلق تالیف ملاحظہ کریں' یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ ہمارے شیخ ابوالعباس بن الخیاط الرکازی نے اس کا اختصار کیا ہے اور حواشی لگائے ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ ابو العباس احمد بن یوسف الفاسی نے اس مسئلہ پر رسالہ تالیف کیا ہے' یہ رسالہ بھی فاس سے طبع ہو چکا ہے۔

حافظ ابن ابی الدنیا ابوبکر کی کتاب "الوجد" کا "الصلۃ" میں حرف واؤ کے تحت ابن سلیمان الروانی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول "اندازہ کرو نوعمر لڑکی نے کتنی دیر تک حبشیوں کا کھیل دیکھا ہوگا"

امام احمد نے "مسند" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور حبشی نیزوں سے کھیل رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ

۱۲۳۰ نامعقول اور نامقبول تقریر۔ اللہ کا ذکر رقص کا محتاج نہیں' رقص تو کم عقلی اور شیاطین کو خوش کرنے کی دلیل ہے۔

۱۲۳۱ کیا قیام وقعود میں ذکر الٰہی کے لیے رقص کی ضرورت ہے جس میں انسان مخنثوں کے زمرے میں شامل ہو۔ اللھم غفرانک۔

۱۲۳۲ تلاش کے باوجود مجھے "الحلیۃ" میں یہ روایت نہیں ملی۔ فضیل بن عیاض نے صحابہ کرام کا دور نہیں پایا' سو میرے خیال میں ان کا کلام صحیح نہیں ہے۔

مجھے اپنی چادر سے ڈھانپے ہوئے ہیں تا کہ میں آپ کے کان اور گردن کے درمیان سے حبشیوں کا کھیل دیکھوں‘ آپ میرے لیے برابر کھڑے رہے تا آنکہ میں خود پلٹی‘ تم اندازہ کرو نوعمر کھیل کی شوقین لڑکی کتنی دیر تک اس طرح کھڑی رہی ہوگی۔

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں گڑیوں کے ساتھ کھیلتی تھی‘ میری سہیلیاں آتیں‘ جب رسول اللہ ﷺ میرے حجرہ میں داخل ہوتے وہ بھاگ جاتیں‘ رسول اللہ ﷺ ان کو پکڑ کر واپس میرے پاس لے آتے تھے۔

امام ابوحامد الغزالی نے ”الاحیاء“ کی کتاب السماع میں مذکور الصدر بعض احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ صریح نص ہے کہ گانا اور کھیل حرام نہیں ہے اور درج ذیل صورتوں سے اس کی رخصت ثابت ہوتی ہے:

(۱) کھیل تماشا‘ کیونکہ رقص اور کھیل تماشا حبشیوں کی عادت ہے اور انہوں نے اس کا مظاہرہ کیا۔

(۲) یہ مظاہرہ مسجد نبوی میں ہوا۔

(۳) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بنو ارفدہ! تم اپنا کام (نیزوں سے رقص) جاری رکھو‘ یہ کھیل تماشے کا امر ہے‘ اگر یہ حرام ہوتا حضور ﷺ اسے جاری رکھنے کا حکم کیوں دیتے؟

(۴) حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بچیوں کو گانے سے منع کرنے سے روک دیا اور یہ وجہ بیان فرمائی کہ یہ عید کا دن یا خوشی کا وقت ہے۔

(۵) حضور ﷺ نے خاصی دیر تک کھڑے رہ کر حبشیوں کا کھیل ملاحظہ فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کا کلام سنا‘ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں اور بچوں کی دلجوئی زاہدانہ طرز زندگی اور بے جا روک ٹوک میں نہیں بلکہ جائز کھیل تماشہ دکھانے میں ہے۔

(۶) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟ آپ کا یہ ارشاد اضطرار پر مبنی تھا نہ ہی آپ کو اپنے اہل خانہ سے کسی ناراضی کا اندیشہ تھا۔

(۷) حضور ﷺ نے دو لڑکیوں کو گانے اور دف بجانے کی اجازت دی حالانکہ یہ شیطانی مزمار (بانسری) کے مشابہ ہے‘ اس سے معلوم ہوا کہ حرام گانا بجانا اس کے علاوہ ہے۔

(۸) رسول اللہ ﷺ گانے والی لڑکیوں کی آوازیں سن رہے تھے اور آپ پہلو کے بل آرام فرما تھے‘ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی آواز صرف فتنہ کے اندیشہ کے وقت سننا حرام ہے۔

یہ تمام قیاسات اور نصوص غناء‘ رقص‘ دف بجانے‘ نیزوں کے ساتھ کھیلنے کی اباحت پر دلالت کرتے ہیں‘ خوشی کے وقت حبشیوں وغیرہ کا رقص دیکھنا یوم عید پر قیاس کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کھیل تماشا میں مشغول حبشیوں پر گزر اور ان کو انعام

امام بخاری نے ”الادب المفرد“ میں ”باب لعب الصبیان“ کے تحت اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی

ہے ابوعقبہ نے کہا: ایک مرتبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی راستہ سے گزرا آپ کھیل تماشا میں مشغول حبشیوں کے پاس سے گزرے تو ان کو دو درہم عطا فرمائے[۱۲۳۳]

ابوعبداللہ بن سودہ کی کتاب ''الحسام المسنون فی نصرة اهل السر المکنون'' میں عکرمہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹوں کی ختنہ کی' کھیل تماشا والوں کو بلوا بھیجا' انہوں نے کھیل تماشا کیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو چار درہم عطا فرمائے۔

دوڑ کے مقابلے

گھڑ دوڑ کے مقابلوں کا ذکر گزر چکا ہے۔''المواھب'' میں ہے نبی ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سفر میں دوڑ کا مقابلہ کیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہلکے بدن کی وجہ سے آپ سے آگے نکل گئیں' بعد ازاں پھر کسی دوسرے سفر میں دوڑنے کا مقابلہ کیا' اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جسم فربہی مائل ہو چکا تھا سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں' رسول اللہ ﷺ نے ان کی دل جوئی کرتے ہوئے فرمایا: یہ اس دن کا بدلہ ہے۔

امام احمد کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں: میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلی' میں ہلکے بدن والی نوعمر لڑکی تھی' آپ نے لوگوں سے فرمایا: تم آگے بڑھو' لوگ آگے بڑھ گئے تو آپ نے فرمایا: میرا تم سے مقابلہ ہے' میں آپ کے ساتھ دوڑ میں آگے نکل گئی' حضور ﷺ خاموش رہے' پھر میں فربہ ہو گئی میرا جسم بھر گیا' تب ایک سفر میں میں آپ کے ساتھ نکلی' آپ نے لوگوں سے آگے بڑھنے کو کہا' لوگ آگے بڑھ گئے' آپ نے مجھ سے دوڑ میں مقابلہ کرنے کو فرمایا' میں مقابلہ میں دوڑی' آپ مجھ سے آگے نکل گئے اور ہنستے ہوئے فرمایا: یہ اس دن کا بدلہ ہے[۱۲۳۴]

المغنی میں ہے اس حدیث کو ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے ''تلبیس ابلیس'' میں کہا ہے: تمہارا کیا خیال ہے رسول اللہ ﷺ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش طبعی کرتے وقت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ کرتے وقت کیا اللہ سے غافل تھے۔

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت واقد رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سقیا میں فوت ہوئے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کی' پھر بدویوں کو بلا کر ان میں دوڑ کے مقابلے کرائے۔ نافع

۱۲۳۳۔ بوجہ ابوعقبہ ضعیف الاسناد حدیث' ابوعقبہ مجہول ہے۔

۱۲۳۴۔ صحیح حدیث۔ احمد: ۳۹۱۶' حمیدی: ۲۶۱' ابوداؤد: ۲۵۷۸' ابن ماجہ: ۱۹۷۹' طحاوی ''مشکل الآثار'' ج ۲ ص ۳۶۰۔ ۳۶۱' ابن حبان: ۴۶۹۱' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۳ ص ۱۲۳ تا ۱۲۵' بیہقی ''السنن'' ج ۱۰ ص ۱۷۔ ۱۸' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

کہتے ہیں: میں نے کہا: آپ نے ابھی واقد کو دفن کیا ہے اور اب آپ بدویوں میں دوڑ کے مقابلے کرا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: نافع! تیری خیر ہو' جب تو اللہ کی قضا کا فیصلہ دیکھے تو اس سے غافل ہونے کی کوشش کر (دکھ اور مصیبت میں توجہ دوسرے امور کی طرف مائل کر)۔

کشتی کے مقابلے

سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں ہے مکہ مکرمہ میں زبردست طاقتور' بہترین پہلوان تھا' مختلف علاقوں کے لوگ اس سے کشتی میں مقابلہ کرنے کے لیے آتے تھے وہ ان کو پچھاڑ دیتا تھا' ایک مرتبہ وہ مکہ کی کسی گھاٹی میں تھا کہ اس کی نبی ﷺ سے ملاقات ہوگئی' آپ نے فرمایا: اے رکانہ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہتے: رکانہ نے کہا: اے محمد! آپ کی سچائی پر کوئی گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں' دیکھو اگر میں تم کو پچھاڑ دوں تو کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ گے؟ رکانہ نے کہا: ہاں' آپ نے فرمایا: کشتی کے لیے تیار ہو جاؤ' وہ بولا: میں تیار ہوں' رسول اللہ ﷺ اس کے قریب ہوئے اور اسے پچھاڑ دیا' رکانہ حیرت زدہ رہ گیا' اس نے دوبارہ کشتی لڑنے کو کہا' آپ نے اسے دوسری اور تیسری مرتبہ بھی پچھاڑ دیا' رکانہ نے متعجب ہو کر کہا: آپ کا عجیب معاملہ ہے' آپ کی عجب شان ہے۔[۱۲۳۵] اسے ابونعیم اور بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور مرسل دونوں طریقوں سے روایت کیا ہے۔

رُکانہ کا نسب یہ ہے: رُکانہ ابن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف قرشی' مکی' فتح مکہ کے سال دولت ایمان سے مشرف ہوئے' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۴۲ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

رکانہ قوی' جسیم اور طاقت ور انسان تھے' مشہور پہلوان تھے' کشتی میں کسی سے شکست نہیں کھائی تھی' ہمیشہ حریف کو پچھاڑ دیا کرتے تھے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو کشتی میں پچھاڑ دیا تھا۔ (نسیم الریاض)

''حواشی ابن الطیب الفاسی علی القاموس'' میں رکانہ کے بارے میں ہے: ان کا قصہ مشہور ہے' نبی ﷺ نے اسے معجزانہ طور پر پچھاڑ دیا' حالانکہ وہ مشہور زمانہ پہلوان تھا' رکانہ اس قدر زور آور تھا کہ وہ اونٹ کی تازہ اتری ہوئی کھال پر کھڑا ہو جاتا دس آدمی مل کر اس کھال کو کھینچتے' کھل پھٹ جاتی مگر رکانہ اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔ (المواہب' الشفاء وغیرہ)

میں کہتا ہوں: رُکانہ کا مذکورہ بالا قصہ حاکم نے مستدرک میں ابوجعفر بن محمد بن رکانہ پہلوان کی سند سے اس کے والد محمد سے روایت کیا ہے' لیکن حافظ ابن حجر نے ''التقریب'' میں کہا ہے کہ ابوجعفر بن محمد بن رکانہ مجہول ہے اور محمد بن رکانہ بھی مجہول ہے اور اسے صحابہ میں ذکر کرنے والوں کو وہم ہوا ہے۔

امام ابوداؤد اور ترمذی نے ابوالحسن العسقلانی از ابی جعفر بن محمد بن رکانہ از والد خود کے طریق سے کشتی والا

۱۲۳۵ السیرۃ النبویہ ج۱ ص۳۹۰-۳۹۱' بہ اسناد معضل۔ اس سلسلہ میں آئندہ حدیث کی تخریج ملاحظہ کریں۔

واقعہ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے رکانہ کو پچھاڑ دیا[۱۲۳۶] امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اس کا اسناد قائم نہیں۔ "الاصابہ" میں ابن حبان کا یہ قول مذکور ہے کہ کشتی والی روایت کا اسناد محل نظر ہے قابل اعتماد نہیں ہے۔

المواہب وغیرہ میں ہے نبی ﷺ نے رکانہ کے علاوہ اس کے بیٹے یزید اور بقول سہیلی ابوالاسود الجمحی وغیرہ ایک جماعت سے کشتی کا مقابلہ کیا ہے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے رکانہ بڑا قوی وجسیم اور سخت زور آور تھا' وہ گائے کی کھال پر کھڑا ہوتا' دس آدمی اس کے کنارے پکڑ کر کھینچتے' کھال کو اس کے قدموں سے نکالنے کی کوشش کرتے' کھال پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی رکانہ نہ ہلتے' رسول اللہ ﷺ نے اسے مقابلہ کا چیلنج دیا۔ رکانہ نے کہا: اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں ایمان قبول کرلوں گا' رسول اللہ ﷺ نے اس کو پچھاڑ دیا۔

"الهمزیه" پر ابن حجر کی شرح کے حواشی میں الحفنی نے کہا ہے: کہا گیا ہے کہ آپ نے ابوجہل کو بھی کشتی میں شکست دی تھی' لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس روایت کی اصل برھان الحلبی کی "المقتضی" میں ہے' جیسا کہ علامہ خفاجی نے ایک جگہ ان سے نقل کیا ہے' دوسری جگہ انہوں نے یہ روایت المقدسی سے نقل کی ہے۔

اس موضوع پر میرے پاس حافظ سیوطی کا نہایت نفیس رسالہ بنام "المسارعة الی المصارعة" موجود ہے' اس رسالہ میں حافظ سیوطی نے متعدد طرق سے نبی ﷺ کا رکانہ سے کشتی کرنا روایت کیا ہے۔

کم عمر صحابہ کرام کی ان کشتیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے غزوات میں شرکت کی تمنا سے باہم کی تھیں' اور یہ بھی مذکور ہے کہ مکی پہلوان ہر پہلوان کو پچھاڑ دیتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے آب زمزم سے روگردانی کی۔ متعدد طرق سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی باہم کشتی کا ذکر ہے۔

"نسیم الریاض" میں ہے حدیث رکانہ سے باہم کشتیوں کا جواز ثابت ہوتا ہے البتہ مال کی شرط پر علماء نے اسے حرام کہا ہے' جس طرح دوڑ کے مقابلے ہیں یا یہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

تتمہ

حضرت رکانہ کا بیٹا یزید اور پوتا علی بن یزید بھی زبردست پہلوان تھے' یزید بن معاویہ عرب کے طاقت ور لوگوں میں سے تھا' ایک مرتبہ اس نے حضرت رکانہ کے پوتے علی کو کشتی کا چیلنج دیا تو علی نے اسے بے مثال شکست دی' بعد ازاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی کو ایک نہایت سرکش گھوڑے پر سوار کیا جو کسی کے قابو میں نہ آتا تھا'

[۱۲۳۶] حسن حدیث۔ بخاری "التاریخ الکبیر" ۱/۱/۸۲۔۲۲۱' ابوداؤد: ۴۰۷۸' ترمذی: ۱۷۸۴' حاکم ج ۳ ص ۴۵۲' از طریق ابوالحسن العسقلانی از ابی جعفر بن محمد بن علی بن رکانہ از والد خود۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس کا اسناد درست نہیں ہم ابوالحسن العسقلانی اور ابن رکانہ کو نہیں پہچانتے۔ ابن حبان نے کہا: اس کا اسناد محل نظر ہے۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۵۲۰۔۵۲۱) میں کہتا ہوں: اس حدیث کا مرسل صحیح شاہد موجود ہے' بیہقی (ج ۱۰ ص ۱۸) نے اسے از طریق موسیٰ بن اسماعیل از حماد بن سلمہ از عمرو بن دینار از سعید بن جبیر روایت کیا ہے اور اس حدیث کو مرسل جید کہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث ایک اور اسناد ضعیف سے موصولاً بھی مروی ہے' خطیب نے "المؤتلف" میں اس حدیث کو از طریق احمد بن عتاب العسکری موصولاً روایت کیا ہے۔ ("الاصابہ" تذکرہ یزید بن رکانہ) یہ اس حدیث کے قوی شواہد ہیں اس سے یہ حدیث حسن ہوگئی۔ (ارواء الغلیل: ۱۵۰۳)

علی سمجھ گئے جب گھوڑے نے سرکشی دکھائی' علی نے اپنی ٹانگوں سے گھوڑے کا اس زور سے پیٹ دبایا کہ گھوڑے کا پیٹ پھٹ گیا اور گھوڑا مر گیا۔

ایک مرتبہ علی نے دو آدمیوں کو اپنے بغلوں میں داب کر دوڑنا شروع کیا تو وہ دونوں چیخنے لگے ہم مر گئے' ہم مر گئے' تب ان کی جان چھوٹی۔ (ابن التلمسانی علی الشفاء)

حضور ﷺ کے سامنے بعض عظیم القدر صحابہ کا رقص

صحیح البخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں' اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم شکل وصورت اور اخلاق میں میرے زیادہ مشابہ ہو۔

''التوشیح'' میں ہے ابن سعد نے امام باقر کی مراسیل سے یہ زائد کیا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے گرد رقص کیا' نبی ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اہل حبشہ کو اپنے بادشاہوں کے لیے اسی طرح کرتے دیکھا ہے[۱۲۳۷] ایک اور روایت میں ہے' تین صحابہ کرام نے ایسا کیا تھا۔ ''حجل'' مخصوص طرز کا رقص ہے (اس میں ایک پیر اٹھا کر دوسرے پر چلتے ہیں)۔

حافظ العراقی کی ''تخریج احادیث الاحیاء'' میں ہے حضرت علی' حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی (کی کفالت) کے بارہ میں جھگڑا کیا تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر رقص (حجل) کیا۔ آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم شکل وصورت میں میرے زیادہ مشابہ ہو' اس پر انہوں نے رقص کیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو' اس پر وہ رقص کرنے لگے۔[۱۲۳۸]

اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہ اسنادِ حسن روایت کیا ہے۔[۱۲۳۹] صحیح البخاری میں یہ حدیث رقص کے الفاظ کے بغیر مروی ہے۔[۱۲۴۰]

حافظ سیوطی نے ''الحاوی'' میں رقص کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مسند احمد کے حوالہ سے اس حدیث کو ذکر

۱۲۳۷ مرسل' ضعیف حدیث' ناقابل استدلال۔

۱۲۳۸ بوجہ ھانی بن ہانی ضعیف الاسناد حدیث۔ ابن معین نے کہا: ہانی مجہول ہے' حرملہ از شافعی: ہانی بن ہانی غیر معروف ہے' اہل علم اس کے مجہول الحال ہونے کے باعث اس کی حدیث قبول نہیں کرتے' حافظ ابن حجر ''التقریب'' یہ مستور الحال ہے۔ ''الحجل'' کا لفظ حدیث میں منکر غریب ہے۔ احمد: ۸۵۷ (ترقیم شعیب الارناؤوط)' بزار: ۷۴۴' از علی رضی اللہ عنہ۔

۱۲۳۹ ابویعلی: ۵۲۶-۵۵۴' ابوداؤد: ۲۲۸۰' احمد: ۷۷۰' ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۰۵' ابن سعد ج ۴ ص ۳۶' بزار' ابن حبان: ۷۰۴۶' حاکم ج ۳ ص ۱۲۰' از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

۱۲۴۰ صحیح حدیث۔ بخاری: ۱۸۴۴-۲۶۹۹-۴۲۵۱' ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۰۵' ترمذی: ۳۷۶۵' دارمی ج ۲ ص ۲۳۷-۲۳۸' احمد: ۲۰۴۰' ابن حبان: ۴۸۷۳' از براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

کرنے کے بعد کہا ہے: یہ رقص رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا اصحاب کو منفرد خطاب عطا فرمانے کی وجہ سے تھا۔ حضور ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا' یہ حدیث صوفیہ کے رقص کی اصل ہے' وہ عشق الٰہی کے کیف و مستی میں اس سے لذت پاتے ہیں[۱۲۴۱]

بچوں کے کھیلنے کے لیے پرندے رکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر خلق والے تھے' عمیر نام کے میرے بھائی کے پاس بلبل تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا' وہ بلبل مر گیا' وہ اداس اور غم زدہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئے' آپ نے فرمایا: اسے کیا ہوا؟ آپ کو بتایا گیا اس کا بلبل مر گیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے عمیر سے فرمایا: ابوعمیر! تیرے بلبل نے کیا کیا؟[۱۲۴۲] اسے امام بخاری' مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

علامہ جوہری کہتے ہیں: "النغیر" چڑیا جیسا چھوٹا پرندہ ہوتا ہے یا چڑیا کے بچہ کو کہتے ہیں۔ قاضی عیاض نے کہا: راجح یہ ہے کہ یہ سرخ چونچ والا پرندہ ہے جسے اہل مدینہ بلبل کہتے ہیں۔

اس حدیث سے علماء نے کثیر احکام مستنبط کیے ہیں' ابو العباس بن القاص شافعی نے اس حدیث سے سو سے زائد احکام مستنبط کر کے الگ رسالہ مرتب کیا ہے۔

ابن غازی نے کہا: مجھ سے ابوالحسن بن منون نے بیان کیا کہ ابن الصباغ نے مکناس میں اس حدیث (یا ابا عمیر ما فعل النغیر) کا درس دیتے ہوئے چار سو سے زائد فوائد لکھوائے۔ اور یہ کہا کہ میں نے اس حدیث میں غور و فکر کیا تو تقریباً دو سو پچاس فوائد میرے ذہن میں آئے' میں نے ان کو نشان زد کر دیا لیکن ان کو واضح اور سہل کرنے کی مجھے فرصت نہ ملی۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ . اللہ لوگوں کے لیے رحمت سے جو کچھ کھولے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ (الفاطر:۲)

تفصیل کے لیے دیکھئے "نفح الطیب" (ج۴) اور ابوالعباس سوڈانی کی "کفایۃ المحتاج" "تذکرہ ابوعبد اللہ بن الصباغ المکناسی۔

ابن غازی نے صحیح البخاری پر اپنے حواشی میں لکھا ہے: بعض علماء نے اس حدیث "یا ابا عمیر ما فعل النغیر" سے لگ بھگ تین سو فوائد کا استنباط کیا ہے' اور علامہ ابوالفضل بن الصباغ الکناسی کے بارے میں سننے میں آیا ہے انہوں نے اس سے زائد فوائد ذکر کیے ہیں' میں بھی اس میں غور و فکر کرتا رہا تو مسودہ میں دو سو سے زائد فوائد

۱۲۴۱ حافظ سیوطی کا ضعیف حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں' یہ رقص اور وجد ہی تو ہیں جس نے اس امت کو پستی میں ڈال دیا ہے۔ نسأل اللہ اللطف و السلامۃ۔

۱۲۴۲ صحیح حدیث۔ بخاری: ۶۱۲۹۔ ۶۲۰۳' الادب المفرد: ۲۶۹' مسلم: ۶۵۹۔ ۲۱۵۰' احمد ج۳ ص۱۱۹۔ ۱۷۱۔ ۲۱۲' ترمذی: ۳۳۳۔ ۱۹۸۹' نسائی "عمل الیوم واللیلۃ": ۳۳۵۔ ۳۳۶' ابن ماجہ: ۳۷۲۰' ابن حبان: ۲۳۰۸' بیہقی ج۵ ص۲۰۳' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ابوعمیر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ماں شریک بھائی' بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

تحریر کر لیے' تاہم ان میں سے بعض فوائد بعض دیگر فوائد سے ملتے جلتے ہیں۔ واللہ اعلم

صحیح مسلم پر ابن الشاط کے حواشی میں قاضی عیاض کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اس میں بچوں کے لیے پرندے سے کھیلنے کا جواز ہے۔ علماء کے نزدیک اس کا مطلب پرندے کو عذاب دینا اور ستانا نہیں ہے بلکہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس سے کھیلنا اور دل بہلانا ہے۔

شیخ ابوعلی بن رحال نے باب الغصب میں "المدونة" کے حوالہ سے پرندے کو پنجرے میں بند رکھنے کا جواز ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے یہ جواز اس صورت میں ہے جبکہ پرندے کو عذاب نہ دیا جائے اسے بھوکا پیاسا نہ رکھا جائے اس سے غفلت نہ برتی جائے' اسی طرح اسے کسی ایسے پرندے کے ساتھ نہ رکھا جائے جو اس کے سر پر ٹھونگیں مارے اور اسے زخمی کر دے جیسا کہ ڈربوں میں مرغے ایک دوسرے کے سر پر ٹھونگیں مار مار کر ایک دوسرے کو زخمی کر دیتے ہیں بلکہ مار دیتے ہیں' یہ سب صورتیں بالاجماع حرام ہیں' کیونکہ بلا فائدہ کسی جانور کو عذاب دینا سب کے نزدیک حرام ہے۔ پرندے کو ستایا نہ جائے' اسے الگ رکھا جائے یا ایسے پرندہ کے ساتھ رکھا جائے جو اسے ٹھونگیں نہ مارے یا درمیان میں آڑ بنادی جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کے پاس نہ پہنچنے پائیں' اپنی اولاد کی طرح ان کے دانہ پانی کا خیال رکھے' پرندے کے بیٹھنے کے لیے لکڑی وغیرہ لگا دے' کیونکہ اگر اسے ایسے ہی زمین پر بٹھایا گیا تو وہ خصوصاً سردی کے زمانہ میں تکلیف محسوس کرے گا۔ یہ تمام باتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کے لیے کسی نص کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم نے کتنے لوگوں کو دیکھا ہے جو مختلف طریقوں سے ڈربوں اور پنجروں میں مرغیوں اور پرندوں کو اذیت میں مبتلا رکھتے ہیں' اسی طرح مینڈھے' دنبے یا گدھے' خچر کو بغیر کھلائے پلائے بند رکھنا یا باندھ کر رکھنا کہ وہ بھوک پیاس سے قریب المرگ ہو جائے حرام ہے' ظالم اور بے رحم شخص سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان جانداروں کا کماحقہ' خیال رکھے گا بلکہ وہ انہیں کمزور کر کے یا مار کر رہے گا' اگر کوئی جانور یا پرندہ مذکور الصدر سہولتیں بہم پہنچانے کے باوجود ان سے استفادہ نہیں کرتا اور خود کو اذیت میں مبتلا کرتا ہے تو اس کا گناہ نہیں ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ عفو و درگذر نہ فرمائے تو اذیت کے تمام طریقے حرام ہیں اور دنیا و آخرت میں سزا اور عذاب کا باعث ہیں کیونکہ حیوانات انسانوں کی طرح بول نہیں سکتے وہ اپنے مالک کو یہ نہیں بتا سکتے کہ انہیں اس وقت کیا چیز مطلوب ہے' اگر مالک رحم دل ہوگا' لوگوں سے میل ملاپ رکھتا ہوگا' غور و فکر سے کام لیتا ہوگا تو وہ یقیناً ان کی دیکھ بھال سے غافل نہ ہوگا اور وہ سینکڑوں رحمتوں کا امین ہوگا' مزید کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ جانوروں اور پرندوں کو اذیت دینے سے بچنا ضروری ہے کہ یہ موجب عذاب و عتاب ہے' رحم دل انسان کو چاہیے کہ ہر ناواقف کو اس پر متنبہ کرے تاکہ لوگ احتیاط سے کام لیں' بہت سے لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں: پرندے کو پنجرے میں بند کرنا جائز ہے' چڑیا سے کھیلنا جائز ہے اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "یا ابا عمیر ما فعل النغیر" اور اس میں اذیت نہ دینے کی شرط کا خیال نہیں رکھتے' حالانکہ اس میں عظیم اجر اور (اذیت دینے میں) عذاب ہے' اسی طرح حسب عادت باربرداری کے جانور پر اس کی قوت برداشت سے زائد وزن لادنا ہے' اور یہ کام وہی شخص کرتا ہے جس کے

دل سے اللہ تعالیٰ نے رحمت چھین لی ہے جو رحم دلی سے محروم اور قساوت قلبی میں مبتلا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رحیم بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

''طبقات ابن سعد''میں سعید بن دارم سے مروی ہے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا' آپ نے ایک شتربان کو مارا اور فرمایا: اپنے اونٹ پر اس کی طاقت سے زائد وزن مت لادو۔

میں نے ابن عبدالحکم کے تحریر کردہ فضائل عمر بن عبدالعزیز میں یہ بات پائی ہے کہ آپ نے بازار کے نگرانوں کو لکھا کہ جانور کو خاردار لگام ڈالی جائے نہ ایسی چھڑی چبھوئی جائے جس کی نوک پر لوہا ہو۔ اور مصر میں حیان کو لکھا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ مصر میں باربرداری کے اونٹوں پر ہزار رطل (ایک رطل ۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام) وزنی مال لادا جاتا ہے' جب تمہیں میرا یہ خط ملے اس کے بعد میں سامان کی منتقلی پر مامور اونٹوں پر چھ سو رطل سے زائد وزن بار کرنے کا نہ سنوں۔

''عون الودود علی سنن ابی داؤد''میں حدیث مبارکہ''رحم کرنے والوں پر اللہ رحم فرماتا ہے' تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم فرمائے گا''[۱۲۴۳] کی شرح میں مذکور ہے یعنی زمین میں انسانوں اور حیوانات پر رحم کرو' ان کو دکھ نہ دو' قتل نہ کرو' ان پر شفقت اور احسان کرو۔

''طبقات ابن سعد''میں ہے نبی ﷺ نے حضرت نقادہ بن عبداللہ بن خلف الاسدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لیے دودھیل' سواری میں کام آنے والی اونٹنی تلاش کرو اور اسے لڑکے کے سپرد نہ کرو۔[۱۲۴۴]

نیز طبقات ہی میں حضرت سوادہ بن الربیع الجرمی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں اپنی والدہ کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا' آپ نے مجھے بکریاں عطا کرنے کا حکم دیا اور میری والدہ سے فرمایا: اپنے بیٹوں کو ناخن کاٹنے کا حکم دینا تاکہ وہ بکریوں کو تکلیف نہ دیں اور ان کے تھنوں کو زخمی نہ کردیں' اور اپنے بیٹوں سے کہنا: اپنے جانوروں کو اچھی خوراک دیں۔[۱۲۴۵]

''طبقات ابن سعد''میں ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اونٹ کے زخم پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرماتے: مجھے اندیشہ ہے کہ مجھ سے تیرے زخم کے متعلق سوال ہوگا۔

ابن رشد نے جب یہ کہا کہ اگر مالک اپنے غلام کو معروف طریقہ سے کھانا اور لباس فراہم نہ کرے تو اس کے

[۱۲۴۳] ترمذی: ۱۹۲۵' ابوداؤد: ۴۹۴۱' از عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ شیخ الارناؤوط نے''جامع الاصول''(۲۶۱۵) میں کہا ہے: شواہد کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۷)

[۱۲۴۴] ضعیف حدیث۔ احمد ج ۵ ص ۷۷' ابن ماجہ: ۴۱۳۴۔ از نقادہ الاسدی رضی اللہ عنہ۔ البوصیری نے''الزوائد''میں کہا ہے: اس کے اسناد میں براء ہے' اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ذہبی نے مجہول کہا ہے باقی رجال ثقات ہیں۔ نقادہ رضی اللہ عنہ کی صحاح ستہ میں صرف یہی ایک حدیث ہے۔ البانی نے اس حدیث کو''ضعیف سنن ابن ماجہ''(حدیث: ۹۰۳) میں نقل کیا ہے۔
(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۴۸۶۸)

[۱۲۴۵] حسن حدیث۔ بغوی از مسلم از سوادہ (الاصابہ ج ۲ ص ۹۷' رقم: ۳۵۸۸)' احمد ج ۳ ص ۴۸۴' از طریق مسلم بن عبدالرحمٰن۔۔۔ ۔۔۔''التقریب''(حدیث: ۶۵۷۱) میں ابن حجر نے اس کے ایک راوی مرجی بن رجاء الیشکری کو صدوق اور وہمی کہا ہے۔

خلاف فیصلہ دیا جائے گا' لیکن جانوروں کے مالک کے خلاف ایسا فیصلہ صادر نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنے جانوروں کو بھوکا پیاسا نہ رکھے' اس کے خلاف چارے کا فیصلہ نہیں دیا جائے گا' تو حطاب مغرب شیخ ابو علی بن رحال نے "شرح المختصر" کے باب النفقات میں اس کی زبردست تردید کی اور "الکافی" کے حوالہ سے ابن عبدالبر کا یہ قول نقل کیا کہ سواری میں جانوروں پر نرمی اور بوجھ لادنے میں ان پر شفقت کا وجوب سنت سے ثابت ہے کیونکہ یہ گونگے ہیں بول نہیں سکتے اور ہر تر جگر کے ساتھ نیکی میں اجر ہے۔[1246] یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ جب جانوروں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے میں اجر ہے تو یقیناً ان کو تکلیف دینے میں گناہ ہے۔ جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ وزن نہ لادا جائے' ان کے مونہوں پر نہ مارا جائے' ان کی پیٹھوں کو کرسی نہ بنایا جائے' ان کے گلے میں گھنٹیاں نہ ڈالی جائیں' اگر ان سے رات میں کام لیا جائے تو دن میں ان کو کام سے فارغ رکھ کر راحت دی جائے' اسے زین یا پالان میں کس کر نہ رکھا جائے اور اسے بغیر چارے اور پانی کے نہ چھوڑا جائے۔

ابن رحال نے کہا: ابن رشد کے مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جانور کا مالک جانور پر اس کی قوت برداشت سے بڑھ کر بوجھ لادتا ہے یا اس کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا رکھتا ہے تو اس کے مالک کو اپنی حرکتوں سے باز رہنے کو نہ کہا جائے' اس کے خلاف فیصلہ نہ دیا جائے اسے صرف اللہ سے ڈرنے کو کہا جائے' حالانکہ جانور سے ایسا سلوک کرنا بالکل جائز نہیں ہے' حدیث شریف میں ہے: ہر تر جگر جاندار سے نیکی میں اجر ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس حدیث سے یہ لازم آیا کہ جانور کو اذیت دینے اور تکلیف پہنچانے میں گناہ ہے اور ہر گناہ کا ارتکاب غلط کام ہے' اور ہر گناہ کو مٹانا واجب ہے جیسا کہ ابن عرفہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر لوگ امام (حکمران) کے قول: لوگو! فلاں معاملہ میں اللہ سے ڈرو' سے سدھرنے والے ہوتے تو پھر یہ سزائیں' قید و بند' قتل اور تعزیرات مشروع نہ ہوتیں۔ ابو علی بن رحال کہتے ہیں: جب جانور کی چراگاہ نہ ہو تو اس کی خوراک پر خرچ کرنا واجب ہے۔ اسی طرح مالک پر غلام کا خرچہ لازم ہے' ورنہ جانور کو بیچ دیا جائے گا' جیسے جانور پر اس کی طاقت سے زائد وزن لادنے پر گرفت ہوگی' مادہ جانور کا اتنا دودھ نکالا جا سکتا ہے جس سے اس کے بچے کو ضرر نہ ہو۔

شیخ ابو علی نے متعدد دلائل اور مختلف کتب سے خوشہ چینی کر کے اس مسئلہ کو ایسا واضح کر دیا ہے کہ بے زبان جانوروں سے متعلق ہم اس طرز عمل اور طریق کار کو اپنا کر ایک مثالی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

میں نے اس موضوع پر طویل گفتگو کی ہے تاکہ یورپ اور امریکہ کی ان تنظیموں کو معلوم ہو جائے کہ جانوروں سے متعلق ان کی حالیہ مساعی سے صدیوں پہلے مسلمان ایسے قوانین وضع کر چکے ہیں اور وہ انسدادِ بے رحمی حیوانات کے متعلق اہل یورپ سے بہت آگے ہیں۔

[1246] صحیح حدیث۔ احمد ج ۲ ص ۲۲۲' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (ج ۳ ص ۱۳۱) میں کہا ہے: امام احمد کی حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

لطیفہ

امام مالک رضی اللہ عنہ کے دور میں دار قدامہ نام کی ایک حویلی تھی جس میں لوگ کبوتر بازی کرتے تھے' امام مالک نے ابن الماجشون سے تلخ کلامی کے دوران اسی جانب اشارہ کیا تھا اور فرمایا: تم دار قدامہ کو پہچانتے ہو؟ ابن حارثہ کہتے ہیں: ابن الماجشون سرکش آدمی تھا' امام مالک سے اس کی تلخ کلامی ہوئی تو پورا ایک سال بات چیت بند رہی' امام مالک نے اس سے فرمایا: کیا تم دار قدامہ کو پہچانتے ہو؟ اس حویلی میں نوعمر لڑکے کبوتروں سے کھیلتے تھے' البرزلی نے کہا: یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مالک نے اسے یہ جملہ کہہ کر اس کی کم سنی اور کھیل کود کی طرف اشارہ کیا (یعنی ابھی تم اس قابل نہیں ہو اور تمہیں وہ علمی وقعت حاصل نہیں کہ ہم سے مسائل میں الجھو' جاؤ تم کبوتروں سے کھیلو)۔ تفصیل کے لیے دیکھئے علامہ حطاب کی ''تحریر الکلام فی مسائل الالتزام'' اور ''فتاوی الشیخ علیش'' (ج ۱ ص ۲۶۷)۔

گھر میں وحشی جانور رکھنا

مسند احمد (ج ۶ ص ۱۱۲) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے گھر والوں کے پاس ایک وحشی جانور تھا' جب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جاتے وہ کھیلتا' بھاگ دوڑ کرتا اور آگے پیچھے اچھل کود کرتا' جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے' اسے سکون آ جاتا اور جب تک رسول اللہ ﷺ گھر میں موجود رہتے اسی حالت میں رہتا تا کہ اس کی اچھل کود اور بھاگ دوڑ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہ ہو[۱۲۴۷]

ابن عدی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں تنہا رہتا ہو تو وہ کبوتروں کا جوڑا رکھ لے[۱۲۴۸]

امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس تنہائی کی شکایت کی' رسول اللہ ﷺ نے اس کو کبوتروں کا جوڑا رکھنے کا حکم فرمایا[۱۲۴۹]

۱۲۴۷ صحیح الاسناد۔ صحیح کے راوی۔ اس کے متصل ہونا مجاہد کے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع پر موقوف ہے یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین اور ابو حاتم' مجاہد کے عائشہ رضی اللہ عنہا سے عدم سماع کے قائل ہیں' یہ حدیث مرسل ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۵۱۔ ۴۵۴' التھذیب ج ۱۰ ص ۴۲۔ ۴۴' الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۳۱۹) احمد ج ۶ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۵۰۔ ۲۰۹' ابو یعلیٰ: ۴۴۴۱۔ ۴۶۶۰' بزار' طبرانی ''الاوسط'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۔ ۴)' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ علامہ ہیثمی نے کہا: احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

۱۲۴۸ موضوع حدیث۔ ابن عدی ''الکامل'' (ج ۶ ص ۲۱۶)' از طریق ابن عدی۔ ابن الجوزی ''الموضوعات'' ج ۳ ص ۲۱۳' از جابر رضی اللہ عنہ' اس حدیث کے ایک راوی ہارون ابن عنترہ کو ابن حبان نے ناقابل احتجاج و اعتماد' دوسرے راوی عاصم بن سلیمان کو عمرو بن علی الفلاس نے واضع حدیث' نسائی نے متروک اور دار قطنی نے کذاب کہا ہے' تیسرے راوی ابان بن سفیان کو ابن حبان نے ثقہ راویوں سے موضوعات روایت کرنے والا اور دار قطنی نے متروک کہا ہے۔

۱۲۴۹ موضوع حدیث۔ ابن الجوزی ''الموضوعات'' ج ۳ ص ۲۱۳۔ از عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔ ابن عدی کے بقول اس کی تمام روایات منکر ہیں۔

ابن السنی اور ابن عساکر نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے تنہائی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو کبوتروں کا جوڑا رکھنے کا حکم دیا۔ کبوتر اپنی آواز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا۔[۱۲۵۰]

وکیع نے الغرر میں اور ابن عدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں تنہائی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم نے کبوتروں کا جوڑا کیوں نہیں رکھا وہ تم سے مانوس ہوتے اور تم ان کے چوزے کھاتے' یا مرغا رکھ لیتے وہ تم سے انس کرتا اور تمہیں نماز کے لیے جگاتا۔[۱۲۵۱]

اہم بات

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرا گھر دور ہے اور میں نابینا ہوں' میرے پاس کتا ہے' حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور ﷺ نے مجھے چند روز تک کتا رکھنے کی رخصت دی' پھر کتے کو مار دینے کا حکم دیا۔[۱۲۵۲]

اگر چہ یہ بات ابواب صحت وغیرہ میں لائی جانے کے قابل تھی تاہم میں نے اسے یہاں ذکر کر دیا ہے۔

شادی بیاہ کے موقع پر بادام' چھوہارے وغیرہ لوٹنا

ابوجعفر الطحاوی اور بیہقی نے سنن میں لمازہ بن المغیرہ از ثور بن یزید از خالد بن معدان از حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ ایک انصاری کی شادی میں تشریف لائے (راوی نے دولہا کا نام نہیں لیا) عقیلی کی روایت میں یہ زائد ہے حضور ﷺ نے خطبہ دیا اور انصاری کا نکاح پڑھایا' پھر یہ دعا دی: محبت' خیر اور نیک فالی کے ساتھ رہو' اور فرمایا: اس کے سر پر دف بجاؤ' اس پر دف بجایا گیا' پھر لڑکیاں تھالوں میں بادام اور تازہ کھجوریں لائیں' انہوں نے وہ تھال لوگوں کے درمیان رکھ دیئے' لوگوں نے تھالوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان کو لوٹتے کیوں نہیں؟ انہوں نے عرض کیا: آپ نے لوٹنے سے منع فرمایا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے لشکر میں (مال غنیمت میں سے) لوٹنے سے منع کیا ہے شادیوں میں نہیں۔[۱۲۵۳]

۱۲۵۰ مجہول الاسناد۔ حسب سابق موضوع حدیث۔

۱۲۵۱ موضوع حدیث۔ ابن عدی ''الکامل'' (ج۶ص ۴۱۶) ابن الجوزی' ''الموضوعات'' ج۲ص ۲۱۳' از علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں بقول ابن الجوزی' حارث بن اعور کذاب ہے' بقول ابوالفتح الازدی' میمون بن عطاء ضعیف الحدیث ہے' یحییٰ بن میمون بقول الفلاس کذاب ہے' بقول یحییٰ بن معین لیس بشیء ہے' بقول نسائی غیر ثقہ اور غیر مامون ہے اور بقول ابن حبان اس سے کسی حال میں روایت کرنا حلال نہیں ہے۔

۱۲۵۲ ابن سعد ''الطبقات'' ج۴ص ۱۵۳' از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔

۱۲۵۳ موضوع حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج۲۰ص ۱۹۱' مسند الشامیین: ۴۱۶' از معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج۴ص ۲۹۰) میں کہا ہے: اس کے اسناد میں مولیٰ بنو ہاشم' لمازہ سے روایت کرتا ہے۔ دونوں کے حالات نامعلوم ہیں' باقی رجال ثقہ ہیں۔ طبرانی نے ''الاوسط'' (۱۹۴ مجمع البحرین) میں دوسرے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عقیلی کی روایت میں ہے لوگ رُکے رہے اور انہوں نے بادام' چھوہارے نہ لوٹے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اتنا صبر؟ تم نے چھوہارے کیوں نہیں لوٹے؟ انہوں نے عرض کیا: ہمیں فلاں فلاں دن لوٹنے سے منع کیا گیا ہے' آپ نے فرمایا: میں نے تمہیں لشکر میں لوٹنے سے منع فرمایا ہے شادی بیاہ میں لوٹنے سے منع نہیں کیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا پھر میں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو چھوہارے لوٹنے میں ایک دوسرے کو کھینچتے ہوئے دیکھا۔

امام طحاوی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بادام اور چھوہاروں وغیرہ کا لوٹنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے' انہوں نے اس حدیث سے ممانعت پر مبنی احادیث صحیحہ کے خلاف مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ امام بیہقی نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا: یہ ثابت نہیں ہے۔ پھر کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس جیسی حدیث مروی ہے' لیکن اس مفہوم پر کوئی حدیث ثابت نہیں۔

''کتاب المعرفة'' میں طحاوی کے اس قول کا رد کرتے ہوئے کہا ہے: یہ حدیث عون بن عمارہ اور عصمہ بن سلیمان سے مروی ہے اور وہ دونوں نا قابل احتجاج ہیں' ان کا شیخ لمازہ بن مغیرہ مجہول ہے۔ یہ دونوں علتیں انفرادی طور پر حدیث کو ضعیف قرار دیتی ہیں چہ جائیکہ اس حدیث کی روایت میں یہ دونوں جمع ہیں اور راوی خالد بن معدان منقطع ہیں اور منقطع روایت قابل حجت نہیں۔

العقیلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں: مجھ سے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک انصاری کی شادی میں شریک ہوئے۔ الحدیث لیکن عبدالحق نے کہا ہے: اس کے اسناد میں بشر بن ابراہیم الانصاری البصری ضعیف راوی ہے۔ ابن عرفہ نے ''مختصر'' میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اسے الختعمی نے ذکر کیا ہے' پھر عبدالحق کی جرح نقل کی' اس کے بعد کہا ہے: عبدالحق کا قول ذکر کیے بغیر ابن عبدالسلام کا ذکر اس کی صحت میں ابہام کا باعث ہے اور ابن القطان نے اس پر جرح نہیں کی۔

''المواق علی المختصر'' میں ہے: ابی عمر کی طرف سے لوٹ کی اجازت میں یہی کہا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: میں نے تمہیں شادی بیاہ میں لوٹنے سے منع نہیں کیا تھا۔

تفصیل کے لیے ابن حجر اور المناوی کی ''الشمائل'' اور ''المواهب'' پر تقریر اور تشریح دیکھئے' نیز ''المختصر''

(بقیہ حاشیہ: ۱۲۵۳) ''مجمع الزوائد'' (ج ۴ ص ۲۹۰) میں ہے' اس میں بشر بن ابراہیم وضاع ہے۔ اسی طریق سے عقیلی نے ''الضعفاء'' (رقم: ۵۲) میں اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے کہ بشر' اوزاعی سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔ ابن الجوزی نے ''الموضوعات'' (ج ۲ ص ۲۶۰) میں یہ حدیث نقل کی ہے اور بشر بن ابراہیم کو متہم کہا ہے۔ ابن عدی کے بقول یہ موضوع احادیث ثقہ کے حوالہ سے نقل کرتا ہے۔ اسی لیے ابن حبان نے اس کے متعلق کہا ہے: یہ ثقہ راویوں کے حوالہ سے موضوع احادیث بیان کرتا ہے۔ بیہقی (ج ۷ ص ۲۸۸) نے کہا ہے: ایک اور مجہول اسناد سے یہ حدیث از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا از معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مروی ہے' لیکن اس باب میں کچھ ثابت نہیں ہے۔

ابن الجوزی نے از طریق طبرانی اس حدیث کو ''الموضوعات'' (ج ۲ ص ۲۶۵۔۲۶۶) میں نقل کر کے کہا ہے: اس میں حازم اور لمازا مجہول ہیں۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۶۲) بیہقی نے ج ۷ ص ۲۸۸ میں اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے: اس کے اسناد میں مجاہیل اور انقطاع ہے۔

پر الرھونی کے حواشی اور ابن لیون التجیبی کے رسالہ میں ''خطف الفاکھة و نهبها'' کا باب دیکھیں۔

شرعاً جائز اور مباح لہو ولعب

امام بیہقی نے مطلب بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھیل کود کرو کیونکہ میں تمہارے دین میں بے جا سختی کو ناپسند کرتا ہوں۔[1254]

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس لہو (تفریح طبع کا سامان) ہے کیونکہ انصار لہو کو پسند کرتے ہیں۔

امام احمد نے زوج بنت ابی لہب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس داخل ہوئے اور فرمایا: کیا کوئی کھیل تماشہ ہے؟[1255]

علامہ شہاب احمد ابن حجر الہیتمی نے اپنی کتاب ''کف الرعاع'' میں ارشاد نبوی 'کھیل تماشہ کرو' کے تحت لکھا ہے: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب نفس تھک جائے اسے راحت پہنچائی جائے اور اس کے زنگ کو جائز اور مباح کھیل تماشہ کے ذریعے دور کیا جائے۔

شیخ عبد الغنی النابلسی الشامی کی کتاب ''ایضاح الدلالات فی سماع الآلات'' میں ہے جھولا بھی اسی کھیل میں شامل ہے' یہ ابن درستویہ کا قول ہے۔ فیروز آبادی نے بھی ''القاموس'' میں اسے نقل کیا ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔ ''العین'' اور ''المصباح'' کے مؤلفین کہتے ہیں: یہاں ''الارجوحة'' کا لفظ ہے اس سے ایسا جھولا مراد ہے جو بلند جگہ پر رکھا ہوتا ہے اور اس کے دونوں کناروں پر بچے بیٹھتے ہیں کبھی یہ بچہ اونچا ہوتا ہے اور کبھی دوسرا (ایسے جھولے آج کل بچوں کا پارکوں میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں) ابن الاعرابی کے حوالہ سے ثعلب نے بھی یہی کہا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: اور میں جھولے پر تھی۔ ابن الطیب نے ''القاموس'' کے حواشی میں کہا ہے: جھولا لگانے اور اس سے کھیلنے میں کوئی حرج نہیں ہے' جیسا کہ کتاب البرکۃ میں ہے اور ''المختصر'' کے شارحین نے اسے نقل کیا ہے' علامہ زرقانی نے القرافی کے حوالہ سے دیگر علماء سے اس کی تائید میں نقل کیا ہے کہ جھولا کر کے درد میں فائدہ مند ہے۔

امام ابوداؤد نے سنن میں ''باب فی الارجوحة'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ذکر کی ہے

1254 موضوع حدیث۔ دیلمی ج ۱ص ۱۹' از ابوبکر ذہبی از محمد بن عبد السلام از یحییٰ بن یحییٰ ---- مرفوعاً۔ البانی نے ''سلسلة الاحادیث الضعیفة'' (حدیث: ۲۲۵۸) میں کہا ہے: میرے نزدیک اس اسناد کی آفت محمد بن عبد السلام ہے۔ ذہبی نے کہا ہے: اس نے ابن عدی سے روایت لکھی اور اس پر کذب کی تہمت لگائی اور یہ کہ یہ بغیر سنی ہوئی احادیث روایت کرتا ہے۔ المناوی نے اس کو مرسل روایت کہا ہے کیونکہ اس کے اسناد میں مطلب بن عبد اللہ تابعی کثیر التدلیس اور کثیر الارسال ہے۔ حافظ سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' میں بیہقی کے حوالہ سے اسے نقل کیا ہے۔ (ضعیف الجامع الصغیر: ۱۲۲۲)

1255 ~~ضعیف حدیث~~۔ احمد ج ۳ص ۶۷' طبرانی ''الکبیر'' ج ۲۴ص ۶۵۹' از زوج بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا۔ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (ج ۴ص ۲۸۹) میں کہا ہے: اس کے راوی ~~معبد~~ بن قیس کو میں نہیں پہچانتا۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے چھ یا سات سال کی عمر میں مجھ سے نکاح فرمایا' جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے میرے پاس عورتیں آئیں۔ بشر کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: میرے پاس ام رومان (آپ کی والدہ) آئیں' میں جھولے پر تھی وہ مجھے لے گئیں' ان عورتوں نے مجھے تیار کیا اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچایا' اس وقت میں نو سال کی لڑکی تھی۔[۱۲۵۶]

سات دن تک شادی کا ولیمہ

امام بخاری نے کتاب النکاح میں یہ عنوان قائم کیا ہے: **"باب حق اجابة الوليمة والدعوة ' ومن اولم سبعة ايام و نحوه ولم يوقت النبی صلى الله عليهوسلم يوما ولا يومين "**[۱۲۵۷]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: امام بخاری نے یہ عنوان قائم کر کے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ابن ابی شیبہ نے حفصہ بنت سیرین کے طریقے سے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: جب میرے والد کی شادی ہوئی' انہوں نے سات روز صحابہ کی دعوت کی' انصار کی دعوت کے دن حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما وغیرہ کو مدعو کیا' حضرت ابی رضی اللہ عنہ روزہ سے تھے' کھانے کے وقت حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دعا دی اور تعریف کی۔[۱۲۵۸]

بیہقی نے دوسرے طریق سے اسے زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے' عبدالرزاق نے بہ طریق دیگر حفصہ سے روایت کیا ہے اس میں آٹھ ایام کا ذکر ہے' امام بخاری نے عنوان میں "ونحوہ" سے اسی جانب اشارہ کیا ہے کیونکہ اگر چہ روایات متعدد ہیں لیکن قصہ ایک ہے' اگرچہ امام بخاری نے اپنا مؤقف بیان نہیں کیا تاہم انہوں نے دعوت ولیمہ کے لیے مخصوص اور معدود دنوں کی قید نہ ہونے کی ترجیح کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ابن المنیر کا یہی خیال ہے۔

امام بخاری نے "تاریخ" میں اس مسئلہ کو مزید واضح کیا ہے' انہوں نے زہیر بن عثمان کے تذکرہ میں امام ابوداؤد اور نسائی کی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث نقل کی ہے' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولیمہ حق ہے' پہلا دن حق ہے' دوسرا دن معروف ہے اور تیسرا دن ریاکاری اور شہرت کی طلب ہے۔[۱۲۵۹] امام بخاری نے کہا: اس کا اسناد صحیح نہیں ہے۔

۱۲۵۶ صحیح حدیث۔ ابوداؤد: ۴۹۳۳' از عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۱۲۵۷ فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۸۔

۱۲۵۸ ابن ابی شیبہ' از حفصہ بن سیرین (فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۱)

۱۲۵۹ ضعیف حدیث۔ احمد ج ۵ ص ۲۸' ابوداؤد: ۳۷۴۵' طحاوی "مشکل الآثار" ج ۴ ص ۱۴۶' بیہقی ج ۷ ص ۲۶۰' از ہمام از قتادہ از عبداللہ بن عثمان الثقفی ۔۔۔۔۔۔ میں کہتا ہوں: یہ اسناد عبداللہ بن عثمان الثقفی کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ مجہول ہے۔ (التقریب) عبداللہ بن عثمان نے یہ حدیث زہیر بن عثمان سے روایت کی ہے' زہیر کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے' بخاری اس کی صحبت کے منکر ہیں' حافظ ابن حجر نے "التہذیب" میں کہا ہے: ابن ابی خیثمہ' ابوحاتم رازی' ابوحاتم بن حبان' ترمذی اور الازدی نے اس کی صحابیت کو ثابت کیا ہے۔ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں لیکن سب کے سب اس کو ضعف کے درجہ سے اوپر نہیں لاتے۔ تفصیل دیکھئے "ارواء الغلیل": ۱۹۵۰۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو ولیمہ پر بلایا جائے تو وہ جائے۔[۱۲۶۰] اس حدیث میں دنوں کی قید نہیں ہے اور یہ صحیح ترین روایت ہے۔ ابن سیرین نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ان کی شادی ہوئی تو انہوں نے سات روز ولیمہ کیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بھی شرکت کی دعوت دی' وہ بھی شریک ہوئے۔[۱۲۶۱]

ابو یعلیٰ نے اسناد حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا اور تین دن ان کا ولیمہ کیا۔[۱۲۶۲]

مالکیہ بھی امام بخاری کے ہم مشرب ہیں' چنانچہ قاضی عیاض نے کہا: ہمارے اصحاب نے اغنیاء کے لیے سات دن ولیمہ کرنا مستحب کہا ہے۔ قاضی عیاض کے علاوہ نے کہا: یہ اس صورت میں ہے جب ہر روز ان لوگوں کو مدعو کرے جن کو پہلے نہیں بلایا تھا' لوگوں کو بار بار نہ بلائے نیز ریاء اور سستی شہرت کا حصول بھی مطلوب نہ ہو۔

شام سے ملاوٹ سے پاک میدے' گھی اور شہد کی درآمد اور رسول اللہ ﷺ کا تناول فرمانا

لیث بن ابی سالم نے کہا: اسلام میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلوہ بنایا' ان کے پاس میدہ اور شہد لانے والا قافلہ آیا' انہوں نے میدے اور شہد سے حلوہ بنایا اور نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا' آپ نے اسے تناول فرمایا اور پسند کیا۔

المحب الطبری نے ''الریاض النضرۃ'' میں کہا ہے: اسے خیثمہ نے ''فضائل عثمان'' میں روایت کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قافلہ آیا اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے میدے' گھی اور شہد لانے والے اونٹ بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حلوہ پیش کیا۔

حاکم وغیرہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اونٹوں کے باڑے کی طرف تشریف لے گئے' آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ میدہ' گھی اور شہد سے لدی ہوئی اونٹنی کو ہانک رہے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اسے بٹھاؤ' انہوں نے بٹھا دیا' رسول اللہ ﷺ نے اس سامان

۱۲۶۰۔ صحیح حدیث۔ مالک ''الموطا'' ج ۲ ص ۵۴۶' بخاری: ۵۱۷۳' مسلم: ۱۴۲۹ (۹۶۔۹۷)' ابوداؤد: ۳۷۳۶' احمد ج ۲ ص ۳۷' ترمذی: ۱۰۹۸' ابن حبان: ۵۲۹۴' بغوی ''شرح السنۃ'': ۲۳۱۴' از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ اس باب میں جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث مروی ہیں۔ تخریج کے لیے ملاحظہ کریں ''الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان'' ج ۱۲ ص ۳۰۳۔ ۵ ج ۱۲ ص ۳۰۶۔۵' از تحقیق شعیب الارناؤط۔

۱۲۶۱۔ فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۱۔

۱۲۶۲۔ صحیح حدیث۔ بخاری: ۲۲۲۸۔ ۴۲۰۱۔ ۵۰۸۶۔ ۵۱۶۹' مسلم: ۱۳۶۵' ابوداؤد: ۲۰۵۴' ترمذی: ۱۱۱۵' نسائی ج ۶ ص ۱۱۴' دارمی ج ۲ ص ۱۵۴' ابن ماجہ: ۱۹۵۷' احمد ج ۳ ص ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۸۶' ابو یعلیٰ: ۳۰۵۰' از انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

میں برکت کی دعا کی' پھر پتھر کی ہانڈی منگوا کر آگ پر چڑھائی' اس میں میدہ' شہد اور گھی ڈال دیا اور اس کا حلوہ تیار کرنے لگے' جب حلوہ پک گیا یا پکنے کے قریب ہوا' آپ نے اسے اتار کر ارشاد فرمایا: کھاؤ اس چیز کو اہل فارس خبیص کہتے ہیں[۱۲۶۳] الطبری نے کہا ہے: اسے تمام نے "فوائد" میں اور طبرانی نے "معجم" میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ شامی نے کہا ہے: "المعجم الاوسط" اور "المعجم الصغير" کے راوی ثقہ ہیں' امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور بقی بن مخلد نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ زرقانی نے "شرح المواهب" میں کہا ہے: اس حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے نبی ﷺ نے حلوہ تیار فرمایا ہے' اور پہلی روایت میں ہے سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلوہ تیار کیا' ممکن ہے اس کا یہ مطلب ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حلوہ کے خام اجزاء فراہم کیے اور ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس لیے ان کو اسلام میں سب سے پہلے حلوہ بنانے والا کہا گیا ہو۔ لیکن حرث نے سند منقطع کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گھی' شہد اور گیہوں سے حلوہ تیار کیا اور ایک پیالے میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا' حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یہ اہل عجم کا ایک کھانا ہے جسے وہ خبیص کہتے ہیں' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے تناول فرمایا[۱۲۶۴] ان روایات کو اس طرح بھی جمع کیا جا سکتا ہے کہ ایسا متعدد مرتبہ ہوا' ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اپنے لیے حلوہ بنایا اور اسے حضور ﷺ کی خدمت میں بھی پیش کیا' دوسری مرتبہ نبی ﷺ نے ان کو حلوہ تیار کرنے کا حکم فرمایا۔

ہمارے شیخ' استاذ اور والد نے "تحديد الاسنة" میں حضور ﷺ کے خالص میدہ تناول فرمانے کی حدیث کے بعد کہا ہے: اگر آپ یہ کہیں کہ ترمذی نے "الشمائل" میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے کہا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے میدہ کھایا ہے؟ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے میدہ ملاحظہ نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ سے واصل ہوئے[۱۲۶۵]

میں کہتا ہوں: ان کا یہ کہنا ان کی معلومات اور اطلاع پر مبنی ہے' ورنہ مثبت' منفی پر مقدم ہوتا ہے' جس صحابی نے اسے ثابت کیا ہے ان کا قول نفی کرنے والے پر حجت ہے' کوئی صحابی نبی ﷺ کے تمام احوال کا احاطہ کرنے والا نہ تھا۔

"طبقات ابن سعد" میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہترین زادِ راہ پسند فرماتے تھے۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کھانا کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما مرغ' چوزے اور پتھر کی ہنڈیا میں حلوہ کھاتے تھے۔

"اوائل السيوطي" میں ہے سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلوہ تیار کیا' انہوں نے یہ حلوہ میدے

۱۲۶۳۔ صحیح حدیث۔ حاکم "المستدرک" ج ۴ص ۱۰۹۔۱۱۰ از عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ حاکم کے بقول یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ ذہبی بھی حاکم کے ہم نوا ہیں۔

۱۲۶۴۔ ضعیف' منقطع الاسناد حدیث۔

۱۲۶۵۔ صحیح حدیث۔ ترمذی "السنن": ۲۳۶۴' الشمائل: ۱۴۹' از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔

اور شہد سے تیار کیا' پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی ﷺ کے لیے بھیجا' اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ دیار عرب میں سب سے پہلے فالودہ امیہ بن ابی الصلت لایا' اسے شام کے بعض لوگوں کے فالودہ کھلایا تھا۔ عبداللہ بن جدعان کو خبر ہوئی تو اس نے یمن کی طرف آدمی بھیجا تاکہ وہ وہاں سے شہد کے ساتھ فالودہ تیار کرنے والا (کاریگر) لے آئے۔

علامہ الفاکہی کی "مناهج الاخلاق السنية" میں "جمع" کی روایت کے حوالہ سے حاکم کی تصحیح کے ساتھ مذکور ہے' جسے شیخ محمد الشامی نے "سبل الهدى والرشاد" میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے:[۱۲۶۶] ہندوستان کے بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف تحائف بھیجے' جن میں ادرک کا مٹکا بھی تھا۔ سب لوگوں نے اس سے ٹکڑا ٹکڑا کھایا' حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھی ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔

حافظ ابوالفرج بن الجوزی نے اپنی کتاب "صيد الخاطر" میں کہا ہے: مجھے اپنے زمانہ کے ایک زاہد کے متعلق معلوم ہوا ہے اس کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو اس نے کہا میں نہیں کھاتا' پوچھا گیا: کیوں؟ کہا: میرا نفس کھانے کی خواہش رکھتا ہے اور میں نے عرصہ دو سال سے نفس کی کوئی خواہش پوری نہیں کی۔

میں کہتا ہوں: اس زاہد پر صحیح اور درست راہ عمل دو وجہ سے مخفی رہی اور اس کا سبب اس کی لاعلمی ہے۔

یہ نبی ﷺ کا اسوہ اور صحابہ کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ مرغی تناول فرماتے تھے اور شہد اور حلوہ کو پسند فرماتے تھے۔

فرقد السبخی حضرت حسن بصری کے پاس آئے وہ فالودہ کھا رہے تھے' انہوں نے پوچھا: فرقد! تم اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: میں اسے نہیں کھاتا اور اس کے کھانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

حسن بصری نے کہا: شہد' میدہ اور گھی میں سے کون سی چیز مسلمان کے نزدیک عیب دار ہے؟

حضرت حسن بصری کے پاس ایک آدمی نے آ کر کہا: میرا ایک پڑوسی ہے جو فالودہ نہیں کھاتا' پوچھا: کیوں؟ کہا: وہ کہتا ہے: میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا' حسن بصری نے فرمایا: تیرا پڑوسی جاہل ہے' کیا وہ ٹھنڈے پانی کا شکر ادا کر سکتا ہے؟

حضرت سفیان ثوری کے دستر خوان پر فالودہ اور بھنا ہوا گوشت ہوتا' آپ فرماتے: جب جانور سے اچھا سلوک کیا جائے وہ بہتر کارکردگی دکھاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس فالودہ لایا گیا آپ نے اس سے کھایا اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: نورنیروز ہے' آپ نے فرمایا: ہمارا ہر روز نوروز ہے۔

[۱۲۶۶] ضعیف حدیث۔ حاکم "المستدرک" ج۴ص۱۳۵' از ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ اس کے اسناد میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے (التقریب:۴۷۵۰) عمرو بن حکام کے متعلق ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل" (ج۶ص۲۲۸) میں امام احمد سے نقل کیا ہے: یہ شعبہ سے تقریباً چار ہزار احادیث روایت کرتا تھا اور اس کی حدیث ترک کر دی۔ ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے اپنے والد سے عمرو بن حکام کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ خراسان کی طرف گیا' واپس آ کر اس نے شعبہ سے احادیث کثیرہ بیان کیں' ان میں سے صرف زنجبیل (ادرک) والی حدیث پر انکار کیا گیا۔

انسان کو چاہیے وہ دلیل کا اتباع کرے' یہ نہیں کہ پہلے راہ عمل متعین کر لے پھر اس کی دلیل تلاش کرے'
حضرت رابعہ نے کہا: اگر تیرے دل کی صلاح فالودہ میں ہے تو اسے کھالے اور ریاکار زاہد نہ بن' بہت سی سیر کرنے والی چیزوں سے سیری نہیں مصلحت مطلوب ہوتی ہے۔ اور ہر بدن مقویات سے قوی اور مضبوط نہیں ہوتا خصوصاً جو فکر مند ہو اور جدوجہد میں مصروف ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا پنیر تناول فرمانا

''سنن ابی داؤد'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: تبوک میں نبی ﷺ کے پاس پنیر لایا گیا۔[۱۲۶۷] ''شرح المواهب'' میں علامہ زرقانی نے کہا: یہ عیسائیوں کا تیار کردہ تھا' کہا گیا: اسے مجوسی (آتش پرست) تیار کرتے ہیں' حضور ﷺ نے چھری منگوائی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے کاٹا۔

شبراملسی کی عبارت بھی یہی ہے کہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اسے کاٹا' یعنی اس کا خیال نہ فرمایا کہ یہ عیسائیوں کا تیار کردہ ہے۔

الطیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا' پنیر کو ملاحظہ فرما کر پوچھا: یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا: یہ کھانا ہے جسے اہل عجم تیار کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس میں چھری رکھو اور کھاؤ۔[۱۲۶۸]

امام احمد اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے غزوۂ تبوک میں نبی ﷺ کے پاس پنیر لایا گیا' آپ نے فرمایا: یہ کہاں تیار کیا گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: فارس میں اور ہمارا خیال ہے اس میں مردار ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: اس میں چھری سے چوکا دو اور اللہ کا نام لے کر اسے کھاؤ۔[۱۲۶۹]

علامہ الخطابی نے کہا ہے: نبی ﷺ نے ظاہری حالت کے پیش نظر اسے مباح فرمایا اور اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ اس کی تیاری میں مسلمان بھی شریک ہوتے تھے' لیکن علامہ المقریزی نے اس توجیہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے: اس دور میں شام اور فارس میں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ حافظ شامی نے کہا: یہ بات ظاہر ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

حضور ﷺ کی طرف سے بازار کے لیے جگہ کا انتخاب

طبرانی نے حسن بن علی بن حسن بن ابی الحسن البراد المدینی کے طریق سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: مجھ

[۱۲۶۷] حسن حدیث۔ ابوداؤد: ۳۸۱۹' از ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

[۱۲۶۸] حسن حدیث۔ طیالسی: ۲۶۷۴' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[۱۲۶۹] ضعیف الاسناد' حسن لغیرہ حدیث۔ اس کے اسناد میں شریک بد حافظہ اور جابر بن یزید الجعفی ضعیف ہے۔ احمد: ۲۷۵۵' طبرانی: ۱۱۸۰۷' ابن عدی ج ۲ ص ۵۴۳' بیہقی ج ۱۰ ص ۶' از شریک بن عبداللہ از جابر بن یزید از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

سے میرے والد علی بن حسین نے یہ حدیث بیان کی کہ مجھے زبیر بن ابی اسید نے اپنے والد سے یہ حدیث بیان کی کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض گزار ہوا: میں نے بازار کے لیے جگہ دیکھی ہے' کیا آپ اس کو ملاحظہ نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں' آپ اس کے ساتھ بازار کی مجوزہ جگہ تشریف لائے' جب آپ نے اسے دیکھا تو پسند فرمایا اور زمین پر پیر مار کر فرمایا: یہ تمہارا بہترین بازار ہے' اس میں کمی ہوگی نہ تم پر ٹیکس لاگو ہوگا۔[۱۲۷۰]

ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: رسول اللہ ﷺ نبیط بازار کی طرف گئے اور اسے دیکھ کر فرمایا: یہ تمہارا بازار نہیں ہے' پھر آپ اس بازار کی طرف لوٹے' اس میں گھوم پھر کر فرمایا:

یہ تمہارا بازار ہے' یہ ہرگز کم نہ ہوگا اور اس پر ٹیکس نہیں ہوگا۔

دورِ جاہلیت کے وہ بازار جو اسلامی دور میں باقی رہے

امام بخاری نے صحیح البخاری کی ''کتاب البیوع'' میں مذکورہ بالا عنوان کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عکاظ' مجنّہ اور ذوالمجاز جاہلیت کے مشہور بازار تھے' جب اسلام آیا لوگوں نے ان بازاروں میں تجارت کو گناہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ تم پر کوئی گناہ نہیں (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں۔ (البقرہ:۱۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بعد ''حج کے مہینوں میں'' کا اضافہ کیا۔[۱۲۷۱]

''الارشاد'' میں ہے ابن کثیر نے کہا: مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' منصور بن المعتمر' قتادہ' ابراہیم النخعی اور ربیع بن انس وغیرہ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الحج میں اس عنوان کے تحت روایت کیا ہے' باب التجارۃ ایام المواسم والبیع فی اسواق الجاھلیۃ''۔[۱۲۷۲] البدر الدمامینی نے ''المصابیح'' میں کہا ہے: یہاں قوم ثمود کی باقیات (حجر ثمود) اور دورِ جاہلیت کے بازاروں کے درمیان فرق کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ جب غزوۂ تبوک کے موقع پر مقام حجر میں داخل ہوئے' وہاں سے تیزی سے گزرے اور آپ نے اس جگہ کی کسی چیز سے فائدہ حاصل نہ کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ وہاں کے پانی سے جو آٹا گوندھا گیا ہے اسے بھی نہ کھایا جائے۔[۱۲۷۳] جبکہ دورِ جاہلیت کے بازار دورِ اسلام میں بھی ایک عرصہ تک باقی رہے اور ان سے نفع حاصل کیا جاتا رہا' اس کا جواب یہ ہے

۱۲۷۰ ضعیف حدیث۔ طبرانی ''الکبیر'' ج۱۹ص۵۸۶' ابن ماجہ:۲۲۳۳' از اسید۔ ''مجمع الزوائد'' (ج۴ص۷۶) میں ہے' اس کے اسناد میں حسن بن ابی الحسن البراد کے حالات مجھے نہیں ملے۔ میں کہتا ہوں: ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' (ج۱ص۲۰) میں اس کے حالات درج کیے ہیں اور کہا ہے: میرے والد نے اس کو مدینی کا شیخ کہا۔ یہ ابن ماجہ کے رواۃ میں سے ہے۔ ''تہذیب التہذیب'' میں اس کا تذکرہ مجھے نہیں ملا۔

۱۲۷۱ صحیح حدیث۔ بخاری:۲۰۹۸' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

۱۲۷۲ صحیح حدیث۔ بخاری:۱۷۷۰۔۲۰۵۰۔۲۰۹۸۔۴۵۱۹' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

۱۲۷۳ طبرانی ''الکبیر'' ج۷ص۱۵۵۱' از سبرہ رضی اللہ عنہ۔

کہ ان بازاروں میں صرف مروجہ تجارت ہوتی تھی' جبکہ قوم ثمود نے اللہ کی طرف سے بطور معجزہ نکالی گئی اونٹنی کو قتل کر دیا تھا' اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا' اس نافرمانی اور جرم کی پاداش میں وہاں عذاب نازل ہوا۔ دورِ جاہلیت کے بازاروں کا معاملہ ایسا نہ تھا' ان میں واضح فرق ہے۔

حافظ ابن حجر نے کتاب الحج میں ان بازاروں کے بارے میں تبصرہ کیا ہے اور سرزمین حجاز میں ان کے مقامات کا تعین کیا ہے' ان مشہور بازاروں کے علاوہ دیگر بازاروں کا بھی ذکر کیا ہے' پھر الفاکہی سے نقل کیا ہے کہ یہ بازار دورِ اسلام میں بھی معمول کے مطابق لگتے رہے' سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں خوارج کے دور میں عکاظ کا بازار ختم ہوا اور ۱۹۷ھ میں داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ العباسی کے دور میں حباشہ کا بازار بند ہوا۔ ابن الکلبی نے ذکر کیا ہے ہر معزز فرد اپنے علاقہ کے بازار میں جاتا تھا' لیکن عکاظ کے بازار کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر طرف سے لوگ اس بازار میں آتے تھے' یہ اہل عرب کا سب سے بڑا بازار تھا۔ دوسری احادیث میں بھی ان بازاروں کا ذکر آیا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: نبی ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے۔[۱۲۷۴]

زبیر بن بکار نے ''کتاب النسب'' میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ عکاظ کا بازار ذی القعدہ کی یکم سے بیس ذی قعدہ تک لگتا تھا' پھر ذی الحجہ کا چاند نظر آنے تک دس روز کے لیے مجنہ کا بازار لگتا' اس کے بعد آٹھ روز کے لیے ذی المجاز کا بازار لگتا تھا' پھر لوگ حج کے لیے منیٰ کی طرف جاتے تھے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث میں ہے: نبی ﷺ دس سال تک موسم میں مجنہ اور عکاظ کے بازاروں میں لوگوں کے پڑاؤ پر اپنے رب کا پیغام پہنچانے کے لیے جاتے رہے۔[۱۲۷۵]

تلواریں بنانے والے

''الاصابہ'' میں حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے آپ قبل از اسلام دورِ جاہلیت میں شمشیر سازی کرتے تھے۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۴۱۶' حدیث: ۲۲۱۰)

تیر بنانے والے

ابن الجوزی کی ''تلبیس ابلیس'' میں ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر تراشا کرتے تھے۔

[۱۲۷۴] حدیث صحیح۔ بخاری: ۴۷۷۳_۴۹۲۱' مسلم: ۴۴۹' ترمذی: ۳۳۲۳' طبری ''جامع البیان'': ۲۹_۱۰۲' طبرانی ''الکبیر'': ۱۲۴۴۹' ابن حبان: ۶۵۲۶' حاکم ج ۲ ص ۵۰۳' بیہقی ''دلائل النبوۃ'' ج ۲ ص ۲۲۵_۲۲۶' بغوی ''معالم التنزیل'' ج ۴ ص ۱۷۴' از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ جنات کا واقعہ اور ان کا قرآن مجید سماعت کرنا۔

[۱۲۷۵] صحیح حدیث۔ احمد ج ۳ ص ۳۲۲_۳۲۳' بزار: ۱۷۵۶' ابن حبان: ۶۲۷۴' بیہقی ''الدلائل'' ج ۲ ص ۴۴۲_۴۴۳' السنن ج ۹ ص ۹' از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔ ''مجمع الزوائد'' (ج ۶ ص ۴۶) میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کو احمد اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں فتح الباری ج ۳ ص ۶۹۵۔

قبریں کھودنے والے

"سیرت ابن اسحاق" میں رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کھودنے کے واقعہ میں ہے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اہل مکہ کے لیے قبریں کھودتے تھے اور حضرت ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کے لیے قبریں کھودتے تھے آپ لحد بناتے تھے (بغلی قبر کھودتے تھے)۔[۱۲۷۶]

ابن الجوزی کی "صید الخاطر" میں ہے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما قبریں کھودتے تھے۔ "الاصابہ" میں ابوسعید المقبری کیسان کے تذکرہ میں ہے آپ بہت سمجھدار انسان تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کی قبور کی تیاری ان کے ذمہ لگائی تھی۔

مخصوص محفل یا تجہیز و تکفین کے لیے نمائندہ کا انتخاب

"الاستبصار" میں علامہ موفق بن قدامہ نے حضرت اوس بن خولی الانصاری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے: جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور آپ کے غسل کا ارادہ کیا گیا' انصار نے آپ کے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی: اللہ سے ڈرو' اللہ سے ڈرو' ہم آپ کے ماموں ہیں' ہم میں سے بھی کسی کو اس سعادت میں شریک کرو' ان سے کہا گیا: اپنا نمائندہ منتخب کر لو' انہوں نے حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا' آپ رسول اللہ ﷺ کے غسل اور دفن میں اہل بیت کے ساتھ حاضر رہے۔[۱۲۷۷]

"طبقات ابن سعد" (ج ۳ ص ۶۱) میں بھی حضرت اوس رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

خاتون کی میت کا ستر اور اس کی تحسین

ابن سعد نے "طبقات" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کھٹولا (تابوت) بنایا' انہوں نے حبشہ میں اسے دیکھا تھا۔

وزیر ابوعبداللہ بن ابی الخصال الغافقی نے اپنی کتاب "ظل الغمامۃ" میں خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا ہے: آپ کو خاتم النبیین ﷺ کی خبر کے مطابق (کہ تم میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے مجھ سے آ ملو گی) اپنی (جلد) موت کا یقین تھا' آپ اس گھڑی اور لمحے کی منتظر تھیں اور آپ کو یہ فکر

[۱۲۷۶] السیرۃ النبویۃ ج ۲ ص ۶۶۳۔ از حسین بن عبداللہ از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ حسین بن عبداللہ ابن عبیداللہ بن عباس بن عبد المطلب ضعیف ہے۔ (التقریب: ۱۳۳۶)
نبی ﷺ کے دفن کی صحیح روایات کے لیے ملاحظہ کریں "صحیح السیرۃ النبویۃ" ص ۵۸۱-۵۸۲' از شیخ ابراہیم العلی۔

[۱۲۷۷] صحیح حدیث۔ بغوی "معجم" (الاصابہ ج ۱ ص ۸۴' رقم: ۳۳۳) از علی بن مسلم-----

دامن گیر تھی کہ عورت کی میت مردوں کی طرح لے جائی جائے اور خواتین کے مستور اعضاء کفن میں نمایاں ہوں' آپ یہ سوچ سوچ کر شرم و حیاء سے گردن جھکا لیتیں' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے آپ نے اس کا تذکرہ کیا' انہوں نے آپ کے دل سے حبشہ میں دیکھے ہوئے خواتین کی میت کے کھٹولے سے یہ غم دور کر دیا اور کھجور کی ترٹہنیاں منگوا کر ان کے کناروں کو موڑ کر چارپائی پر باندھ دیا اور ان پر بڑا سا کپڑا ڈال دیا اس طرح میت کی پردہ پوشی ہوگئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسے دیکھ کر خوش ہوگئیں اور اسے اپنے لیے پسند فرمالیا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کرامت اور اعزاز سے مخصوص فرمایا اور آپ اس سج دھج سے جنت کی طرف روانہ ہوئیں' اللہ تعالیٰ کے تیار فرمودہ انعام و اکرام سے نوازی گئیں' قیامت کے روز کی لاجواب و بے مثال نعمتوں کے حصول کی جانب روانہ ہوئیں اور آپ کی محترم روح پرفتوح نے موت کے ذریعہ ابدی سکون حاصل کیا۔

قبر کی ہم نشین بوڑھی خاتون

''الاصابہ'' میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی باندی رقیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں ہے کہ وہ طویل العمر تھیں یہاں تک کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے ان کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس ٹھہرا دیا کیونکہ ان کے علاوہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر سے کوئی واقف نہ تھا۔ اسے عمر بن شبہ نے ''اخبار المدینۃ'' میں ذکر کیا ہے۔[۱۲۷۸]

عجیب وغریب واقعات

''طبقات ابن سعد'' میں حضرت عثمان' حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اور ان جیسے عظیم القدر صحابہ سے روایت کرنے والے ایک راوی شبث بن ربعی التمیمی کے تذکرہ میں ہے ہمیں فضل بن دکین نے خبر دی کہ ہم سے حفص بن غیاث نے بیان کیا کہ میں نے اعمش کو یہ کہتے سنا: میں شبث کے جنازہ میں حاضر ہوا' غلام' لونڈیاں' گھوڑے' بختی اونٹ اور اونٹنیاں وغیرہ الگ الگ موجود تھے اور ان کی میت پر بے چینی کے عالم میں رو رہے تھے۔[۱۲۷۹]

''طبقات'' ہی میں ابن سعد نے اہل مدینہ میں سے تابعین کے تذکرہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں ان کی طرف سے بصرہ کے گورنر حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ کے حالات میں لکھا ہے: آپ پاکدامن خطیب تھے' آپ کا رنگ کالا تھا کیونکہ آپ کی والدہ حبشہ کی عیسائی خاتون تھی' ان کی والدہ کا انتقال ہوا تو حارث بن عبداللہ اور ان کے ساتھ دیگر لوگ اس کے جنازہ میں حاضر ہوئے' یہ لوگ ایک طرف رہے اور اس کی ماں کے ہم مذہب اس کے دوسرے بیٹے کے ہمراہ کثیر تعداد میں آئے اور وہ دوسری جانب الگ رہے۔

''الاصابہ'' میں حجار بن ابجر العجلی کے بارے میں ہے' بڑا ذہین شخص تھا' المرزبانی نے معجم الشعراء میں ذکر کیا

[۱۲۷۸] ضعیف روایت۔ عمر بن شبہ ''تاریخ المدینۃ'' (رقم: ۳۳۰)' از ابی غسان (الاصابہ ج۴ ص ۲۹۸)

[۱۲۷۹] طبقات ابن سعد ج۶ ص ۱۵۰' اعمش کی طرف اس کا اسناد صحیح ہے۔

ہے کہ اس کا باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اپنے دین نصرانیت پر مرا۔

طبرانی نے اسماعیل بن راشد کے طریق سے روایت کیا ہے کہ ابجر بن جابر کا جنازہ عبدالرحمٰن بن ملجم کے پاس سے گزرا اور حجار بن ابجر مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک طرف چل رہا تھا' عیسائی بھی جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے۔[۱۲۸۰]

میں (مؤلف) کہتا ہوں: یہ واقعہ اور اس سے پہلے مذکور واقعہ شیخ علیش کی نوازل کے باب الجنائز کے حواشی پر مذکور فتویٰ پر لکھنا ضروری ہے۔ (نوازل ج ۱ ص ۱۳۲) سلف صالحین جیسے امام احمد بن حنبل کے حالات میں مذکور ہے کہ لوگ مذہب اور دین کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔

۱۲۸۰ ضعیف روایت۔ طبرانی از طریق اسماعیل بن راشد (الاصابہ ج ۱ ص ۳۷۴ رقم: ۱۹۵۵) اور اسماعیل بن راشد ضعیف ہے۔